کتاب مستطاب

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ

از قلم حقیت رقم

صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین
سرکار حضرت علامہ الشیخ محمد حسین النجفی مدظلہ العالی علیٰ رؤس المومنین

ناشر

مکتبۃ السبطین
296/9 بی سٹیلائٹ ٹاؤن، سرگودھا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بسم اللہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

میرا طریقہ تو یہ ہے کہ میں لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا ہوں،
میں اور میرا پیرو (دونوں) مضبوط دلیل پر ہیں اور خدا (ہر عیب و نقص سے)
پاک و پاکیزہ ہے اور میں مشرکین سے نہیں ہوں۔ (ترجمہ فرمان)

کتاب مستطاب

اصول الشریعہ

فی

عقائد الشیعہ

از قلم حقیقت رقم

سرکار صدر المحققین سلطان المتکلمین حجۃ الاسلام والمسلمین

حضرت علامہ الشیخ محمد حسین النجفی

مدظلہ العالی علی رؤس المومنین

ناشر مکتبۃ السبطین

۲۹۶/۹ بی
سیٹلائٹ ٹاؤن
سرگودھا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فقیہ اہلبیت آیت اللہ العظمیٰ الشیخ محمد حسین نجفی صاحب کی مندرجہ ذیل کتب دستیاب ہیں

۱)احسن الفوائد فی شرح العقائد 500
۲)اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ400
۳)قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ (مفصل توضیح المسائل ۲ جلدیں)500
۴)خلاصہ الاحکام (مختصر توضیح المسائل)100
۵)اسلامی نماز100
۶)نماز جمعہ اور اسلام100
۷)اثبات الامامت300
۸)سعادت الدارین فی مقتل الحسین500
۹)ذاد المعاد فی یوم المعاد300
۱۰)اصلاح الرسوم 200
۱۱)تفسیر فیضان الرحمان 8 جلدیں (دوسری اور تیسری جلد دستیاب نہیں ہیں) 1650
۱۲)مسائل الشریعہ ترجمہ وسائل الشریعہ (۲۰ جلدیں مکمل)6000
۱۳)آیت اللہ محمد حسین نجفی سے (ساڑھے چار سو) سوالات (تازہ بیشکش) 350
۱۴) علمی مذاکرہ (آیت اللہ نجفی سے پوچھے گئے آن لائن تقریباً پونے پانچ سو سوالات) 250

رابطہ نمبر اقبال حسین خان (بکس سیل)
03325379405

Scanned with CamScanner

with CamScanner

اجمالی فہرست مضامین

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
فہرست عنوانات	۳	اصول اعتقاد میں اخبار احاد پر اعتماد جائز نہیں	۳۱
والدہ مرحومہ کے نام	۷	ائمہ اطہارؑ کی معرفت میں اختلاف	
پیش لفظ	۹	انظار اور اس کی اصلی وجہ	۳۳
حق و باطل کی باہمی کشمکش	۹	غلو و تفویض کی مذمت ارشادات معصومین کی روشنی میں	۳۴
اہل حق پر اہل باطل کی افترا پردازیاں	۱۰	ایک عظیم شبہ اور اس کا ازالہ	۴۱
ہمیشہ اہل حق مظفر و منصور رہے ہیں اور رہیں گے	۱۳	صفات ربوبی کون سی ہیں؟	۴۳
علماء سوء کا کردار	۱۵	کن کن صورتوں میں غلو لازم آتا ہے	۴۴
تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے	۱۶	درمیانہ راستہ	۴۹
موجودہ طرز تبلیغ پر تنقید و تبصرہ	۱۸	نزلونا عن الربوبیۃ کا صحیح مفہوم	۵۰
دین میں اختلاف کرنے کی مذمت	۱۸	لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان کے صحیح مفہوم کا بیان	۵۲
اختلاف فی الدین کے علل و اسباب	۲۰	اختلاف آراء کا نمونہ	۵۳
اصحاب ائمہ کا دینی امور میں اہتمام	۲۳	مراتب ایمانی میں اختلاف	۵۵
ائمہؑ کی شدت گرفت کا بیان	۲۷	معرفت کا کم ترین درجہ	۵۶
موجودہ دور میں مدعیان تشیع کی روش و رفتار پر تبصرہ	۲۷	ہر مومن کا مقام معلوم ہے	۵۷
غیبت کبریٰ کے زمانے والے		جناب سلمان کا عقیدۂ توحید	۵۸
اہل ایمان کی شرعی تکلیف	۲۸	ایک دوسرے سے بیزاری اختیار کرنے کی ممانعت	۵۹
ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ	۳۰	تفریط و تقصیر کرنے والوں کی مذمت	۶۰

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ
تفریط وتقصیر کا مفہوم کیا ہے؟	۶۴
غالی مقصر سے بدتر ہے	۶۷
عام لوگ تقصیر سے تو ڈرتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے	۶۸
ہم نہ غالی ہیں نہ قالی ہیں	۶۹
روایت میں درایت کی اہمیت	۷۱
قبولیت روایات کا معیار و میزان	۷۲
غالیوں کی دیسہ کاریاں	۷۳
عصر جدید کے جدید مؤلفین کی تلون مزاجیاں	۷۴
متشابہ اخبار و آثار	۷۵
یہ کتاب کیوں لکھی گئی	۷۶
اصول الشریعہ کی اشاعت کے بعد کیا ہوا	۷۸
عظمت کتب کا معیار کیا ہے؟	۷۸
مخالفت کا طوفان	۸۰
تشدد و فتنہ انگیزی علمی شکست خودگی کی دلیل ہے	۸۲
جوابی کتب کا غیر متناہی سلسلہ	۸۴
ان جوابی کتب میں کیا ہے؟	۸۶
ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد	۹۱
ایک مولف کا ایک ہی کتاب میں تضاد	۹۱
توجہ طلب نکتہ	۹۸
اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ	۱۰۱
حدیث شریف مشتمل بر اکثر عقائد شیعہ	۱۰۲
پہلا باب	
انبیاءؑ و ائمہؑ کی علیحدہ نوع ہونے کا بیان	۱۰۷
اس نظریہ کے ابطال اور انبیاءؑ و ائمہؑ کے نوع انسانی کے اکمل افراد ہونے کے اثبات پر دلائل	۱۰۸

عنوان	صفحہ
روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل	۱۴۴
روح ایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان	۱۴۸
دوسرا باب	
انبیاءؑ و ائمہؑ کے نور یا بشر ہونے کا بیان	۱۶۳
انبیاءؑ و ائمہؑ کی بشریت کا انکار قرآن کریم و حدیث معصومینؑ اور اجماع مسلمین کی تکذیب ہے	۱۶۸
انبیاءؑ و ائمہؑ کے دنیاوی جاہ و جلال سے محرومی کا راز	
انبیاءؑ و ائمہؑ میں آثار بشریت	۱۸۶
انبیاءؑ و ائمہؑ پر نور کا اطلاق	۱۹۱
آیات و روایات نور کے متعلق چند حقائق	۱۹۲
مومن کی نورانی خلقت کا بیان	۱۹۶
تیسرا باب	
تفویض کے معانی و اقسام اور تفویض ممنوع کے بطلان کا بیان	۲۰۷
تفویض کے اقسام سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام کی روشنی میں	۲۰۸
تفویض کا بطلان قرآن مجید کی روشنی میں	۲۱۹
تکوینی امور میں تفویض کا بطلان	۲۳۵
ائمہ اجواد کے مقام و کام کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد	۲۵۲
انکشاف حقیقت	۳۱۱
چوتھا باب	
انبیاءؑ و ائمہؑ سے استمداد کے جواز و عدم جواز کا بیان	۳۱۳
امور تکوینیہ کی انجام دہی ائمہ طاہرینؑ کے متعلق نہیں ہے	۳۱۶

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ
مسئلہ استمداد انبیاءؑ ائمہؑ قرآن مجید کی روشنی میں	۳۲۵
مقام الوہیت کی وضاحت	۳۳۳
ایک فیصلہ کن استفسار	۳۳۹
مسئلہ استمداد تعلیمات معصومینؑ کی روشنی میں	۳۳۹
متعلقہ مسئلہ میں ائمہ اطہارؑ کے اصحاب اخیار کا طریقہ کار	۳۴۸
اقسام توحید	۳۵۰
متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں	۳۵۵
ایک مضحکہ اطفال استدلال کا ابطال	۳۶۹
پانچواں باب	
حقیقت معجزہ اور اس کے فعل خدا یا فعل نبی وامام ہونے کا بیان	۳۸۱
معجزہ کے شرائط	۳۸۲
معجزہ دلیل نبوت وامامت ہے	۳۸۲
معجزہ اور سحر میں فرق	۳۸۴
معجزہ کا فعل خدا ہونا قرآن کی روشنی میں	۳۸۶
معجزہ کا فعل خدا ہونا احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	۳۹۴
معجزہ کا فعل خدا ہونا علماء متقدمین کی متأخرین کی تحقیقات کی روشنی میں	۴۰۳
معجزہ کا فعل خدا ہونا عقل سلیم کی روشنی میں	۴۲۶
چھٹا باب	
سرکار محمدؐ وآل محمدؐ کے ہر وقت ہر جگہ حاضر ناظر ہونے یا نہ ہونے کا بیان	۴۲۷
حاضر اور ناظر دو الگ موضوع ہیں	۴۲۸

عنوان	صفحہ
حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں	۴۲۹
حاضر ہونے کی نفی احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	۴۳۱
حاضر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں	۴۳۴
حاضر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں	
ایک تحقیق جدید اور اس کا جواب	۴۳۹
لفظ شہید کے لغوی معانی کی تحقیق	۴۴۳
کتب تفسیر وحدیث سے اس مطلب کی تائید مزید	۴۴۵
سرکار محمد وآل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر جگہ ناظر ہونے کا بیان	۴۵۹
ناظر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں	۴۶۰
ناظر ہونے کی نفی احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	۴۶۴
ناظر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں	۴۷۲
ناظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں	۴۷۵
اس مسئلہ میں آخری فیصلہ کہ علم نبیؐ وامامؑ ارادی ہے	۴۷۶
افادہ جدیدہ متعلق بہ علم نبیؐ وامامؑ تدریجی ہے	۴۷۹
بعض شکوک واوہام کا ازالہ	۴۸۰
احادیث عمود کے متعلق بعض اعلام کا تحقیقی بیان	۴۸۴
ساتواں باب	
انبیاءؑ وائمہؑ کے عالم الغیب ہونے یا نہ ہونے کا بیان	۴۸۹
علم غیب کی تعریف	۴۹۰
علم غیب آیات قرآن کریم کی روشنی میں	۴۹۲
علم غیب ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں	۵۰۱
علم غیب تحقیقات علماء کی روشنی میں	۵۰۸
علم غیب عقل سلیم کی روشنی میں	۵۱۳

Scanned with CamScanner

عنوان	صفحہ
جمع بین الروایات اور اس موضوع پر قول فیصل	۵۱۴
بایں وجہ ان ذوات مقدسہ کو عالم الغیب نہیں کہا جاسکتا اور اس کے وجوہ	۵۱۵
بعض شکوک واوہام کا ازالہ	۵۱۹
آٹھواں باب	
پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ معراج پر حضرت امیر المومنینؑ کے تشریف لے جانے یا نہ لے جانے کا بیان	۵۳۳
محل نزاع کی تعیین	۵۳۵
متعلقہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں	۵۳۶
متعلقہ مسئلہ احادیث معصومینؑ کی روشنی میں	۵۳۷
عالم بالا میں جناب امیرؑ کی تمثال مبارک کا موجود ہونا	۵۴۱
متعلقہ مسئلہ اتفاق علماء کاملین کی روشنی میں	۵۴۴
متعلقہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں	۵۵۱
شب معراج عبد ومعبود میں جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیرؑ کے لہجہ میں ہوئی	۵۵۲
بعض شکوک وشبہات کا ازالہ	۵۵۳
نواں باب	
بعض علماء اعلام سے اتہام وہابیت کے ازالہ کا بیان	۵۶۰
مفارقات الشیعہ والوہابیہ	۵۶۳
پہلا فرق عقیدہ توحید	۵۶۳
دوسرا فرق عقیدہ رسالت	۵۶۵
تیسرا فرق تعمیر مشاہد	۵۶۵
چوتھا فرق زیارت قبور	۵۶۷
پانچواں فرق وسیلہ وشفاعت	۵۶۷

عنوان	صفحہ
چھٹا فرق حیات انبیاءؑ وائمہؑ	۵۶۹
ساتواں فرق یا رسول اللہؐ اور یا علیؑ کہنا	۵۶۹
آٹھواں فرق عقیدہ امامت	۵۷۰
نواں فرق عقیدہ افضلیت	۵۷۰
دسواں فرق کلمہ ولایت	۵۷۱
گیارھواں فرق تقلید شخصی	۵۷۱
بارھواں فرق بعض اسماء کا جواز	۵۷۱
تیرھواں فرق عزاداری سید الشہداءؑ	۵۷۲
چودھواں فرق بسط الیدین	۵۷۲
دسواں باب	
موجودہ دور کے اکثر مدعیان تشیع کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان	۵۷۴
فرقہ شیخیہ کے بعض عقائد فاسدہ کا بیان	۵۷۶
شیخیہ اور علیحدہ نوع والا عقیدہ	۵۷۶
شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ	۵۷۷
شیخیہ اور مظاہر اسماء اللہ والا عقیدہ	۵۷۸
شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ	۵۷۹
شیخیہ اور ائمہ اہل بیتؑ کا علل اربعہ ہونے کا عقیدہ	۵۸۰
شیخیہ اور حاضر ناظر والا عقیدہ	۵۸۰
شیخیہ اور علم حضوری والا عقیدہ	۵۸۱
شیخیہ اور امتداد والا عقیدہ	۵۸۲
شیخیہ اور معجزہ کے فعل نبیؐ وامامؑ ہونے والا عقیدہ	۵۸۲
شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت وسکون کے بدست اہل بیتؑ ہونے کا عقیدہ	۵۸۳

Scanned with CamScanner

باسمہٖ سبحانہٗ

والدہ مرحومہ کے نام

اگر سیاہ دلم ، داغ لالہ زار توام
دگر کشادہ جبینم ، گل بہار توام

چونکہ والدِ مرحوم و مغفور کا سایۂ عاطفت صغرسنی میں سر سے اٹھ گیا تھا، لہٰذا میں بفضلہٖ تعالیٰ شیدائی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام والدۂ مرحومہ کے ہی حسن تربیت سے اس قابل ہوا کہ آج اپنی بساط و بضاعت کے مطابق کچھ خدمتِ دین مبین کر رہا ہوں، اس لیے میں اپنی اس ناچیز کتاب کو ان کے نام کے ساتھ معنون کر کے اس حقیر دینی خدمت کا ثواب بطفیل سرکار ولی عصر و امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ ان کی روح پرفتوح کو ہدیہ کرتا ہوں۔ ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آپ کا

احقر محمد حسین عفی عنہ

ستمبر ۱۹۶۶ء

Scanned with CamScanner

قطعہ تاریخ بطبع اصول الشریعہ

تاریخ نتیجہ فکر ثناء اہل بیتؑ جناب سید **وزیر حسین** شیرازی اعلی اللہ مقامہ سرگودھا

بفضل خدا ہے یہ بہتر عطیہ
وزیر آئی ہاتف کی آواز کہہ دے

رقم اس میں ہیں اعتقاداتِ شیعہ
کہ راہِ ہدایت اصول الشریعہ

سنہ ۱۳۹۴ھ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

باسمہ سبحانہ

مبسملا و حامدا و مصلیا و مسلما

پیش لفظ

ستیز: کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مُصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

حق و باطل کی باہمی کشمکش

اقبال کے اس حقیقت افروز شعر میں حق و باطل کی کشمکش کی پوری تاریخ سمٹی ہوئی ہے، اقوام و ادیان عالم کی تاریخ پر سرسری نگاہ رکھنے والے حضرات پر یہ حقیقت مخفی و مستور نہیں ہے کہ ابتدائے آفرینش کائنات سے لے کر آج تک ہمیشہ یہ دیکھا گیا ہے کہ حق کے ساتھ باطل، خیر کے ساتھ شر اور صداقت کے ساتھ کذب برسر پیکار رہا ہے۔ تاریخ عالم کے اوراق گواہ ہیں کہ جب بھی کسی ہادیٔ برحق اور رہنمائے حقیقت نے از راہ خلوص و ہمدردی مخلوق خدا کو چاہ ضلالت سے نکالنے اور صراط مستقیم پر چلانے کے لیے درس رشد و ہدایت دینا شروع کیا اور پند و ارشاد کا سلسلہ جاری کیا تو تمام طاغوتی طاقتیں مجتمع ہو کر اس کی مخالفت و مخاصمت پر کمر بستہ ہو گئیں اور مختلف مکاریوں، دسیسہ کاریوں اور شیطانی عیاریوں سے آواز حق کو دبانے دین و دیانت کو مٹانے، شمع رشد و ہدایت کو گل کرنے اور اہل حق کو خائف و ہراساں کرنے کے لیے حرکت میں آ گئیں۔

حضرت خلیلؑ کے مقابلہ میں نمرود، جناب کلیمؑ کے مقابلہ میں فرعون، سرکار حبیب کردگارؐ کے مقابلہ میں ابوجہل، حضرت امیر المومنینؑ کے مقابلہ میں امیر شام و دیگر بعض لئام اور سرکار سید الشہداءؑ کے مقابلہ میں یزید عنید کا خم ٹھونک کر اپنی اپنی طغاوت و شقاوت کا مظاہرہ کرنا اسی ناقابل انکار حقیقت کے بعض مظاہر ہیں۔

موسیٰؑ و فرعون و شبیرؑ و یزید
ایں دو قوت از حیات آمد پدید

Scanned with CamScanner

چراغ مُصطفویؐ سے شرار بولہبی کی ستیزہ کاری امروز پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ امروز سے فردا اور فردا سے تا ابد یہ سلسلہ جاری وساری رہے گا۔ ولا یزالون مختلفین۔ حق و باطل کی یہ جنگ ہمیشہ ہر دور میں رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ خالق کائنات کو یہ امتحان مقصود ہے کہ کفر و شرک اور فسق و فجور کی تاریکیوں میں چراغ رشد و ہدایت کو روشن کرنے کی کوشش کون کرتا ہے اور اسے گل کرنے کی سعی نافرجام کون کرتا ہے۔

اہل حق پر اہل باطل کی افترا پردازیاں

قرآن گواہ ہے کہ ہمیشہ اہل باطل نے اہل حق کو خاموش کرنے، ان کی آواز حق کو غیر مؤثر بنانے اور رائے عامہ کو ان کے خلاف ابھارنے کے لیے کذب و افتراء اور اتہام کے طوفان اٹھائے۔ ان کی بدگوئی وعیب جوئی میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے۔ مکر و فریب سے عوام الناس کو اپنی مصنوعی صداقت پر بہت یقین دلائے اور صحیح بات کو غلط اور غلط کو صحیح لباس پہنائے۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کو وادیٔ ضلالت سے نکالنے کے لیے کس قدر جدوجہد کی اور کن مشکلات و مصائب کا سامنا کیا۔ مگر قوم نے اس کے عوض یہ کہا:

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

ہم تو تم کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھ رہے ہیں۔

جناب نوحؑ نے ان کے جواب میں صرف اس قدر فرمایا:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اے میری قوم مجھ میں گمراہی کی کوئی بات نہیں ہے بلکہ میں تو پروردگار عالم کی طرف سے بھیجا ہوا رسولؐ ہوں۔ آں جناب کا جرم کیا تھا جس کی پاداش میں قوم نے ان کے ساتھ یہ سلوک روا رکھا، وہ قوم سے یہ کہتے تھے:

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ۔

اے میری قوم صرف خدا کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے۔ (اعراف)

اسی طرح حضرت ہودؑ نے جب اپنی قوم کو حکم خدا سے حق کی تبلیغ کی تو قوم کے سرکشوں اور منکروں نے یہ جواب دیا:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○

Scanned with CamScanner

ہم تمھیں حماقت میں مبتلا پاتے ہیں اور ہم تمھیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ جناب ہودؑ کا صبر وضبط دیکھیے، قوم کی اس بدسلوکی کے جواب میں صرف اس قدر فرماتے ہیں:

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّ لٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

اے میری قوم مجھے میں حماقت کی کوئی بات نہیں ہے، بلکہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں، ان کا قصور بھی صرف یہی تھا کہ وہ قوم سے یہ کہتے تھے:

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اعراف)

جب حضرت صالحؑ اپنی قوم ثمود کو ہدایت کرنے کے لیے مبعوث ہوئے تو قوم نے ازراہ تکبر کمزور وغریب اہل ایمان سے کہا:

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ○

جس پر تم ایمان لائے ہو ہم تو اس کے منکر ہیں۔ آں جنابؑ کا گناہ بھی فقط یہی تھا کہ وہ کہتے تھے:

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔

اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ (اعراف)

جب حضرت لوطؑ نے اپنی قوم کو وادیٔ ضلالت وگمراہی سے نکالنے کا مقدس کام شروع کیا تو قوم کے متکبروں نے ان کے اور ان کے متبعین کے برخلاف یہ عیارانہ پروگرام مرتب کیا کہ:

اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ○

ان کو اپنی بستی سے نکال دو کیونکہ یہ لوگ بڑے پاک صاف بننا چاہتے ہیں۔ (اعراف)

جب حضرت شعیبؑ نے اہل مدین کو دعوتِ حق دیتے ہوئے کہا کہ:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔

اے میری قوم اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو قوم نے ان کو یہ دھمکی دی:

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَا

اے شعیبؑ ہم تم کو اور ان لوگوں کو جو تمھارے ساتھ ایمان لا چکے ہیں اپنی بستی سے نکال دیں گے یا یہ کہ تم ہماری ملت کی طرف پلٹ آؤ۔ (اعراف)

اسی طرح جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو اس کی سرکشی سے روکا اور کفر وشرک پر ٹوکا تو دربار کی طرف سے یہ جواب ملا:

Scanned with CamScanner

إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ

یہ بڑا علم رکھنے والا جادوگر ہے۔ اور ان کی مخلصانہ نیت پر یوں حملہ کیا

يُرِيدُ أَن يُخْرِجَكُم مِّنْ أَرْضِكُم (شعراء)

یہ چاہتا ہے کہ (اپنے جادو کے زور سے) تمھیں اپنی زمین سے نکال دے۔

کہاں تک ایسی مثالوں کو گنوایا جائے، قصہ کوتاہ جب اس مقدس سلسلۂ جلیلہ کے آخری تاجدار سرکار ختمی مرتبت ﷺ رب العالمین کی طرف سے عالمین کے لیے بشیر ونذیر اور رحمت الٰہی بن کر آئے اور آ کر فرمایا:

إِنَّمَا أَنَا مُنذِرٌ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ○

میں (عذابِ خداوندی سے) ڈرانے والا ہوں اور واحد وقہار خدا کے سوا اور کوئی معبودِ برحق نہیں ہے، تو ناہنجار قوم کفار نے آنحضرتؐ کو ساحر وکذاب، شاعر ومجنون اور نہ معلوم کیا کیا قبیح القاب وخطابات دیتے ہوئے کہا:

أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ۔

کیا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑ دیں؟ (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا) اسی طرح سرورِ کائناتؐ کی عترت اطہار پر صرف احقاق حق وابطال باطل کے فریضہ کی انجام دہی کی وجہ سے فراعنہ وقت ونمارودۂ عصر کی طرف سے وہ کونسی تہمت تھی جو نہیں لگائی گئی اور وہ کونسی افترا پردازی تھی جو نہیں کی گئی مگر اخلاق واطوار انبیاءؑ کے وارث اس مقدس خانوادۂ عصمت وطہارتؑ کا ہمیشہ یہ شیوہ وشعار رہا کہ ع "وہ جفا کرتے رہے اور ہم دعا کرتے رہے" اور باوجود حالات وظروف کے انتہائی نامساعد ہونے کے اپنے صحیح مشن کی تبلیغ اور اس کی نشر واشاعت میں برابر مشغول ومنہمک رہے۔ ولنعم ماقیل

قیل ان الا لہ ذو ولد
و قیل ان الرسول قد کھنا

اذا ما نھی اللہ و الرسول معا
من لسان الوری فکیف انا

Scanned with CamScanner

ہمیشہ اہل حق منظفر و منصور رہے ہیں اور رہیں گے

اہل باطل کے ان شیطانی حربوں، اوچھے ہتھیاروں، افترا پردازیوں، شرانگیزیوں، فتنہ سامانیوں، اور مذبوحی حرکتوں کا فطرتی نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ اہل حق کی آواز ہمیشہ کے لیے دب جاتی، وہ اپنے مشن میں ناکام ہو جاتے اور اہل باطل بلا روک ٹوک اپنی من مانی کارروائیاں کرتے، مگر تاریخ عالم کے صفحات شاہد ہیں کہ کبھی ایسا نہیں ہوا، بلکہ ہمیشہ قدرت کاملہ نے اپنے زبردست دست قدرت سے ان کے مکر و فریب کے پردہ کو چاک کیا، ان کے باطل منصوبوں کو خاک میں ملایا، ان کی تمام دسیسہ کاریوں و عیاریوں کو ناکام بنایا اور ہمیشہ ان کو ان کے ناپاک عزائم و ارادوں میں خائب و خاسر و ناشادونامراد کیا۔ ع الٹی ہوگئیں سب تدبیریں کچھ بھی نہ دوا نے کام کیا۔ اہل ایمان یہ ایمان افزا مناظر دیکھ کر ششدر و حیران ہو گئے اور جل الخالق کا ورد کرتے تھے، خالق کا وعدہ ہے: وَحَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ہمارے اوپر اہل ایمان کی نصرت و امداد کرنا لازم ہے۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرماتا ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ خداوند عالم اہل ایمان کی طرف سے خود دفاع کرتا رہتا ہے۔ ع

قدرت خود بخود کرتی ہے لالہ کی حنا بندی

نیز اس کا ارشاد ہے:

اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ

ہم اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا و آخرت میں مدد کرتے ہیں۔ ہم نے ابھی اوپر جن بعض انبیاء عظام علیہم السلام اور ان کی قوموں کی تکذیب و بدسلوکی کا اجمالی تذکرہ کیا ہے، قرآن کی زبان سے سنیے کہ ان جھٹلانے والوں اور افترا پردازیاں کرنے والوں کا انجام کیا ہوا تھا؟

قوم نوح کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○

ہم نے نوحؑ اور اس کے ساتھیوں کو نجات دی اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا اور مومن نہ تھے ان کو نیست و نابود کر دیا۔

اسی طرح قوم صالح کی بربادی کا قرآن یوں نقشہ کھینچتا ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ○

Scanned with CamScanner

ان کو زلزلہ نے آ لیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے رہ گئے۔ اسی طرح قوم لوط جس دردناک انجام سے دوچار ہوئی اس کے متعلق قرآن شاہد ہے

وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ

ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی۔ غور کرو کہ مجرموں کا کیا برا انجام ہوا۔ قوم شعیب کا بھی وہی انجام ہوا جو قوم ہود کا ہوا تھا کہ

اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ

ان کو زلزلہ نے آ لیا اور وہ اپنے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ اسی طرح فرعون اور اس کی قوم کو ان کی سرکشی اور باطل کوشی کی یہ سزا ملی کہ:

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ

ہم نے ان سے اس طرح انتقام لیا کہ ان کو رود نیل میں غرق کر دیا، کیونکہ وہ ہماری آیات کو جھٹلانے والے تھے اور ان سے غفلت کرتے تھے۔ اسی طرح جناب رسول خداؐ کے جھٹلانے اور اذیت پہنچانے والوں کا جو انجام ہوا اس کے لیے تمام اسلامی غزوات شاہد ہیں کہ دشمن کس طرح ذلیل و خوار ہوئے اور کس طرح ان کو پسپائی حاصل ہوئی اور کس طرح ان کی پٹائی ہوئی، یہاں تک کہ بالآخر بالکل ہی مغلوب و مقہور ہو گئے۔

حَتّٰى ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ

آنحضرتؐ کی فتح و نصرت کے قصیدے فرشتوں نے جس طرح پڑھے وہ آج تک صفحات قرآن کی زینت ہیں، اور ہمیشہ زینت رہیں گے۔

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا۔

امام حسینؑ اور یزید عنید کے تاریخی محاربہ حق و باطل کا نتیجہ یہ نکلا کہ ع

نام یزید داخل دشنام ہو گیا

اور حسینؑ نے نہ صرف اسلام کو زندہ جاوید بنا کر بلکہ پورے عالم انسانیت کو ہلاکت ابدی سے بچا کر وہ بلند مقام حاصل کیا کہ اہل انصاف کو کہنا پڑا ع

شاہ است حسینؑ بادشاہ است حسینؑ — دین است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سرداد نہ داد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

بہرکیف یہ ایک زندہ و تابندہ حقیقت ہے کہ ع

Scanned with CamScanner

حقیقت ابدی ہے مقام شبیریؑ بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

حالات کا یہ جریان وقانون قدرت کا سریان یہ بتاتا ہے کہ قیام قیامت تک ہمیشہ اہل حق اسی طرح مُظفر و منصور رہیں گے۔ انشاء اللہ

علماء سوء کا کردار

تاریخ اسلام کے اوراق گواہ ہیں کہ جہاں ائمہ دین کے مقابلہ میں بھرپور باطل طاقتیں برسرکار رہی ہیں وہاں علماء حق کے بالمقابل علماء سوء کا گروہ بھی ہمیشہ اپنے مخصوص مفادات کی خاطر اور دین کے نام پر قائم کردہ دکانداریوں کے تحفظ کی خاطر باطل کی تقویت کا باعث بنا رہا ہے، اور ائمہ و علمائے حق سے ٹکراتا رہا ہے اور ان پر بے بنیاد الزامات لگا کر ان کی راہ میں کانٹے بچھانے میں کوشاں رہا ہے۔ تاریخ اسلام سے معمولی واقفیت رکھنے والے جانتے ہیں کہ اگر اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر ایک طرف جناب شہید اول ابتلاء و آزمائش سے دوچار تھے تو عین اسی وقت کچھ عبا بردوش دین فروش اہل علم تماش بینوں کی صف میں کھڑے تھے۔ ایک طرف حضرت شہید ثانی حق کی سربلندی اور باطل کی سرکوبی کی خاطر ناقابل برداشت صعوبتیں برداشت کر رہے تھے تو دوسری طرف مولوی صاحبان کی ایک جماعت قاتل کو اس کے اس کارنامے پر مبارکباد پیش کر رہی تھی۔ تاریخ کا ایک اور ورق اُلٹئے تو آپ دیکھیں گے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے مقدس مذہب کی مقدس امانت کے بچانے اور اسے آئندہ نسلوں تک پہنچانے کی خاطر ایک طرف حضرت شہید ثالث دربار شاہی میں جلاد کے کوڑوں کی شدید ضربات سے لہولہان اور نیم جان ہو رہے تھے اور اپنے خون سے چراغ مُصطفوی کو روشن کر رہے تھے تو عین اسی وقت فتویٰ فروشوں اور لہک لہک کر وعظ و تبلیغ کرنے والوں کا ایک طبقہ شرار بولہبی کے تحفظ کی خاطر اپنی قوتیں صرف کر رہا تھا اور اقتدار کی چوکھٹ پر اپنے دین و ایمان کا نذرانہ پیش کر رہا تھا اور اس شہید راہ خدا پر کفر کے فتوے لگا رہا تھا اور یہ رسم کہن آج تک برابر جاری و ساری ہے اور گفتار کے غازیوں کا ایک گروہ عوام کی معصوم عقیدتوں سے ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی دکانداریوں کے تحفظ کی خاطر کردار کے غازی علمائے اعلام کو برابر اپنے سب و شتم اور طعن و تشنیع اور افتراء و اتہام کا نشانہ بنا رہا ہے اور اتحادِ اسلامی کو اپنی ان ناپاک حرکتوں سے پارہ پارہ کر رہا ہے مگر وہ یقین رکھیں ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

Scanned with CamScanner

کیوں؟ اس لیے کہ

فانوس بن کے جس کی حفاظت ہوا کرے
وہ شمع کیوں بجھے جسے روشن خدا کرے

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے

یہ حقیقت زبان زد خلائق ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے، آج اس مقولہ کی صداقت ظاہر ہو رہی ہے، جیسا کہ مشاہدہ شاہد ہے، اگرچہ اسلام کے بر دور میں یہ رزم حق و باطل برابر جاری رہا ہے مگر موجودہ قرن چہاردہم میں اس محاربہ نے جو شدت وحدت اختیار کر رکھی ہے شاید اسلام کے قرونِ وسطیٰ میں اس کی مثال نہ مل سکے۔ بدقسمتی سے آج صورتِ حال یہ ہے کہ عوام ہی نہیں بلکہ ع

مذہب کے علمبردار یہاں مصروف ہیں شر پھیلانے میں
انصاف کے دعویدار ہیں جو کرتے ہیں وہی انصاف کا خوں

آج کل علمائے اعلام پر کیچڑ اچھالنا، ان کے کلام حقیقت ترجمان میں کیڑے نکالنا، ان کی گھہ گوئی اور عیب جوئی کرنا ایک وطیرہ اور محبوب مشغلہ بن گیا ہے اور اس بات کا زیادہ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ بہ نسبت دوسرے مذاہب کے فرقہائے اسلام اور پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے مقدس مذہب شیعہ خیر البریہ میں یہ وبا دن بدن جنگل کی آگ کی طرح بڑھتی ہی جا رہی ہے ع

ہر طرح فتنے جگاتے ہیں جگانے والے
آگ پانی میں لگاتے ہیں لگانے والے

لیکن ایسا کرنے والوں کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اگر ان کا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے ان اوچھے ہتھیاروں اور ہتھکنڈوں کے ذریعہ سے اہل حق کو خاموش کر دیں گے یا ان کی آواز کو غیر موثر بنا سکیں گے تو ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

اہل حق نے مکمل غور و خوض کے بعد انبیاء کرام و ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے مشعل راہ بنانے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے۔ لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اور ان کی تقلید و تاسی میں تہیہ کر لیا ہے کہ اعلائے کلمۃ الحق اور حقائق مذہب کی نشر و اشاعت کے سلسلہ میں جس قدر مشکلات و مصائب کے پہاڑ ان پر ڈھائے جائیں گے وہ خندہ پیشانی سے ان شدائد و آلام کا استقبال کریں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

گے اور راہ حق میں بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے دریغ نہیں کریں گے مگر وہ نہ تو کلمۂ حق کہنے سے باز آئیں گے اور نہ ہی کبھی غلط بات کو صحیح کہیں گے۔

مشکل ہے کہ اک بندۂ حق بین و حق اندیش
خاشاک کے تودے کو کہے کوہِ دماوند

اگر ابھی ان حضرت کے ترکش میں افتراء واتہام اور بدزبانی وبدکلامی کا کوئی اور تیر باقی ہے تو وہ اسے بھی چلالیں۔ پھر اپنی اجتماعی قوت سے جو چاہیں کارروائی کریں۔ دنیا دیکھ لے گی کہ بالآخر بعونہ تعالیٰ ع

الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیں گی تقدیریں

اور بالآخر حق وحقیقت کا بول بالا اور پرچم حق سربلند ہو کر رہے گا۔
ان شاء اللہ تعالیٰ

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا ارشاد ہے:

اغدا ما عالما ربانیا او متعلما علیٰ سبیل النجاۃ او محبا لھما و لاتکن رابعا فتھلک
(نہج البلاغہ)

دنیا میں عالم ربانی یا حقیقی متعلم یا ان دو گروہوں کے دوست بن کر رہو، دیکھو چوتھی قسم نہ بننا، ورنہ ہلاک وبرباد ہو جاؤ گے۔ مگر افسوس آں جنابؑ کے اکثر خوش عقیدہ شیعوں کو صرف آنجنابؑ کے نام سے کام ہے انھیں ان کے کلام اور کام سے کوئی غرض نہیں۔

آج مذہب کے بعض اجارہ دار مذہب واہل مذہب کو اختلاف وافتراق کے بحر بے کراں میں غرق کرنے پر تلے ہوئے نظر آتے ہیں، محض ذاتیات کی بناء پر بعض واہیات قسم کی بحثوں کو ہوا دے کر سادہ لوح عوام کو گمراہ کر کے اپنا بیڑا غرق کر رہے ہیں اور بے چارے عوام الناس اصلاح احوال کے علمبرداروں کی یہ روش ورفتار دیکھ کر زبان حال سے کہہ رہے ہیں

ما مریداں رُو بسوئے صلح چوں آریم چوں
رُو بسوئے فتنہ و پیکار دارد پیر ما

اس زبوں حالی کا نتیجہ ہے کہ وہ منبر رسولؐ اور حسینی اسٹیج جو تفسیر قرآن، حقائق ومعارف اسلام، نیز بانی اسلامؐ اور ان کے صحیح وارثان علیہم السلام کی سیرت وکردار اور اخلاق واطوار اور ان کے صحیح فضائل ومصائب بیان کرنے کے لیے وقف تھا جس کے ذریعہ سے ان کے نام لیواؤں کو عقائد و

Scanned with CamScanner

اعمال صحیح کرنے اور اپنی سیرتوں کو سرکار محمد آل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار کے آئینہ میں تشکیل دینے اور جلائے ایمانی حاصل کرنے کے اسباب مہیا کیے جاتے تھے۔

موجودہ طرز تبلیغ پر تنقید و تبصرہ

بدقسمتی سے وہی منبر آج اہل منبر کی ذاتی رقابتوں اور رنجشوں کی وجہ سے ایک دوسرے پر الزام و اتہام لگانے، احکام شریعت مطہرہ کا مذاق اڑانے، ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور اس طرح مذہب اور اہل مذہب کا مذاق اڑا کر نہ صرف اغیار بلکہ جگ ہنسائی کے اسباب تضحیک جمع کرنے کے لیے وقف ہو کر رہ گیا ہے۔ (الا ماشاء اللہ) یہ افسوس ناک اور اندوہ ناک صورت حال کو دیکھتے ہوئے لیک ہمدرد قوم و ملت مسلمان پیغمبر اسلامؐ کی روح مقدس کو یوں خطاب کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے:

شیرازہ ہوا ملت مرحوم کا ابتر
اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کدھر جائے
اس راز کو اب فاش کر اے روح محمدؐ
آیاتِ الٰہی کا نگہبان کدھر جائے

آج آیات قرآن کریم، احادیث سید المرسلینؐ، ارشادات ائمہ معصومینؑ کو پس پشت ڈال کر یا زینت طاق و الماری بنا کر اپنے قیاسات کے مجموعہ جات کو مذہبیات اور ذاتی خیالات کو اعتقادیات اور اپنی آراء فاسدہ کو شرعی نظریات کو ع برعکس نہند نام زنگی کافور نام دے کر ذاتی پسند اور ناپسند کو میزان حق و باطل قرار دیا جا رہا ہے۔

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

دین میں اختلاف کرنے کی مذمت

حضرت امیر المومنینؑ مذمت اختلاف کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

والههم واحد و نبیهم واحد و کتابهم واحد افامرهم الله تعالیٰ بالاختلاف فاطاعوه ام کانوا شرکاء له فلهم ان یقولوا و علیه ان یرضی ام انزل الله سبحانه و بنا تاما فقصر الرسول صلی الله علیه و اله عن تبلیغه و ادائه و الله سبحانه یقول مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ

Scanned with CamScanner

شیٔ فیہ تبیان کل شیٔ وذکر ان الکتاب یصدق بعضہ بعضاً وانہ لا اختلاف فیہ فقال سبحانہ و لو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیرا و ان القرآن ظاھرہ انیق و باطنہ عمیق لا تفنی عجائبہ ولا تنقضی غرائبہ ولا تکشف الظلمات الا بہ

(ترجمہ) حالانکہ ان کا اللہ ایک، نبیؐ ایک اور کتاب ایک ہے (انھیں غور تو کرنا چاہیے) کیا اللہ نے انھیں اختلاف کا حکم دیا تھا اور یہ اختلاف کرکے اس کا حکم بجا لاتے ہیں۔ یا اس نے تو حقیقۃً اختلاف سے منع کیا ہے اور یہ اختلاف کرکے عملاً اس کی نافرمانی کرنا چاہتے ہیں یا یہ کہ اللہ نے دین کو ادھورا چھوڑ دیا تھا اور ان سے تکمیل کے لیے ہاتھ بٹانے کا خواہش مند ہوا تھا یا یہ اللہ کے شریک تھے کہ انھیں اس کے احکام میں دخل دینے کا حق ہو اور اس پر لازم ہو کہ وہ اس پر رضامند رہے یا یہ کہ اللہ نے تو دین کو مکمل اتارا تھا مگر اس کے رسولؐ نے اس کے پہنچانے اور ادا کرنے میں کوتاہی کی تھی، اللہ نے قرآن میں تو یہ فرمایا ہے کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کے بیان کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بعض حصے بعض حصوں کی تصدیق کرتے ہیں اور اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ چنانچہ اللہ کا ارشاد ہے کہ اگر یہ قرآن اللہ کے علاوہ کسی اور کا بھیجا ہوا ہوتا تو تم اس میں کافی اختلاف پاتے اور یہ کہ اس کا ظاہر خوش نما اور باطن گہرا ہے۔ نہ اس کے عجائبات مٹنے والے اور نہ اس کے لطائف ختم ہونے والے ہیں۔ ظلمت (جہالت) کا پردہ اسی سے چاک کیا جاتا ہے۔ (نہج البلاغہ مترجم مفتی جعفر حسین صاحب)

جب خدا بھی ایک، رسولؐ بھی ایک، کتاب بھی ایک اور ائمہ طاہرینؑ اگرچہ تعداد میں بارہ ہیں، مگر ان کے قول و فعل میں اس قدر اتحاد و یگانگت ہے کہ مخالفین بھی یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے کہ مذھب بعضھم مذھب الکل (دراسات اللبیب صفحہ ۳۳ طبع لاہور لوامع الانوار شعرانی) یعنی ائمہ اہل بیتؑ میں سے جو ایک کا نظریہ ہوتا ہے وہی ان سب کا ہوتا ہے۔ نہ دین ناقص ہے نہ رسولؐ نے اس کی ادائیگی میں کوتاہی فرمائی ہے اور نہ ہی ہادیان حق نے اس کی حفاظت و حراست اور قولی و فعلی تبلیغ مین کوئی کمی کی ہے تو پھر یہ اختلاف و افتراق کہاں سے پیدا ہو گیا ہے؟ عقائد و نظریات کے اس بحران نے کہاں سے جنم لیا؟ اور موجودہ طوفان بدتمیزی و فتنہ انگیزی کس سرچشمہ سے نکلا؟

Scanned with CamScanner

اختلاف فی الدین کے دلائل و اسباب

آیئے ان سوالات کا جواب با صواب بھی سید الموحدین حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے حاصل کریں، آپ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان ابغض الخلائق الی اللہ رجلان رجل وکلہ اللہ الی نفسہ فھو جائر عن قصد السبیل مشغوف بکلام بدعت و دعاء ضلالۃ فھو فتنۃ لمن افتتن ضال عن ھدی من کان قبلہ مضل لمن اقتدی بہ فی حیاتہ و بعد وفاتہ حمال خطایا غیرہ رھن بخطیئتہ و رجل قمس جھلا موضع فی جھال الامۃ عاد فی اغباش الفتنۃ عم بما فی عقد الھدنۃ قد سماہ اشباہ الناس عالما و لیس بہ بکر فاستکثر من جمع ما قل منہ خیر مما کثر حتی اذا ارتوی من أجن و اکتنز من غیر طائل جلس بین الناس قاضیا ضامنا لتخلیص ما التبس علی غیرہ فان نزلت بہ احدی المبھمات ھیالھا حشوا رثا من رائہ ثم قطع بہ فھو من لبس الشبھات فی مثل نسج العنکبوت لا یدری اصاب ام اخطاء فان اصاب خاف ان یکون قد اخطاء و ان اخطاء رجا ان یکون قد اصاب جاھل خباط جھالات عاش رکات عشوات لم یعض علی العلم بضرس قاطع یدری الروایات ازراء الریح الھشیم لاملی و اللہ باصدار ما ورد علیہ و لا ھو اھل لما فوض الیہ لا یحسب العلم فی شی مما انکرہ و لا یری ان من وراء ما بلغ مذھبا لغیرہ و ان اظلم امر اکتتم بہ لما یعلم من جھل نفسہ تصرخ من جور قضائہ الدماء و تعج منہ المواریث الی اللہ اشکو من معشر یعیشون جھالا و یموتون ضلالا لیس فیھم سلعۃ ابور من الکتاب اذا تلی حق تلاوتہ و لا سلعۃ انفق بیعا و لا اغلی ثمنا من الکتاب اذا حرف عن مواضعہ و لا عند ھم انکر من المعروف و لا اعرف من المنکر۔

تمام لوگوں میں سب سے زیادہ خدا کے نزدیک مبغوض دو شخص ہیں۔ ایک وہ جسے اللہ نے اس کے نفس کے حوالے کر دیا ہو (یعنی اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے اپنی توفیق سلب کر لی ہو) جس کے بعد وہ سیدھی راہ سے ہٹا ہوا، بدعت کی باتوں پر فریفتہ اور گمراہی کی تبلیغ پر ڈٹا ہوا ہے۔ وہ اپنے ہوا خواہوں کے لیے فتنہ اور سابقہ لوگوں کی ہدایت سے برگشتہ ہے وہ تمام ان لوگوں کے لیے جو اس کی زندگی میں یا اس کی موت کے بعد اس کی پیروی کریں گمراہ کرنے والا ہے۔ وہ دوسروں کے گناہوں

Scanned with CamScanner

کا بوجھ اٹھائے ہوئے اور خود اپنی خطاؤں میں جکڑا ہوا ہے اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے جہالت کی باتوں کو اِدھر اُدھر سے بٹور لیا ہے وہ امت کے جاہل افراد میں دوڑ دھوپ کیا کرتا ہے اور فتنوں کی تاریکیوں میں غافل ومدہوش پڑا رہتا ہے اور امن و آشتی کے فائدوں سے آنکھ بند کر لیتا ہے۔ چند انسانی شکل وصورت سے ملتے جلتے ہوئے لوگوں نے اسے عالم کا لقب دے رکھا ہے۔ حالانکہ وہ عالم نہیں، وہ ایسی بے سود باتوں کے سمیٹنے کے لیے منہ اندھیرے نکل پڑتا ہے جن کا نہ ہونا ہونے سے بہتر ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس گندے پانی سے سیراب ہو لیتا ہے اور لایعنی باتوں کو جمع کر لیتا ہے تو لوگوں میں قاضی بن کر بیٹھ جاتا ہے اور دوسروں پر مشتبہ رہنے والے مسائل کے حل کرنے کا ذمہ لے لیتا ہے۔ اگر کوئی الجھا ہوا مسئلہ اس کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اپنی رائے سے اس کے لیے بھرتی کی فرسودہ دلیلیں مہیا کر لیتا ہے اور پھر اس پر یقین بھی کر لیتا ہے۔ اس طرح وہ شبہات کے الجھاؤ میں پھنسا ہوا ہے جس طرح مکڑی خود اپنے ہی جالے کے اندر، وہ خود یہ نہیں جانتا کہ اس نے اسے صحیح حکم دیا ہے یا غلط۔ اگر صحیح بات بھی کہی ہو تو اسے یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں غلط نہ ہو اور غلط جواب ہو تو اسے یہ توقع رہتی ہے کہ شاید یہی صحیح ہو۔ وہ جہالتوں میں بھٹکنے والا جاہل اور اپنی نظر کے دھندلاپن کے ساتھ تاریکیوں میں بھٹکنے والی سواریوں پر سوار ہے۔ نہ اس نے حقیقت علم کو پرکھا نہ اس کی تہ تک پہنچا۔ وہ روایات کو اسی طرح درہم برہم کرتا ہے جس طرح ہوا سوکھے ہوئے تنکوں کو۔ خدا کی قسم وہ ان مسائل کے حل کرنے کا اہل نہیں جو اس سے پوچھے جاتے ہیں اور نہ اس منصب کے قابل ہے جو اسے سپرد کیا گیا ہے۔ جس چیز کو وہ نہیں جانتا اس چیز کو وہ کوئی قابل اعتنا علم ہی نہیں قرار دیتا اور جہاں تک وہ پہنچ سکتا ہے اس کے آگے یہ سمجھتا ہی نہیں کہ کوئی دوسرا پہنچ سکتا ہے۔ اور جو بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی اسے پی جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی جہالت کو خود جانتا ہے (ناحق بہائے ہوئے) خون اس کے ناروا فیصلوں کی وجہ سے چیخ رہے ہیں اور غیر مستحق افراد کو پہنچی ہوئی میراثیں چلا رہی ہیں۔ اللہ ہی سے شکوہ ہے ان لوگوں کا جو جہالت میں جیتے ہیں اور گمراہی میں مرجاتے ہیں۔ ان میں قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہیں، جبکہ اسے اس طرح پیش کیا جائے جیسا پیش کرنے کا حق ہے اور اس قرآن سے زیادہ ان میں کوئی مقبول اور قیمتی چیز نہیں، اس وقت جبکہ اس کی آیتوں کا بے محل استعمال کیا جائے، ان کے نزدیک نیکی سے زیادہ کوئی برائی اور برائی سے زیادہ کوئی نیکی نہیں۔ (نہج البلاغہ مترجم مفتی صاحب جلد ۱ صفحہ ۱۲۳ طبع مصر جلد ۱ صفحہ ۵۱)

حکیم الاسلام امام عالی مقامؑ کے اس کلام حقیقت ترجمان سے یہ حقیقت واضح وعیاں

Scanned with CamScanner

ہو جاتی ہے کہ ان تمام اختلافات وافتراقات کے ذمہ دار وہ گندم نما جو فروش نام نہاد اہل علم ہیں جو جہل مرکب کا شکار ہیں اور خود فریبی یا ابلہ فریبی کا یہ عالم ہے کہ کچھ نہ جاننے کے باوجود وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔

هر كس كه نداند و نداند كه نداند
در جهل مركب ابد الدهر بماند

ان كنت لا تدرى فتلك مصيبته
و ان كنت تدرى فالمصيبة اعظم

آج اکثر و بیشتر ایسے ہی لوگوں پر دینی امور کا دار و مدار ہے اور عقائد و اعمال میں انہی کے بیان پر انحصار۔ یہی لوگ منبر کے اجارہ دار اور یہی کشتی مذہب و ملت کے ناخدا سمجھے جاتے ہیں جسے وہ اپنی روایتی نااہلی کی بناء پر ہلاکت کے طلاطم خیز بھنور میں ڈال رہے ہیں۔ مگر عوام کی حالت اس قدر ناگفتہ بہ ہے کہ وہ عالم و جاہل، عادل و فاسق، مخلص و خود غرض اور ہادی و مُضل میں کوئی فرق ہی نہیں کرتے۔ ان کی نظر میں کامیابی و مقبولیت کا صرف ایک ہی معیار ہے کہ اسٹیج پر آنے والا اگر ذاکر ہے تو اس کی آواز اچھی ہو اور اگر مولوی ہے تو اچھے نکتے بیان کر کے مجمع کو خوب اچھال سکے۔ اگرچہ وہ نکات بالکل خلاف عقل و شرع ہی کیوں نہ ہوں، بس وہ نعرہ ہائے تحسین و آفرین بلند کر کے اس کے بیان پر مہر تصدیق ثبت کر دیتے ہیں۔ وہ سوچنے اور سمجھنے سے قاصر ہیں اور اگر مجلس خوار (خواہ کتنا ہی گیا گزرا ہو کیوں نہ ہو) اپنے ہی مذہب کے علمائے اعلام کے خلاف ذاتی حسد و عناد کی بناء پر کوئی بے اصل و بے بنیاد خلاف عقل و نقل بات کہہ دے تو یہ اس کی تحقیق کرنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے، اگرچہ جانتے سب ہیں کہ حق و باطل میں صرف چار انگشت کا فاصلہ ہے۔

آہ محکومی و تقلید و زوالِ تحقیق

اور اہل منبر ان لوگوں کی سادگی اور ان کی اس معصوم عقیدت سے جو ان کو مجلس حسینؑ پڑھنے والوں سے ہے پورا پورا ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے پنجابی بھائی اس صفت میں سب لوگوں سے پیش پیش نظر آتے ہیں۔ شاعر مشرق نے پنجابیوں کی اس حالت کا نقشہ بڑے لطیف انداز میں یوں کھینچا ہے:

Scanned with CamScanner

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت — کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا — ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے — یہ شاخ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

(ضرب کلیم)

اصحاب ائمہؑ کا دینی امور میں اہتمام

چونکہ دین اور بالخصوص اصول دین کا معاملہ بڑا ہی نازک ہے، اصول عقائد میں معمولی سی لغزش انسان کو ابدی ہلاکت کا شکار اور آتش جہنم کا ایندھن بنا کر رکھ دیتی ہے۔ اس لیے ائمہ طاہرینؑ کے تربیت یافتہ مومنین باتمکین اس امر کی نزاکت سے کماحقہ واقف و آگاہ تھے۔ اس لیے وہ اس سلسلہ میں بہت احتیاط سے کام لیتے تھے۔ وہ دین کے ہر ہر معاملہ میں ذاتی رائے و قیاس پر عمل کرنے کی بجائے اپنے ائمہ اطہارؑ سے استصواب کرتے اور اصلاح لیتے تھے اور کسی کتاب پر عمل کرنا ہوتا تو اگرچہ اس کا مؤلف جلیل القدر بھی ہوتا تاہم وہ اس پر عمل کرنے سے پہلے اسے ان کی خدمت میں پیش کر کے اس کی توثیق کراتے۔ چنانچہ ابو جعفر جعفری بیان کرتے ہیں کہ:

ادخلت کتاب الیوم واللیلۃ الذی الفہ یونس بن عبدالرحمن علی ابی الحسن العسکری

فنظر فیہ وتصفح کلہ ثم قال ھذا دینی ودین آبائی وھو الحق کلہ

(رجال کشی صفحہ ۳۶ طبع بمبئی)

میں نے کتاب "عمل الیوم واللیلۃ" مؤلفہ جناب یونس بن عبدالرحمٰن حضرت عسکریؑ کی خدمت میں (بغرض توثیق) پیش کی۔ آپؑ نے اس پر نگاہ ڈالی اور تمام کتاب کو صفحہ بہ صفحہ ملاحظہ فرما کر فرمایا یہی میرا دین اور میرے آباء واجدادؑ کا دین ہے۔ یہ تمام حق وصدق ہے۔ حالانکہ جناب یونس کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

یونس فی زمانہ کسلمان فی زمانہ (رجال کشی صفحہ ۳۰۲)

لیکن پھر بھی جناب ابو جعفر جعفریؒ نے مقام عمل میں اس پر اکتفا نہیں کی جب تک امام عالی مقام سے اس کتاب کی توثیق نہیں کرائی، اسی طرح بورق ہراتی کے متعلق مروی ہے کہ اس نے سامراء میں امام حسن عسکریؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر جناب فضل بن شاذان کی کتاب "یوم ولیلۃ" پیش کی اور اس پر نظر فرمانے اور توثیق کرنے کی استدعا کی۔ چنانچہ امامؑ نے اسے ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا:

Scanned with CamScanner

هذا صحیح ینبغی ان تعمل به ۔ یہ بالکل صحیح ہے چاہیے کہ اس پر عمل کرو۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۴۳۴)

اسی طرح اگر ان کو کسی عالم دین سے دینی مسائل دریافت کرنا مطلوب ہوتے تو جب تک ائمہ ابرارؑ سے اس عالم کے دین و دیانت اور علم و فضل کی تصدیق نہ کرا لیتے اس وقت تک دینی امور میں اس پر اعتماد نہ کرتے۔ اس واسطے بارگاہ معصومینؑ میں حاضر ہو کر استفسار کرتے کہ ہم ہر وقت آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتے، لہٰذا بوقت ضرورت اپنی دینی ضروریات کے بارے میں کس سے سوال کریں۔ حضرات معصومینؑ ان کی رہبری فرماتے ہیں کہ فلاں شخص سے دینی معلومات و مسائل حاصل کرو، چنانچہ جناب حسن بن علی بن یقطین بیان کرتے ہیں:

قلت لابی الحسن الرضا جعلت فداك انی لا اکاد اصل الیك اسئلك عن کل ما احتاج الیه من معالم دینی افیونس بن عبدالرحمن ثقة آخذ عنه ما احتاج الیه من معالم دینی قال نعم۔

میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں ہر وقت حاضر خدمت ہو کر آپ سے اپنے تمام دینی ضروریات دریافت نہیں کر سکتا، کیا یونس بن عبدالرحمٰن قابل وثوق آدمی ہے، اس سے اپنے دینی معلومات حاصل کر سکتا ہوں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں۔ (رجال کشی صفحہ ۳۰۵) اسی طرح علی بن مُسیّب بیان کرتے ہیں کہ:

قلت للرضا شقتی بعیدة و لست اصل الیك فی کل وقت فعمن اخذ معالم دینی؟ فقال من زکریا بن آدم القمی المامون علی الدین و الدنیا۔ (رجال کشی صفحہ ۴۶۶)

میں نے حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ میرا گھر بہت دور ہے، اس لیے ہر وقت جنابؑ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو سکتا، لہٰذا اپنے معالم دین کس سے حاصل کروں؟ آں جنابؑ نے فرمایا زکریا بن آدم قمی سے حاصل کرو، کیونکہ وہ دین و دنیا کے معاملات میں امین ہے۔

اصولِ عقائد کے معاملہ میں ان کی احتیاط اور بھی شدید تھی وہ جب تک اپنے جملہ اعتقادات کو بارگاہ ائمہ معصومینؑ میں پیش کر کے ان کی صحت و حقانیت پر مہر تصدیق ثبت نہ کرا لیتے تھے، اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لیتے تھے۔ چنانچہ عمرو بن حریث بیان کرتے ہیں کہ: میں نے جناب امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

جعلت فداك الا اقص علیك دینی الذی ادین الله به

میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں، کیا میں اپنا دین اور اعتقاد آپؑ کی خدمت میں پیش نہ کروں؟

Scanned with CamScanner

قال بلی یا عمرو۔ آپؑ نے فرمایا: ہاں اے عمرو۔

قلت انی ادین اللہ بشھادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ رسولہ و ان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیھا و ان اللہ یبعث من فی القبور و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و صوم شھر رمضان و حج البیت من استطاع الیہ سبیلا و الولایۃ لعلی بن ابی طالب امیر المومنین بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ و الولایۃ للحسن و الحسین والولایۃ لعلی بن الحسین و الولایۃ لمحمد بن علی و لک من بعدہ و انتم الئمتی علیہ احی و علیہ اموت و ادین اللہ بہ قال یا عمرو اھذا و اللہ دینی و دین اٰبائی۔

میں نے عرض کیا میرا دین و اعتقاد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ خدا کے بندۂ خاص اور رسول ہیں، قیامت کا آنا برحق ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، خدا ضرور مردوں کو زندہ کرے گا اور نماز کا پڑھنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ماہ رمضان کے روزے رکھنا اور جو استطاعت رکھتا ہو اس پر حج بیت اللہ کرنا واجب ہے اور جناب رسولِ خدا ﷺ کے بعد حضرت امیر المومنینؑ اور حضرات امام حسنؑ اور امام حسینؑ اور امام زین العابدینؑ و امام محمد باقرؑ اور پھر آپ کی ولایت و امامت کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ آپ ہی میرے برحق امام ہیں۔ اسی عقیدہ پر زندہ ہوں اور اسی پر مروں گا۔ امامؑ نے فرمایا اے عمرو خدا کی قسم یہی میرا اور میرے آباء و اجدادؑ کا دین ہے۔

(رجال کشی صفحہ ۲۶۳) اسی طرح یوسف سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ:

قلت لابی عبداللہ اصف لک دینی الذی ادین اللہ بہ فان اکن علی الحق فثبتنی و ان اکن علی غیر الحق فردنی الی الحق۔

میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں عرض کیا میں اپنا اعتقاد آپؑ کے سامنے بیان کرتا ہوں، اگر میں حق پر ہوں تو مجھے اس پر ثابت رکھیے۔ اور اگر باطل پر ہوں تو حق کی طرف میری راہبری فرمائیے۔

قال ھات۔ امام نے فرمایا پیش کرو۔

قلت اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ و ان علیا کان امامی و ان الحسن کان امامی و ان الحسین کان امامی و ان علی بن الحسین کان امامی و ان محمد بن علی کان امامی و انت جعلت فداک علی منھاج ابائک فقال عند ذالک مرارا رحمک اللہ ثم قال ھذا و اللہ دین اللہ و دین ملائکتہ و دینی و دین

Scanned with CamScanner

آبائی الذی لا یقبل اللہ غیرہ۔

میں نے عرض کیا میرا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا اور کوئی معبود برحق نہیں ہے اور نہ ہی کوئی اس کا شریک ہے اور حضرت محمدؐ اس کے بندۂ خاص اور رسول ہیں اور یہ کہ حضرت علیؑ میرے امام ہیں اسی طرح ان کے بعد یکے بعد دیگرے امام حسنؑ، امام حسینؑ، حضرت علی بن الحسینؑ اور حضرت محمد بن علیؑ میرے امام ہیں اور ان کے بعد آپؑ اپنے آباء طاہرینؑ کے طریقہ پر (میرے امام) ہیں۔ راوی کہتا ہے یہ سن کر امام علیہ السلام نے کئی بار مجھے فرمایا: رحمك الله (خدا تم پر رحم کرے) پھر فرمایا بخدا یہی خدا اور اس کے ملائکہ اور میرا و میرے آباء و اجداد کا وہ دین ہے کہ جس کے علاوہ اور کوئی دین خدا قبول نہیں کرتا۔ (رجال کشی صفحہ ۲۶۶)

نوح بن ابراہیم محاربی بیان کرتے ہیں کہ میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اس طرح اپنا عقیدہ پیش کیا:

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له و اشهد ان محمدا عبده و رسوله و ان عليا امام ثم الحسن ثم الحسين ثم علي بن الحسين ثم محمد بن علي ثم انت فقال رحمك الله ثم قال اتقوا الله عليكم بالورع و صدق الحديث و اداء الامانة و عفة البطن و الفرج۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ واحد و یگانہ ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ جناب محمد مصطفیٰؐ اس کے عبد خاص اور رسول ہیں، ان کے بعد جناب علی علیہ السلام امام برحق ہیں، ان کے بعد امام حسنؑ پھر امام حسینؑ پھر علی بن الحسینؑ پھر محمد بن علی اور ان کے بعد آپ امام برحق ہیں۔ یہ سن کر امام نے فرمایا خدا تم پر رحم فرمائے۔ پھر فرمایا خدا سے ڈرو، تم پر ورع و تقویٰ، سچ بولنا، امانت ادا کرنا اور عفت شکم و فرج لازم ہے۔ (رجال کشی ۲۶۳)

اس قسم کے بیسیوں واقعات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہیں۔ ہم نے صرف بطور نمونہ مشتے از خروارے دو چار واقعات بیان کر دیے ہیں جو کہ عقل سلیم اور طبع مستقیم رکھنے والے حضرات کو غفلت سے جھنجوڑ کر بیدار کرنے کے لیے کافی ہیں۔

قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جز میں کل
کھیل بچوں کا ہوا دیدۂ بینا نہ ہوا

Scanned with CamScanner

ائمہؑ کی شدت گرفت کا بیان

اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ اس سلسلہ میں حضرات ائمہ اطہارؑ کی گرفت بھی اتنی سخت تھی کہ وہ اپنے نام لیواؤں کو دین میں ایک حرف کی کمی یا بیشی کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ بن سنان بیان کرتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ عنقریب مختلف شکوک و شبہات میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ اس آفت سے وہی لوگ محفوظ رہیں گے جو دعائے غریق کو پڑھیں گے۔ میں نے عرض کیا وہ دعائے غریق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ ہے:

یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک

میں نے اس دعا کو دہراتے وقت یا مقلب القلوب و الابصار کہہ دیا امامؑ نے فرمایا اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا مقلب القلوب والابصار ہے مگر تو اس طرح کہہ جس طرح میں کہہ رہا ہوں۔

یا مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک (مفاتیح الجنان ۴۳۴) وفیہ کفایۃ لمن لہ ادنی درایۃ

موجودہ دور میں مدعیان تشیع کی روش و رفتار پر تبصرہ

یہ تھا اصحاب ائمہؑ کے دینی معاملات میں حزم و احتیاط کا اجمالی نمونہ، جس سے ناظرین کرام بآسانی یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کی نگاہوں میں دین و ایمان کی کس قدر اہمیت تھی؟ مگر افسوس آج یہ عالم ہے کہ اکثر لوگ دین کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے۔ الدین لعقۃ علی لسانھم فاذا محصوا بالبلاء قل الدیانون (نہج البلاغہ) تحقیق و جستجو کا فقدان ہے۔ تفحص و تلاش عنقا ہے۔ جو رطب و یابس کسی مجہول الحقیقت رسالہ یا کتاب میں مل گیا اس پر یقین کر لیا۔ جو کچھ کسی عالم نما جاہل اور بے دین ملا سے سن لیا اسے جزو ایمان بنا لیا، جو اپنے بوڑھے بزرگوں سے سنا اس کا جزم کر لیا۔ ذاتی خیالات و قیاسات کا نام اعتقادات و ایمانیات رکھ لیا۔ اور ذاتی پسند و ناپسند کو معیار حق و باطل بنا لیا و بس۔ علماء کرام کی خدمت میں حاضر ہونا باعث کسر شان، ان سے مسائل دریافت کرنا موجب کمزوری ایمان اور ان سے کتاب کی توثیق کرانا ایک لایعنی کام سمجھا جاتا ہے۔ جناب رسول خداؐ کی وہ پیش گوئی گویا اسی دور کے بارے میں ہے جس میں آپ فرماتے ہیں:

یفرون من العلماء کما یفر الغنم من الذئب۔

ایک دور ایسا بھی آئے گا جس میں لوگ حقیقی علماء سے اس طرح دور بھاگیں گے جس طرح

Scanned with CamScanner

بھیڑیں بھیڑیے سے دور بھاگتی ہیں۔ (جامع الاخبار صفحہ ۱۳۰ طبع نجف)

اس روش ورفتار کا نتیجہ ہے کہ شیخ صدوق وشیخ مفید وسید رضی وسید مرتضی علم الہدی ومحقق طوسی و علامہ حلی اور شیخ بہائی ومیر سید باقر داماد اور علامہ مجلسی وامثالہم جیسے محقق علماء اعلام کی لکھی ہوئی کتب عقائد واعمال متروک ہوتی جارہی ہیں بلکہ ہوچکی ہیں اور ہر رطب ویابس بلکہ سراسر مزخرفات و خرافات اور ذاتی قیاسات وخیالات کے مجموعہ جات رواج پکڑ رہے ہیں۔

تھا جو ناخوب تبدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

اگر ذمہ دار علماء کرام نے اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے یا پھر ان سے عہدہ برآ ہونے میں سہل انگیزی سے کام لیا تو پھر اس پر آشوب دور کفر والحاد میں علی الاسلام السلام (لا قدر اللہ ذالک)

غیبت کبریٰ کے زمانے والے اہل ایمان کی شرعی تکلیف

حالانکہ یہ حقیقت محتاج بیان وبرہان نہیں کہ زمانہ غیبتِ کبریٰ والے لوگوں کو ائمہ طاہرین علیہم السلام نے شتر بے مہار کی طرح خلیع العذار اور مطلق العنان نہیں چھوڑا بلکہ ان کو امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ نے یہ حکم دیا ہے کہ:

اما الحوادث الواقعة فارجعوا فیها الی رواة احادیثنا فانهم حجتی علیکم وانا حجة الله

(احتجاج طبرسی صفحہ ۲۶۳ طبع نجف اشرف)

یعنی ہمارے زمانہ غیبت میں تمھیں جو دینی مسائل وضروریات درپیش آئیں ان میں ہمارے راویاں اخبار یعنی محدثین کبار ومجتہدین ابرار کی طرف رجوع کرنا کیونکہ وہ میری طرف سے تم پر حجت ہیں اور میں ان پر حجت خدا ہوں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ینظر ان من کان منکم قد روی حدیثنا و نظر فی حلالنا و حرامنا و عرف احکامنا فلیرضیا به حکما فانی قد جعلته علیکم حاکما فاذا حکم بحکمنا و لم یقبل منه فانما بحکم الله استخف و علینا رد و الراد علینا کافرا و علی الله والرد علی الله و هو علی حد الشرک بالله۔

جن دو شخصوں میں کوئی نزاع ہو وہ دیکھیں کہ تم میں سے جو شخص ہماری حدیثوں کا راوی ہو،

Scanned with CamScanner

ہمارے حلال وحرام پر (تحقیقی) نظر رکھتا ہو اور ہمارے احکام کی (فقہی) معرفت بھی رکھتا ہو، اسے اپنا (دینی) حاکم تسلیم کریں، کیونکہ میں اس شخص کو (عمومی طور پر) حاکم بناتا ہوں۔ پس جب وہ (ہمارے احکام کے مطابق) کوئی فیصلہ کرے اور اسے قبول نہ کیا جائے تو رد کرنے والا یہ سمجھے کہ اس نے اللہ سبحانہ کے حکم کو خفیف سمجھا ہے اور (اس عالم کے فیصلہ کو نہیں بلکہ) ہمارے فیصلہ کو رد کیا ہے اور ہمارے فیصلہ کو رد کرنے والا کافر اور (گویا) خدا کے فیصلہ کو ٹھکرانے والا ہے اور یہ کھلا ہوا خدا کے ساتھ شرک ہے۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۱۹۵) لہٰذا چاہیے تو یہ تھا کہ ہمارے عوام اہل ایمان میں یہ شعور واحساس ہوتا کہ اگر کسی کتاب پر عمل کرنا چاہتے تو پہلے ان وارثان شریعت سے اس کی توثیق کراتے یا اگر کسی عالم سے دینی مسائل دریافت کرنا چاہتے تو پہلے ان حجج اسلام سے اس کے علم وفضل اور دین ودیانت کی تصدیق کراتے، پھر دینی معاملات میں ان کے بیان پر اعتماد کرتے۔ اسی طرح اپنے اعتقادات کو علمائے عظام کی خدمت میں پیش کر کے ان کی صحت وصداقت پر ان سے مہر توثیق لگواتے تاکہ سعادت دارین وفلاح کونین حاصل کرتے مگر آہ ؎

کیا پوچھتے ہو عالم رفتارِ عہد نو
ہر سمت بس فریب کا بازار گرم ہے

آج عام لوگ حقیقت سے اس قدر دور ہو چکے ہیں کہ ان کو حقیقی علماء کی پہچان ہی نہیں ہے تو پھر ان کی طرف رجوع کیوں کر کریں گے وہ تو صرف اسے ہی عالم دین سمجھتے ہیں جو منبر پر کوس لمن الملک الیوم بجاتا ہے اور رقص منبری میں مہارت تامہ رکھتا ہے اور غلط یا صحیح مبذل قسم کے نکتوں سے مجمع کو خوب اچھال سکتا ہے اور خود اپنے منہ سے عالم وعلامہ ہونے کا اعلان کرتا ہے حالانکہ پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد ہے:

من قال انا عالم فهو جاهل۔ (منیۃ المرید از شہید ثانیؒ)

جو شخص خود یہ کہے کہ میں عالم ہوں سمجھ لو کہ وہ جاہل ہے۔

یا پھر دنیا والے اسے عالم اجل وفاضل بے بدل سمجھتے ہیں، جس کا لباس زرق برق اور جبہ ودستار قیمتی ونفیس ہو۔ جناب پیغمبر اسلام روحی لہ الفداء نے شاید اسی زمانہ کے متعلق فرمایا تھا:

سیاتی علی امتی زمان لا یعرفون العلماء الا بثوب حسن۔

میری امت پر ایک ایسا دور بھی آئے گا کہ وہ علماء کو صرف عمدہ لباس سے ہی پہچانیں گے۔
(جامع الاخبار صفحہ ۱۳۰ طبع نجف)

Scanned with CamScanner

بھلا عوام الناس کی یہ حالت کیوں نہ ہو جب کہ آج منبروں پر بعض غیر ذمہ دار لوگ گلا پھاڑ پھاڑ کر عوام الناس کو علمائے اعلام ومجتہدین کرام سے (ان پر کئی قسم کے غلط اتہام والزام لگا کر) بدظن کرنے اور ان کو اپنے دینی وایمانی مراکز سے علیحدہ کرنے میں شب وروز مشغول ومنہمک ہیں، حالانکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ: ؎

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ

کچھ اہل غرض لوگ یہ کہہ کر کہ اصول دین میں تقلید جائز نہیں ہے، لہٰذا عقائد میں ہر شخص آزاد ہے، اسے اپنی تحقیق کے مطابق عقیدہ رکھنا چاہیے۔ اس طرح یہ لوگ سادہ لوح عوام کے دین و ایمان پر ڈاکا ڈالتے ہوئے ان کو عقائد جیسے نازک معاملہ میں شتر بے مہار بننے کی تلقین کر کے علمائے اعلام سے دُور رکھنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں، حالانکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ قطع نظر اس اختلاف کے کہ جو اصول دین میں تقلید کے جواز یا عدم جواز میں ہے۔ کیونکہ یہ بجائے خود انتہائی پیچیدہ اور مشکل مسائل میں سے ہے۔ چنانچہ محقق قمی علیہ الرحمہ قوانین الاصول جلد ۲ صفحہ ۱۶۴ میں فرماتے ہیں: هذه المسئلة من المشكلات ۔ اور بہت سے علماء اعلام اصول دین میں بھی تقلید جائز سمجھتے ہیں۔ جیسے محقق طوسیؒ (در قواعد العقائد) محدث ملا محسن فیضؒ (در علم الیقین) علامہ شیخ انصاریؒ (در رسائل) مولانا راحت حسین گوپالپوریؒ (در تفسیر انوار القرآن)

بہر حال بنا بر مشہور کہ اصول عقائد میں تقلید جائز نہیں ہے تو بھی اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ آدمی فروع میں پابند اور اصول میں شتر بے مہار کی طرح آزاد ہے کہ جو جی میں آئے وہ عقیدہ رکھے۔ حاشا وکلا بلکہ اس کا صاف وصریح مطلب یہ ہے کہ عقائد میں بلا دلیل کسی بات کا ماننا درست نہیں ہے۔ کیونکہ تقلید کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ قبول قول الغیر من غیر دلیل (معالم، قوانین اور کفایہ وغیرہ) یعنی بلا دلیل کسی (مجتہد) کے قول کو تسلیم کرنے کا نام تقلید ہے۔ بنا بر مشہور عقائد میں تقلید کے ناجائز ہونے کی وجہ یہ ہے کہ تقلید سے جزم ویقین حاصل نہیں ہوتا اور اصول وعقائد میں یقین محکم درکار ہے۔

Scanned with CamScanner

اصول اعتقادیہ میں اخبار احاد پر اعتماد جائز نہیں

یہی وجہ ہے کہ ہر وہ چیز جو موجب یقین نہ ہو، اصول عقائد میں اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، جیسے آیات متشابہات اور اخبار احاد[1] (غیر متواترہ) علمائے اعلام میں ان امور کی تصریحات فرمائی ہیں۔ چنانچہ

① جناب آقائے شعرانی مقدمہ شرح اصول کافی ملا صالح مازندرانی جلد ۱ صفحہ ۱۱ پر لکھتے ہیں:

ثم من اهم ما يجب ان يعلم ان الاعتماد فی الاصول علی العقل و الكتاب و الاخبار المتواترة و بالجملة ما يوجب اليقين دون اخبار الاحاد۔

یعنی سب سے اہم بات جس کا جاننا واجب و لازم ہے وہ یہ ہے کہ اصول عقائد میں صرف عقل سلیم (مُسلمات عقلیہ) قرآن مجید (آیات محکمات) اور اخبار متواترہ غرضیکہ ہر وہ چیز جو موجب یقین ہو اس پر اعتماد کرنا چاہیے نہ اخبار احاد پر۔

② رسالہ ہدیۂ رضویہ صفحہ ۳۵ طبع مراد آباد پر مرقوم ہے:

سائر محققین آنرا ذکر فرمودہ اند و آں آنست کہ در مرحلہ اعتقاد عمل بر اخبار احاد روا نیست۔

③ سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۷۸ پر ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلكونها من اخبار الاحاد وهي لا تصلح للاسناد فی اصول الاعتقاد۔

یہ حدیث اخبار احاد میں سے ہے اور اصول اعتقاد میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

④ جناب موصوف کے والد عظیم سرکار غفران مآب قدس سرہ اپنی کتاب اساس الاصول طبع لکھنو

---

[1]: حدیث کی دو قسمیں ہیں، متواتر، اور واحد۔ ہر وہ حدیث جس کو ابتدا سے آخر تک اس قدر جماعت کثیرہ نقل کرے جس کا جھوٹ پر اتفاق کرنا عادۃً محال ہو۔ اسے خبر متواتر کہا جاتا ہے۔ اور جو حدیث اس طرح نہ ہو اسے خبر واحد کہا جاتا ہے۔ پھر خبر واحد کی کئی قسمیں ہیں: وليس ههنا مجال للتفصيل۔ یہ مختصر وضاحت صرف اس لیے کردی گئی ہے کہ ہمارے برخلاف وعظ کرنے اور قلم اٹھانے والوں میں ایسے فضلاء کی بھی کوئی کمی نہیں ہے جن کو خبر واحد کا اصطلاحی مفہوم بھی معلوم نہیں ہے۔ بلکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خبر واحد وہ ہوتی ہے جو صرف ایک کتاب میں موجود ہو اور اگر دو تین کتابوں میں درج ہو جائے تو پھر وہ خبر واحد نہیں رہتی۔ بریں عقل و دانش بباید گریست (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

صفحہ ۸۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

فان التعویل علی الاحاد فیما غیر معقول

یعنی اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔

⑤ اسی طرح فاضل جلیل شیخ حسن بن شہید ثانی قدس سرہما اپنی کتاب معالم صفحہ ۱۷۳ پر لکھتے ہیں:

فان التعویل علی الاحاد فیما غیر معقول۔

اصول دین میں اخبار احاد پر اعتماد کرنا غیر معقول ہے۔

وجہ ظاہر ہے کہ اخبار احاد چونکہ موجب جزم و یقین نہیں ہوتیں، حالانکہ اصول عقائد میں علم و یقین کا حاصل کرنا لازم ہے، قدبر۔

بہرحال اصول دین میں تقلید کے ناجائز ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں علماء و مجتہدین کی طرف رجوع کرنا شجرۂ ممنوعہ ہے حاشا وکلا، بلکہ مقصد یہ ہے کہ رجوع تو اصول و فروع دین میں بہرحال علماء اعلام ہی کی طرف کرنا ہے ہاں اصول و فروع میں فرق صرف اس قدر ہے کہ فروع دین میں بلا تقاضائے دلیل ان کا حکم ماننا لازم ہے، مگر اصول دین میں دلیل کا تقاضا کیا جائے گا، تاکہ عقیدہ بالدلیل ہو نہ بالتقلید ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کردیا

ورنہ ہر شخص بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر علماء اعلام کی طرف رجوع کرنا ممنوع ہے تو کیا پھر اس سلسلہ میں جہلاء کی طرف رجوع کیا جائے گا؟ یا اپنے اپنے آراء فاسدہ و خیالات کاسدہ پر اعتماد کیا جائے گا۔ یا حاطب اللیل قسم کے اہل علم کی لکھی ہوئی رطب و یابس سے لبریز کتب و رسائل پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ مالکم کیف تحکمون؟

علاوہ بریں یہاں یہ بات بھی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہے کہ اگر اصول دین میں یہ دھاندلی روا سمجھی جائے تو پھر باطل پرست فرقوں کو بھی ناجی تسلیم کرنا پڑے گا، اور کسی اہل حق کو ان کے برخلاف لب کشائی کی کوئی گنجائش نہ ہوگی، کیونکہ بنابریں قاعدہ وہ اپنے غلط عقائد کے متعلق یہ عذر کرنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جب اصول عقائد میں ہر شخص کو خدا بالکل آزادی دیتا ہے تو ہمارے ذاتی خیال و رائے (یا ذاتی تحقیق) کے مطابق یہی عقائد صحیح ہیں، اس طرح مذہب کیا ہوگا، بچوں کا کھلونا یا موم کی ناک بن جائے گا۔ جس نے جب چاہا جس طرح چاہا توڑ مروڑ کے اپنے خیال کے مطابق بنا لیا۔ کیا جس آزادی اور مطلق العنانی کا آخری نتیجہ یہ ہو کیا کوئی عقلمند اور ہمدرد مذہب و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ملت اسے روا سمجھ سکتا ہے اور کیا مذہب اس کی اجازت دے سکتا ہے۔ مگر افسوس ع

ہر بات یہاں کی اُلٹی ہے یاں اُلٹی گنگا بہتی ہے

ائمہ اطہارؑ کی معرفت میں اختلاف انظار اور اس کی اصلی وجہ

اقوام عالم کی تاریخ پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک ہمیشہ عام لوگ بزرگان دین وراہنمایان ایمان ویقین کے بارے میں افراط وتفریط کا شکار رہے ہیں۔ ہمیشہ یہ ہوتا رہا ہے کہ ان کے بعض نادان دوست انھیں ان کے حقیقی مرتبہ سے بڑھاتے رہے اور بعض احمق دشمن ان کو ان کے اصلی مقام سے گراتے رہے۔ اسی غلط جذبۂ محبت وعقیدت نے یہودیوں ونصرانیوں کو حضرت عزیرؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ابن اللہ ہونے کا فاسد نظریہ قائم کرنے پر آمادہ کیا۔

قالت الیھود عزیر بن اللہ و قالت النصاریٰ المسیح ابن اللہ۔

اسی لیے خدائے لم یزل نے ان نادانوں کو تنبیہ فرمائی۔

یا اھل الکتب لا تغلوا فی دینکم و لا تقولوا علی اللہ الا الحق۔

اے اہل کتاب اپنے دینی معاملہ میں غلو (حد سے تجاوز) نہ کرو، اور خدا کے متعلق وہی بات کہو جو برحق ہے۔ اور اس کے مقابل ان کے نابکار دشمن ان ذوات مقدسہ کو من جمیع الجہات اپنے جیسا عام آدمی سمجھ کر نہ صرف ان کے علم وفضل اور عصمت وطہارت کا بلکہ ان کی نبوت ورسالت کا بھی انکار کر بیٹھے۔

قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدون عما کان یعبد آبائنا۔

تم بالکل ہر لحاظ سے ہم جیسے انسان ہو، تم صرف یہ چاہتے ہو، ان (بتوں) کی عبادت سے جن کی عبادت ہمارے آباء واجداد کرتے تھے ہمیں روکو۔ بہرحال ہر دور میں ایسے لوگ بہت ہی قلیل تعداد میں رہے ہیں، اور وہ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں جنھوں نے اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ افراط وتفریط کی آلائش سے اپنے دامن کو ملوث نہ ہونے دیا اور ہادیان دین کی محبت ومودت کے نازک معاملہ میں صراط مستقیم پر گامزن رہے۔ (وقلیل ماھم)

خلاصہ کلام اینکہ اسی طریقہ جاریہ وسنت مستمرہ کے مطابق حضرات ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے متعلق بھی لوگ تین حصوں میں تقسیم ہو گئے۔ کچھ کم توفیق وکم عقل لوگ تو

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ان بزرگواروں کے فضائل و کمالات اور مناقب و معجزات کی تاب نہ لاکر غلو و تفویض کے گہرے سمندر میں غرق ہو گئے اور کئی قسم کے غلط نظریات ان بزرگواروں کے متعلق از خود قائم کر لیے (تفصیل کے لیے احسن الفوائد صفحہ ۵۵۷ طبع ثانی ملاحظہ ہو)

بعض شقی و بدبخت ان کے نہ صرف صحیح فضائل و کمالات بلکہ ان کی خلافت و امامت تک کا انکار کر کے ضلالت و ہلاکت ابدی کے عمیق گڑھے میں جا گرے اور یہ دونوں قسم کے لوگ وہ تھے جنھوں نے اس انتہائی نازک مرحلہ و مقام میں ان امناء رحمٰن و ہادیان دین و ایمان کی مقدس تعلیمات سے روگردانی کر کے خود اپنی ناقص عقلوں اور فاسد رایوں پر اعتماد کیا، لہٰذا نتیجہ یہ نکلا کہ ضلوا و اضلو (خود گمراہ ہوئے اور دوسروں کو گمراہ کیا) تیسرا گروہ وہ تھا جس نے دیگر تمام عقائد و اعمال کی طرح اس مقام (معرفت نبیؐ و امامؑ) پر بھی انہی حجج الٰہیہ کے مقدس تعلیمات و ارشادات کو اپنے لیے خضر راہ و مشعل ہدایت بنایا، اس لیے وہ ہمیشہ جادۂ اعتدال پر گامزن رہے اور افراط و تفریط و غلو و تفویض کی ہلاکت خیزیوں اور غالی و قالی ہر دو کی فتنہ انگیزیوں سے محفوظ و مصون رہے۔

(وخیر الامور اوسطھا) ذات احدیت کا یہ وعدہ ہے کہ:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ مع المحسنین

جو حق و حقیقت کو تلاش کرنے کے لیے جد و جہد کرتے ہیں ہم ان کو اپنا صحیح راستہ دکھا دیتے ہیں۔ اور خدا تو بالیقین احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ بالکل اسی مضمون یعنی جناب امیر المومنین کے متعلق عام لوگوں کے تین گروہوں میں تقسیم ہو جانے اور پھر دو گروہوں کے ہالک اور تیسرے گروہ کے ناجی ہونے کے بارے میں جناب رسول خداؐ کا ارشاد ہفتم بحار صفحہ ۳۳۸ پر موجود ہے۔

غلو و تفویض کی مذمت ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں

باوجودیکہ حکمائے اسلام یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام نے لوگوں کو افراط و تفریط سے بچانے، ضلالت و غوایت کی ان تیرہ و تار وادیوں سے نکالنے اور ان کو جادۂ اعتدال پر چلانے کے متعلق کوئی امکانی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا لیکن بموجب الفاظ تنقذ من فی النار جنھوں نے ہلاک و برباد ہونا تھا وہ ہلاک ہو کر ہی رہے۔ سچ ہے ع

جنھیں ہو ڈوبنا وہ ڈوب جاتے ہیں سفینوں میں

ائمہ اطہارؑ کے اخبار سے اس انبار سے بطور نمونہ مشتے از خروارے چند احادیث پیش کی جاتی ہیں:

Scanned with CamScanner

❶ سیدالاولین والآخرین حضرت خاتم النبیینؐ اپنے حق میں افراط وغلو کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرماتےؐ ہیں:

لا ترفعونی فوق حقی فان اللہ تبارک و تعالی اتخذنی عبدا قبل ان یتخذنی نبیا۔

مجھے میرے حقیقی مرتبہ ومقام سے زیادہ نہ بڑھاؤ کیونکہ خداوند عالم نے مجھے درجہ نبوت عطا کرنے سے قبل اپنا بندۂ خاص بنایا ہے۔

خدا کا ارشاد ہے:

مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَ الْحُكْمَ وَ النُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔

کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ خدا اسے کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے یہ کہے کہ تم اللہ سبحانہ کے سوا میرے بندے بن جاؤ۔

(عیون اخبار الرضا کذا فی التفسیر الصافی صفحہ ۸۴ و سابع البحار صفحہ ۳۳۸ باب ۴۵ صفحہ ۳۷۲ طبع قدیم)

❷ اسی سلسلہ میں سراللہ فی العالمین حضرت امیرالمومنینؑ فرماتے ہیں:

یھلک فی اثنان و لا ذنب لی محب معرط و مبغض مفرّط و انا ابرا الی اللہ تبارک و تعالیٰ ممن یغالیہ و برفعنا فوق حدنا کبراتہ عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام من النصاری ۵

میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہلاک ہوجائیں گے حالانکہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ ایک حد سے بڑھانے والا (نام نہاد) دوست اور دوسرا حد سے گھٹانے والا (بدبخت) دشمن۔ میں بارگاہ ایزدی میں ان لوگوں سے جو ہمارے متعلق غلو کرتے ہیں اور ہمیں ہماری حدود سے بڑھاتے ہیں، اسی طرح اپنی برائت کا اظہار کرتا ہوں جس طرح حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ نے نصرانیوں سے برائت ظاہر کی تھی۔ (عیون اخبار الرضا صفحہ ۳۷۲۔۳۷۳)

یہی فرمان امام علیہ السلام نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۱ طبع مصر پر تھوڑے سے اختلاف الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔ اس کے آخر میں ہے: و خیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ۔ میرے متعلق قابلِ تعریف حالت درمیانہ روی اختیار کرنے والوں کی ہے تم اسی طریقہ کو لازم پکڑو۔

❸ جناب ابوخالد کابلیؒ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے سنا فرماتے تھے کہ یہودیوں نے جناب عزیرؑ کی محبت میں مبتلا ہوکر ان کے حق میں جو کہا سو کہا۔ (انھوں نے بھی ان کو خدا کا بیٹا کہا) نہ عزیر ان سے ہیں اور نہ وہ عزیرؑ سے ہیں۔ اسی طرح نصرانیوں نے محبت عیسیٰؑ

Scanned with CamScanner

میں گرفتار ہو کر ان کے متعلق جو کچھ کہا (انھوں نے بھی ان کو خدا کا بیٹا کہا) نہ جناب عیسیٰؑ ان سے ہیں اور نہ وہ جناب عیسیٰؑ سے ہیں۔ ہمارا معاملہ بھی یہی ہے۔

ان قوما من شیعتنا سیحبونا حتی یقولون فینا ما قالت الیهود فی عزیر و ما قالت النصاری فی عیسی ابن مریم فلا هم منا و لا نحن منهم۔

ہمارے شیعہ کہلانے والوں میں سے بھی کچھ لوگ ہمارے متعلق وہی کچھ کہیں گے جو کچھ یہودیوں نے عزیرؑ اور نصرانیوں نے عیسیٰؑ کے بارہ میں کہا تھا۔ نہ وہ ہم سے ہیں اور نہ ہم ان سے ہیں۔ (رجال کشی صفحہ ۹۷)

۴ امام جعفر صادق علیہ السلام ابوبصیر سے فرماتے ہیں:

یا ابا محمد ابرأ ممن زعم انا ارباب۔

اے ابو محمد ان لوگوں سے اپنی بیزاری ظاہر کرو جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم رب ہیں۔

قلت بری الله منه۔ میں نے عرض کیا خدا ان سے بیزار ہو۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ابرأ ممن زعم انا انبیاء ان لوگوں سے بھی بیزاری ظاہر کرو جو ہمارے بارے میں یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نبی ہیں۔

میں نے عرض کیا: بری الله منه۔ خدا ان سے بیزار ہو۔ (رجال کشی صفحہ ۱۹۲)

۵ نیز انہی حضرت سے ایک حدیث کے ضمن میں مروی ہے فرمایا:

الویل لمن کذب علینا و ان قوما یقولون فینا ما لا نقوله فی انفسنا نبرا الی الله منهم

(رجال کشی صفحہ ۷۰)

افسوس ہے ان لوگوں پر جو ہمارے اوپر افتراء کرتے ہیں اور کچھ لوگ ہمارے بارے میں ایسی باتیں کہتے ہیں جو ہم خود اپنے بارے میں نہیں کہتے۔ ہم خدا کی بارگاہ میں ان سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں۔ (دوبار فرمایا)

۶ نیز انہی سرکارؑ سے منقول ہے، فرمایا:

من قال انا انبیاء فعلیه لعنة الله و من شك فی ذلك فعلیه لعنة الله۔

جو شخص یہ کہے کہ ہم نبی ہیں اس پر خدا کی لعنت ہو اور جو اس میں شک کرے اس پر بھی خدا کی لعنت ہو۔ (رجال کشی صفحہ ۱۹۴)

۷ نیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

لعن الله من قال فينا مالا نقوله فی انفسنا و لعن الله من ازالنا عن عبودية الله الذی خلقنا و اليه مآبنا و معادنا و بيده نواصينا (رجال مامقانی جلد ۳ صفحہ ۲۳۶ و مشکوٰۃ الاسرار)

خدا اس بندے پر لعنت کرے جو ہمارے متعلق وہ بات کہے جو ہم خود اپنے متعلق نہیں کہتے اور ہمیں اس خدا کی بندگی سے ہٹائے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے اور پھر اسی کی طرف ہماری بازگشت ہے اور اسی کے قبضہ قدرت میں ہماری بست و کشاد ہے۔

۸ مفضلؒ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صادق آل محمدؐ کی خدمت میں ابوالخطاب (غالی) اور بعض دوسرے غالیوں کا ذکر چھڑ گیا۔ آنجنابؑ نے فرمایا:

يا مفضل لا تقاعدوهم و لا تواكلوهم و لا تشاربوهم ولا تصافحوهم و لا توارثوهم۔

(رجال کشی صفحہ ۱۹۲ کذا فی رجال المامقانی جلد ۳ صفحہ ۱۹۰ و سابع البحار صفحہ ۳۴۸)

اے مفضل نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان کے ہمراہ کھاؤ پیو نہ ان کے ساتھ مصافحہ کرو اور نہ ان کو وراثت میں شریک کرو۔

علامہ مجلسیؒ اس حدیث شریف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله لا توارثوهم الی لا تعطوهم الميراث فانهم مشركون لا يرثون من المسلم و لا تواصلوهم بالمصاهرة الموجبة للتوارث ۱۲

یعنی ان کو میراث نہ دو کیونکہ یہ مشرک ہیں، اس لیے مسلمان کے وارث نہیں بن سکتے، اور نہ ان کو رشتہ دو اور نہ اس سے لو، جو توارث کا باعث ہوتا ہے۔ (ہفتم بحار صفحہ ۳۴۸)

۹ حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

من زعم ان الله عزو جل فوض امر الخلق و الرزق الی حججه فقد قال بالتفويض و القائل بالجبر كافر والقائل بالتفويض مشرك

(عیون اخبار الرضا ص ۸۳ و احتجاج طبرسی صفحہ ۲۲۵)

جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ ائمہ علیہم السلام کے سپرد فرمایا ہے وہ تفویض کا قائل ہے جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔

۱۰ نیز بروایت حسین بن خالد انہی حضرتؑ سے مروی ہے فرمایا:

يا ابن خالد انما وضع عنا الاخبار فی التشبيه و الجبر الغلاة الذين صغروا عظمة الله تعالیٰ فمن احبهم فقد ابغضنا و من ابغضهم فقد احبنا و من والاهم فقد عادانا و من عاداهم

Scanned with CamScanner

فقد والانا و من وصلهم فقد قطعنا و من قطعهم فقد وصلنا و من جفاهم فقد برنا و من برهم فقد جفانا و من اکرمهم فقد اهاننا و من اهانهم فقد اکرمنا و من قبلهم فقد ردنا و من ردهم فقد قبلنا و من احسن الیهم فقد اساء الینا و من اساء الیهم فقد احسن الینا من صدقهم فقد کذبنا و من کذبهم فقد صدقنا و من اعطاهم فقد حرمنا و من حرمهم فقد اعطانا یا بن خالد من کان من شیعتنا فلا یتخذن منهم ولیا و لا نصیرا۔

اے فرزند خالد جبر و تشبیہ کے متعلق ہماری طرف جو اخبار منسوب ہیں، یہ سب غالیوں نے گھڑی ہیں، وہ غالی جو اللہ سبحانہ کی عظمت و جلالت کو گھٹاتے ہیں۔ پس جو شخص ان سے محبت کرتا ہے وہ ہم سے بغض رکھتا ہے اور جو ان سے بغض رکھتا ہے وہ ہم سے محبت کرتا ہے، جو ان سے دوستی رکھتا ہے وہ ہم سے دشمنی رکھتا ہے، جو ان سے دشمنی رکھتا ہے وہ ہم سے دوستی رکھتا ہے، جو ان سے وصل کرتا ہے وہ ہم سے قطع کرتا ہے، جو ان سے قطع تعلق کرتا ہے وہ ہم سے وصل کرتا ہے جو ان پر جفا کرتا ہے وہ ہم سے نیکی کرتا ہے، جو ان کے ساتھ نیکی کرتا ہے وہ ہم پر جفا کرتا ہے، جو ان کا اکرام و احترام کرتا ہے وہ ہماری توہین کرتا ہے، اور جو ان کی توہین کرتا ہے وہ ہمارا احترام کرتا ہے، جو انھیں قبول کرتا ہے وہ ہمیں رد کرتا ہے اور جو ان کو ٹھکراتا ہے وہ ہمیں قبول کرتا ہے، جو ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے برا سلوک کرتا ہے، جو ان سے برا سلوک کرتا ہے وہ ہم سے اچھا سلوک کرتا ہے، جو ان کی تصدیق کرتا ہے وہ ہماری تکذیب کرتا ہے، جو ان کی تکذیب کرتا ہے وہ ہماری تصدیق کرتا ہے، جو ان کو دیتا ہے وہ ہمیں محروم کرتا ہے اور جو ان کو محروم کرتا ہے وہ ہمیں دیتا ہے۔ اے فرزند خالد جو شخص بھی ہمارے شیعوں میں سے ہے اس پر لازم ہے کہ وہ ان لوگوں میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بنائے۔ (اخبار الرضا باب ۱۱ صفحہ ۹۷ کذا فی سابع البحار صفحہ ۳۰۸)

⓫ فضل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

احذروا علی شبابکم الغلاة لا یفسدوهم فان الغلاة شر خلق الله یصغرون عظمة الله و یدعون الربوبیة لعباد الله و الله ان الغلاة لشر من الیهود و النصاریٰ و المجوس و الذین اشرکوا۔

یعنی اپنے نوجوانوں کے متعلق غالیوں (کی میل جول) سے ڈرو۔ کہیں یہ (کمبخت) ان (کے عقیدہ و عمل) کو خراب نہ کر دیں کیونکہ یہ غالی لوگ خدا کی تمام (بری) مخلوق سے بدتر ہیں، جو

Scanned with CamScanner

خدا کی عظمت کو حقیر جانتے ہوئے اس کے بندوں کے لیے ربوبیت کا دعوے کرتے ہیں۔ خدا کی قسم یہ غالی، یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور تمام مشرکوں سے بدتر ہیں۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۳۸)

۱۲ علی بن سالم اپنے والد (سالم) سے روایت کرتے ہیں کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ادنی ما یخرج منه الرجل من الایمان ان یجلس الی غال فیستمع حدیثه و یصدقه علی قوله ان ابی حدثنی عن ابیه عن جده علیهم السلام ان رسول الله صلی الله علیه و اله وسلم قال صنفان من امتی لا نصیب لهما فی الاسلام الغلاة و القدریة۔

یعنی کم از کم وہ چیز جس کی وجہ سے آدمی دائرۂ ایمان سے خارج ہو جاتا ہے یہ ہے کہ کسی غالی کے پاس بیٹھے اور توجہ سے اس کی بات سن کر تصدیق کر دے۔ میرے والد ماجد نے اپنے اب وجد سے مجھ تک جناب رسولِ خداؐ کی یہ حدیث پہنچائی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا میری امت کے دو گروہ ایسے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ایک غالی، دوسرا قدریہ۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۳۹)

۱۳ ابو حمزہ ثمالی جناب امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

یا ابا حمزة لاتضعوا علیا دون ماوضعه الله و لا ترفعوه فوق ما رفعه الله کفی لعلی ان یقاتل اهل الکرة و یزوج اهل الجنة۔

اے ابو حمزہ نہ تو علیؑ کو اس مقام و منزل سے پست کرو جس پر خدا نے ان کو فائز کیا ہے اور نہ اس حد سے ان کو بلند تر کرو جس قدر خدا نے انھیں بلند کیا ہے۔ جناب علیؑ (کی عظمت کے لیے) اتنی بات ہی کافی ہے کہ وہ زمانہ رجعت میں جنگ و جدال کریں اور اہل جنت کی تزویج فرمائیں۔

(بصائر الدرجات طبع جدید صفحہ ۴۱۵ ہفتم بحار صفحہ ۳۴۴)

۱۴ ابو ہاشم جعفری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام سے غلاۃ مفوضہ کے بارے میں سوال کیا امام نے فرمایا:

الغلاة کفار و المفوضة مشرکون من جالسهم او خالطهم او اکلهم او شاربهم او واصلهم او زوجهم او تزوج الیهم او امنهم او ائتمنهم علی امانة او صدق حدیثهم او اتاهم بشئ کلمة خرج من ولایة الله عز و جل و ولایة رسول الله و ولایة اهل البیت

غالی کافر اور مفوضہ مشرک ہیں۔ جو شخص ان لوگوں کے پاس بیٹھے یا ان سے میل جول رکھے یا ان کے ساتھ مل کر کھانے پیے یا ان کے ساتھ تعلقات قائم کرے یا ان کو رشتہ دے یا ان سے رشتہ

Scanned with CamScanner

لے یا ان کا امین بنے یا کسی امانت پر ان کو امین بنائے یا ان کی کسی بات کی تصدیق کرے یا ان کی اعانت و امداد کرے اگرچہ جزء کلمہ کے ساتھ ہی ہو تو وہ خدا و رسولؐ اور ہم اہل بیتؑ کی ولایت سے خارج ہو جاتا ہے۔ (عیون الاخبار جلد ۲ صفحہ ۲۵۳ طبع جدید ہفتم بحار صفحہ ۳۴۱)

⑮ فضیل بن عثمان روایت کرتے ہیں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اتقوا اللہ و عظموا اللہ و عظموا رسولہ و لا تفضلوا علی رسول اللہ احدا فان اللہ تبارک و تعالیٰ قد فضلہ و احبوا اھل بیت نبیکم حبا مقتصدا و لا تغلوا و لا تفرقوا و لا تقولوا ما لا نقول فانکم ان قلتم و قلنا متم و متنا ثم بعثکم و بعثنا فکنا حیث یشاء اللہ و کنتم۔

اللہ سے ڈرو اور اس کی عظمت و جلالت کا خیال رکھو۔ اسی طرح اس کے رسولؐ کی تکریم و تعظیم کرو اور کسی کو بھی ان پر فضیلت نہ دو۔ کیونکہ خداوند عالم نے آنحضرت کو (سب کائنات پر) فضیلت دی ہے اور اہل بیت رسولؐ سے درمیانہ قسم کی محبت کرو۔ نہ غلو کرو اور نہ باہم تفریق اور (ہمارے متعلق) وہ بات نہ کرو جو ہم نہیں کہتے۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا یعنی ہم نے کچھ کہا اور تم نے کچھ تو ہم بھی مریں گے اور تم بھی۔ پھر خدا ہمیں اور تمھیں مبعوث و محشور کرے گا۔ پھر جہاں چاہے گا ہم اور تم ہوں گے۔ یعنی تم ہم سے الگ ہو گے اور ہماری زیارت سے محروم رہو گے۔

(بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۳۳۹)

⑮ متعدد اخبار و آثار میں مذکور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنے ظاہری دور خلافت میں اپنے متعلق غلو کرنے والوں کو زندہ نذر آتش کر دیا تھا۔ (ہفتم بحار صفحہ ۳۴۹ منہاج البراعہ جلد ۴ صفحہ ۳۵۷)

ان اخبار معصومینؑ میں جس شد و مد کے ساتھ غلاۃ کی مذمت کی گئی ہے اور جس طرح ان کو یہودیوں اور مجوسیوں سے بدتر قرار دے کر کافر قرار دیا گیا ہے اور ائمہ طاہرینؑ نے جس انداز میں اپنے نام لیواؤں کو اس بدترین خلائق گروہ کی مجالست و ہم نشینی سے سخت ممانعت فرمائی ہے، وہ اب مزید کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔ آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است۔

انہی حقائق کی بنا پر عالم ربانی شیخ عبداللہ مامقانی نے فرمایا ہے: اجمع العلماء علی کفر الغالی۔ غالیوں کے کفر پر تمام علماء و فقہاء کا اجماع و اتفاق ہے۔ (تنقیح المقال جلد ۳ صفحہ ۲۶۸)

فلا غلو و لا تفویض و لا تقصیر و لا تفریط فی الاسلام و مذھب اھل البیت علیہم السلام بل امر بین الامرین کما لا یخفی علی اولی الافھام و فقنا اللہ للعمل علی تعالیم القرآن و تعالیم النبی و اھل بیتہ علیہ و علیہم السلام۔

Scanned with CamScanner

توضیح:

مخفی نہ رہے کہ ان احادیث شریفہ میں جہاں جہاں تفویض کی مذمت کی گئی ہے وہ فرقہ مُفوضہ کے ساتھ مخصوص ہے ہی لیکن جہاں جہاں غلو اور غالیوں کی شدید مذمت کی گئی ہے اس میں بھی مُفوضہ شریک ہیں۔ کیونکہ مُفوضہ بھی غالیوں کی ہی ایک خاص قسم ہے جیسا کہ حضرت شیخ مُفید علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

و المفوضة صنف من الغلاة و قولهم الذی فارقوابه من سواهم من الغلاة اعترافهم بحدوث الائمة و خلقهم و نفی القدم عنهم و اضافة الخلق و الرزق مع ذالك اليهم و دعواهم ان الله سبحانه وتعالیٰ تفرد بخلقهم خاصة و انه فوض اليهم خلق العالم بمافيه و جميع الافعال۔

یعنی مُفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہیں۔ ہاں جس بات میں وہ دوسرے عام غالیوں سے جدا ہیں، وہ یہ ہے کہ وہ ائمہ ؑ کو حادث وخلوق تسلیم کرتے ہیں اور ان کو قدیم نہیں سمجھتے۔ لیکن اس اعتراف کے باوجود وہ خلق ورزق کو انہی بزرگواروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ ان کا دعویٰ ہے کہ خدا نے صرف محمدؐ و آل محمدؐ کو پیدا کیا ہے، پھر اس نے عالم ومافیہ کی خلقت ان حضرات کے سپرد کردی ہے۔ لہٰذا وہی اس کے خالق ہیں۔ (شرح عقائد صدوق صفحہ ۲۱۸)

ایسا ہی افادہ جناب آقائے شیخ فضل اللہ زنجانی (شہید) نے اوائل المقامات للشیخ المفید کے حاشیہ صفحہ ۷۷، ۷۶ پر فرمایا ہے۔

نیز ان آیاتؔ وروایات سے یہ حقیقت بھی بالکل واضح ہوجاتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے فی الجملہ کچھ حدود ہیں۔ (و کل مخلوق محدود) جن سے اگر ان کو بڑھایا جائے تو انسان غلو وافراط میں مبتلا ہوکر ابدی ہلاکت کا شکار ہوجاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ بزرگوار بار بار یہ نہ فرماتے کہ ہمیں ہمارے حدود سے آگے نہ بڑھاؤ۔ کیونکہ جب ان کی کوئی حد تسلیم نہ کی جائے تو پھر اس سے بڑھانے یا اس بڑھانے کی ممانعت کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک عظیم شبہ اور اس کا ازالہ

بعض وہ لوگ جو راسخ فی الافراط ہیں، وہ تو یہاں تک کہہ دیا کرتے ہیں ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں سرے سے غلو ہو ہی نہیں سکتا۔ اور درحقیقت ان کی مدح میں ہمارا غلو بھی قاصر ہے اور اس

Scanned with CamScanner

سلسلہ میں وہ بعض عقلی و نقلی شبہات بھی پیش کرتے ہیں۔ مثلاً یہ عقلی شبہ کہ غلو حد سے بڑھنے یا بڑھانے کا نام ہے، مگر جب ہمیں ائمہ اطہارؑ کی حد ہی معلوم نہیں ہے تو پھر ان کے حق میں غلو کیونکر ہوسکتا ہے؟۔ اور نقلی شبہ یہ کہ کئی روایات میں با اختلاف الفاظ وارد ہے کہ لاتدعونا ارباباً یانزلونا عن الربوبیۃ ثم قولوا فی فضلنا ما شئتم و لن تبلغوا۔ ہمیں رب نہ کہو، پھر جو جی چاہے ہمارے حق میں بیان کرو۔ ہرگز ہماری حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔ (بصائر الدرجات و ہفتم بحار الانوار وغیرہ)

اگرچہ ہم "احسن الفوائد" میں اس شبہ کا مفصل جواب لکھ چکے ہیں تاہم مناسبت مقام کی بنا پر یہاں بھی کچھ حقائق پیش کیے جاتے ہیں۔ سو واضح ہو کہ یہ شبہ بچند وجہ باطل اور درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ شبہ محض جوشِ خطابت و عقیدت کی پیداوار ہے، جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ کہنا کہ ہمیں ان بزرگواروں کی حدود کا بالکل کچھ بھی پتا نہیں، لہٰذا غلو نہیں ہوسکتا۔ کس قدر بعید از حقیقت بات ہے۔ ہمیں یقیناً ان ذواتِ مقدسہ کے کچھ ایجابی و سلبی حدود و قیود کا علم ہے، کیا ان کو خدا و رسول کہنا یا صفات خداوندی میں شریک قرار دینا ان کے حدود سے تجاوز نہیں؟ اور کیا یہ کھلا ہوا غلو نہیں؟ اسی طرح اگر یہ کہا جائے کہ ان کی عبادت کرنا، رب یا خدا ان میں حلول کرتا ہے یا یہ خدا کے اوتار ہیں یا وہ خدا کے ساتھ متحد ہیں۔ یہ واضح تجاوز عن الحد نہیں ہے؟ نیز اگر ان کو مربوب کی بجائے رب، عابد کی بجائے معبود، مرزوق کی جگہ رازق، حادث کی جگہ قدیم، ممکن کی بجائے واجب الوجود کہا جائے تو کیا یہ کھلم کھلا غلو اور ان کے حدود عبودیت سے تجاوز نہیں؟ اتنا تو ہمارے یہ مولوی صاحبان بھی تسلیم کرتے ہیں کہ ان کو بالذات خالق و رازق اور بالذات عالم الغیب کہنا غلو ہے پھر ان کا یہ کلیہ کہاں گیا کہ ان کے حق میں غلو ممکن ہی نہیں ہے جس طرح خدا کے کچھ صفات ثبوتیہ (جو اس کی شان کے لائق ہیں) اور کچھ صفات سلبیہ (جو اس کی شان اقدس کے لائق نہیں) ہیں، ان کے متعلق اس کی معرفت لازم ہے۔ مگر بایں ہمہ پھر بھی وہ محدود و محاط نہیں ہوجاتا، بلاتشبیہ ائمہ علیہم السلام کے بھی کچھ ایجابی و سلبی صفات ہیں، ان کے مطابق ان کو ماننا واجب ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ پھر بھی من کل الوجوہ محدود اور ہماری مانند نہیں ہوجاتے۔ بنا بریں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر ان کو نہ رب کہا جائے اور نہ ان کو ان صفات کا حامل قرار دیا جائے جو عہدۂ جلیلہ ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں۔ اور نہ ان کی نبوت و رسالت کا ادعا کیا جائے۔ تو پھر وہ تمام صفات و کمالات علمیہ و عملیہ اور فضائل و فواضل نفسانیہ و روحانیہ جو کسی بھی مخلوق میں پائے جاسکتے

Scanned with CamScanner

ہیں وہ تمام کے تمام ان ذوات مقدسہ میں بدرجہ اتم واکمل موجود ہیں اور ان کی شان اور ان کا مقام فی الواقع اس قدر اجل وارفع ہے کہ عام انسانی طائر عقل وخیال ان کی بلندی کو چھو بھی نہیں سکتا ہے۔ (لا یرقی الی الطیر و ینحط دعنی السیل۔ نہج البلاغہ) اور نہ ہی عام انسان ان کے محامد و مناقب کا احصاء واحاطہ کرسکتا ہے۔ (لو کانت الریاض اقلاما و البحار مدادا و الانس کتابا و الجن حسابا لما احصوا فضائل علی بن ابی طالب غایۃ المرام وغیرہ) اور نہ ہی انسانی فہم وفراست ان کی عظمت و جلالت کا صحیح اندازہ کرسکتی ہے (الامام من حیث النجم من ایدی المتناولین۔ اصول کافی)

صفات ربوبی کون سی ہیں؟

اب صرف اس بات کی تحقیق باقی رہ گئی ہے کہ رب کے شرعاً معنی کیا ہیں؟ اور وہ کونسی صفات ہیں جو عہدۂ ربوبیت کے ساتھ مختص ہیں؟ جو کچھ ارشادات معصومینؑ سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرعی نقطہ نظر سے رب اس ذات کو کہا جاتا ہے جو خالق ورازق ومالک دوجہان اور سارق کائنات کا ناظم ومدبر الامور ہے۔ چنانچہ (تفسیر صافی صفحہ ۱ پر) حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے اس کے یہ معنی مذکور ہیں:

یعنی مالکھم و خالقھم و سائق ارزاقھم الیھم من حیث یعلمون و من حیث لا یعلمون یقلب الحیوانات فی قدرتہ و یغذوھا من رزقہ و یحوطھا بکنفہ و یدبر کلا منھا بمصلحتہ و یمسک الجمادات بقدرتہ و یمسک ما اتصل منھا من التھافت و المتھاوت عن التلاصق و السماء ان تقع علی الارض الا باذنہ و الارض ان یخسف الا بامرہ۔

یعنی ہر مخلوق کا مالک اور خالق اور وہاں سے ان تک ان کا رزق پہنچانے والا ہے جہاں سے ان کو گمان ہو یا نہ ہو وہ تمام حیوانات کو اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ الٹا پلٹتا ہے اور اپنے رزق سے ان کی غذا کا بندوبست کرتا ہے، اور اپنی حفاظت سے ان کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اپنی صوابدید کے مطابق ہر ایک کی تدبیر کرتا ہے، جمادات کو اپنی قدرت مطلقہ کے ساتھ روک رکھا ہے، وہ ان (جمادات) میں سے جو متصل ہیں ان کو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہونے دیتا اور جو منفصل (جدا) ہیں ان کو باہم متصل نہیں ہونے دیتا، اور آسمان کو گرنے اور زمین کو پانی میں دھنسنے سے بچاتا ہے۔

(دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۹۰ مختصرا علل الشرائع صفحہ ۱۸۱)

کذا فی عیون الاخبار صفحہ ۱۸۵ وحدیقہ سلطانیہ جلد ۳ صفحہ [illegible]

Scanned with CamScanner

بنابریں نزلونا عن الربوبیۃ ہمیں درجہ ربوبیت سے نیچے رکھو۔ یا لاتدعونا ارباباً۔ ہمیں رب نہ کہو، کا کوئی صاحب عقل و دانش انسان یہ مطلب ہرگز نہیں لے سکتا کہ ان پر صرف لفظ رب کا اطلاق ممنوع ہے۔ (جو لغوی معنی کے اعتبار سے ہر تربیت کنندہ پر بولا جاسکتا ہے جس کا سہارا لے کر اور اس کے شرعی مفہوم سے آنکھیں بند کر کے بعض حضرات نے عجیب گل کھلائے ہیں، قدیر) باقی جو چاہے صفات ربوبیت ان میں تسلیم کر لی جائیں۔ یا خود ساختہ اور من گھڑت فضائل ان کی طرف منسوب کر دیے جائیں۔ حاشا وکلا بلکہ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ تمام صفات جو عہدۂ ربوبیت کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں جن کا ایک شمہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے ان تمام صفات کا ان حضرات میں قائل ہونا شرعاً ممنوع اور ناجائز ہے۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی المام باسالیب الکلام و لا سیما بکلام الائمۃ علیہم السلام الذی ھو امام الکلام۔

ذیل میں اس بیان کردہ صاف و صریح مفہوم و معنی کی تائید بعض علماء اعلام کے کلام حق ترجمان سے کی جاتی ہے، تاکہ یہ مطلب بالکل آشکار اور بے غبار ہو جائے۔

کن کن صورتوں میں غلو حرام ہے؟

● سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نبیؐ و امامؑ کے حق میں غلو کا مفہوم بیان کرتے ہوئے بحار الانوار جلد ۲۵ صفحہ ۳۶۵ طبع تبریز میں رقمطراز ہیں:

اعلم ان الغلو فی النبی و الائمۃ علیہم الصلوٰۃ والسلام انما یکون بالقول بالوھیتھم او یکونھم شرکاء اللہ تعالیٰ فی المعبودیۃ او فی الخلق و الرزق او ان للہ حل فیھم او اتحد بھم او انھم یعلمون الغیب بغیر وحی او الھام من اللہ تعالیٰ او بالقول فی الائمۃ علیہم السلام انھم کانوا انبیاء او بتناسخ ارواح بعضھم الی البعض او القول بان معرفتھم تغنی عن جمیع الطاعات و لا تکلیف معھا بترک المعاصی و القول بکل منھا الحاد و کفر و خروج عن الدین کما دلت علیہ الادلۃ العقلیۃ و الایات و الاخبار السالفۃ وغیرھا و قد عرفت ان الائمۃ علیہم السلام تبرؤا منھم و حکموا بکفرھم و امروا بقتلھم و ان قرع سمعک شی من الاخبار الموھمۃ لشی من ذلک فھی اما مأولۃ او ھی من مفتریات الغلاۃ و لکن افرط بعض المتکلمین و المحدثین فی الغلو لقصور ھم من معرفۃ الائمۃ علیہم السلام و تجزھم عن ادراک غرائب احوالھم و تجانب شئونھم فقد حوا فی کثیر من

Scanned with CamScanner

الرواة الثقات لنقلهم بعض غرائب المعجزات حتى قال بعضهم من الغلو نفى السهو عنهم او القول بانهم يعلمون ماكان و ما يكون وغير ذلك مع انه قد ورد فى اخبار كثيرة لاتقولوا فينا ربا و قولوا ما شئتم و لن تبلغوا و ورد ان امرنا صعب مستصعب لا يحمله الا ملك مقرب او نبى مرسل او عبد مومن امتحن الله قلبه للايمان و ورد لو علم ابوذر مافى قلب سلمان لقتله وغير ذالك مما مر و سياتى فلا بد للمومن المتدين ان لا يبادر برد ما ورد عنهم من فضائلهم و معجزاتهم و معانى امورهم الا اذا ثبت خلافه بضرورة الدين او بقواطع اليقين او بالآيات المحكمة او بالاخبار المتواترة كما مر فى باب التسليم و غيره ۔

جاننا چاہیے کہ نبی وامام علیہم السلام میں کئی طرح غلو متصور ہوسکتا ہے۔① ان کو خدا قرار دیا جائے② یا معبود③ خالق ورازق ہونے میں ان کو خدا کا شریک قرار دیا جائے۔④ یا یہ کہا جائے کہ خدا نے ان کے اندر حلول کیا ہوا ہے اور یہ خدا کے اوتار ہیں۔⑤ یا خدا ان کے ساتھ متحد ہوگیا ہے۔⑥ یا یہ نظریہ قائم کیا جائے کہ وہ وحی والہام کے بغیر خود بخود علم غیب جانتے ہیں۔⑦ یا ان کو انبیاء تسلیم کیا جائے۔⑧ یا یہ اعتقاد رکھا جائے کہ ان کی روحیں ایک دوسرے میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔⑨ یا یہ کہ ان کی معرفت تمام عبادات الٰہیہ سے بے نیاز کردیتی ہے۔⑩ اور جب ان کی معرفت حاصل ہوجائے تو گناہ ترک کرنے کی تکلیف ختم ہوجاتی ہے۔لیکن بعض متکلمین ومحدثین نے معرفت ائمہؑ اور ان کے غرائب احوال وعجائب شئون سے قاصر وعاجز ہونے کی وجہ سے غلو کے معاملہ میں افراط سے کام لیا ہے۔ چنانچہ انھوں نے بہت سے ثقہ راویوں میں صرف اس لیے قدح کی کہ انھوں نے ان بزرگواروں کے بعض عجیب معجزات نقل کردیے تھے۔بعض علماء نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ان حضرات سے سہو کی نفی کرنا یا ان کو ما کان وما یکون کا عالم ماننا بھی غلو میں داخل ہے۔حالانکہ بہت سے اخبار میں وارد ہے کہ ہمیں رب نہ کہو اور جو چاہو کہو۔ ہرگز ہماری گہرائی تک تمھاری رسائی نہیں ہوسکتی۔یہ بھی وارد ہے کہ ہمارا معاملہ بڑا سخت مشکل ہے اسے صرف کوئی نبی مرسل، ملک مقرب یا بندۂ مومن برداشت کرسکتا ہے جس کے ایمان کا خدائے رحمٰن نے امتحان لے لیا ہو۔نیز وارد ہے کہ اگر ابوذرؓ کو علم ہوجائے کہ قلب سلمانؓ میں کیا ہے تو وہ اسے قتل کردے۔الیٰ غیر ذالک۔اس لیے نیک مومن متدین کے لیے لازم ہے کہ ان فضائل ومعجزات کے متعلق جو روایات وارد ہیں ان کے انکار کرنے میں عجلت سے کام نہ لے جب تک کہ ان کا خلاف حق ہونا ضرورت دین، قطعی یقین،

Scanned with CamScanner

آیات محکمہ اور روایات متواترہ سے ثابت نہ ہو جائے، جیسا کہ باب التسلیم وغیرہ میں گزر چکا ہے۔

❷ سید العلماء حضرت علامہ سید حسین بن سرکار غفران مآب لکھنوی حدیقہ سلطانیہ جلد ۳ مبحث امامت صفحہ ۱۹۶ پر سرکار علامہ مجلسی قدس سرہ القدوسی کا کلام نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اقول تفصیل این مرام بل تحقیق این مقام آنست که غلو منهی عنه منحصر نیست در آنچه ذکر فرموده بلکه اثبات سائر صفات مختصه حضرت باری جلت عظمة از قدم و ازلیت و تجرد و نفی مکانیت و زمانیت و اثبات نبوت و رسالت و هرچه مخالف ضرورت دین و قواطع براهین است برائے حضرات معصومین، غلو وکفراست و اثبات مدارج رفیعه و مراتب دینیه که بایں حدود نرسد و با دله قطعیه و احادیث متواتره برائے حضرات از قبیل معجزات و خوارق عادات ثابت باشد عین ایمان و واجب الاذعان و آنچه از احادیث فضائل موضوع و مخالف اصول قطعیه منقول و مشروع باشد انکار آں واجب و لازم است و آنچه از فضائل باخبار احاد ماثور باشد۔ و مخالف ضروریات و قطعیات بناشد، آں را بمحض استبعاد رد نمی توان کرد و نه بالجزم و الیقین اعتماد بآں نتوان کرد بلکه علم آن را حواله بحضرات و ذوات طیبات باید نمود و استنکاف ازاں نتوان فرمود۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ اس مقام کی تفصیل بلکہ تحقیق یہ ہے کہ غلو ممنوع صرف انہی صورتوں میں منحصر نہیں جن کا تذکرہ سرکار علامہ نے فرمایا ہے بلکہ وہ تمام صفات جو ذات اقدس الٰہی کے ساتھ خاص ہیں، جیسے قدیم وازلی ہونا اور (جسم و جسمانیت سے) مجرد اور زمان ومکان سے منزہ ہونا۔ ان صفات کا ان کی ذوات مقدسہ میں تسلیم کرنا، اسی طرح ان کو نبی ورسول ماننا اور ہر اس چیز کا ان حضرات کے متعلق قائل ہونا جو ضرورت دین اور قطعی براہین کے خلاف ہے یہ سب غلو اور کفر ہے۔ ہاں ان کے مدارج رفیعہ ومراتب عالیہ از قسم معجزات وخوارق عادات جو دلائل قاطعہ واحادیث متواترہ سے ثابت ہیں ان کا قائل ہونا عین ایمان اور واجب الاذعان ہے، البتہ وہ فضائل جو وضعی اور قانونی اصول شرعیہ اخبار و آثار کے ذریعہ منقول ہوں، ان کا رد کرنا واجب و لازم ہے اور وہ

Scanned with CamScanner

فضائل جو اخبار احاد کے ذریعہ منقول ہوں اور ضروریات دین و قطعیات شرع قویم کے مخالف بھی نہ ہوں ان کو نہ تو محض عقلی استبعاد کی بنا پر مسترد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی ان پر بالیقین اعتماد کیا جا سکتا ہے، بلکہ ان کے حقیقی علم کو ان ہی ذوات مقدسہ کے سپرد کرنا چاہیے اور انکار نہ کرنا چاہیے۔ [1]

---

[1] جناب آقا محسنی مدظلہ نے صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۳۳۲۔۳۳۳ پر بڑے پتے کی بات کہی ہے۔ ہم بطرز افادہ اسے من وعن یہاں درج کرتے ہیں اور صاحب حدیقہ اور صاحب صراط حق نے جو افادہ فرمایا ہے اس موضوع پر ہماری تحقیق بھی یہی ہے اور اگر تعصب وضد کی پٹی آنکھوں سے اتار کر حقائق کا جائزہ لیا جائے تو کسی بھی صاحب عقل وانصاف کو اس میں شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ روایات فضائل کے رد وقبول کا معیار: بہرحال جناب موصوف تحریر فرماتے ہیں: القول کل ماورد من اوصاف النبی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم و الائمۃ بطریق صحیح معتمد و لم یکم لہ معارض من العقل و النقل ناخذبہ و نلتزم بہ فانھم قومٌ معصومون و قولھم حجۃ کما تقدم و اما اذا لم یثبت کذلک فان کان مخالفا للعقل او النقل فلا نقول بہ بل نعتقد عدمہ و ان لم یکن مخالفا کما اذا ورد باسناد ضعیف۔ او قال احد من العلماء بانصافھم بامر ممکن عقلا و نقلا لانردہ و لا نقبلہ لعدم الدلیل۔ و النبی الاکرم و اوصیائہ، و ان کانوا افضل ما سوی اللہ و لھم فضائل عظیمۃ و مناقب عجیبۃ غریبۃ بل ورد فی بعض الاخبار لا تقولوا فینا ربا و قولوا ما شئتم لکن کل ذلک لا یوجب الغلوء بکل ما یراد۔ و ان یخترع الانسان من عند نفسہ امورا و نومسکنۃ و یثبتھا لھم فانہ من القول الزور و الکذب المحرم بل ھو مرتبۃ من الغلو الباطل۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ پیغمبر اسلامؐ اور ائمہ علیہم السلام کے وہ اوصاف وکمالات جو قابل اعتماد اور صحیح طریقہ سے مروی ہیں اور ان کے برخلاف کوئی عقلی یا شرعی دلیل نہ ہو تو ہم انھیں ضرور قبول کریں گے۔ کیونکہ یہ بزرگوار معصوم ہیں اور ان کا ارشاد حجت ہے۔ لیکن اگر وہ فضائل اس طرح (قابل اعتماد طریقہ سے) مروی نہ ہوں تو پھر دیکھیں گے کہ آیا وہ عقل یا شرع (کے کسی مسلمہ اصول) کے خلاف ہیں یا نہ؟ اگر مخالف ہوں تو نہ صرف یہ کہ ہم ان کے قائل نہیں ہوں گے بلکہ ان کے صحیح نہ ہونے کا عقیدہ رکھیں گے۔ اور اگر (اصول عقل و شرع کے) مخالف نہ ہوں، ہاں البتہ ضعیف سندوں سے منقول ہوں یا صرف بعض علماء یہ کہہ دیں کہ یہ بزرگوار فلاں صفت کے ساتھ متصف ہیں وفی نفسہ ممکن ہو تو اس صورت میں نہ تو ہم انھیں رد کریں گے اور نہ ہی بوجہ دلیل (قطعی) کے نہ ہونے کے ان کو قبول کریں گے۔ جناب رسول خداﷺ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام اگرچہ بحر خدا باقی ساری کائنات سے افضل واشرف ہیں، اور ان کے بہت بڑے فضائل اور عجیب وغریب مناقب ہیں، بلکہ بعض اخبار میں تو یہاں تک وارد ہے کہ ہمیں رب نہ کہو پھر جو چاہو کہو (اسی مقام کے ذیلی حاشیہ پر وہ افادہ فرمایا

Scanned with CamScanner

❹ محدث خبیر مولانا ابوالحسن الشریف مرآۃ الانوار میں غلو کے متعلق مباحث طویلہ لکھنے کے بعد آخر میں صفحہ ۶۵ پر بطور خلاصہ لکھتے ہیں۔

و بالجملة مناط الحكم بالافراط و الدخول فى الغلو ادعاء الربوبية لغير الرب و ادعاء النبوة لغير النبى او ادعاء الامامة لغير الامام كما هو صريح حديث الحسن بن الجهم المذكور فى عيون الاخبار جلد ۳ صفحه ۲۰۱ عن الرضا عليه السلام حيث قال بعد ان ذكر كفر الغلو و ابرأته منه فمن ادعى للائمة نبوة او لغير الائمة امامة فنحن منه براء فى الدنيا و الأخرة و على هذا يدخل المخالفون ايضاً فى الغلاة (الى ان قال) و تامل فيما ذكرنا صادقا حتى تعرف ان الحق الذى عليه محدثوا اصحابنا المحققين من المتقدمين و المتاخرين فى غير هذين الصنفين الافراط و التفريط بل هو ان رب العالمين و خالق الخلائق و رازقهم اجمعين هو الله وحده القديم القادر الذى لا شريك له و لاشبيه و ان رسوله محمدا و الائمة الاثنا عشر من ولده عبيدالله مخلوقون مربوبون كسائر الخلق مكلفون بلوازم العبودية من فعل الطاعات و ترك المناهى بلا احتمال النبوة فى الائمة و لا مدخلية لهم و لا للنبى فيما هو من علائق الالوهية و خصائص العبودية لا۔

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ افراط وغلو کا دارومدار اس امر پر ہے کہ غیر رب کی ربوبیت، غیر نبی کی نبوت یا غیر امام کی امامت کا دعویٰ کیا جائے، جیسا کہ امام رضا علیہ السلام کے ارشاد سے واضح ہے جس میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص انبیاءؑ کی ربوبیت یا ائمہؑ کی نبوت یا غیر امام کی امامت کا ادعا کرے ہم اس سے دنیا و آخرت میں بری و بیزار ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخالفین بھی غالیوں میں داخل ہیں۔

ہے جسے ہم اسی صفحہ پر ذیل میں درج کر رہے ہیں) لیکن بایں ہمہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان کے جو بات بھی منہ میں آئے وہ ان کے متعلق کہہ دے اور اپنی طرف سے (بزعم خود) فضائل گھڑ گھڑ کر ان کی طرف منسوب کرے اور انھیں ثابت کرے کیونکہ ایسا کرنا قول زور اور کذب حرام میں داخل ہے بلکہ یہ غلو ہی کا ایک درجہ ہے۔ اسی بنا پر علامہ سید حسین لکھنوی نے بھی فرمایا ہے کہ: از طرف خود امرے تراشیدن و بے دلیل و برہان صفت حضرات قرار دادھن روا نیست۔ بلا دلیل و برہان اپنی طرف سے کوئی فضیلت گھڑ کر اسے ان حضرات کی صفت قرار دینا جائز نہیں ہے۔ (حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۵۰۰) یا ایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم و ما ذا بعد الحق الا الضلال۔ (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

درمیانہ راستہ

ہمارے مذکورہ بالا مطالب میں غور و تامل کرو، تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ وہ عقیدۂ حق جس کے ہمارے تمام علماء محققین متقدمین و متاخرین قائل ہیں وہ ان ہر دو افراط و تفریط والے نظریوں کے برخلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ عالمین کا پالنے والا اور ساری کائنات کا خالق و رازق خداوند قادر و قدیم ہی ہے جس کا کوئی شریک و سہیم نہیں ہے۔ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ دوسری مخلوق کی مانند خدا کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں اور عبودیت و بندگی کے لوازم از قسم بجا آوری طاعات و ترکِ معاصی و مناہی پر کاربند ہیں۔ نہ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال ہے اور نہ سرکار محمدؐ و آل محمد علیہ و علیہم السلام کو ان چیزوں میں کوئی دخل ہے جن کا تعلق شان الوہیت اور خصائص ربوبیت سے ہے انتہی کلامہ بعد ازاں عبارت طویلہ میں جسے بوجہ خوفِ طوالت درج نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ ثابت فرمایا ہے کہ یہ بزرگوار پہلی مخلوق اور علت غائی ممکنات اور علم و عمل میں تمام کائنات کے سید و سردار ہیں اور اپنے خصوصی مدارج و مراتب اور مدائح و مناقب کی بنا پر مخلوقِ خدا میں ان کی کوئی نظیر نہیں ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے۔ اور یہ بزرگوار ہمارے دینی و دنیوی راہنما اور بادشاہ ہیں۔ یہ تھا اس محدث جلیل کا بیان جس نے ائمہ اطہارؑ کے اس قدر ظاہری و باطنی فضائل و کمالات اپنی کتاب "مرآۃ الانوار" میں جمع کیے ہیں کہ ان سے زیادہ تو کیا شاید ان کے برابر بھی کسی اور عالم نے جمع نہ کیے ہوں۔ ولا ینبئك مثل خبیر۔

۴ مولانا سید محمد سبطین صاحب سرسوی نے مقدمہ کوکب دری صفحہ ۵۴ پر معانی غلو کی تحقیق کرتے ہوئے تسلیم کیا ہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں غلو لازم آتا ہے اور نبی اور امام میں غلو کے یہ معنی ہیں کہ ہم ان کی الوہیت کے قائل ہوں۔ معبودیت میں ان کو شریک گردانیں اور خلق اور رزق میں ان کو خدا کا شریک مانیں (کہ جس طرح خدا خلق کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں اور جس طرح خدا رزق دیتا ہے یہ بھی اپنی مخلوق کو رزق دیتے ہیں) یا کہیں خدا نے ان کے اندر حلول کیا ہے اور یہ خدا کے اوتار ہیں یا انسانی صورت میں خدا ہیں (جس طرح ہندو اپنے اوتاروں کے قائل ہیں) یا کہیں یہ خدا کی ذات سے متحد ہیں۔ یہ اور خدا ایک ہی ہیں (جس طرح عیسائی خدا، روح القدس اور عیسیٰ کو متحد بالذات مانتے ہیں اور تینوں کو ایک کہتے ہیں) یا یہ کہیں کہ وہ خود بالذات عالم الغیب ہیں، بغیر خدا کے الہام اور وحی کے خود بخود سب کچھ جانتے ہیں۔ یا ائمہ طاہرین کو ہم مثل رسالتمآبؐ نبی

Scanned with CamScanner

کہیں تو یہ بھی غلو ہے یا ہم اس کے قائل ہوں کہ ان کی ارواح ایک ہی ہیں۔ تناسخ کے طور پر منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ اور مختلف اجسام میں حلول کرتی رہتی ہیں، یا یہ کہیں کہ دُنیا میں بس ان کی معرفت کافی ہے، خدا کی عبادت وطاعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نہ گناہوں کے ترک کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ تمام باتیں کفر والحاد وشرک وغلو ہیں اور ان کا قائل دین اسلام سے خارج اور ائمہ ان ہی اعتقادات سے بیزار تھے اور ان کے قائلین کے کفر کا حکم دیتے تھے۔

ان حضرات کی یہ فرمائشات آویزہ گوش بنانے کے قابل ہیں۔

نصیحت گوش کون جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانان سعادت مند پند پیر دانا را

نزلونا عن الربوبیۃ کا صحیح مفہوم

جناب علامہ سید حسین لکھنوی اعلی اللہ مقامہ حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۸۷ پر مذکورہ بالا شبہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمسك بروایت نزلونا عن الربوبیة و قولوا فینا ماشئتم۔ سراسر بے جا است۔ اما اولا فلکرنها من اخبار الاحاد وهی لا تصلح للاستناد فی اصول الاعتقاد۔ ثانیا مراد از رب مالك و خالق و رازق است۔ چنانچه روایت تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیه السلام دارد است پس نسبت خلق و رزق بآں حضرت منافی تنزیل عن الربوبیة است و ثالثا بعد التنزیل میگوئیم که استدلال بایں روایت تمسك بعموم است و قاعده ما من عام الا وقد خص دلالت بر تخصیص دارد۔ چنانچه عموم من قال لا اله الا الله فدخل الجنة مستند نجات سائر فرق اسلامیه نمی تواند بود۔ عموم این روایت نیز مستند نمی تواند شد۔ وکیف لا تکون مخصصة و الحال انه یجب تنزیههم عن الصفات المختصة بالربوبیة کالقدم و عن درجة النبوة۔ پس مراد از عموم ماشئتم مدح و ثناء است که بروفق اصول شرعیه باشد نه اینکه هرچه خواسته باشند از امور واقعیه وغیر واقعیه از طرف خود تراشده منسوب به حضرات نمائند گمان آن روا باشد۔

Scanned with CamScanner

یعنی روایت نزلونا عن الربوبیۃ کے ساتھ تمسک کرنا بچند وجہ بالکل بے جا ہے، اولا اس لیے کہ یہ خبر واحد[1] ہے اور اصول عقائد میں اخبار احاد پر اعتماد روا نہیں ہے۔ ثانیا اس لیے کہ رب سے مراد ہی مالک وخالق اور رازق ہے، جیسا کہ حضرت امام حسن عسکریؒ کی طرف منسوب تفسیر میں مذکور ہے۔ لہٰذا ان حضرات کی طرف خلق کرنے اور رزق دینے کی نسبت دینا ان کو مرتبہ ربوبیت سے نیچے رکھنے کے منافی ہے۔ ثالثاً مذکورہ بالا جوابات سے قطع نظر بھی کر لی جائے تو بھی یہ استدلال درست نہیں ہے کیونکہ یہ عموم (قولوا ماشئتم) کے ساتھ تمسک ہے اور یہ قاعدہ مسلم ہے کہ کوئی بھی عموم ایسا نہیں جو تخصیص خوردہ نہ ہو (الا ما شذ و ندر) لہٰذا جس طرح من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنۃ (جو بھی کلمہ توحید پڑھ لے وہ جنت میں داخل ہوگا) کا عموم تمام اسلامی فرقوں کی نجات کی دلیل نہیں بن سکتا۔ بالکل اسی طرح اس روایت (قولوا ماشئتم) کا عموم بھی دلیل نہیں بن سکتا کہ (ان کو خالق ورازق تسلیم کیا جائے) بھلا کیونکر اس عموم کو تخصیص خوردہ تسلیم نہ کریں۔ حالانکہ ان بزرگواروں کو ان تمام صفات سے منزہ ماننا واجب ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہیں۔ جیسے قدیم ہونا، اسی طرح ان کو درجہ نبوت سے بھی منزہ ماننا لازم ہے، پس بنابریں حقائق قولوفینا ماشئتم کے عموم سے مراد یہ ہوگی کہ ہر وہ مدح وثنا جو قواعد شرعیہ کے مطابق ہو وہ جائز ہے نہ یہ کہ ہر وہ بات جو غلط یا صحیح ہو اپنے دل سے تراش کر کے ان کی طرف منسوب کرنا درست ہو۔ (معاذ اللہ)

یا ایھا الناس قد جاءکم موعظۃ
من ربکم و شفاء لما فی الصدور

---

[1] اور وہ بھی ضعیف السند نہ صحیح جناب آقائے محسنی مدظلہ اپنی کتاب صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۳۳۳ طبع النجف کے حاشیہ پر اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: و ھو اربع روایات بمختلف الفاظھا علی ما ظفرت علیھا حسب تتبعی لکن ضعیف سندا فلا حظھا فی صفحہ ۲۴۶ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ من المجلد السابع من البحار و لو کانت صحیحۃ سندا لما قلت بوفقھا ایضا کما لا یخفی و لا یظن بفاضل یرتضی بھا و یعمل بمقتضاھا۔ یعنی جہاں تک میں نے تتبع وتفحص کیا ہے، اس مضمون کی مختلف الفاظ کے ساتھ چار روایتیں ملی ہیں، جیسا کہ بحار جلد ۷ کے صفحہ ۲۴۶ و ۲۴۸ و ۲۴۹ و ۲۵۰ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اور یہ سب کی سب ضعیف السند ہیں۔ اور اگر بالفرض صحیح السند بھی ہوتیں، تب بھی میں ان کے مطابق عقیدہ نہ رکھتا۔ (بوجہ اخبار احاد ہونے کے) اور نہ ہی کسی عقل مند آدمی کے متعلق یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ اس بات کو پسند کرے گا اور ان کے مطابق عقیدہ رکھے گا۔ (یعنی اس طرح کھلی چھٹی کا قائل ہوگا) منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان کے صحیح مفہوم کا بیان

آج بموجب برعکس نہند نام زنگی کافور ہر بوالہوس، حسن پرست ہر جاہل عبقری اور ہر عاری عن الکمال عارف المعارف کہلاتا نظر آتا ہے جس جاہل و احمق کو دیکھو مقداڈ و ابوذرؓ بننے پر تو قانع ہی نہیں بلکہ سلمانؓ ہونے کا مدعی نظر آتا ہے۔

وکل یدعی وصلا بلیلی ولیلی لا تقر لھم بذاکا

چنانچہ اس سلسلہ میں مدعیان علم لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان تقتلہ سے تمسک کرتے ہوئے دوسروں کو معرفت اہل بیتؑ سے عاری اور اپنی معرفت کاملہ کے دعویدار دکھائی دیتے ہیں لیکن یہ سوچنے کی بھی زحمت ہی گوارا نہیں کی کہ آخر اس مجمل و متشابہ خبر واحد کا صحیح مفہوم کیا ہے بلا سوچے سمجھے ھر کس بقدر فھمش فھمید مدعا را، اپنے دعوئے باطل پر استشہاد کرتا ہے۔ صوفی کہتا ہے کہ اس سے مراد وحدۃ الوجود کی منزل ہے۔ غالی کہتا ہے اس سے مراد علیؑ کی الوہیت ہے، قائل تفویض یہ کہتا ہے کہ اس سے مقصود اہل بیتؑ کا خالق و رازق ہونا ہے اور کوئی اس سے معرفت کے درجات مراد لیتا ہے وعلیٰ ہذا القیاس۔ لہٰذا اگر ایسی مجمل حدیثوں کے ساتھ تمسک کرنا درست ہو تو پھر تو ہر باطل فرقہ اسے اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دے گا۔ اس کے نظریہ کے بطلان پر کیا دلیل ہے

ع ھر قوم راست راھے دینے و قبلہ گاھے

آیئے ذرا اصول درایۃ الحدیث کے میزان پر جانچ کر اس کا جائزہ لیں کہ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں اس سے استدلال کرنا کہاں تک درست ہے، سو واضح رہے کہ:

اولاً یہ روایت خبر واحد ہے اور سابقہ اوراق میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ اصول اعتقاد میں خبر واحد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً یہ ہے بھی ضعیف السند۔ (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۳۰۰)

بعد ازاں کس طرح اس پر استدلال کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے۔

ثالثاً یہ خبر مجمل و متشابہ ہے علمائے اعلام اس کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں حیران و سرگردان نظر آتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

انکشافِ آراء کا نمونہ

❶ چنانچہ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب امالی (صفحہ ۵ طبع ایران) میں اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ اس سے جناب ابوذرؓ و سلمانؓ کی باہمی خالص محبت و اخوت مراد ہے، وہ فرماتے ہیں کہ قلقہ میں ضمیر مرفوع مستتر ہے جس کا مرجع علم اور ضمیر منصوب کا مرجع ابوذرؓ ہے۔ مطلب یہ کہ اگر ابوذرؓ کو معلوم ہو جائے کہ جناب سلمانؓ کے دل میں ان کے متعلق کس قدر اخوت و محبت کے والہانہ جذبات کا دریا موجزن ہے تو یہ انکشاف ابوذرؓ کو (بوجہ شدت سرور) قتل کر دے۔ غرضیکہ خوشی باعث مرگ بن جائے ؏

کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

❷ حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۳۰۰ پر اس کے متعلق لکھتے ہیں:

ای من مراتب معرفة الله و معرفة النبی و الائمة صلوات الله علیهم و غیره مما ذکرنا سابقا فلو کان اظهر سلمان له شیئا من ذلك کان لا یحتمله و یحمله علی الکذب و الارتداد والعلوم و الاعمال الغریبة التی لو اظهرها له لحملها علی السحر فقتله او کان یفشیه فیصیر سببا لقتل سلمان و قیل الضمیر المرفوع راجع الی العلم و المنصوب الی ابی ذر ای القتل ذلك العلم اباذر ای کان لا یحمله عقله فیکفر بذلك او المعنی لو القی الیه تلك الاسرار و امر بکتمانها لمات من شدة الصبر علیها او لا یحتمل ستره و صیانته فیظهرها للناس فیقتلونه ؏۔

یعنی اس سے مراد خدا و رسولؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کی معرفت کے مراتب و مدارج وغیرہ ہیں جو ہم سابقاً بیان کر چکے ہیں۔ اگر جناب سلمانؓ ان کو ابوذرؓ کے سامنے ظاہر کر دیتے تو وہ ان کو برداشت نہ کر سکتے۔ بلکہ ان کو جھوٹ اور کفر پر محمول کرتے یا اس سے جناب سلمانؓ کے علوم اور اعمال عجیبہ (کرامات) مراد ہیں کہ اگر جناب سلمانؓ ان کا اظہار کر دیتے تو جناب ابوذرؓ ان کو سحر (جادو) پر محمول کر کے ان (سلمانؓ) کو قتل کر دیتے، یا ان رازہائے سربستہ کا افشاء کر دیتے جو قتل سلمانؓ کا موجب بن جاتے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ ضمیر مرفوع کا مرجع علم اور ضمیر منصوب کا مرجع جناب ابوذرؓ ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ابوذرؓ کی عقل اس علم کی متحمل نہ ہو سکتی۔ اس لیے وہ ان (ابوذرؓ) کے کفر و قتل کا باعث بن

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

جاتا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ اسرار ابوذرؓ کو بتا کر ان کے چھپانے کا ان کو حکم دیا جاتا تو وہ بوجہ شدت صبر مر جاتے یا لوگوں کے سامنے بیان کر دیتے اور لوگ ان کو قتل کر دیتے۔ ۱۲

❸ فاضل متکلم مولانا سید حسین لکھنوی حدیقۂ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۶۳ تا ۶۵ پر اس حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

مخفی نماند کہ در تفسیر مجملات و متشابہات جسارت لائق نیست و جزم بیکے از معانی محتملہ اگرچہ صحیح باشد نمی تواں کرد کہ حضرات قائل آں کلمات اعرف بمرادات خود اند و اعتراف بعدم علم در چنیں مقامات اسلم است از تحکم و تحتم ـــــ و ما برسبیل تجویز احتمالات چند بنابر ابطال استدلال خصم ذکر میکنیم ـــــ پس میگوئیم کہ ہر گاہ در یں حدیث بسبب اجمال چندیں احتمال راہ داشتہ باشد از کجا دانستند کہ معنی فاسد شاں مراد آنحضرتؐ بودہ۔ چرا جایز نہ باشد معنی حدیث ایں چنیں باشد کہ ہر گاہ ابوذرؓ برکمالات و مقامات سلمانؓ مطلع می شد متحمل آں نمی گردید و محبت و وداد فیما بین مبدل بحسد و عناد و منجر بقتل و فساد می گردید ـــــ یا اینکہ ہر گاہ ابوذرؓ مبلغ علم سلمانؓ بمقامات و کرامات ایشان را می دانست گماں میکردکہ ایں امور برائے غیر نبی و وصی لائق نیست و سلمان چوں بایں مراتب جلیلہ فائز نیست پس متصنع است و اینہا را بدغل و سحر اظہار می سازد و خون ساحر حلال است ـــــ (و بعد از چند احتمال فرمود) و فی ھذا الخبر محامل اخر ترکنا ھا مخافۃ التطویل۔

یعنی مخفی نہ رہے کہ مجملات و متشابہات کی تفسیر میں جسارت کرنا درست نہیں ہے اور ان کے ان معنوں میں سے جن کا احتمال موجود ہو، صرف ایک معنی کا اگرچہ وہ فی نفسہ صحیح ہی کیوں نہ ہو جزم و یقین کر لینا درست نہیں ہے۔ کیونکہ کہنے والے بزرگوار اپنی مراد کو بہتر جانتے ہیں۔ لہٰذا ایسے مقامات پر اپنے عجز و قصور کا اعتراف کر لینا محض سینہ زوری سے کام لے کر کوئی فیصلہ کرنے سے بدرجہا بہتر ہے ..... ہم بنا بر احتمال چند معنوں کا ذکر کرتے ہیں تاکہ مخالف (قائل بر بوبیت اہل بیتؑ) کے نظریہ کا بطلان واضح و عیاں ہو جائے۔ ہم کہتے ہیں کہ جب اس حدیث میں چند احتمال موجود ہیں تو تم

Scanned with CamScanner

نے یہ کیسے یقین کر لیا کہ تمہارے بیان کردہ غلط معنی ہی مراد ہیں۔ یہ کیوں جائز نہیں کہ اس سے مراد یہ ہو کہ اگر جناب ابوذرؓ جناب سلمانؓ کے (علمی وعملی) کمالات ومقامات پر مطلع ہو جائیں تو ان کی دوستی، دشمنی اور انس دوداد، نفرت وعناد سے تبدیل ہو کر قتل وفساد تک منجر ہو جائے..... یا ہو سکتا ہے کہ مراد یہ ہو کہ جس قدر جناب سلمانؓ کو محمد وآل محمد علیہم السلام کے مقامات وکرامات کا علم تھا، اگر اس کا اندازہ ابوذرؓ کو ہو جاتا تو وہ یہ سمجھتے کہ اس قدر بلند درجہ معرفت کا حصول نبی یا وصی کے علاوہ کسی اور شخص کے لیے ممکن نہیں اور چونکہ سلمانؓ نبی ووصی تو تھے نہیں، لہٰذا ابوذرؓ یہی خیال کرتے کہ وہ تصنع وتکلف اور سحر وساحری سے یہ باتیں ظاہر کر رہے ہیں اور ساحر کا قتل جائز ہے۔

اس روایت میں اور بھی چند احتمال ہیں، جنھیں بوجہ خوف طوالت ہم نے نظر انداز کر دیا ہے۔

مراتب ایمانی میں اختلاف

جہاں تک ہماری ناقص تحقیق کا تعلق ہے اس کے مطابق مذکورہ بالا تمام احتمالات میں سے قوی ترین احتمال یہ ہے کہ چونکہ تحقیقی قول کی بنا پر قانون زیادت ونقصان کائنات عالم کی دوسری تمام چیزوں کی طرح ایمان کے مراتب میں بھی اختلاف وتفاوت کا سلسلہ برابر جاری وساری ہے۔ اس لیے یہ حدیث مراتب ایمانی کے اختلاف پر محمول ہے۔ (و کذا افاد المحدث النوری فی نفس الرحمن صفحہ ۵۰) کیونکہ سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے بکثرت ارشادات سے یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ایمان کے دس مدارج ومراتب ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

یا عبدالعزیز الایمان عشرۃ درجات بمنزلۃ السلم لہ عشر مراقی ترتقی منہ مرقاۃ بعد مرقاۃ فلا یقولن صاحب الواحدۃ لصاحب الثانیۃ لست علی شی و لا یقولن صاحب الثانیۃ لصاحب الثلاثۃ حتی انتہی الی العاشرۃ کان سلمان فی العاشرۃ و ابوذر فی التاسعۃ و المقداد فی الثامنۃ و لا تسقط من ھو ذلک فیستلک من ھو فوقک و اذا رایت من دونک فقدرت ان ترفعہ الی درجتک رفعا رفیقا فافعل و لا تحملن علیہ ما لا یطیقہ فتکسرہ فان من کسر مومنا فعلیہ جبرہ لا

اے عبدالعزیز سیڑھی کی طرح ایمان کے بھی دس درجے ہیں جن کے ذریعہ انسان یکے بعد دیگرے اترتا چڑھتا ہے۔ پہلے درجے والا مومن دوسرے درجے والے مومن کو ہرگز یہ نہ کہے کہ تو مومن نہیں ہے۔ اسی طرح دوسرے درجے والا تیسرے درجے والے کو یہ طعنہ نہ دے۔ حتی کہ امام

Scanned with CamScanner

نے یہ سلسلہ دسویں مرتبہ تک پہنچایا۔ پھر فرمایا سلمانؓ دسویں درجہ پر اور ابوذرؓ نویں اور مقدادؓ آٹھویں درجہ پر فائز تھے۔ اسی طرح تمھیں یہ حق بھی نہیں کہ تم اپنے سے پست درجے کے مومن کو (ایمانی درجہ سے) گراؤ، ورنہ جو مومن تم سے بلند مرتبہ پر ہے وہ تمھیں (درجہ ایمانی سے) گرادے گا۔ جب کبھی اپنے سے پست درجہ والے مومن کو دیکھو تو اسے مدارات ونرمی سے بلند منازل کی طرف لے آؤ۔ اور اس پر (یکبارگی) اتنا بوجھ نہ ڈالو (کہ اٹھا نہ سکے اور) ٹوٹ جائے۔ کیونکہ جو شخص کسی بندہ مومن کو توڑتا ہے اس کا جوڑنا بھی اس پر لازم ہے۔

(کتاب الخصال جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ انوار نعمانیہ صفحہ ۲۲۱)

معرفت کا کم ترین درجہ

معرفت پروردگار کے متعلق ادنیٰ ترین درجہ معرفت یہ ہے کہ اس ذات مجمع جمیع صفات کے متعلق یہ عقیدہ رکھا جائے:

الاقرار بانه لا الٰـه غیره و لا شبیه له و لا نظیر له و انه مثبت قدیم موجود غیر فقید و انه لیس کمثله شئ۔

کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور نہ کوئی اس کا ہمسر ونظیر ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ کوئی چیز اس کی مثل و مانند نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوالفتح جرجانی کے امام رضا علیہ السلام سے ادنی المعرفہ کے متعلق سوال کے جواب میں امام علیہ السلام سے مروی ہے۔

(عیون اخبار الرضا جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ طبع جدید)

اور معرفت امامت کے متعلق بقول علامہ شیخ عبداللہ مامقانی کے حضرت شہید ثانی نے التصدیق بامامة الائمة و الاعتقاد بفرض طاعتهم کو کافی قرار دیا ہے۔ یعنی ایمان کے سلسلہ میں کم از کم ائمہ اہل بیتؑ کی امامت وخلافت بلافصل کا عقیدہ رکھنا اور ان کی اطاعت کو فرض سمجھنا کافی ہے۔ (رجال مامقانی جلد ۲ صفحہ ۶۸ باب المیم) اور ان کے دشمنوں سے بیزاری اختیار کی جائے۔

(بحار جلد ۵ صفحہ ۲۶۱)

اسی طرح جعفر کناسی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں: ادنی ما یکون به العبد مؤمنا۔ میرے آقا ایمان کا پست ترین درجہ کون سا ہے۔ جس کا عقیدہ رکھنے سے انسان مومن کہلا سکتا ہے، فرمایا:

Scanned with CamScanner

یشھد ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ و یقرلہ بالطاعۃ و یعرف امام زمانہ فاذا فعل ذلک فھو مومن۔

اس بات کی گواہی دے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اس کے بندۂ خاص اور رسول ہیں۔ نیز ان کی اطاعت کا اقرار کرے اور اپنے امام زمانہؑ کو پہچانے۔ جب ان امور کا عقیدہ رکھ لے تو مومن کہلانے کا حقدار ہو جائے گا۔ (بحار جلد ۱۵ صفحہ ۲۱۷)

اور اگر اس کے ساتھ یہ اجمالی عقیدہ بھی منضم ہو جائے تو پھر نور علی نور کا مصداق ہو جائے گا کہ جہاں تک جناب رسول خداؐ کی ذات کا تعلق ہے وہ "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" اور جہاں تک علیؑ و اولاد علیؑ کا تعلق ہے وہ "بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر" کے مصداق ہیں۔ خلاصہ یہ کہ خالق ہونے کے اعتبار سے خدا بے مثل و بے مثال ہے اور مخلوق خدا میں محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی کوئی نظیر نہیں ہے۔

ہر مومن کا مقام معلوم ہے

احادیث اہل بیتؑ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ عام اہل ایمان و ایقان میں سے بھی ہر ایک کا ایک مقام ہے۔ کوئی بھی دوسرا اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ جہاں احادیث میں یہ وارد ہے کہ: "لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہ" وہاں آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بھی موجود ہے: یا سلمان لو عرض علمک علی مقداد لکفر و یا مقداد لو عرض علمک علی سلمان لکفر۔ اے سلمانؓ اگر تمہارا علم مقدادؓ پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے، اور اے مقدادؓ اگر تیرا علم سلمانؓ پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے۔ (تنقیح المقال جلد ۳ صفحہ ۲۴۵ رجال کشی جلد ۲ صفحہ ۷)

انہی حقائق کی بنا پر سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے فرمایا:

اقول بل الظاھر ان کلا من الخلق لاسیما المقربین یحتمل علما لا یحتملہ الآخر کما روی الکشی باسنادہ عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبداللہ یقول قال رسول اللہ یا سلمان لو عرض علمک علی مقداد لکفر یا مقداد لو عرض علمک علی سلمان لکفر۔ (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۳۰۰)

میں کہتا ہوں عام مخلوق میں سے بالخصوص مقربین (بارگاہ) میں سے ہر ایک شخص ایک علم کو برداشت کر سکتا ہے جسے دوسرا برداشت نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ فاضل کشی نے اپنے سلسلہ سند سے

Scanned with CamScanner

ابوبصیر سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں نے جناب صادق آل محمد علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ جناب رسول خداؐ نے جناب سلمانؓ سے فرمایا کہ اگر تمھارا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو وہ کافر ہو جائے (پھر فرمایا) اے مقداد اگر تمھارا علم سلمانؓ پر پیش کیا جائے تو وہ (بوجہ عدم تحمل) کافر ہو جائے۔ وما منا الا لہ مقام معلوم۔

جناب سلمانؓ کا عقیدۂ توحید

عام طور پر جناب سلمانؓ کے معارف امامت وولایت کا ہی تذکرہ کیا جاتا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق ایسا اور ویسا عقیدہ رکھتے تھے۔ ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اس امر پر بھی قدرے روشنی ڈالیں کہ ان کا توحید باری کے متعلق کیا عقیدہ تھا۔ عمر بن الخطاب نے (طنزاً) جناب سلمانؓ سے ان کا حسب ونسب دریافت کیا، انھوں نے جواب میں فرمایا:

انا سلمان بن عبداللہ کنت ضالا فھدانی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کنت عایلا فاغنانی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و کنت مملوکا فاعتقنی اللہ بمحمد صلی اللہ علیہ و سلم ھذا حسبی ونسبی۔

میں سلمان بن عبداللہ ہوں، میں گمراہ تھا، خدا نے جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ ہدایت فرمائی۔ فقیر و نادار تھا، خدا نے رسول خداؐ کے طفیل مالدار بنایا۔ اور غلام تھا، خدا نے آنحضرتؐ کے وسیلہ سے آزادی عطا فرمائی۔ یہ ہے میرا حسب ونسب۔

جب جناب رسول خداؐ کو سلمانؓ کے اس مومنانہ وموحدانہ جواب کی اطلاع ملی تو فرمایا:

یامعشر قریش ان حسب الرجل دینہ و مروتہ خلقہ و اصلہ عقلہ قال اللہ عز و جل انا خلقناکم من ذکر و انثی و جعلناکم شعوبا و قبایل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

اے گروہ قریش آدمی کا حسب اس کا دین، اس کی مروت اور اس کی اصل اس کی عقل ہے۔ خدا فرماتا ہے ہم نے تمھیں ایک مرد وعورت سے پیدا کیا اور پھر تمھیں مختلف قبایل میں تقسیم کر دیا۔ خدا کی نظر میں سب سے زیادہ قابل احترام وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی و پرہیزگار ہے۔

بعد ازاں جناب سلمانؓ سے فرمایا: لیس لاحد علیک فضل الا بتقوی اللہ عز و جل و ان کان التقوی لک علیہم فانت افضل۔ اے سلمان کسی شخص کو تم پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ و پرہیزگاری سے

Scanned with CamScanner

لیکن اگر اس (تقویٰ) میں تمھیں دوسروں پر برتری حاصل ہے تو پھر یقیناً تم ہی ان سے افضل ہو۔
(منہاج البراعہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۷ و ۳۰۸)

ایک دوسرے سے بیزاری اختیار کرنے کی ممانعت

بکثرت احادیث معتبرہ میں بلند درجہ والے مومن کو پست درجہ والے مومن سے برائت و بیزاری اختیار کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اس قسم کی بعض احادیث سطور بالا میں گزر چکی ہیں۔ جلائے ایمانی کی خاطر یہاں ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

ما انتم و البراءة یبرأ بعضکم من بعض ان المومنین بعضھم افضل من بعض و بعضھم اکثر صلوٰة من بعض و بعضھم انفذ بصیرة من بعض وھی الدرجات۔

تم ایک دوسرے سے بیزاری کرنے والے کون ہوتے ہو، ایک دوسرے سے برائت اختیار کر رہا ہے (کیا تمھیں معلوم نہیں) کہ بعض اہل ایمان دوسرے بعض اہل ایمان سے افضل ہوتے ہیں۔ اسی طرح بعض مومن دوسرے بعض مومنین سے (صوم و) صلوۃ کے زیادہ پابند ہوتے ہیں اور بعض بعض سے زیادہ بابصیرت ہوتے ہیں۔ یہ درجات (ایمانی کا اختلاف وتفاوت) ہے۔ (تنقیح الرجال جلد ۲ صفحہ ۹۵) بلکہ بعض حدیثوں میں ان لوگوں سے بھی دوستی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، جو صرف ائمہ اہل بیتؑ کی ولایت و افضلیت کے قائل ہوں۔ (بحار جلد ۱۵ صفحہ ۲۶۲)

موجودہ دور کے مدعیان علم و ایمان کی روش پر تبصرہ

کہاں ائمہ اطہارؑ کے یہ پاکیزہ تعلیمات اور کہاں موجودہ دور کے نام نہاد اہل علم کی روش و رفتار۔ آج ان علمائے شامخین و عرفائے کاملین پر کفر و ارتداد کے فتاویٰ لگائے جا رہے ہیں جو تمام عقائد حقہ ایمانیہ کے قائل اور بالخصوص ائمہ اہل بیتؑ کی ولایت و امامت، علم و فضل اور عصمت و طہارت کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ ان کو نہ صرف امت محمدیہ کے تمام لوگوں سے بلکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءؑ و مرسلینؑ کا بھی سید و سردار مانتے ہیں۔ اور ان کے تمام جنی و انسی دشمنوں سے برائت و بیزاری اختیار کرنا نہ صرف عقیدۃً بلکہ قولاً و فعلاً، تقریراً و تحریراً اس کی نشر و اشاعت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

اور ان اعلام کے ساتھ تحریر و تقریر میں تخاطب و تنابز بالالقاب کا وہ غیر مہذب اور غیر شریفانہ انداز اختیار کیا جارہا ہے جو اسلامی نقطہ نظر سے غیر مسلمانوں سے بھی روا نہیں۔ ارشادِ قدرت ہے:

و لا تجادلوا اهل الكتاب الا بالتی هی احسن و الی الله المشتکی و هو اسرع الحاسبین و احکم الحاکمین۔

بلکہ حقیقت حال سے بے خبر سادہ لوح عوام سے ان علمائے اعلام کے خلاف مقاطعہ کرنے کی قراردادیں پاس کرائی جارہی ہیں لیکن یہ حضرات یہ بات پلے باندھ لیں کہ ؎

اب خدا والوں کا لشکر مات کھا سکتا نہیں
میرے خامے سے تمھیں کوئی بچا سکتا نہیں

و هو حسبنا و نعم الوکیل نعم المولی و نعم النصیر
لا تحسبن الله غافلا عما یعمل الظالمون

تفریط و تقصیر کرنے والوں کی مذمت
ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں

چونکہ ولایت و امامت اہل بیت علیہم السلام کے اقرار کے بغیر نہ عقیدۂ توحید درست ہوسکتا ہے نہ ہی اعتقاد نبوت مکمل ہوسکتا ہے۔ اس لیے ہادیانِ دین نے ولایت و امامت ائمہ اطہارؑ پر زور دیتے ہوئے اسی پر قبولیت اعمال کا دار و مدار قرار دیا ہے اور اس کے انکار کو موجب حبط و ضبط اعمال و عبادات قرار دیا ہے۔

❶ چنانچہ جناب رسالتمآبؐ حضرت امیر علیہ السلام کو خطاب کرکے فرماتے ہیں:

من احبك كان مع النبیین فی درجتهم یوم القیامة و من مات و هو یبغضك فلا یبالی مات یهودیا او نصرانیا۔

یا علیؑ جو شخص آپ سے محبت کرے گا وہ بروز قیامت انبیاء کے درجہ میں ان کے ہمراہ ہوگا اور جو شخص آپ کا بغض لے کر مرے گا وہ پروانہ کرے خواہ یہودی ہوکر مرے یا نصرانی ہوکر۔

(مرآۃ الانوار و مشکوۃ الاسرار صفحہ ۲۱)

❷ اسی طرح آنحضرتؐ کا یہ ارشاد بھی مسلم بین الفریقین ہے کہ:

Scanned with CamScanner

من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ جاھلیۃ (مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار صفحہ ۲۱)

جو شخص اپنے امام زمانہ کی معرفت حاصل کیے بغیر مرجائے وہ جاہلیت (کفر و شرک) کی موت مرتا ہے۔

❸ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

بنی الاسلام علی خمسۃ دعائم اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ و صوم شھر رمضان و حج البیت و الولایۃ لنا اھل البیت۔

(مرآۃ الانوار صفحہ ۲۳ بحوالہ امالی شیخ مفید و مستدرک الوسائل جلد ۱ صفحہ ۵)

اسلام کا سنگ بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے نماز کا قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، روزہ رکھنا، حج بیت اللہ کرنا، اور ہم اہل بیتؑ کی ولایت کا اقرار کرنا۔

❹ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں:

لکل شیٔ اساس و اساس الاسلام حبنا اھل البیت۔

ہر چیز کی ایک بنیاد ہوتی ہے اور اسلام کی بنیاد ہم اہل بیتؑ کی محبت ہے۔ (ایضاً صفحہ ۲۳)

❺ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلۂ سند سے جناب رسول خداﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جناب جبرئیل آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یا محمد السلام یقرئک السلام و یقول انی خلقت السموات السبع و ما فیھن و الارضین و ما علیھن و ما خلقت موضعا اعظم من الرکن و المقام و لو ان عبدا دعانی ھناک منذ خلقت السموات والارضین ثم لقینی جاحدا لولایۃ علی لاکببتہ فی سقر۔

یا محمدؐ سلام (یعنی خدائے رحمٰن) تحفہ درود و سلام کے بعد فرماتا ہے کہ میں نے سات آسمان اور سات زمینیں اور ان کی درمیانی مخلوق پیدا کی ہے، میں نے کوئی ایسا مقام پیدا نہیں کیا جو (میری نظر قدرت میں) رکن (حجر اسود) اور مقام (مقام ابراہیمؑ) سے زیادہ عظیم الشان ہو۔ اگر کوئی بندہ اس جگہ پر بیٹھ کر ابتدائے آفرینش زمین و آسمان سے (لے کر آفتاب قیامت کے طلوع کرنے تک) میری دعا و پکار میں مشغول رہے لیکن (بروز قیامت) علیؑ کی ولایت کا منکر ہو کر میری بارگاہ میں حاضر ہو تو میں اسے اوندھا منہ جہنم میں ڈال دوں گا۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۵۵۵)

❻ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنے آباء و اجداد طاہرین علیہم السلام کے سلسلۂ سند سے

Scanned with CamScanner

جناب رسول خداﷺ سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

الزموا مودتنا اهل البيت فانه من لقى الله يوم القيامة و هو يودنا دخل الجنة لشفاعتنا و الذى نفسى بيده لا ينفع عبدا عمله الا بمعرفة حقنا۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۵۵۶)

ہم خاندانِ نبوتؐ کی محبت ومودت کو لازم پکڑو۔ کیونکہ بروز قیامت جو شخص ہماری محبت کے ساتھ بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوگا، وہ ہماری شفاعت کی وجہ سے ضرور داخل جنت ہوگا۔ اور مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، ہمارے حقوق کی معرفت کے بغیر کسی بندہ کو اس کے اعمال فائدہ نہ دیں گے۔

۷ ایک اور حدیث کے ضمن میں جو انہی بزرگوار کے سلسلۂ سند سے آنحضرتؐ سے مروی ہے آنحضرتؐ فرماتے ہیں:

والذى نفس محمد بيده لو ان عبدا جاء يوم القيامة بعمل سبعين نبيا ما قبل الله ذالك منه حتى تلقاه بولايتى و ولاية اهل بيتى۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۵۵۷)

اس ذات ذوالجلال کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں محمدؐ کی جان ہے اگر کوئی شخص (بالفرض) بروز قیامت ستر نبیوں کے عمل کے برابر عمل لے کر بھی حاضر ہو، مگر جب تک میری اور میرے اہل بیتؑ کی ولایت کا قائل نہ ہوگا خدا ہرگز اس کے اعمال قبول نہیں کرے گا۔

۸ امالی شیخ مفیدؒ صفحہ ۲ طبع نجف اشرف میں بروایت محمد بن مسلم جناب امام محمد باقر علیہ السلام وامام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث کے آخر میں منقول ہے، فرمایا:

نحن اهل البيت لا يقبل الله عمل عبد و هو يشك فينا۔

ہم وہ اہل بیتِ رسولؐ ہیں کہ خداوند عالم کسی ایسے بندے کا عمل ہرگز قبول نہیں کرتا جو ہماری امامت وولایت میں شک کرنے والا ہے۔

۹ مرآۃ الانوار صفحہ ۲۳ میں بحوالہ اصول کافی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے فرمایا:

وصل الله تعالىٰ طاعة ولى امره بطاعة رسوله و طاعة رسوله بطاعته فمن ترك طاعة ولاة الامر لم يطع الله ولا رسوله۔

خدا تعالیٰ نے اولی الامر کی اطاعت کو اطاعت رسولؐ کے ساتھ اور اطاعت رسولؐ کو اپنی اطاعت کے ساتھ مقترن کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص اولی الامر کی اطاعت نہیں کرتا اس نے خدا ورسولؐ کی بھی اطاعت نہیں کی ہے۔

Scanned with CamScanner

۱۰ اس کتاب کے ۲۱ پر بحوالہ ثواب الاعمال حضرت صادق علیہ السلام سے یہاں تک منقول ہے، فرمایا:

الناصب لنا اهل البيت لايبالى صلى او زنى او سرق انه فى النار انه فى النار۔

جو شخص ہمارا دشمن ہے اس کے لیے نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا یا زنا اور چوری کرنا برابر ہے، وہ بہرحال جہنم ہی میں جائے گا۔ ولنعم ماقيل ع

من نم يوال فى البرية حيدرا صيان عند الله صلى او زنى

انہی حقائق کی بنا پر حضرت علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں:

اعلم ان الامامية اجمعوا على اشتراط صحة الاعمال و قبولها بالايمان الذى من جملته الاقرار بولاية جميع الائمة عليهم السلام و اما منهم و الاخبار الدالة عليه متواترة بين الخاصة و العامة۔

یعنی جاننا چاہیے کہ تمام فرقہ حقہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تمام اعمال کی صحت اور قبولیت کی شرط ایمان ہے اور منجملہ ایمان کے تمام ائمہ اطہارؑ کی امامت وولایت کا اقرار بھی ہے اور اس امر پر جو روایات دلالت کرتی ہیں وہ فریقین کے نزدیک متواتر ہیں۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۵۵۵)

اور رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؒ اپنے رسالہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں:

واعتقادنا فيمن جحد امامة امير المومنين و الائمة من بعده عليهم السلام انه كمن جحد نبوة جميع الانبياء (صفحہ ۱۰۱ طبع ایران)

جو شخص حضرت امیر المومنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ کی امامت کا انکار کرے اس کے متعلق ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ وہ اس شخص کی مانند ہے جو تمام نبیوں کی نبوت کا انکار کرے۔

تشریح:

یہاں چند لفظوں میں اس امر کی تشریح کر دینا بھی ضروری ہے کہ مذکورہ بالا ارشادات معصومینؑ نے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ولایت ووصایت ائمہ اطہار کا اعتقاد واقرار اعمال شرعیہ کی صحت اور قبولیت کی شرط ہے۔ یعنی اس کے بغیر کوئی عمل صالح شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ اقرار ولایت اعمال صالحہ کی بجا آوری سے گلوخلاصی اور چھٹی دلانے کے لیے نہیں ہے، جیسا کہ بعض عوام الناس کے ذہنوں میں بعض غیر ذمہ دار اہل منبر روضہ خوانوں نے راسخ کر دیا ہے، بلکہ احادیث سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ عمل صالح کی بجا آوری اور حرام سے اجتناب کیے بغیر ولایت اہل بیتؑ حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

لا تنال ولایتنا الا بالورع والعمل۔

یعنی عمل صالح کی بجا آوری اور محرمات شرعیہ سے دامن بچائے بغیر ہماری ولایت حاصل ہو ہی نہیں سکتی۔(اصول کافی) فلا تغفل

اسی طرح ان ذوات عالیہ کے فضائل صحیحہ ومناقب کی قولاً وفعلاً نشر واشاعت کرنے کی مدح اور ان کے انکار کرنے کی مذمت سے کتب حدیث لبریز ہیں۔اس سلسلہ میں صرف بحار الانوار جلد ہفتم کا مطالعہ کر لینا ہی کافی ہے۔

لیکن ان تمام تاکیدات وتہدیدات اور ترغیبات کے باوجود اکثر لوگ نہ افراط سے باز آئے اور نہ تفریط سے رکے۔اور اعتدال کا دامن ہاتھوں سے چھوڑ بیٹھے۔وما تغنی الآیات والنذر عن قوم لا یومنون۔ چنانچہ بعض کم بخت نہ صرف مُسلمہ فضائل کا انکار بلکہ ان ذوات قدسیہ کی امامت وخلافت کا بھی انکار کر کے ابدی ہلاکت کا شکار ہو گئے اور بعض احمق غلط انداز محبت اختیار کر کے غلو وتفویض کے اتھاہ سمندر میں غرق ہو گئے اور ائمہ اہل بیتؑ کے بارے میں محض اپنے ذاتی خیالات وقیاسات اور غلط تاویلات سے وہ وہ عجیب وغریب من گھڑت نظریات قائم کیے کہ جن کا نہ آیات قرآنیہ میں کہیں وجود ہے اور نہ صحیح احادیث نبویہؐ اور ارشادات ولویہ میں کوئی نام ونشان ہے۔نہ کلام علماء اعلام سے کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ عقل سلیم ان کی تائید وتصدیق کرتی ہے۔اس کتاب میں ہم ایسے ہی بعض نظریات فاسدہ کا مع مکمل نقد وتبصرہ تذکرہ کریں گے، ان شاء اللہ، جو بحران العقائد کے موجودہ دور میں بعض غلو نواز حضرات کی انگیخت پر تقریر وتحریر میں محور قیل وقال اور مرکز بحث وجدال بنے ہوئے ہیں اور ہر طرح غلط یا صحیح انداز میں ان پر بحث وتمحیص کا سلسلہ بڑے شد ومد کے ساتھ برابر جاری وساری ہے جس سے ایک طرف ہماری وحدت ملی کو نقصان پہنچ رہا ہے، تو دوسری طرف اغیار کے لیے اسباب تضحیک جمع ہو رہے ہیں۔

تفریط وتقصیر کا مفہوم کیا ہے؟

آج ہم جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں عموماً ذاتی قیاسات وخیالات کو مذہب کا نام دے کر حقائق کا منہ چڑانا، علماء نما جہال کو اپنا پیشوا اور راہنما سمجھ کر حقیقی علماء باکمال پر زبان اعتراض دراز کرنا، اپنے آپ کو عارف المعارف سمجھنا اور علماء اعلام کو مقصر قرار دینا عامۃ الناس کا شیوہ وشعار بن چکا ہے۔جیسا کہ سابقہ بیانات میں بھی اس امر پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔اب جبکہ بفضلہ تعالیٰ حقائق

Scanned with CamScanner

مذہب اور معارفِ ملت کھول کر بیان کیے جا رہے ہیں تو یہاں مختصر الفاظ میں اس امر پر بھی تبصرہ کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ فتنۂ تقصیر کیا ہے؟ سوچنی نہ رہے کہ تقصیر و تفریط باب تفعیل قصر یقصر و قرط یقرط کے مصدر ہیں۔ جن کے معنی ہیں کسی کے حق میں کوتاہی کرنا اور یہ کوتاہی کئی طرح متحقق ہو سکتی ہے۔

① جو شخص جس مرتبہ و مقام پر فائز ہو، اس کا اقرار نہ کیا جائے۔
② اسے مبداء فیض سے جو فضائل و کمالات عطا ہوئے ہوں ان کا انکار کیا جائے۔
③ مخدوم کو خادم کے برابر سمجھا جائے۔
④ ان ذوات مقدسہ کی عصمت و طہارت کا انکار کیا جائے۔
⑤ ان کی نافرمانی کی جائے۔

بنا بریں ائمہ طاہرینؑ کے حق میں مقصر وہ لوگ سمجھے جائیں گے جو ان کی خلافت و امامت کا اقرار نہ کریں، قرآن اور مستند احادیث کی روشنی میں ان کے جو مسلم الثبوت فضائل و مناقب ہیں، ان کا انکار کریں، اور ان کو امت محمدیہ کے عام لوگوں کے برابر بلکہ ان سے بھی کمتر سمجھیں۔

علماء اعلام نے تقصیر کا یہی مفہوم بیان کیا ہے۔ ہم ذیل میں دو چار شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

① محدث جلیل ابوالحسن الشریف مرآۃ الانوار صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں:

فاعلم ان الناس فی تعرف احوال الائمۃ علی طرفی نقیض فان جماعۃ منهم سلکوا فی ذلك مسلك الافراط حتی ارتفعوا الی حد الغلو و التفویض و جمعاً منهم اخذوا فی طریق التفریط بحیث انکروا کثیرا مما ورد فی فضائلهم صلوات اللہ علیهم ۔

جاننا چاہیے کہ عام لوگوں نے ائمہ اطہارؑ کی معرفت میں افراط و تفریط سے کام لیا ہے۔ بعض نے افراط کی راہ اختیار کی، یہاں تک کہ غلو و تفویض تک پہنچ گئے اور بعض تفریط کے راستہ پر گامزن ہو گئے، یہاں تک کہ ان کے بہت سے (قرآن و حدیث میں) وارد شدہ فضائل کا انکار کر بیٹھے۔

② شیخ احمد احسائی شرح الزیارۃ صفحہ ۱۷۰ بذیل شرح فقرہ والمقصر فی حقکم زاھق کے معنی ھالك بیان کرنے کے بعد جناب امیر علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ: ھلك فی اثنان محب غال و مبغض قالٍ (میرے متعلق دو شخص ہلاک ہو جائیں گے، حد سے بڑھانے والا نام نہاد دوست اور حد سے گھٹانے والا دشمن) اور پھر مبغض قالٍ سے مراد مقصر لیتے ہوئے مقصر کا مصداق یہ بیان کیا ہے:

و ھو المقصر فی حقھم بان یعدل بھم غیرھم من سائر الخلق او یتقدم علیھم فی قول او فعل و ھو ھالك و ھو المقصر فی حقھم فان حقھم علی جمیع الخلق ان یرفعوا مقامھم

Scanned with CamScanner

عن جمیع الخلائق و یضعوا مقامھم من مقام الخالق جل و علا فمن ازالھم عن مقامھم الذی اقامھم اللہ فیہ بوضع او برفع فھو ھالك

مقصر وہ ہوتا ہے جو ان ذوات مقدسہ کو عام لوگوں کے برابر سمجھے یا کسی قول و فعل میں ان سے آگے بڑھے۔ وہ ضرور ہلاک ہو جائے گا۔ وہ ان کے حق میں کوتاہی کرنے والا ہے۔ کیونکہ ان بزرگواروں کا تمام مخلوقات پر حق ہے کہ وہ ان کو تمام مخلوقاتِ خدا سے بلند اور خالق کائنات سے پست سمجھیں۔ پس جو شخص بھی ان حضرات کو ان کے حقیقی مقام سے جس پر خدا نے ان کو فائز کیا ہے ہٹاتا ہے، خواہ بلند کر کے یا پست کر کے وہ یقیناً ہلاکت کا شکار ہے۔

④ جناب آقائے حاج مرزا محمد احمد آبادی اپنی کتاب شمس طالعہ در شرح زیارت جامعہ صفحہ ۱۴۵ میں فقرۂ مذکورہ بالا کی شرح میں لکھتے ہیں:

آنکہ در حق شما تقصیر کند بآنکہ زائل کند شما ھارا ازاں مقامے کہ خدا برائے شما قرار داد بآنکہ بالا برد مقام شما را بمقام ربوبیت یا پست کند شمارا ازاں مراتبے کہ رتبکم اللہ فیھا زاھق و نابود شونده است دین او و نجات آخرت او۔

جو شخص آپؑ کے حق میں تقصیر کرے یعنی آپؑ کو آپؑ کے اس مقام سے زائل کرے جو خدا نے آپؑ کو عطا فرمایا ہے، بایں طور پر کہ آپؑ کو اس قدر بلند کرے کہ ربوبیت کے مقام تک پہنچا دے، یا خدا نے آپؑ کو جو مراتبِ عالیہ عطا فرمائے ہیں، ان سے آپؑ کو پست سمجھے، اس کا دین برباد اور نجاتِ اخروی تباہ ہے۔

⑤ سید العلماء جناب علامہ سید حسین لکھنوی اپنی جلیل القدر کتاب حدیقۂ سلطانیہ جلد ۲ صفحہ ۲۷۴ پر مقصر کا معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

و مقصر آنانند کہ اثبات خطا و گناہ بانبیاء و اوصیاء می نمایند و از دلیل عقل و نقل چشم پوشی می کنند۔

یعنی مقصر وہ لوگ ہیں جو دلیل عقلی و شرعی سے چشم پوشی کرتے ہوئے انبیاء و اوصیاء کو خطا کار و گنہگار سمجھتے ہیں۔

ان چار معتبر شہادتوں کے بعد اب بظاہر کسی اور شہادت کی ضرورت نہیں ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں جہاں ہمارے بیان کردہ مفہوم تقصیر و تفریط کی حرف بہ حرف تائید و تشیید ہوتی ہے وہاں یہ امر بھی واضح ہو جاتا ہے کہ تقصیر کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ غلو بھی اس میں داخل

Scanned with CamScanner

عام لوگ تقصیر سے تو ڈرتے ہیں مگر غلو سے نہیں ڈرتے

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اس امر کے اثبات کے لیے کافی ہے کہ غلو ہو یا تقصیر، افراط ہو یا تفریط ہر دو راستے ہلاکت ابدی کی طرف جاتے ہیں۔ وخیر الامور اوسطھا۔ لہٰذا ان دونوں راستوں سے اجتناب لازم ہے۔ لیکن عام لوگوں کا معاملہ بھی عجیب ہے وہ مقام اعتقاد میں تقصیر سے تو بہت ڈرتے اور اس کے نام سے کانوں پر ہاتھ دھرتے ہیں کہ کہیں ائمہ اطہارؑ کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے، مگر وہ غلو و شرک سے ذرہ بھی نہیں ہچکچاتے کہ کہیں اس سے خدا کے حق میں کوتاہی نہ ہو جائے۔ حالانکہ اس کی آلودگی و آلائش سے دامن بچانا اور بھی اشد ضروری ہے۔

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء۔

اگر ائمہ اطہارؑ کے مراتب عالیہ کے پہچاننے میں قدرے کمی بھی واقع ہو گئی تو بخشش ممکن ہے (بشرطیکہ انکارِ امامت و ولایت نہ کیا جائے) لیکن اگر خالق کی صفات جلیلہ مخلوق میں تسلیم کر لی گئیں اور اس طرح توحید افعالی کا عقیدہ خراب و برباد ہو گیا تو پھر دین و آخرت تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

و ذالک ھو الخسران المبین (اعاذنا اللہ منہ و جمیع المومنین)

اگر انسان ایک طولانی مدت تک دنیا میں زندہ رہا اور اس نے خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کی تو اس سے بڑا گنہگار کوئی نہیں۔ کیونکہ جس کی نعمتوں میں زندگی بھر اٹھتا بیٹھتا، سوتا جاگتا، کھاتا پیتا، کروٹیں بدلتا رہا، جس کی نعمتیں تمام عمر اس کا اوڑھنا بچھونا رہیں، ایک ہلکا سا سانس بھی جس کی نعمت سے علیحدہ نہ لے سکا، ایک خفیف سی حرکت بھی جس کی نعمت سے باہر نہ کر سکا، ایک پلک بھی بغیر جس کی نعمت کے نہ مار سکا، ایک قدم بھی جس کی نعمت سے الگ نہ اٹھا سکا، اور ایک خیال بھی جس کی نعمت کے بغیر نہ دوڑا سکا، اگر اسی کی معرفت حاصل نہ کی تو کیا ایسے محسن کش، احسان فراموش، ناشکرے، خود غرض، کمینہ فطرت سے زیادہ کوئی قابل نفرت ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

(توحید القرآن صفحہ ۱ از مولانا محمد ہارون صاحب زنگی پوری)

Scanned with CamScanner

ہم نہ غالی ہیں اور نہ قالی ہیں

جناب امیر المومنینؑ کا ارشاد واجب الاعتقاد ہے:

سیھلک فی صنفان محب مفرط یذھب بہ الحب الی غیر الحق مفرط یذھب بہ البغض الی غیر الحق و خیر الناس فی حالا النمط الاوسط فالزموہ۔

یعنی میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک و برباد ہو جائیں گے۔ ایک وہ (نام نہاد) افراط کرنے والا محب، جسے (غلط اندازِ) محبت خلافِ حق غلط راستہ پر لے جائے۔ اور دوسرا وہ افراط کرنے والا دشمن جسے میری عداوت غلط راستہ پر چلائے۔ ہاں البتہ میرے متعلق سب سے بہتر طریقہ درمیانہ روی اختیار کرنے والوں کے ہے۔ تم اسی طریقہ کو لازم پکڑو۔

(نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۱ طبع مصر)

مولائے کائنات کے اس ارشاد (اور اس جیسے بیسیوں دوسرے ارشادات) کی روشنی میں ہم بلا خوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ ہم نہ محبِ غالی ہیں اور نہ مبغضِ قالی ؏

نہ غالی ہیں نہ قالی ہیں مگر ہم تو موالی ہیں

دیننا ما دانوا و قولنا ما قالوا۔

جہاں تک غالی نہ ہونے کا تعلق ہے وہ تو عیاں را چہ بیاں کا مصداق ہے۔

ولا یدعیہ احد من مخالفینا۔

اور جہاں تک مقصر و قالی نہ ہونے کا تعلق ہے (جس کا الزام مخالف ہمیں دیتے ہیں) اگرچہ اس الزام کا غلط و بے بنیاد ہونا روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح و عیاں ہے اور محتاجِ تردید نہیں، مگر بامرِ مجبوری اتمامِ حجت کے لیے صرف اتنا لکھا جاتا ہے کہ سطورِ بالا میں مقصر کا مفہوم واضح کیا جا چکا ہے کہ مقصر وہ ہے:

① جو آلِ محمدؐ کی امامت و ولایت کا انکار کرے۔
② ان کو عام لوگوں کے برابر سمجھے۔
③ جو ان کو گنہگار سمجھے۔
④ اور جو ان کے مسلمہ فضائل و کمالات کا انکار کرے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان باتوں میں سے کوئی بات بھی ہم میں نہیں پائی جاتی۔ جہاں تک

Scanned with CamScanner

ان کی ولایت وامامت کا تعلق ہے اس موضوع پر ہم خود بڑی بڑی ضخیم کتابیں شائع کر کے گم گشتگانِ وادیٔ ضلالت کے لیے چراغِ ہدایت روشن کر چکے ہیں۔ اور ولایت کے ضروری ہونے پر خود سطور بالا میں اس قدر لکھا گیا ہے کہ مزید لکھنے کی گنجائش نہیں۔ نیز اس کا ایک معتد بہ حصہ احسن الفوائد میں بھی مذکور ہے۔

اور جہاں تک ان بزرگواروں کو عام لوگوں کے برابر سمجھنے کا تعلق ہے ہم کبھی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ برابری تو بجائے خود ہم تو آلِ محمدؐ کا مقام عمومی سطح سے اس قدر بلند و بالا سمجھتے ہیں کہ امت محمدیہ وغیرہ کے تمام لوگوں کا ان ذواتِ مقدسہ کے بالمقابل نام لینا بھی ان کی توہین ہے۔ ہم تو ان کو سوائے سرکار ختمی مرتبت ﷺ کے دوسرے تمام انبیاء و مرسلینؑ، ملائکہ مقربین اور شہداء و صدیقین، غرضیکہ تمام عباد اللہ الصالحین از سماوین وارضیین سے افضل واعلیٰ سمجھتے ہیں۔ جس پر ہمارے کتب و رسائل اور مضامین شاہد عادل موجود ہیں۔

اور جہاں تک ان کے متعلق گناہ وعصیان کا تعلق ہے ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم مہد سے لے کر لحد تک ان ذوات مقدسہ کو ہر قسم کے گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عمداً سہواً علماً جہلاً نسیاناً معصوم و مطہر جانتے ہیں۔ ثبوت کے لیے ہمارے کتب و رسائل (اثبات الامامت وغیرہ) موجود ہیں۔

اور جہاں تک ان کے فضائل کا تعلق ہے تو ان کے وہ تمام ظاہری و باطنی فضائل و کمالات جو قرآن اور خود سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے مستند و صحیح فرمان کے ذریعہ ثابت ہیں، ان کے اقرار کو صرف جزوِ ایمان ہی نہیں بلکہ ان کے انکار کو کفر و شرک تصور کرتے ہیں۔

ان حقائق سے صرف ہماری ہی نہیں بلکہ ہمارے تمام ہم خیال علماء اعلام مثلاً علامہ حسین بخش صاحب قبلہ کی تفسیر انوار النجف، لمعۃ الانوار وغیرہ چھلک رہی ہیں۔ اور اگر ان حالات میں بھی کوئی شخص خوف خدا اور خوف حشر ونشر سے بالا ہو کر ہمیں مقصر کہتا ہے تو ہم اپنا اور اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وھو خیر الحاکمین، وان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ (النحل)

دشمن چہ کند چوں مہرباں باشد دوست

خدا ہماری قومی وملی زبوں حالی پر رحم فرمائے اور ہمیں اتحاد واتفاق کی توفیق دے۔ اور ہم سب کو اپنی اور اپنے اولیاء کی صحیح معرفت عطا فرما کر اس پر ثابت قدم رکھے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین صلوات اللہ علیہ و علیہم اجمعین۔ اللھم عرفنی نفسک فانک ان لم تعرفنی نفسک لم اعرف نبیک اللھم عرفنی نبیک فانک ان لم تعرفنی نبیک لم اعرف حجتک اللھم عرفنی حجتک فانک

Scanned with CamScanner

ان لم تعرفنی جهتك ضللت عن دینی فاقراء ما سیتلی علیك و تدبر فیه و تشکر و لا تکن من الجاحدین۔ فتکون من الخاسرین۔ قل یا ایها الناس قد جاءکم الحق من ربکم فمن اهتدی فانما یهتدی لنفسه و من ضل فانما یضل علیها و ما انا علیکم بوکیل۔

روایت میں درایت کی اہمیت

سابقہ مباحث میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ روایت میں درایت (اس کی سند و دلالت میں غور و فکر کرنے) کی اہمیت ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ ہمیشہ، ہر زمانہ میں بالعموم افراط و تفریط کی گمراہی میں مبتلا ہونے والے لوگ روایت میں درایت کے اصولوں کی پابندی نہ کرنے بلکہ ہر رطب و یابس کو سلسلہ سند دیکھے بغیر قبول کرنے اور اس کے (اور اسی طرح آیات قرآنی کے) معنی و مفہوم میں صحیح طور پر تدبر نہ کرنے کی وجہ سے ہی ہلاک ہوئے ہیں۔ اسی لیے ائمہ طاہرینؑ نے روایت سے زیادہ درایت پر زور دیا ہے۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

اعقلوا الخبر عقل درایة لا عقل روایة فان رواة العلم کثیر و رعاة قلیل۔

جب کوئی حدیث سنو تو رعایت (شرائط درایت) کے ساتھ سمجھو۔ نہ کہ صرف روایت کے ساتھ۔ کیونکہ علم کے نقل کرنے والے بہت ہیں مگر اس کی رعایت (دیکھ بھال) کرنے والے تھوڑے ہیں۔ (نہج البلاغہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۲ طبع مصر)

جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

حدیث تدریه خیر من الف ترویه۔

یعنی ایک روایت کا صحیح طور پر سمجھ لینا (بے سوچے سمجھے) ایک ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر ہے۔ (اساس الاصول از غفران مآبؒ صفحہ ۳۴)

نیز انہی جنابؒ سے مروی ہے، فرمایا:

و لا یکون الرجل فقیها حتی یعرف معاریض کلامنا۔

کوئی شخص اس وقت تک فقیہ اور بابصیرت نہیں ہو سکتا جب تک ہمارے کلام کے تمام معانی و اشارات کو نہ سمجھے۔ (ایضاً صفحہ ۳۴)

یہ ارشاد بھی معدن نبوت کا ہے کہ:

Scanned with CamScanner

اعرفوا منازل شیعتنا بقدر ما یحسنون من روایاتنا عنا۔

ہمارے شیعوں کی قدر و منزلت معلوم کرنا ہو تو یہ دیکھو کہ وہ ہماری روایات کو کس قدر اور کس اچھے انداز میں پیش کرتے ہیں۔ (رجال کشی صفحہ ۲)

ان حقائق کے پیش نظر یہ بات مزید کسی دلیل کی محتاج نہیں رہ جاتی ہے کہ اصولِ دین ہوں یا فروعِ دین، فضائلِ اہلِ بیتؑ ہوں یا ان کے مصائب، ان میں ہر کس و ناکس کی بیان کردہ ہر روایت کو نہ قبول کیا جا سکتا ہے اور نہ مکمل غور و تدبر کیے بغیر اس کے مطابق عقیدہ رکھا یا عمل کیا جا سکتا ہے، اگرچہ اصول عقائد میں یہ شدت و گرفت اور بھی زیادہ سخت ہے۔

قبولیت روایات کا معیار و میزان

انہی حقائق کے پیش نظر روحانی حکمائے اسلام یعنی ائمہ طاہرین علیہم السلام نے روایات کے رد و قبول کے کچھ قواعد و ضوابط مقرر فرمائے ہیں۔ اس لیے ان قواعد کی پابندی کرنا ضروری ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام جناب رسول خداؐ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں:

ان علی کل حق حقیقة و علی کل صواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ و ما خالف کتاب اللہ فدعوہ۔

یعنی ہر حق پر حقیقت اور ہر درستی و راستی پر نور ہوتا ہے پس جو حدیث قرآن کے موافق ہو اسے لے لو اور جو قرآن کے مخالف ہو اسے ترک کر دو۔

اسی طرح جناب امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے، فرمایا:

کل شی مردود الی الکتاب و السنة و کل حدیث لا یوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔

ہر چیز کو کتاب و سنت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور ہر وہ حدیث جو قرآن کے مطابق نہ ہو وہ باطل ہے۔

نیز انہی بزرگوار سے منقول ہے، فرمایا:

مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف۔ (اصول کافی صفحہ ۳۵ طبع قدیم ایران)

ہر وہ حدیث جو قرآن کے موافق نہ ہو وہ باطل ہے۔

بنا بریں ہر ہر روایت کے متعلق یہ جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ اس کا راوی کون کون اور کیسا ہے۔ جس کتاب میں درج ہے، اس کا اور اس کے مصنف و مؤلف کا علمی مقام کیا ہے۔ اور یہ کہ وہ

Scanned with CamScanner

قرآن کے مطابق ہے یا نہ؟ اس کے معارض کوئی اور روایت ہے یا نہ؟ اور پھر معارض کی موجودگی کی صورت میں ترجیح کس کو دینی چاہیے۔ اور یہ کہ آیا وہ روایت کسی عقلی یا شرعی مسلمہ اصول سے متصادم تو نہیں؟ آیا مذہب عامہ کے موافق ہے یا مخالف؟ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور یہ کہ آیا علماء محققین نے اسے اس کے ظاہری معنوں پر محمول کیا ہے یا اس کی تاویل کی ہے؟ اور اگر تاویل کی ہے تو وہ صحیح تاویل کیا ہے؟ ان تمام امور پر غور و تدبر کرنا لازم ہے۔ ہاں البتہ جب کوئی روایت ان تمام اصولوں پر پوری اترے اس کا قبول کرنا واجب اور انکار دائرۂ ایمانی سے خروج کا باعث ہے۔

والافاضربہ ضرب الجدار (حافظ)

قدر مجموعہ گل مرغ سحر مے داند
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

غالیوں کی دسیسہ کاریاں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ

ان القرآن ھو معیار الحق و میزان الصدق و ھو الاصل فی المعارف و میزان کل شئ

(منہاج البراعۃ جلد ۱۷ صفحہ ۴۹۷)

ائمہ طاہرین نے روایت کی اہمیت پر اس لیے زور دیا ہے کہ کتب رجال و سیر کی اجمالی سیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمۂ اطہار کے زمانہ میں ایسے (غالی) لوگ بکثرت موجود تھے جو اپنے عقائد فاسدہ کی تائید میں خود خانہ زاد حدیثیں گھڑ کر بڑے لطائف الحیل سے ان کو کتب اصحاب ائمہ میں درج کر دیتے۔

(منہاج البراعۃ جلد ۱۴ صفحہ ۴۸ و ۴۹ طبع جدید ایران و رجال کشی صفحہ ۱۴۷ وغیرہ)

ائمہ اطہارؑ کو بھی ان کی ان عیارانہ کارستانیوں کا علم تھا، اس لیے وہ برابر اپنے مخلص نام لیواؤں کو ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں و کارگزاریوں سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

انا اھل بیت صدیقون لا نخلو من کذاب یکذب علینا و یسقط صدقنا بکذبہ عند الناس ؏

ہم سچا خانوادہ ہیں لیکن ہم جھوٹ بولنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہتے، جو اپنے جھوٹ سے

Scanned with CamScanner

قرآن کے مطابق ہے یا نہ؟ اس کے معارض کوئی اور روایت ہے یا نہ؟ اور پھر معارض کی موجودگی کی صورت میں ترجیح کس کو دینی چاہیے۔ اور یہ کہ آیا وہ روایت کسی عقلی یا شرعی مُسلمہ اصول سے مُتصادم تو نہیں؟ آیا مذہب عامہ کے موافق ہے یا مخالف؟ اس کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اور یہ کہ آیا علماء محققین نے اسے اس کے ظاہری معنوں پر محمول کیا ہے یا اس کی تاویل کی ہے؟ اور اگر تاویل کی ہے تو وہ صحیح تاویل کیا ہے؟ ان تمام امور پر غور و تدبر کرنا لازم ہے۔ ہاں البتہ جب کوئی روایت ان تمام اصولوں پر پوری اترے اس کا قبول کرنا واجب اور انکار دائرۂ ایمانی سے خروج کا باعث ہے۔

والا فاضربہ ضرب الجدار (حافظ)

قدر مجموعہ گل مرغ سحر مے داند
کہ نہ ہر کو ورقے خواند معانی دانست

غالیوں کی دسیسہ کاریاں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ ثابت ہو گیا کہ

ان القرآن ھو معیار الحق و میزان الصدق و ھو الاصل فی المعارف و میزان کل شئ

(منہاج البراعۃ جلد ۷ اصفحہ ۳۹۷)

ائمہ طاہرین نے روایت کی اہمیت پر اس لیے زور دیا ہے کہ کتب رجال و سیر کی اجمالی سیر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ اطہار کے زمانہ میں ایسے (غالی) لوگ بکثرت موجود تھے جو اپنے عقائد فاسدہ کی تائید میں خود خانہ زاد حدیثیں گھڑ کر بڑے لطائف الحیل سے ان کو کتب اصحاب ائمہ میں درج کر دیتے۔

(منہاج البراعۃ جلد ۱۴ صفحہ ۳۸ و ۳۹ طبع جدید ایران و رجال کشی صفحہ ۱۴۷ وغیرہ)

ائمہ اطہارؑ کو بھی ان کی ان عیارانہ کارستانیوں کا علم تھا، اس لیے وہ برابر اپنے مخلص نام لیواؤں کو ان لوگوں کی دسیسہ کاریوں و کارگزاریوں سے آگاہ فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

انا اھل بیت صدیقون لا نخلوا من کذاب یکذب علینا و یسقط صدقنا بکذبہ عند الناس ؑ۔

ہم سچا خانوادہ ہیں لیکن ہم جھوٹ بولنے والوں سے کبھی خالی نہیں رہتے، جو اپنے جھوٹ سے

Scanned with CamScanner

ہمارے پیچ کو بھی لوگوں کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔(رجال کشی صفحہ ۱۷۰ و ۱۹۸)

اسی رجال کشی صفحہ ۱۹۵ پر جناب امام رضا علیہ السلام سے ان کذابوں میں سے بعض کا تفصیلی تذکرہ بھی موجود ہے کہ بنان امام زین العابدینؑ پر جھوٹ بولتا تھا۔ ابوالخطاب امام جعفر صادق علیہ السلام پر، محمد بن بشیر امام موسیٰ کاظمؑ پر اور محمد بن فرات مجھ پر افتراء پردازی کرتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں خدا مغیرۃ بن سعید پر لعنت کرے جو میرے والد پر جھوٹ بولتا تھا۔(رجال کشی صفحہ ۱۹۵)

نیز انہی بزرگوار سے مروی ہے، فرمایا:

لا تقبلوا علینا حدیثا الا ماوا فق القرآن و السنة او تجدون معه شاهدا من احادیثنا المتقدمة فان المغیرة بن سعید لعنه الله فدرس فی کتب اصحاب ابی احادیث لم یحدث بها ابی فاتقوا الله و لا تقبلوا علینا ما خالف قول ربنا تعالیٰ و سنة نبینا محمد صلی الله علیه و آله وسلم (رجال کشی صفحہ ۱۴۶ و منهاج البراعة جلد ۴ صفحہ ۳۹ و غیرہ)

جو حدیثیں ہماری طرف منسوب ہوں، ان میں سے صرف ان کو قبول کرو جو قرآن و سنت کے موافق ہوں یا جن کی تائید میں ہماری سابقہ حدیثوں سے کوئی شاہد پاؤ۔ کیونکہ مغیرہ بن سعید نے (خدا اس پر لعنت کرے) میرے والد (امام محمد باقرؑ) کے اصحاب کی کتب حدیث میں کئی جعلی حدیثیں داخل کر دی ہیں جو کبھی میرے والدؑ نے بیان نہیں فرمائی تھیں۔ خدا سے ڈرو ہمارے متعلق کوئی ایسی بات قبول نہ کرو جو قول خدا و سنت پیغمبرؐ کے خلاف ہو۔ کیونکہ ہم جب کچھ بیان کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ خدا و رسولؐ نے یوں فرمایا ہے۔ (یعنی اپنی رائے و قیاس سے کچھ نہیں کہتے اور نہ ہی غیر معصوم کا قول نقل کرتے ہیں) ان حقائق کی موجودگی میں ہر وہ روایت جو ان ذوات مقدسہ کی طرف منسوب ہو کیونکر آنکھیں بند کر کے اسے قبول کیا جا سکتا ہے؟۔

عصر جدید کے جدید مؤلفین کی تاویل مزاجیاں

اس دورِ جدید کے بعض جدت پسند جدید مؤلفین کی حالت بھی عجیب ہے، جب ماننے پہ آئیں تو یہ کہہ کر کہ فرمان معصومؑ کو تسلیم کرنا واجب ہے، خطبۃ البیان جیسے بے سروپا اور بے اصل و بے بنیاد خطبات کو بھی تسلیم کر کے ان پر اپنے اعتقاد کی بنیاد قائم کر لیتے ہیں اور جب انکار پر آمادہ ہوں تو منہج التحقیق کے حوالہ سے ہفتم بحار میں درج شدہ حدیث امام جس میں خلقت نوری سے خلقت روحی مراد

Scanned with CamScanner

لی گئی ہے کو مجہول الحال مؤلف کی تالیف کہہ کر ٹھکرا دیتے ہیں، بلکہ اصول کافی کی یونس بن عبدالرحیم والی صحیح السند روایت جس میں نمود نور کی تشریح فرشتہ کے ساتھ کی گئی ہے، جسے سرکار علامہ مجلسی جیسے محدث خبیر نے صحیح السند تسلیم کیا ہے (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۲۹۱)

اس کو اپنے مدعا کے خلاف پا کر خبر واحد کہہ کر اور اس کے بعض راویوں پر بزعم خود جرح کر کے مسترد کر دیتے ہیں اور اس کے باوجود نہ ان کے ایمان و ایقان میں کوئی رخنہ واقع ہوتا ہے اور نہ ہی معرفت امام میں کوئی فرق پڑتا ہے۔ ع

نا طقہ سر بہ گریباں ہے کہ اسے کیا کہیے

لیکن اگر اصول روایت و درایت کے مطابق ہم کسی بے سروپا روایت کو ناقابل استدلال قرار دے دیں تو زمین سر پر اٹھا کر داد و فریاد کی جاتی ہے اور اسے عدم معرفت امام کی دلیل قرار دیا جاتا ہے۔ مالکم کیف تحکمون؟

متشابہ اخبار و آثار

مذکورہ بالا حقائق کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو روایات میں غور و فکر کرنے کی دعوت دیتی ہے، وہ یہ ہے کہ بکثرت احادیث معتبرہ میں وارد ہے کہ:

ان فی اخبارنا متشابھا کمتشابہ القرآن و محکما کمحکم القرآن فردوا متشابھا الی محکمھا و لا تتبعوا متشابھا دون محکمھا فتضلوا۔

ہمارے اخبار کچھ متشابہ ہیں، مثل متشابہ قرآن اور کچھ محکم ہیں مانند محکم قرآن۔ لہٰذا تم متشابہ کو محکم کی طرف لوٹاؤ۔ اور خبردار محکم کو چھوڑ کر متشابہ کی اتباع نہ کرنا، ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔

(عیون اخبار الرضا جلد صفحہ ۲۹۰ و احتجاج طبرسی صفحہ ۲۲۳)

اس لیے اہل علم کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی روایت پر عقیدہ و عمل کی دیوار استوار کرنے سے پہلے اچھی طرح غور و فکر کر لیں کہ وہ روایت محکم ہے یا متشابہ؟ اگر اس امر کو ملحوظ نہ رکھا گیا تو پھر مطابق فرمان امام گمراہی یقینی ہے۔ (اعاذنا اللہ منہ)

Scanned with CamScanner

ازالہ شبہ

بعض احادیث میں وارد ہے کہ ہماری حدیثیں سخت مشکل ہیں۔ان کا تحمل صرف نبی مرسل، یا ملک مقرب یا مؤمن ممتحن ہی کر سکتے ہیں۔لہٰذا جب تمھارے پاس ہماری حدیث پہنچے اور مطلب سمجھ میں آ جائے تو فبہا ورنہ اسے عالم آلِ محمدؑ (امامؑ) کی طرف لوٹاؤ۔خبردار انکار نہ کرنا۔کیونکہ ہماری حدیث کا انکار کفر ہے۔(بصائر ہفتم بحار وغیرہ) اس وقت ہم اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ ان صعب مستصعب احادیث سے مراد کیا ہے؟ کیا یہ معارف امامت کے متعلق ہیں یا ائمہ کے بعض عجائب وغرائب احوال سے ان کا تعلق ہے یا علم ما کان ومایکون سے وابستہ ہیں، یا ان سے مخالفین کی مذمت مراد ہے یا عالم آخرت کے بعض اسرار ورموز مراد ہیں، وغیرہ وغیرہ۔لیکن مذکورہ بالا حقائق کے پیش نظر ان کی کوئی مناسب حال تاویل لازماً کرنا پڑے گی۔چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ نے ان کی دو تاویلیں کی ہیں۔

تاویل اول: یہ معلوم ہو جانے کے باوجود کہ یہ امام معصومؑ کی حدیث ہے اسے ٹھکرا دیا جائے، ظاہر ہے کہ اس صورت میں امامؑ کا استخفاف لازم آتا ہے جو عدم ایمان بلکہ عدم اسلام کی دلیل ہے۔

تاویل دوم: آیاتِ محکمات اور روایات متواترات پر پیش کیے بغیر محض اپنی رائے ناقص و قیاس فاسد سے اسے مسترد کر دیا جائے۔ظاہر ہے کہ یہ روش ورفتار بھی انتہائی قابل مذمت ہے۔ (ملاحظہ ہو مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۳۰۰) ان فی ذلك لبلاغا لقوم یعقلون۔

یہ کتاب کیوں لکھی گئی؟

ہم بتصدق چہاردہ معصومینؑ خدائے اجل واکرم کے خاص فضل وکرم سے گزشتہ سال عقائد ایمانیہ وتحقیق اصول اسلامیہ پر ایک مکمل ومدلل کتاب بنام احسن الفوائد فی شرح العقائد لکھ کر ابناء قوم و ملت کے سامنے پیش کر چکے ہیں، جس میں قریباً تمام شیعہ عقائد ومسلمات کو قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی روشنی مین ثابت کیا گیا ہے اور دیگر فرقہائے اسلام کے مقابلہ میں دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ سے شیعہ اصول وعقائد کی برتری واضح کی گئی ہے اور ہر ہر موضوع پر ملاحدہ و منکرین کے شکوک وشبہات کو عقلی ونقلی ادلہ سے علوم قدیمہ وجدیدہ کی روشنی میں بڑے عمدہ واحسن انداز میں رد کیا گیا ہے۔اور یہ کتاب رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ کے رسالہ شریفہ

Scanned with CamScanner

اعتقادیہ کی شرح ہے۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد جہاں علماء اعلام و دیگر ارباب تحقیق و انصاف نے اسے اس صدی کا علمی شاہکار اور اپنے موضوع پر تحقیقی و علمی اعتبار سے بے مثال کتاب قرار دیا (جیسا کہ اس کتاب کی تقریظوں و تبصروں سے یہ بات واضح ہے جو اس پر کیے گئے۔ والحمد للہ علیٰ احسانہ) وہاں چونکہ اس سے بعض غلو نواز حضرات کے طبع زاد عقائد پر کاری ضرب لگی تھی، اس لیے انھوں نے تقریر و تحریر کے ذریعہ اس کے اور اس کے مصنف کے خلاف محاذ قائم کر کے غوغہ آرائی کرنا اپنا فریضہ سمجھ لیا۔ یہ اپنی سرشت و کشت کا فرق ہے کہ: یضل بہ کثیرا و یھدی بہ کثیرا۔ ان حضرات کے خیال کے مطابق ہم سے غلطی یہ سرزد ہوئی ہے کہ (باوجود ائمہ اہل بیتؑ کے بے شمار صحیح فضائل و مناقب بیان کرنے کے) ان ذوات قدسیہ کے خالق و رازق اور محیی و ممیت ہونے کی نفی کر دی اور ان کو خالق و رازق قرار دیے جانے والے نظریہ کو غلط اور بے بنیاد قرار دیا۔ ع

فذالك ذنب لست عنه اتوب

اسی طرح اور بھی بعض عقائد صحیحہ ایسے تھے جو ان کے ذاتی خیالات سے متصادم تھے۔

بہر حال جب ہم نے یہ دیکھا کہ آج کل بعض اہم دینی عقائد پر اخبارات و رسائل اور منابر پر طبع آزمائیاں اور ہنگامہ آرائیاں ہو رہی ہیں اور بعض صحیح عقائد کو بعض دین فروش لوگ غلط انداز میں عوام کے سامنے پیش کر کے انھیں شیعہ اعلام اور مدارسِ دینیہ سے بدظن کرنے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں۔ ان میں کچھ چٹھیاں ہیں، کچھ دینی مسائل پر بعض اہم فتاویٰ ہیں، کچھ اخبارات و جرائد کے مضامین ہیں، جن میں حق کشی، باطل کوشی اور خالق کی بجائے مخلوق کی رضا جوئی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ ؎

میں اکثر سوچتا ہوں کس طرح سے ان کو سمجھاؤں
یہ جو کچھ کر رہے ہیں اس سے نظم انجمن بگڑا

ان حالات میں ضروری سمجھا گیا کہ قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم نیز تحقیقات علماء متقدمین کی روشنی میں محققانہ اور جامع تبصرہ کر کے احقاقِ حق و ابطالِ باطل کا مذہبی فریضہ انجام دیں، تاکہ عذر و نذر اور اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔

لیھلك من ھلك عن بینة و یحیی من حی عن بینة۔

اسی لیے کتاب کو دس ابواب پر تقسیم کر کے بعد از استخارہ یہ کتاب لکھنا شروع کر دی جس کے ہر ہر باب میں ایک ایک اہم موضوع پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ وہو حسبی ونعم الوکیل۔ ؎

Scanned with CamScanner

من آنچہ شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواہ از سخنم پند بگیر و خواہ ملال

اصول الشریعہ کی اشاعت کے بعد کیا ہوا؟

"احسن الفوائد" کی اشاعت کے بعد جو حالات رونما ہوئے تھے، ان کا اجمالی تذکرہ سطور بالا میں کیا جا چکا ہے۔ "اصول الشریعہ" جو اصلاح احوال و عقائد کے جذبہ سے سرشار ہو کر لکھی گئی تھی یقیناً علم دوست اور تحقیق پسند حلقوں کی طرف سے توقع سے بھی زیادہ اس کی پذیرائی کی گئی۔ الحمدللہ، مگر جن لوگوں نے پہلے "احسن الفوائد" کی مخالفت کی تھی، ان کی طرف سے تو اب گویا مخالفت کا آتش فشاں پہاڑ پھٹ پڑا۔ اور تقریر و تحریر میں اس کے خلاف تہذیب و شرافت کے تمام تقاضوں کو یکسر نظر انداز کر کے وہ ہڑبونگ مچایا کہ الامان والحفیظ۔ تفصیل ذیل میں آ رہی ہے۔

ہماری دوسری کتب بالعموم اور "احسن الفوائد" و "اصول الشریعہ" بالخصوص عظیم کتابیں ہیں۔ ہم یہ بات کسی تعلّی اور تکبّر کی بنا پر نہیں (جو کہ مذموم ہے) بلکہ محض تحدیثِ نعمتِ پروردگار کی بنا پر (جو کہ ممدوح ہے) کہہ رہے ہیں کہ بفضلہٖ تعالیٰ ہماری دوسری کتابیں بالعموم اور "احسن الفوائد" و "اصول الشریعہ" بالخصوص دُنیائے اِسلام و تشیّع کی عظیم کتابوں میں سے ہیں۔

عظمتِ کتب کا معیار کیا ہے؟

یہ مُسلمہ عقلائی قاعدہ ہے کہ ہر دعویٰ کے اثبات کے لیے قطعی ثبوت لازم ہوتا ہے۔ ورنہ وہ دعویٰ نظرِ عقلا میں قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ بنا بریں مذکورہ بالا دعویٰ کے ثبوت میں پہلے ہم معیارِ عظمت کے متعلق ایک مشہور انگریز مُصنّف "رابرٹ ڈاونرز" کی رائے گرامی پیش کرتے ہیں۔ جس نے دُنیا کی عظیم سولہ کتابوں کا انتخاب شائع کیا۔ اور اس کا نام رکھا کتابیں جنھوں نے دُنیا بدل ڈالی۔ جس کا اُردو ترجمہ ملک کے مشہور قلمکار ادیب غلام رسول مہر نے کیا ہے۔ اس کے بعد اس معیار کی روشنی میں اپنی کتابوں کی عظمت کا جائزہ لیں گے۔ انشاء اللہ۔ وہ اس کتاب کے مقدمہ صفحہ ۱۶ پر عظمت و اثر آفرینی کے معیار پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اگر کسی کتاب کے خلاف شدید جذبات ابھرے اور اسی اہتمام سے حامیوں نے کتاب کی تائید میں سرگرمی دکھائی تو اغلب خیال یہی ہوتا ہے کہ اس کتاب نے لوگوں کے افکار پر گہرا اثر ڈالا"۔

Scanned with CamScanner

اس معیار کی روشنی میں اصول الشریعہ وغیرہ کا جائزہ

اگر بنظر انصاف حالات کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالا نظر آتی ہے کہ ہماری نام بروہ کتابیں اس معیار عظمت پر صدفی صد پوری اترتی ہیں، جب سے یہ کتابیں منظر عام پر آئی ہیں موافقت و مخالفت کا ایک طوفان امڈ آیا ہے۔ اگر ایک فریق یہ کہہ کر کہ: لعمری انه لکتاب لا یبغضه الا مومن و لا یحسده الا منافق۔ انھیں ایمان ونفاق کا میزان قرار دے رہا ہے، تو دوسرا گروہ انھیں قابل ضبطی اور سوختنی قرار دے رہا ہے۔ تقریر وتحریر میں برابر دونوں فریق برسرپیکار ہیں اور پوری شدت سے ایک دوسرے پر تابرتوڑ حملے کر رہے ہیں اگرچہ حامی گروہ نے تہذیب ومتانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا جبکہ مخالف گروہ نے اخلاق وتہذیب کے تمام مسلمہ اصولوں کو پامال کر دیا ہے۔ وکل اناء بالذین فیه یرشح ؎

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے وہ ضمیر وخیال کی آزادی کو سلب نہیں کرتا اور نہ ہی وہ حریت فکر ورائے کا دشمن ہے وہ دلیل وبرہان سے اطمینان نفس کرائے بغیر صرف جبر واکراہ سے کوئی بات نہیں منواتا، وہ مجموعہ مزخرفات وخرافات نہیں بلکہ سراسر حقائق ومعارف کا بیش بہا خزینہ ہے، ہاں یہ اور بات ہے ؎

آزادی افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ

اہل دانش وبینش سے پوشیدہ نہیں ہے کہ جس طرح پادریوں نے عیسائیت کو خرافات کا مجموعہ بنا ڈالا تھا اور اپنے قول وکردار سے نئی پود کے ذہنوں میں یہ چیز راسخ کر دی تھی کہ مذہب عقل وخرد کا ساتھ دینے سے قاصر ہے اور ترقی کی راہ میں سنگ گراں ہے، اور اس تاثر کو کوتاہ اندیش گروہ کے اس رویہ سے مزید تقویت ملی کہ انھوں نے سیکڑوں، فلسفہ وسائنس کے محققین اور موجدین کو بڑی بڑی کربناک اذیتیں دے دے کر موت کے گھاٹ اتروادیا۔ اس لیے ان تنگ نظر کور باطن پادریوں کی روش ورفتار سے تنگ آ کر اور ان کے خود ساختہ مذہبی اصولوں سے بیزار ہو کر نئی پود نے مذہب کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور مذہب کا جوا گردن سے اتار پھینکا۔ یہ حقیقت اگرچہ تلخ ہے مگر بہرحال حقیقت کہ موجودہ دور کے ملاومولوی بھی اپنے غلط انداز تبلیغ اور اپنی غلط روش ورفتار سے نئی پود کو مذہب سے بیگانہ وبیزار کرنے میں خاص کردار ادا کر رہے ہیں، جب نئی پود یہ دیکھے گی کہ فلاں

Scanned with CamScanner

عالم کی نظر میں فلاں عالم کافر اور فلاں مولوی کی نگاہ میں فلاں ملحد، تو وہ بالآخر نجات کسی اور دین میں ہی تلاش کرے گی۔ یا بالکل ہی لامذہب ہو جائے گی۔ (لاقدر اللہ)

مخالفت کا طوفان

مذکورہ بالا اصول کے مطابق جب یہ بات ثابت ہے کہ اسلام حریت فکر ورائے کا مخالف نہیں بلکہ مؤید ہے اور وہ ہر صاحب فکر و نظر کو دلیل و برہان کے ساتھ بطریق احسن اپنے نظریہ کے اظہار کا حق دیتا ہے تو اگر بالفرض مولوی صاحبان کے خیال کے مطابق ہم نے کوئی نیا نظریہ بھی پیش کیا تھا تو عدل و انصاف اور صدق نیت کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ لوگ ہاؤ ہو کرنے کی بجائے ہماری کتب کا بنظر غائر مطالعہ کرتے اور اگر کوئی مطلب ان کو بظاہر حق کے خلاف معلوم ہوتا تو پہلے تو خود اس کے لیے کوئی مناسب تاویل کرتے، (کما ورد فی الحدیث احمل فعل اخیك علی احسنه) اور اگر ایسا نہ کر سکتے تو پھر مصنف کی طرف رجوع کرتے۔ (کیونکہ تصنیف را مصنف نیکو کند بیان) تاکہ وہ حقیقت حال کی وضاحت کر دیتے۔ یا اگر فی الواقع وہ مطلب غلط ہوتا تو شکریہ کے ساتھ ہم اس کی اصلاح کر لیتے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ پیش نہیں کیا، بلکہ انہی عقائد و نظریات کو اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے جن پر قریباً چودہ سو سال کے شیعہ علماء اعلام کا اتفاق ہے اور پھر ہر ہر موضوع و مسئلہ پر متعدد آیات قرآنیہ، بیسیوں احادیث معصومیہ، اور سینکڑوں اقوال علماء امامیہ پیش کیے ہیں، جس کے بعد کسی بھی منصف و متدین آدمی کے لیے کسی قسم کے شک و ریب کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ الا علی اکمه لا یبصر القمرا۔ کیا اصلاح کا یہی طریقہ ہے جس پر یہ لوگ عمل پیرا ہیں، ہم نے تو ہمیشہ ان کو دعوت دی ہے کہ باہم دگر بیٹھ کر افہام و تفہیم کر لیں۔ اگر ہماری غلطی ثابت ہو جائے تو ہم اس کا اعتراف و ازالہ کرنے کے لیے تیار ہیں، مگر یہ حضرات کسی اصلاحی اقدام پر آمادہ ہی نہیں ہیں۔

یہ سب ہاؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت کا نتیجہ ہے

مگر افسوس ان لوگوں نے خوف خدا اور خوف حشر و نشر اور پاس مذہب و ملت سے بالا ہو کر اور اس بات سے بے نیاز ہو کر کہ عرض المسلم کدمه (کہ مسلمان کی عرض و ناموس کا احترام اس کے خون کی طرح واجب ہے) اور اس بات سے بھی غض بصر کر کے کہ اہل ایمان کو ذلیل و رسوا کرنے کی

Scanned with CamScanner

ناکام کوشش کرنے والوں کا انجام کیا ہے۔

ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا۔ الآیۃ

اپنے مخصوص اغراض کے تحت جو طوفان بدتمیزی وفتنہ انگیزی برپا کیا ہے اور جس بھونڈے انداز میں خالص علمی مسائل وعقائد کو علمی سطح پر سلجھانے کی بجائے عوامی سطح پر اچھال اچھال کر قوم کے اتحاد واتفاق کو پارہ پارہ کیا ہے اور جس طرح اغیار کے لیے اسباب تضحیک فراہم کیے اور ملک کے کونہ کونہ میں فتنہ وفساد کی آگ روشن کی، عین اس وقت جبکہ ان کی زبانوں پر لا تفسدوا فی الارض کا وعظ جاری تھا، وہ یہ بھول گئے کہ الفتنۃ اکبر من القتل۔ بہرحال ان کی اس روش کے پیش نظر ہر معمولی عقل وخرد رکھنے والا انسان بھی یہ بات بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہ سب ہاؤ ہو محض ذاتی حسد و رقابت اور ذاتی غلبہ واقتدار کے جذبہ کا نتیجہ ہے اور یہ سب غوغہ آرائی اور پنجہ آزمائی صرف اس لیے ہے کہ ہم نے بعونہ تعالیٰ درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تحریر وتقریر غرضیکہ ہر علمی میدان میں ان لوگوں کا حدود اربعہ بیان کرکے ان کی حقیقتیں بے نقاب کردی ہیں اور ان کے علم وعمل اور دین و دیانت کا صحیح طول وعرض واضح کردیا ہے۔ ؎

انھیں شکایت ہے ہم فقیروں کے خامہ حریت رقم سے
کہ اس کی معجز نگاریوں سے عجب حقائق نکھر رہے ہیں

اس لیے وہ مذہب کی آڑ لے کر ذاتی انتقام کی آگ بجھا رہے ہیں۔ ان کو اس کی مطلق پروا نہیں کہ قوم بے عملی وبدعقیدتی کی کن اتھاہ گہرائیوں میں گر رہی ہے، زمانہ کس رفتار سے آگے بڑھ رہا ہے، موجودہ دور کے تقاضے کیا ہیں اور ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ کار کیا ہے۔ وہ آج سے کئی سو سال پرانے کھینچے ہوئے خطوط تبلیغ پر آنکھیں بند کرکے چل رہے ہیں، اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے زور تقریر وتحریر صرف کر رہے ہیں۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ ان کی اس جنگ زرگری کو دین ومذہب سے ہرگز کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ ہی انھیں اپنے ذاتی مفاد کے سوا قوم و ملت سے کوئی ہمدردی ہے۔ مگر ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ اپنے ان اوچھے ہتھیاروں سے اپنے وقار کی گرتی ہوئی دیوار کو زیادہ دیر تک سہارا نہیں دے سکتے۔ اب قوم بیدار ہو چکی ہے اور ان کا یوم الحساب قریب آ گیا ہے، اب ان کے قصر عظمت وکبریائی کی جڑیں کھوکھلی ہو چکی ہیں اور ان کی مذہبیت اور اخلاق بے نقاب ہو چکے ہیں۔ قوم ان سے متنفر ہے اور ان کے کردار سے بے زار ہو رہی ہے اور یہ سوچنے پر مجبور ہو رہی ہے کہ اب تک اس نے منبر ومحراب ان کے حوالہ کرکے کھویا کیا ہے

Scanned with CamScanner

اور پایا کیا ہے۔ قوم اب اس نہج پر سوچ رہی ہے کہ پچاس ساٹھ سال ہو گئے یہ سب لوگ ہمیں سونے کی چڑیا سمجھ کر دونوں ہاتھوں سے نوچ رہے ہیں۔ مگر اس پورے عرصہ دراز میں انھوں نے ہمارے مستقبل کو تابناک و درخشاں بنانے کے لیے کوئی دینی مدرسہ کھولا، یا ہمیں کوئی پیش نماز وغیرہ مہیا کیا، کوئی مدرس پیدا کیا، اور جب تقسیم ملک کے بعد ہمارے مقامی علماء نے دینی مدارس کھولے جن کی بدولت آج نہ مدرسین کی کوئی کمی ہے نہ مبلغین کی اور نہ پیش نمازوں کی، تو ان لوگوں نے بجائے حوصلہ افزائی کے الٹا ان کے خلاف تقریر و تحریر میں محاذ قائم کر دیا۔

ذرھم یاکلوا و یتمتعوا و یلھھم الامل فسوف یعلمون۔

تشدد و فتنہ انگیزی علمی شکست خوردگی کی دلیل ہے

یہ بات ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے کہ اسلام امن و سلامتی کا مذہب ہے، اس کے اندر شر انگیزی فتنہ خیزی اور مذہب کے نام پر خون ریزی کرنے کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ وہ اس غلط جذبہ کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، بلکہ وہ الفتنۃ اشد من القتل کہہ کر اس فساد کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے۔ ع

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب کے نام پر ظلم و ستم کرنے اور فتنہ و فساد پھیلانے والے یا خود لامذہب ہوتے ہیں، اور ان کے اندر مذہب کا شائبہ تک نہیں ہوتا، یا پھر مذہبی حقائق و معارف سے یکسر جاہل ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ تشدد و زیادتی پر صرف وہی لوگ اترتے ہیں جن کے علمی ترکش میں کوئی تیر نہیں ہوتا، اور وہ علمی سطح پر گفتگو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتے۔ قرآن ایسے عبرتناک واقعات سے بھرا پڑا ہے۔ مثلاً جب حضرت نوح شب و روز ایک کر کے نہایت بے غرضی و بے لوثی سے قوم کو دعوت الی الحق دیتے ہیں اور دلائل سے ان کے غلط نظریات کا تار و پود بکھیرتے ہیں تو قوم جب علمی میدان میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو تشدد پر اتر آتی ہے اور کہتی ہے:

لئن لم تنتہ یا نوح لتکونن من المرجومین۔ (پارہ ۱۹ سورہ شعراء آیت ۱۱۶)

اے نوح اگر آپ ان باتوں سے باز نہ آئے تو آپ کو ضرور سنگسار کر دیا جائے گا۔

اسی طرح جب خلیل خدا نے ہمدردی خلائق کے نیک جذبہ سے سرشار ہو کر بڑے احسن انداز میں قوم کو ان کے عقیدہ و عمل کی غلطی پر ٹوکا، اور دلیل و برہان سے خدا کے سچے راستہ کی طرف بلایا تو جاہل قوم نے وہی جواب دیا جو قبل ازاں جناب نوح علیہ السلام کو دیا گیا تھا۔ یعنی یہ کہا:

Scanned with CamScanner

لئن لم تنته لارجمنك (پارہ ۱۶ سورہ مریم، آیت)

اگر آپ اس عقیدہ و تبلیغ سے باز نہ آئے تو آپ کو سنگسار کر دیا جائے گا۔

اسی طرح جب جناب لوطؑ نے اپنی قوم کو چاہ ضلالت سے نکالنے کے لیے عملی جدوجہد شروع کی اور دلیل کی زبان میں ان سے بات کرنا چاہی تو قوم نے ان کو ملک بدر کرنے کی دھمکی دی۔

اخرجوهم من قريتكم۔ (پارہ ۸ سورہ اعراف، آیت)

ان کو اپنی بستی سے نکال دو اور وہ بار بار حملہ کر کے بڑھ آتے رہے اور ان کو ڈراتے دھمکاتے بھی رہے تاکہ کسی طرح وہ اپنے مشن سے دست بردار ہو جائیں۔

جب جناب شعیبؑ نے قوم کو صحیح راستہ کی تبلیغ شروع کی تو ان کے مخالفین نے بھی یہی طریقہ کار اختیار کیا۔

لنخرجنك يا شعيب والذين امنوا معك من قريتنا (پارہ ۹ سورہ الاعراف، آیت)

اے شعیبؑ اس عقیدہ اور اس کی نشر و اشاعت سے باز آ جاؤ ورنہ ہم تمہیں اور ان لوگوں کو جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں اپنے شہر سے نکال دیں گے۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے متبعین سے بھی وہ متشددانہ سلوک کیا گیا جو ان سے پہلے انبیاء کے ساتھ کیا گیا تھا۔ فرعون نے جناب موسیٰؑ کو دھمکی دی:

لئن اتخذت الها غيري لاجعلنك من المسجونين (پ ۱۹ سور شعراء آیت)

اگر میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تمہیں قید میں ڈال دوں گا۔ اسی طرح اپنے کارپردازوں کو حکم دیا:

اقتلوا ابناء الذين امنوا معه واستحيوا نساءهم۔ (پارہ ۲۴ سورہ مومن آیت)

جو لوگ موسیٰؑ پر ایمان لائے ہیں، ان کے بیٹوں کو قتل کر دو اور لڑکیوں کو زندہ چھوڑ دو۔

پھر دیکھیے جناب عیسیٰ علیہ السلام کو اسی تبلیغ حق کے جرم میں کیسے کیسے مظالم کا نشانہ بنایا گیا اور جناب خاتم الانبیاء ﷺ پر مصائب و شدائد کے وہ کوہ گراں گرائے گئے اور وہ وہ مظالم ڈھائے گئے کہ جن کے تصور سے ہی انسان لرزہ براندام ہو جاتا ہے۔ خود آنحضرت کا ارشاد ہے ما اوذی نبی کا اوذیت۔ جس قدر راہ حق میں مجھے (روحانی و جسمانی) اذیت و تکلیف دی گئی ہے اتنی کسی بھی نبی کو نہیں دی گئی۔ اور پھر آنحضرتؐ کی عترت اطہارؑ پر تو اقامہ دین اور احقاق حق و ابطال باطل کے جرم میں اس قدر مظالم ڈھائے گئے کہ ظلم و ستم کا خاتمہ ہی ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہمیشہ برابر ہوتا رہا۔

Scanned with CamScanner

مگر قابل غور بات یہ ہے کہ کیا ظلم و ستم کرنے والے کبھی ہادیان دین کے پائے ثبات میں لغزش واقع کرنے میں کامیاب ہو سکے؟ کیا ان کو اپنے صحیح مشن سے دست بردار کر سکے؟ کیا ان کی مقدس گردنوں کو باطل کے سامنے خم کر سکے؟ نہیں اور ہرگز نہیں، تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ ان بزرگواروں نے ہمیشہ باوجود فضا کے ناموافق ہونے کے چراغ ہدایت برابر روشن رکھے اور جب کبھی حالات نے بہت ہی نازک صورت اختیار کر لی تو اپنی مقدس گردنیں کٹوالیں اور نوک سنان پر چڑھوالیں۔ مگر ان کو باطل کے سامنے جھکانا یا باطل کی ہاں میں ہاں ملانا گوارا نہ کیا۔

ولنا فی الانبیاء والائمۃ اسوۃ حسنۃ ؎

کب دبدبہ جبر سے دبتے ہیں کہ جن کے
ایمان و یقین دل میں کیے رہتے ہیں تنویر

جوابی کتب کا غیر متناہی سلسلہ

جب سے ان حضرات نے اختلاف وافتراق کا یہ موجودہ قبیح سلسلہ شروع کیا ہے ہم نے ہر سطح پر واشگاف الفاظ میں کہا ہے کہ اگر اس فتنہ سامانی اور ہنگامہ آرائی سے ان حضرات کے کچھ ذاتی اغراض و مفادات وابستہ نہیں ہیں تو پھر دو باتوں میں سے ایک قبول کریں۔

① باہم بیٹھ کر علمی سطح پر گفتگو کر کے کوئی صحیح حل تلاش کریں۔

② یا اپنے دینی و ملی مرکز نجف اشرف کے مجتہد اعلم کی طرف رجوع کریں۔ پھر پوری قوم ان کے مدلل و مکمل فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے۔ نہ صرف ہم بلکہ کئی ہمدرد ان قوم وملت اس سلسلہ میں مخلصانہ کوششیں کر کر کے تھک گئے ہیں۔ مگر اس سلسلہ میں ؏

واں ایک خامشی ہے ان سب کے جواب میں

اس سے یہ حقیقت نصف النہار کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان لوگوں کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ فساد ہے، قوم کا سنجیدہ طبقہ ان کی اس روش و رفتار سے بیزار بھی ہے اور حیران و پریشان بھی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہے کہ

ما مریداں رو بسوئے قبلہ چوں آریم چوں
رو بسوئے خانہ خمار دارد پیر ما

ان حضرات کی روش سے کچھ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی نگاہ میں فی زمانہ دین کی خدمت اصول الشریعہ کی جواب نویسی میں ہی منحصر ہے، وبس۔

Scanned with CamScanner

لکھنے والوں کے انواع و اقسام

ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ لکھنے والوں کی متعدد قسمیں ہیں، کچھ اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر قلم اٹھاتے ہیں، کچھ قوم وملت کی خدمت کے لیے دست وقلم کو جنبش دیتے ہیں اور کچھ دین و مذہب کی حمایت کے صالح جذبہ سے سرشار ہو کر میدانِ تحریر میں قدم رکھتے ہیں۔ اہل قلم کے انہی اقسام میں سے ایک قسم ان لکھنے والوں کی بھی ہے جو محض اس لیے قلم اٹھاتے ہیں کہ اس سے دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ بھی موجود ہیں۔ اس لیے وہ اپنی ذات کی معرفی کرانے اور سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے بڑے بڑے علماء و فضلاء کے کلام پر غلط سلط تنقید کر کے اپنی اس خواہش کی تکمیل کرتے ہیں۔

مشہور ہے کہ ایک مشہور شاعر کا بیٹا بدقسمتی سے نالائق نکلا، جس کا اس کے عظیم والد کو بڑا صدمہ تھا اور ہر وقت اپنے اس نالائق فرزند کو شہرت کے بام عروج پر پہنچانے کی فکر و تدبیر میں غلطاں و پیچاں رہتا تھا۔ بالآخر بڑے غور و فکر کے بعد اسے ایک تدبیر سوجھی، بیٹے کو بلا کر کہا کہ میری وفات کے بعد بڑے مسلم الثبوت اساتذہ فن شعراء کے کلام کو سامنے رکھ کر ان پر غلط سلط تنقید کر دیا کرنا، اس سے سادہ لوح عوام پر تمہاری قابلیت کی دھاک بیٹھ جائے گی اور وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر یہ بہت بڑا شاعر نہ ہوتا تو اتنے بڑے جلیل القدر شعراء کے کلام پر تنقید کیوں کر کرتا۔ بنا بریں بہت سے لکھنے والے محض اس نظریہ کے تحت قلم بکف ہو کر اپنے نامہ اعمال کی طرح کاغذ سیاہ کرتے ہیں اور علماء اعلام کے منہ لگتے ہیں کہ اس طرح ان کو سستی شہرت حاصل ہو جائے۔ اور عام لوگ ان کو بھی عالم و فاضل سمجھیں۔ چنانچہ اصول الشریعہ کے خلاف قلم بکف صف آراء حضرات میں ہر قسم کے لوگ نظر آتے ہیں۔ اس کھیپ میں کچھ مادرزاد علامے، کچھ خانہ ساز مولانے اور کچھ علم و فضل سے عاری ملانے بڑے بڑے کارنامے انجام دے رہے ہیں۔ اگر عمر کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس صف میں کچھ بڈھے اور کچھ بچے ہیں اور اگر ان کے علمی و عملی حالات و کوائف پر اجمالی نگاہ ڈالی جائے تو بقول شاعر اس منڈی میں ہر قسم کا مال موجود ہے۔ مثلاً: ؎

کچھ جھوٹے ہیں کچھ سچے ہیں کچھ بڈھے ہیں کچھ بچے ہیں
کچھ فتنہ و شر کے بانی ہیں کچھ دین کے دشمن جانی ہیں

Scanned with CamScanner

کچھ مفتی اور ملانے ہیں کچھ جاہل اور سیانے ہیں
کچھ ابن علیؒ کے تاجر ہیں، کچھ کاسہ لیس مہاجر ہیں
بولیں تو خطیب شہر بھی ہیں گھولیں تو سیاسی زہر بھی ہیں
کچھ موتی ہیں کچھ مالا ہیں کچھ دال میں کالا کالا ہیں
مگر بایں ہمہ اب سب کے سب ع ؎
اب قوم کی خاطر مرتے ہیں اسلام کا بھی دم بھرتے ہیں

اندکے غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدم
کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

ان جوابی کتب میں کیا ہے؟

صرف اصول الشریعہ کے برائے نام قریباً آٹھ دس جوابات اس وقت تک منظر عام پر آچکے ہیں اور ہنوز یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔ ہم اگر ان کے مولفین کا علمی جدود اربعہ بیان کریں اور ان کے علمی شاہکاروں کا مکمل تجزیہ پیش کریں تو ان کو شکایت ہوگی، جبین ناز پہ شکنیں ابھریں گی اور آبگینہ ہائے دل کو ٹھیس لگے گی، اور یہ بات ہمیں گوارا نہیں ہے۔ ؎

خیال خاطر احباب چاہیے ہر دم
انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

البتہ اس سوال کہ ان کتب میں کیا ہے؟ کے جواب میں اس قدر عرض کرنے کی جسارت کریں گے کہ ان میں اکثر و بیشتر (الغرض الجل لولا الکل) کذب وافتراء پردازی، دجل وفریب سازی، اتہام والزام تراشی، سب وشتم، تنابز بالالقاب اپنی خودستائی، دوسرے اہل علم وایمان کی رسوائی، ابلہ فریبی ودھوکا دہی، ہجو وطنز اور اخلاق باختگی سے لبریز اور علمی حقائق ودقائق اور اندار شرافت سے عاری ہونے کا وہ غلیظ پلندہ ہیں کہ (باستثناء آیات مبارکہ واسماء مقدسہ) اگر ان کو جلایا جائے اور کوئی صحیح و تندرست آدمی وہ آگ تاپ لے تو بعید نہیں کہ وہ کوڑھ کے مرض میں مبتلا ہو جائے۔

بعض حضرات نے وہ انداز تحریر اختیار کیا ہے کہ اس نے بھانڈوں کو بھی مات کر دیا ہے اور بعض میں مطالب خود لکھنے والوں کے خیالات کی طرح یوں پریشان ومنتشر ہیں کہ ان پر کشکول

Scanned with CamScanner

ہونے کا گمان ہوتا ہے اور بعض کی زبان وہ جتاتی ہے جس پر ع
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی
صادق آتا ہے۔ الغرض ان جوابی کتب میں سوائے سخت عقیدہ، علی شان، اور تحقیق جھلک کے باقی سب کچھ ہے، دوسرے لفظوں میں مخالفت برائے مخالفت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

تضاد ہی تضاد

یہ بات کسی دلیل و برہان کی محتاج نہیں ہے کہ جو سچا نہ ہو اس کے کلام میں تناقض و تضاد ضرور ہوتا ہے۔ خدائے رحمٰن نے قرآن میں اختلاف و تناقض کے نہ ہونے کو اس کی حقانیت و صداقت کا برہان بنا کر پیش کیا ہے۔

ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافا کثیرا۔

(اگر یہ غیر خدا کا (من گھڑت) کلام ہوتا تو ضرور اس میں اختلاف موجود ہوتا۔)

اس مسلمہ قاعدہ کی صداقت اس وقت اور بھی اُجاگر ہو جاتی ہے جب ان جوابی کتب کے مندرجات پر طائرانہ نگاہ ڈالی جاتی ہے۔ یہ لوگ حب جاہ، سستی شہرت حاصل کرنے کی چاہ اور ہماری اندھا دھند مخالفت کے جنون سے مجنون ہو کر اس وادی پُر خار میں کود تو پڑے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ خود ان کے بیانات تضاد و تناقض کا بدترین نمونہ ہیں۔ ایک کا رُخ مشرق کی طرف ہے تو دوسرے کا مغرب کی جانب اور ایک کا منہ جنوب کی سمت ہے تو دوسرا شمال کی طرف متوجہ ہے۔ گویا کہ وہ زبان حال سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں ؎

کبھی گرتا ہوں ساغر پر کبھی جھکتا ہوں مینا پر
مری بے ہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

ہم ذیل میں ان حضرات کے مختلف النوع تضادات کا بطور نمونہ مشتے از خروارے پیش کرتے ہیں۔ تفصیل کے لیے مستدرک کے ان حضرات کے مضامین میں گنجائش نہیں ہے۔ ع

سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ایک مؤلف کا دوسرے مؤلف سے تضاد

ان حضرات کا یہ تضاد کئی قسم کا ہے۔ ایک کا دوسرے سے اختلاف ایک ہی مؤلف کی ایک ہی تالیف میں باہمی اختلاف، ایک مؤلف کی دو کتابوں میں اختلاف اور مؤلف و ناشر میں اختلاف۔

ہم بڑے اختصار کے ساتھ ذیل میں ان اختلافات کے بعض نادر نمونے پیش کرتے ہیں، پہلے عنوان بالا کے متعلق چند نوادر ملاحظہ ہوں۔

① موجودہ اختلاف کے بیان سبب میں اختلاف:

ایک صاحب لکھتے ہیں ہمارا اور حضرات معلمین کا اختلاف و باہمی مقابلہ کفر و ایمان کا مقابلہ نہیں، بلکہ تعظیم و توہین کا مقابلہ ہے۔ (حقائق الوسائط[1] صفحہ ۲۳)

دوسرے صاحب لکھتے ہیں: باختلاف تکلیف عباد ان کا مناط و عجات ایمان سے ہے۔ (جواہر الاسرار صفحہ ۱۵ ۲) موجودہ مسائل اختلافیہ شیعین پاکستان میں فریقین کا ہر شخص مومن قرار پاتا ہے۔ (ایضاً)

② ائمہ اہل بیتؑ کی طرف خلق و رزق کی نسبت دینے میں اختلاف:

۳۲ حضرات کے دستخطوں سے شائع شدہ رسالہ حقائق مذہب اہل بیتؑ کے صفحہ ۱۰ سوال، کیا آنحضرت ﷺ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء و اماتت و خلق و رزق کے کام کرتے ہیں۔ کے جواب میں لکھا جاتا ہے: یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے۔ کون کہتا ہے کہ خلق و رزق و اماتت و احیاء ان کی ڈیوٹی ہے، یہ تو ان کے غلاموں کی ڈیوٹی ہے۔ (حقائق العقائد[3] صفحہ ۱۹۵)

---

[1] نام سے ہی خاندانی عقلمندی ٹپک رہی ہے۔ نام ہے حقائق الوسائط یعنی محمد و آل محمد علیہم السلام کی حقیقتیں اور ساری کتاب میں ثابت یہ کیا ہے کہ ان کو سمجھنے سے عقول عاجز ہیں۔ منہ عفی عنہ

[2] ہم نے دلائل عقلیہ و شرعیہ کے کیمیاوی تجزیہ سے ان مصنوعی جواہر کا خزف ریزے ہونا ثابت کر دیا ہے۔

[3] نام ہے حقائق العقائد مگر کتاب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف صاحب ہنوز وادی شک و ریب میں چکر لگا رہے ہیں۔ کہیں فرماتے ہیں کیا ممکن نہیں ہے کہ مندرجہ بالا آیت میں رسول اسلامؐ پر جس وحی کا ذکر ہے وہ وہی فطری طاقت ہو۔ (صفحہ ۱۴۴) اور کہیں لکھتے ہیں جب خدا کے منتخب ولی ہو سکتے ہیں تو شفیع و نصیر بھی ہو سکتے ہیں۔ (صفحہ ۱۰۵) افسوس تو اس بات کا ہے کہ جن کو امکان عقلی و امکان وقوعی کا فرق بھی معلوم نہیں وہ بھی علمی مباحث میں پڑ کر کتابیں لکھ رہے ہیں اور عالم کہلانے پر مصر ہیں۔ منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

لیکن ایک صاحب لکھتے ہیں: اسی طرح ہم ان ذوات مقدسہ کو خالق و رازق اور محی و ممیت اور حاضر و ناظر تسلیم کرتے ہیں۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۹۰ و ۱۶۰)

ایک اور صاحب لکھتے ہیں: معلوم ہوا کہ خلق و رزق و احیاء و اماتت وغیرہ باذن اللہ ملائکہ و غیر ملائکہ انجام دیتے ہیں۔ اور آنحضرتؐ کی طرف ان کاموں کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی توہین ہے۔ (معالم الشریعہ صفحہ ۲۰۵)

ایک اور صاحب لکھتے ہیں: اس شرح سے معلوم ہوا کہ تمام امور کا اجراء یہی ذوات مقدسہ کرتے ہیں اور ان کا وظیفہ یعنی ڈیوٹی ہے جو ان کے شایان شان ہے۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۸۰)

ایک اور صاحب لکھتے ہیں: اور بعد خلق کائنات تدبیر عالم ان بزرگواروں کو خدا نے تفویض کیا ہے۔ (اسرار الشریعہ فی عقائد اثنا عشریہ صفحہ ۱۵۲ [1])

جمیع مخلوق کے امور اللہ تبارک نے ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو تفویض کر دیے ہیں۔ (ایضاً صفحہ ۲۸۹)

اس کے ساتھ صاحب حقائق العقائد (بر صفحہ ۴۸) کا یہ فتویٰ بھی دید کے قابل ہے کسی شیعہ کا یہ دعویٰ نہیں کہ ان کے سپرد ہے۔ یہ تہمت بالائے تہمت ہے۔ کسی شیعہ کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یہ کام ان کے غلاموں کے سپرد ہیں۔ ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

③ ائمہ کے پاس ملائکہ کیوں آتے ہیں؟ اس میں اختلاف ہے!:

ایک صاحب لکھتے ہیں: حق تعالیٰ اپنے تمام مقدر امور کے احکام کو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں مشاورت پیش کرتا ہے اور پھر ان کو کائنات میں ملائکہ کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے۔ جس کا مقصد محض ان حضرات معصومینؑ کی عظمت و جلالت اور رفعت شان کا اظہار ہے نہ یہ کہ یہ ذوات مقدسہ ان کے افعال و اختیارات میں شریک یا مشاور ہیں۔ (جواہر الاسرار صفحہ ۵۴)

---

[1] صرف نام سے ہی مولف کی علمی لیاقت و قابلیت کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ کس قدر مضحکہ خیز ہے کہ اس قسم کے جہال کے دو میں ہو لوگ بھی علمی مباحث میں حصہ لے کر علماء سے ابھر رہے ہیں جو کتاب کا صحیح نام تجویز کرنے کی بھی لیاقت نہیں رکھتے۔ دوسری عبارتوں کو بجائے خود رہنے دیں چند سطریں بھی صحیح گرامر کے مطابق لکھنے کی استعداد کے مالک نہیں۔ صحیح تو یہ ہے کہ جو چند کتابیں پڑھ کر علمی

دوسرے صاحب لکھتے ہیں: اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ صرف اضافہ علم ہے یا تعظیماً وسلام کی خاطر ولی زمانؑ کے پاس فیصلہ شدہ امور اور ملائکہ لے کر آتے ہیں تو پھر یہی کہا جاسکتا ہے کہ دعاوی اہل بیت علیہم السلام کا منہ چڑانا ہے۔ (اسرار الشریعہ صفحہ ۲۹۰)

تیسرے صاحب لکھتے ہیں: لیکن جب امور کے اجراء کا وقت آتا ہے تو ان تمام مقدرات کا علم محمد وآل محمد علیہم السلام کو عطا ہوتا ہے اور ان کے ذریعے فیصلہ شدہ امور کا اجراء ہوتا ہے اور یہ حضرات اپنے خدام یعنی فرشتوں کو مامور کر دیتے ہیں۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۱۰)

④ ائمہؑ کے قدیم ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف:

ایک صاحب لکھتے ہیں: چونکہ محمد وآل محمد علیہم السلام خلقت میں سب سے سابق ہیں لہٰذا قدیم ہیں۔ کیونکہ سابق الموجودات ہیں۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۶۱) دوسرے صاحب فرماتے ہیں: ائمہ معصومینؑ کو قدیم نہ مانا جائے کیونکہ یہ صفت مختص بہ پروردگار عالم ہے۔ (معالم الشریعہ صفحہ ۲۰۶)

⑤ نور و بشر کے مسئلہ میں اختلاف:

ایک صاحب لکھتے ہیں: اور تھے بھی مجسم نور۔ (حقائق العقائد صفحہ ۱۲۳) دوسرے صاحب لکھتے ہیں: ہمارے ساتھ بشریت میں مشارکت رکھتے ہیں۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۰)

⑥ نور کی تعریف میں اختلاف:

ایک صاحب لکھتے ہیں: نور روشنی کو کہتے ہیں۔ (حقائق العقائد صفحہ ۱۴۷)

اس سے ظاہر ہے کہ نور عرض ہے۔

دوسرے صاحب لکھتے ہیں:

النور هو الظاهر بنفسه و المظهر لغيره۔

یعنی جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو اور وہ اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۲۰۱)

قطع نظر ترجمہ کی صحت وسقم سے، اس تعریف میں نور کو جوہر تسلیم کیا گیا ہے۔

⑦ مؤلف کوکب دری کے مذہب میں اختلاف:

ایک صاحب لکھتے ہیں: وہ اہل سنت میں سے تھا۔ (معالم الشریعہ صفحہ ۸۷)

دوسرے صاحب اسے شیعہ بتاتے ہیں۔ (جواہر الاسرار صفحہ ۶۳)

Scanned with CamScanner

ایک مؤلف کا اپنی دو کتابوں میں تضاد

جیسا کہ سطورِ بالا میں بیان کیا جا چکا ہے اس تضاد کی دوسری قسم یہ ہے۔ ایک مؤلف کی دو تالیفوں میں اختلاف و تضاد ہے۔ اس کے بھی بعض نمونے ملاحظہ ہوں۔ موجودہ بحران العقائد سے پہلے جو کچھ لکھا وہ ہمارے بیان کردہ حقائق کے مطابق ہے اور جب ہماری ضد و مخالفت میں قلم اٹھایا تو اپنے سابقہ بیانات پر بھی بیک جنبش قلم پانی پھیر دیا۔ چنانچہ "دینیات کورس حصہ ج" میں لکھا ہے کہ "معجزہ فعل خدا ہے"۔

مگر اسی مؤلف نے موجودہ کتاب "حقائق العقائد" صفحہ ۳۳ و ۴۷ وغیرہ کئی مقامات پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ: "معجزہ نبیؑ و امامؑ کی قوت سے ظہور پذیر ہوتا ہے"۔

رسالہ "دینیات" حصہ ج پر لکھا ہے: نبیؑ و امامؑ انسان کامل ہوتا ہے مگر "حقائق العقائد" صفحہ ۱۱۸ تا ۱۲۳۔ نیز صفحہ ۲۲۰ پر بظاہر ان کی نوع علیحدہ اور ان کو فوق البشر ثابت کرنے کی لاحاصل سعی کی گئی ہے۔

ایک ہی مؤلف کا ایک ہی کتاب میں تضاد

یہ اس گروہ کے تضادات کی تیسری قسم ہے کہ ایک ہی مؤلف کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی کتاب میں کہیں کچھ لکھا ہے اور کہیں کچھ۔ چنانچہ صاحب "حقائق الوسائل" صفحہ ۱۹ پر موجودہ اختلاف کے متعلق لکھتے ہیں: "کفر و اسلام کا نہیں بلکہ تعظیم و توہین اہل بیتؑ کا مقابلہ ہے"۔ مگر صفحہ ۳۵۶ پر انہی عقائد کی وجہ سے علماء حق پر کفر کے تمام احکام نافذ کرتے ہوئے لکھا ہے: معظمین کا ذبیحہ حرام، ان کی اقتداء میں نماز باطل، ان کی گواہی مردود، ان کو زکوٰۃ دینا گناہ ثابت ہے۔

اسی طرح صفحہ ۳۵۷ پر لکھا ہے کہ: "معجزات انبیاء ائمہؑ ہی کے افعال ہیں"۔ مگر صفحہ ۳۱۳ پر لکھا ہے: "اصطلاحی معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مدمقابل کے مطالبہ کے وقت دکھایا جاتا ہے اور وہ سفارت کی سند کے طور پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں ہوتا"۔

اسی کتاب کے صفحہ ۳۵۶ پر علماء حق پر محض اس جرم کی پاداش میں کفر کا فتویٰ عائد کیا ہے کہ وہ معجزہ کو فعل خدا مانتے ہیں۔ اس لیے بوجہ مجبرہ ہونے کے محکوم بکفر ہیں۔ اور یہاں خود اعتراف کر رہے ہیں کہ اس میں نبی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ یعنی نبی اس سلسلہ میں مجبور ہے۔ کیونکہ خدا کا فعل ہے تو اس

Scanned with CamScanner

طرح اپنے فتوی کی زد میں خود بھی آ گئے۔ ؎

لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

صفحہ ۹۹ پر لکھا ہے: "وہ وحدہ لاشریک ہے"۔ مگر صفحہ ۱۶۰ پر پہنچ کر یہ لکھا کہ: "ہم محمد و آل محمد علیہم السلام کو خالق و رازق، محی و ممیت تسلیم کرتے ہیں اور اس حدیث کی روشنی میں ان حضرات کو تمام صفات خدا کے ساتھ متصف مانتے ہیں اور یہی اعتقاد حق ہے"۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خدا تعصب و عناد اور حسد و لداد کا برا کرے کہ یہ صفاتِ رذیلہ انسان کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیتی ہیں۔ ؎

شجر ہے فرقہ آرائی تعصب ہے ثمر اس کا
یہ وہ پھل ہے جو جنت سے نکلواتا ہے آدمؑ کو

ایک اور صاحب اپنی کتاب معالم الشریعہ فی النقد و التبصرۃ علی عقائد الشیعہ من ناقدہ کلب باب العلیؑ [1] صفحہ ۱۱۰ پر لکھتے ہیں:

جہاں تک اللہ کی معرفت اور اس کی توحید کا تعلق ہے وہ ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے اور ہم پر اسی قدر واجب ہے کہ ہم اس کی وحدانیت کے قائل ہو جائیں، خواہ ذات میں ہو یا صفات میں، افعال میں ہو یا عبادات میں ہے۔

مگر صفحہ ۲۰۶ پر لکھتے ہیں: ربوبیت سے تنزیل کا صرف یہی مقصد ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو قدیم نہ مانا جائے کیونکہ یہ صفت مختص بہ پروردگار عالم ہے۔ یہ صفت کسی ممکن کے لیے نہ بالذات ممکن ہے نہ باذن اللہ ممکن ہے، نہ حقیقتاً نہ مجازاً۔ اور باقی صفات کا باذن اللہ ممکن میں وجود ممکن ہے۔

لیکن صفحہ ۶۴ پر لکھا ہے: وہ نہ رب ہیں بلکہ اس کے بندے ہیں۔ صفحہ ۱۲۳ پر توقیع مبارک کا غلط ترجمہ کرتے ہوئے اپنا عقیدہ یوں ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اپنے رب کی بلا واسطہ صنعت ہیں اور باقی مخلوق ہماری صنعت ہے۔ مگر صفحہ ۲۰۵ پر لکھا ہے: اور آنحضرتؑ کی طرف ان کاموں (خلق و رزق و اماتت و احیاء۔ ناقل) کی نسبت دینا ان ذوات مقدسہ کی توہین ہے۔ کیونکہ یہ تمام کام ان کے

---

[1] علمی جلالت و جزالت کی شعاعیں نام سے ہی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں۔ ارباب علم کے لیے مقام تدبر ہے کہ جس کتاب کے صرف نام میں ہی چند علمی غلطیاں موجود ہوں اس کے دوسرے مندرجات و مطالب کی صحت کا کیا عالم ہوگا؟ ع قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔ یہ کتاب بالفاظ مناسب: ننگ شیعہ یا معالم الاقوال الشیعہ ہے۔ قدیر (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نوکروں چاکروں کا ہے۔ ع

کبھی اقرار کرتے ہیں کبھی انکار کرتے ہیں

ایک اور صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں: ائمہ اہل بیتؑ خالق عالم نہیں ہیں۔ ایسے عقیدہ کو احادیث صحیح روکتی ہیں۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ نے اعتقادیہ لیلیہ میں تحریر فرمایا ہے:

لا تعتقد انهم خلقوا العالم بامرالله فانا قد نهينا فی صحاح الاخبار عن القول به۔

یہ اعتقاد نہ رکھو کہ ائمہؑ اللہ کے امر سے عالم کو پیدا کیا، کیونکہ صحیح احادیث میں اس اعتقاد سے روکا گیا ہے۔ (حقائق العقائد صفحہ ۳۰)

مگر صفحہ ۳۴۷ پر پہنچ کر یہ لکھتے ہیں: پس اس قاعدہ کی رو سے ثابت ہے کہ غیر اللہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام خالق و رازق ہیں۔ فعل خلق و رزق ان کا فعل ہے اور یہ شرک نہیں۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

سچ ہے: "دروغ گو را حافظہ نہ باشد"۔

مؤلف و ناشر کا باہمی تضاد

اس سلسلہ میں تضاد بیانی کی یہ آخری قسم ہے کہ ایک شخص کتاب تالیف کرتا ہے، دوسرا اپنے حواشی اور نوٹس دے کر شائع کرتا ہے لیکن بموجب ع من چہ سرایم و طنبور دام چہ سراید مؤلف کچھ کہتا ہے اور ناشر کچھ۔ ایک کا رخ ایک طرف ہے اور دوسرے کا دوسری طرف۔ مثلاً:

صاحب جواہر الاسرار صفحہ ۵۰ پر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں کہ:

"بندوں کے رزق ائمہ معصومینؑ کے دستہائے مبارکہ سے جاری کیے جاتے ہیں"۔

مگر ناشر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ پر یوں لکھتے ہیں:

"بندوں کے رزق کا ائمہ طاہرینؑ کے ہاتھوں پر جاری کرنے سے مراد آپؑ کے وسیلہ و برکت اور توسط سے جاری کرنا ہے"۔

اسی کتاب کے باب چہارم صفحہ ۱۱۰ پر بزعم خود مؤلف نے آنحضرتؐ اور ائمہ معصومینؑ کے عالم غیب ہونے کا اثبات کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ مگر ناشر نے صفحہ ۱۲۰ کے حاشیہ پر یہ کہہ کر سرے سے اس بحث کو لایعنی قرار دے دیا کہ جہاں تک حقیر نے فریقین کی عبارات علم غیب سے متعلق دیکھی ہیں سوائے لفظی و اصطلاحی اختلاف کے کچھ نہیں پایا۔

اسی طرح مرتب کتاب نے باب ششم صفحہ ۱۶۸ پر بزعم خود یہ ثابت کرنے کے لیے بہت ہاتھ

Scanned with CamScanner

پیر مارے ہیں کہ: "آنحضرتؐ اور ائمہؑ اطہارؑ حاضر و ناظر ہیں"۔ مگر اسی صفحہ کے ذیلی حاشیہ میں ناشر صاحب رقمطراز ہیں:

نحن لا نقل بالحاضر الا الحاضر بالقوۃ و لا نقول فی بھم موجودون فی کل مکان باجسام عدیدۃ و لا یخلو منھم مکان۔

"حاضر سے مراد حاضر بالقوۃ ہے نہ کہ بالفعل۔ چنانچہ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ متعدد اجسام کے ذریعہ ہر جگہ موجود ہیں اور ان سے کوئی جگہ خالی نہیں، البتہ ایسا ہے کہ اگر یہ ذواتِ مقدسہ کسی جگہ حاضر ہونا چاہیں تو آنِ واحد میں خدا کی قدرت سے حاضر ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ جگہ ہزار میل دور ہو یا نزدیک"۔

ہم نے بلا نقد و تبصرہ ان تضادات و تناقضات کے چند نادر نمونے قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لیے یہاں پیش کر دیے ہیں، جن کو دیکھ کر بابصیرت ناظرین ان حضرات کی دینی بصیرت اور تفقہ فی الدین کا بآسانی اندازہ لگا سکتے ہیں۔ نیز تحقیق پسند طبائع انہی اختلافات و تضادات کے اندر اصل حقیقت کا بھی سراغ لگا سکتی ہیں۔ ؎

سکوتی بیان عندھا و کلام
وفیہ عبرۃ للعاقلین

لیکن آہ! ما اکثر العبر و اقل الاعتبار فھل من مدکر

مجلس چو برشکست تماشا بما رسید
در بزم چوں نماند کسے جا بما رسید

افسوس! ع

جب اُٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

ایک کھلی حقیقت

کسی کتاب کا جواب ایک ہوتا ہے، کسی کے دو یا زیادہ سے زیادہ تین، مگر اصول الشریعہ کے اب تک آٹھ دس جوابات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اور نہ رکنے والا یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ع

نہ منزل کے سہارے پر نہ رہبر کے اشارے پر

Scanned with CamScanner

تو اب حقیقت حال دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو ان حضرات کے دل و دماغ پر یہ بات مسلط ہے کہ ان سے اصول الشریعہ کا جواب نہیں دیا جا رہا، جیسا کہ ان میں سے ہر ایک اپنی کتاب کو سراہتے ہوئے دوسرے کی کتاب کو لاشی ظاہر کر رہا ہے۔ (کما سمع عن بعض الثقات) یا یہ حضرات اس جواب نویسی اور کتب فروشی کو آمدنی کا ایک معقول ذریعہ اور علمی میدان میں سستی شہرت حاصل کرنے کا آسان وسیلہ سمجھتے ہیں۔ بہر حال ؎

توئی نشناسندہ راز است و گرنہ
اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است

ہمارا ردعمل

خدائے قدیر نے ہمارے قلم میں بفضلہٖ تعالیٰ اس قدر طاقت و توانائی ودیعت فرمائی ہے کہ اگر چاہیں تو بموجب کلوخ انداز را سنگ پاداشت است و بفحوی البادی اظلم تیر کا جواب پتھر سے دے سکتے ہیں۔ اور انہی کے ردیف قافیہ میں جواب آں غزل پیش کر سکتے ہیں اور اگر دین کی اس اجارہ دار مقدس جماعت کی کتاب زندگی کے صرف چند اوراق پریشان کو منظر عام پر لائیں تو ان کے لیے عرصہ حیات تنگ و زندگی تنگ اور سر چھپانے کے لیے جگہ عنقا اور ان کا سارا گھروندا ہی پادر ہوا ہو جائے [1] اور ہوں گے بھی اس کارروائی میں حق بجانب مگر بوجوہ ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے۔

---

[1] جس وقت یہ سطور لکھی جا رہی ہیں پاک و ہند کی جنگ زوروں پر ہے، اس وقت بھی خطرہ کا سائرن بج چکا ہے۔ ہوائی حملوں کا سلسلہ جاری ہے، ہماری شیر دل افواج ہر محاذ پر بزدل بھارتیوں کو تیر کا جواب پتھر سے دے کر ذلت آمیز شکست دے رہی ہیں۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ باوجودیکہ دشمن کا اسلحہ اور تعداد ہم سے کئی گنا زیادہ ہے لیکن فتح و نصرت ہر محاذ پر پاک فوج کا مقدر بن کر ان کے پاؤں چوم رہی ہے۔ کیوں؟ محض اس لیے کہ پاکستانی حق پر ہیں اور ایک عظیم مقصد کے لیے لڑ رہے ہیں، جبکہ مخالف کا کوئی بلند نصب العین نہیں، بلکہ محض توسیع پسندانہ عزائم کی تکمیل کے لیے بے پناہ مادی طاقت کے گھمنڈ و بل بوتے پر پنجہ آزمائی کر رہا ہے۔ لیکن ہماری ضرب توحید (لا الہ الا اللہ) اور یلغار رسالت (محمد رسول اللہ) اور نعرۂ حیدریؓ (علی ولی اللہ) کی گونج کے سامنے دشمن کے طیارے وٹنگ دمنی ہوئی کپاس کی طرح فضائے محیط میں اڑتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔ ان مناظر کو دیکھ کر اب مادہ پرست دنیا بھی یہ بات سمجھنے لگی ہے کہ کامیابی و کامرانی کے لیے صرف مادی وسائل کی فراوانی کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لیے زور حیدر، فقر بوذر، صدق سلمانی کی اشد ضرورت ہے۔ اور یہ کہ حق بذات خود وہ عظیم طاقت

Scanned with CamScanner

اولاً اسولاً ہم پر جواب دہی کی ذمہ داری عائد ہی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہم نے اس کتاب کی طبع اول میں جواب نویسی کے لیے دس شرائط مقرر کی تھیں، جن میں سے پہلی اور اہم شرط یہ تھی کہ ہمارے دلائل و براہین کو من وعن نقل کر کے جواب دیا جائے، تاکہ تصویر کے دونوں رخ سامنے آ جانے کے بعد قارئین کرام کو حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے میں آسانی ہو۔ مگر ان بزعم خود جواب نویسندگان میں سے کسی کو بھی یہ توفیق نصیب نہیں ہوئی کہ ہمارے پیش کردہ دلائل کو مس بھی کرے۔ البتہ ان لوگوں کو کتر بیونت کرنے، خلط مبحث کرنے، اور عبارتوں کو توڑ موڑ کر رائی کا پہاڑ بنانے میں یدِطولیٰ حاصل ہے۔ نہ معلوم "وانتم سکاریٰ" کو علیحدہ کر کے صرف "لا تقربوا الصلوۃ" پیش کرنے والی ذہنیت اس گروہ نے کس مدرسہ میں زانوئے ادب تہ کرنے سے حاصل کی ہے۔

ثانیاً تقریر و تحریر میں سب وشتم اور کذب، افتراء اور غوغہ آرائی کی ان حضرات نے جو نیو رکھی ہے وہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی سیرت و کردار اور اخلاق و اطوار سے بمراحل دور ہے، بلکہ اس سے دشمنانِ اہل بیتؑ کے کردار کا عکس آشکار ہوتا ہے۔ اس لیے سیرت آل محمدؐ اس قابل مذمت روش و رفتار کے اختیار کرنے سے مانع ہے۔ ہم سب کچھ برداشت کر سکتے ہیں مگر خانوادۂ عصمت و طہارتؑ کی مقدس سیرت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں چھوڑ سکتے۔ ولکل وجھۃ ھو مولیھا۔ اور یہی رب العباد کا ارشاد ہے کہ فادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن۔

مسلمان تو بجائے خود خدائے رحمٰن کا تو یہ فرمان ہے کہ اہل کتاب سے بھی احسن طریقہ پر گفتگو کرو۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: ولا تجادلوا اھل الکتاب الا بالتی ھی احسن۔ بنابریں اپنوں کے ساتھ کیونکر شدت و غلظت برتی جا سکتی ہے؟ ورنہ انہی کے ردیف قافیہ میں اس انداز میں جواب آں غزل

ہے کہ اس کے بلند پرچم کو دنیا کی کوئی بھی طاقت پست و سرنگوں نہیں کر سکتی انشاء اللہ العزیز۔ آخری فتح ہماری ہوگی۔ اس لیے کہ ہم حق پر ہیں۔ اسی طرح مولویوں کی اس جنگ زرگری میں بھی جہاں ہمارے مخالفین کو اپنی عددی کثرت اور وسائل کی برتری پر ناز ہے ہمیں اپنی حقانیت و صداقت پر فخر ہے۔ اس لیے بموجب الحق یعلو ولا یعلی علیہ اللہ بحانہ کی نصرت اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تائید ہمارے ساتھ ہے، اس لیے فتح و نصرت اور کامیابی و کامرانی ہمارا مقدر ہے۔ قدرت کاملہ کا وعدہ ہے: حقا علینا نصر المومنین۔ اس لیے ع

ممکن نہیں مٹانا نام و نشاں ہمارا

انشاء اللہ نصر من اللہ و فتح قریب۔ منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

پیش کر کے ان کی ضیافت طبع کی جاتی کہ ساری زندگی اپنے زخم چاٹتے رہتے۔ کیونکہ ؎

جراحات السنان لها التيام
و لا يلتام ما جرح اللسان

ہمیں بھی آتی ہے بات کرنی مگر نہ کہنا ہی خوب تر ہے
تمہاری خاطر یہ مانتے ہیں کہ تم سے ہم بے خبر رہے ہیں

ثالثاً ہمیں سخت اندیشہ ہے کہ اس نوک جھونک اور بیت بازی سے علماء کا رہا سہا وقار (جس کو یہ لوگ اپنے قول و فعل سے پہلے ہی سخت دھچکا لگا چکے ہیں) بھی خاک میں مل جائے گا، بلکہ اس طرح مذہب کا جنازہ نکل جائے گا اور اغیار واجانب یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ جس مذہب کے علماء کا یہ اخلاق و کردار ہے آں مذہب معلوم واہل مذہب معلوم۔

ہمیں ذاتی وقار و اقتدار سے مذہب وملت کی فلاح و بہبود زیادہ عزیز ہے۔ ہم سب کچھ گوارا کر سکتے ہیں مگر دین و مذہب کے وقار پر آنچ آنا برداشت نہیں کر سکتے۔ اس لیے ہم نے ان کے عائد کردہ ذاتی اتہامات اور خرافات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ ہاں البتہ اگر کتابوں میں کوئی توجہ کے لائق اور قابل جواب چیز تھی تو اسے نظر انداز بھی نہیں کیا، بلکہ پوری متانت ورزانت سے اس کا جواب پیش کر دیا ہے۔ بعد ازیں اب کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ فلاں جوابی کتاب لاجواب ہے۔

اگر یہ حضرات بنظر غائر "اصول الشریعہ" کے موجودہ ایڈیشن کا مطالعہ فرمائیں گے تو بزعم خویش اپنے تمام پیش کردہ دلائل و مسائل کا نقد جواب باصواب حاضر پائیں گے انشاء اللہ۔ ہمیں خدائے رحیم کے لطف و کرم اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی تائید و شفاعت پر بھروسا کرتے ہوئے یقین کامل ہے کہ یہ تمام جوابی کتب برساتی کیڑوں کی طرح کچھ عرصہ کے بعد اپنی موت آپ مر جائیں گی اور حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹ جائیں گی اور ہم نے جو مشعل ہدایت روشن کی ہے قیام قیامت تک دنیا اس کی ضیا پاشیوں سے استفادہ و استفاضہ کرتی رہے گی۔ انشاء اللہ ع

شہرت کتم بگیتی بعد من خواهد شدن

فقدمنا الى ما عملوا من عمل فجعلناه هباءً منثورًا

ہم نے بحسن توفیق گرز حق مار کر باطل کے سر کا مغز چکنا چور کر دیا ہے۔

Scanned with CamScanner

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغه فاذا هو زاحق۔ و الحمد لله رب العالمین علی حسن توفیقه لاحقاق الحق و ابطال الباطل بالدلائل و البراهین۔

توجہ طلب نکتہ

جس طرح قرون اولیٰ میں ذاتی اقتدار کے بندے اور نام نہاد لیڈران قوم حقیقی مصلحین یعنی انبیاء و مرسلین ﷺ کو انظارِ عامہ سے گرانے اور ان کے کلام کو غیر موثر بنانے کے لیے ان کو شاعر، مجنون، سفیہ، ضال، ساحر، کذاب اور نا معلوم کن کن قبیح القاب کے ساتھ یاد کیا کرتے تھے مگر ان امور کو حقیقت کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہ تھا۔ اس لیے عقلاء روزگار پر ان فتنہ پردازوں کے کذب و افتراء کا قطعاً کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ ہاں البتہ وقتی طور پر سادہ لوح لوگوں پر ان کے اس پروپیگنڈے کا کچھ اثر ضرور ہو جاتا تھا اور وہ ان کے دام تزویر میں آ جاتے تھے۔

بلا تشبیہ اسی طرح آج بھی منبر و محراب کے بعض اجارہ دار اور قوم کی قیادت و سیادت کے بلا شرکت غیرے دعویداروں نے بیچارے سادہ لوح عوام کو اپنے علمائے اعلام سے دور رکھنے اور اپنی اجارہ داری کی دکان چمکانے کی خاطر لفظ وہابی مقرر کر رکھا ہے۔ اس لیے جس عالم دین کی تذلیل کر کے اسے انظار عامہ سے گرانا اور اس طرح اس کے کلام کو غیر موثر بنانا مطلوب ہو تو اس پر فوراً وہابی ہونے کا فتویٰ عائد کر دیا جاتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ کاٹھ کی ہنڈیا زیادہ دیر چولھے پر نہیں ٹھہر سکتی اور نہ ہی کاغذ کی ناؤ زیادہ دیر تک سطح آب پر چل سکتی ہے۔ ع

جھوٹ کی ناؤ چلتی ہے کیونکر؟

اس لیے بہت جلد ان کی افترا پردازی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، اور دوسروں کو ذلیل و رسوا کرنے والے اپنے ہاتھ سے کھودے ہوئے کنوئیں میں گر کر خود ذلیل و رسوا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ارشاد رسولؐ ہے: من حفر بئرا لاخیه وقع فیه۔ یعنی چاہ کن را چاہ در پیش۔ ؎

میرے مخالفین ہمیشہ ہوئے ذلیل
میری فروتنی نے کیا مجھ کو ارجمند

اور اپنی کیفیت تو یہ ہے کہ ع

نہ گلہ ہے دوستوں کا نہ شکایت زمانہ

Scanned with CamScanner

سیر و وزیر ہیں سبھی نظر میں مشت خاک
پہنچا سکی نہ گردش دوراں مجھے گزند

الحق یعلو ولا یعلی علیہ۔

حق و حقیقت پر ہزار پردے ڈالے جائیں، مگر قدرت کاملہ اپنے دست قدرت سے ان تمام پردوں کو چاک کر دیتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ حق کا بول بالا ہوتا ہے۔ ع

وہ شمع کیا بجھے جسے روشن خدا کرے

مقام شکر ہے کہ اس گئے گزرے دور میں بھی کم ہی سہی (وقلیل من عبادی الشکور) ہماری قوم میں خدا کے فضل و کرم سے کچھ ایسے خود بین، خدا بین افراد موجود ہیں جو حق و باطل، عالم و جاہل اور صالح و طالح میں امتیاز کرنے کی اہلیت و لیاقت رکھتے ہیں۔ وہ وہ ہر فریق کی روش و رفتار، کردار و مختار اور اپنے اپنے موقف پر ان کے پیش کردہ دلائل کا جائزہ لے کر بآسانی حق و باطل کا فیصلہ اور علماء حق و علماء سو کے درمیان امتیاز کر سکتے ہیں اور کر رہے ہیں اور وہ اس بات کو بھی بآسانی معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ ہاؤ ہو اور فتنہ و فساد کی جو نیو گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی خاطر ہے، یا اس میں درد قوم و ملت کا جذبہ کارفرما ہے۔ بہرحال ؎

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہم نے اس کتاب میں یہ اہتمام کیا ہے کہ ہر ہر مسئلہ و موضوع پر پہلے قرآن مجید کی آیات محکمات پیش کی ہیں، اس کے بعد جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ کی مستند حدیث درج کی ہیں، بعد ازاں قریباً چودہ سو سال کے مشہور شیعہ علماء اعلام و اساطین اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بیانات معتبر حوالہ جات سے قلم بند کیے ہیں اور سب کے آخر میں دوسرے فریق کے وہ تمام شکوک و شبہات جو وہ پیش کیا کرتے ہیں یا اس مقام پر پیش کیے جا سکتے ہیں پیش کر کے ان کے مکمل و مدلل تحقیقی جوابات پیش کر دیے ہیں۔ تاکہ اتمام حجت میں کسی قسم کی ذرہ برابر بھی کوئی کمی نہ رہ جائے اور طالبان حق کے لیے حق و صدق اپنی پوری تاب و تابش اور جلوہ ریزی و ضیا خیزی کے ساتھ اس طرح سامنے آجائے کہ ظلمت کذب و باطل کے تمام تیرہ و تار بادل چھٹ جائیں اور یہ خاکدان عالم نور بن جائے۔ یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام ؎

Scanned with CamScanner

تھا ضبط بہت مشکل اس سیل معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرار کتاب آخر

ان فی ذلك لذكرى لمن كان له قلب او القى السمع و هو شهيد

و السلام على من اتبع الهدىٰ

واناالاحقر محمد حسین النجفی عفی عنه

شب دوشنبہ ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۶ھ مطابق ۴ر ستمبر ۱۹۶۶ء
بوقت ۱۲ ۱۱ بجے شب سرگودھا
طبع ثانی ۱۸ دسمبر ۱۹۷۱ء بمطابق ۲۸ شوال ۱۳۹۱ھ
بروز شنبہ بوقت پونے چھ بجے شام

کاتب سید وزیر حسین شیرازی سرگودھا
طبع ثالث ۲۸ فروری ۱۹۸۳ء بمطابق ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ
بروز سوموار بوقت سوا بارہ بجے دن والحمد للہ
طبع پنجم یکم جون ۲۰۰۶ء
طبع ششم مارچ ۲۰۱۲ء
سید محمد حسن واسطی
الخطاط کمپیوٹرز ۲۸۴ جوہر کالونی سرگودھا
0307-6719282 048-3214705

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَبِہٖ نَسْتَعِیْنُ

اصول الشریعہ فی عقائد الشیعہ

الحمد للہ الذی لا یبلغ مدحتہ القائلون ، ولا یحصی نعمائہ العادون ، و لا یودی حقہ المجتھدون ، الذی لایدرکہ بعد الھمم و لا ینالہ غوص الفطن الذی لیس لصفتہ حد محدود و لا نعت موجود و لا وقت معدود ولا اجل ممدود فطر الخلائق بقدرتہ و نشر الریاح برحمتہ و وتد بالصخور میدان ارضہ، الحمد للہ العلی عن شبہ المخلوقین، الغالب لمقال الواصفین، الظاھر بعجائب تدبیرہ للناظرین، و الباطن بجلال عزتہ عن توھم المتوھمین، العالم بلا اکتساب و لا ازدیاد ۔ و لا علم مستفاد ۔ المقدر لجمیع الامور بلا رویۃ و لا ضمیر و شرائف صلوٰتہ و نوامی برکاتہ علی محمد عبدہ و رسولہ ۔ الخاتم لما سبق، و الفاتح لما الخالق و المعلن الحق بالحق والدافع جیشات الاباطیل الدامغ صولات الاضالیل، القائم علی امرہ و الحافظ علی عھدہ ۔ الذی ارسلہ نذیرا للعالمین و علی الہ الطاھرین الذین ھم اساس الدین و عماد الیقین الیھم یفیئ الغالی و بھم یلحق التالی الی یوم الدین ۔[1] اما بعد

تمہید سدید

جیسا کہ مقدمہ میں تفصیلاً بتلایا جاچکا ہے کہ ہم بفضلہٖ تعالیٰ و حسن توفیقہ مذہب شیعہ خیرالبریہ کے تمام اصول و عقائد کے فریضہ تحریر سے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کے ساتھ احسن الفوائد فی شرح العقائد لکھ کر سبکدوش ہو چکے ہیں ۔ اب اس کتاب مُستطاب میں ان عقائد و مسائل کا تکرار و اعادہ کرنا مقصود نہیں ہے، مذہب شیعہ کے تمام تفصیلی عقائد مع الدلائل دیکھنے اور پھر ان حقائق کی روشنی میں اپنے اعتقادات و نظریات کی اصلاح کرنے کے خواہش مند حضرات اس کتاب مُستطاب کی طرف رجوع فرمائیں ۔ یہاں تو محض موجودہ دور کے ان بعض اختلافی عقائد و مسائل کا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ، اتفاق علماء مُتقدمین و متاخرین اور عقل سلیم کی روشنی میں تفصیلی تذکرہ کرنا ہے جن کا زیادہ تر تعلق نبیؐ و امامؑ کی معرفت شان و مقام کے ساتھ ہے ۔ البتہ اصل مطلب کو شروع کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک جامع حدیث شریف بیان کردی جائے جس میں حضرت امام علی نقی علیہ السلام کے مصدقہ تمام ضروری عقائد و مسائل بکمال اختصار موجود ہیں ۔

---

[1] یہ خطبہ مبارکہ نہج البلاغہ کے مختلف مقامات سے ماخوذ و مستنبط ہے ۔ فلا تغفل (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

حدیث شریف مشتمل بر اکثر عقائد شیعہ امامیہ کرم اللہ البرہ

اس حدیث کو رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوقؒ نے اپنی کتاب التوحید صفحہ ۶۴ و ۶۵ طبع بمبئی میں اور اس سے جناب غفران مآبؒ نے "عماد الاسلام" جلد ۱ صفحہ ۱۰ میں اور دیگر علمائے اعلام نے اپنی اپنی کتب میں نقل فرمایا ہے۔ جناب شہزادہ عبد العظیم بن عبد اللہ حسنی بیان کرتے ہیں:

(بحذف الاسناد) دخلت علی سیدی علی بن محمد بن علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب صلوات اللہ علیہم فلما بصر بی قال مرحبا بک یا ابا القاسم انت ولینا حقا قال قلت یابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ انی ارید ان اعرض علیک دینی فان کان مرضیا ثبت علیہ حتی القی اللہ عز و جل فقال ھاتہا یا ابا القاسم فقلت انی اقول ان اللہ تبارک و تعالیٰ واحد لیس کلمثلہ شیٔ خارج من الحدین حد الابطال و حد التشبیہ و ھو انہ لیس بجسم و لا صورۃ و لا عرض و لا جوھر بل ھو مجسم الاجسام و مصور الصور و خالق الاعراض و الجواھر و رب کل شی و مالکہ و جاعلہ و محدثہ و ان محمدا عبدہ و رسولہ خاتم النبیین فلا نبی بعدہ الی یوم القیامۃ و اقول ان الخلیفۃ و ولی الامر من بعدہ امیر المومنین علی بن ابی طالب ثم الحسن ثم الحسین ثم علی بن الحسین ثم محمد بن علی ثم جعفر بن محمد ثم موسیٰ بن جعفر ثم علی بن موسیٰ ثم محمد بن علی ثم انت مولای فقال علیہ السلام و من بعدی الحسن ابنی۔ فکیف للناس بالخلف من بعدہ قال فقلت و کیف ذاک یامولای قال لانہ لا یری شخصہ و لا یحل ذکرہ باسمہ حتی یخرج فیملا الارض قسطا و عدلا کما ملئت جورا و ظلما فقلت اقررت و اقول ان ولیھم ولی اللہ و عدوھم عدو اللہ و طاعتھم طاعۃ اللہ و معصیتھم معصیۃ اللہ و اقول ان المعراج حق و المسئلۃ فی القبر حق و ان الجنۃ حق و النار حق و الصراط حق و المیزان حق و ان الساعۃ آتیۃ لا ریب فیھا و ان اللہ یبعث من فی القبور و اقول و ان الفرائض الواجبۃ بعد الولایۃ الصلوۃ و الزکوۃ و الصوم و الحج و الجھاد و الامر بالمعروف و النہی عن المنکر فقال علی بن محمد علیہما السلام یا ابا القاسم ھذا و اللہ دین اللہ الذی ارتضاہ لعبادہ فاثبت علیہ ثبتک اللہ بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و الآخرۃ۔

ترجمہ حدیث

اس جلیل القدر حدیث کی شرح و بسط کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے لیکن ہم بمقتضائے وقت و گنجائش صرف اس کے مطلب خیز ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ حضرت شہزادہ عبد العظیم بیان کرتے ہیں کہ میں ایک بار اپنے مولا و آقا حضرت امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا، جب آنجنابؑ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: مرحبا اے ابو القاسم تم ہمارے حقیقی موالی ہو۔ میں نے عرض کیا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فرزند رسولؐ میں چاہتا ہوں کہ اپنا دین و اعتقاد آپ کی خدمت میں پیش کروں، تاکہ اگر پسندیدہ ہو تو تازیست اس پر ثابت قدم رہوں (اور بصورت دیگر اس سے عدول کروں) امام عالی مقام نے فرمایا: ہاں اے ابوالقاسم پیش کرو۔ میں نے عرض کیا (توحید کے بارے میں) میرا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند عالم (ذات وصفات میں) واحد و یگانہ ہے، کوئی بھی اس کا ہمسر و نظیر نہیں ہے۔ وہ ابطال و تشبیہ کی دونوں حدوں سے خارج ہے (نہ تو وہ معطل محض یعنی معدوم ہے اور نہ ہی ذات وصفات میں مخلوق کی مانند ہے) اور نہ وہ جسم وصورت رکھتا ہے اور نہ ہی وہ عرض و جوہر کی قسم سے ہے بلکہ وہ جسموں کو جسم بنانے والا، صورتوں کو صورت عطا کرنے والا اور اعراض و جواہر کا خالق ہے۔ (پھر خالق اپنی مخلوق اور صانع اپنی مصنوع کے ساتھ کیونکر متصف ہوسکتا ہے؟) وہ کائنات کی ہر چیز کا رب اور خالق و مالک ہے۔ اور نبوت کے متعلق میرا عقیدہ یہ ہے کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اللہ سبحانہ کے بندۂ خاص، اس کے رسول اور تمام انبیاء کے سلسلہ مبارکہ کے ختم کرنے والے ہیں۔ اب قیامت تک ان کے بعد کوئی (نیا یا پرانا نبی بحیثیت) نبی نہیں آسکتا۔ اور (امامت کے بارے میں) میرا اعتقاد یہ ہے کہ رسالت مآبؐ کے بعد ان کے جانشین امام برحق اور ولی امر حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالبؑ ہیں، ان کے بعد حضرت امام حسنؑ، ان کے بعد امام حسینؑ، پھر حضرت علیؑ بن الحسینؑ پھر حضرت محمدؐ بن علیؑ پھر جعفر بن محمدؐ پھر حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ پھر حضرت علیؑ بن موسیٰؑ پھر حضرت محمدؐ بن علیؑ اور ان کے بعد آپؑ امام برحق ہیں۔ جب شہزادہ عبدالعظیم کا سلسلہ کلام یہاں تک پہنچا تو امام عالی مقام نے فرمایا اور میرے بعد میرا بیٹا حسنؑ (عسکری) امام ہوگا، اور اس وقت لوگوں کی کیا حالت ہوگی؟ جب حسن عسکریؑ کے خلف (صالح) کا دور ہوگا، شہزادہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا میرے آقا اس وقت کیا حالت ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا (بوجہ غیبتِ کبریٰ) نہ تو وہ دکھائی دیں گے اور ان کے ظہور تک ان کو ان کے مخصوص نام (م ح م د) سے یاد کرنا بھی ممنوع ہوگا۔ ہاں جب ظہور فرمائیں گے تو زمین کو عدل و انصاف سے اس طرح بھر دیں گے جس طرح اس سے قبل ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ شہزادہ کا بیان ہے میں نے (یہ سن کر) عرض کیا میں ان کی امامت و خلافت کا بھی اقرار کرتا ہوں۔ (پھر اپنے عقائد کا سلسلہ جاری کرتے ہوئے کہا) اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جو شخص ان ائمہ اہل بیتؑ کا دوست ہے وہ خدا کا دوست ہے اور جو ان کا دشمن ہے وہ خدا کا دشمن ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ (جسمانی) معراج (رسولؐ) برحق ہے اور قبر میں سوال و جواب کا ہونا بھی برحق ہے۔ اسی طرح جنت و جہنم کا وجود

Scanned with CamScanner

بھی برحق ہے۔ اسی طرح پل صراط اور اعمال کا میزان عدل پر تولا جانا بھی برحق ہے اور یہ کہ قیامت ضرور آئے گی، اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ ایک دن ضرور خدائے تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔ اور میرا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ولایت اہل بیتؑ کے بعد مندرجہ ذیل امور (اہم) واجب ہیں۔ نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر۔ حضرت امام علی نقی علیہ السلام نے (یہ اعتقادات حقہ سماعت فرما کر) فرمایا: اے ابوالقاسم خدا کی قسم یہی وہ خدا کا (پسندیدہ) دین ہے، جسے اس نے اپنے بندوں کے لیے منتخب فرمایا ہے۔ (ان الدین عند اللہ الاسلام و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ و ھو فی الآخرۃ من الخاسرین) اس پر ثابت قدم رہو۔ خدا تمہیں دنیا و آخرت میں اس پر ثابت قدم رکھے۔

اس حدیث کی جامعیت کے متعلق جناب غفران مآبؒ کا بیان

حضرت علامہ سید دلدار علی غفران مآبؒ نے عماد الاسلام میں اس حدیث شریف کو درج کرنے کے بعد اس کی جامعیت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

ھذا الحدیث الشریف مشتمل علی جل عقائد الشیعۃ الامامیۃ و معظم الاصول الاثنا عشریۃ و لذالک المعصوم علیہ السلام حسنہ و اثنی علیہ و قال مشیرا الیہ ھذا دین اللہ الذی ارتضاہ (جلد ا صفحہ ۱۰)

یعنی یہ حدیث شریف حضرات شیعہ امامیہ کے اکثر اصول و عقائد پر مشتمل ہے۔ اسی وجہ سے امام معصوم علیہ السلام نے اس کی تحسین و تعریف فرمائی ہے۔ اور اس کی اسی جامعیت کے پیش نظر فرمایا ہے کہ یہی خدا کا پسندیدہ دین ہے۔

ارباب عقل و انصاف کے لیے لمحہ فکریہ

ناظرین کرام! مکرر سہ کرر اس حدیث شریف پر غور فرمائیں کہ اس حدیث میں عقائد حقہ ایمانیہ کو کس صاف و سادہ اور دل نشین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ آیا اس میں موجودہ دور کی لایعنی ابحاث و عقائد کی طرف کوئی اشارہ تک موجود ہے؟ جن کو آج کل صرف محور قیل و قال اور مرکز جنگ و جدال ہی نہیں بلکہ انہی پر اسلام و ایمان کا دار و مدار سمجھا جا رہا ہے۔ مثلاً یہ کہ ائمہ اطہار مجسم نور ہیں۔ وہ نوع انسانی کے افراد کاملہ نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ وہ باذن اللہ خالق و رازق اور محیی و ممیت

Scanned with CamScanner

ہیں اور یہ کہ وہ عالم الغیب ہیں اور وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔ الی غیر ذالك من العقائد المخترعة۔ اس حدیث شریف ہی پر کیا منحصر ہے۔ اس قسم کی جس قدر احادیث معتبرہ کا ذخیرہ موجود ہے جن میں عقائد امامیہ کا تذکرہ ہے یا وہ روایات جن میں بعض اصحاب ائمہؑ کا اپنے اعتقادات کو بغرض تصحیح وتصدیق بارگاہ معصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین میں پیش کرنے کا تذکرہ ہے (جن کا ایک ثمہ مقدمہ کتاب میں بیان کیا جا چکا ہے) میں بھی ان غیر ضروری مسائل بلکہ غلط عقائد کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ جس سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان اختراعی نظریات کو ایمانیات و اعتقادیات میں ہرگز کوئی دخل نہیں ہے۔ ؎

ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم نے اسے
بڑھا دیا ہے فقط زیب داستاں کے لیے

اس قدر تمہیدی بیانات کے بعد اب ہم اصل مقصد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

وبہ التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اہل ایمان کے لیے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین النجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

① **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن**: کی مکمل دس جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے، جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادرانِ اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے

② **زاد العباد لیوم المعاد**: اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومینؑ کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔

③ **اعتقاداتِ امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسیؒ: جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذبِ نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہوکر منظر عام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے

④ **اثبات الامامت**: ائمہ اثنا عشرؑ کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن

⑤ **اصول الشریعہ** کا نیا چھٹا ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ تین سو روپے

⑥ **تحقیقات الفریقین** اور

⑦ **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔

⑧ **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصۃ التفسیر** منصۂ شہود پر آگئی ہے۔ جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح روان اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے۔ جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔

⑨ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ۔ سولھویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

⑩ **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

منیجر **مکتبۃ السبطین**

۲۹۶/۹۔ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Scanned with CamScanner

پہلا باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی علیحدہ نوع ہونے یا بنی نوع انسان کے ہی اکمل افراد ہونے کا بیان

اہل افراط (یعنی غلاۃ اور مفوضہ) کے طبع زاد عقائد و نظریات میں سے ایک نظریہ فاسدہ یہ بھی ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام نوع انسانی کے افراد کاملہ نہیں بلکہ ان کی نوع علیحدہ ہے۔ اس غلط عقیدہ کی بنیاد انھوں نے ایک عجیب مفروضہ پر قائم کی ہے، چونکہ ہر منطقی نوع کے لیے جنس و فصل کا ہونا ضروری ہے جن سے مل کر نوع عالم وجود میں آتی ہے، اس لیے ان لوگوں نے ان ذوات مقدسہ کی جنس بشر اور فصل وحی کو قرار دیتے ہوئے علیحدہ نوع تجویز کی ہے، اس سلسلہ میں ان کے بیانات کا خلاصہ انہی کے الفاظ میں یہ ہے۔

تعریف نبی جو خداوند عالم نے کی ہے وہ اپنے افراد پر حاوی ہے اور غیر افراد اس میں داخل نہیں ہو سکتے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ لفظ بشر جنس ہے تمام انسان بشر ہونے میں شریک ہیں اور مساوی ہیں اور نبی بھی بشر ہے۔ فصل ممیز یوحی الی ہے جو نبی کو عام انسانوں سے جدا و ممیز کرتی ہے جس طرح الانسان حیوان ناطق یا الانسان حیوان ینطق۔ (انسان حیوان ناطق ہے یا انسان وہ حیوان ہے جو نطق رکھتا ہے) میں حیوان جنس ہے، جس میں تمام انسان و حیوان شریک و مساوی ہیں، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انسان حیوان میں شریک ہونے سے گھوڑا، گدھا بن جائے۔ اسی طرح انسانوں میں نبی بشر کی حیثیت سے شریک ہونے میں نبی عام انسان زید، بکر جیسا نہیں بن جائے گا، ناطق یا ینطق ملانے سے انسان تمام حیوانوں سے ممیز و ممتاز ہو جائے گا۔ اسی طرح لفظ بشر جنس ہے، اور یوحی الی ملانے سے نبی دوسرے بشروں اور انسانوں سے جدا و ممتاز ہو جائے گا۔ نہ نطق میں حیوان شریک ہے، نہ عام انسان یوحی الی میں شریک ہے۔ نطق صرف انسان ہی کی صفت ہے اور وحی صرف نبی کی صفت ہے، لہٰذا نبی اور عام انسانوں میں وہی فرق ہے جو عام حیوان اور انسانوں میں فرق ہے۔

Scanned with CamScanner

اس نظریہ کے ابطال اور انبیاء دائمہ کے نوع انسانی کے اکمل افراد ہونے کے اثبات پر دلائل

قرآن کریم، احادیث معصومینؑ، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں

برادران ایمانی پر مخفی و مستور نہ رہے کہ یہ نظریہ فاسدہ قرآن کریم، تعلیمات معصومینؑ، اتفاق علماء متقدمین و متاخرین اور مسلمات عقل سلیم کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے واجب الرد اور قطعاً ناقابل قبول ہے۔ ہم ذیل میں اس کے ابطال پر چند عقلی و نقلی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ پیش کرتے ہیں تاکہ اس اعتقاد کا بالکل بے بنیاد ہونا تمام دنیا پر واضح و عیاں ہو جائے۔

پہلی دلیل:

یہ قیاسی نظریہ ان حضرات کے علم معقول (منطق و فلسفہ وغیرہ) سے بالکل تہی دامن ہونے پر دلالت کرتا ہے ورنہ اس فن کے ادنیٰ مکتب بھی یہ حقیقت جانتے ہیں کہ جنس و فصل کا شمار ذاتیات شئی میں ہوتا ہے، نہ کہ عرضیات میں۔ یعنی انواع عالم میں سے کوئی بھی نوع جنس و فصل کے بغیر کتم عدم سے نکل کر منصۂ شہود پر قدم نہیں رکھ سکتی۔ خلاصہ یہ کہ جنس و فصل کے بغیر کسی بھی نوع کا وجود میں آنا محال ہے کیونکہ اس کی ماہیت و حقیقت کی ایک جز جنس اور دوسری جز فصل ہے۔ بنابریں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کوئی بھی نوع کسی وقت بھی (جنس کی طرح) اپنی فصل سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ شرح مطالع مطبوعہ اسلامبول صفحہ ۵۹ پر ذاتی کے یہ معنی لکھے ہیں: وھو ما یکون جزء ماھیۃ الشئ۔ جو کسی ماہیت و حقیقت کی جز ہو۔ پھر صفحہ ۶۰ پر بیان کیا ہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں: والذاتی اما جنس او فصل۔ ایک کا نام جنس ہے اور دوسری کا فصل ہے۔ اور صفحہ ۴۲ پر ذاتی کے خواص شمار کرتے ہوئے لکھا ہے:

والذاتی یمتنع رفعہ عن الماھیۃ ای انا تصور مع الماھیۃ امتنع الحکم بسلبہ عنھا و یجب الباتہ لھا ای لا یمکن تصورھا الا مع تصورہ موصوفۃ بہ و یتقدم علیھا الوجود الذھنی والخارجی۔

یعنی کسی شئی کی ذاتی کا اس سے علیحدہ ہونا ناممکن ہے۔ یعنی جب بھی شئی کے ساتھ ذاتی کا تصور

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کیا جائے تو اس کا اثبات (شئی) کے لیے واجب اور علیحدگی محال ہوتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ کسی شئی کا تصور بھی اس کی ذاتی کے بغیر ناممکن ہے اور یہ ذاتی اس شئی پر وجود ذہنی و خارجی میں مقدم ہوتی ہے۔ (لتقدم الجزء علی الکل)

اسی طرح کتاب نقد الآراء المنطقیہ صفحہ ۲۴۹ پر ذاتی کے خصوصیات شش گانہ بیان کرتے ہوئے پہلی خصوصیت یہی لکھی ہے کہ عدم تحقق الشی بدونہ۔ کہ شئی اس کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی۔

پھر تیسری خصوصیت یہ بیان کی ہے کہ: ماکان بین الثبوت للشی و ممتنع المحکم بسلبہ۔ یعنی اس کا ثبوت شئی کے لیے بیّن ہو (محتاج دلیل نہ ہو) اور اس سے جدا ہونا محال ہو۔ اور پانچویں خصوصیت یہ تحریر فرمائی ہے کہ: ما یتقدم علی الشی فی الوجود الذھنی و الخارجی تقدما ذاتیا لاحتیاج ذاتہ الیھا بحسب الوجود۔ یعنی ذاتی وہ ہوتی ہے جو شئی سے اس کے وجود ذہنی و خارجی میں تقدم ذاتی رکھتی ہو۔ کیونکہ شئی اپنی ذات و ماہیت میں اس کی طرف محتاج ہوتی ہے۔ (ایسا ہی افادہ منطق کی مشہور کتب حمد اللہ [1] اور قاضی وغیرہ میں فرمایا گیا ہے) الغرض یہ ایک ایسی مُسلمہ حقیقت ہے کہ

---

[1] جیسا کہ اب متن میں مذکور ہے اسی طرح طبع اول میں ہم نے قاضی کے ساتھ حمد اللہ کا بھی حوالہ دیا تھا۔ اس پر لکھنؤ کے بعض ممتاز الافاضل پاس مُبلغین نے اپنی جوابی کتاب میں مدرسین کو کتب درسیہ کا بھی علم نہیں ہے، کا عنوان قائم کر کے غلط جذبات کی رو میں بہ کر یا اپنی طبعی عمر کے تقاضوں سے مجبور ہو کر لکھنؤ کے نصاب تعلیم کی تعریف کرتے ہوئے پاکستان کے نصاب مولوی فاضل کے ساتھ ساتھ نجف اشرف جیسے مرکز علم و ایمان کے نصاب تعلیم پر بھی ہاتھ صاف کر دیے اور یہ نہ سوچا کہ نجف اشرف کا نصاب و مقام تو بہت اونچا ہے خود مولوی فاضل کا کورس ایسا ہے کہ ہم نے لکھنؤ کے کئی ممتاز الافاضل پاس حضرات کو کئی کئی بار امتحان مولوی فاضل دیتے اور اس میں ناکام ہوتے دیکھا ہے۔ بہر حال یہ صاحب کہنا یہ چاہتے تھے کہ یہاں حمد اللہ کا نام غلط لکھا گیا ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ منطق کی بحث تصورات سے متعلق ہے اور حمد اللہ میں سرے سے یہ مبحث ہے ہی نہیں۔ کیونکہ وہ صرف تصدیقات کے مباحث پر مشتمل ہے۔ انھوں نے یہ تنقید شدید کرتے وقت یہ نہ سوچا کہ بعض اوقات ایک حصہ کے بعض مباحث متعلقہ کتب میں ضمنی حیثیت سے دوسرے بعض حصوں میں بھی آجاتے ہیں۔ چنانچہ ہمارے متعلقہ مسئلہ کی یہی نوعیت ہے اور اس کا اصل مقام گو مبحث تصورات ہی ہے مگر ضمنی حیثیت سے تصدیقات میں بھی آگیا ہے۔ لیجیے ہم اس کے مقام کی نشاندہی کیے دیتے ہیں۔ حمد اللہ صفحہ ۵۶ و ۵۷ طبع مفید عام لاہور مع حاشیہ فاضل

Scanned with CamScanner

کوئی معمولی پڑھا لکھا اور عقل سند انسان اس سے انکار نہیں کرسکتا۔ جس طرح نطق کے بغیر (جو کہ اس کی فصل ہے) انسان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا (لانہ حیوان ناطق) تو اگر اسی طرح وحی نبی کی فصل ہے تو اس کے بغیر نبی کا تصور بھی ناممکن ہوگا۔ بنابریں حقائق آئیے اس بات کا جائزہ لیں کہ آیا وحی ذات نبی میں داخل ہے یا نہ؟ آیا نبی کا وجود اس کے بغیر متحقق ہوسکتا ہے یا نہ؟ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی صریح نصوص موجود ہیں، جن سے واضح ہوتا ہے کہ وحی نبی کی ذات میں داخل نہیں ہے، اور اس کے بغیر نہ صرف یہ کہ نبی کا تصور ممکن ہے بلکہ وجود خارجی بھی ممکن ہے۔ یہاں صرف ایک آیت پیش کی جاتی ہے۔ ارشادِ قدرت ہے:

وکذلک اوحینا الیک روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان و لکن جعلناہ نورا نھدی بہ من نشاء۔ (پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ آیت)

● اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح الامین کو تمہاری طرف وحی کے ساتھ بھیجا (جس کے پہلے) تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ (تعلیم) ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کردیں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

ٹونکی میں محل شرائع متعارف کے ضمن میں لکھا ہے: فان الجنس و الفصل و النوع و ان کانت موجودۃ بوجود واحد الخ۔ یعنی اگرچہ جنس فصل اور نوع ایک ہی وجود سے موجود ہیں۔ اس کے حاشیہ نمبر ۲ پر فاضل ٹونکی نے یہ تاسنانہ حاشیہ لکھا ہے: حاصلہ ان کلا من الجنس و الفصل و النوع و ان کانت موجودۃ بوجود واحد بالذات و متحدۃ فیھما بینھما اتحادا کذلک کما ھو المحقق الا ان مفھوم الجنس و الفصل واحد فی مفھوم النوع فلا یتصور وجودہ فی مرتبۃ من المراتب الا و یکون وجودھما فی ضمنہ (صفحہ ۵۷) یعنی اس کلام کا ماحاصل یہ ہے کہ جنس فصل اور نوع اگرچہ بالذات ایک ہی وجود کے ساتھ (خارج میں) موجود ہیں اور دونوں (وجود خارجی وذہنی) میں ان کے درمیان ایسا ہی (ذاتی) اتحاد پایا جاتا ہے مگر جنس و فصل کا مفہوم نوع کے مفہوم میں اس طرح داخل ہے کہ کسی (خارجی یا ذہنی) مرتبہ وجود میں نوع کا تصور بھی ان دونوں کے بغیر نہیں کیا جاسکتا۔ اس پوری عبارت پر بالعموم اور خط کشیدہ مقام پر بالخصوص مکرر نظر ڈالیں۔ کیا یہی بعینہ ہمارا متنازعہ مسئلہ نہیں ہے؟ ایسے حضرات پر یہ شعر پوری طرح منطبق ہوتا ہے ؎

وقل للذی یدعی فی العلم فلسفۃ حفظت شیئا و غابت عنک اشیاء

ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ ؎ شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

❷ اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے ایک روح وحی کی تو نہیں جان سکتا تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ ہی ایمان لیکن ہم نے اسے نور قرار دیا، اس کے ذریعہ ہم اپنے بندوں میں سے جسے چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں۔ (القرآن المبین مع ترجمہ وحواشی تفسیر المتقین صفحہ ۵۸۸ طبع لاہور)

❸ اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے روح (الامین) کو تمہاری طرف وحی کے ساتھ بھیجا جس کے پہلے تم یہ نہیں جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور یہ کہ (تعلیم) ایمان کیا چیز ہے لیکن ہم نے اس کو ایک نور قرار دیا جس کے ذریعے سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہیں ہدایت کر دیں۔
(ترجمہ مقبولؒ)

ہم اس وقت اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتے کہ آنحضرتؐ کی خلقت کے بعد کتنا وقت ایسی حالت میں گزرا یا یہ کیفیت کسی وقت میں تھی، یا مکان میں یا صرف ایک حالت تھی؟ کیونکہ اس موضوع پر آج سے قریباً نصف صدی پہلے بعض علماء میں بہت بحثیں ہو چکی ہیں اور اس سلسلہ میں بعض مستقل کتابیں بھی منظر عام پر آ چکی ہیں۔

بہرکیف محتاط سے محتاط الفاظ میں اس قدر تو اس آیت مبارکہ سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ ایک وقت (اگرچہ بالکل مختصر سہی) ایسا ضرور تھا کہ آنحضرتؐ تو موجود تھے (خلقت اولیٰ روحانی ونورانی ہی سہی) لیکن ہنوز وحی کا سلسلہ جاری نہ ہوا تھا اور نہ ہی ابھی روح القدس کے ساتھ ارتباط قائم ہوا تھا۔ مزید اطمینان قلب کے لیے اس آیت مبارکہ کی جو تفسیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے وہ ملاحظہ کریں:

انه سئل من العلم اهو شی یتعلمه العالم من افواه الرجال ام فی الکتاب عندکم تقرونه فتعلمون منه قال الامر اعظم من ذلك و اوجب اما سمعت قول الله عز و جل و کذلك اوحینا الیك روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان ثم قال ای شی یقول اصابك فی هذه الآیة ایقرون انه کان فی حال مایدری ما الکتاب و لا الایمان فقلت لا ادری جعلت فداك ما یقولون قال بلیٰ قد کان فی حال لا یدری ما الکتاب و لا الایمان حتی بعث الله عز و جل الروح التی ذکر فی الکتاب فلما اوحاها الیه علم بها العلم و الفهم وهی الروح التی یعطیها الله عز و جل من شاء فاذا اعطاها عبدا علمه الفهم۔

یعنی امامؑ سے اپنے علم کے متعلق سوال کیا گیا کہ عالم (امام) لوگوں کے مونہوں سے اسے

Scanned with CamScanner

حاصل کرتا ہے، یا آپؑ کے پاس کسی کتاب میں لکھا ہوا ہے جسے آپؑ پڑھ کر معلوم کر لیتے ہیں؟ آنجنابؑ نے فرمایا اصل حقیقت اس سے اجل وارفع ہے۔ کیا تم نے ارشاد خداوندی نہیں سنا: وکذلك اوحینا الیك روحا۔ پھر فرمایا: تمہارے اصحاب اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں، آیا وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ پر ایسی حالت بھی گزری ہے کہ وہ کتاب و ایمان کو نہ جانتے تھے؟ راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا کہ میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں، مجھے تو معلوم نہیں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ امامؑ نے فرمایا کہ ہاں ایک حالت ایسی تھی کہ آنحضرتؐ نہیں جانتے تھے کہ ایمان کیا ہے اور کتاب کیا ہے، یہاں تک کہ خداوند عالم نے وہ روح ان کو عطا کی جس کا ذکر اس نے قرآن میں فرمایا ہے۔ پس جب خدا نے یہ روح ان کو عطا فرمائی تو اس وقت ان کو خاص علم و فہم عطا ہو گیا۔ پس یہ وہ روح ہے کہ اپنے بندوں میں سے خدا جس (نبی یا امام) کو عطا فرما دے تو اسے اس کے ذریعے سے خاص علم و فہم بھی عطا فرما دیتا ہے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۴۵۴ و تفسیر برہان جلد ۴ صفحہ ۱۳۳ و اصول کافی صفحہ ۱۳۷) انہی کتب کے انہی صفحات پر اس امر کی وضاحت کی بھی مختلف، متعدد احادیث موجود ہیں کہ اس روح سے روح القدس مراد ہے۔

لہٰذا ان حقائق کی روشنی میں روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ وحی کو نبی کی فصل ممیز نہیں قرار دیا جا سکتا، البتہ تشریعی وحی خصائص نبوت و رسالت میں سے ہے۔ وخاصة الشئ ما یوجد فی الشئ ولا یوجد فی غیرہ۔ یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس کے بغیر کسی اور چیز میں نہ پایا جائے۔ مگر خاصہ کا شمار عرضیات شئ میں ہوتا ہے، نہ ذاتیات میں۔

کما لا یخفی علی اولی الابصار

ہاں اگر یہ حضرات اہل منطق کی اصطلاح کے خلاف فصل ممیز سے مراد خاصہ ہی لیتے ہیں تو یہ اور بات ہے۔ ولا مشاحة فی الاصطلاح۔ لیکن اس سے ان ذواتِ مقدسہ کی نوع تو علیحدہ[1] ثابت نہیں ہو سکتی۔ کما ھو اوضح من ان یخفی۔

---

[1] اس مقام پر اکثر جواب نویسندگان نے عجیب گل کھلائے ہیں، گرجے ہیں برسے ہیں اور عجیب اتہام لگائے ہیں مگر کوئی علمی و تحقیقی چیز پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی یہ ان کے بس کا روگ ہے۔ بعض نے یہ لکھا ہے کہ آیت میں قضیہ حملیہ سالبہ بانتفاء الموضوع ہے، یعنی آنحضرتؐ کو جبکہ ابھی خلعت وجود ہی نہیں ملی تھی اس وقت کتاب و ایمان کا علم بھی نہ تھا، یہ درست ہے کہ قضیہ سالبہ بعض اوقات انتفاء موضوع سے بھی صادق آتا ہے جس طرح کہ

Scanned with CamScanner

دوسری دلیل:

ایک مسلم الثبوت عقلائی قاعدہ ہے کہ دلیل کو عموم و خصوص میں دعویٰ کے مطابق ہونا چاہیے۔ یعنی یہ کہ اگر دعویٰ عام ہو تو دلیل بھی عام ہونی چاہیے اور اگر دعویٰ خاص ہو تو دلیل بھی خاص ہونی چاہیے۔ لیکن یہاں معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی دعویٰ تو عام ہے مگر دلیل خاص جو کہ عند العقلاء

انتفاء محمول سے صادق آتا ہے۔ مگر یہ فیصلہ قرائن حالیہ و مقالیہ دیکھ کر ہی کیا جاسکتا ہے کہ کس جگہ اس کا صدق محمول کے انتفاء سے ہے اور کہاں موضوع کے منتفی ہونے کی وجہ سے؟ اس مقام پر جب روایات اہل بیتؑ میں صراحت موجود ہے کہ: کان فی حال مایدری ما الکتاب و لا الایمان۔ یعنی ایک ایسی حالت بھی تھی کہ آنحضرتؐ تو تھے مگر علم کتاب و ایمان نہ تھا۔ تو بعد ازیں بھی یہ کہنا کہ یہاں قضیہ سالبہ بانتفاء موضوع ہے۔ تفسیر بالرائے نہیں تو اور کیا ہے؟ اور بعض نے یہ تحقیق انیق فرمائی کہ اس مقام پر وحی سے مراد فطری وحی ہے جس طرح آیت واوحینا الی النحل۔ (ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی) میں فطری وحی مراد ہے، یعنی ہم نے یہ چیز اس کی فطرت میں ودیعت کر دی (اور یہ قیاس کرنے والے نے اس قدر بھی نہ سوچا کہ یہ قیاس ہے، اور وہ بھی مع الفارق ہے جو عند الکل باطل ہے (اشرف الانبیاءؐ کا قیاس شہد کی مکھی پر کرنا، کیا اس میں شان رسالت کا استخفاف نہیں؟) حالانکہ اہل بیتؑ کی روایات متظافرہ میں وارد ہے کہ یہاں اوحینا الیک روحا من امرنا سے مراد رُوح القدس ہے، جیسا کہ تفسیر قمی، صافی اور برہان وغیرہ ایسی احادیث سے لبریز ہیں۔ ان تمام ارشاداتِ معصومین کو (اپنے زعم باطل کے خلاف پاکر) نظر انداز کرتے ہوئے مذکورہ بالا فاسد نظریہ قائم کرنا تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے۔ و من فسر القرآن برایہ فلیتبوأ مقعدہ من النار۔ (تفسیر صافی صفحہ ۹ وغیرہ) اور بعض نے خوفِ خدا سے بالا ہو کر ہم پر یہ افترا پردازی کی کہ ہم نے چالیس برس تک جناب رسول خدا کو جاہل لکھا ہے (معاذ اللہ) چالیس برس تو بجائے خود ہماری عبارت میں کہیں آنحضرتؐ کی ظاہری، جسمانی خلقت تک کا بھی کوئی تذکرہ نہیں ہے، بلکہ عبارت کے سیاق و سباق میں غور و تدبر کرنے سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ یہاں خلقت روحانی و نورانی کے وقت کا تذکرہ ہے کہ خدا نے آنحضرتؐ کو خلق کرنے کے بعد روح القدس سے ان کا ارتباط قائم کیا اور اس کے ساتھ ہی علم و ایمان اور دیگر فیوض کے فیضان کا سلسلہ جاری ہو گیا، جو اب تک برابر جاری ہے۔ اور اس بیان کا مقصد صرف یہ ثابت کرنا ہے کہ علم ان حضرات کی ذات میں داخل نہیں، بلکہ عطیہ پروردگار ہے۔ لہٰذا کچھ فاصلہ تو ماننا پڑے گا کہ خدا نے ان کو پیدا کیا اور پھر علم عطا کیا۔ ع

"اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا"

ھدوا الی الطیب من القول و ھدوا الی صراط الحمید۔ (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

باطل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ دعویٰ تو یہ ہے کہ انبیاءؑ اور ائمہؑ ہر دو کی نوع علیحدہ ہے مگر دلیل میں صرف وحی کو فصل ممیز کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ بشر جنس اور وحی فصل ہے۔

اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا اس وحی سے مراد تشریعی و نبوتی وحی ہے یا وحی غیر تشریعی؟ اگر پہلی شق کو اختیار کیا جائے کہ اس سے وحی تشریعی مراد ہے (کما ہوالحق) تو پھر یہ دلیل (بنا بر تسلیم ودون اثباتہ خرط القتاد) زیادہ سے زیادہ انبیاءؑ کی نوع کے علیحدہ ہونے پر دلالت کرتی ہے کیونکہ ائمہ علیہم السلام پر تشریعی وحی کے نازل نہ ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع و اتفاق ہے۔ اور اس کا قائل دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ اوائل المقالات صفحہ ۷۸ پر رقمطراز ہیں:

وانما منعت من نزول الوحی علیھم والایحاء بالاشیاء الیھم للاجماع علی المنع من ذلک و الاتفاق علی انہ من زعم ان احدا بعد نبینا یوحی الیہ فقد اخطاء وکفر۔

یعنی میں نے اس لیے ائمہ اطہارؑ پر وحی تشریعی کے نزول کو ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے اور ان کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ آنحضرتؐ کے بعد کسی شخص پر وحی ہوتی ہے، وہ خطاکار بلکہ کافر ہے۔

اسی طرح محقق جلیل جناب سید علی خان ریاض السالکین (صفحہ ۴۳ پر) فرماتے ہیں:

الوحی من خواص الرسالۃ۔ (تشریعی وحی) رسالت و نبوت کے خواص میں سے ہے اور اگر دوسری شق اختیار کی جائے یعنی اس سے مراد غیر تشریعی وحی لی جائے تو وہ صرف ائمہؑ کے ساتھ ہی مختص نہیں بلکہ ایسی وحی غیر انبیاء وائمہ کو بھی ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ آیات قرآنیہ: واوحینا الی ام موسیٰ۔ ہم نے مادر موسیٰ کو وحی کی۔ واوحینا الی النحل۔ ہم نے شہد کی مکھی کو وحی کی، وغیرہ سے ظاہر ہے۔ لہٰذا پھر یہ وحی نبیؐ یا امامؑ کی فصل ممیز کیوں کر بن سکتی ہے؟ ع

یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

بنا بریں حقائق تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل و برہان ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین

تیسری دلیل:

اس فاسد عقیدہ میں بشر کو جنس قرار دیا گیا ہے۔ یہ ان حضرات کے علم معقولات سے ناواقفیت کی ایک بیّن دلیل ہے۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں۔ (تفصیل چوتھی دلیل میں آرہی ہے، انشاء اللہ) اور انسان حقیقی نوع ہے، (نہ اضافی) اور یہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

حقیقت ارباب منطق کے نزدیک محقق و مسلم ہے کہ کوئی نوع حقیقی ہرگز جنس نہیں ہو سکتی۔ بنابریں بشر کو جنس تصور کر کے انبیاءؑ اور ائمہؑ کی کس طرح علیحدہ نوع تسلیم کی جا سکتی ہے۔ ان ھذا الا اختلاق۔

چوتھی دلیل:

اس نظریہ میں ان حضرات نے انبیاءؑ و ائمہؑ کو بشر تسلیم کرنے کے باوجود انسانوں کے علاوہ ان کی علیحدہ نوع تسلیم کر کے جہاں علم معقول سے اپنی تہی دامنی کا ثبوت دیا ہے۔ (جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے) وہاں لغت عربی سے بھی اپنی ناواقفیت کا ثبوت فراہم کیا ہے کیونکہ معمولی عربی دان صاحبان پر بھی یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ بشر اور انسان ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں۔ بطور نمونہ چند مستند کتب لغت کے حوالہ جات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں۔

۱ قاموس اللغات جلد ۱ صفحہ ۳۶۲ طبع مصر پر لکھا ہے:

البشر محرکۃ الانسان ذکرا او انثی واحدا او جمعا۔

یعنی بشر کا مطلب ہے انسان خواہ مرد ہو یا عورت ایک ہو یا ایک سے زائد۔

۲ کلیات ابو البقاء صفحہ ۸۷ پر لکھا ہے:

البشر ھو علم لنفس الحقیقۃ من غیر اعتبار کونھا مقیدۃ بالتشخصات و الصور۔

یعنی بشر نفس حقیقت (انسانیہ) کا نام ہے۔ قطع نظر اس سے کہ وہ (شخصی) تشخصات اور (فردی) تعینات (جیسے وحدت و کثرت تذکیر و تانیث، حسن و قبح وغیرہا) سے متصف و مقید ہو۔

۳ قرآن و حدیث کی مشہور لغت مجمع البحرین صفحہ ۲۵۵ طبع ایران پر لکھا ہے:

البشر الانسان الواحد والجمع المذکر و المونث فی ذلک سواء۔

یعنی بشر انسان کا دوسرا نام ہے۔

اس لفظ میں مذکر و مونث، واحد اور جمع برابر ہیں۔

۴ اسی طرح لغات القرآن یعنی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار صفحہ ۹۷ پر لکھا ہے:

البشر الانسان ذکرا او انثی (کذا فی مرآۃ العقول للمجلسی جلد ۱ صفحہ ۲۹۲)

یعنی بشر کا مطلب ہے انسان۔ اس میں مرد، عورت، واحد، جمع برابر ہے۔

۵ مشہور لغت القرآن مفردات راغب اصفہانی صفحہ ۴۶ پر لکھا ہے:

و عبر عن الانسان بالبشر اعتبارا بظھور جلدہ من الشعر۔

انسان کو بشر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کا چمڑا بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں بلکہ ظاہر ہے۔

Scanned with CamScanner

❻ اسی طرح عربی کی سب سے بڑی مبسوط و مفصل کتاب لسان العرب جلد ۴ صفحہ ۶۰ طبع لبنان پر لکھا ہے:

البشر الانسان الواحد و الجمع و المذکر و المونث فی ذلك سواء۔

❼ عصر حاضر کی مستند لغت المنجد صفحہ ۳۶ پر لکھا ہے:

البشر الانسان ذکرا او انثی واحدا او جمعا۔

ان عبارتوں کا بھی مطلب وہی ہے جو مذکورہ بالا عبارات کا ہے۔ ان حقائق سے یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ بشر و انسان ایک ہی حقیقت کے دو مختلف نام ہیں نہ یہ کہ وہ دو مختلف حقیقتیں ہوں، ہاں ان کے درمیان صرف اعتباری فرق ہے۔ یعنی ایک ہی حقیقت کو اس اعتبار سے کہ وہ ظاہر الجلد ہے اور اس کا جثہ بالوں میں ڈھکا ہوا نہیں ہے بشر کہہ دیا جاتا ہے۔ یعنی بادی البشرہ۔ چنانچہ تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۷۲ طبع قدیم پر لکھا ہے: و سمی بشرا لانه ظاهر الجلد لا یواریه شعر و لا صوف۔ یعنی انسان کو بشر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے چمڑے کو بال یا صوف ڈھانپے ہوئے نہیں (بلکہ کھلا ہوا ہے) اور اس اعتبار سے کہ اس میں انس و محبت کا جذبہ وجو ہر نمایاں طور پر موجود ہے، اسے انسان کہہ دیا جاتا ہے، ورنہ ہر دو کا مصداق ایک ہی ہے۔ کما لا یخفی۔

اگر اسماء و صفات کے تعدد و اختلاف سے کسی شی کی حقیقت بھی متعدد ہو جائے تو پھر خدا ایک نہیں رہے گا، بلکہ ننانوے بلکہ ایک ہزار ہو جائیں گے۔ کیونکہ دعائے جوشن کبیر میں خدا کے ایک ہزار اسماء و صفات مذکور ہیں۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ؎

عبارتنا شتی و حسنك واحد ۔ و کل الی ذاك الجمال یشیر

ان حقائق کی موجودگی میں انبیاءؑ و ائمہؑ کے بشر ہونے کا اقرار اور انسان ہونے کے انکار کو عجائبات روزگار میں سے شمار نہ کیا جائے تو اور کیا کیا جائے؟ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے

پانچویں دلیل:

آیات قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور جمہور مسلمین کے اتفاق کی روشنی میں یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ تمام انواع عالم اور تمام موجودات ارضی و سماوی سے حضرت انسان افضل و اشرف ہے، جیسا کہ آیت مبارکہ:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ولقد کرمنا بنی آدم و حملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات و فضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا۔ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت)

اور یقیناً ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور خشکی اور تری میں ان کو سواریاں دیں اور اچھی اچھی چیزوں سے ان کو روزی دی۔ اور سب مخلوق پر ان کو ایسی فضیلت دی جیسا کہ فضیلت دینے کا حق ہے، سے صاف ظاہر ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: فضلنا بنی آدم علی سائر الخلق۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے بنی آدم کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے۔

(تفسیر صافی صفحہ ۲۹۳ و تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۴۲۹)

تفسیر صافی کے اسی صفحہ پر حضرت امیر المومنینؑ سے انسانی صورت کے متعلق مروی ہے: انھا اکرم صورۃ علی اللہ۔ انسانی صورت نگاہِ قدرت میں سب سے زیادہ مکرم و محترم ہے، اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے افضلیت و اشرفیت کا تاج حضرت انسان کے سر پر رکھا ہے۔

فتبارک اللہ احسن الخالقین

ازالہ شبہ:

شاید کسی کو یہاں یہ شبہ لاحق ہو کہ ارشاد ایزدی و فضلناھم علیٰ کثیر سے تو صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کو اکثر مخلوق خدا پر برتری حاصل ہے نہ کہ تمام پر۔ عند التحقیق یہ شبہ بالکل بے حقیقت ہے۔ محقق علماء مفسرین نے اس شبہ کا یہ جواب دیا ہے کہ:

ان المراد بالکثیر الجمیع فوضع الکثیر موضع الجمیع و المعنی انا فضلناھم علی من خلقنا و ھم کثیر و فی القرآن و محاورات العرب من ذلک ما لا یحصی و لا یخفی علی من عرف کلامھم۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۷۹)

یعنی کثیر سے مراد جمیع ہے اور معنی یہ ہے کہ ہم نے انسان کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے اور یہ مخلوق بکثرت ہے۔ قرآن اور محاورات عرب میں اس قسم کی بکثرت مثالیں موجود ہیں (کہ کثیر سے مراد جمیع ہوتی ہے۔ تفصیل کے لیے فقہ اللغۃ ثعالبی ملاحظہ ہو۔)

اسی طرح علامہ شہر ابن آشوبؒ نے اپنی جلیل القدر کتاب متشابہ القرآن و مختلفہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۴ طبع ایران پر اسی آیت مبارکہ کے ضمن میں لکھا ہے:

فالمراد بقولہ علی کثیر ممن خلقنا، انا فضلنا ھم علی من خلقنا و ھم کثیر و لم یرد

Scanned with CamScanner

البعض کما قال و لا تشتروا بآیاتی ثمنا قلیلا المعنی لا تشتروا بها ثمنا فکل ثمن تاخذونه عنها قلیل و لم یرد التخصیص و المنع من الثمن القلیل خاصة۔

یعنی اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے انسان کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے، جیسے ارشاد قدرت ہے کہ: "میری آیات کو قلیل عوض کے بدلے فروخت نہ کرو"۔ مطلب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں تم جو معاوضہ بھی لوگے وہ قلیل ہوگا۔ یہ مطلب ہرگز نہیں کہ صرف قلیل معاوضہ لینا ممنوع ہے۔ (اور کثیر جائز ہے۔)

حضرت علامہ حائری مرحوم نے اپنی تفسیر لوامع التنزیل جلد ۱۵ صفحہ ۲۳۶ سے لے کر ۲۴۳ تک پورے ۱۸ عدد دلائل انسان کے تمام مخلوقات عالم سے افضل ہونے پر ذکر فرمائے ہیں۔ من شاء فلیرجع الیه۔ صاحب رسالہ انوار قدسیہ صفحہ ۹ و ۱۰ پر لکھتے ہیں: نوع انسان باعتبار جامعیت حقیقت اکمل انواع است۔ یعنی انسانی نوع اپنی حقیقت کی جامعیت کے اعتبار سے تمام انواع سے زیادہ مکمل ہے۔

جناب مولانا سید محمد سبطین صاحب لکھتے ہیں: "حکماء حال اور حکماء سلف کا اتفاق ہے کہ انسان آخر درجہ مکونات ارضی میں ہے اور اس سے بالا سوائے خدا کے کوئی ہستی نہیں ہے، باقی تمام انواع اس کے ماتحت ہیں۔ اس سے اوپر اور اس سے بالا کوئی نوع نہیں ہے۔ اس سے بالا بس ذات خالق ہی ہے اور اس لیے کل حکماء سلف اور فلاسفۂ حال کا اتفاق ہے کہ انسان جو کہ ششم درجۂ مکونات اور آخری مرتبہ کائنات میں ہے اشرف المخلوقات و افضل کائنات ہے"۔

(پیغام توحید صفحہ ۱۴ و ۱۵ طبع لاہور)

اسی طرح اس رسالہ کے صفحہ ۶۰ و ۶۱ پر معلم کامل (نبیؐ) کے انسانی نوع سے ہونے کے دلائل دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "بتایا انواع عالم انسان سے پست تر ہیں۔ وہ ہمارے اور خدا کے درمیان واسطہ فیضان تعلیم نہیں بن سکتے" لا..... اور نوع بشر سے بالا کوئی نوع نہیں ہے..... وہ کوئی خاص بشر ہی ہوسکتا ہے۔ (صفحہ ۶۱) بنا بریں حقائق یہ کہاں کی دانش مندی ہے اور اس میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی کیا فضیلت ہے کہ اشرف و اعلیٰ نوع سے تعال کر ان کے لیے کوئی اور ادنیٰ و اسفل نوع تجویز کی جائے۔ آیا ایسا کرنے سے ان بزرگواروں کی تعظیم ہوگی یا تنقیص؟ ان هذا لا اختلاف۔ مگر چ ہے ع "فکر هر کس بقدر همت اوست"۔

قل کل یعمل علی شاکلته۔ زیادہ سے زیادہ عامۃ الناس کے ذہن میں ملائکہ کا ہی تصور

Scanned with CamScanner

آسکتا ہے کہ شاید ان کی نوع انسانی نوع سے افضل ہو مگر ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ یہ خیال بھی غلط ہے، کیونکہ اگر تمام مسلمانوں کا نہیں تو کم از کم شیعیان حیدر کرارؑ تو اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ہمارے ائمہ طاہرینؑ نہ صرف ملائکہ سے افضل ہیں، بلکہ ان کے مخدوم ہیں اور فرشتے ان کی خدمت کرنے کو اپنے لیے مایہ صد سعادت و افتخار سمجھتے ہیں۔

کتاب دمعہ ساکبہ صفحہ ۲۶۶ میں ایک طویل حدیث کے آخر میں جناب جبرئیل امینؑ کا خدمت اہل بیتؑ کی وجہ سے فخر و مباہات کرنا بایں الفاظ مروی ہے: من مثلی انا خادم محمد و آل محمد۔ خود ائمہ اطہار کا ارشاد ہے: ان الملائکۃ خدامنا و خدام محبینا۔ یعنی فرشتے ہمارے اور ہمارے خالص شیعوں کے خادم ہیں۔ (علل الشرائع جلد ۱ صفحہ ۶)

یہ پوری بحث اور اس موضوع پر دلائل قاطعہ ہماری کتاب احسن الفوائد میں ملاحظہ فرمائیں۔

لیکن اس زمانہ میں اس طرح الٹی گنگا بہ رہی ہے کہ جو شخص ائمہ اہل بیتؑ کو ذات میں فرشتہ سمجھے اسے تو آج عارف معارف اہل بیتؑ سمجھا جاتا ہے اور جو شخص ان بزرگواروں کو فرشتوں سمیت تمام کائنات سے افضل و اشرف سمجھے اسے معرفت سے عاری کہا جاتا ہے۔ ع

"انقلابات ہیں زمانے کے"

چھٹی دلیل:

یہ حقیقت عیاں را چہ بیاں کی مصداق ہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ ہوں یا ائمہ طاہرینؑ، خداوند عالم ان کو اس لیے مقرر کرتا ہے اور بھیجتا ہے کہ جن کی طرف ان کو بھیجا گیا ہے ان کے لیے ان بزرگواروں کا ہر قول و فعل حجت اور نمونہ عمل بنے اور ان کا قول و کردار اہل عالم کے لیے مشعل راہ اور ان کا اسوۂ حسنہ منارۂ سعادت ثابت ہو۔ چنانچہ خدائے حکیم بعثت انبیاء کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

رسلا مبشرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل

(پارہ ۶ سورہ نساء آیت)

(ایسے) رسول (جو) خوشخبری دینے والے (بھی) تھے اور ڈرانے والے (بھی) تاکہ ان کے آنے کے بعد اللہ پر آدمیوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے۔ (ترجمہ فرمانؑ)

ظاہر ہے کہ یہ اتمام حجت اسی صورت میں ہی ممکن ہے کہ یہ بزرگوار انہی لوگوں کی نوع سے ہوں، جن کے لیے ان کو ہادی و رہبر بنا کر بھیجا گیا ہے، ورنہ واضح ہے کہ اگر وہ بزرگوار کسی اور نوع

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے ساتھ تعلق رکھتے ہوں تو پر ان کے اقوال اور بالخصوص افعال جیسے نماز، روزہ اور مصائب و شدائد پر صبر و ثبات وغیرہا لوگوں کے لیے اتمام حجت کا باعث قرار نہیں پا سکتے۔ کیونکہ اس صورت میں گمراہ لوگ بآسانی یہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کر سکتے ہیں کہ چونکہ ہمارے رہنماؤں اور ہدایت کے علمبرداروں کی نوع علیحدہ ہے اس لیے ان پر دنیوی مشکلات و مصائب اور آلام و شدائد کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ لہٰذا اگر وہ سردیوں میں نماز پڑھتے یا گرمیوں میں روزہ رکھتے یا کسی تکلیف و مصیبت پر صبر کرتے تو اس میں ان کا کمال ہی کیا ہے۔ جبکہ سردی و گرمی اور بھوک و پیاس اور تکلیف و مصیبت کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہوتا، اس لیے ان کے یہ افعال و اعمال ہمارے لیے حجت نہیں ہیں۔ اہل عقل و دانش انصاف سے فرمائیں کہ اس صورت میں کیا واقعی حجت خدا ناتمام نہیں رہ جاتی؟ لہٰذا عقل سلیم مجبور کرتی ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ کا انسانی نوع سے ہونا لازم ہے، خدائے حکیم نے بھی انبیاء کے بشر و انسان ہونے کا یہی فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

و ما منع الناس ان یومنوا اذ جائھم الھدی الا ان قالوا ابعث اللہ بشرا رسولا، قل لو کان فی الارض ملائکۃ یمشون مطمئنین لنزلنا علیھم من السماء ملکا رسولا۔

(پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل آیت)

اور آدمیوں کو جب کہ ان کے پاس ہدایت آ چکی، ایمان لانے سے روکا کس چیز نے ہے سوائے اس کے کہ انھوں نے کہہ دیا کہ خدا نے کسی آدمی کو رسول بنا کر بھیجا ہے۔ تم یہ کہہ دو کہ اگر اس زمین میں فرشتے اطمینان سے چلتے پھرتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو رسول بنا کر بھیجتے۔ (ترجمہ مقبولؒ)

علامہ طبرسیؒ مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ پر ذیل آیت مبارکہ: و ما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم (ہم نے تم سے پہلے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے) فلسفہ بشریت انبیاءؑ بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

الشکل الی الشکل امیل و بہ انس و عنہ افھم و من الانفسۃ منہ ابعد۔

اسی طرح علامہ شہر بن آشوبؒ نے متشابہ القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۰۷ پر مذکورہ بالا آیت کے تحت لکھا ہے:

وجہ اللطف فی ارسال الرجال من البشر ان الشکل الی شکلہ آنس و عنہ افھم و الانفسۃ منہ ابعد لانہ یجری نفسہ و الانسان لا یانف من نفسہ (کذا فی جلد ۲ صفحہ ۲۸)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

یعنی انسانوں میں سے مردوں کو نبی بنا کر بھیجنے میں یہ لطف خداوندی ہے کہ شکل اپنے ہم شکل سے زیادہ مانوس ہوتی ہے، اس سے بہتر طریقہ پر استفادہ کرتی ہے۔ اور اس سے نفرت نہیں کرتی۔ کیونکہ وہ اسے اپنا (ہم) نفس تصور کرتی ہے اور ظاہر ہے کہ انسان اپنے نفس سے نفرت نہیں کرتا۔

حضرت علامہ حائری مرحوم اپنی تفسیر لوامع التنزیل جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۷ پر بذیل آیت سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا لکھتے ہیں:

اقول، پس این جا معلوم شد کہ معتقد ایشاں ہمیں بود کہ بشریت مانع رسالت و ایشاں از غایت جہالت و نہایت ضلالت درمسئلہ خطا کردند و ندا ستند کہ تجانس موجب توانس است و تخالف مقتضی تنافر الجنس الی الجنس یمیل پس بالیقین ثابت شد کہ رسول از جنس مرسل الیہم باید باشد تا افادہ و استفادہ دریاں پدید آید و ھو العالم۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ ان (کفار) کا عقیدہ یہ تھا کہ بشریت رسالت سے مانع ہے لیکن انھوں نے اپنی انتہائی جہالت وضلالت کی وجہ سے اس مسئلہ میں غلطی کی اور یہ نہ سمجھا کہ ہم قسم ہونا باعث انس اور ہم قسم نہ ہونا باعث نفرت ہوتا ہے۔ کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس۔ پس یہ بات بالیقین ثابت ہوگئی کہ رسول کو مرسل الیہم کی قسم سے ہونا چاہیے تاکہ بآسانی افادہ واستفادہ ہو سکے۔ واللہ العالم۔

ایک ضروری وضاحت:

کہا جاتا ہے کہ یہ ذوات مقدسہ صرف لباس بشریت میں ملبوس ہیں در باطن بشر وانسان نہیں ہیں، بلکہ کچھ اور ہی ہیں۔ ان باطن بین حضرات سے التماس ہے کہ اگر اس نظریہ کی کوئی اساس وبنیاد ہوتی تو پھر خدائے حکیم خود انبیاءؑ ومرسلینؑ اور ائمہ طاہرینؑ کو بشریت کا فلسفہ بیان کر کے کفار ومشرکین کی تسلی وتسکین کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ صرف یہ کہہ کر ان کا ناطقہ بند کر دیا جاتا کہ تم اپنی کوتاہ بینی سے جن (انبیاءؑ واوصیاءؑ) بشر سمجھ رہے ہو، یہ تمہاری نظر کا دھوکا ہے، وہ در حقیقت بشر وانسان نہیں، بلکہ کسی اور نوع کے افراد ہیں۔ اور صرف بشری جامہ میں ملبوس ہیں، لیکن جب یہ جواب نہیں دیا گیا، بلکہ بشریت کا فلسفہ دراز کر کے ان کو قائل کرنے کی سعی جمیل کی گئی ہے کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے ہوتے اور ان کی طرف رسول بھیجنا ہوتا تو کسی فرشتہ کو ہی رسول بنا کر بھیجا جاتا۔ لیکن جب انسانوں کی طرف بھیجنا مقصود تھا تو ضرورت تھی کہ کسی انسان کامل کو ہی بھیجا جائے۔ تو اس سے واضح وآشکار ہو گیا کہ یہ بزرگوار حقیقی انسان کامل ہیں۔

Scanned with CamScanner

نیز یہ بھی خفی نہ رہے کہ سطور بالا میں بعض علمائے کرام کا جو کلام پیش کیا گیا ہے، اس میں بار بار جنس بشر کی لفظ استعمال ہوئی ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اس سے اس خیال کے لوگوں کی تائید ہوتی ہے، جو بشر کو جنس اور وحی کو فصل قرار دیتے ہوئے انبیاءؑ کی نوع علیحدہ تجویز کرتے ہیں۔ کیونکہ یہاں جنس کی لفظ اس کے لغوی معنی (قسم) میں استعمال کی گئی ہے نہ کہ منطق والے اصطلاحی معنی میں۔ اس امر کی مزید وضاحت آٹھویں دلیل کے ضمن میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ایک توہم کا ازالہ:

اسی طرح یہاں یہ توہم بھی کیا جاتا ہے کہ جناب رسولِ خداؐ کی نبوت اور ائمہ ہدیٰؑ کی امامت صرف انسانوں تک تو منحصر نہیں کہ ان کو انسان تسلیم کیا جائے وہ تو پورے عالمین کے ہادی ہیں۔ تو اس توہم کے ازالہ کے لیے پہلی گزارش تو یہ ہے کہ یہاں جو بحث ہو رہی ہے وہ صرف آنحضرتؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کے متعلق نہیں بلکہ یہ سب انبیاءؑ و اوصیاءؑ کے متعلق ہے اور ظاہر ہے کہ سرکار ختمی مرتبتؐ اور ان کی عترت اطہارؑ کے علاوہ باقی تمام انبیاءؑ و اوصیاءؑ صرف بنی نوع انسان کے ہی راہنما تھے۔ لہٰذا وہاں تو فلسفہ بشریت کے پیش نظر ان کو بشر و انسان تسلیم کرنا پڑے گا اور دوسری التماس یہ ہے کہ یہ بالکل صحیح ہے کہ آنحضرتؐ عالمین کے بشیر و نذیر اور ائمہ اطہارؑ عالمین کے رہنما و پیشوا ہیں اور اس عالمین میں بے شمار انواع کا جال بچھا ہوا ہے۔ کوئی نوع عالی ہے، کوئی سافل ہے، اور کوئی متوسط۔ تو ظاہر ہے کہ ان پیشواؤں کا تعلق بھی آخر ضرور کسی تو نوع سے ہوگا۔ اب حقیقت حال تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو نوع عالی سے ہوگا یا سافل سے یا متوسط سے۔ آخری دو شقیں تو بالبداہۃ باطل ہیں، ورنہ لازم آئے گا کہ مقتدی کی نوع بلند اور مقتدا اور پیشوا کی پست ہو۔ ان ہذا الا اختلاق۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ پہلی شق ہی صحیح ہے۔ یعنی ان کا تعلق نوع عالی سے ہی ہونا چاہیے۔ اب رہا یہ سوال کہ وہ نوع عالی کونسی ہے؟ تو ہم ابھی اوپر پانچویں دلیل میں ثابت کر چکے ہیں کہ تمام انواع عالم میں سے انسانی نوع ہی سب سے اجل و ارفع ہے۔

اس کے بعد یہ حقیقت ناقابل انکار حد تک واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ ان ذواتِ مقدسہ کا تعلق اسی انسانی نوع سے ہے۔

ساتویں دلیل:

بکثرت آیاتِ محکمہ اور روایات متواترہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام پر لفظ انسان کا اطلاق کیا گیا ہے۔ بطور نمونہ صرف چند آیاتِ مقدسہ پیش کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

Scanned with CamScanner

❶ ارشاد قدرت ہے: ام یحسدون الناس علی ما آتاھم اللہ من فضلہ (پارہ ۵ سورہ نساء آیت) کیا وہ لوگوں پر اس کا حسد کرتے ہیں جو کچھ اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے۔ (ترجمہ مقبولؒ)
اس آیت مبارکہ میں الناس (لوگوں) سے مراد حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ جیسا کہ اصول کافی، تفسیر برہان اور تفسیر صافی وغیرہ کتب میں مروی ہے۔

❷ سورہ زلزال میں ہے: جب بروز قیامت زمین میں زبردست زلزلہ آئے گا تو قال الانسان مالھا۔ ایک انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا ہے؟ تفاسیر اہل بیتؑ میں یہی ہے کہ اس انسان سے مراد حضرت امیر علیہ السلام ہیں۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۴۷ وغیرہ)

❸ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: ومن الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رءوف بالعباد۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو خدا کی رضا جوئی کی خاطر اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں، خدا اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ باتفاق فریقین یہ آیت مبارکہ جناب امیر المومنین علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اسی طرح سورۃ دہر جو اہل بیتؑ کا قرآن قصیدہ ہے، اس میں کئی بار ان پر انسان کا اطلاق ہوا ہے۔ اس پر کیا منحصر ہے روایات اور علماء اعلام کے ارشادات سے ظاہر ہوتا ہے کہ تین سو سے زیادہ آیات ائمہ اہل بیتؑ کی مدح وثنا میں وارد ہیں، اور ان میں اکثر و بیشتر میں ان کو انسان ہی کہا گیا ہے۔ تو اگر اس فاسد نظریہ کی بنا پر یہ ذوات مقدسہ انسان نہیں (معاذ اللہ) بلکہ ان کی نوع الگ ہے تو پھر ان آیات کا مصداق کوئی اور تلاش کرنا پڑے گا۔

انہی حقائق کی بنا پر علامہ ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار ومشکوۃ الاسرار صفحہ ۴۷ پر اصول کافی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کرنے کے بعد جس میں ایک آدمی کا حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر الناس، اشباہ الناس اور نسناس کا مطلب دریافت کرنا اور آنجنابؑ کا شہزادہ امام حسنؑ کو جواب پر مامور کرنا، اور امام حسنؑ کا الناس (لوگوں) سے جناب رسول خدا و ائمہ ہدیٰؑ اور اشباہ الناس (لوگوں سے مشابہ) سے شیعیان اہل بیتؑ اور نسناس سے مخالفین کا مراد لینا مذکور ہے۔ فرماتے ہیں: والاخبار فی تاویل الناس بالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم والائمۃ کثیرۃ۔ یعنی اس سلسلہ میں کہ بکثرت اخبار موجود ہیں کہ الناس سے جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ مراد ہیں۔

جو لوگ علوم عربیہ سے معمولی سی واقفیت بھی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ: التبادر علامۃ الحقیقۃ کہ کسی لفظ کو سن کر کسی معنی کا متبادر الی الذہن ہونا (جلد ذہن میں آنا) اس کے حقیقی معنی

Scanned with CamScanner

ہونے کی قطعی دلیل ہوا کرتا ہے، جب تک اس کے خلاف کوئی قطعی دلیل اور قرینہ موجود نہ۔ (معالم، قوانین اور کفایۃ الاصول و مطول وغیرہ کتب معانی واصول ملاحظہ ہوں) لہٰذا جب انبیاءؑ و ائمہؑ پر لفظ انسان کا اطلاق ہوا ہے تو جب تک اس اطلاق کے مجاز ہونے پر کوئی قطعی قرینہ اور دلیل نہ پیش کی جائے اس وقت تک اس سے یہی سمجھا جائے گا کہ انسان کا ان ذواتِ مقدسہ پر حقیقی معنوں میں اطلاق ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں کوئی قرینہ مجاز نہیں ہے، لہٰذا لامحالہ اسے اپنے حقیقی معنی پر ہی محمول کیا جائے گا۔ و ھو المقصود۔ حق یہ ہے کہ اصلی اور حقیقی انسان تو ہیں ہی یہی ذوات مقدسہ، جن پر پورے عالم انسانیت کو فخر و ناز ہے۔ عام لوگ اس لیے انسان کو معمولی سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے آپ کو انسان سمجھتے ہیں۔ اس لیے خیال کرتے ہیں کہ اگر یہ بزرگوار انسان ہوئے تو ہم جیسے ہی ہوں گے۔ حالانکہ ع

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

اگر ان کو مقام انسانی کی بلندی کا علم ہوتا تو وہ قطعاً انبیاءؑ و ائمہ علیہم السلام کے انسان ہونے کا ابا و انکار نہ کرتے۔

آٹھویں دلیل:

جن اخبار و آثار میں وارد ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ جنس بشر سے ہیں، اگرچہ ان سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ نوع بشر سے ہیں، کیونکہ ارباب علم و انصاف جانتے ہیں کہ ان مقامات میں جنس کے لغوی معنی مراد ہیں نہ منطقی۔ ظاہر ہے کہ قرآن و حدیث میں یہ الفاظ لغت عرب کے اعتبار سے استعمال ہوئے ہیں، نہ کہ فلاسفہ و مناطقہ یونان کی اصطلاح کے لحاظ سے، جیسا کہ گلستان قرآن و حدیث کی سیر کرنے والے اہل علم و عرفان پر یہ حقیقت واضح و عیاں ہے۔ واضح ہے کہ جنس کے معنی لغت عرب میں ضرب یعنی نوع یعنی قسم کے ہیں۔ چنانچہ لغت کی مشہور و مستند کتاب منجد صفحہ ۱۰۵ طبع ۱۸ میں مرقوم ہے: کل ضرب من الشی فالابل مثلا جنس من البھائم۔ یعنی ہر وہ چیز جو کسی شی کی قسم سے ہو، مثلاً اونٹ چار پایوں کی جنس یعنی قسم سے ہے۔ (کذا فی القاموس جلد ۲ صفحہ ۲۰۵ طبع مصر)

خلاصہ یہ کہ لغوی اعتبار سے جنس، نوع اور صنف باہم متقارب المعنی الفاظ ہیں اور ایک دوسرے معنوں میں استعمال ہوتے رہتے ہیں۔ بایں ہمہ اگر کوئی صاحب اسی بات پر ہی مصر اور بضد ہوں کہ جب تک آل محمدؐ کے فرمان میں لفظ نوع نہیں دکھایا جائے گا اس وقت تک وہ ان کو انسانی نوع کے افراد نہیں تسلیم کریں گے، تو ان کی ضیافت طبع کے لیے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کیا جاتا ہے۔ کئی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اخبار و آثار میں ان ذوات قدسیہ کے لیے نوع انسانی کے افراد ہونے کی تصریح موجود ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

احمل رسول اللہ علیا یرید بذلک ان یعلم نوعہ انہ ھو الذی یخلفہ من ظھر رسول اللہ من الدین و العداۃ و الاداء عنہ من بعدہ۔

جناب رسول خداؐ نے بروز فتح مکہ حضرت علیؑ کو اپنے کاندھوں پر سوار کر کے یہ چاہا کہ اپنے بعد نوع انسان کو یہ بتائیں کہ جناب علیؑ ہی ایک ایسے آدمی ہیں جو آنحضرتؐ کے بعد آپؐ کے قرضوں اور وعدوں کو پورا کر کے آپؐ کی پشت سے بوجھ ہلکا کریں گے۔ (الدرۃ الباہرہ جلد ۱ صفحہ ۱۱۱)

مرآۃ العقول علامہ مجلسیؒ جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ میں مرقوم ہے:

ثبت انہ لا بد من سفراء بینہ و بینھم و لا بد ان یکونوا من نوع البشر و ان یکونوا مع مشارکتھم لھم فی الخلق و الترکیب مبایدین لھم فی سائر اطوارھم و اخلاقھم مقدسین ملزھین روحانیین یتسامو الملا الاعلیٰ کما مر ذکرہ فیما مضی و معصومین مویدین بالمعجزات لیکونوا حجۃ علی غیرھم۔

ذرا آگے چل کر مزید لکھا ہے:

فاذا تمھدت ھذہ المقدمات فثبت و تبین انہ واجب ان یوجد نبی و ان یکون انسانا و ان تکون لہ خصوصیۃ لیست لسائر الناس و ھی الامور الخارقۃ للعادۃ صفحہ ۱۲۹۔

اس بیان سے یہ ثابت ہو گیا کہ خالق اور عام مخلوق کے درمیان سفیروں کا ہونا ضروری ہے اور یہ کہ ان سفراء کا نوع بشری سے ہونا لازم ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ یہ بزرگوار باوجود اس کے کہ خلقت اور ترکیب میں عام انسانوں کے ساتھ شریک ہوں مگر اپنے مخصوص اخلاق و اطوار میں ان سے جدا ہوں، بلکہ ایسے مقدس و روحانی ہوں کہ عالم بالا کے رہنے والوں کی ہمسری کر سکیں۔ نیز وہ معصوم ہوں اور معجزات سے مؤید ہوں، تاکہ غیروں پر حجت خدا قرار پا سکیں۔

(نمبر ۲ عبارت کا ترجمہ)

پس جب یہ مقدمات ذہن نشین ہو گئے تو اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ نبی کا ہونا واجب ہے اور اس کے لیے انسان ہونا ضروری ہے، ہاں البتہ اس میں ایسی خصوصیت کا ہونا لازم ہے جو عام لوگوں میں نہ ہو اور وہ خصوصیت اس کے خارق عادت امور (معجزات) ہیں۔

لیجیے انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے لیے نوع انسانی سے ہونے کی تصریحات بھی مل گئیں۔ فماذا

Scanned with CamScanner

بعد الحق الا الضلال۔ ہم نے ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ان حضرات کا بنی نوع انسان سے ہونا دکھا دیا ہے۔ اگر علیحدہ نوع کے مدعیوں میں کچھ بھی علمی تب وتاب ہے تو وہ بھی اسی طرح ارشاد معصومؑ سے ان کی علیحدہ نوع کی تصریح پیش کریں۔ (ولا یاتون بہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا) اور اگر ایسا نہ کر سکیں تو پھر اس فاسد عقیدہ سے توبہ کریں۔

نویں دلیل:

اگر تا حال بھی کسی ضدی الطبع آدمی کی تسلی نہ ہوئی ہو تو ہم مزید اتمام حجت کی خاطر اس سے بھی بڑھ کر تصریح پیش کرتے ہیں۔ بعض اخبار و آثار میں انبیاءؑ وائمہؑ کے صنف بشر سے ہونے کی تصریح بھی موجود ہے۔ ظاہر ہے کہ منطقی اصطلاح میں صنف وہ نوع ہے جو کسی خارج از ذات خصوصیت سے مقید و مشروط ہو۔ جیسے انسان کے لیے زنگی، رومی، عراقی، ایرانی، پاکستانی، یا مکی، مدنی، لاہوری، پشاوری وغیرہ۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۷)

حضرت حسین بن روح سفیر خاص امام العصر والزمان عجل اللہ فرجہ (جن کے مناقب ومحامد سے کتب سیر وتواریخ چھلک رہی ہیں اور ان فضائل کا ایک معتد بہ حصہ حقائق الوسائط اور جواہر الاسرار میں بھی موجود ہے) یہ جناب فلسفۂ بشریت انبیاءؑ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ولکنہ جلت عظمتہ یبعث الیھم من اجناسھم و اصنافھم بشرا مثلھم و لو بعث الیھم رسلا من غیر صنفھم و صورھم لنفروا عنھم ولم یقبلوا منھم۔

یعنی خداوند عالم لوگوں کی طرف انہی کی جنس اور صنف سے ان جیسے بشروں اور انسانوں کو رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ اگر وہ ان کی طرف ایسے رسول بھیجتا جو ان کی صنف وصورت سے نہ ہوتے تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کے احکام قبول نہ کرتے۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۲۶۴ طبع نجف)

ایسا ہی ایک استدلال جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ خدا وخلق کے درمیان ایسے وسائط معرفت کا وجود ضروری ہے جو مشارکین للناس فی احوالھم علی مشارکتھم فی الخلق والترکیب موییدین من عند الحکیم العلیم۔ (احتجاج صفحہ ۱۸۳)

تنبیہ:

جن احادیث میں لفظ جنس وارد ہے اگر وہاں جنس سے منطقی جنس مراد لی جائے تو پھر یہاں لفظ نوع اور صنف سے بھی ان کے منطقی معنے مراد لیے جائیں گے اور اگر یہ کہا جائے کہ یہاں لغوی معنے مراد ہیں تو پھر جنس کے بھی لغوی معنے ہی مراد لینے پڑیں گے۔ حذو النعل بالنعل۔ بہر حال جو شق بھی

Scanned with CamScanner

اختیار کی جائے ہمارا مدعا بہر حال حاصل ہے کہ انبیاء وائمہ نوع انسانی کے افراد کاملہ ہیں۔ یہ دھاندلی کسی طرح بھی روا نہیں رکھی جاسکتی کہ جنس سے مراد تو منطقی جنس ہو اور نوع وصنف سے لغوی؟

تومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض ؟ ان ھذا الاشیٔ عجاب

دسویں دلیل:

احادیث متظافرہ ومتکاثرہ میں وارد ہے کہ اہل ایمان وایقان اور سرکار محمد وآل محمد علیہ وعلیہم السلام ایک ہی طینت مقدسہ سے پیدا ہوئے ہیں۔ ذیل میں اس دعویٰ کے اثبات کے لیے دو چار احادیث معتبرہ پیش کی جاتی ہیں:

❶ جناب رسالت مآبؐ فرماتے ہیں:

انی خلقت انا وانت من طینۃ واحدۃ ففضلت منہا فضل فخلق منہا شیعتنا ؑ۔

یا علیؑ میں اور تم ایک ہی طینت (مٹی) سے پیدا ہوئے ہیں۔ اس مخصوص طینت میں سے کچھ بچ گئی جس سے ہمارے شیعہ پیدا ہوئے۔ (امالی شیخ طوسیؒ صفحہ ۴۹ طبع ایران)

❷ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

انا و شیعتنا خلقنا من طینۃ من علیین ؑ۔

ہم اور ہمارے شیعہ علیین کی طینت سے پیدا ہوئے ہیں۔ (امالی مذکور صفحہ ۵۱)

❸ نیز انہی جناب سے مروی ہے، فرمایا:

شیعتنا جزء منا خلقوا من فضل طینتنا یسوئنا و یسرہم ما یسرنا۔

ہمارے شیعہ ہماری جزء ہیں، وہ ہماری ہی بچی ہوئی طینت سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اس لیے جو چیز ہمیں دکھ پہنچائے ان کو بھی دکھ پہنچاتی ہے اور جو چیز ہمیں خوش کرے وہ ان کو بھی خوش کرتی ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۸۸)

❹ جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں:

ان فی الفردوس لعیناً احلی من الشہد و الین من الزبد و ابرد من الثلج و اطیب من المسک فیہا طینۃ خلقنا اللہ عز و جل منہا وخلق منہا شیعتنا و من لم یکن من تلک الطینۃ فلیس منا و لا من شیعتنا۔

یعنی فردوس بریں میں ایک چشمہ ہے جس کا پانی شہد سے زیادہ شیریں، گھی سے زیادہ نرم، برف سے زیادہ ٹھنڈا، اور کستوری سے زیادہ خوشبودار ہے۔ اس میں ایک خاص طینت (مٹی) ہے

Scanned with CamScanner

جس سے خدائے عزوجل نے ہمیں اور ہمارے شیعوں کو پیدا کیا ہے۔ پس جو شخص اس مقدس طینت سے پیدا نہیں ہوا وہ نہ ہم سے ہے اور نہ ہمارے شیعوں میں سے ہے۔
(ایضاً صفحہ ۱۹۴ کذا فی الدمعہ الساکبہ جلد ا صفحہ ۲۳)

۵ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لانا وایاکم من نور اللہ عز و جل فجعلنا و طینتنا و طینتکم واحدۃ۔

یعنی ہم اور آپ (شیعہ) خدائے عزوجل کے خاص نور سے ہیں۔ اس نے ہمیں اور ہماری و تمہاری طینت کو ایک بنایا ہے۔ (علل الشرائع صفحہ ۴۲ طبع قدیم)

اسی طرح بصائر الدرجات صفحہ ۱۴ وغیرہ میں اس قسم کے اتحاد طینت کے متعلق قریباً سولہ احادیث موجود ہیں۔ نیز الدمعۃ الساکبہ صفحہ ۲۳ پر بھی اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں، فراجع

ابراز حقیقت:

جہاں ان احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ حضرات ائمہ اطہار علیہم السلام اور ان کے مخلص موالیان کی طینت ایک ہے تو اس سے یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ جن بعض احادیث میں یہ وارد ہے کہ ہم اس مخصوص طینت سے پیدا ہوئے کہ لیس لاحد فیھا نصیب۔ جس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ اس سے بظاہر مخالفین مراد ہیں۔ کیونکہ اہل ولا وایمان تو خود معصومینؑ کے ارشاد باسداد کے مطابق اس طینت مقدسہ میں شریک ہیں۔ اس لیے ان کو اس حصہ سے محروم قرار نہیں دیا جا سکتا۔

واللہ العالم

جب روز روشن کی طرح یہ حقیقت واضح و لائح ہو گئی کہ اہل ایمان وایقان سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام والی مقدس طینت ہی سے پیدا ہوئے ہیں تو بعد ازیں یہ حقیقت محتاج بیان نہیں رہتی کہ اگر بایں ہمہ ائمہ علیہم السلام کی نوع علیحدہ ہے تو پھر مومنین کی نوع بھی علیحدہ تسلیم کرنا پڑے گی اور اگر اہل ایمان انسانی نوع کے فرد ہیں اور یقیناً ہیں تو پھر ائمہ اہل بیتؑ کو بھی اسی نوع کے افراد کاملہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ یہ درست ہے کہ اس موضوع کے متعلق وارد شدہ بعض روایات میں یہ بھی وارد ہے کہ جس طینت سے خدا نے ہمارے ابدان خلق فرمائے ہیں، اس سے ہمارے شیعوں کے قلوب کو پیدا کیا ہے۔ (اصول کافی)

مگر ان روایتوں سے بھی اس مخصوص طینت میں باہمی اشتراک تو ثابت ہے، ان روایات کی بنا پر بھی نوع ایک ہی رہے گی۔ وھذا اوضح من ان یخفیٰ۔

Scanned with CamScanner

گیارھویں دلیل:

یہ بات ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے سلسلہ آباء و اجداد کے وہ بزرگوار جو نبی نہیں، یہ قید، اس لیے لگائی گئی ہے کہ انبیاءؑ کی نوع تو محل بحث ہے اور اسی طرح ان کی امہات محترمات مثلاً جناب رسول خداؐ اور حضرت امیرؑ کے والدین یقیناً بنی نوع انسان کے ہی افراد ہیں، ان کا سلسلہ آباء وامہات کتب سیر و تواریخ میں مذکور ہے۔ نیز ان کی ذریت واولاد (سادات کرام) بھی بالوجدان انسان ہی ہیں، تو اب قابل غور بات یہ ہے کہ جب اس مقدس خانوادہ کے سلسلہ بالا اور سلسلہ پائین میں سب انسان ہی انسان ہیں، تو صرف درمیان سے یہ نوع کیونکر تبدیل ہوگئی؟ اور کس طرح یہ بزرگوار نوع انسانی کے علاوہ کسی اور نوع کے افراد بن گئے؟ کیا کوئی صحیح الدماغ انسان اس کی کوئی صحیح اور معقول وجہ پیش کرسکتا ہے؟ اور کیا عقل انسانی اس لاینحل عقدہ کو حل کرسکتی ہے؟ ھاتوبرھانکم ان کنتم صادقین۔ اسلام میں جو کہ عقل وخرد کا دین ہے، جو دین فطرت ہے، ایسے غیر معقول نظریہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اور نہ ہی وہ ایسے خلاف عقل وفطرت عقیدہ کی تائید کرسکتا ہے۔ اس لیے قانون اسلام کا مُقنّن اعلیٰ (خداوند تعالیٰ اپنے) پیمبر اسلامؐ سے اعلان کراتا ہے کہ: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی۔ اب لوگوں کی مرضی پر منحصر ہے کہ اس کا اقرار کریں یا انکار؟ من شاء فلیومن و من شاء فلیکفر۔

بارھویں دلیل:

تمام متقدمین ومتاخرین علماء شیعہ امامیہ کثر ہم اللہ فی البریہ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ انبیاء و مرسلین و اوصیاء وائمہ طاہرین علیہم السلام سب کے سب نوع انسان سے تعلق رکھتے ہیں۔ بلکہ فی الحقیقت انسان کہلانے کے حق دار ہی وہی ہیں۔ قرائن قاطعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ متقدمین کے عہد میں اس مسئلہ میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں تھا، سب ہی بالاتفاق انبیاء وائمہ کو حقیقی بشر و انسان ہی سمجھتے تھے اور اگر کچھ تھا بھی تو وہ اس قدر خفیف اور اختلاف کرنے والوں کی شخصیت اس قدر معمولی اور غیر اہم تھی کہ علماء ان کو درخور اعتنا اور قابل توجہ ہی نہ سمجھتے تھے۔ اسی لیے ان کی کتب میں اس بحث کا کوئی مخصوص عنوان نہیں ملتا۔ ہاں ان کے کلام حقیقت ترجمان میں کچھ خفی یا جلی اشارات اور بعض جگہ ویسے ضمنی تصریحات ضرور ملتے ہیں، جن سے ان کے عقائد حقہ کی ترجمانی ہوتی ہے۔ پہلے پہل جس شخص نے اس اختراعی عقیدہ کو ہوا دی اور باقاعدہ مدون کیا وہ شیخ احمد احسائی ہے، اور اب انہی خودساختہ نظریات کو کفر و اسلام کا دارو مدار سمجھا جاتا ہے۔ بہرحال ذیل میں علماء کے چند ارشادات پیش کیے جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

❶ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمۃ اوائل المقالات صفحہ ۴۹ طبع ایران پر لکھتے ہیں:

اتفقت الامامیۃ علی ان انبیاء اللہ تعالیٰ عزوجل و رسلہ من البشر افضل من الملائکۃ۔

یعنی تمام فرقہ امامیہ کا اتفاق ہے کہ بشر میں سے جو خدا کے انبیاءؑ ہیں وہ فرشتوں سے افضل ہیں۔

❷ حضرت شیخ صدوقؒ اس سلسلہ میں حضرت ابوالقاسم حسین بن روح نائب خاص حضرت حجۃؑ کا استدلال نقل کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

و لکنہ عز و جل بعث الیھم رسلا من اجناسھم و اصنافھم بشرا مثلھم فلو بعث الیھم رسلا من غیر صنفھم و صورھم لنفروا عنھم و لم یقبلوا منھم۔

لیکن خداوند عالم نے لوگوں کی طرف انہی کی جنس وصنف سے بشر رسول بنا کر بھیجے۔ اگر وہ ان کی جنس وصنف کے علاوہ کسی اور صنف وصورت کے انبیاء مبعوث کرتا تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور ان کی بات قبول نہ کرتے۔ (علل الشرائع جلد ۱ صفحہ ۲۳۰ طبع قم)

❸ سرکار علامہ حلیؒ باب حادی عشر صفحہ ۳۷ پر نبی کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

النبی ھو الانسان المخبر عن اللہ بغیر واسطۃ احد من البشر۔

یعنی نبی وہ انسان ہے جو کسی بشر کے واسطہ کے بغیر اللہ کی طرف سے خبر دے۔ کذا فی شرحہ و کذا افادہ الطریحی فی مجمع البحرین صفحہ ۸۰۔ قریباً تمام کتب علم کلام میں نبی کی یہی تعریف کی گئی ہے۔ فراجع

❹ عالم عارف حضرت محسن فیض کاشانی اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین صفحہ ۸۰ طبع ایران پر صفات نبی وامام بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و یجب ان یکون انساناً لان مباشرۃ الملک لتعلیم الانسان علی ھذا الوجہ مستحیل کما قال اللہ عز و جل و لو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا و للبسنا علیھم ما یلبسون۔

یعنی نبی وامام کا انسان ہونا واجب ہے۔ کیونکہ فرشتہ کا اسی طرح آکر انسانوں کو تعلیم دینا محال ہے، جیسا کہ ارشاد قدرت ہے: "اور اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو آخر اس کو بھی مرد صورت بناتے اور جو شبہے یہ لوگ کر رہے ہیں وہی شبہے (گویا ہم خود ان پر) اس وقت بھی اوڑھا دیتے"۔

(ترجمہ فرمان)

Scanned with CamScanner

۵ سرکار علامہ مجلسیؒ فلسفہ بشریت انبیاءؑ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فاحب و اقتضی حکمته البالغة ان یعرف خلقه بالتوحید و یخصوه به و لم یکن ذلك ممکنا الا بارسال الرسل لما قد تمهد من کمال علوه و نهایة سموه و انحطاط درجة المکلفین و جهلهم و عجزهم فلذا جعل بینه و بین خلقه سفراء یفیض علیهم من جهة کمالهم و یفیضوا علی الخلق من جهة بشریتهم و مجانستهم لهم۔

(بحار الانوار جلد۵ صفحہ۱۱)

یعنی خدا کی حکمت بالغہ نے تقاضا کیا اور خدا نے پسند فرمایا کہ اپنی مخلوق کو اپنی توحید کی معرفی کرائے اور خلق اس کی توحید کی قائل ہو، اور یہ امر بغیر رسولوں کے بھیجنے کے ممکن نہ تھا، کیونکہ وہ انتہائی مرتبہ کمال و بلندی پر فائز ہے اور مکلفین عجز و قصور کے انتہائی پست درجہ پر ہیں۔ اس لیے اس نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان کچھ سفیر مقرر فرمائے جن پر ان کے کمال کی وجہ سے (احکام) نازل کرتا ہے اور مخلوق کے ساتھ اپنی مجانست و بشریت کی وجہ سے وہ (احکام) پہنچاتے ہیں۔

۶ شیخ اکبر شیخ جعفر کاشف الغطا نجفی اپنی کتاب کشف الغطا صفحہ ۳ پر اتمام حجت کے لیے ہادی کے انسانوں سے ہونے کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ولا بارسال من لایدخل تحت قسم الناس من الملائکة او الجن او النسناس لان النفوس لاترکن الیه۔

یعنی اگر کوئی ایسا ہادی بھیجا جائے جو انسانوں کی قسم (نوع) سے نہ ہو بلکہ فرشتوں یا جنوں یا نسناس کی قسم سے ہو تو حجت تمام نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نفوس انسانی اس کی طرف مائل نہیں ہوتے۔

۷ حضرت مولانا دلدار علی صاحبؒ لکھنوی عماد الاسلام جلد ۲ صفحہ ۳ پر نبی کے اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و معنی النبی فی الاصطلاح انسان بعثه الله تعالیٰ لتبلیغ ما اوحی الله۔

یعنی اصطلاح میں نبی کے معنی یہ ہیں کہ وہ ایک انسان ہے جسے خدا اس لیے مبعوث کرتا ہے کہ جو کچھ اس پر منجانب اللہ وحی ہو اس کی تبلیغ کرے۔

سطور بالا میں ① علامہ طبرسی ② علامہ شہر بن آشوب، اور ③ علامہ حائری مرحوم کا اس سلسلہ میں کلام حق ترجمان نقل ہو چکا ہے۔

۸ صاحب رسالہ "صراط النجاۃ" صفحہ ۷ طبع ایران پر لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

برائے خدا لازم است عقلاً کہ در روئے زمین از نوع بشر یک نفر شخص کامل من جمیع الجہات را بہ منصب نبوت و خلافت الٰہیہ ممیز و معین نماید۔

یعنی از روئے عقل خدا کے لیے لازم ہے کہ نوع بشر سے ایک ایسے شخص کو جو ہر لحاظ سے کامل ہو منصب نبوت و خلافت پر فائز کرے۔

۹ آقائے سید مہدی موسوی نے اپنی کتاب لوامع الانوار طبع ایران کے صفحہ ۵۲ و ۸۸ پر لکھا ہے: لا یخفی ان الانبیاء و الرسل من البشر فھو خیر منھم و افضل لا۔ یہ بات مخفی نہیں ہے کہ انبیاء و رسل بشر ہیں (اور جب حضرت امیر خیر البشر ہیں) تو وہ (علیؑ) یقیناً ان سے افضل ہوں گے۔ اور صفحہ ۲۵۲ پر لکھتے ہیں:

و نعتقد ان علیاً بشر مخلوق من مخلوق اللہ تعالیٰ و وصی رسول اللہ ﷺ

ہم یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ بشر (انسان) ہیں اور منجملہ مخلوق خدا کے خدا کی مخلوق اور جناب رسول خداؐ کے وصی ہیں۔

۱۰ جناب آقائے محسنی اپنی کتاب صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۶۸ طبع النجف میں انبیاء کے خواص شمار کرتے ہوئے چوتھی خصوصیت یہ بیان کرتے ہیں:

کونھم کغیرھم فی اوصاف البشریۃ لقولہ تعالیٰ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی (الکھف) و لقولہ و ما ارسلنا من قبلک من المرسلین الا انھم یاکلون الطعام و یمشون فی الاسواق (الفرقان ۲۰)

ضروری ہے کہ وہ بشری اوصاف میں دوسرے انسانوں کی طرح ہوں۔ چنانچہ خداوند عالم کا ارشاد ہے (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ (بحیثیت مخلوق) میں (بھی) تم ہی جیسا ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ نیز خدا کا ارشاد ہے: اور ہم نے تم سے پہلے جو رسولؐ بھیجے تھے وہ کھانا بھی کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔ (ترجمہ مقبولؒ)

۱۱ فاضل جلیل جناب آقا سید اسماعیل نوری اپنی کتاب کفایۃ الموحدین جلد ۱ صفحہ ۵۰۹ پر نبوت مطلقہ کے اثبات پر دلائل قائم کرتے ہوئے بطور نتیجہ لکھتے ہیں:

پس لازم اس کہ آں واضع از جنس بشر باشد کہ بتوانند نوع انسان الفت بگیرند۔ باو و نزدیک شانند باو۔

پس لازم ہے کہ وہ (قانون ساز) واضع بشر کی قسم سے ہو، تاکہ انسان اس سے الفت کریں اور

Scanned with CamScanner

اس سے مانوس ہوں۔ اس مقام پر لفظ جنس بشر سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے۔ کیونکہ ہم قبل ازیں بھی اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ ایسی عبارات میں جنس کا لغوی مفہوم مراد ہوتا ہے، نہ کہ منطقی۔ اس کا مزید ثبوت خود فاضل موصوف کی اس عبارت سے ملتا ہے۔

سابقہ عبارت کے چند صفحے بعد صفحہ ۵۱۴ پر انبیاء کے صاحب معجزہ ہونے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

پس پیغمبر عبارت از فردیست از افراد انسان کہ متمکن باشد از کردن کارے کہ سائر مردم ازاں عاجز باشند۔

پس پیغمبر انسانی افراد میں سے وہ فرد (کامل) ہے جو ایسا کام (معجزہ) انجام دینے پر قادر ہے جس کی انجام دہی سے تمام لوگ عاجز و قاصر ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ نبی کا جنس بشر سے ہونے کا مطلب ہے نوع انسانی کا فرد اکمل ہونا۔

⑫ عالم جلیل جناب سید مہدی قزوینی نے اپنی کتاب بوار الغالین صفحہ ۱۲۶ طبع بمبئی میں انبیاء و ائمہ کے نبی نوع انسان سے ہونے پر تمام مسلمانوں کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے۔ چنانچہ وہ شیخ احمد احسائی (بانی مذہب شیخیہ) کے بعض عقائد سخیفہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

من جملة عقائد الشیخ احمد الخالفة لما علیه المسلمون کون النبی و عترته خلقا فوق بنی آدم۔ الخ۔

شیخ احمد احسائی کے من جملہ ان عقائد کے جن میں اس نے تمام مسلمانوں کی مخالفت کی ہے یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ نبیؐ اور ان کی عترت اطہارؑ بنی آدم کے اوپر کوئی اور مخلوق ہیں، الخ۔

ان حقائق و دقائق کی روشنی میں معمولی خداداد عقل و انصاف رکھنے والا انسان بھی بآسانی اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی انسان کے علاوہ کوئی اور نوع قرار دینا عقل و نقل اور قرآن کریم و حدیث معصومین اور اتفاقِ علماء کاملین کے سراسر خلاف ہے اور حقیقت واقعیہ یہی ہے کہ یہ ذوات عالیہ و متعالیہ نوع انسان کے ہی افضل ترین و مقدس ترین افراد ہیں۔ ہاں جہاں تک ان کے فضائل و کمالات اور محامد صفات کا تعلق ہے ان کی وجہ سے وہ صرف بنی نوع انسان ہی نہیں بلکہ جن و ملک بلکہ تمام کائنات کے سید و سردار ہیں۔

یا ایها الناس قد جاء کم موعظة من ربکم و شفاء لما فی الصدور و هدی و رحمة للمومنین۔

Scanned with CamScanner

بعض شکوک و شبہات کا ازالہ:

جو کچھ اب تک اس موضوع پر سپرد قلم کیا گیا ہے وہ اگرچہ اہل عقل و انصاف کے لیے کافی ہے بھی کچھ زیادہ ہے، تاہم یہ مبحث تشنہ تکمیل رہے گا اگر دوسرے حضرات کے جملہ دلائل اور بالفاظ مناسب شکوک و شبہات ذکر کر کے ان کا پوری طرح ازالہ نہ کر دیا جائے۔ اس لیے ہم ذیل میں یہ شبہات مع قطعی جوابات کے پیش کرتے ہیں۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

جو لوگ انبیاءؑ و ائمہؑ کی علیحدہ نوع تجویز کر کے بزعم خود اس میں ان کی عظمت کا راز پوشیدہ سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے وہ درحقیقت بعض مغالطات و شبہات کا شکار ہیں۔ ان کا سب سے پہلا اور بڑا شبہ یا مغالطہ یہ ہے کہ اگر ان بزرگواروں کو انسانی نوع کے افراد تسلیم کر لیا جائے تو پھر ان کو تمام صفات و خصوصیات میں بھی عام انسانوں جیسا تسلیم کرنا پڑے گا۔ اس طرح وہ من جمیع الجہات ہماری طرح ہو جائیں گے۔ پھر ان کو ہم پر کیا فوقیت و فضیلت ہوگی؟ اور وہ کس طرح نبی یا امام بن سکیں گے؟۔ یہ امر ان کی سراسر غلط فہمی اور حقائق سے چشم پوشی پر مبنی ہے، ورنہ ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ کائنات عالم کی جہاں مختلف انواع میں باہمی فرق مدارج پایا جاتا ہے وہاں ہر ہر نوع کے افراد میں بھی درجات و مراتب کا تفاوت و اختلاف موجود ہے اور ہر ہر نوع میں فاضل و مفضول اور راجح و مرجوح افراد پائے جاتے ہیں۔ فضلنا بعضهم على بعض فی الدرجات۔ اس میں شک نہیں کہ نبی بشر ہوتا ہے لیکن اگر ہم خاک ہیں تو وہ اکسیر، ہم پتھر ہیں تو وہ گوہر، ہم سنگ خارا وہ پارس، ہم ذرہ وہ آفتاب، ہم جاہل وہ عالم، ہم ناقص وہ کامل، ہم مثل قالب ہیں وہ جان عالم، وہ بشر ہے مگر روح مجسم، وہ جسم ہے مگر جسم مروح۔ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ جنسیت یا نوعیت میں شریک ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ جملہ کمالات و صفات میں مساوی ہوں، جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک حیوان نہایت ہی ضعیف القویٰ والحواس ہوتا ہے اور تمام حواس بھی نہیں رکھتا، اور ایک حیوان نہایت ہی قوی الحواس، سریع الحس ہوتا ہے اور حرکت ارادی و احساس میں درجہ کمال پر پہنچا ہوا۔ حالانکہ دونوں حیوان ہی کہلاتے ہیں۔ اسی طرح انسان تمام انسان کہلاتے ہیں لیکن ایک انسان نہایت ادنیٰ درجہ میں ہوتا ہے، حتی کہ حیوانوں سے بھی بدتر اور ایک نہایت درجہ کامل، حالانکہ وہ بھی بشر ہے اور یہ بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ باقل اور ابن ہبنقہ (جو حماقت میں ضرب المثل ہیں) بھی بشر ہے، بلکہ انسان ہے، مثل ارسطو افلاطون، اور یہ کہنا بالکل صحیح ہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ جملہ کمالات میں مساوی ہیں، بلکہ اتنا فرق

Scanned with CamScanner

ہے کہ ان میں آپس میں کوئی نسبت قائم نہیں کی جا سکتی۔ سوائے اس کے کہ صورت انسانی رکھتے ہیں اور آدمی کہلاتے ہیں۔ (کشف الاسرار صفحہ ۲۹)

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ و امامؑ کی خلقت جس قسم کے مادہ سے ہوتی ہے وہ اور ہے اور عام لوگوں کی خلقت کا مادہ اور ہے۔ چنانچہ راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے ہمراہ اس سال حج ادا کیا جس سال جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت ہوئی۔ جب جناب حمیدہ نے یہ خبر دی کہ جناب موسیٰ کاظم علیہ السلام جس وقت شکم مادر گرامی سے باہر تشریف لائے ہیں تو دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور سر مبارک بلند کیا تو امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

ان ذلك امارة رسول الله و امارة الوصی من بعده فقال انه لما كانت الليلة التی علق فيها بعدی اتی ات جدا بی بكاس فيه شربة ارق من الماء و الين من الزبد و احلی من الشهد و ابرد من الثلج و ابيض من اللبن فسقاه اياه و امره بالجماع فقام فجامع فعلق بعدی و لما كانت الليلة التی علق فيها بابی اتی ات جدی فسقاه كما سقی جدا بی و امره بمثل امره فقام فجامع فعلق بابی و لما كانت الليلة التی علق فيها بی اتی ات ابی فسقاه بما سقاهما و امره بالذی امرهما به فقام فجامع فعلق بی و لما كانت الليلة علق فيها بابنی اتانی ات كما اتاهم ففعل بی كما فعل بهم فقمت و انا مسرور بما يهب الله لی فجامعت فعلق بابنی هذا المولود فدونكم فهو والله صاحبكم من بعدی و ان نطفة الامام مما اخبرتك ؑ

(اصول کافی کتاب الحجۃ باب موالید الائمہ جلد ۳ صفحہ ۳۵)

بے شک یہ جناب رسول خداؐ کی نشانی ہے اور آپؐ کے بعد علامت وصی، راوی کہتا ہے میں نے عرض کی میری جان آپ پر فدا ہو علامت رسول اور علامت وصی کا کیا مطلب ہے۔ امامؑ نے فرمایا جب کہ وہ شب آئی جس میں میرے جد بزرگوارؑ کا انعقاد ہوا تھا تو لایا ایک لانے والا جناب امام حسین علیہ السلام کے پاس ایک جام جس میں شربت تھا جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ میٹھا، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ پس پلایا میرے جد بزرگوار کے والد کو۔ اس کے بعد اللہ کا حکم پہنچایا کہ مقاربت کریں۔ چنانچہ وہ اٹھ کر اپنی زوجہ محترمہ کے پاس گئے۔ اور میرے جد کا انعقاد ہو گیا۔ اور جب میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہونا تھا تو اسی طرح لایا لانے والا شربت کا پیالہ میرے جد کے پاس اور ان کو پلایا جیسا کہ میرے جد کے پدر

Scanned with CamScanner

بزرگوار کو پلایا تھا۔ پھر ان کو خدا کا وہی حکم پہنچایا تھا۔ پس میرے جد نے اٹھ کر مقاربت کی۔ پس میرے پدر بزرگوار کا انعقاد ہو گیا۔ اور جب وہ شب آئی جس میں میرا انعقاد ہونا تھا تو پھر لایا لانے والا۔ پس اسی طرح کیا جس طرح ان حضرات کے ساتھ کیا تھا۔ پس جب وہ رات آئی جس میں میرے اس بیٹے کا انعقاد ہونا تھا، تو وہی فرشتہ میرے پاس آیا اور مجھے خدا کا حکم پہنچایا اور میں اس بات کی وجہ سے خوش وخرم ہو کر اٹھا جو خدا مجھے عطا فرمانے والا تھا۔ اور مباشرت کی۔ پس میرے اس بیٹے کا انعقاد ہو گیا، جو اب پیدا ہوا ہے۔ خدا کی قسم میرے بعد تمہارا صاحب (امام) یہی ہے اور بے شک نطفہ امامؑ کا اسی شربت سے ہوتا ہے جس کی تجھ کو خبر دی ہے۔ پس امامؑ نے نص فرمادی ہے کہ امام کا مادہ کثیف اور ارضی نہیں بلکہ لطیف اور عرشی ہوتا ہے۔

پہلا جواب:

اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ ہمیں اس بات کا ہرگز انکار نہیں ہے کہ امام کا مادہ نہایت طیب ولطیف اور پاکیزہ غذا سے تشکیل پاتا ہے، اس امر کا بھی اعتراف ہے کہ ان کی طینت مقدسہ نہایت اعلیٰ اور لطیف ہوتی ہے، جیسا کہ اصول کافی، بصائر الدرجات اور ہفتم بحار وغیرہ کتب میں اس قسم کی متعدد احادیث موجود ہیں۔ مگر بایں ہمہ اس سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ان کی نوع علیحدہ ہے، ورنہ اگر اتنے سے اختلاف کی وجہ سے نوع بدل جائے تو پھر کافر و مسلم اور مومن و مخالف کی بھی نوعیں علیحدہ علیحدہ تسلیم کرنا پڑیں گی۔ کیونکہ متعدد احادیث میں ان سب کی طینتوں کا باہم مختلف ہونا بھی مذکور ہے۔ بطور نمونہ یہاں صرف ایک دو حدیثیں پیش کی جاتی ہیں۔

❶ عن علی بن الحسین علیہ السلام قال ان اللہ عز وجل خلق النبیین من طینۃ علیین قلوبھم و ابدانھم و خلق قلوب المومنین من تلک الطینۃ و جعل خلق ابدان المومنین من دون ذلک و خلق الکفار من طینۃ سجین قلوبھم و ابدانھم ؑ

(الحدیث طویل نقلناہ بقدر الحاجۃ)

خداوند عالم نے انبیاء علیہم السلام کے دلوں اور بدنوں کو طینت علیین (بہشت کی مٹی) سے پیدا کیا ہے ؑ (اصول کافی صفحہ ۳۰۶ یک جلدی طبع تہران)

❷ صالح بن سہل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق آل محمد علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: المومنون من طینۃ الانبیاء؟ کیا مومنین انبیاء والی طینت سے پیدا ہوئے ہیں؟ قال نعم۔ فرمایا ہاں۔ (ایضاً صفحہ ۳۰۷)

Scanned with CamScanner

● حضرت امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: خلق عدونا من سجین۔ خدا نے ہمارے دشمنوں کو طینت سجین (دوزخ کی مٹی) سے پیدا کیا ہے۔ (اینا صفحہ ۳۰۷)

تو کیا ان احادیث کے پیش نظر کوئی شخص یہ تصور بھی کرسکتا ہے کہ مومن کی نوع الگ ہے اور کافر کی الگ؟ تو بالکل اسی طرح اس سے بھی نوع پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ نطفہ عرشی شربت سے متکون ہو یا فرشی غذا سے۔ شرعی اور طبی نقطہ نظر سے یہ درست ہے کہ غذا کی لطافت و کثافت اور حلت و حرمت کا وضعی اثر مولود کی سیرت اور اس کے کردار بلکہ اس کی جسمانی صحت پر بھی فی الجملہ اثر پڑتا ہے، مگر یہ چیزے دیگر است۔ غذا کے اس اختلاف کو دیکھتے ہوئے کیا کوئی صاحب عقل سلیم اور طبع مستقیم یہ کہہ سکتا ہے کہ اس غذا سے متولد ہونے والے بچوں کی نوعیں بھی مختلف ہوں گی۔

مالکم کیف تحکمون

دوسرا جواب:

اگر اس بنا پر نبی و امام کی نوع علیحدہ تجویز کی جاتی ہے کہ ان کا مادہ کثیف اور ارضی نہیں بلکہ لطیف اور عرشی ہے تو پھر تمام اہل ایمان کی نوع الگ تسلیم کرنا پڑے گی۔ کیونکہ جہاں یہ امر روایات میں وارد ہے کہ امام کا مادہ ماکول و مشروب عرشی سے معکون ہوتا ہے، وہاں یہ بھی وارد ہے کہ مومن کا مادہ خلقت بھی ماکول و مشروب عرشی سے بنتا ہے۔ ملاحظہ ہو انوار نعمانیہ از.....طبع قدیم ایران۔ اور اگر اس کے باوجود مومنین کرام انسانی نوع کے ہی افراد ہیں تو پھر انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو بھی نوع انسانی کے افراد کاملہ ہی ماننا پڑے گا۔ و ھو المطلوب و قد حصل بعون اللہ الودود۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

متعدد اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہو چکا ہے کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام میں عام ارواح کے علاوہ ایک اور خاص روح ہوتی ہے، جسے روح القدس کہا جاتا ہے۔ چنانچہ جناب جابر جعفی امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں، امامؑ نے فرمایا:

یا جابر ان فی الانبیاء و الاوصیاء خمسۃ ارواح، روح القدس و روح الایمان و روح المیوعۃ و روح القوۃ و روح الشھوۃ، فبروح القدس یا جابر عرفوا ما تحت العرش الی ما تحت الثری، ثم قال یا جابر ان ھذہ الاربعۃ ارواح یصیبھا الحدثان الا روح القدس فانھا لا تلھو و لا تلعب۔ (اصول کافی صفحہ ۱۳۶ طبع ایران)

اے جابر انبیاءؑ اور ائمہ طاہرینؑ میں پانچ روحیں ہوتی ہیں۔ روح قدس، روح قوت، روح

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

شہوت، روح ایمان اور روح حیات۔ پس اے جابر یہ مخلوقات روح القدس کے ذریعے سے ماتحت عرش سے ماتحت الثریٰ تک علم رکھتے ہیں۔ پھر فرمایا اے جابر ان چار ارواح پر حوادث زمانیہ طاری ہوتے ہیں، مگر روح قدس پر حوادث زمانیہ طاری نہیں ہوتے اور روح قدس نہ سوتا ہے نہ غافل ہوتی ہے اور نہ اس میں تغیرات واقع ہوتے ہیں۔ یہ خاص روح جو خاص خاص برگزیدہ اور منتخب بندوں کو دی جاتی ہے یہ روح نبوتی ہی ہے جو روح انسانی سے بلند و بالا ہے اور یہ روح ان کی ذاتیات میں داخل ہے، اور اس کا خاصہ و اثر وحی ہے اور یہی فصل ممیز ہے، ماہیت نبی بشر اور وحی ہے۔ یہ جنس اور فصل ممیز سے مل کر ماہیت شی بنتی ہے۔ نتیجہ کلام یہ کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبی و امام کی روح روح القدس کی زیادتی کے نوع علیحدہ ہے۔

اس شبہ کے کئی جوابات پیش کیے جاتے ہیں:

پہلا جواب، (روح القدس کی حقیقت میں اختلاف:)

اس امر کے متعلق علماء میں شدید اختلاف ہے کہ روح القدس کی حقیقت کیا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد فرشتہ ہے۔ بعض نے یہ کہا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ ایک اور قسم کی مخلوق ہے۔ بعض نے دوسری روحوں کی طرح اسے جسم کے اندر تسلیم کیا ہے۔ بعض نے جسم سے الگ مگر اس کے ہمراہ ہونے کا نظریہ قائم کیا ہے۔ جو صاحب روح کی برابر تائید و تسدید کرتا ہے۔ اور بعض نے یہ کہا ہے کہ روح القدس دو ہیں۔ ایک جسم میں داخل ہے اور دوسرا خارج۔ چنانچہ مولانا شیخ محمد تقی اصفہانی نے اپنی کتاب العنایات الرضویہ کے صفحہ ۷۵ پر اس کے متعلق سات احتمالات ذکر کیے ہیں، مگر کسی احتمال کو کسی پر ترجیح نہیں دے سکے۔ لکھتے ہیں:

(اضافۃ) لعل المراد بالروح العقل ففی الحدیث العقل اول الروحانیین عن یمین العرش و هذا مطابق للحدیث اول ما خلق العقل و اول ما خلق الله الروح، او ان المراد به الملك ففی الحدیث الروح خلق اعظم من جبرئیل و میکائیل ۔ و یمکن ان یکون بمعنی الرحمة الدائمیة التی لا تزال لانهم احیا عند ربهم یرزقون۔ او بمعنی الرحمة القدسیة کما فی تفسیر قوله تعالیٰ انه لا ییاس من روح الله ای رحمته و ذلك لانهم معدن الرحمة القدسیة فهذه الرحمة روح قدسی۔ او بمعنی الایمان کما فی قوله تعالیٰ و ایدهم بروح منه قیل هو الایمان و هو مروی عنهم و قیل الهدیٰ و الظاهر ان تسمیة الروح بالهدیٰ و الایمان باعتبار اطلاق الحال علی المحل۔ و قیل ان الروح هی نفس

الانسان و حقیقته و هی اخفی الاشیاء۔

یعنی روح سے مراد شاید عقل ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ عقل عرش کے دائیں طرف موجود روحانی مخلوق میں سے ہے۔ اور یہ اس حدیث کے بھی مطابق ہے جس میں وارد ہے کہ سب سے پہلے خدا نے عقل کو پیدا کیا اور سب سے پہلے روح کو پیدا کیا۔ یا اس سے مراد فرشتہ ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے کہ روح جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبت مخلوق ہے۔ ممکن ہے روح بمعنی رحمت دائمہ ہو، جو ہمیشہ ان بزرگواروں کو حاصل رہتی ہے۔ کیونکہ وہ درحقیقت زندۂ جاوید ہیں اور اپنے پروردگار سے رزق پاتے ہیں۔ یا بمعنی رحمت قدسیہ ہے، جیسا کہ ارشاد رب العزت انه لا ییئس من روح الله میں روح کی تفسیر رحمت کے ساتھ کی گئی ہے۔ اور یہ اس لیے ہے کہ یہ بزرگوار رحمت قدسیہ کا منبع و معدن ہیں۔ پس یہی رحمت قدسیہ روح القدس ہے، یا روح بمعنی ایمان ہے، جیسا کہ ارشاد قدرت: وایدهم بروح منه میں روح کی تفسیر ایمان سے کی گئی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد ہدایت ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ روح القدس پر ایمان و ہدایت کا اطلاق مجازی ہے، باعتبار اطلاق حال برمحل (کیونکہ روح القدس ہدایت و ایمان کا محل ہے) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ روح سے مراد حقیقت انسانیہ ہے اور یہ تمام اشیاء سے زیادہ مخفی و مستور ہے۔

اسی طرح عالم ربانی جناب ملا محمد صالح مازندرانی نے اپنی شرح اصول کافی جلد ۶ صفحہ ۶۶ پر روح القدس کے متعلق چند احتمالات ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے: والله العالم و انا استغفرالله مما اقول۔ اللہ ہی اس کی کیفیت کو بہتر جانتا ہے۔ میں نے اس کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کے متعلق بارگاہِ قدرت سے مغفرت طلب کرتا ہوں۔

سرکار علامہ مجلسیؒ جیسا غواص بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۲۶۷ پر روح القدس کے متعلق قریباً دس احتمالات ذکر کرنے کے بعد کسی کو کسی پر ترجیح دیے بغیر اسے قالب اشکال و اجمال میں چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

ثم اعلم ان الروح یطلق علی النفس الناطقة و علی الروح الحیوانیة السار یة فی البدن و علی خلق عظیم اما من جنس الملائکة او اعظم منهم و الارواح المذکورة هنا یمکن ان یکون ارواحا مختلفة متباینة بعضها خارجة عنه او یکون المراد بالجمیع النفس الناطقة باعتبار اعمالها و احوالها و درجاتها و مراتبها او اطلقت علی تلك الاحوال و الدرجات کما انه یطلق علیها النفس الامارة و اللوامة و الملهمة و المطمئنة بحسب درجاتها و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مراتبها فی الطاعة و العقل الهیولانی و بالملائکة و با لعقل المستفاد بحسب مراتبها فی العلم و المعرفة و یحتمل ان یکون روح القوة و الشهوة و المدرج کلها الروح الحیوانیة و روح الایمان و روح القدس النفس الناطقة بحسب کمالاتها او تکون الاربعة سوی روح القدس مراتب النفس و روح القدس الخلق الاعظم (فان ظاهر اکثر الاخبار مبانیة روح القدس النفس مرآة العقول صفحه۱۹۶) و یحتمل ان یکون ارتباط روح القدس علی النفس فی تلك الحالة او علی تلك النفس تطلق روح القدس (علی النفس) و علی تلك الحالة و علی الجوهر القدسی الذی یحصل له الارتباط بالنفس فی تلك الحالة کما تقول الحکماء فی ارتباط النفس بالعقل الفعال بزعمهم و به یاولون اکثر الآیات و الاخبار اعتمادا علی عقولهم القاصرة و افکارهم الخاسرة۔ (کذا فی مرآة العقول جلد ا صفحه ۱۹۶ و قال فی آخره و علم جمیع ذلك عند العلیم الخبیر)

یعنی جاننا چاہیے کہ روح کا (چند معانی پر اطلاق ہوا ہے، کبھی تو اس کا) اطلاق نفس ناطقہ پر ہوتا ہے، اور کبھی اس روح حیوانی پر جو بدن انسانی میں جاری وساری ہے۔ کبھی اس مخلوق عظیم پر جو یا تو ملائکہ کی قسم سے ہے یا ان سے بھی عظیم تر ہے۔ یہ ارواح (جو ان احادیث میں یہاں) مذکور ہیں، ممکن ہے کہ یہ متعدد ومختلف اور باہم دیگر متضاد ہوں، بایں طور کہ بعض بدن میں داخل اور بعض اس سے خارج ہوں، اور ممکن ہے کہ یہ ان تمام سے، مراد نفس ناطقہ ہی ہو (اور سب پر یہ مختلف نام) اس کے مختلف اعمال واحوال اور درجات کی وجہ سے اطلاق کیے گئے ہوں، یا نفس ناطقہ کے انہی احوال و درجات پر ان روحوں کا اطلاق کیا گیا ہے جس طرح کہ انہی مختلف احوال و درجات پر نفس امارہ، لوامہ، ملہمہ اور نفس مطمئنہ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ باعتبار اطاعت وعقل ہیولانی، عقل بالملکہ اور عقل مستفاد کے مختلف مراتب علم و معرفت کے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ روح القوۃ، روح الشہوۃ اور روح مدرج سے مراد روح حیوانی اور روح الایمان وروح القدس سے مراد نفس ناطقہ ہو۔ بحسب اس کے کمالات کے، یا روح القدس کے علاوہ دوسرے چاروں روحوں سے نفس انسانی کے مختلف مراتب مراد ہوں اور روح القدس سے مراد (جبرئیل ومیکائیل سے بھی) عظیم تر مخلوق ہو۔ کیونکہ آثار واخبار سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ (روح القدس) نفس سے مختلف ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ روح القدس کا تعلق نفس سے اس کی اسی حالت (معرفت) میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ اسی نفس پر یا اس کی اس (عرفانی) کیفیت و حالت پر روح القدس کا اطلاق کیا گیا ہے۔ یا اس سے مراد وہ جوہر

Scanned with CamScanner

قدسی ہو جس کا ربط و تعلق نفس کے ساتھ اس کی اسی (معرفت تامہ) والی صورت میں ہوتا ہے، جس طرح حکماء اپنے گمان کے مطابق نفس کے عقل فعال کے ساتھ ارتباط کے متعلق کہتے ہیں اور اپنے عقول ناقصہ و آراء کاسدہ پر اعتماد کرتے ہوئے (اس موضوع کے متعلق) بہت سی آیات و روایات کی اسی کے ساتھ تاویل کرتے ہیں۔ ان تمام حقائق کا صحیح علم علیم وخبیر ذات ہی کو ہے۔

قارئین کرام! مکرر اس نکتہ بحار اخبار ائمۂ اطہارؑ کے اس کلام پر غور و تامل فرمائیں کہ انھوں نے روح القدس کے بارے میں کس قدر احتمالاتِ کثیرہ ذکر فرمائے ہیں اور بالآخر اس کی حقیقت تک اپنی نارسائی کا کس صراحت وصفائی کے ساتھ اقرار فرمالیا ہے تو جس چیز کی حقیقت سمجھنے سے بڑے بڑے اعاظم علماء و جہابذۂ فضلا سپر انداز ہو گئے ہوں، اس مجہول الحقیقت چیز پر کیوں کر استدلال کی دیوار استوار کی جاسکتی ہے؟۔

روح القدس کی حقیقت ائمۂ اطہارؑ کے اخبار کی روشنی میں

جہاں تک ہم نے سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے اخبار و آثار کا تتبع و تفحص کیا ہے اور بقدر امکان و استطاعت جانفشانی اور عرق ریزی کرنے کے بعد جس نتیجہ پر پہنچے ہیں، وہ یہ ہے کہ روح القدس دیگر ارواح کی قسم سے نہیں، بلکہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جو جناب جبرئیل ومیکائیل جیسے جلیل القدر فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔ یہ جناب پیغمبر اسلام ﷺ کے برابر ہمراہ رہا، اور ان کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے ائمۂ اطہارؑ کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے، وہ اگرچہ بغرض تائید و تسدید ہمیشہ ان بزرگواروں کے ہمراہ رہتا تھا، اسی وجہ سے اسے روح مسدد بھی کہا جاتا ہے، مگر کبھی کبھی باقتضائے مصلحت ایزدی کچھ وقت کے لیے ان سے الگ بھی جو جایا کرتا تھا۔ باقی رہا یہ امر کہ اس کا ربط و تعلق کب نبیؐ و امامؑ سے ہوتا ہے؟ اس میں بھی سخت اختلاف ہے۔ اکثر اخبار و آثار سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سلسلہ نبیؐ و امامؑ کے ظاہری مرتبۂ نبوت و امامت پر فائز ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ البتہ بعض اخبار سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ جسمانی ولادت کے ساتھ ہی اس سے اتصال و ارتباط کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ اور بعض آثار سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ اس جسمانی خلقت سے پہلے ان ذواتِ مقدسہ کی روحانی خلقت کے وقت بھی ان کا اس سے ربط و تعلق کا رشتہ قائم تھا۔

واللہ العالم

ذیل میں ہم اپنی اس تحقیق کے مختصر سے شواہد پیش کرتے ہیں، بصائر الدرجات صفحہ ۱۳۴ طبع

Scanned with CamScanner

قدیم پر ائمہ طاہرینؑ کی اس مضمون کی متعدد روایات وارد ہیں، جن میں مختلف سائلین ان حضراتؑ سے دریافت کرتے ہیں: تسئلون عن الشیٔ فلا یکون عندکم علمه قال ربما کان ذلك قلت کیف تصنعون؟ قال تلقانا به روح القدس۔ کہ آیا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آپؑ سے کسی چیز کا سوال کیا جائے اور آپؑ کے پاس اس کا علم نہ ہو؟ فرمایا ہاں، کبھی ایسا ہوتا ہے۔ سائل نے کہا پھر آپؑ اس وقت کیا کرتے ہیں؟ فرمایا روح القدس (منجانب اللہ) اس کی اطلاع دے دیتا ہے۔ بعض روایات میں یہ لفظ وارد ہیں: فاذا ورد علینا شی لیس عندنا تلقانابه روح القدس۔ جب ہمیں کوئی ایسا واقعہ درپیش آئے جس کا حل ہمارے پاس نہ ہو تو روح القدس اس کے متعلق ہم سے ملاقات کرتا ہے۔

بعض احادیث میں یہ الفاظ موجود ہیں: ان عیینا شیئا تلقانابه روح القدس۔ جب ہم کسی چیز کے بارے میں درماندہ ہو جائیں تو روح القدس تائید کرتا ہے۔

(کذا فی منہاج البراعۃ جلد ۳ صفحہ ۶۷ و ۶۸)

بصائر الدرجات کے اسی صفحہ پر امام محمد باقر علیہ السلام کا یہ ارشاد موجود ہے:

ان الاوصیاء محدثون یحدثهم روح القدس ولا یرونه ؑ

اوصیاء محدث ہوتے ہیں، روح القدس ان کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔

صفحہ ۱۳۵ پر ایک روایت درج ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے آیت مبارکہ کذلك اوحینا الیك روحا من امرنا ما کنت تدری ما الکتاب ولا الایمان میں وارد شدہ روح کے متعلق سوال کیا گیا۔ آپؑ نے فرمایا: ملك منذ انزل ذلك الملك لم یصعد الی السماء کان مع رسول اللہ و هو مع الائمة یسددهم۔ یہ ایک فرشتہ ہے جب سے اترا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔ پہلے جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا، پھر ان کے بعد ائمہ ہدیٰؑ کے ہمراہ رہ کر ان کی تائید و تسدید کرتا رہتا ہے۔

صفحہ ۱۳۴ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: فاذا قبض النبیؐ انتقل روح القدس فصار فی الامام۔ الخ۔ جب جناب رسول خداؐ کا انتقال ہو گیا تو روح القدس امامؑ برحق علیؑ کی طرف منتقل ہو گیا۔ اگر دوسری روحوں کی طرح روح القدس بھی ایک روح ہو تو پھر اس طرح تناسخ لازم آئے گا۔ جو تمام اہل اسلام کے نزدیک باطل اور اس کا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: من قال بالتناسخ فهو کافر باللہ العظیم۔ جو شخص تناسخ کا قائل ہو وہ کافر ہے۔ (عیون اخبار الرضاؑ صفحہ ۳۷۳)

بصائر صفحہ ۱۳۵ پر متعدد روایات موجود ہیں جن کا مضمون یہ ہے کہ: منذ انزل اللہ ذلك الروح

Scanned with CamScanner

علی محمد لم یصعد الی السماء انه لفینا۔ جب سے خدا نے اس روح القدس کو آنحضرتؐ پر اتارا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔ اور وہ ہم میں موجود ہے۔

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۱۳۶ پر وہی روایت متعدد طرق سے مروی ہے جو ہم پہلی دلیل کے ضمن میں تفسیر صافی و برہان اور اصول کافی سے نقل کر چکے ہیں کہ امامؑ نے آنحضرتؐ کے متعلق فرمایا:

قد کان فی حال لایدری ما الکتاب و لا الایمان حتی بعث الله تلك الروح فعلمه بها العلم والفهم و کذلك تجری تلك الروح اذا بعثها الله الی عبده علمه بها العلم و الفهم۔

یعنی آنحضرتؐ پر ایک ایسی حالت بھی گزری ہے کہ کتاب و ایمان کا علم نہ رکھتے تھے۔ حتی کہ خدا نے اس روح (القدس) کو بھیجا۔ پس اس کے ذریعہ ان کو (مخصوص) علم و فہم عطا فرمایا۔ اسی طرح اس روح کا یہ سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، جب خدا یہ روح اپنے کسی خاص بندے (امامؑ) کے پاس بھیجتا ہے تو اسے (مخصوص) علم و فہم عطا فرما دیتا ہے۔

اسی طرح صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷ کی بعض روایات سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ یہ روح خلق اعظم من جبرئیل و میکائیل لم یکن مع احد ممن مضی غیر محمد و هو مع الائمة یسددهم و لیس کلما طلب وجد۔ یہ جبرئیل و میکائیل سے بھی عظیم الشان ایک مخلوق ہے سوائے سرور کائناتؐ کے گزشتہ (انبیاء و اوصیاء) میں سے کسی کے ہمراہ نہ تھا، البتہ آنحضرتؐ کے بعد یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ہمراہ تسدید و تائید کی غرض سے رہتا ہے۔ اور ایسا نہیں ہے کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو ضرور پایا ہی جائے۔ بعض حضرات نے جملہ خلق اعظم من جبرئیل و میکائیل سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ وہ فرشتوں کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق رکھتا ہے۔ یہ مطلب درست نہیں ہے۔ اس کے بطلان پر علاوہ اس روایت کے جو بصائر کے حوالہ سے ہم پیش کر چکے ہیں۔

بحار الانوار جلد ہفتم صفحہ ۲۶۵ پر متعدد روایات موجود ہیں، جن میں مذکور ہے:

هو ملك اعظم من جبرئیل و میکائیل کان مع رسول الله و هو مع الائمة علیهم السلام۔

وہ جبرئیل و میکائیل سے بھی عظیم الشان ایک فرشتہ ہے جو پہلے جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا، پھر ان کے بعد ائمہؑ کے ہمراہ رہتا ہے۔

بصائر الدرجات کی مذکورہ بالا حدیث کے آخری جملہ و لیس کلما طلب وجد کی توضیح کرتے ہوئے علامہ مجلسیؒ نے اس کا ایک مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ذلك الروح قد یحضر و قد یغیب و لیس کلما طلب وجد فلذا قد یتاخر جوابهم۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۲۷۲) یعنی اس جملہ کا ایک مطلب یہ بھی

Scanned with CamScanner

ہو سکتا ہے کہ یہ روح القدس کبھی حاضر ہوتا ہے اور کبھی غائب اور جب غائب ہو تو ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو پایا ہی جائے۔ اسی بنا پر بعض اوقات ان حضرات کا جواب مؤخر ہو جاتا ہے۔

روح القدس کے بعض اوقات غائب ہو جانے کی تصریح اس جملہ کی توضیح اور مجلس مرحوم کے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید رجال کشی صفحہ ۱۷۱ اور رجال مامقانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۰ پر ایک طویل حدیث ہوئی ہے جو کہ حضرت امام رضاؑ سے مروی ہے۔ جس میں آپؑ نے اپنے والد ماجد امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو پیش آمدہ سانحہ کے متعلق ایک شبہ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:

غاب عند الصوت قلت و من الصوت قال ملك اعظم من جبرئيل و ميكائيل كان مع رسول الله صلى الله عليه و آله و هو مع الائمة صلوات الله عليهم و ليس كلما طلب وجد۔

یعنی اس وقت محدث آپؑ سے غائب ہو گیا تھا۔ طاؤس راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا محدث کون ہے؟ فرمایا وہ جبرئیل و میکائیل سے عظیم المرتبت ایک فرشتہ ہے جو جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا اور ان کے بعد ائمہ ہدیٰؑ کے ساتھ رہتا ہے اور ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو وہ ضرور پایا جائے۔ مذکورہ بالا احادیث بصائر الدرجات طبع جدید کے صفحہ ۴۵۱ سے لے کر ۴۵۸ تک تیرہ احادیث مع شئے زائد بحار الانوار جلد ۷، از صفحہ ۲۶۵ تا صفحہ ۲۸۴ پھیلی ہوئی ہیں۔ اسی طرح اصول کافی کتاب الحجۃ تفسیر برہان جلد ۴، مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار میں بھی ایسی روایات کا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ فراجع۔

لتعرف صدق المقال و تنكشف لك المحال۔

روح القدس کے فرشتہ ہونے پر دلائل

چونکہ روح القدس کے فرشتہ ہونے پر بعض حلقوں کی طرف سے بہت لے دے ہو رہی ہے، اس لیے اس موضوع پر قدرے تفصیل کے ساتھ تبصرہ کیا جاتا ہے۔

پہلی دلیل:

بکثرت روایات معتبرہ میں اسے ملک (فرشتہ) کہا گیا ہے۔ چنانچہ:

● تفسیر قمی (صفحہ ۳۲۶ طبع ایران قدیم) میں بروایت ابی بصیر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے قل الروح من امر ربی کی تفسیر میں فرمایا: هو ملك اعظم من جبرئيل و ميكائيل كان مع رسول الله صلى الله عليه و آله و هو مع الائمة۔ اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و

Scanned with CamScanner

میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبہ ہے۔ یہ آنحضرتؐ کے ہمراہ تھا اور ان کے بعد ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ رہا۔

☆ بحار جلد ۷ صفحہ ۲۶۵ پر آیت مبارکہ و کذالك اوحینا الیك روحا من امرنا (الآیۃ) کی تفسیر میں انہی جناب سے مروی ہے: هو ملك اعظم من جبرئیل و میکائیل کان مع رسول الله و هو مع الائمة۔ (مطلب ایک ہی ہے۔)

☆ بصائر الدرجات صفحہ ۴۵۶ جزء ۹ طبع جدید میں مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے، فرمایا: ملك منذ انزل الله ذلك الملك لم یصعد الی السماء کان مع رسول الله صلی الله علیه و آله و هو مع الائمة یسددهم۔ یہ روح ایک فرشتہ ہے جب سے خدا نے اسے زمین پر اتارا ہے پھر آسمان کی طرف نہیں گیا۔ یہ جناب رسول خداؐ کے ساتھ تھا، ان کے بعد ائمہ اطہارؑ کے ہمراہ ہے، جو اُن کی تسدید و تائید کرتا ہے۔

☆ بحار جلد ۷ صفحہ ۲۶۵ پر آیت مبارکہ و ایدهم بروح منه کی تفسیر میں بحوالہ تفسیر قمی امام جعفر صادقؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ملك اعظم من جبرئیل و میکائیل و کان مع رسول الله و هو مع الائمة علیهم السلام۔ اس مضمون کی چار روایات بصائر الدرجات صفحہ ۴۶۱ و ۴۶۲ طبع جدید پر موجود ہیں۔ ان روایات سے ان روایات کی تشریح بھی ہو جاتی ہے جن میں هو خلق اعظم من جبرئیل یا هو اعظم من جبرئیل وارد ہے کہ یہ عظمت باعتبار مرتبہ و مقام ہے، نہ باعتبار جنس و نوع فتدبر۔

دوسری دلیل:

صحیفہ کاملہ کی تیسری دعا فرشتوں پر درود و سلام کے متعلق ہے جس کا عنوان ہے: و کان من دعائه علیه السلام فی الصلوة علی حملته العرش و کل ملك مقرب۔ اس دعاء مبارکہ میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نام بنام ملائکہ مقربین پر درود و سلام بھیجتے ہوئے فرماتے ہیں: و الروح الذی هو من امرك۔ اس روح پر بھی سلامتی نازل کر جو تیرے امر سے ہے۔ (صحیفہ سجادیہ صفحہ ۳۴ طبع ایران)

اس کی شرح کرتے ہوئے محدث جلیل جناب جزائری اپنی شرح نور الانوار صفحہ ۵۹ پر لکھتے ہیں:

اشارة الی قوله تعالیٰ یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی و ما اوتیتم من العلم الا قلیلا و للمفسرین فیه آراء و الصواب ماروا الصفار بسند صحیح من هشام بن سالم قال سمعت ابا عبدالله علیه السلام یقول یسئلونك عن الروح قل الروح من امر ربی قال خلق اعظم من جبرئیل و میکائیل لم یکن مع احد ممن مضیٰ غیر محمد صلی الله

Scanned with CamScanner

علیہ و آلہ و ھو مع الائمۃ یوفقھم و یسددھم ولیس کلما طلب وجد۔۔۔

یعنی مفسرین نے اس آیت مبارکہ (قل الروح من امر ربی) کے متعلق مختلف رائیں قائم کی ہیں۔ مگر صحیح وہ ہے جسے صفار نے (بصائر الدرجات صفحہ ۴۶۰ طبع جدید پر) بسند صحیح بروایت ہشام بن سالم امام جعفر صادقؑ سے نقل کیا ہے۔ امامؑ نے فرمایا: یہ ایک مخلوق ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم المرتبت ہے۔ جناب رسول خداؐ کے علاوہ اور کسی گزشتہ نبی کے ہمراہ نہ تھا۔ آنحضرتؐ کے بعد یہ ائمہ اطہارؑ کے ساتھ توفیق و تسدید کی خاطر موجود رہا ہے۔ اور ایسا نہیں کہ جب بھی اسے طلب کیا جائے تو پایا جائے۔

ظاہر ہے کہ چونکہ یہ دعا صرف ملائکہ پر درود و سلام بھیجنے کے لیے وقف ہے تو اس میں جس روح کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ بھی ملائکہ میں سے ہی ہوگا۔

اسی طرح دعائے روز ماہ رمضان میں دوسرے فرشتوں پر درود و سلام بھیجنے کے ساتھ روح القدس پر بھی سلام کیا گیا ہے، وعلی رضوان خازن الجنان و علی مالك خازن النار و روح القدس و الروح الامین و حملۃ عرشك المقربین۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۲۱۴) اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح القدس بھی فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے۔

تیسری دلیل:

ماہ رمضان کی دعائے افتتاح میں امام زمانؑ کے متعلق دعائیہ فقرہ میں وارد ہے: وحفہ بملائکتك المقربین و ایدہ بروح القدس۔ ان کو ملائکہ مقربین کے ساتھ گھیر لے اور ان کی تائید روح القدس کے ساتھ فرما۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۱۸۱ طبع ایران) یہاں بھی ملائکہ مقربین کے ساتھ روح القدس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ نیز اگر روح القدس بدن میں داخل ہوتی تو پھر اس کے ساتھ تائید کی دعا کرنے کا کوئی محل ہی باقی نہیں رہتا۔ کما لا یخفیٰ

چوتھی دلیل:

کئی روایت میں وارد ہے کہ انبیاءؑ و ائمہؑ کے علاوہ خدا تائید حق کرنے والوں کی وقتی طور پر روح القدس سے تائید کرتا ہے۔ چنانچہ وارد ہے: ما قال فیدا قائل بیتا من الشعر یوید بروح القدس

(عیون الاخبار صفحہ ۷)

امام جعفر صادقؑ نے ہشام بن الحکم سے فرمایا: لا تزال مویداً بروح القدس ما نصرتنا بلسانك۔ (اصول کافی)

Scanned with CamScanner

نیز امام محمد باقرؑ نے کمیت شاعر سے فرمایا: معك روح القدس ما ذبیت عنا۔
(رجال مامقانی جلد ۲ صفحہ ۴۱)

اسی طرح جناب رسولِ خداﷺ نے حسان بن ثابتؓ سے فرمایا: لا تزال مویداً بروح القدس ما کنت مادحاً لنا۔

ان تمام روایات کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ہمارے حق میں شعر لکھنے والوں اور حق کی نصرت کرنے والوں کی روح القدس سے تائید کی جاتی ہے۔ ان تمام احادیث سے یہی واضح ہوتا ہے کہ روح القدس ایک فرشتہ ہے، نہ کہ انبیاء وائمہؑ کا جزء بدن۔ کما لا یخفیٰ۔

ازالہ شبہ:

عیون اخبار الرضا باب ۴ جز ۲ صفحہ ۲۰۰ پر امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے:

ان اللہ قد ایدنا بروح منہ مقدسۃ مطہرۃ لیس بملك و لم تکن مع احد ممن مضی الا مع رسول اللہ و ھو مع الائمۃ منا تسددھم و توفقھم و ھو عمود من نور بیننا و بین اللہ

خدا نے ہماری تائید ایک ایسی مقدس روح کے ذریعہ سے کی ہے۔ جو فرشتہ نہیں ہے اور یہ سوائے آنحضرتؐ کے اور کسی نبی کے ساتھ نہ تھی۔ آپؐ کے بعد ہم ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ ہے اور یہ ہمارے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہے۔ اس سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ روح القدس عمود نور نبیؐ وامامؑ کی اسی روح کا نام ہے جو ان کی تکوین میں شامل ہے۔ اور یہ کہ روح القدس فرشتہ نہیں ہے۔

اس شبہ کا پہلا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں ااور ان احادیث میں جن میں روح القدس کا فرشتہ ہونا مذکور ہے فی الحقیقت کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس حدیث میں وارد شدہ جملہ لیست بملك وہ فرشتہ نہیں ہے کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ یہ روح القدس عام فرشتوں جیسا نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی شان ان سے کہیں اجل وارفع ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بکثرت روایات میں وارد ہے۔ ھو اعظم من جبرئیل ومیکائیل کہ وہ مرتبہ ومقام میں جبرئیل سے بھی زیادہ جلیل ہے۔

اور دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر بالفرض اس حدیث میں اور ان سابقہ احادیث میں تعارض تسلیم کرلیا جائے تو پھر ترجیح ان ہی احادیث کو دی جائے گی جن میں اس کے فرشتہ ہونے کی تصریح موجود ہیں۔ کیونکہ وہ احادیث تعداد کے اعتبار سے اکثر اور سند کے لحاظ سے اصح ہیں۔ جیسا کہ علم درایت الحدیث کا مُسلمہ قاعدہ ہے کہ: خذ بما اشتھر بین اصحابك ودع الشاذ النادر۔ جہاں تک روح القدس اور عمود نور کے متحد ہونے کا تعلق ہے تو یہ قطعاً غلط ہے۔ ہم اسی کتاب کے چھٹے باب میں ارشاد امام اور

Scanned with CamScanner

کلام علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ عمود نور سے ایک فرشتہ مراد ہے جو روح القدس کے علاوہ ہے۔ اسی عیون اخبار الرضا باب ۱۹ جزء اول صفحہ ۲۱۳ طبع جدید پر امام رضا علیہ السلام کا ایک ارشاد موجود ہے جو بعبارۃ النص اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ روح القدس اور عمود نور دو مختلف حقیقتیں ہیں۔ فرماتے ہیں:

ان الامام موید بروح القدس و بینه و بین الله عز و جل عمود نور یری فیه اعمال العباد کلما احتاج الیه اطلع علیه ۔

یعنی امام کی تائید روح القدس کے ساتھ ہوتی ہے۔ اور امام وخدا کے درمیان ایک عمود نور ہوتا ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کے اعمال دیکھتا ہے اور جس چیز کی طرف احتیاج ہو اس عمود کے ذریعہ اس پر آگاہی حاصل کرلیتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کس طرح صراحت کی جاسکتی ہے کہ روح القدس اور ہے اور عمود نور اور۔ ان فی ذلك لذکری لقوم یعقلون۔

روح الایمان کے فرشتہ ہونے کا بیان

بعض اخبار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ روح الایمان بھی دوسرے ارواح کی طرح جزو بدن نہیں، بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو مومن کو اچھے کاموں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ اصول کافی (صفحہ ۴۳۹ پر) بروایت ابوبصیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

اذاهم العبد بذنب قال له روح الایمان لا تفعل و قال له الشیطان افعل و اذا کان علی بطنها نزع منه روح الایمان۔

جب انسان کسی گناہ کا ارادہ کرتا ہے تو روح ایمان اسے کہتا ہے کہ گناہ نہ کر اور شیطان کہتا ہے کہ کر، اور جب بندہ زانیہ عورت کے شکم پر سوار ہوجاتا ہے تو اس سے روح ایمان کو الگ کردیا جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ)

اس کی شرح کرتے ہوئے حضرت علامہ تبسی نے روح الایمان کے متعلق چھ احتمالات ذکر کیے ہیں۔ ان میں سے پہلا احتمال یہ بیان کیا ہے کہ:

ان یکون المراد به الملك کما صرح به فی بعض الاخبار انه موید له و سبب لبقائه فکانه روحه و به حیوته۔

یعنی اس سے مراد ایک فرشتہ ہے جیسا کہ اس کی تصریح بعض اخبار میں موجود ہے اور اس

Scanned with CamScanner

(فرشتہ) کا نام اس لیے روح الایمان رکھا گیا ہے کہ چونکہ یہ ایمان کی تائید کرتا ہے اور اس کی بقا کا سبب ہے، تو گویا یہ ایمان کی روح ہے۔ اور اس سے ایمان کی زندگی وابستہ ہے۔ پھر دوسرے پانچ احتمالات ذکر کرنے کے بعد اخیر میں اسی پہلے احتمال کی تقویت کرتے ہوئے لکھا ہے:

والاول اظهر على قواعد متكلمي الامامية و ظواهر الاخبار۔

یعنی شیعہ علماء متکلمین اور ظواہر اخبار کے پیش نظر پہلا احتمال ہی اظہر ہے۔

(مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۲۴۰۔۲۴۱)

جن بعض اخبار کی طرف جناب علامہ نے اشارہ فرمایا ہے وہ اصول کافی کے باب الروح الذی ایدبہ المومن میں (۴۳۹) بروایت ابی خدیجہ جناب امام موسیٰ کاظمؑ سے مروی ہیں۔ فرمایا:

ان الله تبارك و تعالىٰ ايد به المومن بروح منه يحضره فى كل وقت يحسن فيه و يتقى و يغيب عنه فى كل وقت يذنب فيه و يعتدى۔ الحديث۔

یعنی خداوند عالم نے مومن کی تائید ایسی روح سے کی ہے کہ جب مومن نیکی کرتا ہے اور برائی سے بچتا ہے تو وہ موجود رہتی ہے۔ اور جب برائی کرتا اور حدود شرعیہ سے تجاوز کرتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ الخ،

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے جناب علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں:

قد مر تفسير الروح و الاظهر ان المراد هنا ايضاً الخ

یعنی روح کی تفسیر پہلے گزر چکی ہے، اظہر یہ ہے کہ یہاں بھی روح سے مراد فرشتہ ہے۔

(مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

اس امر کی تائید مزید اس روایت صادقیؑ سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے کہ ہر بندۂ مومن کے دل میں دو کان ہیں (کنایہ) ایک میں خناس (شیطان) پھونک مارتا ہے (وسوسہ ڈالتا ہے) اور دوسرے میں فرشتہ پھونک مارتا ہے (تائید کرتا ہے) فيويد الله المومن بالملك فذلك قوله و ايدهم بروح منه۔ پس خدا اپنے بندۂ مومن کی فرشتہ سے تائید کرتا ہے۔ اور یہی خدا کے اس ارشاد کا مطلب ہے کہ خدا نے ان کی تائید ایک روح سے کی ہے۔

(اصول کافی صفحہ ۴۳۹)

Scanned with CamScanner

روح القدس و روح الایمان بدن میں داخل نہیں

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں جب یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ روح القدس اور روح الایمان دو فرشتوں کے نام ہیں تو پھر ان کی داخل جسم اور جزو بدن ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ انہی ناقابل انکار حقائق کے پیش نظر غواص بحار ائمہ اطہارؑ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ (اصول کافی میں صفحہ ۴۴۵ پر) حضرت امیر المومنینؑ سے جو طویل روایت مروی ہے جس میں وارد ہے: واسکن فی ابدانھم ثلاث ارواح۔ روح القوۃ، روح الشھوۃ و روح البدن الخ۔ یعنی خدا نے ان کے بدنوں میں تین روحیں ساکن کیں، روح قوۃ، روح شہوۃ، اور روح بدن الخ۔ اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں: تخصیص تلک الارواح بالابدان لان الروحین الاخرین لیسا ممایسکن البدن و ان کانا متعلقین بہ۔ یعنی ان تین روحوں کو بدنوں کے ساتھ اس لیے خاص کیا گیا ہے کہ دوسری دو روحیں (روح القدس اور روح الایمان) بدن میں ساکن نہیں ہوتیں۔ اگرچہ ان کا تعلق بدن کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔
(مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۲۵۹)

فی بمعنی مع مراد ہے

بنابریں جن روایات میں وارد ہے کہ فی الانبیاء و الائمۃ خمسۃ ارواح۔ جن سے ظاہر بین اور حضرات قشریین یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تمام روحیں ان بزرگواروں کے ابدان مقدسہ میں داخل ہیں، اور جزء بدن ہیں، یہاں فی بمعنی مع ہے۔ جس کا مفہوم انبیاء و ائمہ میں نہیں بلکہ انبیاء و ائمہ کے ہمراہ پانچ روحیں ہوتی ہیں، ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ آیا فی بمعنی مع استعمال ہوتی ہے؟ اس کا انکار اپنی جہالت کے اقرار کے مترادف ہے۔ علم نحو کی مشہور و مستند کتاب مغنی اللبیب جلد ۱ صفحہ ۱۴۵ طبع مصر پر فا کے دس معانی ذکر کرتے ہوئے دوسرے معنی مصاحبت و معیت لکھے ہیں۔ الثانی المصاحبۃ نحو ادخلوا فی امم ای معھم۔ یعنی اس کے دوسرے معنی مصاحبت و معیت کے ہیں۔ جیسے ادخلوا فی امم میں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ امتوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یہاں فی بمعنی مع ہے۔

اسی طرح علامہ مجلسیؒ ایک دعا، جس میں وارد ہے واھدنی فیمن ھدیت کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وقیل فی بمعنی الی او بمعنی مع۔ کہا گیا ہے کہ یہاں فی بمعنی الی یا بمعنی مع ہے۔
(مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۴۸۵)

Scanned with CamScanner

اس امر کی تائید ان احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جن میں یہ وارد ہے کہ ہر کون معھم ۔ یہ روح القدس ائمہ اہل بیتؑ کے ہمراہ ہوتا ہے ۔ چنانچہ آیت مبارکہ کذالک اوحینا الیک روحا من امرنا الآیۃ ۔ اور آیت قل الروح من امر ربی کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے ھو ملک اعظم من جبرئیل و میکائیل کان مع رسول اللہ و مع الائمۃ ۔ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظمت کا مالک ہے ۔ یہ جناب رسول خداؐ کے ہمراہ تھا اور پھر ائمہ اطہارؑ کے ساتھ ۔ (بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۲۶۵)

نیز اس مطلب کی تائید مزید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ احادیث کی تعبیرات مختلف ہیں ۔ بعض میں وارد ہے: فی الانبیاء و الائمۃ خمسۃ ارواح ۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۲۶۷) یہاں فی موجود ہے ۔ بعض میں یوں وارد ہے: ان اللہ خلق الانبیاء و الائمۃ علی خمسۃ ارواح ۔ (بصائر الدرجات صفحہ ۴۵۴ طبع جدید) یہاں علی موجود ہے ۔ اور بعض روایات میں وارد ہے: ان اللہ جعل للنبی خمسۃ ارواح ۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ و بصائر صفحہ ۴۵۴) یہاں لام موجود ہے ۔ کچ ہے ؎

عبارتنا شتی و حسنک واحد وکل الی ذاک الجمال یشیر

ان حقائق کی روشنی میں صاحب طوالع الانوار وغیرہ کے اس قول سقیم کی کیا وقعت رہ جاتی ہے کہ ان روح القدس کما ھو کان فی النبی و ھو جزء منہ فکذالک الارواح فکان فی الائمۃ و ھو جزء منھم خلق اللہ فیھم ۔ (لوامع صفحہ ۹۶) اسی طرح یہ کہنا بھی بوجہ عدم دلیل ناقابل قبول ہے کہ روح القدس دو ہیں ۔ ایک داخل بدن اور دوسرا خارج از بدن ۔ اللہ لکم لا علی اللہ لقمرون ۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

بعض مدعیان علم نے اس مقام پر یہ تحقیق انیق فرمائی ہے کہ وہ روایات جن سے روح القدس کا فرشتہ ہونا ظاہر ہوتا ہے چونکہ وہ روایات اہل سنت کے مطابق ہیں، اس لیے ناقابل قبول ہیں لیکن اس دعویٰ کے اثبات میں تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۳۰۴ سے جو اقوال نقل کیے ہیں وہ یہ ہیں: ① روح القدس سے مراد جبرئیل ہے ۔ ② اس سے مراد انجیل ہے ۔ ③ اس سے مراد اسم اعظم ہے ۔ ④ اس سے مراد روح عیسیٰ ہے ۔ یہ بات ہمارے لیے ناقابل فہم ہے کہ ہماری شیعی کسی ایک روایت میں بھی یہ درج نہیں ہے کہ روح القدس سے مراد جبرئیل ہے ۔ (بلکہ یہ وارد ہے کہ ملک اعظم من جبرئیل و میکائیل، وہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے) اور محققین کی کسی ایک روایت میں بھی موجود نہیں کہ وہ ایک ایسا فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل سے عظیم تر ہے ۔ تو پھر یہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اہل سنت کی روایات کے ساتھ موافقت و مطابقت اور اس کی وجہ سے روایات اہل بیت کا انکار کیا معنی رکھتا ہے؟ یا سعد الابل؟

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اس محقق نے کہیں سے یہ سن لیا کہ ہر وہ روایت شیعی مسلمات کے خلاف اور عامہ کے مذہب کے مطابق ہو وہ ناقابل استدلال ہوتی ہے لیکن جو ہر لطیف سے (بشرطیکہ موجود ہو) یہ نہ سوچا کہ شیعی مسلمات کی مخالفت اور روایات مخالفین سے مطابقت کا مفہوم کیا ہے؟ اور بلا سوچے سمجھے اس کو یہاں پر نافذ کر دیا۔ حالانکہ اس قاعدہ کا اس مقام سے کوئی ربط و تعلق ہی نہیں ہے اور ایسا ہی اس محقق نے آیت مبارکہ ما کنت تدری ما الکتاب و لا الایمان کے متعلق ہماری پیش کردہ تفسیر معصومؑ کے ساتھ سلوک کیا ہے کہ یہ تفسیر تفاسیر اہل سنت کے موافق ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتبار ہے۔ حالانکہ جو کچھ ہم نے کلام معصومؑ کی روشنی میں پیش کیا ہے وہ عالم ارواح و انوار والی خلقت کے متعلق ہے جو اس ظاہری و جسمانی خلقت سے ہزارہا سال مقدم ہے۔ اور انھوں نے تفسیر کبیر جلد ۷ صفحہ ۴۱۰ سے جو حوالہ پیش کیا ہے اس میں اعلان نبوت سے قبل والی ظاہری زندگی مراد لی گئی ہے۔ کیا اسی کا نام موافقت ہے؟ اگر یہ کارروائی عمداً کی گئی ہے تو اس سے بڑھ کر تدلیس و تلبیس نہیں ہو سکتی۔ اور اگر غیر ارادی طور پر ایسا کیا گیا ہے تو اس سے بڑھ کر جہالت و ضلالت متصور نہیں ہو سکتی۔ بہر حال فقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منشورا۔

مذکورہ بالا احادیث سے استنباط کردہ نتائج

مذکورہ بالا ارشاداتِ معصومینؑ پر نظر غائر ڈالنے سے مندرجہ ذیل امور واضح ہو جاتے ہیں:

(اول) ائمہ طاہرینؑ کے پاس مبدۂ فیض وجود خالق ہر موجود یعنی خدائے ودود سے علم و فضل حاصل کرنے کے بہت سے وسائل و ذرائع میں سے ایک طریقہ و ذریعہ روح القدس بھی ہے۔

(دوم) یہ روح القدس ائمہ علیہم السلام کے ساتھ گفتگو کرتا ہے لیکن وہ اسے دیکھتے نہیں ہیں۔

(سوئم) یہ روح القدس عام ارواح کی طرح نہیں بلکہ یہ ایک فرشتہ ہے جو جبرئیل و میکائیل جیسے جلیل القدر فرشتوں سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔

(چہارم) یہ روح القدس تا زیست جناب رسول خداؐ کے ہمراہ رہا اور ان کی رحلت کے بعد یکے بعد دیگرے دوسرے ائمہ ہدیٰ کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔

(پنجم) روح القدس کو جب سے زمین پر اتارا گیا ہے پھر آسمان پر نہیں گیا۔

Scanned with CamScanner

(ششم) جب روح القدس کا نبیؑ یا امامؑ کے ساتھ ارتباط قائم ہوتا ہے تو خدا ان کو خاص علم و فہم عطا فرماتا ہے۔

(ہفتم) روح القدس کی ایک خاص فرد یا صنف ایسی ہے جو پیغمبر اسلام اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے ساتھ ہی مختص ہے جو سابقہ انبیاء و مرسلین کے ہمراہ نہ تھی۔

(یہ تاویل سرکار علامہ مجلسیؒ نے بحار جلد ۷ صفحہ ۲۷۲ پر جمع بین الروایات کرتے ہوئے فرمائی ہے کہ بعض آیات و روایات سے اس کا تمام انبیاءؑ کے ساتھ اور بعض میں اس کا صرف آنحضرتؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے ساتھ مختص ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ فلا تغفل)

(ہشتم) یہ روح القدس امامؑ کو ظاہری درجۂ امامت پر فائز ہونے کے بعد عطا ہوتا ہے۔

(نہم) یہ روح القدس ملائکہ کے علاوہ کسی اور نوع سے تعلق نہیں رکھتا۔

(دہم) یہ روح القدس مصلحت خداوندی کے تقاضوں کے مطابق کبھی کبھی نبیؐ و امامؑ سے کچھ لمحات کے لیے غائب بھی ہو جاتا ہے۔ بنابریں جن روایات میں وارد ہے کہ لا تفارقهما ان کو اغلب اوقات پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی اکثر و بیشتر ہمراہ ہی رہتا ہے۔ لہٰذا کبھی کبھار اس کی علیحدگی النادر فی حکم المعدوم کا حکم رکھتی ہے۔ تلك عشرة كاملة۔ بفضلہ تعالیٰ۔

ان حقائق کی روشنی میں اس نظریہ کہ یہ روح ان بزرگواروں کی ذاتیات میں داخل ہے، کا ہو ان بلکہ بطلان واضح و عیاں ہو گیا۔ اور اسی کے ساتھ وہ نتائج بھی کالعدم ہو گئے جو اس روح کے ذاتیات میں داخل تسلیم کرنے کے لیے مرتب کیے گئے تھے کہ اس کا خاصہ وحی ہے اور اس سے حاصل شدہ کمالات ان کے ذاتی ہیں۔ ع

وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا

جب مستدار شہادات معصومینؑ کی روشنی میں ثابت کر دیا گیا کہ روح القدس دوسری ارواح کی قسم سے نہیں جو بدن میں داخل ہیں بلکہ یہ ایک عظیم الشان فرشتہ ہے تو اس سے حاصل شدہ کمالات کیونکر ان کے ذاتی اور اس کی وجہ سے ان کی نوع کیونکر علیحدہ ہو سکتی ہے۔

دوسرا جواب:

اس شبہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر مذکورہ بالا حقائق سے قطع نظر کرتے ہوئے بفرض محال چند لمحات کے لیے روح القدس کو دیگر ارواح کی طرح ایک روح بھی تسلیم کر لیا جائے جو بدن میں داخل ہے تو بھی اس سے انبیاءؑ و ائمہؑ میں ایک روح کی زیادتی سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ ان حضرات کی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نوع علیحدہ ہو، کیونکہ یہ اختلاف ارواح تو مومنین وکفار کے درمیان بھی پایا جاتا ہے، احادیث میں جہاں یہ وارد ہے کہ انبیاءؑ وائمہؑ میں پانچ روحیں ہوتی ہیں وہاں متعدد احادیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ کافر میں تین اور مومن میں چار روحیں ہوتی ہیں، صرف تبرکاً وتیمناً ایک حدیث پیش کی جاتی ہے۔

بصائر الدرجات صفحہ ۱۳۰ پر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

فی الانبیاء و الاوصیاء خمسۃ ارواح روح البدن و روح القدس و روح القوۃ و روح الشھوۃ و روح الایمان و فی المومنین اربعۃ ارواح فقدھا روح القدس و روح البدن روح القوۃ و روح الشھوۃ و روح الایمان و فی الکفار ثلاثۃ ارواح روح البدن، روح القدس، روح القوۃ، روح الشھوۃ ذ (کذا فی مرایع البحار صفحہ ۲۶۷ وغیرہ)

انبیاء واوصیاء میں پانچ روحیں ہوتی ہیں روح البدن، روح القدس، روح القوۃ، روح الشھوۃ اور روح الایمان اور مومنین میں چار روحیں ہوتی ہیں۔ ان میں صرف روح القدس کی کمی ہوتی ہے، چار روحیں یہ ہیں۔ روح البدن، روح القوۃ، روح الشھوۃ اور روح الایمان۔ اور کفار میں صرف تین روحیں روح البدن، روح القوۃ اور روح الشھوۃ ہوتی ہیں۔

پس جب کفار میں تین روحیں ہیں اور اہل ایمان میں چار تو اس اختلاف کی وجہ سے کوئی ذی عقل وہوش انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ کافر اور مومن کی نوعیں الگ الگ ہیں؟ اور بنابریں خدانہ کرے اگر کوئی مومن مرتد ہو جائے، جیسا کہ ممکن بلکہ کبھی کبھار واقع بھی ہوا ہے، یا کوئی کافر مسلمان ہو جائے، جیسا کہ عموماً ایسا ہوتا رہتا ہے تو کیا اس طرح ان کی نوع بدل جائے گی؟ پھر تو نوع نہ ہوئی بازیچۂ اطفال ہو گیا۔ ڈارون کی تصویری قبول کیے بغیر تو بات بنتی نظر نہیں آتی۔

و دون اثباتہ خرط القتاد

اور اگر اس کا فرانہ نظریہ کی ڈھارس لی گئی تو پھر اسلام کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائے گا۔

بہرکیف ع

بگڑی ہے کچھ ایسی کہ بنائے نہیں بنتی

چوتھا شبہ اور اس کا جواب (امری وخلقی خلقت کا تذکرہ):

روح نبوتی وامامتی امری مخلوق ہے خلقی مخلوق نہیں ہے۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے الا لہ الخلق والامر۔ یعنی دونوں عالم خلق وامر کا وہی مالک ومدبر ہے۔ لفظ خلق کا استعمال اکثر جسمانیت پر ہوتا ہے اور ہمیشہ اشیاء عالم خلق سے تعلق رکھنے والی تدریجاً درجہ بدرجہ وجود میں آتی ہیں۔ عالم امر کی مخلوق کا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تعلق صانع مطلق سے ہوتے ہی اپنے کمال کمیت وجود میں آجاتی ہے۔ نہ سبب کی احتیاج، نہ تدریج کو دخل۔ انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون۔

پڑھو قصہ آدم علیہ السلام، نہ ماں نہ باپ، اسباب ظاہری نہیں ہیں، اسی طرح جناب عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا قصہ پڑھو۔ اس سے بالکل واضح ہے کہ انبیاءؑ کی خلقت عالم امر سے ہے۔ اسباب ظاہری کی ضرورت نہیں۔ وہ عالم پیدا ہوتے ہیں۔ اربعہ عناصران کو ضرر نہیں پہنچا سکتے۔

یہ ہے ان حضرات کے دلائل اور بالفاظ مناسب شبہات کا خلاصہ جو وہ انبیاء وائمہ کی علیحدہ نوع ثابت کرنے کی ناکام کوشش کے سلسلہ میں پیش کیا کرتے ہیں۔ ہم ذیل میں ان امور کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ باتیں کہاں تک حقیقت پر مبنی ہیں۔ یہاں چند امور کی تنقیح ضروری ہے۔

امر اور خلق کی تلقیح:

خلقی وامری والی جس اصطلاح جدید کا اس شبہ میں ذکر کیا گیا ہے اس کا قرآن و حدیث اور کلام علماء اعلام شیعہ میں کہیں نام ونشان تک موجود نہیں ہے۔ اس کی ایجاد کا سہرا بابی فرقہ شیخیہ مفوضہ شیخ احمد احسائی کے سر ہے۔ پھر اسی کے اُگلے ہوئے نوالہ کو ہمارے ملک میں بعض لوگوں نے چبایا اور اب موجودہ غلو نواز حضرات اسی کی جگالی کر رہے ہیں۔ آیت مبارکہ لہ الخلق والامر کا اس اصطلاح سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ یہ محض تفسیر بالرائے ہے۔ اس کا صاف وسادہ مطلب یہ ہے کہ حقیقی خالق و حاکم خدا ہی ہے۔ وربك یخلق مایشاء ویختار ماکان لھم الخیرۃ۔ اور بظاہر یہ اصطلاح ہے بھی بالکل مہمل۔ کیا خلق وامر میں کوئی تضاد ہے؟ کیا عالم خلقی والی مخلوق خدا کے امر کے بغیر پیدا ہوتی ہے؟ کیا ان لوگوں کے خیال کے مطابق امری مخلوق مخلوقِ خدا نہیں ہے؟ یہ خدا کی حکمت و مصلحت پر منحصر ہے، جسے چاہے آناً فاناً بلا مادہ ومدت اور بلالحاظ سن وسال طبعی پیدا کردے۔ (جیسے آدمؑ کو پیدا کیا، اور بڑھاپے میں جناب خلیل کو اولاد سے نوازا)۔ اور چاہے تو عام اسباب کے ماتحت تدریجاً خلق فرمائے۔ لا دافع لقضائہ ؎

امر دوم:

بنابر تسلیم اصطلاح خود اصل شبہ میں یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ روح نبوتی وامامتی امری مخلوق ہے نہ خلقی۔ یہ بات ہمارے محل نزع سے خارج ہے۔ کیونکہ بحث تو ظاہری وجسمانی خلقت میں ہے کہ وہ ظاہری اسباب وآلات کے ماتحت تدریجاً ہوتی ہے۔ یا ان کی محتاج نہیں؟ جہاں تک روح کی

Scanned with CamScanner

خلقت کا تعلق ہے تو انبیاء وائمہؑ کے ارواحِ مقدسہ پر کیا انحصار ہے۔ سب لوگوں کی روحیں امری مخلوق ہیں۔ قل الروح من امر ربی۔ کیا اس اصطلاح کے مطابق دوسرے لوگوں کی روحیں عالم خلق سے تعلق رکھتی ہیں؟ اور وہ ظاہری اسباب کے ماتحت عالم وجود میں آتی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو عالم ذر میں خدا نے کس طرح ان کو پیدا کر کے ان سے عہد الست لیا تھا؟ یا دوسری روحوں کی خلقت کے وقت کتنے دن یا ماہ وسال صرف ہوئے تھے؟ بینوا توجروا۔

امر سیوم:

اس شبہ میں دو تین انبیاءؑ کی مثال پیش کر کے اس سے ایک قاعدہ کلیہ بنایا گیا ہے کہ سب انبیاء کی خلقت ایسی ہی ہوتی ہے جو کہ استقراء ناقص پر مبنی ہے، جو صرف موجب ظن ہوتا ہے۔ وان الظن لا یغنی من الحق شیئاً۔ اگر ماں باپ یا صرف باپ کے بغیر پیدا ہونا ان کے امری مخلوق ہونے کی دلیل ہے تو پھر شہادت ہابیل کے بعد خدا نے جو کوا بھیجا تھا اس کے والدین کی نشاندہی کی جائے۔ حضرت صالحؑ کی ناقہ کے ماں باپ بھی بتائے جائیں؟ نیز حضرت موسیٰ کے سانپ اور فرعون موسیٰؑ امام موسیٰ کاظمؑ کے شیر قالین کا سلسلۂ نسب بھی ظاہر کیا جائے۔ انہی چند مثالوں پر ہی کیا منحصر ہے، ابتدائے آفرینش میں بدیع السموات والارض خالق کائنات نے جو بھی ذی روح (جاندار) چیزیں پیدا کی ہیں، کیا وہ سب ماں باپ کے بغیر نہیں تھیں؟ کیا وہ مادہ ومدت کے بغیر وجود میں نہیں لائی گئی تھیں؟ تو اگر امری مخلوق ہونے کا یہی معیار ہے تو پھر ساری کائنات امری مخلوق ہے۔ مالکم کیف تحکمون۔

بہرکیف اس اصطلاح کے مطابق خلقت امری ہوتی ہی وہاں ہے جہاں سلسلۂ اب وام نہ ہو۔ بنابریں ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ بزرگوار ارواح کے اعتبار سے امری اور اجسام کے لحاظ سے خلقی مخلوق ہیں، امری خلقت کے اعتبار سے تمام امریوں (جن میں فرشتے سرفہرست ہیں) کے سردار، اور خلقی خلقت کے لحاظ سے تمام خلقی مخلوق سے تعلق رکھنے والی مخلوق کے سرتاج ہیں۔ علی خیر البشر من ابی فقد کفر۔ (حدیث نبویؐ)

امر چہارم:

ہماری متعدد روایات میں وارد ہے کہ پورے عالم امکان میں صرف دو مولود ایسے ملتے ہیں جو چھ ماہ کے پیدا ہوئے اور پھر زندہ بھی رہے۔ ایک حضرت یحییٰؑ (بروایتے حضرت عیسیٰؑ) اور دوسرے جناب امام حسین علیہ السلام۔ (اصول کافی، عاشر بحار وغیرہ) چنانچہ ہماری بکثرت روایات میں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

آیت مبارکہ حملہ و فصالہ ثلاثون شھرا کی تفسیر جناب امام حسین علیہ السلام کے ساتھ کی گئی ہے۔ (اصول کافی عاشر بحار وغیرہ) اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ دوسرے انبیاءؑ وائمہؑ پوری مدت حمل کے بعد متولد ہوتے ہیں، ورنہ صرف ان حضرات کی تخصیص کا کوئی مقصد ہی نہیں۔ بعد ازیں خلقت امری کے نظریہ کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے؟

امر پنجم:

متعدد آثار واخبار سے واضح وآشکار ہوتا ہے کہ عالم آب وگل میں صرف تین ایسے بزرگ پیدا ہوئے جن کے حمل کو وضع حمل کے آخری لمحہ تک بتقاضائے وقت خدا نے مخفی ومستور رکھا۔ ایک جناب ابراہیمؑ، دوسرے جناب موسیٰؑ، تیسرے حضرت امام العصر والزمانؑ (قصص الانبیاءؑ بحار جلد ۵ منتہی الآمال، بحار ۱۳، اصول کافی وغیرہ) اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان حضرات کی ولادت کے وقت حالات کا تقاضا یہ تھا کہ حمل کو مخفی رکھا جائے، جیسا کہ باخبر حضرات پر یہ حقائق مخفی نہیں ہیں۔ خود اسی بیان سے ظاہر ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے سب بزرگواروں کے حمل کے آثار نمایاں وآشکار ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر سب حضرات کی یہی کیفیت ہوتی تو پھر ان صاحبان کی کوئی خصوصیت باقی نہ رہتی۔ امام زمانہ کے حالات میں عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں لکھی جانے والی تمام کتب میں یہ واقعہ مرقوم ہے کہ نیمہ شعبان کو جب امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنی عمہ محترمہ جناب حکیمہ خاتون سے فرمایا کہ آج کی شب وہ یہیں قیام فرمائیں۔ کیونکہ آج کی رات آخری حجت خدا کی ولادت ہونے والی ہے تو اس معظمہ نے امامؑ سے دریافت کیا کہ کس محترمہ کے بطن سے ہوگی؟ امامؑ نے فرمایا جناب نرجس خاتونؑ کے بطن سے۔ یہ سن کر جناب حکیمہ خاتون نے تعجب کے لہجہ میں کہا ان کے ہاں تو حمل کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ امامؑ نے ان کے تعجب کو رفع کرتے ہوئے فرمایا: ان کی ولادت جناب موسیٰؑ کے نقش بنقش ہوگی (یعنی جس طرح مصلحت وقت کے پیش نظر خدائے قادر نے ان کے حمل کو آخری وقت تک مخفی رکھا تھا، یہاں بھی وہی صورت حال درپیش ہے۔)

قابل غور بات یہ ہے کہ جناب حکیمہؑ امام محمد تقی علیہ السلام کی دختر نیک اختر، امام علی نقی علیہ السلام کی ہمشیرہ، امام حسن عسکری علیہ السلام کی پھوپھی، خانوادۂ عصمت کی فرد کامل اور اس مقدس خاندان کے حالات واطوار سے کما حقہ واقف وآگاہ، تو کیا ان کو معلوم نہ تھا کہ امام کی خلقت عالم امر سے تعلق رکھتی ہے، وہ ظاہری اسباب وتدریج کے پابند نہیں ہوتے۔ اگر علم تھا تو پھر حمل کے ظاہری آثار نہ دیکھ کر تعجب کیوں کیا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ امامؑ نے ان کے استعجاب کو دور کرنے کے لیے

Scanned with CamScanner

جناب موسیٰ بن عمران کی مثال کیوں پیش فرمائی۔ یہ فرما کر کیوں نہ ان کو خاموش کر دیا کہ پھوپھی اماں یہ امامؑ کی ولادت ہے، اور ان کی خلقت امری ہوتی ہے۔ یہاں آثار حمل اور وضع حمل چہ معنی دارد؟۔ معلوم ہوا کہ نہ اس معظمہ کو اس بے سروپا نظریہ کا کوئی علم تھا اور نہ ہی امام حسن عسکریؑ نے اسے بیان کیا۔ اور نہ ہی کسی اور امام عالی مقام کا ایسا کوئی فرمان کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ پھر نہ معلوم ان مولوی صاحبان کو کس نے یہ وحی کی ہے؟۔

سر خدا کہ عارف سالك بکس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

امر ششم:

احادیث اہل بیت علیہم السلام میں ان کے انعقاد حمل سے لے کر وقت ولادت تک کے مکمل حالات وکوائف مذکور ہیں۔ بحار الانوار جلد ۷ جو کہ فضائل امامت کے لیے مخصوص ہے۔ صفحہ ۲۶۱ پر پورا ایک باب موجود ہے۔ جس کا عنوان ہے: احوال ولادتهم عليهم السلام و انعقاد نطفهم و احوالهم في الرحم و عند الولادة و بركات ولادتهم صلوات الله عليهم فيه بعض غرائب علومهم و شئونهم۔ اسی طرح دوسری احادیث میں یہ تفاصیل مرقوم ہیں۔ اس کا ایک شمہ ہم یہاں درج کرتے ہیں:

① متعدد روایات میں وارد ہے کہ جب امامؑ کے صلب والد کی طرف انتقال کا وقت آتا ہے تو خدا کے حکم سے ایک فرشتہ تحت العرش سے ایک پیالہ خدمت امام میں پیش کرتا ہے، جس میں ایک مخصوص قسم کا شربت ہوتا ہے، جو پانی سے زیادہ رقیق، مکھن سے زیادہ نرم، شہد سے زیادہ شیریں، برف سے زیادہ ٹھنڈا اور دودھ سے زیادہ سفید ہوتا ہے، امام عالی مقام اسے نوش کرنے کے بعد (خدا کے حکم سے) اس محترمہ کے ساتھ مقاربت کرتے ہیں، جس کے شکم سے حجت خدا نے پیدا ہونا ہوتا ہے۔ بعض روایات میں یوں وارد ہے کہ خدا اس مخصوص شربت کا قطرہ دنیا کے کسی پھل یا سبزی پر ڈال دیتا ہے، امام اسے تناول کرتا ہے، اور اس مخصوص غذا سے نطفہ متکون ہوتا ہے۔ (اس قسم کی تمام احادیث اصول کافی صفحہ ۱۹۷، کتاب الحجۃ، ہفتم بحار صفحہ ۲۶۱، ۲۶۲ وغیرہ میں موجود ہیں) ہمارے کرم فرماؤں میں سے صاحب حقائق الوسائط نے بھی صفحہ ۲۴۹ پر ان کا ایک شمہ بذیل عنوان حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی خلقت جسمانی نقل کیا ہے۔ فراجع

② جب حمل کو چار ماہ گزر جاتے ہیں تو ایک فرشتہ بحکم الٰہی ان کے داہنے کاندھے پر یہ آیت مبارکہ لکھتا ہے: و تمت كلمة ربك صدقا و عدلا لا مبدل لكلماته و هو السميع العليم۔ بعض دوسری

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

روایات میں وارد ہے کہ یہ آیت ولادت کے بعد لکھی جاتی ہے۔ بعض شارحین کا خیال ہے کہ اس کتابت سے مراد استعارۃً تمثیلیہ ہے۔ (صافی شرح کافی جز ۳ حصہ ۲ صفحہ ۴۵)

② امام شکم مادر میں کلام سنتا ہے۔ چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: لا تکلموا فی الاصاد فان الاصاد یسمع الکلام و ھو یطن اصم۔ امام کے متعلق (لایعنی) باتیں نہ کیا کرو۔ امام (کی یہ شان ہے) کہ وہ شکم مادر میں ہی کلام سنتا ہے۔

(اصول کافی صفحہ ۹۹، بحار صفحہ ۲۶۴، بصائر صفحہ ۴۳۵ طبع جدید)

③ امام جب شکم مادر میں ہوتا ہے تو سورہ انا انزلناہ وغیرہ بعض سور و آیات کی تلاوت کرتا ہے۔

(حق الیقین مجلسی صفحہ ۵۲، حدیقہ سلطانیہ صفحہ ۱۶۹)

④ اسحاق بن امام جعفر صادقؑ نے اپنے والد ماجد سے خلقت امام علیہ السلام کے متعلق جو طویل روایت نقل کی ہے اس میں وارد ہے: فاذا کان لتسع من شھرھا سمعت فی البیت حسا شدیدا۔ (اصول کافی صفحہ ۱۹۸، بصائر جلد ۷ صفحہ ۲۶۴) جب حمل کو نو ماہ گزر جائیں تو مادر امامؑ گھر میں سخت حس و حرکت کی آواز محسوس کرتی ہیں۔ اس عبارت کا ترجمہ فاضل قزوینی نے صافی شرح اصول کافی (جز ۳ حصہ ۲ صفحہ ۳۹ پر) یوں کیا ہے: پس وقتے کہ شد نہ از ماہ ہائے ایستی او شنید در خانہ آواز حرکتے سخت چنانچہ جمیع بسیار تردد کنند۔ (کذا فی منتہی الامال جلد ۲ صفحہ ۸۷)

⑤ جب امامؑ کی ولادت ہوتی ہے تو طاہر و مطہر و ناف بریدہ، ختنہ شدہ، رو بقبلہ پیدا ہوتا ہے۔ دونوں ہتھیلیاں زمین پر رکھتا ہے، سر آسمان کی طرف بلند کر کے توحید و رسالت کی شہادت دیتا ہے۔

(اصول کافی صفحہ ۱۹۸، بحار صفحہ ۲۸۸، ۲۶۴ وغیرہ)

بعض آثار سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ذکر شہادتین کے ساتھ ساتھ امام لاحق، امام سابق کی امامت کی بھی گواہی دیتا ہے۔ (منتہی الآمال جلد ۲ صفحہ ۴۲۲)

ان حالات و کوائف میں ارباب عقل و دانش کے لیے لمحہ فکریہ موجود ہے کہ جب ائمہ معصومینؑ کے ارشادات میں اول حمل سے لے کر نو ماہ تک اور پھر وضع حمل تک کے تمام جزئی جزئی حالات و کیفیات کتب معتبرہ و اصول معتمدہ میں موجود ہیں تو آیا ان تمام حقائق کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟۔ بہر حال ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کالنار فوق المنار واضح و آشکار ہو گئی کہ انبیاءؑ و ائمہؑ بھی جسمانی و بدنی خلقت کے اعتبار سے عالم خلق سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں ان کے خصوصیات انہی کے ساتھ خاص ہیں۔ ان خصوصیات کا انکار کرنا علم کا تقصیر و تفریط ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ان کی خلقی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

وتدریجی ولادت کا انکار کرنا بھی کھلا ہوا غلو و افراط ہے۔ مگر اب تو بعض بے لگام مقررین نے اس ساری بحث کا خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ یہ کہہ کر کہ یہ بزرگوار نہ کسی سے پیدا ہوئے ہیں اور نہ ان سے کوئی پیدا ہوا ہے۔ جیسا کہ موثق ذرائع سے مسموع ہوا ہے، گویا کہ یہ حضرات لم یلد ولم یولد کے مصداق ہیں۔ اس طرح بیک حرکت زبان ائمۂ اطہارؑ اور سادات اخیار کے حسب ونسب کو ہی ختم کر دیا گیا۔ (خاك بدهن قائل) انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کاش کہ ع

کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

انبیاءؑ وائمہؑ کے صاحب علم لدنی ہونے کا بیان

یہ درست ہے کہ انبیاءؑ وائمہ علیہم السلام عام لوگوں کی طرح شکم مادر سے جاہل (معاذ اللہ) پیدا نہیں ہوتے، بلکہ مبداء فیض سے علم ومعرفت لے کر عرصۂ ہستی میں قدم رکھتے ہیں اور وہ صاحب علم وہبی ولدنی ہوتے ہیں۔ ان کا علم کسبی وتحصیلی نہیں، مگر یہ کہنا بھی ہرگز صحیح نہیں کہ وقت ولادت ہی تمام علوم کے اس طرح عالم ہوتے ہیں کہ اس میں مزید کچھ اضافہ کی گنجائش ہی نہ ہو، بلکہ علم میں اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ ان کے آخری لمحاتِ حیات بلکہ اس کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ اس امر کی مزید وضاحت تو ہم اس کتاب کے باب ششم وباب ہفتم میں پیش کریں گے، انشاء اللہ۔ یہاں صرف اس قدر اشارہ کر دینا کافی ہے کہ جہاں قرآن مجید میں یہ وارد ہے کہ بشروہ بغلام علیم (سورہ ذاریات ع ۲) یعنی فرشتوں نے جناب ابراہیمؑ کو صاحب علم بچے کی ولادت کی بشارت دی، وہاں حضرت یوسفؑ کے بارے میں قرآن مجید میں خدا کا یہ فرمان بھی موجود ہے: ولما بلغ اشدہ آتیناہ حکما و علما (پارہ ۱۲ سورہ یوسف ع ۱۳) اور جب وہ اپنی پوری قوت کو پہنچ گیا تو ہم نے اس کو حکمت و علم عطا کیا۔ اسی طرح جناب موسیٰؑ کے متعلق خدا کا یہ ارشاد موجود ہے: ولما بلغ اشدہ واستوی آتیناہ حکما و علما (پارہ ۲۰ سورہ قصص ع ۵) اور جب کہ موسیٰؑ اپنی پوری قوت کو پہنچے اور خوب ہاتھ پاؤں نکالے تو ہم نے ان کو فیصلہ کی قوت اور علم عطا کیا۔ (ترجمہ مقبولؒ) اسی طرح سرکار ختمی مرتبتؐ کو خدا کا یہ حکم دینا بھی قرآن میں موجود ہے کہ: قل رب زدنی علما۔ اے میرے پروردگار میرے علم میں اضافہ فرما۔

Scanned with CamScanner

انبیاءؑ و ائمہؑ پر مواد ارضی کے اثر انداز ہونے کے خیال کا ابطال

باقی رہا یہ خیال کہ مواد ارضی اور عناصر ان پر اثر انداز نہیں ہوتے تو اس کے متعلق صرف اتنا بتا دینا ہی کافی ہے کہ وہ زہر جس سے ائمہ اطہارؑ کو شہید کیا جاتا رہا ہے، آیا وہ مواد ارضی سے تعلق رکھتی تھی یا عالم بالا سے منگوائی گئی تھی؟ نیز وہ تیر اور سنان و شمشیر جن سے ان بزرگواروں کی شمع حیات کو گل کیا جاتا رہا ہے، کیا وہ بھی زمین کے موالید ثلاثہ میں سے جمادات سے تعلق رکھتے تھے یا وہ بھی آسمان سے اترے تھے؟ اب دو ہی راستے ہیں، ایک یہ کہ اقرار کر لیا جائے کہ ان ذوات مقدسہ پر عناصر و مواد ارضی اثر انداز ہو سکتے ہیں (وہو الحق) یا پھر نصیریوں کی طرح کھلم کھلا ان کی شہادتوں کا انکار کر دیا جائے؟ ؎

بیفگن پردہ تا معلوم گردد کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اس مقام پر جناب یونسؑ کے شکم ماہی میں، جناب ابراہیمؑ کے آتش نمرودی میں اور جناب موسیٰؑ کے صندوق میں بسلامت رہنے کو اس مطلب کی دلیل میں پیش کرنا بالکل لغو اور غیر متعلق ہے۔ کیونکہ قرآن اور سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کا فرمان شاہد ہے کہ یہ سارا انتظام خدائے قادر و قیوم نے اپنی قدرت کاملہ سے کیا تھا۔ (واذ قلنا یا نار کونی بردا و سلاما) یہ ان بزرگواروں کے اجسام کی خاصیت اور ان کا طبعی تقاضا نہ تھا۔

افسوسناک روش و رجحان

اس بات کا رونا ہم کئی بار رو چکے ہیں کہ بدقسمتی سے ہماری قوم میں ذاتی خیالات اور شیطانی قیاسات کو مذہبیات و ایمانیات سمجھنے کا رجحان منبر پر اکثر نااہلوں کے تسلط و قبضہ کی وجہ سے دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اور روز بروز نئے نئے نظریے جنم لے رہے ہیں۔ جن میں سے اکثر و بیشتر کا اس کتاب میں نشاندہی کر کے بعونہ تعالیٰ قلع قمع بھی کر دیا گیا ہے۔ سردست جس چیز پر مختصر الفاظ میں یہاں تبصرہ کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے بطور بالا میں خود ائمہ طاہرین علیہم السلام کے مستند فرامین کی روشنی میں ثابت کر دیا ہے کہ ان کی جسمانی اور ظاہری ولادتیں انسانی قانون، قدرت و فطرت کے مطابق ہوتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

مگر بعض لوگوں نے ان مطہر عن الارجاس (الذین لا یقاس بھم احد من الناس) ذوات قادر کے زن وشوہر والے جنسی تعلقات (جن پر بحث کرنا بھی سوء ادبی ہے) کا مور کے نر و مادہ والے تعلقات پر قیاس بے اساس کرتے ہوئے ان کے انسانی قانونِ فطرت کے مطابق ہونے کا انکار کر دیا ہے۔ اس کے متعلق یہاں بڑے اختصار کے ساتھ صرف یہ کہنا ہے کہ:

اولاً تو کائنات کے سید و سردار ان بزرگواروں کا قیاس ایک حرام پرندہ پر کرنا سراسر ان کی توہین ہے۔

ثانیاً شریعت مقدسہ میں قیاس کرنا اور اس پر عمل کرنا حرام ہے۔ مستند شرعی دلیل کے بغیر قیاس پر کسی عقیدہ یا عمل کی بنیاد قائم نہیں کی جا سکتی۔

ثالثاً یہاں مور کے نر و مادہ والے جن خیالی تعلقات پر قیاس کیا گیا ہے وہ سرے سے خیال ہی غلط ہے۔ خود حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس زعم فاسد کی تردید فرمائی ہے۔ اور یہ فرمایا ہے کہ ان کے مابین مرغ اور مرغی جیسے تعلقات ہوتے ہیں۔

(نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۸۸ طبع مصر در خطبہ صفت طاؤس)

بایں ہمہ جسے اس حقیقت میں کچھ شک وشبہ ہو وہ کسی بھی چڑیا گھر میں جا کر بچشم خود اس امر کا مشاہدہ کر کے تصدیق کر سکتا ہے۔ ع

بعد اس کے دیکھیے ابھی کیا کیا کھلیں گے گل

پس ان حقائق سے واضح و آشکار ہو گیا کہ انبیاء وائمہ علیہم السلام کی ہرگز کوئی علیحدہ نوع نہیں ہے۔ بلکہ وہ نوع انسانی کے ہی مقدس و معصوم افراد کاملہ ہیں۔

وھو المقصود وقد حصل بعون اللہ الودود

ھذہ تذکرۃ فمن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا

Scanned with CamScanner

دوسرا باب

انبیاء وائمہ علیہم السلام کے نور یا بشر ہونے کا بیان

اگرچہ پہلے باب میں جو حقائق پیش کیے گئے ہیں وہ زیر بحث موضوع میں بھی حق وحقیقت کو سمجھنے کے لیے کافی ہیں لیکن چونکہ اس موضوع پر بڑے شد ومد اور زور شور سے بحث ومباحثہ کا سلسلہ شروع ہے۔ اس لیے ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مسئلہ پر بھی ایک مستقل باب میں نہ صرف عقل خام بلکہ تعلیم قرآن، فرمان نبی وامامؑ اور شیعہ علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں مکمل تبصرہ کر دیا جائے۔ واللہ سبحانہ ولی التوفیق۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر چشم بصیرت سے دیکھا جائے تو اس مسئلہ میں چنداں بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ امر عند الکل مُسلّم ومُحقّق ہے کہ انبیاء یا ان کے اوصیاءؑ بشر ہوں تو، اور نور ہوں تو، ہیں تو بہر حال معصوم ومطہر اور واجب الاطاعت بنا بریں ہمارا اصل کام تو ان کے ارشادات واحکام کی تعمیل کرنا ہے نہ کہ ان کی حقیقت وماہیت سے بحث کرنا۔

ذات سے بحث کرنے کا آغاز کس نے کیا تھا؟

جو لوگ دراصل عمل چور ہوتے ہیں وہ عمل کی بجائے لایعنی بحثوں میں خود الجھنے اور دوسروں کو الجھانے میں ہی اپنی سلامتی سمجھتے ہیں وہ چونکہ کردار کی بجائے صرف گفتار کے غازی ہوتے ہیں۔ اس لیے اکثر وبیشتر وہ انہی چیزوں کے متعلق بحثیں کرتے ہیں جن کے متعلق خدا ورسولؐ نے خاموشی اختیار کی ہو اور انہی چیزوں سے پہلو تہی کرتے ہیں، جن کا خدا ورسولؐ نے حکم دیا ہو، زیادہ دور نہ جائیے اسی متعلقہ مسئلہ ہی کو لے لیجیے، پورے قرآن اور سارے دفتر حدیث میں کہیں کوئی ایسی آیت یا حدیث نہیں ملتی جس میں یہ حکم دیا گیا ہو کہ تم نبی وامامؑ کی ذات وماہیت معلوم کرو کہ کیا ہے؟ بلکہ خدا تو اپنی اطاعت کے ساتھ ساتھ نبیؐ وامامؑ کی اطاعت وفرمانبرداری کرنے کا بار بار حکم دیتا ہے: (اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم) یہی وجہ ہے کہ ہمیشہ کردار کے غازی عمل پر زور دیتے ہیں اور گفتار کے غازی لایعنی بحثوں پر۔ چنانچہ کسی کی ذات واصلیت کی بحث کا آغاز بھی بے عملوں

Scanned with CamScanner

کے پیر مغاں یعنی شیطان علیہ اللعن نے اس وقت کیا تھا، جبکہ خالق حکیم نے اس کو عمل کرنے یعنی آدم کے سامنے جھکنے کا حکم دیا تھا۔ تو اس شقی ازلی نے تعمیل حکم کرنے سے انکار کر دیا اور بموجب "خوئے بد را بہانہ بسیار" عذر میں ذات اور اصل خلقت کی بحث شروع کر دی کہ: انا خیر منه خلقتنی من نار و خلقته من طین (سورۃ ص ع ۵) میں آدمؑ سے بہتر ہوں، کیونکہ تو نے مجھے آگ سے اور آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا ہے۔ الغرض اس نے اپنے قیاس فاسد میں اپنے مادہ خلقت کو جناب آدمؑ کے مادہ خلقت سے بہتر سمجھتے ہوئے جہاں ان کے سامنے اپنی گردن خم کرنے سے انکار کر دیا وہاں اصل و ذات کے متعلق کبھی نہ ختم ہونے والی بحث کا آغاز بھی کر دیا۔ مطالعہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ بارگاہ قدرت میں یہ بحث اس قدر غلط و لایعنی تھی کہ خدائے حکیم نے اس کا جواب دینا بھی مناسب نہ سمجھا اور فوراً ابدی لعنت کا طوق اس کی گردن میں ڈال کر راندۂ درگاہ بنا دیا۔ ؎

تکبر عزازیل را خوار کرد　　بزندان لعنت گرفتار کرد

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابلیس کی اتباع کرنے والوں کا انجام بھی اس سے مختلف نہیں ہوگا۔

قال الصادق علیه السلام من قاس فی الدین قرنه الله مع ابلیس یوم القیامة اعاذنا الله و جمیع المومنین من هذه السیجیة الغیر المرضیة۔

عظمت و فضیلت کا قرآنی معیار کیا ہے؟

یہی وجہ ہے کہ ائمۂ طاہرین علیہم السلام ہوں یا علمائے اسلام، انھوں نے کسی کی عظمت و افضلیت ثابت کرنے کے لیے کبھی اس کی ذات و ماہیت کو پیش نہیں کیا بلکہ ہمیشہ قرآنی معیار کی کسوٹی پر پرکھ کر اسے افضل قرار دیا ہے۔ اب رہی اس امر کی تحقیق کہ قرآن نے افضلیت کا معیار کس چیز کو قرار دیا ہے؟ تو یہ بات قرآنی تعلیمات پر نظر رکھنے والے حضرات پر ڈھکی چھپی نہیں ہے۔ قرآن نے ایمان، علم و عمل کی فراوانی اور طاقت و قوت جسمانی میں برتری کو کسی کی افضلیت و برتری معلوم کرنے کا میزان قرار دیا ہے نہ کہ مادہ خلقت کو کہ وہ نور ہے یا نار، مٹی ہے یا کوئی اور چیز؟ اس موضوع پر آدمؑ و ملائکہ والا قرآنی واقعہ نص صریح ہے، ظاہر ہے کہ فرشتوں کی خلقت محض نور سے اور طینت سے ہوئی ہے، مگر جب خالق کائنات نے خلافت کا عہدہ جلیلہ آدمؑ کے سپرد کرنے کا اعلان کیا اور فرشتوں نے (بطور استفہام ہی سہی) کچھ لب کشائی کی تو حکیم مطلق نے ان کا علم کے ذریعہ سے امتحان لیا اور جب آدمؑ اس امتحان میں کامران اور فرشتے ناکام ہو گئے تو قرآن شاہد ہے کہ فرشتوں

Scanned with CamScanner

نے آدمؑ کی برتری تسلیم کرتے ہوئے ان کے سامنے اپنی مقدس گردنیں خم کر دیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ صرف نور ہونا باعث افضلیت نہیں، ورنہ آدمؑ نور نہ ہوتے ہوئے بھی نوریوں سے افضل قرار نہ پاتے، بلکہ معیار افضلیت علم کی کثرت (مع العمل ہے، ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم)، اس لیے ائمہ اطہارؑ کا ارشاد ہے: ان الملائکۃ لخدامنا و خدام محبینا۔ فرشتے ہمارے اور ہمارے خالص محبوں کے خادم ہیں۔ (علل الشرائع جلد ۱ صفحہ ۶)

اسی طرح ایک اور قرآنی واقعہ سے بھی اس معیار و میزان کی تائید مزید ہوتی ہے۔ جناب شموئیل نبی کے زمانہ میں کفار و مشرکین ہمیشہ یلغار کر کے ان کے متبعین کو تاخت و تاراج کرتے، مختلف اذیتیں پہنچاتے، اور قتل و غارت کا بازار گرم کرتے۔ بالآخر ان اہل ایمان نے بموجب تنگ آمد بجنگ آمد، ان لوگوں سے فیصلہ کن نبرد آزمائی کا فیصلہ کیا۔ لیکن چونکہ ان کا کوئی حاکم اعلیٰ نہ تھا، اس لیے نبیؑ کی خدمت میں درخواست پیش کی، اجعل لنا ملکا نقاتل فی سبیل اللہ۔ ہمارے لیے ایک (دینی) حاکم مقرر کیجیے۔ جس کے ساتھ مل کر ہم (کفار) سے جنگ کر سکیں۔ نبیؑ نے ان کی یہ درخواست بارگاہِ ربوبیت میں پیش کی، چنانچہ خدا نے جناب طالوت کو حاکم مقرر کیا۔ جب نبیؑ نے ان کی حاکمیت کا اعلان کیا کہ: ان اللہ قد بعث لکم طالوت ملکا۔ خدا نے طالوت کو تمہارا حاکم مقرر کیا ہے، تو ان لوگوں نے فوراً زبان اعتراض دراز کی کہ:

انی یکون لہ الملک علینا و نحن احق بالملک منہ و لم یوت سعۃ من المال۔

بھلا وہ کیونکر ہمارے حاکم ہو سکتے ہیں۔ ان سے تو ہم حاکم بننے کے زیادہ حق دار ہیں۔ کیونکہ وہ مالدار نہیں (اور ہم مالدار ہیں) ان کو یہ جواب دے کر مطمئن کیا گیا کہ:

ان اللہ اصطفاہ علیکم و زادہ بسطۃ فی العلم و الجسم۔

خدا نے اس لیے ان کو منتخب کیا ہے کہ ان کا علم اور قوت جسمانی تم سے زیادہ ہے۔ اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ معیار افضلیت نہ مادۂ خلقت ہے نہ مال و منال کی کثرت اور نہ ہی حسن و جمال کی فراوانی۔ جیسا کہ بعض کوتاہ اندیش مسلمانوں کا خیال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قدیم الایام سے ہمارے علماء اعلامؒ نے حضرت امیر المومنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ کی افضلیت ثابت کرنے کے لیے ہمیشہ ان کی علمی و عملی برتری اور قوت و طاقت جسمانی کی فراوانی سے استدلال کر کے مخالفین کا ناطقہ بند کیا ہے، جیسا کہ کتب کلامیہ پر نظر رکھنے والے حضرات سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ ان الذین امنوا و عملوا الصالحات اولئک ھم خیر البریہ۔

Scanned with CamScanner

نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں ہے

جن لوگوں نے اس مسئلہ کو محور قیل وقال اور محاذ جنگ و جدال بنا کر آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے ان کے بیانات کا سرسری جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے نور و بشر کو دو متضاد چیزیں سمجھ رکھا ہے کہ اگر کوئی نور ہے تو بشر نہیں اور اگر بشر ہے تو پھر نور نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ یعنی نور و بشر میں کوئی تضاد نہیں بلکہ ایک ہی چیز میں دونوں کا بیک وقت اجتماع ممکن ہے۔ نور کی ضد ظلمت ہے اور بشر کی ضد جن ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

انبیاء و ائمہ میں دو جنبے ہوتے ہیں

انبیاء عظام ہوں یا ائمہ علیہم السلام چونکہ یہ بزرگوار خدا کے اوامر و احکام بندوں تک اور بندوں کی عرضداشتیں خدا تک پہنچانے میں خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں، اس لیے ان کے دو جنبے ہوتے ہیں۔

① ایک نورانی و روحانی جس کی وجہ سے نظام شریعت میں خدا سے احکام حاصل کرتے اور تکوین میں بارگاہ قدس میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرتے ہیں۔

② دوسرا جنبہ بشری و جسمانی، جس کی وجہ سے خدائے واحد کے احکام و فرمان بندوں تک پہنچاتے ہیں۔ کما قیل ؎

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شاغل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدّد کا

چنانچہ سرکار علامہ محمد باقر مجلسیؒ ان حضرات کے انہی دو پہلوؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فلا بد ان یکون بینا و بین اللہ سفراء وجب ذوجهات قدسیة و حالات بشریة یکون لهم بالجهات الاولی ارتباط بالجناب الاعلی یاخذون عنه الاحکام و الحکم و یکون بهم بالجهات الثانیة مناسبة للخلق یلقون الیهم ما اخذوا عن ربهم فلذا جعل اللہ تعالیٰ سفرائه ظاهرا من جنس البشر و باطنا مبایدین عنهم فی اطوارهم و اخلاقهم و نفوسهم و قابلیاتهم فهم مقدسون، روحانیون قائلون انما انا بشر مثلکم لئلا ینفر عنهم امتهم و یقبلوا منهم و یانسوا بهم لکونهم من جلسهم و شکلهم و الیه یشیر قوله تعالیٰ و لو

Scanned with CamScanner

جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا و للبسنا علیھم ما یلبسون ۔ (رسالہ اعتقادیہ مطبوع معہ توحید الصدوق صفحہ ۳۸۲ و علی ھامش عقائد الصدوق مع شرح باب حادی عشر صفحہ ۶۷)

یعنی ہمارے اور ہمارے خدا کے درمیان ایسے حجاب و سفراء کا ہونا ضروری ہے جن میں دو جنبے ہوں، ایک جنبہ قدسی اور دوسرا جنبہ بشری، تاکہ پہلے جنبہ کی وجہ سے ان کا خدائے تعالیٰ سے ربط و تعلق ہو اور اس سے احکام و اوامر لے سکیں اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مخلوق کے ساتھ مناسبت رکھنے کی وجہ سے جو کچھ (احکام و اوامر) خدا سے حاصل کیے ہیں، ان تک پہنچا سکیں۔ اس مقصد کے لیے خدائے عزوجل نے اپنے سفراء و انبیاء کو ظاہری خلقت کے اعتبار سے تو بشر (و انسان) کی قسم سے ہی بنایا، لیکن باطنی طور پر اخلاق و اطوار، اپنے (پاکیزہ) نفوس اور ان کی قابلیت کے لحاظ سے ان کو ان سے جدا قرار دیا۔ (غرضیکہ بشر و انسان ہونے میں باہم شریک اور صفات و کمالات میں جدا جدا) اس لیے یہ تمام نقائص) سے مقدس و پاک روحانی ہیں، جو زبان قال سے یہ کہتے ہیں کہ ہم تمہارے جیسے بشر ہیں، تاکہ ان کی امتیں ان سے نفرت نہ کریں۔ ان کی بات قبول کریں اور ان سے مانوس رہیں۔ کیونکہ وہ انہی کی قسم اور شکل و صورت سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی طرف خدا کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ اگر ہم فرشتہ کو نبی بناتے تو (آخر) اس کو بھی مرد صورت بناتے اور جو شبہے یہ لوگ کر رہے ہیں (گویا ہم خود ان پر) اس وقت بھی اوڑھا دیتے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

(کذا فی کتاب الاربعین للمجلسی صفحہ ۱۷۷)

اسی طرح فاضل محدث ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار صفحہ ۳۰ پر نبیؑ و امامؑ کے انہی دو جنبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

من الجھۃ الروحانیۃ التی بسببھا کانوا قابلین للفیوضات التی اختصت بھم و بھا صاروا وسائط الاستفادۃ من طوف اللہ تعالیٰ کما انھم من الجھۃ البشریۃ کانوا وسائط ایصال احکام اللہ وغیرھا الی الخلق۔

یعنی یہ بزرگوار روحانی جہت کی وجہ سے اپنے فیوضات مخصوصہ حاصل کرنے اور (خالق و مخلوق کے درمیان) وسیلہ بننے کے قابل ہوتے ہیں۔ اور بشریت والے جنبہ کی وجہ سے اللہ کے احکام وغیرہ لوگوں تک پہنچاتے ہیں۔

ایسا ہی فاضل نوریؒ نے "کفایۃ الموحدین" جلد ۱ صفحہ ۵۱۱ پر ضرورت امامؑ و نبیؑ ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

تفاوت مراتب انسان امریست ظاہرہ و ہویدا۔ پس لازم است وجود شخصے کہ ممتاز باشد بقابلیت امور مذکورہ ذوجہتین باشد تا از جہتی تلق وحی الٰہی نماید و بجہتی دیگر تبلیغ اوامر و نواہی بمکلفین نماید۔

یعنی انسانی مراتب ومدارج کا اختلاف ایک کھلم کھلا حقیقت ہے، لہٰذا ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو دونوں جہتیں رکھتا ہو تاکہ ایک جہت سے اللہ سے احکام حاصل کرے اور دوسرے جہت کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر ونواہی پہنچا سکے۔

افادۂ جدیدہ

پس مذکورہ بالا حقائق سے یہ حقیقت واضح ولائح ہوگئی کہ نور وبشریت میں کوئی باہمی تضاد نہیں ہے، اوران بیانات سے ثابت ہوگیا کہ انبیاءؑ ومرسلینؑ ہوں یا ائمہ طاہرینؑ دو جنبوں کے حامل ہوتے ہیں۔

یعنی جسمانی وبدنی طور پر بشر وانسان اور روحانی طور پر نور، لہٰذا ہوسکتا ہے کہ کوئی شئ ذاتی طور پر عناصر سے مرکب ہو اور صفاتی طور پر نور کہلائے۔

آج اس سائنسی ترقی کے دور میں تو یہ امر مشاہدہ میں آچکا ہے۔ مثلاً خداوند عالم نے قرآن مجید میں چاند کو نور قرار دیا ہے۔ (وجعل القمر نورا) مگر آج اس چاند کی مٹی کا مغربی ممالک کی لیبارٹریوں اور تجربہ گاہوں میں تجزیہ کرکے اس پر مختلف تجربات کیے جارہے ہیں۔

صاحبان عقل وانصاف کے لیے اس مطلب کے اثبات کے لیے یہی مقدار کافی ہے۔

ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور

انبیاءؑ وائمہؑ کی بشریت کا انکار

قرآن کریم، حدیث معصومینؑ اور اجماع مسلمین کی تکذیب ہے

اس قدر تمہیدی بیانات کے بعد ہم اس موضوع پر ذرا تفصیل سے گفتگو کرتے ہیں۔ سوار باب بصیرت پر یہ حقیقت مخفی ومحتجب نہ رہے کہ انبیاء ومرسلینؑ ہوں یا ائمہ طاہرینؑ وہ یقیناً بشر وانسان کامل بلکہ اکمل ہی ہیں، ان کی بشریت وانسانیت کا انکار کرنا درحقیقت قرآن وحدیث اور اجماع مسلمین کی تکذیب کے مترادف ہے۔

Scanned with CamScanner

بشریت انبیاءؑ قرآن وحدیث کی روشنی میں

اہل ایمان کے جلائے ایمان اور زیادتی بصیرت وایقان کے لیے ذیل میں ہم اس سلسلہ میں چند آیات مبارکہ مختصر تقریب استدلال کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور ان کے ضمن میں کئی روایات بھی آجائیں گی۔

☆ خدائے حکیم اس عالم آب وگل میں سب سے پہلے نبی حضرت آدمؑ ابوالبشر کے بارے میں فرماتا ہے: انی خالق بشرا من طین۔ (پارہ ۲۳ سورہ ص ع ۱۴) میں گیلی مٹی سے ایک آدمی بنانے والا ہوں۔ دوسرے مقام پر ان ہی کے متعلق ارشاد فرماتا ہے: انی خالق بشرا من صلصال من حماء مسنون۔ (پارہ ۱۴ سورہ حجر ع ۳) میں ایک آدمی کو خمیر دی ہوئی مٹی سے جو (سوکھ کر) کھن کھن بولنے لگے پیدا کرنے والا ہوں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

تقریب استدلال:

ان آیات مبارکہ میں بشر، طین، صلصال اور حماء مسنون سب ہی لفظیں خداوند عالم نے صرف کی ہیں۔ لغوی اعتبار سے اب ذرا "صلصال" کی حقیقت بھی سن لیں۔ بجتی ہوئی مٹی، کھنکھناتی ہوئی مٹی، وہ خشک مٹی کہ جب اس پر انگلی ماری جائے تو بجنے اور کھنکھنانے لگے "صلصال" کہلاتی ہے، اور بعض نے اس کے معنی سڑی ہوئی مٹی کے بھی کیے ہیں۔

امام راغب اصفہانی لکھتے ہیں: اصل میں "صلصال" خشک چیز کے بجنے کا نام ہے۔ اسی سے محاورہ ہے صل المسمار (کھونٹی بجی) اور اسی سے خشک مٹی صلصال سے موسوم ہے۔ (کیونکہ وہ بجتی ہے) ارشاد ہے: من صلصال کالفخار (کھنکھناتی مٹی جیسے ٹھیکرا) اور صلصال من حماء مسنون (کھنکھناتے سنے گارے سے) اور صلصلۃ باقی ماندہ پانی کا نام ہے۔ جو مشکیزہ میں ہلنے کی کھڑکھڑاہٹ سے، مشابہ ہونے کی بنا پر اس نام سے موسوم ہے۔

اور بعض نے لکھا ہے کہ صلصال سڑی ہوئی مٹی ہے۔ یہ عرب کے محاورہ صل اللحم (گوشت سڑ گیا) سے ماخوذ ہے۔ ان کا بیان ہے کہ اس کی اصل صلال ہے۔ ایک لام کو ص سے بدل لیا گیا ہے۔ فراء کا بیان ہے کہ صلصال وہ مٹی ہے جس میں ریگ ملی ہوئی ہو۔ اور اس طرح بجنے لگے کہ جس طرح ٹھیکری بجتی ہے۔

اور ابوعبیدہ نے لکھا ہے کہ صلصال وہ خشک مٹی ہے جس کو آنچ نہ پہنچی ہو اور جب تم اسے انگلی

Scanned with CamScanner

سے ٹھونکو تو بجنے لگے اور تم اس کی کھنکھناہٹ سن لو۔ اور جب وہ آگ میں پکائی جائے تو خالص ہے۔ نیز ہر وہ شئی جو کھن کھن بولے صلصال ہے۔ طبری نے قتادہ سے باسناد صحیح ایسا ہی نقل کیا ہے۔

اعتراض:

حضرت آدمؑ کی تخلیق کے بارے میں قرآن مجید میں مختلف عبارتیں مذکور ہیں۔ کہیں ارشاد ہے: من تراب (مٹی سے) کہیں فرمایا: من طین لازب (چپکتے گارے سے) اور کہیں مذکور ہے: من حماء مسنون (سنے گارے سے) اور کہیں وارد ہے: من صلصال کالفخار (کھنکھناتی مٹی سے جیسے ٹھیکرا) یہ اختلاف کیوں ہے؟

الجواب:

ان عبارتوں میں درحقیقت کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ مطلب ایک ہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کے مختلف مدارج بیان کیے گئے ہیں۔ کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے اول مٹی سے پیدا کیا، پھر اس میں پانی ملا تو طین لازب ہوئی، یعنی اس میں چپک پیدا ہوئی، اس کے بعد حماء مسنون کہلائی کہ سیاہ ہوگئی اور سڑگئی، پھر جب خشک ہوگئی تو صلصال کالفخار سے موسوم ہوئی کہ ٹھیکری کی طرح کھن کھن بولنے لگی۔

(لغات القرآن صفحہ ۳۱ و ۳۲ بحوالہ ترجمہ قرآن تفسیر المتقین صفحہ ۶۳۷ حاشیہ نمبر ۲)

خلقت آدمؑ کی کیفیت

● احادیث اہل بیتؑ میں جناب آدمؑ کی اس طینی خلقت کی پوری تفاصیل موجود ہیں۔ اگر اس سلسلہ میں نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ کا ہی مطالعہ کیا جائے تو کافی ووافی ہے۔ جناب امیر المومنینؑ حضرت آدمؑ کی اس خلقت کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم جمع سبحانہ من حزن الارض و سھلھا و عذبھا و سبخھا تربۃ سنھا بالماء حتی خلصت و لاطھا بلۃ حتی لزبت فجبل منھا صورۃ ذات احناء و وصول و اعضاء و فصول اجمدھا حتی استمسکت و اصلدھا حتی صلصلت لوقت معدود واجل معلوم ثم نفخ فیہ من روحہ فمثلت انسانا ذا اذھان یجیلھا و فکر یتصرف بھا، و جوارح یختدد مھا و ادوات یقلبھا و معرفۃ یفرق بھا بین الحق و الباطل و الازواق و المشام و الالوان و الاجناس معجونا بطینۃ الالوان المختلفۃ و الاشباہ المؤتلفۃ و الاضداد المتعادیۃ و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

الاخلاط المتبائنة من الحر و البرد و البلة و الجمود و المسائة السرور۔ ۱۲

پھر (جب خداوند متعال آسمان وزمین، خورشید وماہ وسیارگان پیدا کر چکا) اس نے جائے سنگلاخ وہموار زمین شور اور ارض (خاکی) سے جو قابل کاشت تھی، پارۂ (ذرات) خاکی اکٹھا کیا، اس کو پانی میں سانا، تاکہ وہ خالص اور پاکیزہ ہو جائے۔ پھر اسے تری سے گوندھا، یہاں تک کہ زمین کے عناصر ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے، اس سے خدا نے ایک صورت پیدا کی، اس میں کچھ ٹیڑھی ہڈیاں تھیں، اعضاء تھے، جوڑ تھے، پٹھے تھے، اسے ایک خاص مدت اور مخصوص وقت تک اسی طرح رکھا، یہاں تک کہ وہ سوکھ کر خشک ہوگئی، اور سخت ہو کر کھنکھناہٹ دینے کے قابل ہوگئی، پھر خدا نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ اب ایک ایسا انسان پیدا ہو گیا جو ذہین ہے اور ذہن سے کام لیتا ہے، جو صاحب فکر ہے اور فکر کو کام میں لاتا ہے، صاحب اعضاء وجوارح ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے، وہ اپنے اعضاء کو جس طرح چاہے جنبش دیتا ہے، صاحب فہم وفراست ہے، حق وباطل میں تمیز کرسکتا ہے۔ وہ چکھنے کی حس کا مالک بھی ہے اور سونگھنے کی حس کا بھی۔ وہ رنگ وجنس میں امتیاز کرسکتا ہے۔ مختلف رنگوں کی مٹی سے بنا ہوا، ہم شکل چیزوں سے مرکب جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور مخالف ہیں، ان اخلاط سے ترتیب دی جو ایک دوسرے سے معارض ہیں۔ گرمی سے بھی اور سردی سے بھی۔ تری سے بھی اور خشکی سے بھی، اندوہ وخوشحالی سے بھی (خدا نے یہ مخلوق پیدا کی، اور آدم نام رکھا) حاشیہ پر لکھا ہے: گرمی سے مراد صفراء ہے، سردی سے مراد بلغم ہے، تری سے مراد خون ہے، خشکی سے مراد سوداء ہے۔ (نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۵ ترجمہ رئیس احمد جعفری)

جناب امیر علیہ السلام کے اس فرمان واجب الاذعان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ آدمؑ کی مٹی فرشی تھی نہ عرشی، اور وہ عناصر اربعہ سے مرکب تھے۔ آیا بعد ازیں بھی کوئی مسلمان ان کے بشر وانسان ہونے کا انکار کرنے کی جرات وجسارت کرسکتا ہے؟ لیکن من لم یجعل اللہ لہ نورا فمالہ من نور۔

❷ سورۂ ابراہیم میں خداوند عالم کفار کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ انھوں نے یہ کہہ کر انبیاءؑ کی نبوت کا انکار کر دیا تھا:

قالوا ان انتم الا بشر مثلنا تریدون ان تصدونا عما کان یعبد آبائنا فاتونا بسلطان مبین

کہ تم بھی بس ہمارے ہی جیسے آدمی ہو (اچھا اب سمجھے) تم یہ چاہتے ہو کہ جن معبودوں کی ہمارے باپ دادا پرستش کرتے تھے تم ہم کو ان سے باز رکھو۔ (اچھا اگر تم سچے ہو تو) کوئی صاف کھلا ہوا صریح معجزہ ہمیں لا دکھاؤ۔ (پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم ع ۱۴)

Scanned with CamScanner

تقریب استدلال:

اب قابل غور بات یہ ہے کہ اگر یہ بزرگوار فی الحقیقت بشر وانسان نہ تھے بلکہ صرف ظاہری جامہ بشریت میں ملبوس اور حقیقت میں کچھ اور تھے تو یہاں چونکہ صرف ان انبیاءؑ کے بشر ہونے کی وجہ سے ان کی نبوت کا انکار کیا جارہا تھا، تو مقتضائے مقام یہ تھا کہ وہ یہاں یہ جواب دے کر کفار کا ہمیشہ کے لیے ناطقہ بند کر دیتے کہ تمھیں مغالطہ ہوا ہے صرف ظاہر میں ہم تم کو بشر وانسان دکھائی دیتے ہیں ورنہ حقیقت میں ہم کچھ اور ہی ہیں۔ مگر قرآن شاہد ہے کہ انھوں نے ایسا جواب نہیں دیا، بلکہ اپنی بشریت کے کھلم کھلا اقرار کے ساتھ ساتھ صرف اپنی خصوصیت کا اظہار فرمایا ہے، خدا تعالیٰ نے ان کے جواب کو بایں الفاظ نقل فرمایا ہے:

قالت لهم رسلهم ان نحن الا بشر مثلكم و لكن الله يمن على من يشاء من عباده و ما كان لنا ان نأتيكم بسلطان الا باذن الله و على الله فليتوكل المومنون۔

(پارہ ۱۳ سورہ ابراھیم ع ۱۴)

ان کے پیغمبروں نے ان کے جواب میں کہا کہ اس میں شک نہیں کہ ہم بھی تمھارے ہی سے آدمی ہیں، مگر خدا اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل (وکرم) کرتا ہے (اور رسالت عطا فرماتا ہے) اور ہمارے اختیار میں یہ بات نہیں کہ بے حکم خدا (تمھاری فرمائش کے موافق) ہم کوئی معجزہ تمھارے سامنے لاسکیں اور خدا ہی پر سب ایمانداروں کو بھروسا رکھنا چاہیے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ انبیاءؑ کو بشر کہنا صرف کفار کا ہی مقولہ نہیں ہے (جیسا کہ بعض غلو نواز حضرات کا خیال ہے) بلکہ اس حقیقت کا خود انبیاء علیہم السلام کو بھی اقرار ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ کفار بموجب کلمۃ حق یراد بھا الباطل ان کو بشر کہہ کر ان کے خصائص نبوت کا انکار کر دیتے تھے اور انبیاءؑ نے اپنی بشریت کے اعتراف کے ساتھ ساتھ ان خصائص کا اظہار بھی فرمادیا ہے۔

چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر التبیان جلد ۶ صفحہ ۲۸۰ پر مذکورہ بالا آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

حكى الله تعالىٰ فى هذه الآية ما اجابت به الرسل الكفار فانهم قالوا لهم ما نحن الا بشر مثلكم و لسنا ملائكة كما زعمتم و لكن الله من علينا فاصطفانا و بعثنا انبياء و هو يمن على من يشاء من عباده و لم يكن لنا ان نجيئكم بسلطان ۔ اى بحجة على صحة

Scanned with CamScanner

دعوانا الا بامر اللہ و اطلاقہ لنا فی ذلک۔ (کذا فی مجمع البیان للطبرسی جلد ۲ صفحہ ۱۸)

یعنی خداوند عالم نے اس آیت میں انبیاءؑ کے اس جواب کی حکایت کی ہے جو انھوں نے کفار کو دیا تھا کہ ہم یقیناً بشر ہیں اور جس طرح تمھارا گمان ہے کہ نبی کو فرشتہ جونا چاہیے ہم فرشتے نہیں ہیں لیکن خدائے منان نے ہم پر احسان فرمایا ہے اور ہم کو اپنے بندوں میں سے منتخب کر کے نبی بنا دیا ہے اور وہ جس پر چاہتا ہے احسان کرتا ہے اور ہم اپنے دعوے کی صحت وصداقت پر خدا کے امر و اجازت کے بغیر کوئی بینہ و برہان (معجزہ) نہیں لا سکتے۔

❸ بالکل ایسا ہی جناب رسولؐ خدا کا یہ ارشاد ہے:

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الہ واحد۔

(اے رسول کہہ دو) کہ میں بھی تمھارا ایسا ہی ایک آدمی ہوں (فرق اتنا ہے) کہ میرے پاس یہ وحی آتی ہے کہ تمھارا معبود یکتا معبود ہے۔

تقریب استدلال:

اس آیت مبارکہ میں بھی اسی امر کا اظہار کیا گیا ہے کہ چونکہ کفار آنحضرتؐ کو بشر کہتے ہوئے ان کے خصائص کو نظر انداز کر دیتے تھے، آنحضرتؐ نے بحکم پروردگار جہاں اپنے بشر و انسان ہونے کا اعلان کیا، وہاں اپنی خصوصی خاصیت (وحی نبوت) کا بھی اظہار فرما دیا۔ چنانچہ علامہ طبرسی مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۱۱۳ پر اسی آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: لافضل لی علیکم الا بالدین و النبوۃ و لا علم لی الا ما علمنیہ اللہ تعالیٰ۔ یعنی مجھے آپ لوگوں پر سوائے دین اور نبوت کے اور کوئی فضیلت نہیں (ہاں البتہ یہی فضیلت تمام فضائل کی جامع ہے) اور مجھے اتنا ہی علم ہے جتنا خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے۔

احتجاج طبرسی صفحہ ۱۴ پر جناب رسولؐ خدا سے اور تفسیر صافی صفحہ ۲۱۰ پر امام حسن عسکری علیہ السلام سے اس آیت مبارکہ کی تفسیر یوں مروی ہے یعنی:

قل لھم انا فی البشریۃ مثلکم و لکن ربی خصنی بالنبوۃ دونکم کما یخص بعض البشر بالغنی و الصحۃ و الجمال دون بعض من البشر فلا تنکروا ان یخصنی ایضا بالنبوۃ۔

یعنی اے رسولؐ ان (منکرین نبوت) سے کہہ دو کہ میں بشر ہونے میں تمھاری مانند ہوں۔ لیکن جس طرح خداوند عالم بعض انسانوں کو تونگری، صحت وسلامتی اور حسن و جمال سے نوازتا ہے اور بعض کو (ان چیزوں سے) محروم رکھتا ہے، اسی طرح اس خدائے حکیم و علیم نے مجھے مرتبہ نبوت پر

Scanned with CamScanner

ممتاز کیا ہے (اور تمھیں اس سے محروم رکھا ہے۔ لہٰذا جس طرح تم بعض انسانوں پر خدا کی مذکورہ بالا عنایات کا انکار نہیں کرتے اسی طرح) تم اس بات کا بھی انکار نہ کرو کہ خدا نے مجھ ہی کو عہدۂ نبوت پر فائز کیا ہے۔ (کذا فی الاحتجاج للطبرسی صفحہ ۱۴ عن النبیؐ)

جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ کو بشر کہنا کفر اور کفار کا مقولہ ہے، اس آیت مبارکہ میں ان کے لیے لمحہ فکریہ ہے، اس سے منطقی شکل کا صغریٰ کبریٰ اس طرح بنتا ہے:

صغریٰ: خدا نے رسولؐ کو بشر کہا،

کبریٰ: جو رسولؐ کو بشر کہے وہ کافر ہے۔

نتیجہ: اگر گویم زباں سوزد ع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

جناب مولانا سید محمد سبطین صاحب نے اس آیت مبارکہ کا ترجمہ و تشریح اس طرح کی ہے:
کہہ دو اے حبیب کہ بس میں مثل تمھارے بشر ہوں، مجھ کو یہ وحی کی گئی ہے کہ تمھارا معبود خدائے وحدہ لاشریک ہی ہے، اس پر ثابت قدم رہو۔ اور اس سے معافی چاہو اور میں بشر ہوں مگر مجھ کو امتیاز خاص حاصل ہے کہ علم توحید مجھے عطا کیا گیا ہے۔ سبق وحدت حقیقی مجھے پڑھایا گیا ہے۔ حقیقت توحید میرے وجود میں ودیعت کی گئی ہے اور اس سے تم عاری ہو۔ (پیغام توحید صفحہ ۶۸)

❹ سورہ انبیاء میں خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

و ما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحی الیهم فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون و ما جعلنا هم جسدا لا یاکلون الطعام و ما کانوا خالدین۔ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۱)

اور اے رسولؐ ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو رسول بنا کر بھیجا تھا کہ ان کے پاس وحی بھیجا کرتے تھے تو اگر تم لوگ خود نہیں جانتے ہو تو عالموں سے پوچھ دیکھو اور ہم نے ان (پیغمبروں) کے بدن ایسے نہیں بنائے تھے کہ وہ کھانا نہ کھائیں، اور نہ وہ (دنیا میں) ہمیشہ رہنے والے تھے۔
(ترجمہ فرمانؒ)

تقریب استدلال:

ظاہر ہے کہ رجال بنی نوع انسان کی صنف درشت کو ہی کہا جاتا ہے۔ (یعنی مردوں کو) اس آیت مبارکہ میں بھی سابقہ مطلب کا اعادہ کیا گیا ہے، چونکہ کفار مکہ آنحضرتؐ کے کھانا کھانے، بازار میں چلنے پھرنے اور مصائب و شدائد میں گرفتار ہونے، غرض کہ ان کے بشر ہونے کی وجہ سے

Scanned with CamScanner

ان کی نبوت کا انکار کرتے تھے جس کا جواب خدائے متعال نے یہ دیا کہ آپؐ سے قبل ہم نے جس قدر انبیاء بھیجے ہیں وہ بھی انہی صفات سے متصف تھے۔ پھر ان کی نبوت کا اقرار اور آپؐ کی نبوت کا انکار چہ معنی دارد؟

صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں:

معناه و ما جعلنا الانبياء قبلك اجسادا لا ياكلون الطعام و لا يموتون حتى يكون اكلك الطعام و شربك و موتك علة فى ترك الايمان بك فانالم نخرجهم عن حد البشرية بالوحى۔ (جلد ۲ صفحہ ۱۴۸ کذا فی تفسیر التبیان جلد ۶ صفحہ ۲۰۶ بادنی تفاوت)

یعنی اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے تجھ سے پہلے انبیاء کو ایسا صاحب جسم نہیں بنایا تھا کہ وہ کھانا نہ کھاتے ہوں یا وہ موت کا ذائقہ نہ چکھتے ہوں، تاکہ تمہارا کھانا کھانا، پانی پینا، اور موت کا ذائقہ چکھنا تم پر ایمان نہ لانے کی علت بن سکے، کیونکہ ہم نے ان نبیوں پر وحی نازل کرکے ان کو بشریت سے نہیں نکال دیا تھا۔

❺ ارشاد قدرت ہے:

هو الذى خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا و كان ربك قديرا

(پارہ ۱۹ سورہ فرقان ع ۳)

اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا، پھر اس کو بیٹا (بیٹی اور بہو) اور داماد بنا دیا اور تمہارا پروردگار (پوری پوری) قدرت رکھنے والا ہے۔ (ترجمہ مقبولؒ)

تقریب استدلال:

بکثرت روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ اس آیت مبارکہ میں بشر سے مراد جناب رسولؐ خدا و علی مرتضیٰؑ ہیں، اور نسبا سے خاص ذات نبویؐ اور صہرا سے خاص ذات علویؑ مراد ہے۔

چنانچہ صاحب مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار صفحہ ۹۵ پر رقمطراز ہیں:

فالمراد بالبشر رسول الله و على صلوات الله عليهما كما ان المراد بالصهر على عليه السلام و بالنسب النبى صلى الله عليه و آله و سلم۔

بنابرا ختصار اسی مقدار پر اکتفا کی جاتی ہے، ورنہ اگر ان تمام آیات و روایات کو یک جا جمع کیا جائے، جن میں ان ذوات مقدسہ پر بشر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

العاقل يكفيه الاشارة و البليد لا ينفعه الف عبارة۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم

بشریت انبیاء و ائمہ اتفاقی علماء کاملین کی روشنی میں

اس سلسلہ میں پہلے باب میں بہت سے علماء اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جا چکا ہے، جو ہمارے مدعا پر شاہد عادل ہے۔ یہاں مزید بعض علماء عظام کا کلام حق تو امان پیش کیا جاتا ہے۔

☆ جناب علامہ سید مہدی قزوینی اپنے رسالہ بوار الغالین صفحہ ۱۲۶ طبع بمبئی پر زیر عنوان:

من جملة عقائد الشيخ احمد المخالفة لما عليه المسلمون كون النبي و عترته خلقا فوق بني آدم هذه المقالة عجيبة غريبة مناقضة للكتاب والسنة و لبعض مبانيه فاما الكتاب المجيد فقد قال فيه سبحانه قل انما انا بشر مثلكم فانها نص بين على كونه ليس نوعا غير البشر و اما السنة فكثيرة وهي بعبائر مختلفة منها خبر الخيرة الذي فيه ثم اختار بني هاشم فاختار منهم و ليس يدانى كونه من البشر لكونه افضلهم لما هو معلوم من وجود الفاضل و المفضول في كل قسم من المخلوقات من دون ريب فاين الهادي من المهدي و اين الرسول من الرعية بل اين خاتم الرسل من مرتبة غيره من المرسلين۔

یعنی احمد احسائی کے من جملہ ان عقائد کے جو تمام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں، ایک عقیدہ یہ ہے کہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ انسانوں سے مافوق مخلوق ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب نظریہ ہے جو قرآن و سنت کے مخالف ہے۔ قرآن کے مخالف اس طرح ہے کہ ارشاد قدرت ہے: اے رسول کہہ دو میں بھی تمہاری طرح بشر ہوں۔ یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ آنحضرتؐ کی بشر و انسان کے علاوہ اور کوئی نوع نہیں ہے۔ (اور وہ مافوق البشر مخلوق نہیں ہیں) اور سنت کے مخالف اس طرح ہے کہ بکثرت روایات مختلف الفاظ و عبارات کے ساتھ آپؐ کے بشر ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ من جملہ ان کے ایک وہ روایت بھی ہے جس میں تمام عالم سے بنی ہاشم اور پھر بنی ہاشم سے آنحضرتؐ کو منتخب کرنے کا تذکرہ ہے (پھر ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) کہ ان کو بشر و انسان ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دوسرے بنی نوع انسان سے افضل نہ ہوں۔ کیونکہ تمام مخلوقات عالم میں سے ہر ہر قسم میں فاضل و مفضول کا سلسلہ برابر جاری ہے، بھلا کہاں ہادی اور کہاں مہدی، کہاں رسول اور کہاں رعیت، بلکہ کہاں خاتم الرسل کا مقام اور کہاں دوسرے

Scanned with CamScanner

رسولوں کا جہان۔ کیونکہ ع

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

☆ عالم جلیل آقائے الشیخ محمد رضا مظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ صفحہ ۵۱ و ۵۲ طبع نجف پر بعنوان عقیدتنا فی الائمہ رقمطراز ہیں:

لا نعتقد فی ائمتنا ما یعتقدہ الغلاۃ و الحلولیون کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم بل عقیدتنا الخاصۃ انھم بشر مثلنا لھم مالنا و علیھم ما علینا و انما ھم عباد مکرمون اختصھم اللہ تعالیٰ بکرامتہ رحبا ھم بولایتہ اذ کانوا فی اعلی درجات الکمال فی البشر من العلم و التقوی و الشجاعۃ والکرم و العفۃ و جمیع الاخلاق الفاضلۃ و الصفات الحمیدۃ لا یدانیھم احد من البشر فیما اختصوا بہ و بھذا استحقوا ان یکونوا ائمۃ و ھداۃ و مرجعا بعد النبی فی کل ما یعود للناس من احکام و حکم و ما یرجع للدین من بیان و تشریع و ما یختص بالقرآن من تفسیر و تاویل۔

یعنی ائمہؑ کے بارہ میں ہم وہ اعتقاد نہیں رکھتے جو غالی اور حلول کے قائل رکھتے ہیں۔ یہ بہت ہی بڑا (مشرکانہ) کلمہ ہے جو ان کے مونھوں سے نکلتا ہے، بلکہ ہمارا ان بزرگواروں کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ بشر (اور انسان) ہیں، ان پر بھی تکالیف شرعیہ عائد ہیں۔ وہ اللہ سبحانہ کے مکرم بندے ہیں۔ خدا نے ان کو مخصوص کرامت و ولایت کے ساتھ ممتاز کیا ہے۔ کیونکہ وہ ان صفات جلیلہ و اخلاق جمیلہ کے ساتھ متصف تھے جو بشر میں ممکن ہوسکتے ہیں۔ جیسے علم، تقویٰ، شجاعت، سخاوت اور عفت وغیرہ تمام اخلاق فاضلہ۔ ان خصوصیات میں کوئی بھی بشر ان کی ہمسری نہیں کرسکتا۔ انہی خصائص کی بنا پر وہ اس بات کے مستحق ہوئے کہ پیغمبر اسلامؐ کے بعد احکام و اسرار، بیان شریعت اور قرآن کی تفسیر و تاویل میں لوگوں کے امام و ہادی اور مرجع الخلائق قرار پائیں۔

صاحب کفایۃ الموحدین (جلد ۱ صفحہ ۵۱۰ و ۵۱۱) ضرورت نبوت اور صفات نبی پر دلائل پیش کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

دلیل چہارم بر اثبات نبوت مطلقہ اینکہ براھین قاطعہ ثابت شد و جوب تکلیف برحق سبحانہ و تعالیٰ چنانچہ ذکر شد سابقا و شک نخواھد بود کہ ھر کسے قابل تلق وحی از حضرت آفرید گار نخواھد بود و ھر فردے از افراد انسان را استعداد تحمل ایتان با و امر و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نواهی ربانی نمی باشد و این مطلب ثابت است بوجودان و عیان چه تفاوت مراتب انسان امریست ظاهر و هو یدا پس لازم است از وجود شخصے که ممتاز باشد بقابلیت امور مذکورہ و ذو جهتین باشد تا از جهتی تلق وحی الهی نماید و بجهتی دیگر تبلیغ او امر و نواهی بمکلفین نماید۔

یعنی دلائل قاطعہ کے ساتھ سابقاً یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم پر (لطفاً) واجب ہے کہ بندوں کو عقائد و احکام شرعیہ کی تکلیف دے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر انسان خدا کی وحی اور اس سے احکام حاصل کرنے کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ انسانی مراتب کا اختلاف وجداناً معلوم ہے، اس لیے ایک ایسے شخص کا وجود ضروری ہے جو وحی کا متحمل اور خدا سے اوامر و نواہی حاصل کرنے کی قابلیت رکھتا ہو، اور روحانی و جسمانی دو جنبے رکھتا ہو، تاکہ روحانی جنبہ کی بنا پر بذریعہ وحی خدا سے احکام حاصل کرے اور دوسرے جنبہ کی بنا پر مکلفین تک وہ اوامر و نواہی پہنچا سکے۔

بحمدہ تعالیٰ ان حقائق سے ہمارے بیان کی صداقت روز روشن کی طرح واضح و عیاں ہو گئی کہ انبیاءؑ و ائمہؑ کے بشر و انسان ہونے کا انکار کرنا قرآن، حدیث معصومینؑ، اجماع علماء ملت اسلام کے انکار کے مترادف ہے۔

قد جاءکم بصائر من ربکم فمن ابصر فلنفسه و من عمی فعلیها و ما انا علیکم بوکیل۔

بشریت انبیاء و ائمہؑ عقل سلیم کی روشنی میں

عقل سلیم و شرع قویم ہر دو متفق ہیں کہ انبیاءؑ و ائمہؑ انسان ہیں اور ان کو انسان ہی ہونا چاہیے۔ اگر وہ بشر و انسان نہ ہوں تو پھر ان کے مقرر کرنے کا جو مقصد ہے وہ فوت ہو کر رہ جائے گا۔ ہم اختصار کے ساتھ بشریت انبیاءؑ و ائمہؑ کے متعلق عقل سلیم کی روشنی میں چند رموز و اسرار پیش کرتے ہیں۔

رمز اول:

اگر خدائے متعال عامۃ الناس کے نظریہ کے مطابق فرشتوں کو نبی و امام بنا کر بھیجتا تو اب اگر فرشتہ اپنی اصلی حالت پر آتا اور لوگوں کی بصارت بھی اپنی موجودہ حالت پر قائم رہتی تو وہ اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے۔ کیونکہ عام لوگ فرشتہ کو کیا جن کا بھی مشاہدہ نہیں کر سکتے (جیسا کہ ارشاد قدرت

Scanned with CamScanner

ہے: انہ یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم ۔ یعنی شیطان اور اس کا گروہ تمہیں دیکھتا ہے مگر تم ان کو نہیں دیکھ سکتے) اس صورت میں اس کے بھیجنے کا مقصد فوت ہو جاتا۔ اس لیے ضروری تھا کہ مجسم ہو کر انسانی شکل و صورت میں ہی آئے۔ اسی لیے خداوند عالم فرماتا ہے: و لو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا۔ اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو بھی مرد ہی بنا کر بھیجتے۔ لیکن اس صورت میں پھر اعتراض کرنے والے وہی اعتراض کرتے کہ ہم جیسا مرد کیوں نبی بنا کر بھیجا گیا ہے؟ معلوم ہوا کہ لوگوں کے اعتراض سے بچنا تو بہر حال محال ہے۔ اس لیے حکیم کو وہ کام کرنا چاہیے جو تقاضائے حکمت کے مطابق ہو اور وہ یہی ہے کہ بشر و انسان ہی کو ہدایت خلق کے منصب اعلیٰ پر فائز کیا جائے۔ چنانچہ خلاق علیم و حکیم نے ایسا ہی کیا۔ و ما جعلناھم جسدا لا یاکلون الطعام۔

رمز دوم:

اگر نبیؑ و امامؑ فی الواقع فرشتہ ہوتے اور متشکل بشکل انسانی ہو کر آ جاتے تو اس صورت میں ان کے مقرر کرنے کا مقصد فوت ہو کر رہ جاتا۔ لوگ ان کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیتے اور ان کے معجزات و کمالات بھی ان کی صداقت و حقانیت کی دلیل نہ بن سکتے۔ کیونکہ اس وقت لوگ یہ کہتے کہ چونکہ یہ حضرات فی الحقیقت انسان نہیں اس لیے ان کی طاقت و قدرت ہم سے بدرجہا زیادہ ہے، اس وجہ سے یہ محیر العقول کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔ اگر ہم بھی ان کی طرح دراصل فرشتے ہوتے تو ہم بھی ایسے کارہائے نمایاں انجام دے سکتے۔ کیونکہ جس طرح پرندہ کے لیے ہوا میں اڑنا معجزہ نہیں، اسی طرح فرشتوں کا ایسے کام کرنا بھی ان کے لیے معجزہ نہیں۔ ہاں البتہ انسان کے لیے آلات و اسباب کے بغیر ایسا کرنا ضرور معجزہ ہے جو اس کے خدا کی طرف سے مبعوث ہونے کی قطعی دلیل ہے، نتیجہ ظاہر ہے کہ اس طرح ان کا بھیجنا اور نہ بھیجنا برابر ہو جاتے۔ و نقض الغرض محال علی الحکیم۔

واضح رہے کہ یہ دونوں رمزیں جناب رسول خداؐ کے اس جواب با صواب سے ماخوذ ہیں جو آنحضرتؐ نے کفار قریش کے اس سوال پر کہ خدا نے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر کیوں نہیں بھیجا، بشر کو کیوں نبی بنایا ہے، ارشاد فرمائی تھیں۔ (ملاحظہ ہو احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵ طبع النجف)

رمز سیوم:

اگر انبیاءؑ و ائمہؑ نور مجسم ہوتے تو پھر ان کی چمک دمک اور شان و شکوہ کو دیکھ کر عامۃ الناس کی گردنیں ان کے سامنے خم ہو جاتیں، اور قدرت کو جو ابتلاء و آزمائش مقصود ہے کہ بندے صرف کمال کو دیکھیں ظاہری چمک و دمک پر فریفتہ نہ ہوں، وہ ابتلاء و آزمائش ختم ہو جاتی۔ اس طرح انسان

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ثواب جزیل کے مستحق نہ رہتے۔ اسی رمز کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام خطبہ قاصعہ میں فرماتے ہیں:

لو اراد اللہ ان یخلق آدم من نور یخطف الابصار ضیائہ و یبھر العقول روائہ و طیب یاخذ الانفاس عرفہ لفعل و لو فعل لظلت لہ الاعناق خاضعۃ و لخفت البلویٰ فیہ علی الملائکۃ و لکن اللہ سبحانہ ابتلی خلقہ ببعض ما یجھلون اصلہ تمیزا بالاختبار لھم و نفیا للاستکبار عنھم و ابعادا للخیلاء منھم ؑ۔

یعنی اگر خدا چاہتا تو آدمؑ کو چکا چوندھ کرنے والے نور اور عقلوں کو حیران کرنے والی چمک اور نفس (سانس) نفس میں بسی ہوئی خوشبو سے پیدا کرتا، تو ضرور (ایسا) کرتا اور اگر یہ کرتا (کہ آدمؑ نور و نکہت کا مجموعہ ہوتے) تو تمام گردنیں تعظیماً جھک جاتیں اور فرشتوں کا یہ امتحان ہلکا ہو جاتا۔ لیکن خداوند پاک نے اپنی مخلوق کا امتحان کچھ ایسی باتوں سے لیا جس کی بنیاد سے وہ ناواقف ہیں، تاکہ ان کا امتحان لے کر ممتاز اور ان کے تکبر کو دور اور خود پسندی سے الگ کر دے۔

(نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۶۸۱ ترجمہ رئیس احمد جعفری وطبع مصر جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

انہی حقائق کی بنا پر صاحب صراط الحق فی المعارف الاسلامیہ والاصول الاعتقادیہ نے جلد ۳ صفحہ ۶۸ پر خواص انبیاءؑ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

(۴) کونھم کغیرھم فی اوصاف البشریۃ لقولہ تعالیٰ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی (الکھف ۱۱۱) و لقولہ و ما ارسلنا من قبلک من المرسلین الا انھم لیاکلون الطعام و یمشون فی الاسواق (الفرقان ۲۰)

یعنی اس مقدس گروہ کی چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خواص بشری میں دوسرے انسانوں کی مانند ہوں، جبکہ ارشاد خداوندی ہے: اے میرے حبیب کہہ دو کہ میں تمہاری مانند بشر ہوں، ہاں مجھ پر وحی ہوتی ہے۔ نیز ارشاد قدرت ہے: ہم نے تم سے پہلے جتنے بھی رسولؑ بھیجے ہیں وہ سب کے سب طعام کھاتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

انبیاءؑ وائمہؑ کے دنیاوی جاہ وجلال سے محرومی کا اصل راز

انبیاء وائمہ علیہم السلام کے دنیوی مال ومنال، ظاہری جاہ وجلال اور مادی زخارف وخزائن سے تہی دامن ہونے کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ اگر وہ دنیوی اقتدار واختیار، خزائن ودفائن اور جاہ و

Scanned with CamScanner

جلال کے مالک ہوتے تو ان کے ظاہری اقتدار سے مرعوب ہو کر یا ان کے مال و منال کی طمع و لالچ میں آ کر لوگ ان کے آگے سرنیاز جھکا دیتے اور اس طرح مخلص و منافق، طالب دین اور طالب دُنیا کے درمیان امتیاز ختم ہو جاتا۔ اختیار و امتحان ہلکا ہو جاتا اور جزا و سزا باطل ہو جاتی۔ اس لیے خداوند حکیم نے اپنے ان خاص بندوں کے دامن کو ان چیزوں سے تہی رکھا، تاکہ جو لوگ ایمان لائیں تو وہ خالصاً لوجہ اللہ لائیں اس میں دنیوی طمع و لالچ کا کوئی جذبہ کارفرما نہ ہو۔ اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جناب امیر علیہ السلام مذکورہ بالا خطبہ جلیلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

و لو اراد اللہ سبحانہ لانبیائہ حیث بعثھم ان یفتح لھم کنوز الذھبان و معادن العقیان، و مغارس الجنان و ان یحشر معھم طیر السماء و وحوش الارض لفعل۔ و لو فعل لسقط البلاء و بطل الجزاء و اضمحلت الانباء و لما وجب للقابلین اجور المبتلین، و لا استحق المومنون ثواب المحسنین و لا لزمت الاسماء معانیھا و لکن اللہ سبحانہ جعل رسلہ اولی قوۃ فی عزائمھم وضعفۃ فیما تری الاعین من حالاتھم مع قناعۃ تملا القلوب و العیون غنی و خصاصۃ تملاء الابصار و الاسماع اذیً لا۔

(نہج البلاغہ طبع مصر جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۲۸۹)

اور اگر خداوند عالم یہی چاہتا تو جب پیغمبر مبعوث فرماتا تو ان کے لیے سونے کے خزانے اور چاندی کی کانیں، جنتوں کے باغ کھول دیتا، ان کے ساتھ آسمانوں کے طائر اور زمین کے جانور (ہر وقت) رہتے اور اگر یہ (انتظام) کر دیتا تو آزمائش و جزا بیکار (دوزخ و جنت کی) خبریں رائگاں ہو جاتیں۔ اور (دعوت اسلام) قبول کرنے والوں کو آزمائش میں مبتلا ہونے والوں کا بدلہ اور مومنوں کو احسان کرنے والوں کا جیسا حق نہ ہوتا اور ناموں کے معنی نہ ہوتے (بلکہ کھلی ہوئی باتیں ہوتیں جن کو اختیار کرنے میں کسی باریکی اور ذہنی کاوش کی ضرورت ہی نہ ہوتی) لیکن خدائے پاک نے اپنے رسولوں کو ان کے ارادوں میں صاحب قوت بنایا اور نظر آنے والے عام حالات میں کمزور دست، مگر اس قناعت کے ساتھ جو لوگوں کے دل اور آنکھوں کو ان کے بے فکر و مستغنی ہونے کا یقین دلائے۔ مگر وہ تنگ حالی (کہ گہری) نظروں اور کانوں کو دکھ دے۔

ان فی ذلک لرحمۃ

و ذکریٰ لقوم یومنون

Scanned with CamScanner

ایک مشہور مغالطہ کا ازالہ

اس مقام پر عموماً غلو نواز حضرات عوام الناس کو یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ آیت میں لفظ مثلکم وارد ہے، نہ منکم۔ مثل شئ کسی شئ کا عین نہیں ہوتا، جیسے: انجزت ان اکون مثل ھذا الغراب وغیرہ آیات سے معلوم ہوسکتا ہے۔ دیکھو حضرت مریمؑ کے پاس جناب جبرئیل مثل بشر بن کر آئے۔ (فتمثل لھا بشرا سویا) یہاں تو سب اقرار کرتے ہیں کہ وہ درحقیقت بشر نہ تھا، صرف بشری شکل وصورت اختیار کر کے آیا تھا۔ لہٰذا انبیاءؑ وائمہؑ کے بارے میں ایسا کیوں تسلیم نہیں کیا جاسکتا؟ نیز یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی کو بشر کہنا کفار کا قول ہے کہ وہ کہا کرتے تھے: لبشر یھدوننا ما انت الا بشر مثلنا وغیرہ۔

پہلا جواب:

اس ابلہ فریبی یا خود فریبی کا کئی طرح کا جواب باصواب دیا جاسکتا ہے۔ یہ تفسیر بالرائے ہے جو تمام مسلمانوں کے نزدیک ناجائز اور حرام ہے۔ لقولہ: من فسر القرآن برایہ فلیتبوا مقعدہ من النار۔ (تفسیر صافی وکافی وغیرہ) کیونکہ جب حقیقی وارثان علم قرآن، مہابط وحی وتنزیل ائمہ طاہرین علیہم السلام نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر بیان کردی ہے (جو اوپر درج کی جاچکی ہے) اور انھوں نے نہ آنحضرتؐ کو حدود بشریت سے خارج کیا اور نہ ہی آنحضرتؐ نے اپنے آپ کو۔ بعد ازیں اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مار کر آں جنابؐ کے حقیقی بشر وانسان ہونے کی نفی کرنا اور ان کو مثل بشر قرار دینا تفسیر بالرائے نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرا جواب:

آنحضرتؐ کو تمام حالات وصفات اور واردات وکیفیات میں عام انسانوں جیسا ماننا درست نہیں ہے۔ چہ نسبت خاک را با عالم پاک؟ حفظ مراتب کا ہمیں پورا پورا خیال ہے ع

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

مگر ہیں پھر بھی بشر وانسان، بلکہ حقیقی بشر وانسان ہیں ہی یہی بزرگوار اور انہی کی وجہ سے حضرت انسان اشرف المخلوقات کہلانے کا حقدار ہے، نہ کہ ماوشما کی وجہ سے، جن میں اکثر وبیشتر آدمی تو اولئک کالانعام بل ھم اضل کا مصداق ہیں۔ سچ ہے ع

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

Scanned with CamScanner

مثلکم سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ عین بشر نہیں مشابہ بشر ہیں، یہ علوم عربیہ میں مہارت نہ رکھنے اور الفاظ کے موارد استعمال کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، ورنہ معمولی علم و عقل رکھنے والا انسان بھی سمجھ سکتا ہے کہ جو کفار محض اس بنا پر سابقہ انبیاءؑ اور بالخصوص جناب ختم الرسلؐ کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے کہ وہ بشر ہیں، وہ ان کو ذات و صفات میں اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے، نہ کہ مشابہ بہ بشر، لیکن بایں ہمہ ان کے الفاظ جو قرآن مجید نے پیش کیے ہیں وہ یہی ہیں: ان انتم الا بشر مثلنا۔ تم نہیں ہو مگر ہماری طرح کے بشر یا ما انت الا بشر مثلنا۔ تو نہیں ہے مگر ہماری طرح بشر۔ وہ اہل زبان تھے۔ الفاظ کے موارد و مواقع استعمال سے کما حقہ واقف تھے۔ ان کو اپنی زبان دانی پر اس قدر فخر و ناز تھا کہ اپنے علاوہ تمام اہل عالم کو عجم (گونگا) سمجھتے تھے، مگر بایں ہمہ جب انھوں نے انبیاءؑ کو من کل الوجوہ ہو بہو اپنی طرح بشر ثابت کرنا چاہا تو لفظ مثل لائے اور انبیاءؑ نے بھی ان کے جواب میں اپنی بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ یہ کہہ کر ان نحن الا بشر مثلکم (ہاں یہ درست ہے کہ ہم بھی تمہاری طرح بشر ہیں) اس امر کا اقرار کیا۔ ہاں کفار نے ان کو اپنے جیسا بشر قرار دیتے ہوئے چونکہ ان کے خصائص کا بھی انکار کر دیا تھا۔ اس لیے انبیاء علیہم السلام نے اپنی بشریت کے اقرار کے ساتھ ساتھ اپنے ان خصائص کا بھی اظہار کر دیا کہ ولکن اللہ یمن علی من یشاء من عبادہ۔ لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے اپنا انعام فرما دے (تم اس انعام الٰہی کا انکار نہ کرو)

چنانچہ تفسیر صافی صفحہ ۲۶۴ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے:

سلموا مشارکتھم فی البشریۃ و جعلوا الموجب لاختصاصھم بالنبوۃ فضل اللہ و منہ علیھم بخصائص فیھم لیست فی ابناء جنسھم۔

یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام نے کفار کے جواب میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ وہ بشریت میں ان لوگوں کے ساتھ شریک ہیں اور درجہ نبوت کے ساتھ اختصاص کا سبب انھوں نے خداوند عالم کے فضل و احسان کو قرار دیا ہے۔ ان خصائص و صفات کی وجہ سے جو ان کے دوسرے ابناء جنس میں نہ تھیں۔

اس بیان سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہو گئی کہ کبھی لفظ مثل شئ بمعنی عین شئ بھی استعمال ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا مثل ھذا الخراب وغیرہ آیات سے استدلال کرنا بے جا ہے۔ عربی زبان (جو اُم الالسنہ ہے) کی وسعت کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔ (تفصیل فقہ اللغۃ ثعالبی میں دیکھی جا سکتی ہے۔ من شاء فلیرجع الیہ) بعد ازیں بھی کوئی شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ انبیاءؑ کو بشر کہنا کفار کا مقولہ ہے؟ اگر اب بھی کوئی شخص لانسلم کہتے ہوئے یہی رٹ لگاتا رہے تو پھر ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں

Scanned with CamScanner

گے کہ انبیاء کو ظاہر میں بشر اور حقیقت میں فرشتہ یا کچھ اور سمجھنا کافر زنان مصر کا مقولہ ہے، جنھوں نے جمال یوسفیؑ سے مسحور ہو کر کہا تھا: ما هذا بشرا ان هذا الا ملك كريم

تیسرا جواب:

اگر تا حال تسلی نہ ہو اور اس بات پر اصرار ہو کہ جواب میں ضرور کوئی ایسی آیت پیش کی جائے جس میں ان بزرگواروں کے لیے منکم یا منهم یا من انفسكم یا من انفسهم وغیرہ الفاظ کی تصریح موجود ہو یا اس میں مثل بشر کی بجائے صرف بشر کہا گیا ہو تو لیجیے اتمام حجت کے لیے ایسی چند آیات صریحہ بھی پیش کی جاتی ہیں: جناب پیغمبر اسلامؐ کا یہ ارشاد بمطابق فرمان رب العباد قرآن میں موجود ہے:

قل سبحان ربي هل كنت الا بشرا رسولا (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰) (اے رسولؐ) کہہ دو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی (خدا کے) رسول کے سوا آخر اور کیا ہوں؟ ۔اس آیہ وافی ہدایہ میں جیسا کہ ظاہر ہے مثل کی لفظ موجود نہیں ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ایزدی ہے:

كما ارسلنا فيكم رسولا منكم يتلو عليكم آياتنا (سورہ بقرہ پارہ ۲ ع ۲)

مسلمانو! یہ احسان بھی ویسا ہی ہے جیسے ہم نے تم میں تم ہی میں کا ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ اس آیت مبارکہ میں جیسا کہ ان حضرات کا مطالبہ تھا لفظ منکم موجود ہے۔

اسی طرح ذات احدیت کا فرمان ہے:

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته۔

(پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۸)

خدا نے تو ایمانداروں پر بڑا احسان کیا کہ ان کے واسطے انہی کی قوم کا ایک رسول بھیجا جو انھیں خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کے سناتا ہے۔

یہاں من انفسهم کہہ کر خلاق عالم نے ان کے نوع بشر سے ہونے کی تاکید مزید فرمائی ہے۔

نیز ارشاد قدرت ہے:

لقد جاءكم رسول من انفسكم عزيز عليه ما عنتم حريص عليكم بالمومنين روف رحيم (پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۵)

لوگو تم ہی میں سے (ہمارا) ایک رسول تمھارے پاس آ چکا (جس کی شفقت کی یہ حالت ہے

Scanned with CamScanner

کہ) اس پر شاق ہے کہ تم تکلیف اٹھاؤ، اور اسے تمہاری بہبودی کا ہوکا ہے۔ ایمانداروں پر حد درجہ شفیق و مہربان ہے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

یہاں بھی مطلوبہ الفاظ موجود ہیں۔ فماذا بعد الحق الا الضلال۔

چوتھا جواب:

اس سلسلہ میں آیت فتمثل لھا بشرا سویا اور اس کی مانند بعض دوسری آیات کے ساتھ تمسک و استدلال کرنا ان حضرات کے علم صرف اور خواص ابواب کی ابجد سے بھی عدم واقفیت کی غمازی کرتا ہے، ورنہ اس علم کے ادنیٰ طالب علم بھی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ تمثل باب تفعل کی ماضی معلوم کا صیغہ ہے، اور اس باب کے خواص میں سے نمایاں خاصیت ہے تکلف و تصنع، یعنی جو صفت کسی کے اندر موجود نہ ہو اسے زور و زبردستی سے اپنے اندر ظاہر کرنا، جیسے حدیث میں وارد ہے: ان لم یکن حلیما فتحلم۔ اگر تو حلیم و بردبار نہیں ہے تو زبردستی سے اپنے آپ کو حلیم بنا۔ یا جیسے حضرت امیر المومنینؑ خطبہ شقشقیہ میں مسلمانوں کی خلافت اولیٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اما واللہ لقد تقمصھا ابن ابی قحافہ و ھو یعلم ان محلی منھا محل القطب من الرحی۔

لوگو خدا کی قسم ابوقحافہ کے فرزند نے پیراہن خلافت کو زبردستی پہن لیا، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ میں کمالات علمی و عملی کے لحاظ سے اتنا ناگزیر ہوں جتنا چکی کے لیے وہ کھونٹا جس پر اس کی گردش منحصر ہوتی ہے۔ (نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ ترجمہ رئیس احمد ندوی طبع لاہور)

بنابریں اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ فرشتہ نے بتقاضائے مصلحت زبردستی سے اپنے آپ کو بشر ظاہر کیا جو کہ درحقیقت بشر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ متمثل بہ بشر ہونا اور ہے اور بشر یا مثل بشر ہونا اور۔

صرف شکل بدلنے سے خواص و آثار نہیں بدلتے

یہی وجہ تھی کہ جو فرشتہ حضرت مریمؑ کے پاس آیا تھا، یا جو فرشتے حضرت ابراہیمؑ و لوطؑ کے پاس گئے تھے، اگرچہ وہ متمثل بہ بشر تھے۔ مگر ان میں خواص و آثار اب بھی وہی موجود تھے جو فرشتوں میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن شاہد ہے کہ جب حضرت خلیل الرحمٰنؑ نے ان کی ضیافت کے لیے بھونا ہوا بچھڑا اُن کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے انا ارسل ربك ہم تمہارے رب کی طرف سے فرستادہ (فرشتے) ہیں، کھانے سے اپنی معذوری ظاہر کردی۔

اسی طرح عموماً جناب جبرئیل دحیہ کلبی کی شکل میں متشکل ہوکر بارگاہ رسالتؐ میں حاضر ہوتے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تھے۔ نیز ائمہ اطہارؑ کے گھر مختلف الملائکہ ہیں، یعنی وہاں برابر فرشتوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری ساری رہتا ہے۔ مگر یہ کسی بھی روایت میں نہیں ملتا کہ انھوں نے یہاں آ کر کبھی کوئی کھانے پینے کی چیز کھائی ہو، یا پی ہو۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جنگ بدر میں خداوند عالم نے تین ہزار فرشتے اہل اسلام کی نصرت و مدد کے لیے اتارے تھے۔ یہ بات محتاج بیان نہیں کہ جنگ میں بھوک اور بالخصوص پیاس کا غلبہ زیادہ ہوتا ہے، مگر کوئی تاریخ یہ نہیں بتاتی کہ انھوں نے کچھ کھایا ہو یا پیا ہو۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات ناقابل انکار حد تک ثابت ہو جاتی ہے کہ اگر کبھی کبھار فرشتے بحکم پروردگار انسان کی شکل میں متشکل ہو کر زمین پر آجائیں تو تب بھی ان کے نوعی آثار و لوازم ان سے منفک و جدا نہیں ہو سکتے۔ یعنی نہ وہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ نکاح کرتے ہیں۔

(منہاج البراعۃ جلد ۲ صفحہ ۱۸ طبع جدید ارشاد صادق)

انبیاءؑ و ائمہؑ میں آثار بشریت

مگر ہم دیکھتے ہیں کہ انبیاءؑ و ائمہؑ میں تمام لوازم و آثار بشریت (نہ نقائص و عیوب بشریت) موجود ہیں۔ مثلاً خورد و نوش، نیند و بیداری، صحت و مرض، نکاح و اولاد، بیوی اور بچے، خوشی و غمی، رونا ہنسنا، بول و براز اور موت و حیات وغیر ذالک من الآثار سے واضح و آشکار ہوا ہے کہ خود ائمہ اطہارؑ نے اپنے انہی لوازم و آثار بشریت کو پیش کر کے ان لوگوں کے زعم باطل کی تردید فرمائی ہے جو ان کی الوہیت و ربوبیت کے قائل تھے۔

❶ چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام ایسے لوگوں کی رد میں فرماتے ہیں:

اولیس علی اکلا فی الاکلین و شاربا فی الشاربین و ناکحا فی الناکحین و محدثا فی المحدثین و کان مع ذلک مصلیا خاضعا بین یدی اللہ ذلیلا و الیہ اوابا منیبا افمن ھذہ صفتہ یکون الھا فلیس منکم احد الا و ھو الہ لمشارکتہ لہ فی ھذہ الصفات الدالات علی حدث کل موصوف لا۔

یعنی کیا حضرت علیؑ روٹی نہیں کھاتے تھے کھانے والوں میں؟ پانی نہیں پیتے تھے پینے والوں میں؟ کیا وہ نکاح نہیں کرتے تھے نکاح کرنے والوں میں؟ کیا وہ حادث (غیر قدیم) نہیں تھے محدثین میں؟ (یہ ترجمہ تو اس بنا پر ہے کہ محدث کی دال پر زبر پڑھی جائے لیکن اگر اس کی دال کو زیر کے ساتھ پڑھا جائے تو پھر ترجمہ یوں ہوگا کہ کیا وہ بول و براز نہیں کرتے تھے بول و براز کرنے

Scanned with CamScanner

والوں میں؟) کیا وہ خداوند عالم کی بارگاہ میں خشوع وخضوع کے ساتھ نماز نہیں پڑھتے تھے؟ اور کیا وہ رب جلیل کی بارگاہ میں تضرع وزاری کے ساتھ رجوع نہیں کرتے تھے؟ کیا جس شخص کے یہ صفات ہوں وہ خدا ہوسکتا ہے؟ اگر وہ ان صفات کے باوجود خدا ہیں تو پھر تم سب کے سب خدا ہو۔ کیونکہ تم بھی ان صفات میں ان کے ساتھ شریک ہو۔ جو اپنے موصوف کے حادث ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

(احتجاج طبرسی صفحہ ۲۴۲ طبع النجف، مرآۃ الانوار صفحہ ۶۴
الدمعۃ الساکبہ جلد ۳ صفحہ ۵۹، بلتم بحار صفحہ ۳۴۱ وغیرہ)

❶ نیز انہی امام ثامن ضامنؑ سے مروی ہے، صفات وعلامات امامؑ کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان الامام مؤید بروح القدس و ینبہ و بین اللہ عمود من نور یری فیہ اعمال العباد و کلما احتاج الیہ لدلالتہ اطلع علیہ و یبسط لہ العلم فیعلم و یقبض فلا یعلم والامام یولد و یلد و یصح و یمرض و یاکل و یشرب و یبول و یتغوط و ینکح و ینام و ینسی و یسھو و یفرح و یحزن و یضحک و یبکی و یحیی و یموت و یقبر و یزار و یحشر و یوقف و یعرض و یسئل و یثاب و یکرم و یشفع و دلالتہ فی خصلتین فی العلم و استجابۃ الدعوۃ و کل ما اخبر بہ من الحوادث التی تحدث قبل کونھا فذلک یعھد معھود الیہ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و رثہ عن ابائہ علیھم السلام و یکون ذلک فما عھدہ الیہ جبرئیل عن علام الغیوب۔ ۱۲

یعنی امامؑ کی روح القدس سے تائید کی جاتی ہے اور اس کے اور خدا کے درمیان ایک عمود نور ہوتا ہے جس کے ذریعہ لوگوں کے اعمال دیکھتا ہے۔ جس چیز کی احتیاج ہو اس پر مطلع ہوجاتا ہے۔ اس کے لیے علم کشادہ کیا جاتا ہے تو وہ جانتا ہے اور جب قبض کیا جائے تو نہیں جانتا۔ امام (والدین سے) متولد ہوتا ہے اور خود اولاد جنتا ہے۔ تندرست ہوتا ہے اور مریض بھی، وہ کھاتا اور پیتا بھی ہے، بول وبراز بھی کرتا ہے، نکاح ومقاربت کرتا ہے اور سوتا بھی ہے، خوش ہوتا ہے اور غمناک بھی، ہنستا ہے اور کبھی روتا بھی ہے۔ موت کا ذائقہ چکھتا اور قبر میں دفن بھی ہوتا ہے۔ اس کی زیارت کی جاتی ہے۔ پھر بروز حشر زندہ ہوکر مقام حساب میں لایا جائے گا۔ اور سوال وجواب کے بعد اسے ثواب و اکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ شفاعت کرے گا (اور مقبول الشفاعۃ ہوگا) امام کی امامت دو باتوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک کثرت علم وفضل سے دوسرے دعاؤں کے مستجاب ہونے سے۔ وہ جو قبل از وقت پیش گوئیاں کرتا ہے تو یہ جناب رسول خداؐ سے ایک عہد معہود ہے جو امامؑ تک بطور

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

آنحضرتؐ کی ولادت کے اپنے آباء واجداد کے توسط سے پہنچا ہے اور آنحضرتؐ کو جبرئیل نے علام الغیوب کی طرف سے اس کی اطلاع دی ہوتی ہے۔

(عیون اخبار الرضا صفحہ ۲۱۴ جزء اول باب ۱۹ طبع جدید، بحار جلد ۷ صفحہ ۲۸۹ و الخصال صفحہ ۱۰۶ و غیرہ)

اب ان حقائق کی روشنی میں ارباب عقل وانصاف بتائیں کہ ان ذوات مقدسہ کو بشر وانسان نہ ماننا بلکہ نور مجسم قرار دینا کہاں تک درست ہے؟ اور فرشتوں کے انسانی شکل میں متشکل ہو کر آنے پر ان حضرات کا قیاس کرنا کہ یہ حضرات بھی صرف انسانی شکل میں متشکل ہیں، ورنہ درحقیقت کچھ اور ہیں (علاوہ قیاس کے جو فی نفسہ باطل ہے) کہاں تک قرین عقل وخرد ہے؟

ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید

ایک عذر لنگ کا ازالہ

بعض حضرات ان آیات وروایات (جن میں انبیاءؑ وائمہؑ کو بشر کہا گیا ہے) کے جواب میں یہ کہہ کر گلوخلاصی کرانے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں کہ یہ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ بشر ہیں لیکن بشر ان کی جنس ہے (نہ نوع) اس کے ساتھ فصل (وحی) مل کر ان کی علیحدہ نوع بن جاتی ہے۔ اس عذر لنگ کے مکمل ازالہ کے لیے اس کتاب کے پہلے باب کی طرف رجوع کیا جائے جس میں ہم عقلی و نقلی دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں کہ بشر کو جنس اور وحی کو فصل قرار دینا ناممکن وخیال ہے۔

دوسرا مغالطہ اور اس کا جواب

(آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کی بحث)

امام محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد ہے، فرمایا: رسول اللہ ﷺ میں تین خصوصیتیں ایسی تھیں جو کسی دوسرے میں موجود نہ تھیں۔ ایک تو آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا، دوسرے جب کسی راستہ سے گزرتے تھے تو تین روز تک وہاں خوشبو رہتی تھی، تیسرے جب کسی حجر یا شجر کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے تھے۔ (کافی صفحہ ۶۰۱، حق الیقین صفحہ ۴۰) یہ دلیل نورانیت ہے۔ اب انکار

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کیجیے آپ کے نور ہونے کا۔ اس مغالطہ کے کئی جواب دیے جاسکتے ہیں۔

پہلا جواب:

اس موضوع کے سلسلہ میں جس قدر آثار مروی ہیں وہ اخبار احاد (اور وہ بھی ضعیف نہ صحیح [1]) کے حدود سے خارج نہیں ہیں اور ہم مقدمہ کتاب میں ثابت کر چکے ہیں کہ اصولِ عقائد میں اخبار احاد پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرا جواب:

روایات کے الفاظ و تعبیرات مختلف ہیں، بعض میں وارد ہے: لم یکن لہ ظل (آپ کا سایہ نہ تھا) بعض میں مرقوم ہے: لم یرلہ ظل (آپ کا سایہ کبھی دیکھا نہیں گیا) بعض میں یوں مروی ہے: لم یقع لہ ظل علی الارض (آپ کا سایہ کبھی زمین پر نہیں پڑا) ظاہر ہے کہ سوائے پہلی تعبیر کے دوسری دونوں تعبیروں سے آنحضرتؐ کے سایہ کی بکلی نفی نہیں ہوتی، بلکہ زیادہ سے زیادہ صرف اس کے دیکھے جانے اور زمین پر نہ پڑنے کی نفی ہوتی ہے۔ پہلی تعبیر کو بھی اسی معنی پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ان روایات سے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

تیسرا جواب:

یہ بات بھی محل کلام ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ متعدد احادیث میں سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے لیے اس ظاہری جسمانی خلقت سے پہلے روحانی و نورانی خلقت کے متعلق خلق النور (نور کے سائے) کے الفاظ موجود ہیں۔ (اصول کافی، سابع بحار، بصائر وغیرہ)

اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ نور کا بھی فی الجملہ سایہ ہوتا ہے۔ بنابریں باوجود آنحضرتؐ کو نور تسلیم کرنے کے بھی ان کے سایہ کی نفی نہیں ہوسکتی۔ اگر فی الواقع سایہ نہ تھا تو پھر اس کی کوئی اور توجیہ کرنا پڑے گی۔ ہمارے علوم ناقص ہیں آج ہم ایک نظریہ قائم کرتے ہیں کل اس کا غلط ہونا ثابت ہوجاتا ہے، اس لیے معلومات دن بدن بدلتے رہتے ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے تک یہ نظریہ درست سمجھا جاتا تھا کہ نور و ظلمت کا کوئی وزن نہیں ہوتا مگر صاحب علم لدنی جناب امام زین العابدینؑ نے آج سے قریباً چودہ سو سال پہلے یہ فرمادیا تھا کہ سبحانک تعلم وزن الظلمۃ والنور۔ پاک ہے تو جو ظلمت و نور کے وزن کو جانتا ہے۔ (صحیفہ صفحہ ۳۱۲) موجودہ دور سائنسی تجربات نے کلام امامؑ پر مہر تصدیق ثبت

---

[1] چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۳۵۶ پر اسی حدیث کی ذیل میں لکھتے ہیں الحادی عشر ضعیف۔ یعنی یہ گیارھویں حدیث ضعیف ہے۔ منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کر دی ہے۔ یہی کیفیت سایہ کی ہے۔ آج تک یہی مشہور ہے کہ نور کا سایہ نہیں ہوتا، ممکن ہے کل اس کی بھی قلعی ظاہر ہو جائے۔

چوتھا جواب:

فلسفہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ: الشی اذا تحقق تحقق بکذارہ۔ یعنی جب کوئی چیز وجود میں آئے تو اپنے تمام لوازم و آثار کے ساتھ آتی ہے۔ اگر آنحضرتؐ نور مجسم تھے تو پھر نور کے دوسرے لوازم و آثار کیوں غائب ہیں۔ کیونکہ نوری مخلوق (جیسے ملائکہ) کے آثار یہ ہیں کہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، اور نہ نکاح کرتے ہیں (ارشاد امام صادقؑ، منہاج البراعہ جلد ۲ صفحہ ۱۸) بلکہ اس کے برعکس ان میں بشریت کے لوازم و آثار موجود ہیں، جیسا کہ ابھی اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔ تو ان حالات میں کیونکر آنحضرتؐ کو نور مجسم تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

پانچواں جواب:

یہ کہنا کہ سایہ اس لیے نہ تھا کہ وہ نور تھے۔ یہ علت مستنبطہ ہے، علت منصوصہ نہیں، یعنی یہ ان لوگوں کا ذاتی قیاس ہے، سایہ نہ ہونے کی یہ وجہ روایات میں موجود نہیں ہے۔ اگر ذاتی رائے و قیاس سے کام لینا ہے تو پھر محدث عبدالحق دہلوی کے بیان کے مطابق بعض اصحاب رسولؐ کی اس رائے سے کیوں اتفاق نہ کیا جائے کہ: سایہ تو بر زمین نمی افتد کہ مبادا بر زمین نجس افتد۔ (ایک صحابی نے عرض کیا) کہ آپؐ کا سایہ زمین پر اس لیے نہیں پڑتا کہ کہیں زمین نجس پر نہ پڑ جائے۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۱) اور ممکن ہے کہ یہ وجہ ہو کہ اس سایہ اقدس پر کسی کا قدم نہ آ جائے، جو کہ احترام رسولؐ کے منافی ہے۔ خیر چھوڑیے ان ذاتی آراء و قیاسات کو۔ احادیث معصومینؑ سے اس کی اور وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے یوم ولادت سے یوم وفات حسرت آیات تک بادل کا ایک ٹکڑا ہر وقت سفر و حضر میں آپؐ پر سایہ فگن رہتا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات میں آنحضرتؐ کے سایہ اقدس کا نظر نہ آنا اس امر کا قدرتی و فطری نتیجہ ہے۔ چنانچہ احتجاج طبرسی میں حضرت امیرالمومنینؑ کی ایک طویل حدیث موجود ہے جو آنجنابؑ نے ایک یہودی کے سامنے افضلیت نبی مرتبت بر انبیاء سلف کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ارشاد فرمائی۔ فرمایا:

قد فعل ذلك بموسى في التيه و اعطى محمدا افضل من هذا ان الغمامة كانت تظله من يوم ولد الى يوم قبض في حضره و اسفاره فهذا افضل مما اعطى موسىٰ۔

یعنی جناب موسیٰؑ کے ساتھ تو صرف گردش صحرا کے وقت ایسا کیا گیا تھا لیکن جناب رسول خداؐ کو

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اس سے بہتر و برتر کمال دیا گیا۔ ان کے یوم ولادت سے لے کر یوم وفات تک ہمیشہ سفر و حضر میں ان پر بادل سایہ فگن رہتا تھا۔ (احتجاج صفحہ ۱۶ طبع النجف)

چنانچہ فاضل جلیل قزوینی نے اپنی شرح اصول کافی جز سوم حصہ دوم صفحہ ۱۵۲ طبع نول کشور لکھنؤ میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام والی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے جس کا حوالہ اس شبہ میں دیا گیا ہے آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے کی وجہ اسی بادل کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

و نبود او را سایہ یعنی ہمیشہ ابر بے میان او و قرص آفتاب بود۔

یعنی آنحضرتؐ کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ ہمیشہ بادل کا ایک ٹکڑا آپؐ کے اور آفتاب کے درمیان حائل رہتا تھا۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ آنحضرتؐ کے سایہ نہ ہونے سے ان کے نور مجسم ہونے پر استدلال کرنا تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہے۔

وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت

انبیاءؑ و ائمہؑ پر نور کا اطلاق

سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اسے بنظر امعان و انصاف پڑھ لینے کے بعد اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں ذرہ بھی تامل و تردد نہیں ہوتا کہ انبیاءؑ و ائمہؑ بشر و انسان کامل ہیں اور ان پر بشر و انسان ہونے کا اطلاق حقیقی معنوں کے اعتبار سے ہے، ہاں یہ بھی درست ہے کہ قرآن و حدیث میں ان ذوات مقدسہ پر نور کا اطلاق بھی ہوا ہے۔ جیسے ارشاد قدرت ہے: قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین۔ (پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۷) تمہارے پاس تو خدا کی طرف سے ایک (چمکتا ہوا) نور صاف صاف بیان کرنے والی کتاب آ چکی ہے۔

اگرچہ اس آیت میں وارد شدہ لفظ نور کی تفسیر میں اختلاف ہے کہ اس سے مراد آنحضرتؐ ہیں یا قرآن ہے۔ مگر ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے آنحضرتؐ مراد ہیں۔ (ملاحظہ ہو تفسیر تبیان جلد ۳ صفحہ ۴۷۵) بروایتے اس سے مراد جناب امیر المومنینؑ اور دوسرے ائمہ طاہرینؑ ہیں۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۳۲)

اسی طرح آیت مبارکہ:

یاایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم و انزلنا الیکم نورا مبینا۔ (پارہ ۶ سورہ نساء ع ۳)

Scanned with CamScanner

اے لوگو اس میں تو شک ہی نہیں کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے (دین حق کی) دلیل آ چکی اور ہم تمہارے پاس ایک چمکتا ہوا نور نازل کر چکے ہیں۔

اگر چہ اس آیت مبارکہ میں وارد شدہ لفظ نور امیبا کے متعلق شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ نے تبیان جلد ۳ صفحہ ۴۰۶ پر مجمع المفسرین کا یہ قول لکھا ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے۔ (ذلك النور القرآن الذی انزله الله علی محمد) یعنی اس نور سے مراد قرآن ہے، جسے خدا نے آنحضرتؐ پر نازل کیا۔ مگر صاحب تفسیر صافی نے صفحہ ۱۲۷ پر بحوالہ تفسیر عیاشی ایک روایت درج کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ برہان سے مراد جناب رسول خداؐ اور نور سے مراد حضرت امیر المومنین علیہ السلام ہیں۔ بروایتے اس سے امامت علی اور ولایت ائمہؑ مراد لی گئی ہے۔

نیز ارشاد قدرت ہے: آمنوا بالله و رسوله و اتبعوا النور الذی انزلنا (پارہ ۲۸ سورہ تغابن ع ۱۵)

تم خدا اور اس کے رسولؐ اور اسی نور پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل کیا۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اگر چہ عموماً مفسرین نے اس جگہ نور سے قرآن مجید کو مراد لیا ہے مگر اصول کافی کتاب الحجۃ میں امام محمد باقرؑ سے ایک روایت مروی ہے کہ یہاں نور سے ائمہ اطہارؑ مراد ہیں (صفحہ ۹۵)

اسی طرح متعدد روایات میں آنحضرتؐ کی نوری خلقت کا تذکرہ موجود ہے، جیسے مشہور حدیث اول ما خلق الله نوری سب سے پہلے خدا نے میرے نور کو پیدا کیا۔ یا جیسے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد انا و علی من نور واحد۔ میںؐ اور علیؑ ایک نور سے پیدا ہوئے ہیں۔ الی غیر ذلك من الاخبار الکثیرۃ۔

آیات و روایات نور کے متعلق چند تحقیقات

بموجب ایں کہ نقل را عقل باید، روایت میں درایت لازم ہے۔ ہم اس موضوع پر مقدمہ کتاب میں تفصیل کے ساتھ تبصرہ کر چکے ہیں، بنابریں یہاں اہم مطلب یہ ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ نور کا مفہوم کیا ہے؟ اور انبیاءؑ و ائمہؑ کو نور کہا گیا ہے، تو کس اعتبار سے؟ بعض نو آموز عزیز، جنھیں سستی شہرت حاصل کرنے کے شوق نے اس وادی پر خار میں قدم رکھنے پر آمادہ کیا، انھوں نے اپنی تالیف میں سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو نور ثابت کرنے کے سلسلہ میں بلا تحقیق مطلب و معنی وہ آیات و روایات جمع کر دی ہیں جن میں ان بزرگواروں کی خلقت نوری کا تذکرہ ہے یا ان پر نور کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ؎

Scanned with CamScanner

سالہا باید کہ ایں کودکے از درسِ علم
عالمے گردد نکو یا شاعرِ شیریں سخن

اور یہی روش لکھنؤ کے بعض ممتاز الافاضل سفید ریش مُبلغین نے اپنی جوابی کتب میں اختیار کی ہے۔

نور کی تعریف کا مسئلہ:

لیکن نہ تو انھوں نے نور کی تعریف کی ہے اور نہ ہی ہمارے پیش کردہ دلائل قاطعہ کا کوئی جواب دیا اور نہ ہی ان آیات و روایات کا کوئی صحیح حل پیش کیا۔ جن میں ان ذوات مقدسہ کو حقیقی معنوں میں بشر وانسان قرار دیا گیا ہے۔ سچ ہے ع

فکر ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

ہاں البتہ ایک اور صاحب جو گرجے چمکے (مگر برسنے کی نوبت کبھی شاذ و نادر ہی آتی ہے) غوغا آرائی، ہنگامہ برپائی، شوق پنجہ آزمائی، پینترے بدلنے اور بالآخر پسپائی اختیار کرنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے ع

عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

جب ہمارے دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ کی تاب مقاومت نہیں لا سکتے تو چاروں شانے چت گرتے ہیں اور دبے لفظوں میں اظہار ہمنوائی کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ (لان الحق یعلوا و لا یعلیٰ علیہ) بہر حال انھوں نے نور کی عربی میں تو وہی تعریف لفظی کی ہے جو عموماً کی جاتی ہے کہ الظاھر بنفسہ و المظہر لغیرہ۔ مگر اس کا جو رواں دواں اور صحیح ترجمہ کیا ہے شاید معلم الملکوت بھی ایسا شگفتہ ترجمہ نہ کر سکے۔ پڑھیے اور مترجم کے علم و فضل کی داد دیجیے۔ جس کی تیز تیز شعاعیں پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہیں اور اہل عالم کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی ہیں، فرماتے ہیں: جس کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ہو اور اپنے وجود سے دوسروں کو بالتحقیق وجود میں لائے۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۲۰۱) چونکہ شمس و قمر نور ہیں جو اپنی ضیا پاشیوں سے عالم کو منور و درخشاں کرتے ہیں تو اس تعریف کی بنا پر مطلب یہ ہوگا کہ یہ جب منظر عام پر جلوہ گر ہوں تو ان کی روشنی میں جو چیزیں نظر آتی ہیں ان کو وجود میں یہی لاتے ہیں اور جب یہ نظروں سے اوجھل ہو جائیں تو اشیاء عالم بھی پردہ عدم میں روپوش ہو جاتی ہیں۔ الغرض بنا بریں آفتاب و ماہتاب روشن کنندہ نہیں بلکہ وجود دہندہ ہوں گے۔ علاوہ بریں اس تعریف کی بنا پر صنعت گر خواہ لوہار ہو یا کمہار یا جولاہا، الغرض جو بھی اپنی صنعت و کاریگری کی بدولت کوئی چیز بنا ڈالے وہ نور سمجھا جائے گا۔ کیونکہ وہ خود نفس الامر میں بالتحقیق موجود ہے۔ (بوجہ جوہر ہونے کے)

Scanned with CamScanner

اور دوسری چیز کو بالتحقیق وجود میں لایا بھی ہے۔ حالانکہ عبارت مذکورہ کا صاف وسادہ مطلب یہ ہے کہ جو خود بخود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے۔ اور یہ تعریف بھی نور کی لفظی تعریف ہے (جو صرف شرح اسم کا کام دیتی ہے) نہ حقیقی۔ کیونکہ حقیقی تعریف تو وہی ہوتی ہے جو جامع جمیع افراد و مانع از دخول غیر ہو، حالانکہ یہی تعریف نار (آگ) پر بھی صادق آتی ہے۔ کیونکہ وہ بھی خود ظاہر ہے اور دوسری چیزوں کو ظاہر کرتی ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ آج کل وہ لوگ بھی نور و بشر کی بحثیں کرتے نظر آتے ہیں جو یہ بھی نہیں جانتے کہ نور کی تعریف کیا ہے؟ اور نہ ہی یہ جانتے ہیں کہ نور و نار میں فرق کیا ہے؟ اور نہ ہی یہ معلوم ہے کہ نور جوہر ہے یا عرض؟ حقیقت یہ ہے کہ نور ان بعض غامض اشیاء میں سے ایک ہے جن کی ماہیت و حقیقت کے چہرہ سے آج تک کوئی نقاب کشائی نہیں کر سکا۔ اور نہ ہی آئندہ امید کی جا سکتی ہے کہ اس لاینحل معمہ کو کوئی حل کر سکے گا۔ رسالہ شرح آیت نور کے مصنف نے بالکل درست کہا ہے کہ: حقیقتِ نور مستور است نہ تا حال کسے او را فہمیدہ و نخواہد فہمید۔ (نقل بالمعنی) ع

کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمہ را

آیات و روایاتِ نور متشابہ ہیں:

متشابہ کا مطلب ہے ما اشتبہ بہ مراد المتکلم۔ وہ کلام جس سے متکلم کا مقصد سامع پر (کسی لفظی یا معنوی پیچیدگی کی وجہ سے) مشتبہ ہو جائے۔ کوئی اس کا اقرار کرے یا نہ کرے مگر یہ حقیت بہر حال مسلمہ ہے کہ آیات اور بالخصوص روایات نور متشابہ ہیں۔ ان کے الفاظ و تعبیرات اس قدر مختلف اور انداز بیان اس قدر متفاوت ہے کہ ان سے اصل حقیقت کا سراغ لگانا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے، بوجہ خوفِ طوالت ان امور کی تفصیلات نظر انداز کی جاتی ہیں، ورنہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے لیے ہم ان کو یہاں پیش کرتے۔ یہ وہ مقام ہے کہ بڑے بڑے علماء اعلام و محققین عظام سپر انداز نظر آتے ہیں۔ چنانچہ:

❶ محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائریؒ انوار نعمانیہ میں (صفحہ ۷ پر) نوری خلقت کی مختلف احادیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

واما حقیقۃ ھذہ الانوار فلا نتحققھا ولکن المفھوم۔

یعنی جہاں تک ان انوار کی حقیقت کا تعلق ہے ہم اسے نہیں سمجھ سکتے۔ ہاں جو کچھ ان اخبار و آثار سے ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ یہ ہے (پھر اپنے فہم کے مطابق بالاجمال ایک مطلب بیان کیا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہے۔فراغ)

❺ اسی طرح عالم تحریر ومحدث خبیر جناب علامہ مجلسیؒ اصلاب آباء وارحام امہات میں محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کے نور کے نقل وانتقال کی مختلف التعبیر روایات نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

والاخبار فی ذلك مستفیضة او ردت اکثرها فی الکتاب الکبیر لکن فهمها صعب علی العقول والاولیٰ الایمان بها مجملا ورد علمها الیهم علیهم السلام

(مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۳۵۲)

یعنی اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ وارد ہوئے ہیں، میں نے ایسی اکثر اخبار کو کتاب کبیر (بحارالانوار) میں درج کیا ہے۔لیکن ان کے مطلب کا سمجھنا عقلوں کے لیے دشوار ہے۔اس لیے بہتر یہ ہے کہ ان پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور ان کے حقیقی مقصد ومفہوم کو خود انہی بزرگواروں کی طرف لوٹایا جائے۔

❻ سید العلماء مولانا سید حسین صاحب لکھنوی حدیقہ سلطانیہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸ سے لے کر صفحہ ۱۱۳ تک ائمہ اہل بیتؑ کی خلقت نوری والی بعض وہ روایات جن میں اشباح، اظلہ، ابدان، ارواح اور انوار وغیرہ الفاظ مذکور ہیں۔ان کی بعض توجیہات کرنے کے بعد بالآخر لکھتے ہیں:

ودرك کنه حقیقة ابی اشباح وارواح از طاقت بشر بیرون است وکلما قیل فیها او یقال فهو علی سبیل الاحتمال وعلم ذلك موکول الی الله المتعال (صفحہ ۱۱۳)

یعنی ان اشباح وارواح کی حقیقت کیا ہے؟ اس کا سمجھنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔اس سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا ہے یا کہا جارہا ہے اور کہا جائے گا، یہ سب بنا بر احتمال ہے، ان کا حقیقی علم خدا ہی کے سپرد کیا جاتا ہے۔

❼ علامہ ابوالحسن الشریف اپنی کتاب مرآۃ الانوار ومشکوۃ الاسرار کے صفحہ ۳۰ پر بعض احادیث نور درج کرنے اور بقدر وسع وطاقت ان کی تشریح کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں: ولکن فهم حقیقة هذه مما لا تصل الیه عقولنا فلا تغفل۔ یعنی یہ خیال رہے کہ ان احادیث کی اصل حقیقت تک ہماری عقلوں کی رسائی نہیں ہوسکتی۔ان علماء اعلام کی شہادتوں کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل بے غبار ہوجاتی ہے کہ آیات وروایات نور متشابہ ہیں، لہٰذا ان مکانات کو چھوڑ کر متشابہات پر دیوار اعتقاد استوار نہیں کی جاسکتی۔ہاں ان پر اجمالاً ایمان رکھنا لازم ہے۔واللہ العالم

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مومن کی نورانی خلقت کا بیان

بہرحال جو لوگ ان روایات نور کے پیش نظر سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کو مجتمع نور سمجھتے ہیں اور ان کی نوع کو علیحدہ سمجھتے ہیں تو ان کو اپنے اس نظریہ پر نظر ثانی کرنے کی دعوت دینے کے لیے ان کی خدمت میں دو جواب پیش کیے جاتے ہیں۔ پہلا الزامی اور دوسرا حلی۔

الزامی جواب:

اس جواب کا ماحصل یہ ہے کہ اگر ان روایات کی وجہ سے ان ذوات مقدسہ کو انسان کامل ہونے کی بجائے نور مجتمع قرار دینا صحیح ہے تو پھر اہل ایمان بھی انسان نہیں بلکہ ان کو بھی نور مجتمع تسلیم کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اہل ایمان کی نوری خلقت کے متعلق بھی ایسی بکثرت روایات معتبرہ کتب حدیث میں موجود ہیں، ذیل میں ان کا ایک شمہ درج کیا جاتا ہے۔

❶ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے بعض مخصوص اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

انتم نور اللہ فی الارض۔ تم زمین میں خدا کے نور ہو۔

(تنقیح المقال فی احوال الرجال مامقانی جلد ا صفحہ ۷۳ و ۷۹) کذا فی رجال کشی صفحہ ۱۲۰

❷ سلیمان جعفری بیان کرتے ہیں:

کنت عند ابی الحسن علیہ السلام قال یا سلیمان اتق فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ فسکت حتی اصبت خلوۃ فقلت جعلت فداک سمعتک تقول اتق فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ قال نعم یا سلیمان ان اللہ خلق المومنین من نورہ و صبغھم فی رحمتہ و اخذ میثاقھم لنا بالولایۃ و المومن اخوا المومن لابیہ و امہ ابوہ النور و امہ الرحمۃ و انما ینظر بذلک النور الذی خلق منہ۔

میں جناب امام موسیٰ کاظمؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ آپؑ نے فرمایا: اے سلیمان مومن کی فراست سے بچو کہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ میں یہ سن کر خاموش ہو گیا۔ جب خلوت ہوئی تو میں نے عرض کیا، میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں۔ میں نے آپؑ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ مومن کی فراست سے ڈرو۔ کیونکہ وہ خدا کے نور سے دیکھتا ہے۔ (یعنی اس کا مطلب کیا ہے؟) امامؑ نے فرمایا: ہاں اے سلیمان خداوند عالم نے مومنین کو اپنے خاص نور سے پیدا کیا ہے۔ پھر انھیں اپنی رحمت (کے رنگ) میں رنگا ہے اور ان سے ہماری ولایت کا

Scanned with CamScanner

عہد و پیمان لیا ہے۔ مومن مومن کا پدری و مادری بھائی ہے۔ (یعنی ان کا) باپ نور اور ماں رحمت ہے۔ مومن اسی نور سے دیکھتا ہے جس سے اس کی خلقت ہوئی ہے۔ (بصائر الدرجات باب ۱۱ جزء ۲ صفحہ ۸۰) اسی باب اور اسی صفحہ پر اسی مضمون کی دو اور روایات معتبرہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہیں۔ فراجع۔ کذا فی التفسیر الصافی صفحہ ۴۲۵ و شرح الزیارات للاحسائی صفحہ ۲۰ و ۲۰۲

۳ امالی شیخ مفید علیہ الرحمۃ طبع النجف میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

ان اللہ خلق المومن من نورہ۔

خداوند عالم نے مومن کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔

۴ امام موسیٰ کاظمؑ سے منقول ہے، فرمایا:

ان اللہ خلق المومنین من نورہ الخ۔

خداوند عالم نے اہل ایمان کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے۔ (مجمع البحرین صفحہ ۵)

۵ جناب امام جعفر صادقؑ ایک طویل حدیث میں فرماتے ہیں:

واللہ شیعتنا من نور اللہ خلقوا و الیہ یعودون۔ الخ۔ (مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۱۶۸)

خدا کی قسم ہمارے شیعہ خدا کے نور سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی طرف لوٹ کر جائیں گے۔

۶ ہفتم بحار صفحہ ۲۵۶ ایک روایت کے مطابق جو امام محمد باقرؑ سے مروی ہے شیعہ کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ: لانھم خلقوا من شعاع نورنا۔ کہ وہ ہمارے نور کی شعاع سے پیدا ہوئے ہیں۔ (کذا فی حقائق العقائد صفحہ ۱۴۹)

۷ تفسیر صافی صفحہ ۱۷ پر بذیل آیت یخرجھم من الظلمات الی النور حدیث صادقؑ سے تو مومن کا مجتمع نور ہونا ظاہر ہوتا ہے:

المومن ینقلب فی خمسۃ من النور مدخلہ نور و مخرجہ نور و کلامہ نور و منظرہ یوم یوم القیامۃ الی النور (کذا فی الخصال جلد ۱ صفحہ ۱۳۱)

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ خلقت انوار والی آیات و روایات کی بنا پر ائمہ اطہارؑ کو نور مجتمع تسلیم نہیں کیا جا سکتا، ورنہ پھر عام اہل ایمان کو بھی انسانوں کے زمرہ سے نکال کر مجتمع نور تسلیم کرنا پڑے گا۔ ولا یقول بہ احد فما ھو جوابھم ع

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیر ما

Scanned with CamScanner

فریب کاری:

بعض حضرات نے دیگر مقامات کی طرح اس مقام پر بھی ایک عجیب فریب کاری کا مظاہرہ کیا ہے۔ انھوں نے قریباً ہر اُس عالم کا نام اپنی تائید میں درج کر دیا ہے جس نے اپنی کتاب میں ائمہ اطہارؑ کی خلقت نوری والی احادیث میں سے کوئی حدیث درج کر دی ہے یا ان کی اس نورانی خلقت کا تذکرہ کر دیا ہے۔ اگر یہ طرز استدلال درست ہے تو پھر مؤیدین کی فہرست میں ہمارے نام کا بھی اضافہ کر دیا جائے۔ کیونکہ ایسی احادیث تو ہم نے بھی احسن الفوائد، اثبات الامامت، اور اصول الشریعہ میں درج کی ہیں۔ کیا اسی کا نام تحقیق ہے؟ اور اسی کو استدلال کہتے ہیں؟ یا یہ کھلی ہوئی ابلہ فریبی یا خود فریبی ہے؟ ؎

ہزار نکتہ باریک تر زمو اینجا ست
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

حلّی جواب آیات و روایات نور کا صحیح مفہوم

اس دوسرے حلّی جواب کا لب لباب ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اخبار و آثار ائمہ اطہارؑ کے بحر ذخار اور علمائے ابرار کے کلام حقیقت آثار میں شناوری و غوطہ زنی کرنے یا اس گلشن سدا بہار کی سیر کرنے سے بتائید ایزد جبار جو دُرہائے شہوار اور گلہائے خوشبودار ہم نے حاصل کیے ہیں، ان کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے کہ ان آیات و روایات کے چار صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔

پہلا صحیح مطلب:

یہ ہے کہ آیات و روایات میں وارد شدہ لفظ نور سے ان حضرات کے بدن و جسم مبارک مراد نہیں ہیں، بلکہ ان کے ارواح مقدسہ مراد ہیں جو کہ نورانی ہیں اور چونکہ ان کے اجسام مقدسہ ان کے ارواح مطہرہ کے حامل ہیں اس مناسبت سے خود ان حضرات کو من باب المجاز نور کہہ دیا گیا ہے۔ ہمارے اس بیان کردہ مفہوم کی تائید متعدد احادیث معصومین علیہم السلام اور کلام علمائے اعلام سے ہوتی ہے۔

چنانچہ اصول کافی مع شرح مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۳۵۴ پر حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے، فرمایا:

قال اللہ تعالیٰ یا محمد انی خلقتک و علیا نورا یعنی روحا بلا بدن قبل ان اخلق سمواتی و

Scanned with CamScanner

ارضی و عرشی و بحری فلم تزل تھللنی و تمجدنی ثم جمعت روحیکما فجعلتھما واحدۃ

خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے: یا محمدؐ میں نے تجھے اور علیؑ کو نور یعنی روح بلا بدن پیدا کیا قبل اس کے کہ میں آسمانوں، زمینوں، عرش اور سمندر کو پیدا کرتا۔ پس تم برابر میری تہلیل و تمجید کرتے رہے۔ پھر میں نے تم دونوں کی روحوں کو جمع کر کے ایک بنا دیا۔الخ

حضرت صادق آل محمدؐ کی حدیث ان اللہ خلقنا من نور عظمتہ الخ (اصول کافی) خدا نے ہمیں اپنے نور عظمت سے پیدا فرمایا، کی شرح میں علامہ مجلسیؒ لکھتے ہیں:

خلقنا ای ارواحنا و الضمیر لمحمد و لا وصیائہ صلوات اللہ علیھم من نور عظمتہ ای من نور یدل علی کمال عظمتہ و قدرتہ الخ (مرآۃ جلد ۱ صفحہ ۲۹۲)

یعنی خدا نے ہماری روحوں کو پیدا فرمایا، ضمیر جمع متکلم سے مراد جناب رسول خداؐ اور ان کے حقیقی اوصیاء یعنی ائمہ ہدیٰؑ ہیں۔ اپنے نور عظمت سے یعنی اس نور سے جو اس (خدا) کی کمال عظمت و قدرت پر دلالت کرتا ہے۔

فلاسفہ نے جو خصوصیات عقل اول کے لیے تجویز کی ہیں، جناب علامہ مجلسیؒ ان کو سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام پر منطبق کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فانھم اثبتوا القدم للعقل و قد ثبت التقدم فی الخلق لارواحھم الخ

یعنی فلاسفہ نے (اپنے مزعومہ) عقل اول کے لیے قدیم ہونا ثابت کیا ہے۔ یہ تقدم خلقی (محمدؐ و آل محمد علیہم السلام) کی روحوں کے لیے ثابت ہے۔ (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۸) بعد ازاں اول ما خلق نوری وغیرہ احادیث سے استدلال کیا ہے۔

علامہ ابوالحسن الشریف لکھتے ہیں:

ان اول من خلقہ انوار ارواح النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و الائمۃ علیھم السلام و ارواح شیعتھم و ان بعد ذلک خلق سائر الخلق سعیدا و شقیا۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۹۰)

یعنی سب سے پہلے خلاق عالم نے جناب رسول خداؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ارواح قدسیہ کے نور اور ان کے شیعوں کے روح پیدا کیے۔ اس کے بعد دوسری مخلوق کو خواہ سعید تھی یا شقی پیدا کیا۔

اس محدث خبیر کی فہمائش سے بھی واضح ہوتا ہے کہ خلقت نوری سے مراد خلقت روحانی ہے۔ صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔ کہیں لکھا ہے پہلے نور نبیؐ و آل نبیؐ پیدا کیا، کہیں وارد ہے سب سے پہلے نبیؐ و آل نبیؐ کی ارواح کو پیدا کیا ہے اور کہیں یہ بیان ہوا ہے کہ نبیؐ و آل نبیؐ کے ارواح کے انوار کو

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

پیدا کیا ۔

عبارتنا شتی وحسنك واحد وکل الی ذاك الجمیل یشیر

ہمارے بیان کردہ مفہوم کی تائید مزید حضرت امام رضا علیہ السلام کی اس طویل حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے جو عیون اخبار الرضا جلد ۱ صفحہ ۲۶۲ طبع جدید و صفحہ ۱۷۲ طبع قدیم پر موجود ہے۔ امامؑ فرماتے ہیں:

لان اول ما خلق اللہ عز و جل ارواحنا فانطقھا بتوحیدہ و تمجیدہ ثم خلق الملائکۃ فلما شاھدوا ارواحنا نورا و احدا استعظمت امرنا فسبحنا لتعلم الملائکۃ انا خلق مخلوقون و انہ منزہ عن صفاتنا ۔

(یعنی ہم تسبیح و تہلیل پروردگار میں اس لیے سب لوگوں سے سبقت لے گئے ہیں) کہ خدا نے سب سے پہلے ہماری روحوں کو پیدا فرمایا، پھر انھیں اپنی توحید و تمجید کے ساتھ گویا کیا۔ اس کے بعد ملائکہ کو پیدا کیا۔ جب انھوں نے ہماری روحوں کو ایک نور دیکھا تو ہمارے معاملہ کو بہت عظیم سمجھا۔ اس وقت ہم نے خدا کی تسبیح کی تاکہ فرشتوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم خدا کی مخلوق ہیں اور وہ ہماری (مخلوق والی) صفات سے منزہ و مبرا ہے۔

اسی طرح بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۲۴۸ پر جناب رسول خداؐ سے ایک طولانی حدیث مروی ہے جس میں آنحضرت جناب امیر علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یا علی ان اللہ تبارك و تعالیٰ کان و لا شی معہ فخلقنی و خلقك روحین من نور جلالہ فکنا امام عرش رب العالمین نسبح اللہ و نقدسہ و نحمدہ و نھللہ ۔

یا علیؑ خداوند عالم موجود تھا اور اس کے ہمراہ اور کوئی چیز نہ تھی، پس اس نے مجھے اور تجھے اپنے مخصوص نور جلال سے دو روحوں کی صورت میں پیدا کیا۔ پس ہم اس کے عرش کے روبرو اس کی تسبیح و تقدیس اور تحمید و تہلیل کرتے تھے۔ (کذا فی مرآۃ الانوار صفحہ ۳۰ نقلا عن کتاب المعراج للصدوق)

اسی کتاب کے صفحہ ۲۴۹ پر بحوالہ کتاب منہج التحقیق بروایت جناب جابر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

ان اللہ خلق اربعۃ عشر نورا من نور عظمتہ قبل خلق آدم بار بعۃ عشر الف عام فھی ارواحنا ۔

خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کی خلقت سے چودہ ہزار سال قبل چودہ انوار کو اپنے خاص نور

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

عظمت سے پیدا کیا اور یہ انوار ہمارے ارواح ہیں۔

یہی حدیث صفحہ ۲۵۳ پر حضرت امام جعفر صادق ؑ سے بحوالہ کتاب "اکمال الدین" شیخ صدوق ؒ منقول ہے۔

ان حقائق سے واضح ہوگیا کہ نورانی خلقت سے مراد روحانی خلقت ہے اور اسی نورانی روح کے حامل ہونے کی وجہ سے ان حضرات کو عالم اجسام وابدان میں بھی مجازاً نور کہہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ عوّاص بحار اخبار ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسی ؒ مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ پر آیت مبارکہ: واتبعوا النور الذی انزلنا میں نور کی مختلف توجیہات کرنے کے بعد بطور خلاصہ لکھتے ہیں:

و علی سائر التقادیر فقولہ انزلنا ای انزلناہ و ھن منزل علیہ حقیقۃ علما کان او کتابا اور روحا و الائمۃ علیھم السلام ھم حملتہ و حفظتہ و ذودہ و اطلاق النور علیھم کاطلاق کتاب اللہ و کلامہ فی قول امیرالمومنین انا کتاب اللہ الناطق لکونہ حامل الکتاب و حافظہ و لکونہ مستکملا بہ و موصوفا بہ و متحدا معہ فکانہ ھو۔

یعنی ان تمام صورتوں میں ارشاد ایزدی انزلنا کا مفہوم یہ ہے کہ یہ نور فی الحقیقت آنحضرت ؐ پر نازل ہوا ہے خواہ اس سے مراد علم ہو، خواہ کتاب یا روح۔ اور چونکہ حضرات ائمہ طاہرین ؑ اس علم یا کتاب یا روح کے حامل، حافظ اور صاحب ہیں، اس لیے ان پر اسی طرح نور کا اطلاق کیا گیا ہے جس طرح حضرت امیر علیہ السلام کے ارشاد میں ان پر کتاب اللہ وکلام اللہ کا اطلاق ہوا۔ (انا کتاب اللہ الناطق) کہ میں خدا کی بولتی ہوئی کتاب ہوں۔ کیونکہ آں جناب حافظ وحامل کتاب ہیں۔ پس ان حقائق کی روشنی میں واضح ہوگیا کہ انبیاء وائمہ ذوجنبتین اور بشر نورانی ہوتے ہیں۔ یعنی روح کے اعتبار سے نور اور جسم کے لحاظ سے بشر۔ نہ ان کے جنبہ نورانی کا انکار ممکن ہے اور نہ ہی جنبہ بشری کا۔ جیسا کہ اس باب کی ابتدا میں یہ امر واضح کیا جا چکا ہے۔ باقی رہا یہ امر کہ اگر اس خلقت نوری سے خلقت روحی مراد لی جائے۔ تو اصلاب آباء وارحام امہات میں اس روح کا نقل وانتقال کیونکر اور کس طرح ہوگا۔ اس امر کی حقیقت تک انسانی عقول وافہام کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ جیسا کہ علامہ مجلسی ؒ جیسے محدث خبیر نے اعتراف کیا ہے کہ لکن فھمھا صعب علی العقول۔ یعنی ان احادیث کا سمجھنا عقلوں کے لیے سخت مشکل ہے۔ اس لیے الاولی الایمان بھا مجملا و رد علمہ الیھم علیھم السلام۔ بہتر یہ ہے کہ ان امور پر اجمالی ایمان رکھا جائے اور تفصیلی علم خود انہی حضرات کے سپرد کیا جائے۔ (مرآۃ جلد ۱ صفحہ ۳۵۴)

Scanned with CamScanner

دوسرا صحیح مطلب

یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگوار حقیقی ہادی ورا ہنما ہیں، جس طرح ظاہری وحسی نور سے ظاہری ظلمت وتاریکی دور وکافور ہو جاتی ہے اسی طرح ان بزرگواروں کی بدولت کفر وشرک اور گناہ وعصیان کی ظلمتوں کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ اسی بنا پر اسلام وایمان کو نور کہا گیا ہے۔ یخرجھم من الظلمات الی النور باذنہ کی تفسیر میں لکھا ہے:

معناہ من الکفر الی الایمان لان الکفر یتحیر فیہ صاحبہ کما یتحیر فی الظلام و یھتدی بالایمان الی الضیاء کما یھتدی بالنور۔

یعنی اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا ان کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرتا ہے (وجہ تشبیہ یہ ہے کہ) آدمی کفر میں اسی طرح حیران وسرگردان ہوتا ہے جس طرح تاریکی میں اور ایمان کے ذریعہ سے راہ نجات کی طرف اس طرح ہدایت حاصل کرتا ہے جس طرح نور سے راہ پاتا ہے۔

(تفسیر تبیان جلد ۳ صفحہ ۴۷۵ طبع جدید)

ہمارے بعض مفسرین نے سابقہ آیاتِ نور سے قرآن مجید مراد لیا ہے، جیسا کہ تفسیر تبیان جلد ۳ صفحہ ۴۰۶ پر آیت و انزلنا الیکم نورا مبینا میں نور سے قرآن مراد لیا گیا ہے۔ ان حضرات نے قرآن کو نور کہنے کی وجہ یہ لکھی ہے:

و انما سماہ نورا لما فیہ من الدلالۃ علی ما امر اللہ بہ و نھی عنہ و الاھتداء بہ فی الظلمات

یعنی خدا نے قرآن کو اس لیے نور کہا ہے کہ اس کے ذریعہ سے خدا کے امر ونہی پر راہ نمائی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ جس طرح نور کے ذریعہ تاریکی میں راہ حاصل ہوتی ہے۔

حضرت امام زین العابدینؑ صحیفہ کاملہ کی دعائے ختم القرآن میں فرماتے ہیں:

و جعلتہ نورا نھتدی من ظلم الضلالۃ ﷺ (صفحہ ۱۹۹)

بارالہا تو نے قرآن کو نور بنایا ہے جس سے ہم ضلالت کی تاریکیوں میں راہ پاتے ہیں۔

اس فقرہ کی شرح میں فاضل جلیل سید علی خان تحریر فرماتے ہیں:

جعلہ نورا لکشفہ ظلمات الشرک و الشک و ابانتہ ما خفی علی الناس من الحق و فرقہ بین الحق و الباطل و بصائرہ الی المطلوب و من الحق کما الی النور یکشف الظلمات الحسیۃ و یبین ما خفی بسببھا و یفصل بہ بین الاشیاء و یدرک المطلوب ﷺ۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

یعنی امام علیہ السلام نے قرآن مجید کو اس لیے نور قرار دیا ہے کہ اس کے ذریعہ سے شرک و کفر کی تاریکیاں دور ہو جاتی اور اس کی وجہ سے حق و باطل میں اسی طرح امتیاز ہو جاتا ہے اور آدمی منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے جس طرح حسی و ظاہری نور سے تاریکیاں دور ہو جاتی ہیں۔ مخفی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور گوہر مقصود دستیاب ہو جاتا ہے۔ (ریاض السالکین صفحہ ۴۰۶)

قرآن کی طرح تورات کو بھی نور کہا گیا ہے:

انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور یحکم بھا النبیون (پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۱)

ہم نے (عیسیٰؑ کو) انجیل عنایت کی جس میں ہدایت و نور ہے۔

یہ دوسرا صحیح مطلب جو ہم نے بیان کیا ہے یہ ہمارا ذاتی خیال نہیں ہے، بلکہ بڑے بڑے محققین نے یہی مطلب بیان کیا ہے۔ چنانچہ عظیم مفسر قرآن علامہ طبرسیؒ مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۳۱۹ طبع ایران پر بذیل آیت قد جاء کم من اللہ نور الآیۃ کی تفسیر میں نور سے (یعنی بالنور محمدؐ) آنحضرتؐ کو مراد لینے کے بعد آں جناب کو نور کہنے کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں:

لانہ یھتدی بہ الخلق کما یھتدی بالنور۔

یعنی آنحضرتؐ سے خلق خدا اسی طرح ہدایت و راہنمائی حاصل کرتی ہے جس طرح حسی نور سے راہنمائی حاصل کرتی ہے۔ (کذا فی التبیان جلد ۳ صفحہ ۴۷۵)

فاضل طریحی مجمع البحرین صفحہ ۳۲۳ طبع ایران میں لکھتے ہیں:

سمی النبی نورا للدلالات الواضحۃ التی لاحت منہ للبصائر۔

یعنی آنحضرتؐ کو ہدایت کی ان واضح دلالتوں کی وجہ سے جو آپ سے (ایمانی) بصیرتوں کے لیے ظاہر ہوئی ہیں نور کہا گیا ہے۔

اسی طرح عالم عریف مولانا ابوالحسن الشریف اپنے مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار صفحہ ۳۱۴ پر بذیل مادہ "نور" اس کے معانی و موارد استعمال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فمن ذلک ما ورد من تاویلہ بالامام الحق من آل محمد و بالائمۃ علیھم السلام و بخصوص علی علیہ السلام اذھم بولایتھم و علومھم نور العالم و نور قلوب المومنین و نور الدنیا و الدین و من ذلک ما ورد من تاویلہ بالامام الحق من آل محمد و بالائمۃ و الامامۃ۔

یعنی نور کی تاویل برحق ائمہ اہل بیتؑ اور بالخصوص جناب امیر علیہ السلام کے ساتھ بھی کی گئی

Scanned with CamScanner

ہے کیونکہ ان کی ولایت وامامت اور ان کے علوم ومعارف کے سبب سے پورا عالم اور (بالخصوص) مومنین کے دل نیز تمام دنیا ودین روشن ودرخشندہ ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس کی تاویل ہادی اور ہدایت کے ساتھ کی گئی ہے۔ کیونکہ ہدایت بھی ولایت وامامت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔

اسی طرح حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۴۷ پر ان آیات وروایات کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمہ اہل بیت کو نور کہا گیا ہے فرماتے ہیں:

اقول النور فی الاصل ما یصیر سببا لظهور شی فسمی الوجود نورا لانه یصیر سببا لظهور الاشیاء فی الخارج و العلم نورا لانه سبب لظهور الاشیاء عند العقل و کل کمال نورا لانه یصیر سببا لظهور صاحبه و انوار النیرین و الکواکب نورا لکونها اسبابا لظهور الاجسام و صفاتها للحس و بهذه الوجوه یطلق علی الرب تعالی النور و نور الانوار لانه منبع کل وجود و علم و کمال فاطلاقه علی الانبیاء و الائمة علیهم السلام لانهما اسباب لهدایة الخلق و علمهم و کمالهم بل وجودهم لانهم العلل الغائیة لوجود جمیع الدنیا ۱۲۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ چونکہ دراصل نور اسے کہا جاتا ہے جو کسی چیز کے ظہور کا سبب ہو۔ اسی لیے وجود کو نور کہا جاتا ہے کیونکہ وہ چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ اسی طرح علم کو اس لیے نور کہا جاتا ہے کہ وہ عقل کے نزدیک چیزوں کے ظہور کا سبب بنتا ہے۔ نیز ہر کمال کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے کہ وہ صاحب کمال کے ظہور وشہرت کا ذریعہ ہوتا ہے۔ آفتاب وماہتاب اور ستاروں کے انوار کو بھی اسی وجہ سے نور کہا جاتا ہے کہ ان کے ذریعہ اجسام اور ان کے صفات حواس کے سامنے ظاہر ہوتے ہیں اور انہی وجوہ کی بنا پر خداوند تعالیٰ کو بھی نور بلکہ نور الانوار کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہر وجود، ہر علم اور ہر کمال کا منبع ومرکز ہے۔ پس نور کا اطلاق انبیاءؑ وائمہؑ پر اس لیے کیا جاتا ہے کہ وہ مخلوقِ خدا کی ہدایت، ان کے علم وفضل وکمال کا سبب وذریعہ ہیں، بلکہ ان کے وجود میں آنے کا سبب بھی یہی بزرگوار ہیں۔ کیونکہ یہی حضرات تمام کائنات کے وجود میں آنے کی علت غائی ہیں۔

(کذا افادنی صفحہ ۱۸ من ھذا المجلد)

تیسرا صحیح مطلب

یہ ہے جس کی طرف سرکار علامہ مجلسیؒ نے اشارہ فرمایا ہے کہ چونکہ یہ بزرگوار علت غائی ممکنات ہیں، اس لیے ان کو نور کہا گیا ہے۔ یہاں دو چیزیں غور طلب ہیں۔ ایک ان ذوات مقدسہ کا علت غائی کائنات ہونا، اور دوسرا جو علت غائی ہو اسے نور کہنا، جہاں تک پہلے امر کا تعلق ہے تو ہم اسے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

"احسن الفوائد" میں دلائل قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ اور اس کتاب کے تیسرے باب میں بھی اس پر تبصرہ کریں گے کہ یہی ذوات قادسہ علت غائی ممکنات ہیں۔ اگر خداوند عالم ان کو پیدا نہ کرتا تو آدم ہوتے نہ حوا، نہ جنت نہ جہنم، نہ زمین اور نہ آسمان، غرضیکہ کائنات کی کوئی چیز کتم عدم سے نکل کر عرصہ ہستی میں قدم نہ رکھتی۔ ان اللہ خلق الخلق لہ ولاھل بیتہ۔

رہا دوسرا امر کہ جو باعث تخلیق کائنات وعلت غائی ممکنات ہوا سے نور کہا جاسکتا ہے، یہ ظاہر ہے کیونکہ نور کی (اگرچہ حقیقی تعریف تو معلوم نہیں لیکن) تعریف لفظی یہ ہے: الظاھر بنفسہ و المظھر لغیرہ۔ جو خود روشن ہو اور دوسروں کو روشن کرے۔ تو جو دوسرے کے وجود میں آنے کا سبب ہوگا وہ اسے روشن کرنے والا ہی سمجھا جائے گا۔ اس بنا (نسبۃ الشئی الی السبب) پر ان حضرات کو نور کہا گیا ہے۔ صاحب حقائق الوسائط نے بھی ان کو نور کہنے کی وجہ یہی قرار دی ہے کہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام خدا کے بعد تمام خلائق کے لیے نور ہیں۔ کیونکہ ان کا وجود نفس الامر میں بالتحقیق ثابت ہے اور وہ دیگر خلائق کے وجود کا سبب ہیں۔ (صفحہ ۲۰۱)

بعد ازاں سرکار مجلسیؒ کا سابقہ کلام اپنی تائید میں پیش کیا گیا ہے۔ اب سوائے اس کے فرق کیا رہ گیا کہ وہ اسے حقیقی نور کہتے ہیں اور ہم مجازی۔ اسی کا نام نزاع لفظی ہے ورنہ درحقیقت جس اعتبار سے ہم ان حضرات کو نور کہہ رہے ہیں، اب "نورِ مجسم" کی گردان کرنے والے بھی اسی سطح پر اتر آئے ہیں۔ وبحق الحق بکلمہ لان الحق یعلوا ولا یعلی علیہ۔

چوتھا صحیح مطلب

چونکہ نور اشیاء کے بروز و ظہور کا سبب ہوتا ہے اس بنا پر بطور مجاز (استعارہ) علم کو نور کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ ذوات مقدسہ علم خدا کے خزینہ دار ہیں اس لیے ان کو بھی نور کہا جاتا ہے۔ یہ معنی فاضل جلیل ملا خلیل قزوینیؒ نے کتاب الصافی شرح اصول کافی کتاب الحجۃ جزء سوئم صفحہ ۷۵ طبع لکھنؤ پر یوں بیان فرماتے ہیں کہ:

در قرآن تعبیر الائمۃ بنور اللہ تعالیٰ شدہ باعتبار این کہ چوں علم الٰہی کہ وحی شدہ برسل نزد ایشاں است و نور عبارت از علم است

یعنی قرآن مجید میں ائمہ کو نور اللہ کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے جو علوم بذریعہ وحی انبیاء و رسل پر نازل کیے وہ سب ان بزرگواروں کے پاس ہیں اور نور سے مراد ہے علم۔

پھر صفحہ ۸۴ پر لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

از ینجا ظاہر می شود کہ اطلاق نور بر امام و امامت و بر قرآن و مانند اینہا بیک معنی راجع می شود ۔ چہ استعارہ نور برائے علم شدہ و ہر کدام اینہا جائے علم است۔

یعنی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام، امامت اور قرآن وغیرہ پر نور کا اطلاق ایک ہی معنی کے اعتبار سے ہے۔ کیونکہ نور علم سے استعارہ ہے اور یہ تمام اشیاء علم کا ظرف ہیں۔ (اس لیے ان کو نور کہا گیا ہے۔)

تمام علماء اعلام کا اپنے اپنے مذاق اور اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق آیات نور کی اور اطلاق نور کی وجوہ بیان کرنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ یہ آیات و روایات اپنے ظاہری معنوں پر محمول نہیں اور نہ ہی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اگر یہ بزرگوار حسی و ظاہری نور یعنی مجسم نور ہوتے تو پھر ان کو نور کہنے کی وجوہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ فلاں وجہ سے نور کہا گیا ہے۔ تبادر معنی از لفظ اس وقت علامت حقیقت ہوتا ہے جبکہ اس کے برخلاف کوئی قطعی قرینہ موجود نہ ہو۔

ہم چونکہ سابقہ اوراق میں قرآن و حدیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی روشنی میں ناقابل انکار دلائل و براہین سے انبیاءؑ و مرسلینؑ اور ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کا حقیقی معنوں میں بشر و انسان ہونا محقق و مبرہن کر چکے ہیں۔ اس لیے اب آیات و روایات نور کو ان کے بیان کردہ مطالب و معانی چہارگانہ میں سے کسی ایک مطلب و معنی پر محمول کرنا ناگزیر ہے۔ ع

و للناس فیما یعشقون مذاہب

یا ایہا الناس قد جاءکم الحق من ربکم

فمن اہتدی فانما یہتدی لنفسہ و

من ضل فانما یضل علیہا

وما انا علیکم

بوکیل

○

Scanned with CamScanner

تیسرا باب

تفویض کے معانی و اقسام اور تفویض ممنوع کے بطلان کا بیان

تفویض غلو کی ھی ایک قسم ھے:

جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں ثابت کیا جا چکا ہے تفویض کا عقیدہ باطلہ بھی بعض دیگر من گھڑت عقائد کی طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے حق میں افراط و غلو کرنے کی پیداوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے اعلام نے عقیدہ تفویض کو غلو اور مُفوضہ کو غالیوں کی ہی ایک قسم شمار کیا ہے۔ چنانچہ ہم اس سلسلہ میں مُفید الطائفہ المحقہ حضرت شیخ مُفیدؒ کا کلام حق ترجمان ان کے رسالہ شرح عقائد صدوقؒ کے صفحہ ۲۱۸ سے مقدمہ میں پیش کر چکے ہیں، وہاں رجوع کیا جائے۔ جس میں انھوں نے تصریح فرمائی ہے کہ المفوضة صنف من الغلاة۔ کہ فرقہ مُفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہے۔ یہاں اب صرف ایک اور عالم جلیل کا بیان پیش کیا جاتا ہے اور وہ ہیں شیخ اجل شیخ فضل اللہ زنجانیؒ۔ یہ کتاب اوائل المقالات شیخ مُفیدؒ صفحہ ۷۶ و ۷۷ کے حاشیہ پر مُفوضہ کا بایں الفاظ تعارف کراتے ہیں:

وھم فوقة من الغلاة الذين غلوا فی حق بعض المخلوقين و اجروا فی حقهم احكام الالهية تعالى عن ذلك و قول هذه الفرقة الذی فارقو به غيرهم انهم قالوا ان الائمة عليهم السلام انهم عباد مخلوقون و ان ذواتهم حادثة و نفوا سمات القدم عنهم و قالوا ان الله تعالى تفرد بخلقهم خاصة ثم فوض اليهم خلق العالم بما فيه و جعل اليهم امر الخلق و الرزق و جميع الافعال الواقعة فی الكون۔

مُفوضہ غالیوں کی ہی ایک قسم ہے جو بعض مخلوق کے حق میں غلو کر کے ان کے حق میں خدائی احکام کے قائل ہوتے ہیں، ہاں ان (مُفوضہ) اور دوسرے غالیوں میں صرف یہ فرق ہے کہ وہ ائمہ کو حادث اور مخلوق تسلیم کرتے ہیں لیکن وہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ خدا نے صرف انہی ذوات مقدسہ کو خلق فرمایا ہے، پھر کائنات کی خلقت ان کے سپرد کر دی ہے، اب خلق کرنا اور رزق دینا انہی کے متعلق ہے۔ اور خلق و رزق کو ان کی طرف منسوب کر کے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ خدا نے صرف انہی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بزرگواروں کو پیدا کیا ہے، اس کے بعد تمام عالم کی خلقت کو ان کے سپرد کر دیا ہے۔ لہٰذا اب خلق کرنا، رزق دینا اور کائنات کی ہر شئے کا پیدا کرنا انہی کے متعلق ہے۔

انواع و اقسام تفویض

چونکہ تفویض کی کئی قسمیں ہیں۔ جیسے ① تویض فی الامور التکوینیۃ ② تفویض فی التربیۃ و التعلیم ③ تفویض فی المنع العطاء ④ تفویض فی الامور التشریعیۃ وغیرہا۔ اور ان میں سے بعض قسمیں صحیح ہیں اور بعض غلط۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ اس موضوع پر نقد و تبصرہ کرنے سے پہلے ان تمام اقسام کو بیان کر دیا جائے تاکہ بعد ازاں خلط مبحث نہ ہو سکے اور احقاق حق و ابطال باطل میں بھی سہولت ہو جائے۔ نیز انسب یہ ہے کہ اس سلسلہ میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کی بجائے غواص بحار ائمہ اطہار سرکار علامہ مجلسیؒ کی تحقیق انیق کو بلاکم و کاست نقل کر کے اس کا مطلب خیز ترجمہ پیش کر دیا جائے۔ سرکار موصوف قدس سرہ کی علمی شخصیت اس قدر عظیم المرتبت ہے کہ کوئی بھی شیعہ کہلانے والا آپ کی فرمائش کا انکار کرنے کی جرات و جسارت نہیں کر سکتا۔

تفویض کے اقسام

(سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام حق ترجمان کی روشنی میں)

سرکار علامہ اعلی اللہ مقامہ مرآۃ العقول فی شرح الاصول من الکافی جلد ۱ صفحہ ۱۹۲ اور بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۳۶۵ طبع تبریز پر اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں (ہم مرآۃ العقول سے نقل کر رہے ہیں)

اعلم ان التفویض یطلق علی معان بعضها منفی عنهم علیهم السلام و بعضها مثبت لهم۔

جاننا چاہیے کہ تفویض کا اطلاق مختلف معنوں پر ہوتا ہے۔ بعض معنوں کے اعتبار سے آنحضرتؑ سے نہ منفی ہے اور بعض کے لحاظ سے ثابت۔

① فالاول التفویض فی الخلق و الرزق و التربیۃ و الاماتۃ و الاحیاء فان قوما قالوا ان اللہ خلقهم و فوض الیهم امر الخلق فهم یخلقون و یرزقون و یحیون و یمیتون و هذا یحتمل وجهین احدهما : ان یقال انهم یفعلون جمیع ذلك بقدرتهم و ارادتهم و هم

Scanned with CamScanner

الفاعلون لها حقيقة فهذا كفر صريح دلت على استحالتهم الادلة العقلية و النقلية و لا يستريب عاقل فى كفر من قال به ـ و ثانيها ان الله تعالى يفعلها مقارنا لارادتهم كشق القمر و احياء الموتى و قلب العصاحية و غير ذلك من المعجزات فان جميعها انما تقع بقدرته سبحانه مقارنا لارادتهم لظهور صدقهم فلا يابى العقل من ان يكون الله تعالى خلقهم و اكملهم و الهمهم ما يصلح فى نظام العالم ثم خلق كل شى مقارنا لارادتهم و مشيتهم و هذا و ان كان العقل لا يعارضه كفاحا لكن الاخبار الكثيرة مما اوردناها فى كتاب بحار الانوار يمنع من القول به فيما عد المعجزات ظاهرا بل صريحا مع ان القول به قول بما لا يعلم اذ لم يرد ذلك فى الاخبار المعتبرة فيما نعلم و ما ورد من الاخبار الدالة على ذلك كخطبة البيان و امثالها ـ فلم توجد الا فى كتب الغلاة و اشباههم مع انه يمكن حملها على ان المراد بها كونهم علة غائية لايجاد جميع المكونات و انه تعالى جعلهم مطاعا فى الارضين و السموت و يطيعهم باذن الله تعالى كل شى حتى الجمادات و انهم اذا شاؤا امرا لايرد الله مشيتهم لكنهم لا يشاؤن الا ان يشاء الله و ما ورد من الاخبار فى نزول الملائكة و الروح لكل امر اليهم و انه لا ينزل من السماء ملك لامر الا بدايهم فليس لمدخليتهم فى تلك الامور و لا للاستشارة بهم فيها بل له الخلق و الامر تعالى شانه و ليس ذلك الالتشريفهم و اكرامهم و اظهار رفعة مقامهم و قد روى الطبرسى فى كتاب الاحتجاج عن على بن احمد القمى قال اختلف جماعة من الشيعة فى ان الله عز و جل فوض الى الائمة صلوات الله عليهم ان يخلقوا و يرزقوا فقال قوم هذا محال لا يجوز على الله لان الاجسام لا يقدر على خلقها غير الله عز و جل و قال اخرون بل الله عز و جل اقدرا الائمة على ذلك و فوض اليهم فخلقوا و رزقوا و تنازعوا فى ذلك تنازعا شديدا فقال قائل ما بالكم لا ترجعون الى ابى جعفر محمد بن عثمان فتسالونه عن ذلك ليوضح لكم الحق فيه فانه الطريق الى صاحب الامر عليه السلام فرضيت الجماعة بابى جعفر و سلمت و اجابت الى قوله فكتبوا المسئلة و انفذوها اليه فخرج اليهم من جهته توقيع نسخته ان الله تعالى هو الذى خلق الاجسام و قسم الارزاق لانه ليس بجسم و لا حال فى جسم ليس كمثله شئ و هو السميع البصير فاما الائمة عليهم السلام فانهم يسئلون الله تعالى فيخلق و يسئلونه فيرزق ايجابا لمسئلتهم و اعظاما لحقهم و روى

Scanned with CamScanner

الصدوق فی العیون عن الرضا علیہ السلام معنی قول الصادق لاجبر و لا تفویض بل امر بین امرین قال من زعم ان اللہ تعالی یفعل افعالنا ثم یعذبنا علیہا فقد قال بالجبر و من زعم ان اللہ عز و جل فوض امر الخلق و الرزق الی حجتہ علیہم السلام فقد قال بالتفویض و القائل بالجبر کافر و القائل بالتفویض مشرک۔

تفویض کی پہلی قسم پیدا کرنے، رزق دینے، تربیت کرنے اور مارنے وجلانے کے متعلق ہے۔ جیسا کہ ایک گروہ کا خیال ہے کہ خداوند عالم نے ان بزرگواروں کو پیدا کر کے دوسری مخلوق کے معاملات ان کے سپرد کر دیے ہیں۔ لہٰذا اب یہی پیدا کرتے ہیں، رزق دیتے اور یہی مارتے وجلاتے ہیں۔ اس نظریہ میں دو احتمال ہیں۔

اول یہ کہ یہ حضرات سب کچھ اپنی قدرت اور اپنے ارادہ سے کرتے ہیں اور یہی ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔ یہ کفر صریح ہے۔ اس کے محال و ناممکن ہونے پر ادلہ عقلیہ ونقلیہ قائم ہیں اور کوئی بھی عقل مند انسان ایسا اعتقاد رکھنے والے کے کفر میں شک وشبہ نہیں کر سکتا۔

دوم یہ کہ تمام کام خداوند عالم خود کرتا ہے مگر اس وقت جب ائمہ ارادہ کرتے ہیں۔ جس طرح شق القمر کرنے، مردہ زندہ کرنے اور عصا کے سانپ بنانے یا اس قسم کے جو دوسرے معجزات ہیں۔ کیونکہ یہ سب معجزات خداوند عالم کی ہی قدرت وطاقت سے ظاہر ہوتے ہیں مگر خدا ظاہر اس وقت کرتا ہے جب ارادہ یہ حضرات کرتے ہیں۔ تاکہ ان کی صداقت وسچائی ظاہر ہو جائے۔

اس دوسرے احتمال کے متعلق اگرچہ عقل ابا و انکار نہیں کرتی کہ خلاق عالم نے ائمہ اہل بیت کو خلق کر کے ایسا کامل واکمل بنا دیا ہو، اور جو چیز نظام عالم کے لیے بہتر ہے اس کا ان کو الہام والقا بھی کر دیا ہو اور پھر ہر چیز کو ان کے ارادہ اور ان کی مشیت کے ساتھ ساتھ پیدا فرمایا ہو۔ اگرچہ عقل اس احتمال کی حتمی نفی نہیں کرتی لیکن کثیر التعداد اخبار وآثار جن کو ہم نے بحار الانوار (جلد ہفتم وغیرہ میں) درج کیا ہے، وہ بظاہر بلکہ صریحاً سوائے مقام اعجاز کے دوسرے معاملات وحالات میں یہ اعتقاد رکھنے سے مانع ہیں۔ علاوہ بریں یہ ایسا عقیدہ ہے جس کے صحیح ہونے کا ہمیں کوئی علم نہیں (حالانکہ اصول عقائد میں علم ویقین ضروری ہے) کیونکہ جہاں تک ہمیں علم ہے یہ بات اخبار معتبرہ میں وارد نہیں ہے۔ اور جو اس قسم کے بعض اخبار وآثار وارد ہوئے ہیں جو بظاہر اس بات (یعنی ائمہ کے خالق ورازق ہونے) پر دلالت کرتے ہیں، جیسے خطبۃ البیان اور اس کے ساتھ ملتے جلتے دوسرے بعض خطبے، تو یہ صرف غالیوں یا ان کے ساتھ ملتے جلتے (بعض باطل) فرقوں کی

Scanned with CamScanner

کتابوں میں ہی پائے جاتے ہیں۔ (ہماری کتب معتبرہ میں ان کا کہیں نام ونشان تک نہیں ہے، اس لیے ناقابل اعتماد ہیں)

اور بنابر تسلیم ان خطبوں کی تاویل ممکن ہے کہ ان سے مراد یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگوار تمام مخلوقات عالم کے وجود کی علت غائی ہیں (اگر یہ نہ ہوتے تو خدا کچھ بھی پیدا نہ کرتا) خدا نے ان کو زمین وآسمان میں ایسا مطاع بنایا ہے کہ اللہ سبحانہ کے حکم سے ہر شی حتی کہ جمادات بھی ان کی اطاعت کرتے ہیں اور یہ کہ یہ حضرات جب کسی امر کا ارادہ کریں تو خداوند عالم ان کی مشیت ومرضی کو مسترد نہیں کرتا۔ مگر یہ وہی کچھ چاہتے ہیں جو خدا چاہتا ہے اور یہ جو اخبار وآثار میں وارد ہے کہ تمام ملائکہ اور روح جو جبرئیل ومیکائیل سے بھی عظیم الشان ہے، ہر امر میں ان کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور یہ کہ جو فرشتہ بھی آسمان سے زمین پر اترتا ہے پہلے ان کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے (جس سے غلو پرور حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ائمہؑ ان کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں) تو یہ آمد ورفت اس لیے نہیں کہ ان حضرات کو ان امور کی انجام دہی میں کچھ دخل ہے اور نہ ہی اس لیے ہے کہ ان امور میں (خدا کو) ان حضرات سے مشورہ لینا مقصود ہے بلکہ خلق وامر بلکہ تمام امور خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ان کی بارگاہ میں فرشتوں کا حاضر ہونا محض ان حضرات کے اکرام واحترام اور ان کی رفعت مقام وعظمت شان ظاہر کرنے کے لیے ہے۔

جناب طبرسیؒ "احتجاج" میں علی بن احمد قمی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیعوں کی ایک جماعت میں باہم اختلاف پیدا ہو گیا کہ آیا خداوند عالم نے پیدا کرنے اور رزق دینے کے معاملات ائمہ علیہم السلام کے سپرد کیے ہیں یا نہ؟ چنانچہ بعض نے کہا کہ ایسا ہونا محال ہے اس لیے خدا ایسا نہیں کرتا، کیونکہ جسموں کے پیدا کرنے پر سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا اور بعض نے یہ کہا کہ خداوند قدیر نے ائمہ اہل بیتؑ کو اس بات پر قدرت دے دی ہے اور یہ معاملات ان کے سپرد فرما دیے ہیں۔ لہٰذا اب وہی پیدا کرتے ہیں اور وہی رزق دیتے ہیں۔ ان کا یہ نزاع بہت شدت اختیار کر گیا۔ ان میں سے ایک (عقل مند) آدمی نے کہا تم اس معاملہ میں جناب ابو جعفر محمد بن عثمان (نائب خصوصی امام العصر علیہ السلام) کی طرف رجوع کر کے ان سے کیوں حقیقت حال معلوم نہیں کرتے؟ کیونکہ وہ اس وقت حضرت صاحب الامرؑ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنے کا (واحد) ذریعہ ہیں۔ چنانچہ پوری جماعت نے اس رائے سے اتفاق کیا۔ اور صورت سوال لکھ کر جناب ابو جعفرؒ کی خدمت میں پیش کر دی (اور انھوں نے اسے خدمت امام میں پیش کیا) پس ناحیہ مقدسہ سے اس کا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

جو جواب صادر ہوا اس کے الفاظ یہ ہیں (ترجمہ) خداوند عالم ہی جسموں کا پیدا کرنے والا اور رزق تقسیم کرنے والا ہے، ہاں ائمہ علیہم السلام بارگاہ قدرت میں سوال و سفارش کرتے ہیں تو خدا وہ پیدا کر دیتا ہے وہ سفارش کرتے ہیں رو وہ رزق عطا فرما دیتا ہے۔ (یہی وسیلہ کا صحیح مفہوم ہے) خدا ان کی بلندی مقام و شان کی وجہ سے ان کی سفارش رد نہیں کرتا بلکہ قبول کرتا ہے۔

حضرت شیخ صدوقؒ نے عیون اخبار الرضا (صفحہ ۱۲۴ کذا فی الاحتجاج صفحہ ۲۶۴) میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ارشاد لا جبر ولا تفویض بل امر بین الامرین کی تشریح کے سلسلہ میں حضرت امام رضا علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آں جنابؑ نے فرمایا: جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ خداوند عالم ہی ہمارے افعال کا فاعل ہے اور پھر (ہمارے برے) افعال پر ہمیں عذاب بھی کرتا ہے وہ جبر کا قائل ہے اور جو یہ کہتا ہے کہ خدا نے پیدا کرنے، رزق دینے کا معاملہ اپنی حجتوں (ائمہؑ) کے سپرد کر دیا ہے تو وہ تفویض کا قائل ہے۔ جبر کا قائل کافر اور تفویض کا قائل مشرک ہے۔

❷ الثانی التفویض فی امر الدین و هذا ایضا یحتمل وجهین احدهما ان یکون الله تعالی فوض الی النبی و الائمة صلوات الله علیهم عموما ان یحلوا ما شاؤ او یحرموا ما شاؤا من غیر وحی و الهام او یغیروا ما اوحی الیهم بآرائهم و هذا باطل لا یقول به عاقل فان النبی کان ینتظر الوحی ایاما کثیرة لجواب سائل و لا یجیبه من عنده و قد قال تعالی و ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی۔ و ثانیهما انه تعالی لما خلق نبیه بحیث لم یکن یختار من الامور شیئا الا ما یوافق الحق و الصواب و لا یحل بباله ما یخالف مشیته سبحانه فی کل باب فوض الیه تعیین بعض الامور کالزیادة فی رکعات الفرائض و تعیین النوافل من الصلوة و الصیام و طعمة الجد و غیر ذلك مما سیاتی بعضها فی سذا الکتاب اظهارا لشرفه و کرامته عنده و لم یکن اصل التعیین الا بالوحی و لا فساد فی ذلك عقلا و قد دلت النصوص المستفیضة علیه و ظاهر الکلینی و اکثر المحدثین القول به و الصدوق و ان اوهم کلامه نفی ذلك یمکن تاویله بما یرجع الی نفی المعنی الاول لانه قد اورد فی کتبه کثیرا من الاخبار الدالة علی المعنی الثانی لاسیما فی کتاب علل الشرائع و لم یردها و لم یتعرض لتاویلها و قال فی الفقیه و قد فوض الله عز و جل الی نبیه امر دینه ولم یفوض الیه تعدی حدوده۔

Scanned with CamScanner

تفویض کی دوسری قسم

دینی معاملات کے متعلق ہے۔ اس میں بھی دو احتمال ہیں۔

اول یہ کہ خدا نے دین کا معاملہ بالکل انہی بزرگواروں کے سپرد کر دیا ہے لہٰذا یہ بغیر وحی والہام کے جس چیز کو چاہیں حلال بنائیں اور جسے چاہیں حرام قرار دیں۔ یا وحی شدہ امور میں اپنی رائے سے جو چاہیں تغیر وتبدل کریں۔ تفویض بایں معنی بھی باطل ہے کوئی بھی عقلمند اس کا قائل نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آنحضرتؐ بعض اوقات ایک سائل کے جواب میں کئی کئی دن تک وحی الٰہی کا انتظار کرتے رہتے تھے۔ مگر اپنی طرف سے پھر بھی کچھ نہیں کہتے تھے۔ چنانچہ خداوند عالم ان کے متعلق فرماتا ہے ہمارا رسولؐ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، بلکہ جو کچھ اسے وحی ہوتی ہے اس کی ترجمانی کرتا ہے۔

دوم یہ کہ خدائے حکیم نے اپنے نبی (آخرالزمانؐ) کو اس طرح خلق فرمایا اور کامل بنایا ہے کہ وہ ہمیشہ ایسے ہی امر کو اختیار کرتے تھے جو حق وصواب ہوتا تھا۔ اور ہر ہر معاملہ میں ان کے قلب مبارک میں وہی بات پیدا ہوتی تھی جو مشیت ایزدی کے عین مطابق ہوتی تھی۔ اس لیے خدا نے اپنے نزدیک ان کے شرف وکرامت کے اظہار کی خاطر بعض امور کی تعیین ان کے سپرد کردی۔ جیسے نماز فرائض میں (آخری) رکعت کی زیادتی، یا مستحبی نماز وروزہ کی تعیین و اختیار وحی والہام کے ماتحت ہی ہوتا تھا۔ پھر آنحضرت ﷺ جو شق اختیار فرماتے اس کی تائید وتاکید (آنے والی) وحی سے بھی ہوجاتی۔

تفویض بایں معنی کے تسلیم کرنے میں عقلاً کوئی خرابی نظر نہیں آتی اور نصوص مستفیضہ اس پر دلالت کرتی ہیں۔ حضرت شیخ کلینیؒ اور اکثر محدثین کے حالات سے یہی ظاہر ہے تاہے کہ وہ اس کے قائل تھے (کیونکہ انھوں نے بلاردوقدح ایسی روایات اپنی کتابوں میں درج کی ہیں)

حضرت شیخ صدوقؒ کے کلام سے اگرچہ اس بات کا وہم ہوتا ہے کہ وہ اس کے قائل نہیں مگر ان کے کلام کی بھی ایسی تاویل ممکن ہے کہ ان کی مراد امور دین میں پہلے احتمال کے مطابق تفویض کی نفی کرنا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اپنی کتب بالخصوص علل الشرائع میں ایسی روایات بکثرت درج کی ہیں جو اس دینی تفویض کی دوسرے معنی کے مطابق صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ نہ ان کو رد فرمایا ہے اور نہ ان کی کوئی تاویل فرمائی ہے۔ نیز انھوں نے "من لا یحضرہ الفقیہ" میں فرمایا ہے کہ خداوند عالم نے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اپنے نبیؐ کو دین کا معاملہ سپرد تو فرمایا ہے مگر اپنی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں دی۔ (اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ دینی امور میں تفویض کو درست سمجھتے ہیں۔)

❸ الثالث تفويض امور الخلق اليهم من سياستهم و تاديبهم و تكميلهم و تعليمهم و امر الخلق باطاعتهم فيما احبوا و كرهوا و فيما علموا جهة المصلحة فيه و ما لم يعلموا و هو المراد بهذا الخبر و هذا معنى حق دلت عليه الاخبار و ادلة العقل۔

تفویض کی تیسری قسم یہ ہے کہ خدا نے اپنی مخلوق کی تادیب و تہذیب اور تکمیل و تعلیم وغیرہ امور کو ان بزرگواروں کے سپرد فرمایا ہے اور پھر اپنی مخلوق کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر امر میں خواہ ان کا پسندیدہ ہو یا ناپسندیدہ اور خواہ وہ اس کی حکمت و مصلحت کو سمجھ سکیں یا نہ سمجھ سکیں۔ بہرحال ان کی اطاعت و فرمانبرداری کریں۔ اس حدیث سے (جو کہ اصول کافی میں موجود ہے جس کی شرح میں یہ ساری تحقیق پیش کی گئی ہے کہ

(ان الله ادب نبيه على محبته فقال انك لعلى خلق عظيم ثم فوض اليه فقال عز و جل و ما آتاكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا و قال عز و جل من يطع الرسول فقد اطاع الله g)

یہی معنی مراد ہیں) تفویض کی یہ قسم بالکل صحیح ہے اس کی صحت پر آیات و روایات اور ادلہ عقلیہ دلالت کرتے ہیں۔

❹ الرابع تفويض بيان العلوم و الاحكام اليهم بما اراد و المصلحة فيها بسبب اختلاف عقولهم و افهامهم او بسبب التقية فيفتون بعض الناس بالاحكام الواقعية و بعضهم بالتقية و يسكتون عن جواب بعضهم للمصلحة و لهم ان يجيبوا و لهم ان يسكتوا كما ورد في اخبار كثيرة عليكم المسئلة و ليس علينا الجواب كل ذلك بحسب ما يريهم الله من مصالح الوقت كما سياتي في خبر ابن اشيم وغيره و لعل تخصيصه بالنبي و الائمة صلوات الله عليه و عليهم لعدم تيسر هذه التوسعة لسائر الانبياء و الاوصيا عليهم السلام بل كانوا مكلفين بعدم التقية في بعض الموارد و ان اصابهم الضرر و ان كانوا مكلفين بان يكلموا الناس على قدر عقولهم و التفويض بهذا المعنى ايضا حق ثابت بالاخبار المتفيضة و تشهد له الادلة العقلية ايضا۔

تفویض کی چوتھی قسم یہ ہے کہ خدا نے احکام و علوم کے بیان کرنے کو ان حضرات کے سپرد کیا

Scanned with CamScanner

ہے کہ لوگوں کے عقول وافہام کے اختلاف یا تقیہ وغیرہ حالات کے پیش نظر جہاں جو بات مناسب سمجھیں وہ بیان کریں یا بعض لوگوں کو احکام واقعیہ اور بعض کو تقیہ کے مطابق فتویٰ دیں یا بعض مقامات پر حسب مصلحت بالکل سکوت اختیار فرمائیں، اسی طرح آیات قرآنیہ کی تفسیر وتاویل اور اسرار ومعارف ربانیہ کے بیان کرنے میں سوال کرنے والوں کی عقل وفہم کے مطابق کارروائی کریں۔ جس طرح کہ اس کا بیان آئندہ آئے گا۔ اسی طرح ان کو یہ حق بھی حاصل ہے کہ چاہیں تو جواب دیں اور چاہیں تو خاموشی اختیار کریں۔ جیسا کہ ان حضراتؑ کے متعدد اخبار میں وارد ہے کہ تم لوگوں پر سوال کرنا واجب ہے مگر ہم پر جواب دینا لازم نہیں ہے۔ یہ سب کچھ وہ ان وقتی مصلحتوں و نزاکتوں کے تحت کرتے ہیں جو خدائے سبحانہ ان کو سجھاتا ہے۔ جس طرح ابن اثیم والی روایت میں آئے گا، (جو کہ متن میں مذکور ہے) بعید نہیں کہ اس معنے کے اعتبار سے تفویض صرف جناب رسول خداؐ وائمہ ہدیٰؑ کے ساتھ مختص ہو۔ کیونکہ اس قدر وسعت دوسرے انبیاءؑ واوصیاءؑ کو حاصل نہ تھی، بلکہ وہ بعض مقامات پر تقیہ نہ کرنے پر مامور تھے۔ اگرچہ اس طرح ان کو ضرر ونقصان بھی پہنچ جائے۔ ہاں البتہ اس بات کا ان کو بھی اختیار تھا کہ وہ لوگوں کے عقل وفہم کے مطابق ان کے ساتھ بات کریں۔

بہرحال تفویض کی یہ قسم بھی ثابت ہے اور ادلہ عقلیہ بھی اس کی تائید مزید کرتے ہیں۔

❺ الخامس الاختیار فی ان یحکموا بظاهر الشریعة او بعلمهم و بما یلهمهم الله تعالیٰ من الواقع و مخ الحق فی کل واقعة و هو احد محامل خبر ابن سنان الآتی و دل علیه غیره من الاخبار۔

تفویض کی پانچویں قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو یہ اختیار ہے کہ وہ ظاہری شریعت کے قواعد واصول کے مطابق عمل کریں یا ہر ہر واقعہ میں اپنے علم ربانی اور الہام یزدانی کے مطابق نفس الامر اور اصل واقعہ کے موافق عمل کریں۔ یہ معنی ابن سنان والی حدیث جو بعد میں مذکور ہوگی، (جسے ہم مقدمۂ کتاب میں افراط وتفریط کے بین بین درمیانہ عقیدہ کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں) کے صحیح محامل میں سے ایک محمل ہے، اس کے علاوہ اور اخبار بھی اس پر دلالت کرتے ہیں۔

❻ السادس التفویض فی الاعطاء و المنع فان الله تعالیٰ خلق لهم الارض و ما فیها و جعل لهم الانفال و الخمس و صفایا وغیرها فلهم علیهم السلام ان یعطوا من شاؤا و ان یمنعوا من شاؤا و هذا المعنیٰ ایضاً حق یظهر من کثیر من الاخبار فاذا احطت خبرا بما ذکرنا من معانی التفویض سهل علیك فهم اخبار هذا الباب و عرفت ضعف

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

قول من نفی التفویض مطلقاً و لما یحط بمعانیہ۔

تفویض کی چھٹی قسم یہ ہے کہ ان بزرگواروں کو عطاء و بخشش کرنے میں اختیار ہے۔ کیونکہ زمین و مافیہا کی خلقت کا سبب وعلت غائی یہی بزرگوار ہیں۔ یعنی خدا نے ساری کائنات انہی کی خاطر پیدا کی ہے۔ اور پھر اس (زمین و مافیہا) سے انفال خمس اور صفایا (مال غنیمت میں سے جو عمدہ چیز نبیؐ وامامؑ منتخب کرلیں) وغیرہ ان کے لیے مقرر فرمائے۔ لہٰذا ان کو حق حاصل ہے کہ جسے جس قدر چاہیں عطا کریں اور جسے چاہیں کچھ نہ دیں۔ اس معنی کے اعتبار سے بھی تفویض کی صحت بکثرت اخبار سے ظاہر ہوتی ہے جب تم تفویض کے مذکورہ بالا تمام معانی و اقسام سمجھ لو گے تو تمہارے لیے اس باب کی تمام احادیث کا سمجھنا آسان ہوجائے گا۔ اور تم پر اس شخص کے قول کی کمزوری بھی ظاہر ہوجائے گی جس نے تفویض کے تمام معانی و اقسام پر احاطہ کیے بغیر مطلقاً اسے ممنوع قرار دیا ہے۔ (ہم نے واضح کردیا کہ اس کی بعض قسمیں غلط اور ممنوع ہیں اور بعض صحیح۔ انتہی کلامہ رفع فی الخلد مقامہ نقلناہ بطولہ لجودۃ محصولہ) اکثر علمائے متاخرین نے سرکار علامہ کے اس کلام کو اپنی کتب میں نقل کرکے اپنی پسندیدگی ظاہر کی ہے۔ جیسے علامہ سید حبیب اللہ خوئی (در منہاج البراعہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۱ طبع) وعلامہ ابوالحسن الشریف (در مرآۃ الانوار صفحہ ۶۷) وعلامہ شیخ عبداللہ مامقانی (در مقیاس الدرایہ صفحہ ۸۷ وغیرہم)

تفویض کی ساتویں قسم علامہ شیخ عبداللہ مامقانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب مقیاس الدرایہ مطبوعہ مع رجال مامقانی صفحہ ۸۷ کذا فی منتہی المقال صفحہ ۱۴ للشیخ ابی علی الحائری طبع نجف اشرف پر تفویض کے مذکورہ بالا ۱۱ اقسام بیان کرنے کے بعد ساتویں قسم یہ بیان فرمائی ہے:

❺ السابع تقسیم الارزاق جعل فی الفوائد مما یطلق علیہ التفویض و صحتہ و فسادہ یعرف من المعنی الاول و لعلہ یرجع الیہ اوعینہ الا ان یعم الاول للخلق و الرزق و الآجال وغیرہا و یختص ہذا بخصوص الارزاق کما ہو ظاہرہ۔

تفویض کی ساتویں قسم تقسیم رزق ہے (کہ رزق خدا دیتا ہے اور اسے تقسیم ائمہ ہدیٰؑ کرتے ہیں) کتاب فوائد میں اسے بھی تفویض میں داخل کیا ہے۔ اس قسم کا صحیح یا باطل ہونا تفویض کے پہلے معنی سے معلوم ہوسکتا ہے کیونکہ اس قسم کی بازگشت بھی اسی قسم اول کی طرف ہے (جو کہ غلط اور ممنوع ہے) بلکہ یہ قسم بعینہ وہی قسم اول ہی ہے۔ ہاں صرف اس قدر فرق ہوسکتا ہے کہ قسم اول پیدا کرنے، رزق دینے اور عمر کے گھٹانے وبڑھانے میں سب امور کو شامل ہو۔ اور یہ آخری قسم صرف تقسیم رزق

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے ساتھ مختص ہو۔ انتہی کلامہ

بہر حال اگر چہ اس عالم ربانی وفاضل صمدانی کی تحقیق انیق کے بعد جے قریباً بعد میں آنے والے تمام علمائے اعلام نے بنظرا تحسان دیکھا ہے، اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی کی ضرورت تو باقی نہیں رہتی۔ اس سے طالبان حق وحقیقت کی تسلی وتشفی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ آیات و روایات کے بحر بیکراں میں اس عظیم شناور نے غواصی کر کے نتائج کے جو گرانقدر رہائے شہوار حاصل کیے ہیں، ان میں کسی صاحب عقل وانصاف کو کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ لیکن ہم مزید اطمینان قلب کے لیے سرکار علامہ کی فرمائش کی تائید میں مزید چند آیات محکمہ وروایات معتبرہ اور بعض اعاظم علمائے کرام کے کلام حق ترجمان کو پیش کرتے ہیں۔ نیز شکوک وشبہات کا ازالہ بھی کریں گے جو کہ اس سلسلہ میں پیش کیے جاتے ہیں یا کیے جاسکتے ہیں، تاکہ ہر اعتبار سے یہ علمی مبحث مکمل ومختتم ہو جائے اور اتمام حجت میں کوئی کمی باقی نہ رہ جائے۔

لیہلك من هلك عن بينة ويحيىٰ من حي عن بينة

محل نزاع کی تعیین

لیکن قبل اس کے کہ ہم اس موضوع پر دلائل وبراہین پیش کریں ایک اہم امر یعنی محل اختلاف کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔ سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ امور تکوینیہ (مثل خلق و رزق اور اماتت واحیاء وغیرہ) میں تفویض ممنوع کی دو قسمیں ہیں:

☆ تفویض استقلالی، یعنی یہ کہ ائمہ اہل بیتؑ اپنی قدرت اور اپنے ارادہ کے ساتھ امور کو انجام دیتے ہیں۔ اور یہی بزرگواران افعال کے حقیقی فاعل ہیں۔

☆ تفویض غیر استقلالی یا بالفاظ دیگر تفویض آلی، یعنی یہ کہ ائمہ اطہارؑ ان امور کو خدا کے اذن اور اس کی مشیت ومدد کے تحت بجالاتے ہیں۔ اور تفویض کی دونوں قسمیں غلط اور ممنوع ہیں۔

نیز اس بیان سے یہ بھی واضح وعیاں ہو جاتا ہے کہ ان ہر دو قسم کی تفویض کے کچھ لوگ قائل گزرے ہیں، اور ہیں۔ اور اس میں قطعاً کسی قسم کا کوئی استبعاد بھی نہیں۔ کیونکہ جب ائمہ کو خدا ماننے والے گزرے ہیں اور اب بھی موجود ہیں تو ان کو بالذات خالق ورازق تسلیم کرنے والوں کے وجود کا کیونکر انکار کیا جاسکتا ہے؟

نیز یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر ایسے بدعقیدہ لوگ ماضی میں نہ گزرے ہوتے تو ہمارے علمائے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اعلام وحجج اسلام کو ان کے ان نظریات باطلہ کی رد میں کیوں زور قلم صرف کرنا پڑتا؟۔ بہرحال ہمیں قول سے مطلب ہے، قائل سے کوئی سروکار نہیں۔ (أنظر الی ما قال و لا تنظر الی مَن قال) البتہ آج کل وہ تمام لوگ جو مُتّہم بالتفویض ہیں، وہ بھی تفویض استقلالی والے عقیدہ سے اپنی برات ظاہر کرتے ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی کوئی اصرار نہیں کہ ضرور ہی ان کو اس کا قائل ثابت کریں۔ لہٰذا سردست جو امر موردِ بحث ہے یا آئندہ ہم جو کچھ آیات وروایات اور علمائے اعلام کے ارشادات پیش کریں گے اس سے تفویض کی اسی دوسری قسم یعنی تفویض غیر استقلالی اور تفویض آلی کا باطل کرنا مقصود ہے۔ اس معنی کی رو سے بے شمار مدعیان تشیع تفویض کے قائل موجود ہیں۔

آج کل ۳۲ حضرات مدعیان علم کے دستخطوں سے ۲۶ عدد سوالات اور ان کے جوابات پر مشتمل ایک رسالہ بنام حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیتؑ کی روشنی میں حضرات علماء کرام [1] کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ اس رسالہ کے صفحہ ۱۰ پر سوال نمبر ۱۳ یہ ہے:

"کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کی یہ ڈیوٹی ہے کہ وہ احیاء واماتت و خلق و رزق کے کام کرتے ہیں؟"۔

اس سوال کا متفقہ طور پر یہ جواب دیا گیا ہے:

"یہ عقیدہ کسی شیعہ کا نہیں ہے، اگر کوئی شخص یہ عقیدہ ان کی طرف منسوب کر کے علماء کرام سے اس قسم کے فتوے طلب کرتا ہے تو وہ انھیں غلط فہمی میں مبتلا کرتا اور عوام الناس کو دھوکا دیتا ہے.....الخ"۔

ہمیں یہ دیکھ کر روحانی مسرت وشادمانی ہوئی ہے کہ اب علماء حق کی شبانہ روز کی تقریری و تحریری مسلسل جدوجہد وتگ وتاز کے خوشگوار ثمرات سامنے آرہے ہیں۔ اور بعض وہ افراد جو کھلم کھلا تفویض کے قائل ہیں، وہ بھی اس سے اپنی بیزاری ظاہر کرنے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ ہم اشخاص و افراد کی نشاندہی نہ ضروری سمجھتے ہیں اور نہ ہی مناسب، ورنہ ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ عوام کا تو ذکر ہی کیا بزعم خود خواص اور ان میں سے بھی مُبلّغین حضرات کی کم از کم اسی فی صد کھیپ انہی عقائد کی مُعتقد نظر آتی ہے۔

ھداھم اللہ الی صراط مستقیم بجاہ النبی و آلہ الطاھرین

---

[1] جن میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہے کہ علم پر اس سے بڑھ کر اور کوئی ستم نہیں کہ ان کو اہل علم کہا جائے۔ قدیر۔ منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

تفویض کا بطلان قرآن مجید کی روشنی میں

اگرچہ اس سلسلہ میں بکثرت آیات پیش کی جاسکتی ہیں مگر ہم اختصار کے پیش نظر صرف چند ایسی آیات محکمہ پیش کرتے ہیں جو بعبارۃ النص اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ خلق و رزق اور اماتت واحیاء وغیرہ امور تکوینیہ کی انجام دہی ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ امور اس نے کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں کیے۔ نہ استقلالی طور پر اور نہ آلی اور غیر استقلالی طور پر۔

① ارشاد قدرت ہے:

هوالله الخالق البارى المصور له الاسماء الحسنىٰ (پارہ ۲۸ سورہ حشر ع ۲)

وہی خدا (تمام چیزوں کا) خالق، موجد، صورتوں کا بنانے والا اللہ ہے، اسی کے لیے اچھے اچھے نام ہیں۔

اس آیت مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم ہی خالق و مصور ہے۔

② اهم يقسمون رحمة ربك نحن قسمنا بينهم معيشتهم فى الحيواة الدنيا (پارہ ۲۵ سورہ زخرف ع ۹)

کیا یہ لوگ تمہارے پروردگار کی رحمت کو (اپنے طور پر) بانٹتے ہیں۔ ہم نے تو ان کے درمیان ان کی روزی دنیاوی زندگی میں بانٹ ہی دی ہے۔

اس آیہ وافی ہدایہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم ہی رزق دینے اور اس کے تقسیم کرنے والا ہے۔

③ الله الذى خلقكم ثم رزقكم ثم يميتكم ثم يحييكم هل من شركائكم من يفعل من ذلك من شئ سبحانه وتعالىٰ عما يشركون (پارہ ۲۱ سور روم ع ۷)

خدا وہ (قادر و توانا) ہے جس نے تم کو پیدا کیا، پھر اسی نے روزی دی، پھر وہی تم کو مار ڈالے گا۔ پھر وہی تم کو (دوبارہ) زندہ کرے گا۔ بھلا تمہارے (بنائے ہوئے خدا) کے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں کچھ بھی کر سکے۔ جسے لوگ (اس کا) شریک بناتے ہیں۔ وہ اس سے پاک و پاکیزہ اور برتر ہے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خالق و رازق اور محیی و ممیت خداوند عالم ہی ہے۔

اس آیت کے ذیل میں سرکار علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

یدل علی عدم جواز نسبة الخلق و الرزق و الاماتة و الاحیاء الی غیرہ سبحانہ و انہ شرک
(سابع بحار الانوار صفحہ ۳۳۷)

یعنی یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر خدا کی طرف خلق، رزق اور اماتت واحیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔

④ ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیہم قل اللہ خالق کل شئ و ھو الواحد القھار۔ (پارہ ۱۳ سورہ الرعد ع ۸)

ان لوگوں نے خدا کے کچھ شریک ٹھہرا رکھے ہیں، کیا انھوں نے خدا ہی کی سی مخلوق پیدا کر رکھی ہے جن کے سبب مخلوقات ان پر مشتبہ ہوگئی ہے (اور ان کی خدائی کے قائل ہو گئے) تم کہہ دو کہ خدا ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی یکتا اور سب پر غالب ہے۔

یہ آیت بھی ہمارے مدعا پر نص صریح ہے اور ان امور میں کسی بھی شریک و سہیم خدا کے وجود کی نفی کرتی ہے۔

سرکار علامہ مجلسی نے اس کے ذیل میں لکھا ہے:

یدل علی عدم جواز نسبة الخلق الی الانبیاء و الائمة علیہم السلام (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

یعنی یہ آیت مبارکہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ انبیاء وائمہ علیہم السلام کی طرف خلق کرنے کی نسبت دینا جائز نہیں ہے۔

⑤ امن یبدء الخلق ثم یعیدہ و من یرزقکم من السماء و الارض أإلہ مع اللہ
(پارہ ۲۰ سورہ النمل ع ۱)

بھلا وہ کون ہے جو خلقت کو نئے سرے سے پیدا کرتا ہے پھر اسے دوبارہ (مرنے کے بعد) پیدا کرے گا اور کون ہے جو تم لوگوں کو آسمان وزمین سے رزق دیتا ہے تو کیا خدا کے ساتھ کوئی اور معبود بھی ہے؟

⑥ و ربك یخلق ما یشاء و یختار ما کان لھم الخیرة (پارہ ۲۰ سورہ قصص ع ۱۰)

اور تمھارا پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے اور یہ انتخاب لوگوں کے اختیار میں نہیں ہے۔

⑦ الالہ الخلق و الامر تبارك اللہ رب العالمین (پارہ ۸ سورہ اعراف ع ۱۴)

یہ سب کے سب اسی کے حکم کے تابعدار ہیں۔ دیکھو حکومت اور پیدا کرنا بس خاص اسی کے لیے ہے وہ خدا جو سارے جہان کا پروردگار ہے، بڑا برکت والا ہے۔

Scanned with CamScanner

⑧ و اتخذوا من دونه الهة لا يخلقون شيئا و هم يخلقون (پارہ ۱۸ سورہ الفرقان ع ۱۶)
ان لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ بلکہ وہ خود دوسرے کے پیدا کیے ہوئے ہیں۔

⑨ و خلق كل شی و قدره تقديرا (پارہ ۱۸ سورہ الفرقان ع ۱۶)
اور ہر چیز کو اسی نے پیدا کیا ہے پھر اسے اندازہ سے درست کیا۔

⑩ هل من خالق غير الله يرزقكم من السماء و الارض لا اله الا هو فانى توفكون (پارہ ۲۲ سورہ فاطر ع ۱۳)
خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمہاری روزی پہنچاتا ہے اس کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں۔ پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔

⑪ لله ملك السموت و الارض يخلق ما يشاء يهب لمن يشاء اناثا و يهب لمن يشاء الذكور او يزوجهم ذكرانا و اناثا۔ (پارہ ۲۵ سورہ شمس ع ۶)
سارے آسمان و زمین کی حکومت خاص خدا ہی کی ہے جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے (اور) جسے چاہتا ہے (فقط) بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے محض بیٹے عطا کرتا ہے یا ان کو بیٹے بیٹیاں (اولاد کی) دونوں قسمیں عنایت کرتا ہے۔
ان آیات مبارکہ سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ پیدا کرنا، رزق دینا، اور اولاد نرینہ و مادینہ دینا خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہے اور کوئی یہ فرض انجام نہیں دیتا۔

⑫ الله يبسط الرزق لمن يشاء و يقدر (پارہ ۱۳ سورہ رعد ع ۹)
اور خدا ہی جس کے لیے چاہتا ہے روزی کو بڑھاتا ہے اور (جس کے لیے چاہتا ہے) تنگ کرتا ہے۔ اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ روزی کا بڑھانا یا گھٹانا خدا کے ہی اختیار میں ہے۔

⑬ و اذا مرضت فهو يشفين (پارہ ۱۹ سورہ الشعراء ع ۹)
اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ (خدا) مجھے شفا دیتا ہے۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہے کہ بیماروں کو شفا عطا فرمانا خداوند عالم کی ذات سے وابستہ ہے۔

⑭ قل اللهم مالك الملك توتى الملك من تشاء و تنزع الملك ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بيدك الخير انك على كل شئ قدير (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۱۱)
(اے رسولؐ) تم یہ دعا مانگو کہ اے خدا تمام عالم کا مالک، تو ہی جس کو چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور تو ہی جسے چاہے عزت دے

Scanned with CamScanner

اور تو ہی جسے چاہے ذلت دے، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ (ترجمہ فرمانؒ) اس آیت مبارکہ سے کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ تمام جہان کی شہنشاہی خدا کے قبضہ قدرت میں ہے کسی کو سلطنت دینا، کسی سے چھیننا، کسی کو عزت دینا اور کسی کو ذلت میں مبتلا کرنا اسی کے اختیار میں ہے۔

⑮ قل من یرزقکم من السماء و الارض امن یملك السمع و الابصار و من یخرج الحی من المیت و یخرج المیت من الحی و من یدبر الامر فسیقولون اللہ فقل افلا تتقون۔ فذالکم اللہ ربکم الحق فماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون (پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۸)

تم یہ کہہ دو کہ آسمان اور زمین سے تم کو رزق کون دیتا ہے؟ یا سماعت اور بصارت کو اختیار کون رکھتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردے سے پیدا کر دیتا ہے اور مردے کو زندہ سے پیدا کر دیتا ہے۔ اور وہ کون ہے جو تمام امور کا انتظام کرتا ہے۔ قریب ہے کہ وہ کہیں گے کہ اللہ ہے۔ پس تم یہ کہہ دو کہ کیا تم اس سے نہیں ڈرتے؟ پس وہی اللہ تمہارا برحق پروردگار ہے۔ تو حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کیا ہے۔

⑯ قل من ینجیکم من ظلمات البر و البحر تدعونہ تضرعا و خفیۃ لئن انجینا من ھذہ لنکونن من الشاکرین۔ قل اللہ ینجیکم منھا و من کل کرب ثم انتم تشرکون (پارہ ۷ سورہ الانعام ع ۱۴)

تم کہہ دو کہ خشکی اور تری کی اندھیروں سے تم کو نجات کون دیتا ہے جس سے تم رو رو کے اور چپکے چپکے دعا مانگتے ہو کہ اگر اس نے اس سے ہم کو بچا لیا تو ہم ضرور شکر گزار بن جائیں گے۔ کہہ دو کہ اللہ تم کو ان (اندھیروں) سے اور رنج سے نجات دیتا ہے اور پھر تم اس کا شریک کرتے ہو۔ (ترجمہ مقبولؒ)

یہ ہر دو آیات ہر قسم کے تبصرہ سے بے نیاز اور کسی مزید توضیح و تشریح کی محتاج نہیں ہیں۔ ان سے روز روشن کی طرح واضح ہے کہ رزق دینا، پیدا کرنا، مصائب و شدائد سے نجات دینا غرضکہ تمام امور تکوینیہ کی تدبیر اور ان کا انتظام کرنا خدا کا ہی کام ہے۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا کہ رزق وغیرہ خدا کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر بعد ازاں خدا کے اس ارشاد کی فلاسفی معلوم ہو جاتی ہے کہ

⑰ فابتغوا عند اللہ الرزق و اعبدوہ و اشکروا لہ الیہ ترجعون (پارہ ۲۰ سورہ عنکبوت ع ۱۴)

اللہ سے رزق طلب کرو اس کی عبادت کرو اور اسی کا شکریہ ادا کرو اسی کی طرف تمہاری بازگشت ہے۔

Scanned with CamScanner

⑱ امن خلق السموت و الارض و انزل لکم من السماء ماء فانبتنا به حدائق ذات بهجة ما کان لکم ان تنبتوا شجرها ء اله مع الله بل هم قوم یعدلون (پارہ ۲۰ سورہ ع)

آیا وہ کون ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا۔ پھر ہم نے اس کے ذریعہ سے بارونق باغات پیدا کر دیے۔ تمہاری مقدرت نہ تھی کہ تم ان باغوں کے درختوں کو اگا لو۔ کیا تمہارے ساتھ کوئی اور معبود ہے؟ (ہے تو نہیں) لیکن یہ لوگ ہیں کہ حق سے منحرف ہوئے جاتے ہیں۔

⑲ امن جعل الارض قرارا و جعل خللها انهارا و جعل لها رواسی و جعل بین البحرین حاجزا ء اله مع الله بل اکثرهم لا یعلمون (پارہ ۲۰ سورہ ع)

آیا وہ کون ہے جس نے زمین کو جائے قرار مقرر کیا ہے اور اسکے بیچ بیچ میں دریا بہا دیے ہیں اور اس کے لیے بڑے بھاری بھاری پہاڑ مقرر کر دیے ہیں اور دو دریاؤں کے مابین ایک پردہ حائل کر دیا ہے۔

⑳ امن یجیب المضطر اذا دعاه و یکشف السوء و یجعلکم خلفاء الارض ء اله مع الله قلیلا ما تذکرون (پارہ ۲۰ سورہ ع)

آیا خدا کے سوا کوئی اور خدا ہے (ہے تو نہیں) مگر ان میں سے بہت سے نہیں جانتے۔ آیا وہ کون ہے جو مضطر کی دعا قبول کر لیتا ہے، جب بھی وہ دعا مانگے۔ اور تکلیف کو رفع کر دیتا ہے اور تم کو زمین کا حامی مقرر کرتا ہے۔ اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟

㉑ امن یهدیکم فی ظلمات البر و البحر و من یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمته ء اله مع الله تعالی الله عما یشرکون (پارہ ۲۰ سورہ ع)

اس کی نعمتوں کو تم کس قدر کم سوچتے ہو۔ آیا وہ کون ہے جو خشکی اور تری کی اندھیریوں میں تمہاری راہبری کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اپنی رحمت (بارش) سے پہلے خوشخبری کے طور پر ہواؤں کو بھیج دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور اللہ ہے جن چیزوں کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں۔ اللہ کی ذات ان سب سے بری ہے۔

㉒ امن یبدو اخلق ثم یعیده و من یرزقکم من السماء و الارض ء اله مع الله قل هاتوا برهانکم ان کنتم صادقین۔ (پارہ ۲۰ سورہ ع)

آیا وہ کون ہے جو خلق کی ابتدا کرتا ہے پھر اس کو دوبارہ پھیر دے گا اور وہ کون ہے جو آسمان و زمین میں سے تم کو رزق دیتا ہے۔ کیا خدا کے ساتھ کوئی اور خدا ہے؟ تم کہدو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

Scanned with CamScanner

(۴۲) قل لا یعلم من فی السموت و الارض الغیب الا اللہ و ما یشعرون ایان یبعثون
(پارہ ۲۰ سورہ ع)

تم یہ کہدو کہ جو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں (ان میں سے) غیب کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اور ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ وہ مبعوث کب کیے جائیں گے۔

(۴۳) بل ادارک علمھم فی الاخرۃ بل ھم فی شک منھا بل ھم منھا عمون
(پارہ ۲۰ سورہ النمل ع ۱)

بلکہ ان کا علم تو آخرت میں جا کر پورا ہوگا بلکہ وہ اس کی طرف سے شک میں ہیں بلکہ اس کی طرف سے یہ اندھے (قطعاً بے خبر) ہیں۔ (ترجمہ مقبولؒ)

اسی مقدار پر اکتفاء کرتے ہوئے اس قسم کی آیات کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے کیونکہ ع

اگر در خانہ کس است یک حرف بس است

سرکار علامہ مجلیؒ ایسی ہی چند آیات مبارکہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

اقول دلالۃ تلک الآیات علی نفی الغلو و التفویض بالمعانی التی ستذکرھا ظاھرۃ و الآیات الدالۃ علیہ اکثر من ان تحصی اذ جمیع آیات الخلق و دلائل التوحید و الآیات الواردۃ فی کفر النصاری و بطلان مذھبھم دالۃ علیہ فلم تعرض لا یرادھا و تفسیرھا و بیان وجہ دلالتھا لوضوح الامر و اللہ یھدی الی سواء السبیل۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ غلو و تفویض کے ان معانی و اقسام کی نفی پر جن کو ہم صفحہ ۳۶۵ پر ذکر کریں گے (جو ہم سابقاً پیش کر چکے ہیں) ان آیات کی دلالت واضح ہے اور ان ہر دو فاسد نظریہ کی نفی پر اس قدر آیات کثیرہ موجود ہیں جو حد شمار سے باہر ہیں۔ کیونکہ تخلیق، توحید، اور نصاریٰ کے کفر اور ان کی مذہب کے بطلان کے بارہ میں جو آیات وارد ہیں وہ سب کی سب اس (ردغلو و تفویض) پر بھی دلالت کرتی ہیں۔ معاملہ کی وضاحت کی وجہ سے ہم نے ان آیات کو درج نہیں کیا اور نہ ہی ان کی تفسیر و وجہ دلالت پیش کی ہے۔ واللہ یھدی الی سواء السبیل (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۳)

تفویض کا بطلان سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کی احادیث کی روشنی میں

جن احادیث شریفہ سے امور تکوینیہ میں تفویض کی نفی پر استدلال کیا جاسکتا ہے یہ مختلف نوعیت کی ہیں۔ بعض تو وہ ہیں جن میں بالتصریح ان امور کی نسبت تفویض کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اور بعض وہ ہیں جن میں دینی امور میں تفویض کو ثابت کیا گیا ہے جس سے بدلالت التزامی امور تکوینیہ

Scanned with CamScanner

ہیں اس کی نفی مُستفاد ہوتی ہے ہم ہر دو قسم کی احادیث شریفہ کا یہاں بالترتیب ایک ایک ثمہ پیش کرتے ہیں۔

❶ سید الموحدین حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

ان معنی اشهد ان لا اله الا الله ان لا هادی الا الله و اشهد سکان السموت و الارضین و ما فیهن من الملائکة و الناس اجمعین و ما فیهن من الجبال و الاشجار و الد و اب و الوحوش و کل رطب و یابس بانی اشهد ان لا خالق الا الله و لا رازق الا الله و لا معبود الا الله و لا ضار و لا نافع و لا قابض و لا باسط و لا معطی و لا مانع و لا دافع و لا ناصح و لا کافی و لا شافی و لا مقدم و لا موخر الا الله له الخلق و الامر بیده الخیر تبارك الله رب العالمین۔

(عماد الاسلام جلد ا صفحہ ۸۱ طبع لکھنو)

اشهد ان لا اله الا الله کے معنی یہ ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی ہادی نہیں اور یہ کہ میں زمین و آسمان کے ساکنین، ملائکہ، انسان، پہاڑ، درخت، حیوان، وحوش اور ہر خشک و تر جو کچھ ان میں موجود ہے ان سب کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی خالق، رازق، معبود، ضار، نافع، قابض، باسط، معطی و مانع، ناصح، کافی، شافی اور تقدیم و تاخیر کرنے والا نہیں ہے۔ خلق و امر اسی کے قبضہ قدرت میں ہے بابرکت ہے وہ خدا جو تمام عالمین کا پروردگار ہے۔

❷ نیز امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

قدر الارزاق فکثرها و قللها و قسمها علی الضیق و السعة فعدل فیها لیتبلی من اراد بمسیورها و معسورها و لیختبر بذلك الشکر و الصبر من غنیها و فقیرها۔

(نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۱۷۷ طبع مصر خطبہ ۸۷)

خدا نے اپنے فضل سے لوگوں کی روزی مقدر کی۔ اسے کم و زیادہ کیا، تنگی و فراخی کے ساتھ تقسیم کی اور اس تقسیم میں عدالت کو ہر طرح ملحوظ رکھا، تاکہ حصول روزی کی آسانی یا دشواری کے بعد جس کی چاہے آزمائش کر کے دولت مند کے شکر اور فقیر کے صبر کو پرکھ لے۔ (مترجم اردو جلد ا صفحہ ۳۳۹)

❸ دعائے جوشن کبیر کی فصل ۹۰ سے بھی یہی مطلب بعبارۃ النص ثابت ہوتا ہے۔ معصوم ارشاد فرماتے ہیں:

یا من لا یعلم الغیب الا هو یا من لا یصرف السوء الا هو یا من لا یخلق الخلق الا هو یا من لا یغفر الذنب الا هو یا من لا یقلب القلوب الا هو یا من لا یدبر الامر الا هو یا من لا ینزل

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

الغیث الا ھو یا من لا یبسط الرزق الا ھو یا من لا یحیی الموتی الا ھو۔

اے وہ ذات جس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اے وہ خدا جس کے سوا کوئی خلق نہیں کرتا۔ اے وہ معبود جس کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا۔ اے وہ مسجود جس کے سوا کوئی نعمت کو تام وتمام نہیں کرتا۔ اے وہ قادر مُطلق جس کے سوا کوئی دلوں کو نہیں الٹتا پلٹتا۔ اے وہ خدائے حکیم جس کے سوا کوئی تدبیر امور نہیں کرتا۔ اے وہ حاکم اعلیٰ جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا۔ اے وہ رب رحیم جس کے سوا کوئی رزق وسیع نہیں کرتا۔ اے وہ حی لا یموت جس کے سوا کوئی مردوں کو زندہ نہیں کرتا۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۹۸)

❸ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ فلاں شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ:

انکم تقدرون ارزاق العباد فقال واللہ ما یقدر ارزاقنا الا اللہ و لقد احتجت الی طعام لعیالی فضاق صدری و ابلغت الی الفکرۃ فی ذلک حتی احرزت قوتھم فعندھا طابت نفسی لعنہ اللہ و بری اللہ منہ ۔ (رجال کشی صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸ کذا فی البحار جلد ۷ صفحہ ۳۵۰ و رجال المامقانی جلد ۱ صفحہ ۲۵۶ و جلد ۳ صفحہ ۲۴۱)

کہ آپ لوگوں کے رزق مقدر کرتے ہیں۔ یہ سُن کر امامؑ نے فرمایا خُدا کی قسم خود ہمارا رزق سوائے خُدا کے اور کوئی مقدر نہیں کرتا۔ مجھے اپنے اہل و عیال کے لیے طعام کی ضرورت پیش آئی تو میں مُتفکر ہوگیا اور میرا سینہ تنگ ہونے لگا۔ یہاں تک کہ جب میں نے ان کی قُوت لایموت کا انتظام کرلیا تب طبیعت کو سکون حاصل ہُوا۔ خُدا اس پر لعنت کرے اور اس سے بیزار ہو۔ (ہمارے متعلق کیسا غلط نظریہ رکھتا ہے۔)

❺ راوی کہتا ہے:

قلت لابی عبداللہ علیہ السلام زعم ابو ھارون المکفوت انک قلت لہ ان کنت ترید القدیم فذاک لا یدرکہ احد و ان کنت ترید الذی خلق و رزق فذاک محمد بن علی فقال کذب علی علیہ لعنہ اللہ ما من خالق الا اللہ وحدہ لا شریک لہ حق علی اللہ ان یذیقنا الموت و الذی لا یھلک ھو اللہ خالق الخلق و بارئ البریۃ۔

(بحار جلد ۷ صفحہ ۳۴۷ کذا فی الکشی صفحہ ۱۳۵ و تنقیح المقال للمامقانی جلد ۱ صفحہ ۴۲)

میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ابو ہارون مکفوف (اندھا) یہ گمان کرتا ہے کہ جنابؑ نے اس سے فرمایا ہے کہ اگر تو قدیم ذات کا ارادہ رکھتا ہے تو اسے تو کوئی بھی نہیں پاسکتا اور اگر اس کا ارادہ رکھتا ہے جو خالق و رازق ہے تو وہ حضرت محمدؐ بن علیؑ (الباقرؑ)

Scanned with CamScanner

ہیں (یہ سُن کر امامؑ نے) فرمایا خُدا اس پر لعنت کرے اس نے مجھ پر افتراء کیا ہے سوائے خُدا کے اور کوئی خالق نہیں ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ خُدا پر لازم ہے کہ ہمیں موت کا ذائقہ چکھائے۔ وہ ذات جس کے لیے موت نہیں وہ خُدا ہی ہے جو تمام مخلوقات کا خالق ہے۔

۶ انہی سرکار سے مروی ہے، فرمایا:

لا والله ما فوض الله الى احد من خلقه لا الى رسول الله و لا الى الائمة عليهم السلام

(كفاية الموحدين جلد ا صفحه ۲۳۷)

خدا کی قسم خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو (تکوینی امور) تفویض نہیں فرمائے، نہ جناب رسول خداؐ کو اور نہ ائمہ ہدیٰؑ کو۔

۷ یاسر خادم الرضاؑ بیان کرتے ہیں:

قلت للرضا ما تقول فى التفويض فقال ان الله تبارك و تعالىٰ فوض الى نبيه صلى الله عليه و آله امر دينه فقال و ما اتكم الرسول فخذوه و ما نهاكم عنه فانتهوا فاما الخلق و الرزق فلا ثم قال ان الله عز وجل يقول ان الله خالق كل شى و يقول الله الذى خلقكم ثم رزقكم ثم يميتكم ثم يحييكم هل من شركائكم من يفعل من ذلكم من شئ سبحانه و تعالىٰ عما يشركون۔

(عيون اخبار الرضا صفحه ۳۷۴ و سابع بحار الانوار صفحه ۳۵۸)

میں نے آنجنابؑ کی خدمت میں عرض کیا آپؑ تفویض کے بارہ میں کیا فرماتے ہیں؟ فرمایا خداوند عالم نے امور دین کو اپنے پیغمبر اسلامؐ کے سپرد کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے جس بات کا رسولؐ تمھیں حکم دیں اس پر عمل کرو اور جس بات سے روک دیں اس سے باز رہو لیکن پیدا کرنے اور رزق دینے کا معاملہ اس نے کسی کے سپرد نہیں کیا۔ پھر یہ قرآنی آیت تلاوت فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے: ہر شئ کا خالق خُدا ہے۔ نیز اُس کا ارشاد ہے وہی تمھارا خُدا ہے جس نے تمھیں پیدا کیا پھر رزق دیا۔ پھر تمھیں مار دے گا، پھر زندہ کرے گا۔ کیا تمھارے مُقرر کردہ شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کوئی کام انجام دے سکے۔

۸ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی مناجات نقل کی ہے کہ آپ بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا کرتے تھے:

اللهم انى برى اليك من الحول و القوة و لا حول و لا قوة الا بك و ابرا اليك من الذين قالوا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

فینا ما لم نعلمه فی انفسنا اللهم لك الخلق و منك الامر و ایاك نعبد و ایاك نستعین اللهم انت خالقنا و خالق آبائنا الاولین و آبائنا الاخرین اللهم لا تلیق الربوبیة الا بك و لا تصلح الالهیة الا لك فالعن النصاری الذین صغروا عظمتك و العن المضاهین لقولهم من بریتك اللهم انا عبیدك و ابنا عبیدك لا نملك لا نفسنا ضرا و لا نفعا و لا موتا و لا حیوة و لا نشورا اللهم من زعم ان لنا الخلق و علینا الرزق فنحن الیك منه براء کبراءة عیسی ابن مریم عن النصاری اللهم انا لم ندعهم الی ما یزعمون فلا تواخذنا بما یقولون و اغفرلنا ما یزعمون رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا انك ان تذرهم یضلوا عبادك و لا یلدوا الا فاجرا کفارا۔

بارالٰہا! میں تیرے حضور میں اپنی ہر قسم کی قوت طاقت سے بیزاری کا اقرار کرتا ہوں، کیونکہ تیرے سوا کسی کو بھی ذاتی طور پر کوئی قوت وطاقت حاصل نہیں ہے۔ یا اللہ! میں ان لوگوں سے بھی برائت کا اظہار کرتا ہوں جو ہمارے بارے میں ایسی ایسی باتوں کا عقیدہ رکھتے ہیں جنھیں ہم اپنے اندر نہیں پاتے۔ اے اللہ! خلق و امر تجھ ہی سے متعلق ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ تو ہی ہمارا خالق اور ہمارے اولین و آخرین آباء واجداد کا خالق ہے۔ اے اللہ! مقام ربوبیت تیرے ہی لائق ہے اور معبودیت واُلوہیت کی صلاحیت فقط تجھ ہی میں ہے۔ اے پالنے والے تو نصاریٰ پر لعنت کر کیونکہ انھوں نے تیری عظمت کو گھٹانے کی کوشش کی اور ان لوگوں پر بھی لعنت کر جو تیری مخلوق میں سے اس نظریہ فاسدہ میں نصرانیوں کے ہم خیال ہیں۔ خُداوندا! ہم تیرے بندے ہیں اور تیرے بندوں کے بیٹے ہیں۔ ہم اپنے نفسوں کے لیے نہ نفع ونقصان کے مالک ہیں اور نہ اپنی موت وحیات اور دوبارہ زندہ ہونے پر قدرت رکھتے ہیں۔ میرے اللہ! جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے ہیں اور ہم ہی روزی دیتے ہیں ہم اس سے اسی طرح بری و بیزار ہیں جس طرح حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ قوم نصاریٰ سے بیزار ہیں۔ یا اللہ! جن باتوں کا یہ لوگ (ہمارے متعلق غلط) عقیدہ رکھتے ہیں۔ ہم نے ہرگز انھیں ایسی باتوں کی طرف دعوت نہیں دی، اس لیے جو کچھ وہ کہتے ہیں اس کا مؤاخذہ ہم سے نہ کرنا اور جو کچھ وہ گمان کرتے ہیں ہمیں معاف فرما، اے پالنے والے! تو زمین پر کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑ کیونکہ اگر تو انھیں زندہ رہنے دے گا تو یہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور سوائے سخت کافروں اور بدکاروں کے اور کچھ نہیں جنیں گے۔ (اعتقادیہ صدوقؒ و بحار جلد ۷ صفحہ ۳۶۴)

❾ رسالہ تصحیح العقائد مطبوعہ حیدر آباد صفحہ ۱۳ پر بحوالہ بحار الانوار حضرت امام جعفر صادق علیہ

Scanned with CamScanner

السلام کی یہ حدیث درج ہے، فرمایا:

من قال نحن الخالقون بامر اللہ فقد کفر۔ (کذا فی شرح الخطبہ للرشتی صفحہ ۳۲۲ و حدیقہ سلطانیہ جلد ۳ صفحہ ۱۷۸)

یعنی جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ ہم خدا کے اذن و امر سے پیدا کرتے ہیں (یعنی ہمیں باذن اللہ خالق کہے) وہ کافر ہے۔

اس سے بڑھ کر تفویض غیر استقلالی کی رد کن زوردار الفاظ سے کی جا سکتی ہے؟

⑩ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لا یکون الشی لامن شی الا اللہ و لا ینقل الشیٔ من جوھریتہ الی جوھر اخر الا اللہ ھو لا ینقل الشیٔ من الوجود الی العدم الا اللہ۔

(لاشیٔ سے ایجاد نہیں کرتا یعنی بالکل) نیستی سے ہستی کی طرف نہیں لاتا مگر خدا۔ ایک حقیقت سے دوسری حقیقت کے ساتھ تبدیل نہیں کرتا مگر خدا۔ ہستی سے نیستی کی طرف نہیں لے جاتا مگر خدا۔ (کفایۃ الموحدین جلد ۱ صفحہ ۱۲۴ کتاب التوحید للصدوق صفحہ ۵۰)

⑪ دعائے مبارکہ جوشن کبیر فصل ۹۴ میں وارد ہے:

یا اول کل شیٔ و اخرہ یا الہ کل شیٔ و ملیکہ یا رب کل شیٔ وصانعہ یا باری کل شیٔ و خالقہ یا قابض کل شیٔ و باسطہ یا مبدئ کل شیٔ و معیدہ یا منشئ کل شیٔ و مقدرہ یا مکون کل شیٔ و محولہ یا محی کل شیٔ و ممیتہ یا خالق کل شیٔ و وارثہ۔

اے وہ خدا جو ہر چیز سے پہلے اور ہر چیز کے آخر ہے۔ اے ہر چیز کے الٰہ و مالک، اے ہر چیز کے پروردگار اور بنانے والے، اے ہر چیز کا خالق و وجود دینے والے اے وہ جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کی بسط و کشاد ہے۔ اے ہر چیز کو وجود دینے اور پھر واپس لوٹانے والے۔ اے ہر چیز کے ایجاد اور اس کی تصویر بنانے والے، اے ہر چیز کو وجود سے نوازنے اور اس میں تغیر و تبدل کرنے والے، اے ہر چیز کو پیدا کرنے اور مارنے والے۔ اے ہر چیز کے خالق و وارث۔ (مفاتیح صفحہ ۹۹)

⑫ اسی دعائے جوشن کبیر فصل ۱۰ میں وارد ہے:

یا صانع کل مصنوع یا خالق کل مخلوق یا رازق کل مرزوق یا مالک کل مملوک یا کاشف کل مکروب یا فارج کل مھموم یا راحم کل مرحوم یا ناصر کل مخذول یا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ساتر کل معیوب یا ملجاء کل مطرود۔

اے وہ خدا جو ہر مصنوع کا صانع، ہر مخلوق کا خالق، ہر مرزوق کا رازق، ہر مملوک کا مالک، ہر مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنے والا، ہر غم زدہ کے غم کو دور کرنے والا۔ ہر مرحوم پر رحم کرنے والا، ہر بے آسرا کی نصرت کرنے والا، ہر عیب دار کی پردہ پوشی کرنے والا اور ہر راندہ بارگاہ کا ملجا و ماوا ہے۔ (مفاتیح صفحہ ۸۸)

⑬ دعائے مبارکہ یستشیر میں وارد ہے:

فانا اشهد بانك انت الله لا رافع لما وضعت و لا واضع لما رفعت و لا معز لمن اذللت و لا مذل لمن اعززت و لا مانع لما اعطيت و لا معطى لما منعت۔

میں گواہی دیتا ہوں اسے کوئی بلند نہیں کرسکتا جسے تو پست کردے اور جسے تو ذلیل کردے اسے کوئی عزت نہیں بخش سکتا۔ اور جسے تو عزت عطا کردے اسے کوئی ذلیل نہیں کرسکتا۔ جسے تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ جسے تو روک دے اسے کوئی عطا نہیں کرسکتا۔

(نوٹ) یہ وہ دعائے مبارکہ ہے جو جناب رسول خداؐ نے حضرت امیرؑ کو تعلیم فرمائی تھی اور تا زیست اسے صبح و شام پڑھنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی یہ حکم دیا تھا کہ اسے اپنے بعد والے جانشین کو بھی تعلیم دیں۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۷۸، صحیفہ علویہ صفحہ ۱۱)

⑭ اقسام تفویض کے متعلق علامہ مجلسیؒ کے طویل کلام کے ضمن میں حضرت امام زمانہؑ کی توقیع مبارک نقل کی جاچکی ہے۔ جس میں حضرت امام العصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ نے عقیدہ تفویض کی پرزور الفاظ میں رد فرمائی ہے اور صحیح عقیدہ یہ تعلیم دیا ہے کہ ائمہ ہدیٰ سوال کرتے ہیں تو خدا خلق کرتا ہے یہ سوال کرتے ہیں تو وہ رزق عطا کرتا ہے۔ وہ ان کے سوال کو کبھی رد نہیں فرماتا۔ علامہ ابوالحسن شریف نے یہ توقیع مبارک نقل کرنے کے بعد یسئلونہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے: اقول ای یسئلون شفاعة اولا ظهار المعجزة۔ یعنی میں کہتا ہوں کہ وہ بطور شفاعت و سفارش سوال کرتے ہیں یا معجزہ ظاہر کرنے کے لیے بارگاہ قدرت کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ الاسرار صفحہ ۶۸)

⑮ کامل بن ابراہیم بیان کرتے ہیں کہ میں مسئلہ تفویض دریافت کرنے کی غرض سے جناب امام حسن عسکری علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کرکے بیٹھ گیا۔ اس اثنا میں قریباً چار سال کا ایک لڑکا برآمد ہوا جو حسن و جمال میں چاند کا ٹکڑا معلوم ہوتا تھا۔ (امام العصر) اور آتے ہی مجمع سے مخاطب ہو کر کہا:

Scanned with CamScanner

یاکامل جئت الی ولی اللہ و حجتہ تسئلہ من مقالۃ المفوضۃ کذبوا بل قلوبنا ادعیۃ لمشیۃ اللہ و اللہ یقول ما تشاون الا ان یشاء اللہ۔

اے کامل تم ولی خدا اور اس کی حجت کی بارگاہ میں مفوضہ کے عقیدہ کے متعلق سوال کرنے کے لیے حاضر ہوئے ہو سو تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ (ہم خالق و رازق نہیں) بلکہ ہمارے دل خدا کی مشیت کے ظرف ہیں۔ جب وہ کچھ چاہتا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں، چنانچہ خدا ارشاد فرماتا ہے تم تو کچھ چاہتے ہی نہیں مگر وہی جو خدا چاہتا ہے۔

(مشکوۃ الاسرار صفحہ ۶۸ ہفتم بحار صفحہ ۳۶۱)

ان احادیث شریفہ سے یہ حقیقت کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں ہر قسم کی تفویض خواہ استقلالی ہو اور خواہ غیر استقلالی ممنوع اور باطل ہے اور اس کا اعتقاد رکھنا کھلم کھلا شرک ہے (ان الشرک لظلم عظیم) جب ان امور میں تفویض کی مطلقاً نفی کر دی گئی تو پھر غیر استقلالی یعنی باذن اللہ کے پیوند والی تفویض کے صحیح ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لان نفی العام یدل علی نفی الخاص کما لا یخفی علی الخواص۔

ان آیات و روایات کے متعلق ایک مغالطہ دہی کا ازالہ

جب اس قسم کی بعض آیات و روایات پیش کی جاتی ہیں اور غلو نواز حضرات سے ان کا کوئی معقول جواب نہیں بن سکتا تو بالعموم یہ کہہ کر اپنی گلو خلاصی کرانے کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ اول و بالذات مربی و مدبر اللہ ہے لیکن مظاہر اسماء جن پر عقل تدبیر ظاہر کرتی ہے وہ غیر خدا مدبر ہیں جس کو قران یوں ذکر فرماتا ہے: والمدبرات امرا۔ اور پھر فرماتا ہے: یدبر الامر ماما من شفیع الا من بعد اذنہ۔ وہ تدبیر امور کرتا ہے اور اس تدبیر میں اس کا کوئی شریک نہیں مگر بعد اذن کے، اس سے ثابت ہے کہ کچھ نفوس ایسے ہیں جو بعد اذنِ خدا تدبیر عالم کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ بعد اذن تدبیر کرنے والے علاوہ ملائکہ کے وہ بزرگوار ہیں جو روح قدس کے مالک قوت و طاقت میں جبرئیل و میکائیل سے اعظم ہیں۔ تدبیر عالم میں رئیس مطلق ہیں۔ ریاست عامہ اسی مرحلہ میں ثابت ہے، ورنہ تعریف امام درست نہیں رہتی۔ باذنِ خدا یہ امور خلق و رزق وغیرہ کرتے ہیں۔ تدبیر عالم باذنِ خدا ان کا وظیفہ اور منصب ہے خدا بالذات کرتا ہے آیات مذکورہ بالذات پر دال ہیں۔ اور یہ امر بزرگواروں کی طرف باذن خدا بمشیت خدا کی حیثیت سے منسوب ہیں۔ الغرض خدا بالذات خالق و

Scanned with CamScanner

رازق ہے اور یہ بزرگوار باذن اللہ خالق ورازق ہیں۔ یہ جو کچھ بیان ہوا ہے یہ سراسر ابلہ فریبی یا پھر خود فریبی اور تفسیر بالرائے ہے جو بچند وجوہ غلط اور نا قابل قبول ہے۔

اولاً اتنا تو یہ حضرات بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ امور تکوینیہ بالذات ذات ایزدی سے وابستہ ہیں، لہٰذا جب تک قرآن وحدیث کے نصوص ساطعہ اور دلائل قاطعہ سے ائمہ اطہارؑ کا بالعرض و باذن اللہ مدبر عالم اور خالق ورازق وغیرہ ہونا ثابت نہ ہو جائے اس وقت تک انھیں مدبر تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور ایسی کوئی دلیل موجود نہیں ہے۔ اگر ہمت ہے تو ایسی کوئی آیت، یا کوئی صحیح السند اور صریح الدلالۃ روایت پیش کریں جو قیامت تک نہیں کر سکتے انشاء اللہ۔ بلکہ اس کے برعکس آیات قرآنیہ کی طرح روایات معصومیہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ امور ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جیسا کہ پیش کردہ آیات وروایات سے یہ مطلب واضح ہے اور جن بودے ورکیک استدلالات سے ان لوگوں نے اس مطلب کو ثابت کرنا چاہا ہے ان کا قطعی جواب بھی ہم ذرا آگے چل کر ازالۂ شبہات کے ضمن میں پیش کریں گے۔

ثانیاً ملائکہ پر ائمہ اطہارؑ کا جو قیاس کیا گیا ہے یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ارباب دانش وبینش جانتے ہیں کہ ملائکہ سے جو امور صادر ہوتے ہیں تو یہ بصورت تفویض نہیں ہیں کہ خدا نے ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد کر دی ہو، جیسا کہ ائمہ اطہارؑ کے بارہ میں یہ نزاع ہے اور نہ ہی یہ انجام دہی بشکل توکیل مطلق ہے کہ خدا نے اپنی طرف سے ملائکہ کو ان امور کی انجام دہی میں وکیل مطلق بنا کر مطلق العنان چھوڑ دیا ہو، بلکہ یہ انجام دہی بظاہر بصورت آلیت ہے، یعنی ملائکہ کی حیثیت صرف آلہ کار کی سی ہے۔ جس طرح ہم قلم سے لکھتے اور تلوار سے کاٹتے ہیں۔ بلاتشبیہ خدا فرشتوں کے ذریعہ خلق ورزق اور اماتت واحیاء وغیرہ امور کو انجام دیتا ہے۔ اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ خدا ان کے بغیر ان امور کو انجام دے نہیں سکتا۔ حاشا وکلا وہ بغیر آلات و اسباب کے بھی سب کچھ کر سکتا ہے۔ (وھو علی کل شئ قدیر) لیکن اس نے اپنی حکمت بالغہ سے اس عالم کا نظام کچھ ایسے طریقہ پر مرتب فرمایا اور چلایا ہے کہ ہر چیز علل و اسباب اور آلات کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی نظر آتی ہے اور اگر کبھی کوئی فعل ظاہری علل و اسباب کے بغیر وجود میں آ جائے تو وہ معجزہ کہلاتا ہے۔

ہاں تو بظاہر چونکہ ان امور کا ظہور فرشتوں سے ہوتا ہے اس لیے ان کو مجازاً مدبرات ومقسمات امر کہا گیا ہے، ورنہ بموجب فرمان جناب امیر علیہ السلام فرشتے ہرگز اپنے خالق و رازق ہونے کا

Scanned with CamScanner

دعویٰ نہیں کرتے۔

لا یدعون انھم یخلقون شیئاً مما انفرد بہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول و ھم بامرہ یعملون۔ (نہج البلاغہ جلد صفحہ ۱۶۸ طبع مصر)

یعنی جن چیزوں کو خدا پیدا کرتا ہے فرشتے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ انھیں پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ اللہ کے ایسے مکرم بندے ہیں جو کسی قول و فعل میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے بلکہ اسی کے حکم کے مطابق کام کرتے ہیں۔ صاحب کتاب عقل و دین نے بھی ایسا ہی افادہ فرمایا ہے کہ:

ملائکہ فاعل مسخر اند و برائے ھر کارے خلق شدہ اند، بہماں کار مشغولند و تقریباً اختیارے از خود ندارند۔

(عقل و دین جلد ا صفحہ ۳۴۹)

یعنی فرشتے فاعل مسخر ہیں وہ جس جس کام کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اسی کی انجام دہی میں مشغول ہیں اور اپنی طرف سے تقریباً کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ کا بھی یہی مقام ہے کہ صدور افعال الٰہیہ میں اس کے آلات و اسباب ہیں (کما قیل) تو ہم اسے اہل بیتؑ کی تعظیم و تجلیل نہیں بلکہ ان ذوات عالیہ کی توہین و تذلیل سمجھتے ہیں۔ ارباب عقل و انصاف غور کریں کہ خدا جو جزئی جزئی اور معمولی کام فرشتوں کے ذریعہ انجام دیتا ہے کیا آل محمدؐ بھی فرشتوں کے ہم پلہ ہو کر ان کے ساتھ انہی امور کو انجام دیتے ہیں؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ بعض ہمدرد ان مذہب نے کیا پتے کی بات کہی ہے۔ خدا کے لیے علیؑ کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ ان پر شبہ خدا کا ہونے لگے، نہ اتنا گھٹاؤ کہ فرشتوں کے برابر اور ہم پلہ کر دو۔ چھوڑ دو فرشتوں کو ان کی غلامانہ آن بان پر اور چھوڑ دو آقاؤں کو ان کی سردارانہ عظمت و شان پر۔ (اخبار رضا کار لاہور مجریہ ۱۲ مئی ۱۹۶۶ء)

اب تو اس نظریہ کے بعض قائلین نے بھی دبے لفظوں میں اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ اس سطح پر ائمہ اطہارؑ کو لا کھڑا کرنا ان کے شایان شان نہیں، جیسا کہ ہم کتاب کے مقدمہ میں مؤلفین کی تضاد بیانیوں کے ضمن میں ان کا یہ قول مع حوالہ نقل کر چکے ہیں۔ فراجع

بہر کیف یہ خلق و رزق اور امامت و احیاء وغیرہ کا وظیفہ قدرت کاملہ کی طرف سے نہ کسی نبی کے سپرد ہوا ہے اور نہ کسی وصی کے، خدائے ذوالجلال یہ امور ملائکہ کے ذریعہ سے خود انجام دیتا ہے۔ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے وظائف و فرائض اس سے کہیں اجل و ارفع ہیں۔ جن کی بقدر ضرورت اسی باب میں آئندہ وضاحت کی جائے گی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بزرگوار نظام شریعت کے سربراہ اور

Scanned with CamScanner

نظام تکوین میں شفیع و سفارشی ہیں۔ ان کی سفارش سے بے اولاد و بے مال و دولت مال اور اولاد سے مالا مال ہو جاتے ہیں۔ ان کی شفاعت سے بیمار تو کیا ہزار سالہ مردے بھی زندہ ہو جاتے ہیں۔ اور ان کی توجہ دعا سے سب مشکلات و مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں۔ جیسا کہ امام العصر والزمانؑ کی حدیث شریف میں ان کے اس منصب جلیل کی وضاحت موجود ہے جس کا تذکرہ بحوالہ احتجاج طبرسیؒ سرکار علامہ مجلسیؒ کے کلام حقیقت ترجمان کے ضمن میں سابقاً کیا جا چکا ہے۔

چوں بشنوی سخن اهل دل مگو که خطاست
سخن شناس نه دلبرا خطا ایں جاست

ثالثاً قبل ازیں غلو و تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے علامہ مجلسیؒ وغیرہ علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان بزرگواروں کو خالق و رازق اور محیی و ممیت سمجھنا غلو و تفویض ممنوع میں داخل ہے۔ یہ بالذات و باذن اللہ والی اصطلاح ان حضرات کی ذاتی اختراع ہے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت و اصلیت ہوتی تو قرآن و حدیث میں بھی تو اس کا کہیں ذکر ہوتا۔ مگر نہ قرآن میں اس کا کوئی تذکرہ ہے نہ محمد و آل محمد علیہم السلام کے کسی مستند فرمان میں اس کا کوئی نام و نشان ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کو بامر اللہ خالق سمجھنے والوں کو بھی کافر قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ایسی بعض حدیثیں اوپر بیان ہو چکی ہیں، تو بعد ازیں اس کی بنا پر قرآن و حدیث سے ثابت شدہ حقائق سے کیونکر دست برداری اختیار کی جا سکتی ہے۔

رابعاً اس سلسلہ میں آیت مبارکہ ما من شفیع الا من بعد اذنه (پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۶) پیش کر کے جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ تفسیر بالرائے کی بدترین مثال ہے۔ شفیع کا ترجمہ شریک کرنا عجائبات روزگار میں سے ہے۔ حدیث قدسی میں وارد ہے، خدا فرماتا ہے: ما آمن بی من فسر برایه کلامی۔ جو شخص اپنی رائے کے ساتھ میرے کلام کی تفسیر کرتا ہے وہ مجھ پر ایمان ہی نہیں لایا۔ (احتجاج صفحہ ۲۲۳)

ہم اپنی طرف سے ترجمہ کرنے کی بجائے جناب مولانا فرمان علی صاحب و مولانا مقبول احمد صاحب کے تراجم پیش کرتے ہیں، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس آیت سے صحیح عقیدہ کی تائید ہوتی ہے یا ان لوگوں کے خود ساختہ نظریہ کی؟ اول الذکر اس کا یوں ترجمہ کرتے ہیں:

اس کے سامنے کوئی کسی کا سفارشی نہیں (ہو سکتا) مگر اس کی اجازت کے بعد۔

اور ثانی الذکر اس طرح کرتے ہیں:

Scanned with CamScanner

بغیر اس کے حکم کے کوئی سفارشی ہو ہی نہیں سکتا۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔

اب ارباب فہم و فراست و اصحاب انصاف و دیانت غور فرمائیں کہ آیا اس آیت مبارکہ سے ائمہ اطہارؑ کا وسیلہ و شفیع اور سفارشی ہونا ثابت ہوتا ہے جو ہم ثابت کر رہے ہیں یا ان کا مدبر عالم اور خالق و رازق ہونا ثابت ہوتا ہے۔ جسے یہ لوگ قرآن و حدیث کا کچومر نکال کر اپنے زعم باطل میں ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ مالھم انی یوفکون؟

ان حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ بامر اللہ یا باذن اللہ کا پیوند لگانے سے تفویض ممنوع والے فاسد عقیدہ کو صحیح نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ رسالہ "نعم الزاد الیوم المعاد" صفحہ ۲۹ پر وضاحت کر دی گئی ہے کہ:

کون الفعل باذن اللہ لا یخرجہ عن کونہ تفویضا و لا یمنع بطلان التفویض اما الاول فکونہ باذن اللہ لا یجعل الفعل للہ و لا یخرج العبد عن کونہ ھو الفاعل۔

یعنی فعل کا باذن اللہ واقع ہونا اسے تفویض ممنوع سے خارج نہیں کرتا۔ کیونکہ اس کے باوجود بھی فاعل انسان ہی رہتا ہے نہ خدا۔

والحمد للہ علی وضوح الحق و الحقیقۃ

تکوینی امور میں تفویض کا بطلان علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اعاظم علماء کی اس قدر تصریحات موجود ہیں کہ ان سب کے پیش کرنے کی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ صرف بعض اعلام کے بیانات عالیہ پیش کیے جاتے ہیں۔

① ثقۃ الاسلام حضرت شیخ محمد بن یعقوب کلینی علیہ الرحمہ نے اصول کافی صفحہ ۱۳۲ طبع ایران پر پورا ایک باب منعقد کیا ہے جس کا عنوان ہے: التفویض الی رسول اللہ و الی الائمۃ فی امر الدین۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امور دینویہ میں ان کے نزدیک تفویض مطلقاً باطل ہے۔ کیونکہ علماء محدثینؒ کے نظریات ان کے تجویز کردہ ابواب کے عناوین سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب شرح وافیۃ الاصول، صاحب مرآۃ العقول، صاحب مقامع الفضل اور صاحب فصل الخطاب نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے: مذاھب القدماء تعلم غالباً من عناوین ابوابھم۔ کہ علماء متقدمین کے عقائد و نظریات ان کی کتابوں کے بابوں کے عنوانوں سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس مقام پر علامہ مجلسیؒ نے حضرت کلینیؒ کے تجویز کردہ اسی عنوان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

اقول لعل زیادہ اثبات التفویض المتقید بالدین احترازا عن التفویض فی الخلق۔

میں کہتا ہوں کہ مرحوم کلینی نے تفویض کے ساتھ دینی امور کی قید لگائی ہے۔ اس سے ان کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ خلق (ورزق) والی تفویض سے اجتناب کرنا چاہتے ہیں۔

(مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۹۱)

❷ رئیس المحدثین حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں سینتیسواں باب مستقل طور پر غلو و تفویض کی نفی کے لیے منعقد کیا ہے جس میں بکثرت دلائل سے خلق ورزق وغیرہ امور تکوینیہ میں تفویض کا باطل ہونا ثابت کیا ہے اور ہم نے بھی احسن الفوائد میں اس کی مکمل شرح کردی ہے۔ والحمد للہ

❸ مفید الفرقہ المحقہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ نے اپنی شرح اعتقادیہ شیخ صدوق موسوم بہ تصحیح الاعتقاد صفحہ ۲۱۸ طبع ایران مع اوائل المقالات پر اس نظریہ میں حضرت شیخ صدوقؒ کے ساتھ اتفاق کیا ہے۔ فراجع

❹ امین الاسلام الشیخ ابو الفضل الطبرسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۳۳ پر بذیل آیت: ھل من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء و الارض (پارہ ۲۲ سورہ فاطر ع ۱۲) ترجمہ: کیا خدا کے سوا کوئی اور خالق ہے جو آسمان اور زمین سے تمھیں روزی پہنچاتا ہے، لکھتے ہیں:

ھذا استفھام تقریر ھم و معناہ النفی لیروا بانہ لا خالق الا اللہ یرزق من السماء بالمطر و من الارض بالنبات و ھل یجوز اطلاق لفظ الخالق علی غیر اللہ سبحانہ فیہ و جھان احدھما انہ لا یطلق ھذہ اللفظۃ علی احد سواہ۔ (جلد ۲ صفحہ ۳۳)

یعنی یہ بظاہر استفہام ہے جس کے معنی نفی کے ہیں۔ (یعنی خدا کے سوا کوئی خالق نہیں ہے) تاکہ یہ لوگ اقرار کرلیں کہ خدا کے سوا کوئی خالق نہیں جو آسمانوں سے بارش برسا کر اور زمین سے انگوری اگا کر رزق پہنچاتا ہے۔ آیا غیر خدا پر لفظ خالق کا اطلاق کرنا جائز ہے یا نہ؟ اس میں دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی پر اس لفظ کا اطلاق جائز نہیں ہے۔

بعد ازیں مصنف علامؒ نے دوسری وجہ کا ذکر ہی نہیں فرمایا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہی پہلی وجہ قوی ہے۔

❺ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبیان جلد ۸ صفحہ ۴۱۲۔۴۱۳ پر مذکورہ بالا آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

تقدیرا لھم علی انه لا خالق غیر الله فی السموت و الارض لان ھذہ الصفة لا یطلق الا علی تعالی ھذا صحیح لانه لا احد یقدر ان یرزق غیرہ من السماء و الارض بالمطر و النبات و انواع الثمار۔

یعنی اس آیت مبارکہ میں استفہام انکاری کے پیرایہ میں دراصل اس بات کا اقرار ہے کہ زمین و آسمان میں خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں۔ اس صفاتی نام (خالق) کا اطلاق غیر خدا پر جائز نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کے علاوہ کوئی بھی اس بات پر قادر نہیں کہ آسمان سے بذریعہ بارش برسانے اور زمین سے انگوری اگانے کے رزق پہنچائے۔

اسی طرح تفسیر تبیان جلد ۵ صفحہ ۴۲۶ پر یہ لکھنے کے بعد کہ لغوی معنوں کے اعتبار سے ہم بھی ایک دوسرے کو رزق دیتے ہیں (عطاو بخشش کا مظاہرہ کرتے ہیں) الا انه لا یطلق اسم رازق الا علی الله۔ مگر خدا کے سوا اور کسی پر لفظ رازق کا اطلاق جائز نہیں ہے۔ (کذا فی مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۵۳۷)

❶ مروج الذہب حضرت علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ کا مفصل بیان حقیقت ترجمان قبل ازیں صفحہ ۱۵۲ اور مجمل کلام صفحہ ۹۱ پر پیش کیا جا چکا ہے۔ جس میں انھوں نے بڑی تفصیل جمیل کے ساتھ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ میں ہر قسم کی تفویض کو باطل قرار دیا ہے۔ سردست ان کے رسالہ لیلیہ مطبوع بر حاشیہ عقائد صدوق صفحہ ۸۷ طبع ایران سے ان کا کلام حق ترجمان پیش کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

ولا تعتقد انھم خلقوا العالم بامر الله فانا قد نھینا فی صحاح الاخبار عن القول به

یعنی یہ عقیدہ نہ رکھو کہ ائمہؑ نے خدا کے حکم سے عالم کو پیدا کیا ہے۔ کیونکہ صحیح اخبار میں اس عقیدہ کی ہمیں ممانعت کی گئی ہے۔

❷ محدث جلیل سید حبیب اللہ خوئی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۴ و ۳۶۵ پر سرکار علامہ مجلسیؒ کی فرمائشات درج کر کے حرف بحرف ان کی تائید مزید فرمائی ہے۔ فراجع۔

❸ محدث فاضل مولانا محمد صالح مازندرانی قدس سرہ شرح اصول کافی جلد ۶ صفحہ ۴۶ طبع ایران پر تفویض کے معانی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

للتفویض معان بعضھا باطل و بعضھا صحیح اما الباطل فھو تفویض الخلق و الایجاد و الرزق و الاحیاء و الاماتة الیه یدل علی ذلك ما روی عن الرضا قال اللھم من زعم انا

Scanned with CamScanner

ارباب فنحن عنه براء و من زعم ان الینا الخلق و علینا الرزق فنحن عند البراء۔

یعنی تفویض کے کئی معنی ہیں۔ جن میں سے بعض باطل ہیں اور بعض صحیح۔ باطل معنی یہ ہیں کہ خلق کرنے، رزق دینے، مارنے، جلانے کے کام آنحضرتؑ کے سپرد سمجھے جائیں۔ اس کے بطلان پر وہ روایت دلالت کرتی ہے جو حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا بارالہا جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم رب ہیں، ہم اس سے بیزار ہیں۔ اور جو شخص یہ گمان کرتا ہے کہ ہم پیدا کرتے یا رزق دیتے ہیں، ہم اس سے بھی بیزار ہیں۔

۹ الشیخ الکبیر الشیخ جعفر النجفی کاشف الغطا علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب کشف الغطا (صفحہ) میں مبحث اذان کے ضمن میں مفوضہ کی مذمت کرتے ہوئے ان کو مخلد فی النار ہونے کا مستوجب قرار دیا ہے۔ (کتاب پر عدد صفحات درج نہیں۔ فراجع)

۱۰ جناب علامہ مرزا ابوالحسن تنکابنی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب قصص العلماء طبع بمبئی کے صفحہ ۴۴ سے قریباً صفحہ ۵۶ تک مفوضہ کے نظریات فاسدہ کی بڑے زور شور سے رد فرمائی ہے اور اس سلسلہ میں بالتصریح تفویض استقلالی اور غیر استقلالی کو باطل قرار دیا ہے، ان کے کلام سے صرف ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس کتاب کے صفحہ ۴۴ پر تحریر فرماتے ہیں:

اخبار بسیار از ائمه اطهار علیهم صلوات الملك الجبار ورود یافت که نسبت خلق و رزق را بائمه دادن موجب کفر و ضلالت است و ائمه ازاں منع فرموده اند و این گروه را مفوضه خلقیه می نامند و ایشان قائلند باینکه خدا وندعالم تفویض نمود خلق و رزق را با امام و حضرت صاحب الامر روحی فداه و عجل الله فرجه در توقیع نوشته که هر که بیکی از و اباء من چنیں نسبت دهد من و پدرانم ازو بیزاریم و عبارت آنجناب این است فانا و ابائی منه براء وعلامه مجلسی نیز مانند همه علماء این طائفه را تکفیر نموده اند و حقیقة هم ایں طائفه کافرند لیکن شیخ احمد را سخن این است که من قائل بتفویض نیستم بلکه می گویم خدا وند خلق کرده است و ائمه بمنزله ید می باشند و ظاهر اینکه این سخن محض تغییر عبارت باشد و اخبار عموم دارد این معنی و معنی اول را و اخبار هم بر خلاف آن

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

درود یافته باشد مطروح است علاوه اخبار احاد است و بر فرض متواتر بودن نیز با ضروری مذهب معارضه نمی تواند نمود۔

یعنی ائمہ اطہار علیہم السلام کے بہت سے اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خلق و رزق کی نسبت ائمہ اطہار کی طرف دینا باعث کفر و گمراہی ہے۔ ائمہ علیہم السلام نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔ اور اس گروہ کو مفوضہ خلقیہ کہا جاتا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ خدا نے خلق کرنے اور رزق دینے کا کام ائمہ علیہم السلام کے سپرد کر رکھا ہے۔ حضرت امام العصر عجل اللہ فرجہ اپنی توقیع مبارک میں فرماتے ہیں کہ جو شخص اس قسم کی کوئی نسبت میری یا میرے آباء و اجداد کی طرف دے، میں اور میرے آباء و اجداد اس سے بری و بیزار ہیں۔ سرکار علامہ مجلسیؒ نے بھی دوسرے علماء شیعہ کی طرح اس گروہ کو کافر قرار دیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ گروہ کافر ہے۔ مگر شیخ احمد احسائی یہ کہتا ہے کہ میں تفویض کا قائل نہیں ہوں، بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ پیدا خدا ہی کرتا ہے البتہ ائمہ علیہم السلام بمنزلہ دست قدرت ہیں۔ (یعنی آلہ خداوندی ہیں) ظاہر یہ ہے کہ یہ انداز گفتگو صرف لفظوں کا ہیر پھیر ہے اور جن روایات میں اس نظریہ کی ممانعت وارد ہوئی ہے وہ اس خیال کی بھی تردید کرتی ہیں۔ اگر کوئی روایت مذہب حق کے برخلاف وارد ہو تو وہ متروک تصور ہوگی۔ علاوہ بریں بوجہ خبر واحد ہونے کے ناقابل اعتبار ہے۔ اور اگر بالفرض وہ خبر متواتر بھی ہو تو بھی وہ ضروریات مذہب کا معارضہ و مقابلہ نہیں کر سکتی۔ (یعنی اس کے مطابق عقیدہ نہیں رکھا جا سکتا۔)

⓫ فاضل عریف جناب مولانا مرزا ابوالحسن شریف علیہ الرحمہ نے اپنی تالیف لطیف مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار و مشکوٰۃ الاسرار کے صفحہ ۶۷ و ۶۸ پر غلو و تفویض کے بارہ میں سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے سابقہ مفصل کلام کو نقل کر کے اس پر اظہار پسندیدگی فرمایا ہے۔ نیز اسی کے صفحہ ۶۵ پر ائمہ اطہارؑ کے حق میں افراط و تفریط کی مذمت اور اس کی تشریح کرنے کے بعد لکھا ہے:

و تامل فیما ذکرناہ صادقا حتی تعرف ان الحق الذی علیہ محدثوا اصحابنا المحققین من المتقدمین و المتاخرین فی غیر ھذین الصنفین الافراط و التفریط بل ھو ان رب العالمین و خالق الخلائق و رازقھم اجمعین ھو اللہ وحدہ القدیم القادر الذی لا شریک لہ و لا شبیہ و ان رسولہ محمدا و الائمۃ الاثنا عشر من ولدہ عبید للہ مخلوقون مربوبون کسائر الخلق مکلفون بلوازم العبودیۃ من فعل الطاعات و ترک للنافی بلا احتمال النبوۃ فی الائمۃ و لا مدخلیۃ لھم و لا للنبی فیما ھو من علائق الالوھیۃ و خصائص المعبودیۃ۔

یعنی جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے اس میں صحیح غور و فکر کرنے سے تم پر یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جائے گی کہ وہ نظریہ حقہ جس پر ہمارے تمام متقدمین و متاخرین محدثین کرام کا اتفاق ہے وہ افراط و تفریط کے علاوہ ایک تیسرا درمیانہ نظریہ ہے اور وہ یہ ہے کہ رب العالمین اور خالق الخلائق اور تمام کائنات کا رازق خداوند عالم ہی ہے اور وہی قدیم و قادر ہے، جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی ہمسر و نظیر۔ اور جناب محمد مصطفیٰ اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام تمام کے تمام اللہ کے مخصوص بندے اور مخلوق و مربوب ہیں۔ اور تمام لوازم بندگی جیسے بجا آوری طاعات و ترک مناہی و معاصی پر مامور و مکلف ہیں۔ ائمہ علیہم السلام میں نبوت کا احتمال دینا بھی ممنوع ہے اور جو امور الوہیت سے متعلق ہیں اور معبود برحق کے خصائص میں شامل ہیں۔ ان میں جناب رسول خداؐ یا ائمہ ہدیٰ کو کوئی دخل نہیں ہے۔

⑫ عمدۃ الفقہاء والاصولیین جناب آقا سید اسماعیل النوری الطبری علیہ الرحمہ اپنی کتاب کفایۃ الموحدین فی عقائد الدین جلد ۱ صفحہ ۲۴۹ طبع ایران پر تفویض استقلالی کی رد کے بعد تفویض غیر استقلالی کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگر مراد صحت نسبت ایں امور است بایشان از بات مجاز یہ و آلیۃ و الاسباب یعنی محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم آلت از برائے فعل حق تعالیٰ می باشند مانند ارض و سما و شمس و قمر و ستار گان و ملائکہ چنانچہ فرمودہ است: و فی السماء رزقکم و ماتوعدون۔ یعنی اسباب رزق شما در آسمان است و چوں نسبت خلق بجناب اسرافیل و نسبت رزق بجات میکائیل و نسبت اماتت بجناب عزرائیل علیہ السلام و سائر ملائکہ از موکلین آب و باد و امثال آن پس می گوئیم کہ شان محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ اجل و ارفع ازاں است کہ این امور نسبت دادہ شود بایشاں زیراکہ این امور از قبیل فراشی و میر غضبی و آلتیہ است کہ شان خدام و چاکرین ایشان است و ہمہ ملائکہ و سائر خلائق خدام و عتبہ بوس در گاہ آن بزرگوار انند۔

یعنی اگر تفویض غیر استقلالی کے قائل حضرات کی مراد اس سے یہ ہے کہ بطور آلات و اسباب کے مجازاً ان امور (خلق و رزق وغیرہ) کی نسبت ان بزرگواروں کی طرف دینا جائز ہے یعنی سرکار محمدؐ

Scanned with CamScanner

آل محمد علیہم السلام فعل خدا کے آلات ہیں جس طرح زمین و آسمان اور شمس و قمر اور ملائکہ اس کے آلات و اسباب ہیں۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے: وفی السماء رزقکم الخ۔ تمہارا رزق اور جن باتوں کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ سب آسمان میں ہیں۔ یعنی تمہارے رزق کے اسباب آسمان میں ہیں۔ یا جیسے تخلیق کی نسبت اسرائیل اور رزق دینے کی نسبت میکائیل اور مارنے کی نسبت عزرائیل کی طرف ہے۔ یا جس طرح دیگر باد و باراں وغیرہ امور پر موکل شدہ فرشتوں کی طرف ان امور کی نسبت (مجازاً) دی جاتی ہے تو ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی شان اس سے کہیں اجل و ارفع ہے کہ یہ نوکروں اور چاکروں والے کام بنفس نفیس انجام دیں۔ کیونکہ فرشتے ہوں یا دوسری مخلوق، سب کے سب ان بزرگواروں کی بارگاہ عالی کے عتبہ بوس ہیں [1]

(۱۳) جناب مولانا آقا شیخ احمد کوزہ کنانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ہدایت الموحدین جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ طبع ایران پر توحید افعالی اور رد تفویض کے ضمن میں بیان فرمایا ہے کہ ایسی یک صد و پنجاہ آیات ان کی نظر سے گزری ہیں جن میں خلق (پیدا کرنے) کی نسبت خداوند عالم کی طرف دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ روایات کے بارہ میں فرماتے ہیں:

و اخبار علاوہ در اثبات صفت خلق و رزق بیشتر ازاں است کہ ایں مختصر را گنجائش عشری ازانہا داشتہ باشد۔

یعنی خلق و رزق کے مخصوص صفت ربوبی ہونے کے متعلق اس قدر احادیث وارد ہوئے ہیں کہ ان کے عشر عشیر کے درج کرنے کی بھی اس مختصر کتاب میں گنجائش نہیں ہے۔ پھر صفحہ ۱۰۲ پر بذیل عنوان بیان اعتقاد مفوضہ مفوضہ کے عقائد درج کر کے ان کا ابطال کیا ہے۔ فراجع

---

[1] بعض حلقوں کی طرف سے اس مقام پر بہت غوغہ آرائی کی گئی ہے کہ صاحب کفایہ الموحدین کی پوری عبارت نقل نہیں کی گئی۔ کیا یہ ضروری تھا کہ ہم ان کی پوری کتاب ہی یہاں نقل کر دیتے؟ جہاں تک ہمارے متعلقہ مسئلہ (رد تفویض آلی و استقلالی) کا تعلق ہے تو ہم نے ان کی وہ پوری عبارت پوری دیانت داری کے ساتھ نقل کر دی ہے۔ ہاں چونکہ بعد والی عبارت کا اس سے کوئی ربط و تعلق نہ تھا، اس لیے اسے نظر انداز کر دیا گیا۔ خصوصاً جبکہ ان کا وہ افادہ جدیدہ ہماری نظر میں صحیح بھی نہ تھا۔ مزید براں اب اس پر اسی باب کے آخر میں ان لوگوں کی روش پر تبصرہ کیا جائے گا جو ہماری اور دوسرے علماء کی عبارت کے ساتھ قطع برید کا وہ سلوک کرتے ہیں جو قصاب بکرے کے ساتھ بھی نہیں کرتا۔ بہرحال وہ مختار ہیں، انھیں کون روک سکتا ہے ع جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

⑫ جناب سید العلماء مولانا سید حسین بن حضرت غفرانمآب علیہما الرحمہ نے اپنی کتاب مستطاب حدیقہ سلطانیہ طبع لکھنو حصہ اول دوم اور سوم میں جا بجا دلیل و برہان سے نظریہ تفویض کا بطلان ظاہر فرمایا ہے۔ ہم بنظر اختصار ان کے کلام حق ترجمان سے ایک دو اقتباس پیش کرتے ہیں جلد ا صفحہ ۷۷ پر نظریہ تفویض کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حضرات و غیر حضرات از ممکنات نہ بر خلق جواھر و اجسام بذواتہم قدرت دارند و نہ تفو یض و اقدار از جانب جناب احدیت برخلق و رزق نسبت بایشان از روئے عقل و شرع ثابت می شود و از طرف خود امرے را تراشیدن و بے دلیل و برھان صفت حضرات قرار دادن روا نیست چہ جائے آنکہ خلاف آن اجماع قطعی و نصوص محکمہ ثابت باشد و بالفرض اگر روایتے شاذ یا خبرے از اخبار احاد موھم آن باشد چونکہ مجملات و متشابہات غیر مبنیہ بلکہ مطلق اخبار آحاد در اصول اعتقاد محل اعتماد نمی تواند بود۔ پس مطروح خواھد بود یا ماول لمعارضتہ بالمحکمات۔

یعنی (ائمہ اطہارؑ) یا غیر ائمہ نہ تو خود بخود اجسام وابدان کے پیدا کرنے پر قادر ہیں اور نہ ہی منجانب اللہ خلق ورزق کے بارے میں تفویض ثابت ہے نہ عقلاً اور نہ شرعاً۔ لہٰذا بلا دلیل وبرہان کسی امر کو اپنی طرف سے تراش کر ان حضراتؑ کی صفت قرار دینا جائز نہیں ہے، چہ جائیکہ اس کے برخلاف قطعی اجماع اور نصوص محکمہ موجود ہوں۔ اندریں حالات اگر کوئی شاذ روایت یا خبر واحد ایسی ہو جس سے اس تفویض کا وہم ہوتا ہو، تو چونکہ اخبار مجملہ و متشابہ بلکہ مطلق اخبار احاد اصول اعتقاد کے سلسلہ میں ناقابل اعتماد ہوتی ہیں۔ اس لیے اسے متروک تصور کیا جائے گا۔ یا اس کی کوئی مناسب تاویل کی جائے گی۔ کیونکہ وہ محکمات کے معارض ہے۔ پھر صفحہ ۷۹ پر احتجاج طبرسیؒ سے حضرت امام العصرؑ والی حدیث شریف (جو سابقاً بیان ہو چکی ہے جس میں آں جنابؑ نے ان امور کی نسبت ائمہؑ کی طرف دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔) درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

و ھو الحق الحقیق بالاتباع ۔ پس تفو یض خلق و رزق و تمام مصنوعات باطل است۔

اسی کتاب کے حصہ ثانیہ صفحہ ۱۱۳ پر سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو علت غائی ممکنات و باعث

Scanned with CamScanner

تخلیق کائنات ثابت کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فانهم المقصودون من خلق هذا العالم چه خلق عالم ایجاد بطفیل حضرات امجاد است کما صرحت به النصوص الکثیرة و اما اینکه حضرات موثر و موجد و مدبر ما فی العالم باشند پس اعتقاد آن کفر است مثل مفوضه که خلق و رزق و تدبیر عالم را بتفویض او تعالیٰ به محمد و علی بلکه سائر ائمه علیهم السلام راجع می دانند و کل ذلك کفر خواه حضرات را فاعل مستقل دانند و خواه فاعل خدا را دانند و اپشان بمنزله آلات قرار دهند۔

یعنی تمام عالم کی تخلیق سے مقصود اصلی یہی بزرگوار ہیں۔ کیونکہ عالم ایجاد کی خلقت ائمہ امجاد کے طفیل ہوئی ہے، جیسا کہ نصوص کثیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔ لیکن یہ اعتقاد کہ اس عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کے مدبر موثر اور موجد یہی بزرگوار ہیں، کفر ہے۔ جیسا کہ فرقہ مفوضہ کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے خلق و رزق اور تدبیر عالم کے کام جناب رسول خداؐ و علیؑ مرتضیٰ بلکہ تمام ائمہؑ کے سپرد کر دیے ہیں۔ یہ عقیدہ سراسر کفر ہے خواہ ان بزرگواروں کو ان امور کا مستقل فاعل تسلیم کیا جائے اور خواہ خدا کو فاعل حقیقی سمجھ کر ان کو بمنزلہ آلات و اسباب قرار دیا جائے۔

⑮ فاضل اجل حضرت مولانا السید ابوالقاسم الرضوی القمی علیہ الرحمہ اپنی کتاب معارف الملت الناجیہ والناریہ صفحہ ۶۱ و ۶۲ طبع لاہور پر فرقہ مفوضہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تفویض جمیع امور خداوندی بحضرت رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم و حضرت امیر و ائمه احد عشر صلوات الله علیهم می کنند چون تدویر دوران و تقسیم ارزاق و احیاء و اماتت خلق و تقدیم و تاخیر تکوین و تقدیر و انتظام عالم و غیر ذلك بدست ایشان است چنانچه خداوند بواسطه ملائکه می کند همچنیں اختیار کلی بایشان داده و می کنند بلے اگر تفویض امور شرعیات بایشان می گوئی دراں عیب نیست، اما اگر تفویض امور تکوین و تقدیر گوئی ایں باطل است اگرچه بصورت توکیل چوں ملائکه باشد۔

یعنی مفوضہ یہ کہتے ہیں کہ خدائی امور جناب رسول خدا و دیگر ائمہ ہدیٰؑ کے سپرد ہیں، اس لیے

Scanned with CamScanner

وہی حضرات نظام عالم کو چلاتے ہیں۔ وہی تقسیم رزق کرتے ہیں۔ وہی مارتے و جلاتے ہیں اور وہی امور تکوینیہ میں تقدیم و تاخیر کرتے ہیں جس طرح خدا ملائکہ کے توسط سے یہ کام انجام دیتا ہے (یہ لوگ یہ کہتے ہیں) کہ یہ تمام امور ائمہؑ کے سپرد ہیں، وہ ان کو انجام دیتے ہیں، ہاں اگر امور شرعیہ میں تفویض کا عقیدہ رکھا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اگر امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں تفویض کا نظریہ اختیار کیا جائے تو یہ سراسر باطل ہے اگرچہ یہ تفویض (غیر استقلالی ہو اور) بصورت توکیل ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ فرشتوں کے بارہ میں ہے۔

⑯ حضرت علامہ الشیخ محمد الحسین آل کاشف الغطا النجفی علیہ الرحمہ اصل واصول الشیعہ صفحہ ۷۷ طبع نجف پر لکھتے ہیں:

یجب علی العاقل بحکم عقله عند الامامیة تحصیل العلم و المعرفة بصانعه و الاعتقاد بوحدانیته فی الالوهیة و عدم شریك له فی الربوبیة و الیقین بانه هو المستقل بالخلق و الرزق و الموت و الحیوٰة و الایجاد و الاعدام بل لا موثر فی الوجود عندهم الا الله فمن اعتقد ان شیئاً من الرزق او الخلق او المَوت او الحیاة لغیر الله فهو کافر مشرك خارج عن الاسلام۔ الخ۔

یعنی شیعہ امامیہ کے نزدیک ہر عاقل پر عقلاً واجب ہے کہ اپنے خالق کی معرفت حاصل کرے اور یہ اعتقاد رکھے کہ وہ معبود برحق واحد و یگانہ ہے اور یہ کہ ربوبیت میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ نیز یہ یقین حاصل کرے کہ خلق کرنے، رزق دینے، مارنے و جلانے اور وجود دینے و معدوم کرنے میں وہی مستقل ہے بلکہ امامیہ کے نزدیک سوائے خدا کے اور کوئی موثر ہی نہیں ہے، پس جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ رزق یا خلق یا موت وحیوٰۃ کا معاملہ غیر خدا کے قبضہ میں ہے وہ کافر و مشرک ہے اور دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

⑰ سرکار آقائے سید علی التبریزیؒ و ⑱ سرکار آقائے الشیخ علی نہاوندیؒ و ⑲ سرکار آقائے الشیخ مرزا محمد حسین حاجی مرزا خلیل طہرانیؒ۔ ان بزرگواروں سے دریافت کیا جاتا ہے:

ما قولکم مدظلکم العالی؟ اعتقاد باینکه خدا قدرت خود را به نسبت خلق و رزق و شفا دادن بائمه علیهم السلام تفویض فرموده است صحیح است یا باطل؟

کیا یہ اعتقاد رکھنا کہ خداوند عالم نے ائمہ اطہارؑ کو پیدا کرنے، رزق دینے، اور بیمار کو شفا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

دینے کی قدرت تفویض کی ہے، صحیح ہے یا باطل؟

اول الذکر بزرگ جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

این اعتقاد غلط و فاسد است وصاحبش گمراہ است و خلاف مذہب امامیہ است زیراکہ اعتقاد این است کہ خود واجب الوجود رزاق و شفا دھندہ است تفویض مطلقاً باطل است ۔بلے ائمہ سلام اللہ علیہم و اسطہ فیض و شفیع ھستند ھر کسے کہ متوسل ائمہ اطہار علیہم السلام بودہ باشد نا امید از رحمت و مرحمت خدا نخواھد شد الخ دستخط (السید علی التبریزی النجفی)

یعنی یہ عقیدہ رکھنا غلط اور فاسد ہے اس کا معتقد گمراہ ہے اور یہ اعتقاد مذہب شیعہ امامیہ کے عقائد کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ رازق و خالق اور شفا دہندہ خود خداوند عالم ہے تفویض مطلقاً باطل ہے (خواہ استقلالی ہو اور خواہ غیر استقلالی) ہاں یہ بزرگوار واسطہ فیض اور ہمارے شفیع ہیں۔ جو شخص ان کے ساتھ توسل حاصل کرے وہ رحمت و لطف خداوندی سے محروم نہیں رہتا۔

ثانی الذکر بزرگ جواب میں تحریر فرماتے ہیں: باطل است۔

(دستخط) الراجی علی النہاوندی عفی اللہ عنہ ۔یعنی یہ عقیدہ باطل ہے۔ اور:

ثالث بالخیر جناب فرماتے ہیں:

آنہا را شفیع قرار دادن عیب ندارد و اما آنہا را وزیر و معطی دانستن غلط است۔

یعنی ان بزرگواروں کو شفیع و سفارشی سمجھنا درست ہے لیکن ان کو خدا کا وزیر یا (اس کی طرف سے) عطا کنندہ سمجھنا غلط ہے۔

(از رسالہ کشف الحال باجمال المقال صفحہ ۳۷و۳۸ مطبع عماد الاسلام لکھنؤ)

❹ جناب آقا سید علی بحر العلوم اپنی کتاب برہان قاطع جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ پر مفوضہ کے کفر کا فتویٰ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

ومن الکفر لانکار الضروری ان یدعی لعلی او احد الائمۃ علیہم السلام بعض اوصاف لا ینافی التوحید و ربوبیۃ الباری لکنہا غیر موجودۃ فیہ بضرورۃ الاسلام کقول جماعۃ ممن عاصرنا ھم و ممن سلف بانہ الخالق و المحیی او الممیت عموما باذن اللہ سبحانہ او

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بامدادہ فی ذلك و مشیتہ او تفویضہ ذلك الیہ۔

یعنی کفر کے منجملہ ان اقسام کے جو ضروریات دین کے انکار کرنے سے لازم آتے ہیں ایک قسم یہ بھی ہے کہ حضرت علیؑ یا دیگر ائمہ ہدیٰؑ میں سے کسی امامؑ میں بعض ایسے صفات ایسے تسلیم کیے جائیں جو اگرچہ توحید و ربوبیت خداوندی کے منافی تو نہ ہوں مگر بضرورۃ الاسلام وہ صفات ان بزرگواروں میں موجود نہ ہوں۔ جیسا کہ ہمارے بعض معاصرین (شیخ احمد احسائی کے تلامذہ سید کاظم رشتی وغیرہ) اور بعض گزشتہ لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ یہ بزرگوار باذن اللہ یا بامداد اللہ یا بمشیت اللہ یا بتفویض اللہ خالق یا رازق یا محیی یا ممیت ہیں۔

۲۱ جناب آقا سید حیدر الکاظم الحلی اپنے رسالہ کی فصل ثانی میں لکھتے ہیں:

(علی ما نقل عنہ) و اما القول بانہ تعالیٰ خلق محمدا و اھل بیتہ و جعلھم یعملون کل شی بامرہ و اذنہ فقول بما لم یعلم۔

یعنی یہ کہنا کہ خداوند عالم نے سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو پیدا کر کے اس قابل بنا دیا ہے کہ اب یہ بزرگوار سب کچھ (عالم تکوین میں) اس کے امر و اذن کے تحت کرتے رہتے ہیں۔ یہ ایسا قول ہے جس کا کوئی علم نہیں ہے۔ آخر کلام میں موجودہ دور کے دو مراجع تقلید علماء اعلام کے ارشادات درج کرتے ہیں:

۲۲ مرجع اکبر تقلید شیعیان جہان حضرت آقا سید محسن الحکیم الطباطبائی النجفیؒ تحریر فرماتے ہیں:

من المعلوم ان من یعتقد ذلك فھو ضال و منحرف عن الطریق السداد و ان من الواضح عند المسلمین ان ھذہ الصفات اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریك لہ فیھا و ما ورد فی الاخبار مما فیہ خلاف ذلك فمؤول او مطروح لانہ مخالف للکتاب و السنۃ و الادلۃ کازیات الامامیۃ الماخوذۃ من صاحب الرسالۃ الاکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فلا مجال للعمل بھا۔

یعنی یہ بات معلوم ہے کہ جو شخص ایسا اعتقاد رکھے وہ گمراہ ہے اور راہ راست سے منحرف ہے اور تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ بات واضح ہے کہ یہ صفات (خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) خدا کے ان خصوصی صفات میں سے ہیں کہ جن میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اگر کوئی ایسی روایت ہو جس میں کوئی ایسی بات موجود ہو تو اس کی مناسب تاویل کی جائے گی یا اس کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایسی روایات قرآن و سنت اور شیعہ امامیہ کے ان مسلمہ نظریات کے مخالف ہیں جو پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں، لہٰذا ان پر عمل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

دستخط (محسن الحکیم الطباطبائی الحکیم) اصل مخزن العلوم الجعفریہ ملتان میں محفوظ ہے۔

۴۰ آیۃ اللہ حضرت العلام الشیخ عبدالکریم الزنجانی الحنفیؒ اس سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم اولا واجب است بر ہر فرد مسلمان اینکہ اعتقاد یقینی کند بتوحید ذاتی خداوند متعال کہ مفاد (لا الہ الا اللہ) می باشد ایضا اعتقاد داشتہ باشد بتوحید صفاتی خداکہ مفاد (لا ھو الا ھو) می باشد و ایضا اعتقاد یقینی کند بتوحید افعالی ایزد متعال کہ مفاد (لا حول و لا قوۃ الا باللہ) می باشد (در نقل عبارت این جا سقط شدہ) پس لازم است اعتقاد مسلمانان جمیع آنچہ در قرآن شریف و سنت صحیحہ از پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ و الہ و سلم رسیدہ است ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ سب سے پہلے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خدا کی توحید ذاتی کا یقینی اعتقاد رکھے جو کہ (لا الہ الا اللہ) کا مفاد ہے۔ عقیدۂ توحید کے بعد خاتم انبیاء سرکار محمد مصطفےٰ ﷺ کی رسالت کا عقیدہ رکھے جو دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت ہے۔ اس کے بعد ائمہ معصومین علیہم السلام کی امامت حقہ کا اعتقاد رکھے۔ نماز کے تشہد میں وارد ہے (واشھد ان محمدا عبدہ و رسولہ) اس سے معلوم ہوتا ہے آنحضرت کا تمام سرمایۂ افتخار خدا کی عبودیت اور اس کی عطا کردہ رسالت میں منحصر ہے۔ لہٰذا خدائے معبود کی تمام صفات اور اس کے افعال اس کے مخلوق بندوں کے افعال و صفات سے جدا ہیں۔ پس تمام مسلمانوں پر لازم ہے کہ انہی امور کا اعتقاد رکھیں جو کہ قرآن شریف اور سنت صحیحہ میں پیغمبر اسلام ﷺ سے ثابت ہیں۔ (عبدالکریم زنجانی الحنفی)

(اصل ہمارے پاس محفوظ ہے۔)

۴۱ حضرت مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری تحریر فرماتے ہیں:

یوں تو برہان سے جب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خالق عالم ایک ہی ہے اور وہی قدیم ہے اس کے سوا سب چیزیں حادث ہیں، تو آپ سے آپ نتیجۃً یہ امر بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شئ کا خالق وہی ہے کیونکہ دوسرا کوئی قدیم ایسا نہیں ہے جس کی طرف اس فعل خلق و ایجاد کی نسبت کی جا سکے۔ وہی مبدا اول ہے وہ حکیم و قدیر اور علیم و خبیر ہے جس کی حکمتوں کے آثار عالم کے ہر ذرے سے نمودار ہیں۔ ہر جسم خواہ نباتی ہو یا حیوانی یا جمادات بلکہ ہر موجود خواہ جوہر ہو یا عرض بسیط ہو یا مرکب مرئی ہو یا غیر

Scanned with CamScanner

مریٔ اپنے اپنے آثار وافعال وقوی وحرکات والاشتمال علی الحکم العجیبۃ والصنائع الغریبۃ سے بآواز بلند پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمیں اس بے نیاز صناع یکتا نے بنایا ہے جس کی حکمت کا اندازہ اور جس کے کمالات کی تقدیر ذہن بشری سے باہر ہے۔

(توحید القرآن از مولانا سید محمد ہارون صاحب زنگی پوری)

۲۵ جناب آقائے محسنی مدظلہ نے اپنی کتاب صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۴۳۳ و ۴۳۴ پر تفویض کے عقیدہ باطلہ کا ابطال کرتے ہوئے دلائل عقلیہ و نقلیہ کے ساتھ خلق ورزق وغیرہ امور تکوینیہ کی نسبت غیر خدا کی طرف دینے کو ممنوع ثابت کر کے تفویض استقلالی و آلی کو مقطوع العدم قرار دیا ہے۔ فراجع

۲۶ مجاہد کبیر وفاضل جلیل علامہ سید ابوالفضل برقعی مدظلہ نے اپنی کتاب مُستطاب عقل و دین جلد ا صفحہ ۳۴۷ سے لے کر صفحہ ۳۵۰ تک ہماری محل نزاع تفویض کا دلائل قاطعہ سے ابطال فرمایا ہے صفحہ ۳۴۸ پر بذیل عنوان اشکال وجواب، جو کچھ تحریر فرمایا ہے اسے افادہ عمومی کی غرض سے یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

اگر کسے بگوید ہماں طور یکہ عزرائیل مامور قبض ارواح و اسرافیل مامور دمیدن روح و جبرئیل مامور رسانیدن وحی است ممکن است محمد و آل او مامور تقسیم ارزاق و تدبیر جہاں باشند جواب گوئیم ــ اولاً دلیلے براین مدعا نیست و چیز یکہ دلیل باشد از شرع نرسیدہ ــ ثانیاً تمام دعا ھا و آیات قرآن و اخبار این مدعا کارھا و تدبیر امور را بخدا نسبت دادہ مانند ھو ربی و ربکم و مانند یا مکون کل شی و محولہ در دعائے جوشن کبیر است و مانند سائر آیات و روایاتے کہ در توحید افعالی حق بیان کردیم ــ خداوند بہ پیغمبر میفرماید و ما جعلناك علیھم حفیظا ــ یعنی ما تو را حافظ ایشان قرار ندادیم ــ پس او حافظ کسے نیست چہ برسد براینکہ خالق و رازق باشد برائے تمام جہان ــ ثالثاً ملائکہ فاعل مسخر ند و برائے ھر کارے خلق شدہ اند بہمان کار مشغولند و تقریبا اختیارے از خود ندارند و لے آل محمد فاعل بالقدرۃ و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

الاختیار اند و فعل فاعل بالاختیار مستند بخود اوست نه مستند بذات حق ۔ رابعاً اگر مقصود این است که آل محمد بمدد خداوند متصدی امور ند خداوند احتیاج بمدد ندارد باضافه قیومیت جہان از ممکن الوجود ساختہ نیست و احاطہ بکل شی از صفات اختصاصی بواجب الوجود است و بمدد دادن الہی درست نمی شود ۔ خامساً اخبار بسیارے بخصوص بر رد این نظر یہ وارد شدہ ۔ چنانچہ ۔۔۔ ۔۔ چنانچہ (بعد ازاں شمہ از آں اخبار ذکر فرمادہ کہ سابقا آنہا را بیان نمودیم) (ناقل)

یعنی اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جس طرح عزرائیل روحیں قبض کرنے، اسرافیل روح پھونکنے اور جبرائیل وحی پہنچانے پر مامور و مقرر ہیں، ممکن ہے اسی طرح سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام بھی رزق تقسیم کرنے اور نظام عالم چلانے پر مامور ہیں؟ تو ہم جواب میں کہیں گے کہ یہ اشکال بچند وجہ مندفع ہے۔

اولاً اس دعویٰ کی صحت پر شریعت مقدسہ کی جانب سے کوئی ایسی چیز نہیں مل سکی جسے دلیل کہا جاسکے۔ (لہٰذا دعویٰ بوجہ عدم دلیل باطل ہے)

ثانیاً تمام آیات و روایات اس دعویٰ کے خلاف خلق و رزق وغیرہ امور تکوینیہ کو خدا کی طرف منسوب کر رہی ہیں۔ جیسے قرآن میں جناب رسول خداؐ کا یہ قول موجود ہے کہ خدا ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے یا جیسے دعائے جوشن کبیر میں وارد ہے: اے ہر چیز کو پیدا کرنے اور اٹھنے بیٹھنے والے خدا۔ اسی طرح وہ سب آیات و روایات اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں جو ہم توحید افعالی میں ذکر کر چکے ہیں۔ جیسے ارشاد ہوا ہے اے رسولؐ ہم نے تمہیں لوگوں کا نگہبان نہیں بنایا۔ ظاہر ہے کہ جب آنحضرتؐ لوگوں کے حافظ و نگہبان نہیں ہیں تو پھر سارے جہان کے خالق و رازق کس طرح ہو سکتے ہیں؟

ثالثاً ملائکہ فاعل مسخر ہیں اور جس کام کی انجام دہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اسی کی انجام دہی میں مشغول ہیں اور قریباً قریباً از خود کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ برخلاف ان کے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام فاعل مختار ہیں۔ ظاہر ہے کہ فاعل مختار کا فعل خود اسی کی طرف منسوب ہوگا، نہ خدا کی طرف۔ (لہٰذا بوجہ قیاس مع الفارق ہونے کے یہ اشکال باطل ہے۔)

Scanned with CamScanner

رابعاً اگر مقصد یہ ہے کہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام اللہ کی مدد سے یہ کام کرتے ہیں تو خدا کو مدد دینے کی ضرورت ہی کیا ہے (جبکہ خود یہ کام انجام دے سکتا ہے) علاوہ بریں کائنات کا نظام چلانا کسی ممکن الوجود کے لیے ممکن ہی نہیں ہے اور ہر چیز کا احاطہ کرنا پروردگار عالم کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور خدا کی مدد سے بھی یہ (ناممکن) درست (وممکن) نہیں ہو سکتا۔

خامساً بالخصوص اس نظریہ کی رد میں بہت سے روایات وارد ہوئے ہیں۔ (جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظریہ باطل ہے پھر ان اخبار و آثار کا ایک شمہ پیش کیا ہے، جو ہم قبل ازیں پیش کر چکے ہیں۔ فراجع)

نیز اسی مرد مجاہد نے اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۲ پر لکھا ہے:

مولف گوید از آیات و روایات گزشتہ و ہزاراں آیت و خبر دیگر محقق و مسلم مے شود کہ تدبیر عالم و امور رزق و شفا و خلق و موت و امثال اینہا باخداوند یکتا است و کسے در افعال او شریك و معاون و وزیر و مدبر نیست۔

یعنی سابقہ آیات و روایات اور ہزارہا آیات و اخبار سے یہ امر پایۂ ثبوت تک پہنچ چکا ہے کہ عالم کا انتظام کرنا، رزق اور شفا دینا، نیز پیدا کرنا اور مارنا یا اس قسم کے (دوسرے تکوینی) کام خدائے یگانہ کی ذات سے متعلق ہیں ان افعال میں کوئی اس کا شریک و مددگار اور وزیر یا مدبر نہیں ہے۔

نیز یہی عالم خبیر اپنے رسالہ درسے از ولایت صفحہ ۳۳ پر تفویض استقلالی و آلی ہر دو کو باطل قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

پس فرق نمی کند چہ مستقلا ائمہ را خالق و مدبر جہان بدانند و چہ باذن و مدد خدا آنانرا خالق و مدبر بدانند در ہر دو صورت شرك است۔

یعنی اس میں کوئی فرق نہیں کہ ائمہ علیہم السلام کو مستقل خالق اور منتظم عالم سمجھا جائے یا خدا کے اذن اور اس کی مدد سے ان کو خالق اور جہان کا انتظام کرنے والا قرار دیا جائے۔ بہرحال شرک ہے۔

اولئك الذين
هداهم الله
فبهداهم
اقتده

○

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بطلان تفویض عقل سلیم کی روشنی میں

عقل و عقلاء کا اتفاق ہے کہ جو خود جسم ہو وہ جسم کا موجد و مبدع نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح وہ رزق کو بھی عدم سے وجود میں نہیں لاسکتا۔ اور چونکہ خدا کے علاوہ باقی سب اشیاء جسم رکھتی ہیں اس لیے خدا کے سوا اور کوئی شئ حقیقی معنوں کے اعتبار سے خالق و رازق نہیں ہوسکتی۔

اسی عقلی دلیل کی بنا پر حضرت امام العصرؑ نے خلق و رزق کو ذات ایزدی میں منحصر قرار دیا ہے کہ وہ نہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی جسم میں حلول کرتا ہے۔

ان اللہ خلق الاجسام و قسم الارزاق لانہ لیس بجسم و لا حال فی جسم لیس کمثلہ شئ۔ (احتجاج صفحہ ۲۶۴)

اس کلام کا مطلب خیز ترجمہ صاحب حقائق الوسائط نے صفحہ ۱۵۶ پر یہ کیا ہے:

یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے اجسام کو پیدا کیا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہوسکتا ہے کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے کیونکہ جو خود جسم ہوگا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اسی کا کام ہے۔ ظاہر ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اجسام مبارکہ رکھتے ہیں، لہٰذا اس عقلی کلیہ کے مطابق خالق و رازق نہیں ہوسکتے۔ لہٰذا چونکہ ان امور کا تعلق عہدۂ ربوبیت سے ہے اس لیے وہی یہ کام انجام دیتا ہے۔

ھوالذی خلقکم ثم رزقکم ثم احیاکم ثم امانکم ثم الیہ ترجعون (پارہ سورہ)

اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکاء کم من یفعل من ذلکم من شئ (پارہ ۲۱ سورہ روم ع ۷)

خدا وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے روزی دی پھر وہی تم کو مار ڈالے گا پھر وہی تم کو زندہ کرے گا بھلا تمہارے (بنائے ہوئے خدا کے) شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

Scanned with CamScanner

ائمہ اجداد کے مقام و کام کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد

اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات و تنقیحات سے یہ امر بخوبی واضح و آشکار ہو جاتا ہے، تاہم یہاں قدرے اس کی مزید وضاحت کی جاتی ہے۔ اگرچہ ہادیان دین یعنی جناب پیغمبر اسلامؐ و ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کے صحیح مقام و منزلت کی تعیین باوجود خدا کی صفات مختصہ سے تنزیل کے بعد انسانی عقول و افہام کی دسترس سے بلند و بالا ہے۔ لا یقاس بال محمد احد من الناس۔ نہج البلاغہ۔

تاہم عام انسانی وسعت عقل و استعداد کے مطابق ان راہنمایان دین نے اپنے مقام و کام کے متعلق جو کچھ فرمایا ہے، انہی کے مستند و معتبر ارشادات و فرامین کی روشنی میں اس کا ایک جامع خلاصہ ذیل میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

۱. یہ بزرگوار سوائے نبوت اور اس کے خصائص کے دیگر فضائل و کمالات میں خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے ﷺ کے صحیح وارث و جانشین ہیں۔

۲. واضح ہے کہ آنحضرتؐ تمام سابقہ انبیاء و مرسلینؑ کے تمام علمی و عملی کمالات کے مع شئ زائد حامل ہیں اور اس جامعیت کی وجہ سے ان سب سے افضل و اشرف ہیں اور چونکہ یہ بزرگوار آنحضرتؐ کے کمالات و کرامات کے جامع ہیں، اس لیے سوائے سرکار ختمی مرتبتؐ کے دوسرے تمام انبیاء سے ان کا مقام بلند ہے اور علم و فضل، زہد و تقویٰ، عفت و عصمت، جود و سخاوت، شجاعت و شہامت غرضیکہ تمام امکانی صفات جلیلہ میں سرآمد روزگار و افتخار ہر نبی و ہر وصی و ہر شہریار ہیں۔

۳. چونکہ آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت صرف بنی نوع انسان تک ہی محدود نہیں بلکہ وہ پورے عالمین کے بشیر و نذیر ہیں اور ان کا وجود مسعود پورے عالم امکان کے لیے سراپا رحمت ہے اس لیے ان ذوات مقدسہ کی خلافت و امامت بھی کسی خاص قوم و قبیلہ یا کسی خاص زمان و مکان کی قید سے مقید نہیں ہے۔ بلکہ یہ بھی تمام عالمین کے لیے ہادی و راہنما اور تمام کائنات علوی و سفلی پر حجت خدا ہیں۔

۴. جس طرح آنحضرتؐ عصمت کبریٰ کے اجل و ارفع درجہ پر فائز ہیں، اسی طرح ان حضرات قدسی صفات کا دامن عصمت بھی از مہد تا لحد ہر قسم کے گناہانِ صغیرہ و کبیرہ کی عمدی و سہوی

Scanned with CamScanner

آلودگیوں سے منزہ ومبرا ہے۔

۵ چونکہ یہ بزرگوار پورے عالم امکان اور سارے جہان پر حجت خدائے رحمٰن ہیں، اس لیے وہ سب مخلوقات حتیٰ کہ چرند و پرند اور درند کی زبان بھی سمجھتے ہیں اور ہر زبان میں گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔

۶ اگرچہ ہمارے پاس کوئی ایسا آلہ و پیمانہ نہیں ہے جس سے ان کے علوم لدنیہ کا حدود اربعہ معلوم کیا جا سکے لیکن اس قدر مُسلّم ہے کہ حجت خدا کی پہچان یہی ہے کہ وہ کسی وقت، کسی جگہ، کسی سائل اور کسی موضوع کے متعلق سوال کے جواب میں یہ نہ کہے کہ مجھے اس کا جواب معلوم نہیں۔ الحجة من لا یقول لا ادری۔ خلاصہ یہ کہ ان کا علم خدا کے مقابلہ میں جزئی اور ہمارے مقابلہ میں کلی ہے۔

۷ جس طرح آنحضرتؐ کی ہر حالت، ہر جگہ، ہر زمانہ، ہر قول اور ہر امر میں ہر شخص پر اطاعت مُطلقہ واجب ہے، اسی طرح ہر حال، ہر جگہ، ہر زمان، ہر مکان اور ہر امر میں ہر شخص پر ان معصوم ہستیوں کی بھی اطاعت مُطلقہ واجب ہے۔ ان کی اطاعت خدا کی اطاعت اور ان کی نافرمانی خدا کی نافرمانی ہے اور دنیوی واخروی فوز وفلاح انہی کی اطاعت میں پوشیدہ ہے۔

فهم سفن النجاة و مصابيح الدجیٰ و اعلام التقیٰ الدعاة الی الله و الادلاء الی مرضاة الله و ائمة الهدی و السادة القادة صلوات الله علیهم اجمعین۔

۸ جس طرح آنحضرتؐ کی ہر شخص پر محبت واجب ولازم ہے اور اس کے بغیر کوئی آدمی مُسلمان نہیں کہلا سکتا ہے، اسی طرح ان ذوات عالیہ کی مودت ومحبت بھی اجر رسالت کے طور پر ہر مُسلمان پر واجب ولازم ہے۔ اس کے بغیر کم از کم کوئی شخص اہل ایمان نہیں کہلا سکتا اور ان کا دوست خدا کا دوست اور ان کا دشمن خدا کا دشمن ہے۔

۹ جس طرح آنحضرتؐ کی نبوت و رسالت کے اقرار کے بغیر کسی عامل کا کوئی عمل قبول نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ان مقربان بارگاہ کی امامت وولایت کے اقرار کے بغیر بھی کسی عمل کرنے والے کا کوئی عمل بارگاہ ربوبیت میں شرف قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ اور ان میں سے کسی ایک کا انکار سب کے انکار کے مترادف ہے۔

۱۰ یہ بزرگوار آنحضرتؐ کی طرح علت غائی ممکنات وباعث ایجاد کائنات ہیں۔ خدائے قادر و قیوم نے آسمان کا شامیانہ انہی کی خاطر لگایا اور زمین کا فرش انہی کے طفیل بچھایا ہے۔ الغرض خدا اگر ان کو پیدا نہ کرتا تو عالم امکان کے ایک ذرہ کو بھی خلعت وجود عنایت نہ کرتا۔

Scanned with CamScanner

اس لیے یہ بزرگوار خدا تک رسائی اور اپنی مشکل کشائی کرانے کا بہترین وسیلہ و ذریعہ ہیں۔

(۱۱) اس عالم میں خدا کے دو نظام رائج ہیں۔ ایک کا نام ہے نظام شریعت، دوسرے کا نام ہے نظام تکوین، مسائل حلال و حرام، احکام جائز و ناجائز اور دوسرے حقائق و معارف دین کا تعلق پہلے نظام سے ہے اور پیدا کرنے، روزی دینے، بیماروں کو شفا دینے، مارنے اور جلانے کا تعلق دوسرے نظام سے ہے۔

جہاں تک نظام شریعت کا تعلق ہے یہ ذوات قدسیہ اس کے سربراہ ہیں اور شرعی نقطہ نظر سے یہی ہمارے حاکم اعلیٰ اور بادشاہ ہیں، اگر دنیوی حکام جور کے پنجہ ظلم و استبداد سے آزاد ہوں اور مبسوط الید ہوں تو دینی معارف و حقائق اور مذہبی مسائل و احکام کا بیان اور ان کی نشر و اشاعت الغرض ہر کمی و زیادتی سے شریعت کی حفاظت و حراست کرنا اور دنیوی امور میں جو فرائض ایک عادل بادشاہ کے ہوتے ہیں جیسے مبنی بر انصاف عادلانہ حکومت کا قیام، اسلامی سرحدوں کی حفاظت، شرعی حدود و تعزیرات کا اجراء و انفاذ، غربا و یتامیٰ اور دیگر ہر قسم کے مستحقین کی دیکھ بھال کرنا اور ان تک ان کے حقوق کا پہنچانا ظالم و جابر کو ظلم و جور سے باز رکھتے ہوئے مظلوم کی دادرسی کرنا وغیرہا ان کے حقیقی فرائض و وظائف ہیں اور جہاں تک دوسرے نظام یعنی نظام تکوین (پیدا کرنے، رزق دینے، شفا دینے، اور مارنے و جلانے وغیرہ) کا تعلق ہے تو اس کا چلانا ان کے متعلق نہیں ہے۔ خدا نے ان کاموں کی انجام دہی ان کے سپرد نہیں فرمائی۔ نہ بصورت تفویض نہ بشکل توکیل نہ بلحاظ آلات و اسباب اور نہ باعتبار فرشتوں پر ناظر و نگران ہونے کے، بلکہ یہ سب کام خود خدائے رحمٰن و علام بذریعہ ملائکہ کرام انجام دیتا ہے۔ کل یوم ھو فی شان۔

ہاں یہ ضرور ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام اس نظام سے بھی بالکل الگ تھلگ اور غیر متعلق نہیں ہیں بلکہ اس نظام میں ان کا منصب و مقام ہماری شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ وہ بارگاہ قدرت میں ہماری شفاعت کرتے ہیں تو خدا بے اولادوں کی گودیں نعمت اولاد سے بھر دیتا ہے۔ وہ سفارش کرتے ہیں تو خدا بے مال وزر کو دولت مال و منال سے مالا مال کر دیتا ہے۔ یہ ایسے مقرب بارگاہ ہیں کہ خدا ان کی شفاعت و سفارش کو مسترد نہیں فرماتا۔ و لکن لا یشفعون الا لمن ارتضیٰ و ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ۔

اس دسویں امر کے علاوہ سابقہ و لاحقہ دلائل و براہین کے جن اخبار و آثار سے تائید مزید ہوتی ہے وہ درج ذیل ہے۔ (یہاں امام زمانہؑ والی توقیع مبارک ان اللہ خلق الاجسام و قسم الارزاق۔

Scanned with CamScanner

جو اسی باب میں قبل ازیں دو مرتبہ پیش کی جا چکی ہے، خصوصاً ملحوظ رہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں کہ سفارش ہم کرتے ہیں پیدا خدا کرتا ہے اور سفارش ہم کرتے ہیں رزق خدا دیتا ہے۔ ف)

❶ جناب سدیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک گروہ یہ گمان کرتا ہے کہ آپؑ خدا ہیں۔ امام علیہ السلام نے یہ سن کر ایسے لوگوں سے برائت و بیزاری ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا:

یا سدیر سمعی و بصری و شعری و بشری و لحمی و دمی من هولاء براء بری الله عنهم ورسوله ف۔

اے سدیر میرے کان، آنکھ، بال، جلد، گوشت و پوست اور میرا خون ان لوگوں سے بیزار ہے خدا و رسول ان سے بیزار ہوں۔

سدیر کہتے ہیں میں نے عرض کیا: فما انتم جعلت فداك میں آپ پر قربان ہوں پھر آخر آپؑ کیا ہیں؟

قال خزان علم الله و تراجمة وحی الله ونحن قوم معصومون امرنا الله بطاعتنا و نهی عن معصیتنا نحن الحجة البالغة علی من دون السماء و فوق الارض۔

فرمایا ہم علم خدا کے خزانہ بردار، اس کی وحی و تنزیل کے ترجمان، ہم وہ معصوم ہیں جن کی اطاعت کا خدا نے حکم دیا ہے اور نافرمانی کی ممانعت کی ہے اور ہم آسمان و زمین والی مخلوق پر حجت خدا ہیں۔ (رجال کشی صفحہ ۱۹۷ کذا فی البحار جلد ۷ صفحہ ۳۴۹)

❷ حضرت امیر المومنینؑ وظائف امامؑ کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

انه لیس علی الامام الا ما حمل من امر ربه الا البلاغ فی الموعظة و الاجتهاد فی النصیحة والاحیاء للسنة و اقامة الحدود علی مستحقیها و اصدار السهمان علی اهلها۔

(نہج البلاغہ جلد اول صفحہ ۲۹۸ ترجمہ مفتی صاحب)

امام کا فرض تو بس یہ ہے کہ جو کام اسے اپنے پروردگار کی طرف سے سپرد ہوا ہے (اسے انجام دے) اور وہ یہ ہے کہ پند و نصیحت کی باتیں ان تک پہنچائے، سمجھانے بجھانے میں پوری پوری کوشش کرے۔ سنت کو زندہ رکھے۔ اور جن پر حد لگنا ہے ان پر حد جاری کرے اور مستحقین تک ان کا حصہ پہنچائے۔

❸ اس سلسلہ میں سرکار ملا محسن فیض کاشانی علم الیقین صفحہ ۹۶ پر تحریر فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

و الوصی هو الحجة بعد ذلك النبی و الامام الناطق بتاویل الکتاب الصامت یحفظ الشریعة و یقیم الحدود و یسد الثغور و یقصر ید الظالم عن المظلوم۔

نبی کے بعد حجت خدا امام ہوتا ہے جس کا کام یہ ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کی صحیح تاویل کرے۔ شریعت مقدسہ کی حفاظت کرے، حدود وتعزیرات شرعیہ جاری فرمائے۔ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرے اور ظالم کو ظلم سے باز رکھے۔

❹ بعض آثار میں وارد ہے:

فالولایة هی حفظ الثغور و تدبیر الامور و تعدید الایام و الشهور (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۰۶)

یعنی ولایت کیا ہے؟ سرحدوں کی حفاظت کرنا، رعایا کے امور کی دیکھ بھال کرنا اور ماہ ویوم کا شمار وحساب کرنا۔

❺ صاحب رسالہ "صراط النجات" صفحہ ۷۹ طبع ایران پر امامت کی امور دین ودنیا میں ریاست عامہ کے ساتھ تعریف کرنے کے بعد امور دینیہ اور امور دنیویہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و معنائے ریاست در امور دینیه این است که احکام الهیه را از تغییر و تبدیل حفظ نماید و باجراء و انفاذ آن ها پرداز و ریاست در امور دنیویه عبارت است از حفظ ثغور و تامین بلاد و نگاهداری اشرار و احذ حقوق مظلومین از ظالمین و فصل القضاء بین التخاصمین و رفع الخلاف بین المتنازعین و اجراء حدود شرعیه و فراهم آوردن آنچه امور نوع مسلمین باو موقوف است۔

یعنی امور دینیہ میں ریاست عامہ سے یہ مراد ہے کہ احکام الٰہیہ کی تغیر و تبدل سے حفاظت کرے اور ان کو جاری وساری فرمائے اور دنیوی امور میں ریاست عامہ سے مراد ہے اسلامی سرحدوں اور دیگر تمام شہروں کی حفاظت وحراست کرنا، شریر لوگوں پر کڑی نگاہ رکھنا۔ نیز ظالموں سے مظلوموں کے حقوق واپس دلوا کر ان کی دادرسی کرنا۔ جھگڑا کرنے والوں کے درمیان صحیح فیصلہ کرنا۔ باہمی تنازعات کو رفع کرنا، حدود شرعیہ کا جاری کرنا اور ان تمام امور کا بجالانا جن سے مسلمانوں کی فلاح و بہبود وابستہ ہے۔

ان حقائق سے واضح ہوگیا کہ تعریف امامت میں وارد شدہ لفظ ریاست عامہ دینی ودنیوی سے ان حضرات کے خالق ورازق ہونے پر استدلال کرنا بالکل غلط ہے۔

Scanned with CamScanner

ایمان کے مختلف مدارج و مراتب ہیں

ہمیں اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ایمان کے مختلف مدارج و مراتب ہیں، جیسا کہ ہم دیباچہ میں بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ ایمان گھٹتا بڑھتا بھی رہتا ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے کہ مقام و کام ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں جو کچھ لکھا گیا ہے یہ صرف بعض علمائے اسلام کے اپنے دماغ کی اختراع ہے اور وہ اپنے درجہ ایمان کو دوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ بعض رسالوں میں یہ اتہام عائد کیا گیا ہے، حاشا و کلا۔

ہمارے سابقہ بیانات و استدلالات پر اجمالی نظر ڈالنے سے اس افترا پردازی کا بالکل پردہ چاک ہو جاتا ہے اور یہ حقیقت آنکھوں کے سامنے مجسم ہو کر جلوہ گر ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے اور ان بزرگواروں کے جو جو حدود و مراتب اور فرائض و مناصب بیان کیے گئے ہیں۔ یہ خود خدائے حکیم، جناب رسول کریمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے بیان و مقرر کردہ ہیں اور انہی کی تعلیمات کی روشنی میں ہمارے تمام علمائے اعلام متقدمین ہوں یا متاخرین سب نے انہی عقائد حقہ ایمانیہ کو ایمان کا معیار و میزان قرار دیا ہے۔ ومن یتعد حدود اللہ فاولئك هم الظالمون۔

افراط و تفریط کے مابین درمیانی عقیدہ

ارباب عقل و معرفت کے لیے یہ بات محتاج دلیل نہیں اسلام میں افراط و تفریط مذموم اور اقتصاد و درمیانہ روی ہر عقیدہ و عمل میں ہر مومن متدین پر لازم ہے کہ آیات قرآن اور اخبار اہل بیت علیہم السلام کے سمندر بے پایاں میں شناوری سے یہ معلوم کرے کہ ہر ہر موضوع و مسئلہ میں افراط و تفریط کے مابین درمیانی صحیح عقیدہ کیا ہے؟

ہم نے اپنی سب کتابوں میں مقدور بھر یہی کوشش کی ہے کہ قرآن اور سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کے بیان کردہ حقائق و معارف کے بحر بے کراں میں شناوری کر کے ہر موضوع کے متعلق افراط و تفریط سے دامن بچا کر جو صحیح درمیانی عقیدہ ہے، اسے معلوم کیا ہے۔ اور پھر بلا کم و کاست افادۂ عمومی کی غرض سے اسے ابنائے قوم و ملت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اس سلسلہ میں دن کے سکون، رات کے آرام حتی کہ اپنی صحت تک کا خیال نہیں کیا۔ بایں ہمہ ع نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

ان اجری الا علی اللہ فان اللہ لا یضیع اجر المحسنین و جعلنا اللہ منهم بحق النبی و اله الطاهرین

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

یہ اس رب رحیم و کریم کا محض تفضّل و تلطف ہے جس نے سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں اپنے دین مبین کی درس و تدریس اور تقریر و تحریر کے ذریعہ کچھ خدمت کرنے کی توفیق و سعادت بخشی ہے ؎

منت منه که خدمت سلطان همی کنی
مت ازو شناس که بخدمت گزاشت

والحمد لله علی احسانه العمیم

اصول کافی (صفحہ ۲۲۹ طبع قدیم) اور ریاض الجنان میں (علی مانقل عنه) معمولی اختلاف الفاظ کے ساتھ بروایت محمد بن سنان حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ حدیث مروی ہے۔ محمد بن سنان بیان کرتے ہیں کہ:

کنت عند ابی جعفر علیه السلام فذکرت اختلاف الشیعة فقال ان الله لم یزل فردا متفردا فی الوحدانیة ثم خلق محمدا و علیا و فاطمة علیهم السلام فمکثوا الف دهر ثم خلق جمیع الاشیاء فاشهدهم خلقها و اجریٰ طاعتهم علیها و جعل فیهم ماشاء و فوض امر الاشیاء الیهم فی الامر و التصرف و الارشاد و الامر و النهی فی الخلق لانهم الولاة فلهم الامر و الولایة فی الهدایة فهم ابوابه ونوابه و حجابه یحللون ما شاء و یحرمون ما شاء و لا یفعلون الا ماشاء عباد مکرمون لا یسبقونه بالقول و هم بامره یعملون فهذه الدیانة التی من تقدمها غرق فی بحر الافراط و من تقصهم عن هذه المراتب التی رتبهم الله فیها زهق فی بر التفریط و لم یوف ال محمد حقهم فیما یجب علی المومن من معرفتهم ثم قال خذها یا محمد فانها من مخزون العلم و مکنونه۔

یعنی میں جناب امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے آپ سے (معرفت ائمہ کے متعلق) شیعوں کے اختلاف کا تذکرہ کیا (یہ سن کر امامؑ نے) فرمایا: خداوند عالم ذات وصفات میں ہر طرح واحد و یگانہ تھا (اور کوئی چیز موجود نہ تھی) پھر اس نے (اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے) جناب محمد مصطفیٰ، علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہراء علیہم السلام کو پیدا کیا۔ یہ بزرگوار پورا ایک ہزار دہر[1] (ریاض قدس میں) قیام پذیر رہے، پھر خدا نے (آفرینش عالم کی ابتداء کی اور)

[1] دہر زمان طویل کو کہا جاتا ہے اور ایک ہزار سال پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔
(منتہم بحار صفحہ ۳۶۳ مرآۃ الانوار صفحہ ۶۷) منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

دوسری اشیاء کو پیدا کیا، اور ان کی پیدائش پر ان کو گواہ بنایا، اور ان (اشیاء علوی وسفلی) پر ان (حضرات) کی اطاعت لازم قرار دی اور ان (بزرگواروں) میں جو چاہا (فضل وکمال ودیعت فرمایا اور حکم، تصرف، ارشاد اور امر ونہی، (غرضکہ تام دینی) امور ان کے سپرد فرمائے۔ کیونکہ یہی حضرات والیان امر ہیں یعنی رشد وہدایت (خلق) کے متعلق انہی کو حکومت و ولایت حاصل ہے اور یہی (ذوات مقدسہ) خدا (تک رسائی) حاصل کرنے کے دروازے (بندوں تک احکام شرعیہ پہنچانے میں) اس کے نائب اور (اس کی بارگاہ کے) حاجب و دربان ہیں (خالق ومخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں) یہ خدا کی مشیت و مرضی کے مطابق اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام کرتے ہیں۔ اور یہ از خود کوئی بھی کام نہیں کرتے۔ مگر وہی جو خدا چاہتا ہے۔ یہ خدا کے وہ مکرم ومحترم بندے ہیں جو کسی قول (یا فعل) میں اس سے سبقت نہیں لے جاتے، بلکہ اسی کے حکم کے مطابق عمل درآمد کرتے ہیں۔ (سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کی معرفت کے بارے میں) یہ ہے وہ صحیح دین ودیانت کہ جو اس سے آگے بڑھے گا (یعنی غلو وتفویض کا قائل ہوگا) وہ افراط کے سمندر میں غرق ہو جائے گا اور جو ان کو خدا کے ان عطا کردہ مراتب سے ہٹائے گا وہ دشت تفریط میں ہلاک ہو جائے گا اور ان کے اس حق کو ادا نہیں کرے گا جو ان کی معرفت کے متعلق مومن پر واجب ولازم ہے۔ پھر فرمایا اے محمدؐ اس دیانت کو لو (اور اسے محفوظ رکھو) کیونکہ یہ (آل محمدؐ کے) علم مخزون ومکنون (پوشیدہ) میں سے ہے۔ (ہفتم بحار صفحہ ۳۶۲ ومرآۃ الانوار صفحہ ۶۶ وغیرہ)

محدث جلیل ابوالحسن الشریف اس روایت شریفہ کو انہی الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اقول هذا الخبر من امهات جوامع احوال الائمة عليهم السلام بل هو معيار تميز الحق من الافراط والتفريط وقد ذكرناه على لفظ رياض الجنان لكونه ادل على المطلوب۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ائمہ اہل بیتؑ کے جامع حالات معلوم کرنے کی اہم اور بنیادی احادیث میں سے ہے بلکہ افراط وتفریط میں سے اصل صحیح وحق عقیدہ معلوم کرنے کا معیار ومیزان ہے۔ ہم نے اسے ریاض الجنان کے الفاظ کے مطابق نقل کیا ہے کیونکہ اس کی دلالت اصل مقصد پر زیادہ واضح ہے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۶۶) بالکل اسی نیک مقصد کے پیش نظر ہم نے بھی من وعن اسے یہاں پیش کر دیا ہے۔

ليهلك من هلك عن بينة ويحيى من حى عن بينة

Scanned with CamScanner

وضاحت:

اگرچہ خود اس حدیث شریف کے اندر اس امر کی وضاحت موجود ہے کہ اس میں وارد شدہ لفظ تفویض سے ارشاد اور امر و نہی وغیرہ دینی امور میں تصرف و تفویض مراد ہے۔ کما لا یخفیٰ۔ تاہم ممکن ہے کوئی کوتاہ اندیش سیاق و سباق سے آنکھیں بند کر کے صرف جملہ فوض امر الاشیاء الیھم پر جمود کر کے اس سے (تکوینی امور میں) تفویض باطل مراد لینے کی سعی نافرجام کرے۔ اس لیے ذیل میں دو علماء اعلام کا تائیدی کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاتا ہے۔

1. سرکار علامہ مجلسیؒ اسی فقرہ کی شرح میں فرماتے ہیں: من التحلیل و التحریم و العطاء و المنع لا۔ یعنی اس سے تحلیل و تحریم اور عطا و منع میں تفویض مراد ہے۔ (بحار صفحہ ۳۶۳) اور یہ قسم درست ہے۔ دوسرے اقسام کی پوری پوری وضاحت قبل ازیں کی جا چکی ہے۔
2. محدث خبیر ابوالحسن الشریف اسی فقرہ کے ذیل میں لکھتے ہیں: ای فیما ذکرہ علیہ السلام دون الخلق و الرزق و نحوھما کما سنذکرہ مفصلا۔ یعنی انہی (دینی) امور میں تفویض مراد ہے جن کا امامؑ نے (حدیث کے اندر) ذکر فرمایا ہے نہ کہ خلق و رزق وغیرہ (امور تکوینیہ) میں، جیسا کہ ہم عنقریب تفصیلاً بیان کریں گے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۶۷)

ان فی ذلک لبلاغا لقوم یعقلون

بعض شکوک و شبہات کا ازالہ

اس موضوع پر اب تک جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے اگرچہ قلب سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے شخص کے لیے اطمینان قلب کی دولت حاصل کرنے کے لیے کافی ہے مگر معوج المزاج اور منفی انداز فکر رکھنے والے حضرات کی مزید تسلی اور اتمام حجت کے لیے یہاں ان شکوک و اوہام کا ازالہ کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے جن کو بموجب و الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ۔ بالعموم بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کر کے سادہ لوح عوام اہل ایمان کو جادہ اعتدال سے ہٹانے اور صراط مستقیم سے بھٹکانے کی سعی نافرجام کرتے رہتے ہیں۔ شاید اس طرح خدائے کریم ان کو جادہ حق اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عنایت فرما دے۔ و ھو علی کل شی قدیر۔ مگر رشد و ہدایت کی لازوال دولت سے اپنا دامن مراد وہی لوگ پر کرتے ہیں جو حق و حقیقت کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خدائے قدوس کا وعدہ ہے: و الذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا و ان اللہ لمع المحسنین۔

Scanned with CamScanner

مخفی نہ رہے کہ ہم نے "احسن الفوائد فی شرح العقائد" میں غلو نواز حضرات کے پورے بارہ عدد شبہات کے مکمل تحقیقی جوابات پیش کر دیے ہیں، جو کہ اکثر و بیشتر ان ضعیف بلکہ وضعی احادیث پر مبنی ہیں جو ائمہ اہل بیتؑ کی طرف غلط طور پر منسوب ہیں۔ اور ہم نے دلائل و براہین کے تیز حربوں سے ان کا کچھ اس طرح قلع قمع کیا ہے کہ پھر کسی کو ان کی صحت پر قلم اٹھانے کی ہمت و جرأت نہیں ہو سکی۔ ؎

وکم قد رایتنا من فروع کثیرۃ تموت اذا لم تحیہن اصول

اب ہم ذیل میں ان شکوک و اوہام کا ازالہ کرتے ہیں جو بعد میں بعض کتب و رسائل میں پیش کیے گئے یا کیے جا سکتے ہیں۔ واللہ ولی التوفیق۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

خداوند عالم جو کام کرتا ہے وہ فرشتوں کے ذریعہ کرتا ہے۔ تو نظام کائنات کے کارندے ملائکہ ہیں۔ ملائکہ پر حاکم اعلیٰ و نگران حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام ہیں۔ یہ ملائکہ پر ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں۔ فرشتے ان کے حکم کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے۔ اور خدا ان پر حاکم اعلیٰ ہے۔ گویا کہ خدا اس کائنات کا بادشاہ ہے۔ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام اس کے وزیر اور فرشتے کارندے ہیں۔ اس لیے ان افعال کی نسبت جس طرح خدا کی طرف دینا صحیح ہے اسی طرح ان حضرات کی طرف دینا بھی درست ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ درست ہے کہ سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام نہ صرف ملائکہ بلکہ تمام کائنات سے افضل ہیں اور مع فرشتوں کے سارے عالم امکان کے مخدوم ہیں۔ مگر ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ یہ افضلیت و اشرافیت فضائل و کمالات علمیہ و عملیہ کی بنا پر ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس لیے فرشتوں سے افضل اور ان کے مخدوم ہیں کہ نظام عالم میں ان کی ڈیوٹیاں یہ تقسیم کرتے ہیں۔ یہ مطلب نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے اور نہ علماء اعلام میں سے کسی نے ایسا لکھا ہے۔ یہ بادشاہ و وزراء والی جو مثال دی گئی ہے یہ صرف ان لوگوں کی ذہنی اختراع ہے۔ اسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات کے سراسر خلاف ہے۔ ہم ذیل میں اس کے بطلان کی چند وجوہ پیش کرتے ہیں۔

وجہ اول:

ارشاد قدرت ہے: فلا تضربوا للہ الامثال۔ خدا کے لیے مثالیں نہ دیا کرو۔ کیونکہ اس کی شان تمہاری مثالوں سے کہیں اجل و ارفع ہے ع

Scanned with CamScanner

خاك بر من و تمثیل من

اسی طرح امام رضاؑ سے مروی ہے من شبه الخالق بالمخلوق فهو مشرك۔ جو خالق کو مخلوق سے تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔ (منہاج البراعہ جلد ۱۳ صفحہ ۱۹۲ بحوالہ کتاب التوحید)

وجہ دوم:

اس کا ارشاد ہے: یدبر الامر من السماء الی الارض (پارہ ۲۱ سورہ السجدہ ع ۱۴) وہ (خدا) آسمان سے لے کر زمین تک (تمام امور کی) تدبیر کرتا ہے۔ جب وہ خود تدبیر کرتا ہے اور فرشتوں کی حیثیت صرف آلات واسباب کی سی ہے جیسا کہ قبل ازیں اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے تو پھر اسے وزراء کی کیا ضرورت ہے؟

وجہ سوم:

وزیر وزر سے مشتق ہے۔ وزر کے معنی ہیں بوجھ۔ تو وزیر اسے کہا جاتا ہے جو کسی کا بوجھ ہلکا کرے۔ ظاہر ہے کہ وزیر کی ضرورت اسے ہوتی ہے جو کاروبار کی کثرت کی وجہ سے خود سارے کام انجام نہ دے سکے۔ لیکن جو خدا علی کل شئ قدیر ہونے کا مصداق ہو جس کا ارشاد ہو: ولا یئوده حفظهما اسے زمین وآسمان کی حفاظت تھکاتی نہیں ہے۔ اسے وزیر بنانے کی ضرورت کیا ہے؟ اور جب ضرورت نہیں تو اگر بلا ضرور مقرر کرے تو کیا یہ عبث کام نہ ہوگا؟ تعالی عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔ نیز وزیر کی ضرورت اسے دامنگیر ہوتی ہے جو ہر جگہ حاضر نہ ہو سکنے کی وجہ سے نظم ونسق خود نہ سنبھال سکے۔ لیکن جو خدا بکل شی محیط ہو اور علمی طور پر ہر جگہ حاضر وناظر ہو، اسے وزیر کی کیا احتیاج ہے؟

وجہ چہارم:

ائمہ اطہارؑ کے ادعیہ مبارکہ میں خدا کے وزیر کی نفی کی گئی ہے۔ مثلاً دعائے یستشیر میں وارد ہے: المدبر بلا وزیر ولا خلق من عباده یستشیر۔ خدا وہ ہے جو بلا وزیر معاملات کی تدبیر کرتا ہے اور اپنے بندوں میں سے کسی بندہ سے کوئی مشورہ نہیں لیتا۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۷۸ کذائی مہج الدعوات وزاد المعاد وغیرہا)

اسی طرح دعائے مبارکہ مشلول میں وارد ہے: ولا کان معه وزیر ولا اتخذ معه مشیرا ولا احتاج الی ظهیر۔ نہ خدا کا کوئی وزیر ہے اور نہ اس نے کوئی مشیر مقرر کیا ہے اور نہ ہی وہ کسی مددگار کا محتاج ہے۔ (مفاتیح صفحہ ۷۵، زاد المعاد، صحیفہ علویہ، مصباح وغیرہ)

Scanned with CamScanner

دعائے جوشن کبیر فصل ۷۹ میں وارد ہے: یا من لا شریك له ولا وزیر یا من لا شبیه له ولا نظیر لہٗ اے وہ ذات جس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ وزیر۔ نہ کوئی ہمسر ہے نہ نظیر۔ (مفاتیح صفحہ ۹۷)

وجہ پنجم:

متعدد احادیث معصومینؑ میں وارد ہے کہ خدا کا کوئی وزیر و مشیر اور معین و مددگار نہیں ہے۔

❶ جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

خلق الخلق علی غیر تمثیل ولا مشورة مشیر ولا معونة معین۔

خدا نے ساری مخلوق کو پیدا کیا بلا کسی (سابقہ) مثال کے اور بغیر کسی مشیر کے مشورہ کے اور مددگار کی مدد کے۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۶۰ طبع مصر)

❷ ایک اور خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

ولم یستعن علی خلقها باحد من خلقه۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۶)

خدا نے خلقت کائنات میں اپنی کسی مخلوق سے مدد حاصل نہیں کی۔

❸ ایک اور خطبہ عالیہ میں فرماتے ہیں:

ولا اعتورته فی تنفیذ الامور و تدبیر المخلوقین ملالة ولا فترة۔

(اسے وزیر و مشیر کی کیا ضرورت ہے جبکہ) اسے اپنے احکام کے نافذ کرنے اور مخلوق کی تدبیر کرنے میں کوئی ملال اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی ہے۔

❹ احتجاج طبرسی (صفحہ ۲۲۱ پر) امام رضاؑ سے مروی ہے، فرمایا:

یدبر اعلی الخلق من حیث یدبر اسفله و یدبر اوله من غیر عناء ولا کلفة ولا مسئونة ولا مسائة ولا نصب لہٗ۔

خدا وہ ہے جو بغیر کلفت و زحمت کے اور بغیر مشورہ و تھکاوٹ کے سب اعلیٰ و اسفل اور اول و آخر کی تدبیر کرتا ہے۔

وجہ ششم:

جہاں تک فرشتوں کی حرکت و سکون کا تعلق ہے تو قرآن و حدیث سے ثابت ہے کہ وہ اپنے پروردگار کے حکم کے تابع ہیں۔ ان کا قول قرآن مجید میں نقل کیا گیا ہے کہ: ما نتنزل الا بامر ربك۔ اے رسول ہم نہیں اترتے مگر تیرے پروردگار کے حکم سے۔

اسی طرح سورۃ القدر میں وارد ہے: تنزل الملائکة و الروح فیها باذن ربهم۔ لیلۃ القدر میں

Scanned with CamScanner

(عام) فرشتے اور روح اپنے پروردگار کے حکم سے (امام العصرؑ پر) نازل ہوتے ہیں۔

☆ خدا نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے کہ لا یسبقونہ بالقول و ھم بامرہ تعملون۔ وہ کسی قول و فعل میں اپنے خدا سے سبقت نہیں کرتے بلکہ وہ اسی کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

ہم نے تفصیل کے ساتھ اسی موضوع پر "احسن الفوائد" میں تبصرہ کر دیا ہے جن بعض روایات غیر مُعتبرہ (حدیث بساط وغیرہ) میں وارد ہے کہ کوئی فرشتہ بغیر اذن اہل بیتؑ اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرسکتا۔ یہ روایت بوجہ مخالفت قرآن و بوجہ معارضہ با دیگر اخبار مُعتبرہ نا قابل استدلال و تمسک ہے۔ تفصیل کے شائقین "احسن الفوائد" کی طرف رجوع کریں۔

وجہ ہفتم:

یہ جو کہا گیا ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ فرشتوں کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں یہ بات حقائق کے سراسر خلاف ہے۔ ایسی کوئی تصریح قرآن و حدیث میں موجود نہیں ہے بلکہ اسکی نفی پر دلائل کثیرہ موجود ہیں۔ ہم عنقریب تیسرے شُبہ کے جواب میں اس امر پر مزید تبصرہ کریں گے۔ انشاء اللہ۔

پس معلوم ہوا کہ یہ خیال محض عقل خام کی پیداوار ہے۔ قرآن اور اہل بیتؑ کے فرمان سے بجائے تائید کے الٹا اس کی پرزور تردید ہوتی ہے۔ فلا تغفل

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

قولہ تعالیٰ انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ و یوتون الزکوٰۃ و ھم راکعون۔

ولی صرف اللہ اور اس کا رسول اور اہل بیتؑ ہیں۔ یہ بصورت اخبار انشائیہ ہے۔ ہمیں حکم ہے کہ یہ اعتقاد رکھیں کہ بالذات ہمارا ولی اللہ ہے اور رسولؐ اور اہل بیتؑ ولی اللہ ہمارے حاکم اور مُتصرف ہیں۔ اور کوئی اولیاء اللہ ہونے کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ صحاح جوہری میں ہے: کل من ولی امر واحد فھو ولیہ۔ جو کسی دوسرے کے کام کا پورا اختیار رکھتا ہو وہ اس کا ولی کہلاتا ہے۔ لہٰذا خدا نے رسولؐ اور ائمہ علیہم السلام کو ولی کہا ہے، اور یہ ولی اللہ ہیں۔

ہم یہ سمجھنے سے معذور ہیں کہ اس قسم کی آیات کو ان حضرات کے دعویٰ کے ساتھ کیا ربط ہے۔ ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ باذن اللہ ہمارے خالق و رازق اور محیی و ممیت ہیں، یا فرشتوں کے اوپر نگران اعلیٰ ہیں یا خلق و رزق کے آلات و اسباب خداوندی ہیں۔ (علیٰ اختلاف الآراء) مگر یہ آیت مبارکہ پیش کر کے ثابت یہ کیا جا رہا ہے کہ خدا کے بعد ہمارے حاکم جناب رسول خداؐ اور ائمہ

Scanned with CamScanner

ہدیٰ ہیں۔ بھلا کون شیعہ اس کا منکر ہے؟ لیکن قابل غور وتدبر بات یہ ہے کہ جو شخص حاکم و بادشاہ ہو وہ خالق ورازق ومحی وممیت بھی ہوتا ہے؟ کیا عربی کی کسی کتاب لغت میں ولی کے معنی خالق و رازق یا محی و ممیت اور شافی بھی لکھے ہیں؟ ۔ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

بات صرف اس قدر ہے کہ لفظ ولی و مولیٰ لغت عرب میں چوبیس معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ (تفصیل کے لیے کتاب الغدیر جلد اول ملاحظہ ہو) ان سب سے زیادہ نمایاں دو معنے ہیں۔

① اولی بالتصرف یعنی حاکم ② دوست۔

چنانچہ اس آیت کے بارہ میں قدیم الایام سے شیعہ وسنی میں یہی متنازعہ فیہ مسئلہ چلا آ رہا ہے کہ آیا یہاں ولی بمعنی حاکم ہے یا بمعنی دوست۔ شیعہ اسے بمعنی اولی بالتصرف مراد لیتے ہیں اور سنی بمعنی دوست۔ اور یہی نزاع حدیث غدیر میں وارد شدہ لفظ مولیٰ میں بھی ہے۔ (من کنت مولاہ فعلی مولاہ) شیعہ ہمیشہ آیت مبارکہ: النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وغیرہ قرائن وشواہد داخلیہ وخارجیہ کی بنا پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ آیت جناب رسول خداؐ کی نبوت اور ائمہ اہل بیتِ رسولؐ کی امامت بلافصل پر دلالت کرتی ہے۔ یہ بزرگوار ہمارے دینی ودنیوی حاکم وبادشاہ ہیں۔ اور ہمارے مال و جان پر ہم سے زیادہ حق حکومت وتصرف رکھتے ہیں۔ ہم نے بھی اپنی کتاب اثبات الامامت میں اس موضوع پر سیر حاصل تبصرہ کر کے یہ حقائق ثابت کیے ہیں۔ لیکن اس امر کو ان بزرگواروں کے خالق ورازق وغیرہ ہونے کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ع

خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیے؟

انتباہ:

اگر خدا کو خالق و رازق اور محی و ممیت سمجھا جاتا ہے تو دوسری آیات وروایات کی بنا پر جن میں بالصراحت اس کو ان صفات جلیلہ کا حامل قرار دیا گیا ہے نہ کہ اس آیت کی بنا پر، تاکہ کوئی کوتاہ اندیش یہ خیال کرے کہ اگر مولیٰ کے معنی خالق ورازق نہیں تو پھر خدا بھی خالق ورازق نہیں رہے گا۔ (معاذ اللہ) لہٰذا ولی جو متصرف فی الامور ہے تو اس سے وہی تصرفات مراد ہیں جو ایک دینی حاکم و بادشاہ کر سکتا ہے۔ جن کی تفصیل ابھی اوپر ذیل عنوان ائمہ امجاد کے متعلق صحیح شیعی اعتقاد اقوال معصومینؑ کی روشنی میں بیان ہو چکی ہے۔ ولی کا معنی خالق ورازق وغیرہ کرنا کھلم کھلا قرآن کی تفسیر بالرائے ہے۔ یہ مفہوم نہ کسی آیت سے ثابت ہے اور نہ کسی صحیح السند روایت سے۔ اس سلسلہ میں کتاب محلی صفحہ ۴۰۲ سے جو ایک بے سروپا مرسل روایت پیش کی جاتی ہے کہ: ان اللہ وکل علی بن ابی

Scanned with CamScanner

طالب بحراسة اهل الارض و بحراسة اهل السماء (کہ خدا نے جناب امیر علیہ السلام کو اہل زمین و آسمان کی حفاظت کرنے کا وکیل و نگہبان مقرر کیا ہے) یہ ایک بلا سند طویل الذیل روایت کا ٹکڑا ہے جس کے حاشیہ پر خود مؤلف نے یہ کہہ کر اس کے ضعف کی طرف واضح اشارہ کر دیا ہے کہ حدیث غریب قطع نظر سند سے درایت کے نقطۂ نگاہ سے خود اس طویل روایت کے اندر اس کے وضعی ہونے کے آثار واضح و آشکار ہیں۔ جن کو تفصیلاً یہاں بیان کرنے کی گنجائش نہیں۔

علاوہ بریں کتاب محلی اور اس کے مؤلف ان ابی جمہور احسائی کا علماء اعلام کی نظر میں جو مقام ہے وہ ارباب اطلاع سے پوشیدہ نہیں۔ تفصیل کے شائقین "منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ" جلد ۱۳ صفحہ ۴۱۳ طبع جدید ملاحظہ کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں اور بنا بر تسلیم اس کا مطلب وہ نہیں جو لیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس کا صحیح مفہوم وہ ہے جو صاحب "طوالع الانوار" نے (صفحہ ۱۳۴ پر) بیان کیا ہے کہ آنجنابؑ کے یمن و برکت سے زمین و آسمان اور ان کے اہل کی بقاء و دوام وابستہ ہے۔

فان بوجود امام الزمان قامت الدنیا و ببقائه بقیت الدنیا و و بوجوده ثبتت الارض و السماء .....[1]

اور یہ مفہوم بالکل صحیح ہے اور یہی مطلب ہے جناب امیر المومنینؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کے محافظ کائنات ہونے کا۔ فتدبر فیه فانه لامریة فیه۔ ذیل میں چند معتبر تفاسیر کے اقتباسات پیش کرتے ہیں۔ جس سے جہاں ہمارے بیان کردہ مفہوم کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے وہاں ان لوگوں کے زعم کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔

★ شیخ الطائفہ تفسیر تبیان جلد ۶ صفحہ ۵۴۹ پر اس آیت مبارکہ کے ذیل میں لکھتے ہیں:

و اعلم ان هذه الأية من الادلة الواضحة على امامة امیرالمومنین (علیه السلام) بعد النبی بلا فصل و وجه الدلالة فیها انه قد ثبت ان الولی فی الأیة بمعنی الاولی و الاحق و ثبت ایضاً ان المعنی بقوله و الذین امنوا امیرالمومنین (علیه السلام) فاذا ثبت هذان الاصلان دل علی امامته [2]

جاننا چاہیے کہ یہ آیت حضرت امیر المومنینؑ کی بلا فصل امامت و خلافت کے دلائل واضحہ میں سے ہے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ یہ حقیقت ثابت ہے کہ یہاں ولی بمعنی اولیٰ و احق (زیادہ حقدار) ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ (والذین امنوا) کا مصداق حضرت امیر المومنینؑ ہیں۔ پس جب یہ دونوں باتیں ثابت ہو گئیں تو اس سے آنجنابؑ کی امامت بھی ثابت ہو گئی۔

Scanned with CamScanner

☆ علامہ طبرسیؒ تفسیر مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۳۳۵ پر اسی آیت کے ذیل میں رقمطراز ہیں:

و هذه الاية من اوضح الدلائل على صحة امامة على بعد النبى بلافصل و الوجه فيه انه اذا ثبت ان لفظة وليكم فى الاية تفيد من هو اولىٰ بتدابير اموركم و يجب طاعته عليكم و ثبت ان المراد بالذين أمنوا على ثبت النص عليه بالامامة و وضح۔

یعنی یہ آیت جناب رسول خداؐ کے بعد حضرت علیؑ کی خلافت بلافصل پر واضح ترین دلائل میں سے ہے۔ وجہ دلالت یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہے کہ الذین آمنوا سے مراد حضرت علی علیہ السلام ہیں، لہٰذا بعد ازیں حضرت علیؑ کی امامت پر واضح نص ثابت ہو جاتی ہے۔

مخفی نہ رہے کہ عبارت میں وارد شدہ لفظ تدبیر امور سے وہی امور مراد ہیں جن کی وضاحت کلام حضرت امیر المومنینؑ کی روشنی میں اوپر کی جا چکی ہے، نہ کہ خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ امور تکوینیہ۔ فلا تغفل

تفسیر صافی صفحہ ۱۲۷ پر اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے:

فى الكافى عن الصادق فى تفسير هذه الاية يعنى اولىٰ بكم اى احق بكم و بامركم من انفسكم و اموالكم الله و رسوله والذين آمنوا يعنى عليا و اولاده الائمة الى يوم القيامة۔

یعنی اصول کافی میں حضرت صادق آل محمد علیہ السلام سے اس آیت کی تفسیر میں یوں مروی ہے کہ تمہاری جان و مال کا تم سے زیادہ حقدار تصرف اللہ اور اس کا رسولؐ اور مخصوص صاحبان ایمان یعنی حضرت علیؑ اور ان کی اولاد میں سے قیامت تک ہونے والے گیارہ ائمہ طاہرین علیہم السلام ہیں۔ پس ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ اس آیت مبارکہ کو تفویض کے عقیدۂ فاسدہ کے ساتھ قطعاً کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ و هو المراد۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

اصول کافی و احتجاج میں ہے:

فقال ان الله اجل و اعظم من ان يتولى ذلك بنفسه و فعل رسله و ملائكته فعله لانهم بامره يعملون فاصطفى من الملائكة رسلا و من الناس فمن كان من اهل الطاعة تولت قبض روحه ملائكة الرحمة و من كان من اهل المعصية تولت قبض روحه ملائكة النقمة و لملك الموت اعوان لا ـــــ و ان فعل امنائه فعله ـــــ

خدائے پاک اس سے برتر و منزہ ہے کہ ان امور میں خود تصرف فرمائے اور خود انجام دے۔

Scanned with CamScanner

اس کے قاصدوں، پیغمبروں اور اس کے فرشتوں کا فعل دراصل اسی کا فعل ہوتا ہے کیونکہ وہ سب اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان فرشتوں اور انسانوں میں سے رسولؑ اور سفیر چن لیے ہیں۔ پس جو بندہ مومن ہو اس کی روح ملائکہ رحمت قبض کرتے ہیں اور جو گنہگار ہو اس کی ملائکہ عذاب قبض کرتے ہیں اور ملک الموت کے بہت سے فرشتے مددگار و معاون ہیں۔

و اجری فعل بعض الاشیاء علی ایدی بعض من اصطفاہ من امنائہ و کان فعلھم فعلہ و امرھم امرہ کما قال من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (احتجاج)

اور اپنے امناء میں سے جس کو مصطفےٰ کیا اس کے ہاتھوں پر بعض اشیاء کے فعل (خلق) کو جاری کر دیا۔ امناء اللہ کا فعل خدا کا فعل ہے۔ امناء اللہ کا امر خدا کا امر ہے، جیسا کہ اللہ عزوجل نے فرمایا ہے جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے یقیناً خدا کی اطاعت کی۔

قال علیہ السلام الذی بہ تنزل الملائکۃ فی اللیلۃ التی یفرق فیھا کل امر حکیم من خلق و رزق و اجل و عمل و عمر و حیوۃ و موت و علم غیب السموت و الارض و المعجزات التی لا تنبغی الا للہ و اصفیائہ و السفرۃ بینہ و بین خلقہ۔ (احتجاج)

جناب علی علیہ السلام نے فرمایا وہ جن کو ملائکہ لے کر مبارک رات میں نازل ہوتے ہیں۔ اسی شب میں وہ امور محکم تقسیم کیے جاتے ہیں۔ (اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں وہ امور) خلق، رزق، اجل، عمر، حیوۃ، موت، علم غیب آسمان و زمین اور معجزات یہ ایسے امور ہیں جو اللہ اور اصفیاء و سفراء اور مخلوقات کے درمیان (کذا) اور کسی کے لائق نہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر کو یہ تمام امور لے کر فرشتے امام زمانہؑ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور پھر ولی الزمان امور کو ملائکہ پر تقسیم کرتے ہیں۔

یہ ہے ان حضرات کا مایہ ناز استدلال یا بالفاظ مناسب مغالطہ یا شبہ جو قریباً انہی کے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔ قطع نظر ترجمہ کی صحت و سقم عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ ان مختلف قطعات و اقتباسات کو ان حضرات کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے جو حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب ایک طویل حدیث کے مختلف حصے ہیں، جو احتجاج طبرسی طبع نجف اشرف کے صفحہ ۱۲۵ سے صفحہ ۱۳۷ یعنی پورے تیرہ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے جس میں ترجمان قرآن امیر مومنان علیہ السلام نے ایک زندیق کے مختلف نوعیت کے کئی اعتراضات کے تسلی بخش جوابات دیے ہیں۔ زندیق نے اِدھر اُدھر

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سے قرآن مجید کی مختلف آیات کو جمع کر کے اپنے زعم باطل میں غلط نتائج اخذ کرتے ہوئے قرآن میں تضاد و اختلاف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی تھی، جیسا کہ بلاتشبیہ بعض لوگ جناب امیرؑ کے اس جوابی کلام کے سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے اس کے مختلف حصوں کو جو کوئی صفحہ ۱۲۹ پر ہے تو کوئی صفحہ ۱۳۳ پر یکجا کر کے غلط انداز میں پیش کر رہے ہیں۔

جناب امیر علیہ السلام نے اس کے تمام ایرادات کا تار و پود بکھیر کر اعتراض کے ابر سے قرآنی مطلع کو صاف کر دیا۔ خلاصۃ الکلام آنکہ زندیق سوال کرتا ہے کہ ایک مقام پر خدا فرماتا ہے تمہیں ایک فرشتہ مارتا ہے، دوسرے مقام پر فرماتا ہے ان لوگوں کو فرشتے مارتے ہیں۔ تیسرے مقام پر فرماتا ہے اللہ مارتا ہے، کیا یہ کھلا ہوا تناقض نہیں ہے؟ حضرت امیرؑ نے اس سوال کا وہ جواب دیا جو اس شبہ کے پہلے ٹکڑے میں مذکور ہے کہ خدائے پاک اس سے برتر و بالا ہے کہ ان امور کو بذات خود انجام دے اس سے ظاہر ہے کہ یہ حصہ فرشتوں کے متعلق ہے۔

اس حقیقت کا اعتراف اس گروہ کے ایک رکن نے اپنے ایک مضمون مندرجہ اخبار درنجف یکم جولائی ۱۹۶۶ء میں کر لیا ہے۔ لکھتے ہیں: گویا احتجاج کی اس طویل عبارت میں علی علیہ السلام نے ثابت فرمایا ہے کہ خلق و رزق، موت و حیات ملائکہ کا وظیفہ ہے، یہ سارے کام بظاہر ملائکہ کرتے ہیں اور ان کا فعل گویا اللہ تعالیٰ کا فعل ہے کیونکہ وہ اس کے امر سے کرتے ہیں۔

پس معلوم ہوا کہ اس جزء کا ہمارے متعلقہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ دوسرے جزء میں آنجنابؑ نے زندیق کے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ خدا نے بعض مقامات پر اپنے لیے واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے اور بعض مقامات پر جمع کا۔ (اس سے تضاد ظاہر ہوتا ہے) حضرت امیرؑ نے اس شبہ کا ایک جواب یہ دیا ہے کہ خدا نے اپنے بعض منتخب شدہ بندوں کی عظمت و جلالت ظاہر کرنے کے لیے ان کو اپنے ساتھ شامل کر کے صیغہ جمع استعمال کیا ہے (اور مقام اعجاز میں) بعض اشیاء کا اظہار و اجراء ان کے ہاتھوں پر فرمایا ہے۔ اس حصہ کلام کا بھی ان لوگوں کے مدعا سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

اولاً اس لیے کہ یہ لوگ تمام اشیاء کے بارہ میں مدعی ہیں کہ خدا ان حضرات کے ذریعہ سے انجام دیتا ہے مگر حدیث میں صرف بعض اشیاء کا تذکرہ ہے۔

ثانیاً یہ ارشاد مقام اعجاز کے متعلق ہے کہ معجزہ نمائی کے وقت خدا ان بعض امور کا جن کا تعلق تکوین سے ہے ان بزرگواروں کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ مگر معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے جس کی تحقیق چوتھے باب میں پیش کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ، جس پر جملہ اجری بعض الاشیاء بھی شاہد

Scanned with CamScanner

ہے (کہ خدا نے ان کے ہاتھوں پر بعض اشیاء کو جاری کیا) مگر ہماری نزاع ان امور کو بطور وظیفہ وڈیوٹی انجام دینے میں ہے کہ آیا یہ ان کی ڈیوٹی ہے نہ کہ مقام اعجاز میں۔

اس بات کا اعتراف اس گروہ کے بعض مضمون نگار حضرات نے بھی کر لیا ہے کہ اس حدیث سے ائمہ اطہارؑ کا ان امور کو بطور فرض منصبی انجام دینا ثابت نہیں۔ چنانچہ وہ اپنے محولہ بالا مضمون میں لکھتے ہیں:

"جب ملائکہ جن کی خلق ورزق وموت وحیات پر ڈیوٹی ہے اور سرانجام بھی دیتے ہیں تو اہل بیتؑ جو مخدوم ملائکہ ہیں، بدرجہا اولیٰ ہیں۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر وقت ملائکہ کی طرح ڈیوٹی نہیں دیتے۔ لیکن اگر بحیثیت نحن مشیۃ اللہ کسی وقت چاہیں تو بحکم خدا ان امور کو سرانجام دے سکتے ہیں۔ اور یہ امور اہل بیتؑ سے بعید نہیں ہیں"۔

(درنجف یکم جولائی ۱۹۶۶ء)

اسے کہتے ہیں ہوشیاری کہ ؎

شریعت کیوں گریباں گیر ہو ذوقِ تکلم کی
چھپا جاتا ہوں اپنے دل کا مطلب استعارے میں

اس تحریر میں خدا وخلق ہر دو کو راضی رکھنے کی ناکام کوشش کی گئی ہے۔ ورنہ اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ جب ان امور کی انجام دہی کو ائمہ اہل بیتؑ کا وظیفہ اور ڈیوٹی تم نہیں سمجھتے اور مقام اعجاز میں ان حضرات کے باذن اللہ ان امور کو انجام دے سکنے پر کسی بھی شیعہ کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ خلق ورزق تو چیز ہی کیا ہے؟ یہ تو وہ ذوات عالیہ ہیں کہ اگر چاہیں تو مقام اعجاز نمائی میں مرد کو عورت اور عورت کو مرد، زمین کو آسمان اور آسمان کو زمین، دنیا کو آخرت اور آخرت کو دنیا بنا سکتے ہیں۔ تو پھر نہ معلوم ع "یہ ہنگامہ اے خدا کیوں ہے؟"

تیسرے جز کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن فہمی میں یہ اختلاف اس لیے پیدا ہوا کہ لوگوں نے اولی الامر سے قرآن کا منشا ومفہوم حاصل نہیں کیا۔ پھر آپؑ نے اولی الامر کی معرفی کراتے ہوئے فرمایا:

"اولوالامر وہ ہیں جن پر لیلۃ القدر میں فرشتے مذکورہ بالا امور لے کر نازل ہوتے ہیں"۔

اس حدیث شریف میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہو کہ اس کے بعد ائمہ علیہم السلام ان ملائکہ کرام پر تقسیم کار کرتے ہوئے ان کی ڈیوٹیاں مقرر فرماتے ہیں۔ صرف اسی ایک حدیث پر ہی منحصر نہیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہم نے سورۃ القدر کے شانِ نزول میں بیسیوں کتب تفسیر وحدیث کھنگال ڈالی ہیں۔ مگر کسی معتبر کتاب میں کوئی ایک صحیح بلکہ ضعیف حدیث بھی ایسی نہیں ملی جس میں یہ صراحت موجود ہو کہ یہ حضراتؑ فرشتوں کی ڈیوٹیاں مقرر کرتے ہیں۔

بصائر الدرجات، ہفتم بحار الانوار، اصول کافی اور چہارم تفسیر برہان میں اس سورۃ کے شان نزول کے متعلق مستقل باب موجود ہیں اور کئی کئی صفحات تک متعلقہ احادیث پھیلی ہوئی ہیں۔ روایات کے ذخیرے جمع ہیں۔ مگر ان میں ایسی کوئی روایت نہیں ملتی جس سے یہ امر ثابت ہو کہ ولی الزمان ان امور کو ملائکہ پر تقسیم کرتے ہیں۔

یہ محض ان لوگوں کا ذاتی خیال اور قیاس آرائی ہے کہ جب ملائکہ ان بزرگواروںؑ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہیں تو اس سے مقصد یہی ہوگا کہ یہ حضرات ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہوں گے۔ ان هم الا یخرصون۔ یہ صرف ظن و گمان ہے۔ وان الظن لا یغنی عن الحق شیئا۔

اگر اس سلسلہ میں کہ فرشتے امامؑ کے پاس لیلۃ القدر میں کیوں حاضر ہوتے ہیں؟ ذاتی تحقیق و استنباط سے ہی کام لینا ہے تو پھر غواص بحار اخبار ائمہ اطہارؑ یعنی سرکار علامہ مجلسیؒ کی ہی تحقیق کو کیوں نہ صحیح تسلیم کیا جائے کہ:

فلیس ذلك لمدخلیتهم فی ذلك و لا للاستشارة بهم بل له الخلق و الامر و لیس ذلك الالتشریفهم و اکرامهم و اظهار رفعة مقامهم۔ (سابع بحار الانوار صفحہ ۳۶۵)

یعنی ملائکہ کا یہ نزول اس لیے نہیں ہوتا کہ ائمہ اطہارؑ کو نظام عالم کے چلانے میں کچھ دخل ہے یا خدا کو ان سے مشورہ لینا مقصود ہے۔ خدا ہی خالق و حاکم ہے۔ فرشتوں کی یہ حاضری محض ائمہ علیہم السلام کے اکرام و احترام اور ان کی رفعت شان و عظمت مقام ظاہر کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ (کہ جب ملائکہ زمین پر آئیں یا واپس آسمان پر جائیں تو پہلے حجت ہائے خداوندی کی خدمت میں حاضر ہونے و سلام کرنے کا شرف حاصل کریں۔)

ظاہر ہے کہ اس علامۂ جلیل کی یہ تحقیق ضرور ائمہ اطہارؑ کے اخبار و آثار سے ماخوذ ہوگی، ورنہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ دینی معاملہ میں اپنی ذاتی رائے کو دخل دیں۔ اکثر علماء متاخرین نے جناب علامہ کی اس تاویل کو پسند فرمایا ہے۔

چنانچہ محدث خبیر سید حبیب اللہ خوئی نے جناب علامہ کی اس توجیہ کو منہاج البراعہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۵ پر بغرض تائید مرام نقل کیا ہے۔

Scanned with CamScanner

اسی طرح عالم ربانی مرزا ابوالحسن الشریف نے بھی مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار صفحہ ۶۷ پر سرکار علامہ کی اس تحقیق سے اتفاق کرتے ہوئے فرمایا:

اقول ما ذکرہ طاب ثراہ فیہ تنبیہ و توجیہ للاخبار المذکورۃ وغیرھا۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ جو کچھ علامہ طاب ثراہ نے ذکر کیا ہے اس میں مذکورہ بالا اخبار کی عمدہ توجیہ ہے۔

اسی طرح سرکار مجلسیؒ نے اپنی کتاب "اربعین" کے صفحہ ۱۷۷ پر لیلۃ القدر میں فرشتوں کے خدمت امامؑ میں حاضر ہونے کی چار تاویلیں فرمائی ہیں۔ فراجع۔

یا اگر یہ توجیہ و تاویل پسند نہ ہو تو پھر محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری مرحوم کی وہ تاویل قبول کرلی جائے جو انھوں نے لیلۃ القدر میں نزولِ ملائکہ کے بارہ میں "نورالانوار شرح صحیفہ سجادیہ" صفحہ ۱۱ طبع بمبئی پر فرمائی ہے۔

و اما فائدۃ تنزل الملائکۃ بحوادث السنۃ تلک اللیلۃ علی الامام علیہ السلام مع انہ قد تواتر بین الشیعۃ ان عند الائمۃ علیہم السلام کتاب الجفر و الجامعۃ و مصحف فاطمۃ و سائر علوم القرآن و فیہا ما کان و ما یکون الی یوم القیامۃ فالذی یظہر من ممارسۃ آثارھم علیہم السلام ان لعلمہم مراتب فی الاجمال و التفصیل فالکتب المذبورۃ متضمنۃ لسائر العلوم علی طریق الاجمال من غیر تفصیل للعلوم الواقعۃ فی کل سنۃ و فی لیلۃ القدر یعزل منہا علم ما یقع فی تلک السنۃ من غیر تفصیل لحوادث کل اسبوع و فی لیلۃ الجمعۃ تزور ارواحہم العرش فیغرز من ھذا العلم المتعلق بذلک الاسبوع کما قال علیہ السلام و لولا ان ارواحنا تزور العرش و تطوف حولہ لیلۃ الجمعۃ و تکتسب من ھناک علوما شتی لنفد ما عندنا و اما ما یحتاجون الیہ من حوادث الساعات فیحصل لہم تارۃ بالنقر فی الاسماع و اخری بالنکت فی القلوب۔ انتہی کلامہ رفع فی الخلد مقامہ و فیہ توجیہ وجیہ للاخبار الواردۃ عن الائمۃ الاطہار فی ھذا المضمار و ھذا التحقیق حقیق بان یکتب بالنور لا بالحبر۔

یعنی باوجودیکہ شیعہ کے اخبار متواترہ میں وارد ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے پاس کتاب جفر و جامعہ، مصحف فاطمہؑ اور جملہ علوم قرآنیہ موجود ہیں، جن میں ما کان اور ما یکون کا علم بھی درج ہے، بایں ہمہ پھر لیلۃ القدر میں ان کے پاس فرشتوں کا سال بھر کے واقعات لے کر نازل ہونے کا مقصد کیا ہے؟

Scanned with CamScanner

ائمہ اطہارؑ کے اخبار و آثار میں غور و فکر کرنے سے اس سلسلہ میں جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اجمال و تفصیل کے اعتبار سے ان بزرگواروں کے علوم کے مختلف مراتب ہیں۔

مذکورہ بالا صحف میں تمام علوم کا اجمالی تذکرہ موجود ہے۔ ان میں ہر ہر سال میں واقع ہونے والے واقعات کی تفصیل مذکور نہیں ہے لیلۃ القدر میں سال بھر کے حتمی واقع ہونے والے واقعات کی تفصیل ہوتی ہے۔ مگر اس میں ہر ہر ہفتہ کے حتمی واقعات کی تفصیل نہیں ہوتی۔ یہ تفصیل شب جمعہ کو انھیں معلوم ہوتی ہے جب کہ ان کی مقدس روحیں عرش الٰہی کا طواف کرتی ہیں۔ اسی بنا پر ان کا ارشاد ہے کہ اگر ہمارے ارواح ہر شب جمعہ طواف عرش کر کے نئے نئے علوم کا استفادہ نہ کریں تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے اور ہر ہر لحظہ میں ان کو جن واقعات کی ضرورت درپیش آتی ہے ان کا انکشاف بعض اوقات ان کے گوش مبارک میں آواز آنے اور بعض اوقات قلوب منورہ میں الہام و القاء ہونے کے ذریعہ ہوتا رہتا ہے۔

اس تاویل جمیل کی تائید مزید اصول کافی کی بعض روایات معصومینؑ سے بھی ہوتی ہے کہ اگرچہ آنحضرتؐ علم ماکان و مایکون کے عالم تھے مگر و کان کثیرا من علمہ ذلک جملۃ یاتی تفسیرھا فی لیلۃ القدر۔ مگر اس علم میں سے بہت سا مجمل تھا جس کی تفسیر لیلۃ القدر کو آتی تھی۔

و کذالک کان علی بن ابی طالب قد علم العلم و یاتی تفسیرہ فی لیلۃ القدر۔

اسی طرح جناب امیر المومنینؑ کے مجمل علوم کی تفسیر بھی لیلۃ القدر میں آتی تھی۔

(ارشاد امام محمد باقرؑ اصول کافی صفحہ ۱۲۵ طبع ایران۔)

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ یہ اہتمام فرشتوں کی ڈیوٹیاں تقسیم کرنے کے لیے عمل میں نہیں لایا جاتا، بلکہ علم امام میں اضافہ و ازدیاد کی خاطر ہوتا ہے۔ و ھو الحق و الحق احق ان یتبع۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

جملہ اسماء حسنیٰ خالق و رازق و علیم و حکیم و باسط و حفیظ وغیرہ کے لیے مظاہر وجودیہ ہیں۔

قولہ تعالیٰ و للہ الاسماء الحسنی فادعوہ بھا ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن ایما تدعوا فلہ الاسماء الحسنی۔

خدا کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو کسی نام کو لو سب اللہ کے اسماء حسنیٰ ہیں۔ وہی اللہ ہے وہی رحمٰن وہ رحیم ہے۔ ان تمام اسماء کے مظاہر ہیں۔

ہر ایک صفت خاص کا اظہار اس عالم امکان زمانی میں بحکم و باذن اللہ عزوجل اس صفت کے

Scanned with CamScanner

مظہر سے ظاہر ہوتا ہے۔ مثلاً الخالق کا مظہر، الرازق کا مظہر، القابض کا مظہر، العالم اور الحکیم کا مظہر، الحفیظ، الباسط وغیرہا ہر ایک کے مظہر جدا جدا اللہ تعالیٰ نے خلق کیے ہیں۔

اسی طرح ایک اسم "الولی" ہے، اور یہ اسم الولی بحیثیت تصرف جمیع اسماء الحسنیٰ یعنی اسم الباسط، اسم القابض اسم العلیم، الحکیم، الرزاق و الخالق وغیرہا کو جامع ہے۔ لہٰذا جو بھی اسم "الولی" کا مظہر وجودی ہوگا، وہ جملہ اسماء الحسنیٰ کے مظاہر سے مافوق ہوگا۔ کیونکہ جملہ طاقتیں اسم الولی کی ہیں جو مظہر اسم الولی میں موجود ہوں گی۔ لہٰذا تدبیر عالم اس قوت سے کرتے ہیں۔ ولایت میں سب کچھ شامل ہے۔

اس شبہ کو بڑے شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ان بیانات کو تحقیق کی کسوٹی پر پرکھا جائے تو یہ بالکل ناقص المعیار اور حکماء و صوفیہ کے تخیلات فاسدہ کی پیداوار معلوم ہوتے ہیں۔

فلاسفہ بزعم خود اس سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حادث زمانی کا ارتباط قدیم کے ساتھ بغیر واسطہ محال ہے۔ اس لیے انھوں نے ارباب الانواع والا ایک فاسد نظریہ اختراع کیا کہ ہر ہر نوع کا علیحدہ علیحدہ ایک ایک رب ہے، جو خدا کی کسی خاص صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ جس سے اس صفت کا ظہور اور مخلوق پر فیضان ہوتا ہے، اور اس کی وجہ سے خالق قدیم اور مخلوق حادث کے درمیان ربط و ارتباط کا سلسلہ قائم ہے۔ اور صوفیہ اس سے وحدت الوجود یا وحدت الشہود کو ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ کتاب العجلی صفحہ ۴۷ پر لکھا ہے: الظاھر و المظھر شی واحد۔ یعنی مظہر (جس سے کسی صفت خدا کا ظہور ہوتا ہے) اور ظاہر (خداوند عالم) درحقیقت ایک ہی چیز ہیں۔

اسی وجہ سے محی الدین (بلکہ ممیت الدین) ابن العربی نے اپنے رسالہ فصوص الحکم کے خطبہ میں لکھا ہے:

"سبحان من خلق الاشیاء و ھو عینھا" الخ۔ پاک ہے وہ خدا جس نے چیزوں کو پیدا کیا۔ حالانکہ وہ خود بعینہ وہی اشیاء ہے۔ (صرف ظاہر و مظہر کے مراتب کا اعتباری فرق ہے کہ درمرتبہ خالق درمرتبہ مخلوق) (معاذ اللہ)

لیکن چونکہ یہ ہر دو نظریات عام محقق علماء اسلام کے نزدیک بالعموم اور شیعہ علماء اعلام کے نزدیک بالخصوص باطل ہیں۔ لہٰذا ان کے نزدیک یہ ظاہر و مظہر والی طویل بحث بالکل بے اصل و بے بنیاد ہے۔

Scanned with CamScanner

عقائد ایمان کی بنیاد فلاسفہ یونان یا نام نہاد صوفیائے اسلام[1] کے مزعوماتِ فاسدہ و نظریاتِ کاسدہ پر نہیں رکھی جاسکتی۔ بلکہ جیسا کہ دیباچہ میں ثابت کیا جاچکا ہے اصول عقائد کی دیوار آیات محکمہ اور روایت متواترہ پر استوار ہونی لازم ہے۔ اور یہاں صورت حال یہ ہے کہ اس قسم کی کوئی صریح الدلالت معتبر خبر واحد بھی کتب معتبرہ میں نہیں ملتی۔ تا بہ آیات محکمات و روایات متواترات چہ رسد؟ ہاں آیات مبارکہ فلله الاسماء الحسنی کی تفسیر میں وارد شدہ بعض روایات میں ائمہ اطہارؑ سے یہ ضرور مروی ہے کہ نحن الاسماء الحسنی التی لا یقبل الله عمل عبد الا بمعرفتنا۔ ہم خدا کے وہ اسماء حسنیٰ ہیں جن کی معرفت کے بغیری خداوند عالم کسی بندے کا عمل قبول نہیں کرتا۔ لیکن ان روایات سے مذکورہ بالا مطلب پر استدلال کرنا بچند وجہ صحیح نہیں ہے۔

اولاً اس لیے کہ یہ روایت خبر واحد ہونے کی وجہ سے اصول عقائد میں حجت شرعیہ نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً اس لیے کہ یہ روایت احتمالات کثیرہ رکھنے کی وجہ سے مجمل ہے اور مجمل تو آیت بھی ہو تو عقائد میں حجت نہیں ہوسکتی۔ (بلکہ آیت محکمہ ضروری ہے) چہ جائیکہ روایت اور وہ بھی خبر واحد۔

ثالثاً اس اجمال کی تفصیل اور صحیح مفاہیم و معانی کی توضیح ذیل میں پیش کی جاتی ہے۔

☆ ممکن ہے کہ ان روایات سے مراد یہ ہو کہ جس طرح خدا کا اسم اعظم اور دیگر ظاہری اسماء حسنیٰ

---

[1] یہ فرقہ بھی اپنے آپ کو اسلامی فرقوں میں شمار کرتا ہے۔ ارباب دانش و بینش جانتے ہیں کہ یہ فرقہ بنی امیہ کی اسلام اور اہل بیت علیہم السلام کے خلاف ایک گہری سازش کی پیداوار ہے۔ وہ چاہتے تھے کہ اس بظاہر صوف پوش متزہد و متقشف گروہ کے ذریعہ ظاہری اقتدار کے ساتھ ساتھ اہل بیت نبوتؐ سے روحانی اقتدار بھی سلب کرلیں۔ چنانچہ اسی باطل مقصد کے پیش نظر حکومت کے سایۂ عاطفت میں اس فاسد العقیدہ والعمل جماعت کی نشوونما کرکے پروان چڑھایا گیا۔ اور ان کے بڑے بڑے کشف و کرامات عوام الناس میں مشہور کیے گئے، تاکہ عامۃ الناس کو ان کی طرف متوجہ کرکے اہل بیت رسالتؐ کے معجزات و کمالات کی طرف سے ان کی توجہ ہٹائی جاسکے۔ اسی لیے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: الصوفیة کلهم من مخالفینا و طریقتهم مغائرة لطریقتنا۔ صوفی سب کے سب ہمارے دشمن ہیں اور ان کا طریقہ ہمارے طریقہ کے خلاف ہے۔ (حقیقت العرفان صفحہ ۱۱ بحوالہ حدیقۃ الشیعہ از مقدس اردبیلیؒ وغیرہ) اسی طرح دیگر ائمہ اطہارؑ نے اس باطل فرقہ کی بہت مذمت فرمائی ہے اور ہمارے علماء اعلام نے بھی ہمیشہ اس موضوع پر خاص توجہ مبذول کرکے اس گروہ کے نظریات باطلہ کا ابطال فرمایا ہے۔ منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بندوں کی دعاؤں کے قبول ہونے کا ذریعہ ہیں، اسی طرح ائمہ اطہارؑ کے اسماء بھی قبولیت دعاء کا سبب ہیں۔ چنانچہ اور لوگوں کا تو ذکر ہی کیا ہے، روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ انبیاء ماسلف کی مشکلات بھی انہی ذوات مقدسہ کے اسماء مبارکہ کے ساتھ توسل کرنے سے حل ہوئی ہیں۔ اس کی تفصیل پانچویں باب میں آ رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ

☆ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ ہمارا وجود خدوند عالم کے موجود ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ کیونکہ جس طرح دلالت ملفوظی الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح دلالت موجودی وجود کے ذریعہ سے ہوتی ہے اور اس طرح اگرچہ کائنات کا ہر ہر ذرہ ذات ایزدی کے وجود منبع کل جود پر دلالت کرتا ہے ؎

وفی کل شی لہ آیۃ تدل علی انہ واحد

مگر انسان کامل کا وجود خدا کے وجود کی سب سے بڑی علامت ہے۔ ع

وھم آیۃ دونھم کل آیۃ

علامہ محسن فیض علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

فان الدلالۃ کما یکون بالفاظ کذلک یکون بالذوات من غیر خرق بینھما فیما یول الی المعنی۔

یعنی معنی و مفہوم کے اعتبار سے دلالت لفظی اور دلالت وجودی میں کوئی فرق نہیں ہے۔

(علم الیقین صفحہ ۳۷)

کذا فی ھدایۃ المسترشدین صفحہ ۴۶ فحینئذ نقول ان کل شیٔ من مخلوقاتہ ھو اسم لہ لدلالۃ جمیع الموجودات علیہ سبحانہ فان الدلالۃ کما تکون بالالفاظ کذلک تکون بالذات ؏۔

یعنی اس طرح عالم کی ہر چیز خدا کا اسم (وجودی) ہے۔ کیونکہ تمام موجودات عالم اس کے وجود پر دلالت کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ دلالت جس طرح الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح ذات کے ذریعہ سے بھی ہو سکتی ہے۔

☆ ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ خدا کی طرف یہ نسبت اسماء اللہ (یعنی اللہ کے اسماء) ان ذواتِ مقدسہ کے انتہائی قرب کی وجہ سے ہو جس طرح خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "روح اللہ" اور "کلمہ اللہ" کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ان بزرگواروں کی عظمت و جلالت کی بنا پر ان کو

Scanned with CamScanner

"اسماء اللہ" کہہ دیا گیا ہو۔

☆ ممکن ہے کہ چونکہ ان بزرگواروں کے اسماء خداوند عالم کے اسماء سے مُشتق ہیں جیسا کہ اور بعض روایات میں وارد ہے اس لیے ان حضرات کو بطور کنایہ "اسماء اللہ" کہہ دیا گیا ہو۔ چنانچہ خود حضرت صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

وکنی عن اسمائنا باحسن الاسماء راجھا وسمی اضدادنا واعدائنا فی کتابہ بابغض الاسماء الیہ۔

یعنی خدا نے ہمیں بطور کنایہ اچھے اور پسندیدہ اسماء سے یاد کیا ہے اور ہمارے دشمنوں کو برے ناموں سے یاد فرمایا ہے۔ (کفایۃ الموحدین جلد ا صفحہ ۲۴۱)

پس جس روایت میں اس قدر صحیح معانی کے احتمالات موجود ہوں اس سے خواہ مخواہ کوئی غلط معنی اخذ کر کے اس پر کیوں کر عقیدہ کی بنیاد رکھ جا سکتی ہے؟۔

مذکورہ بالا تمام تحقیق انیق کتاب مُستطاب کفایۃ الموحدین جلد ا صفحہ ۲۴۱ و ۲۴۲ طبع ایران سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے مُصنّف علام نے اس قسم کی بعض روایات (نحن واللہ اسماء اللہ الحسنی) نقل کرنے کے بعد لکھا ہے: این دو عبارت مجمل اند علی الظاھر و دلالت بر مقصود او ندارند۔ یہ عبارتیں بظاہر مجمل ہیں اور اس (شیخ احسائی) کے مقصد پر دلالت نہیں کرتیں۔ بعد ازیں محتمل است، محتمل است کہہ کر وہی چند احتمالات صحیحہ ذکر فرماتے ہیں جن کا خلاصہ ہم نے پیش کر دیا ہے اور آخر کلام میں صفحہ ۲۴۴ پر تحریر فرمایا ہے:

و بالجملہ حدیثے کہ امام علیہ السلام بفرماید کہ مراد بآن کنایہ است و بیانے از یشاں در مجملات نرسیدہ باشد و ھمہ این احتمالات کہ بعضے ازانہا را خود خصم نیز ذکر نمودہ آیا می شود کہ از بابت رجم بالغیب او را دلیل از برائے امرے قرار داد و آیا جائز است از برائے احدی از اھل علم کہ بآں تفوہ بنمایند و او را دلیل از برائے مدعائے خود قرار دادن در مسئلہ از مسائل شرعیہ فضلا در چنیں مسئلہ از توحید کہ متفرع است برو ھمہ الحادات و جحود و اگر اقامہ توحید الھی و تشید دین جناب اقدس نبوی صلی اللہ علیہ و الہ وسلم باید چنین نمود۔ پس علی الاسلام السلام فانا للہ و انا الیہ راجعون۔

Scanned with CamScanner

یعنی خلاصہ کلام یہ کہ جس حدیث کے بارے میں خود امام علیہ السلام یہ فرمائیں کہ اس سے مراد کنایہ ہے اور مجملات کی تفصیل میں انؑ کی طرف سے کوئی صریحی بیان بھی نہ ملے اور اس (مجمل کلام) میں یہ تمام (مذکورہ بالا) احتمالات موجود ہوں جن میں بعض کا اقرار خود مخالف (شیخ احسائی) کو بھی ہے۔ آیا محض رجم بالغیب کے طور پر اسے کسی دعویٰ کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے؟ آیا کسی اہل علم کے لیے ایسی بات کرنا روا بھی ہے؟ یا اسے کسی بھی مسئلہ میں چہ جائیکہ مسئلہ توحید میں جس سے سب کفر والحاد متفرع ہوتے ہیں۔ ایسے کلام کو دلیل کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے؟ اگر توحید کا قیام اور رسالت مآبؐ کے دین کا نظام اسی چیز کا نام ہے تو پھر اسلام پر سلام ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس عالم جلیل کے اس گرانقدر بیان پر ہم مزید کسی تبصرہ وکلام کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کیونکہ ع:

آنجا کہ عیاں است چہ حاجت بیان است ؟

اسی طرح کتاب مستطاب عقل ودین جلد ۱ صفحہ ۱۲۹ و ۱۳۰ طبع ایران میں مذکورہ بالا بعض احتمالات ذکر کیے گئے ہیں اور آخر میں لکھا ہے:

و بالجملہ اجماع جمیع مسلمین و ضروری اسلام آنست کہ خدا را اسماء حسنیٰ ئیست و آیات و اخبار مملو است ازاں واحدے انکار ندارد۔ جز شیخ احسائی و اتباعش در کتاب صافی و سائر کتب روایت کردہ اند ازا میرالمومنین علیہ السلام کہ فرمود اللہ بزرگ تر ین نامے است از نامہا و اسماء الہی کہ سزاوار نیست بر غیر خداوند اطلاق شود۔ پس باید دانست کسانیکہ محمد و آل محمد اورا صفات خدا یا خالق یا رازق بدانند مانند نصاریٰ کہ در حق عیسیٰ ادعا ھا کردند از اسلام خارجند بلکہ بالا تر ین ظلم رانسبت بآل محمد روا داشتہ اند و ایشان را شریك خدا قرار دادہ اند۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ خدا کے اسماء حسنیٰ ہیں آیات و روایات اس سے لبریز ہیں سوائے شیخ احسائی اور اس کے اتباع کے کوئی ان کا منکر نہیں۔ تفسیر صافی وغیرہ تمام (کتب تفسیر وحدیث) میں حضرت امیرؑ سے مروی ہے فرمایا خدا کے تمام ناموں سے زیادہ بزرگ و برتر نام اللہ ہے جو غیر خدا پر نہیں بولا جاسکتا۔ پس جو لوگ محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کو خدا کی صفات یا ان کو خالق و رازق جانتے ہیں وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ ان لوگوں

Scanned with CamScanner

نے ان ذوات مقدسہ پر بڑا ظلم کیا ہے کہ ان کو خدا کا شریک قرار دے دیا ہے۔

تعالی عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔

پانچواں شبہ اور اس کا جواب:

کہا جاتا ہے کہ چونکہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام وسیلہ اور واسطہ فیض ہیں لہٰذا اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو پہنچاتے ہیں۔ یہ شبہ دراصل وسیلہ وواسطہ کے مفہوم کو نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ حالانکہ ارباب دانش وبینش پر مخفی ومستور نہیں ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے واسطہ فیض ہونے کا صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ بزرگوار باعث تخلیق موجودات اور علت غائی ممکنات ہیں۔ اگر خدا نے آسمان کا شامیانہ لگایا ہے تو ان کی خاطر، اگر زمین کا فرش بچھایا ہے تو ان کی وجہ سے۔ اگر آفتاب وماہتاب کی قندیلیں روشن کی ہیں تو ان کے طفیل۔ غرضیکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کو خلعت وجود بخشی گئی ہے تو ان کے صدقہ میں۔ اگر یہ نہ ہوتے تو کائنات کی کوئی چیز کتم عدم سے نکل کر عرصہ وجود میں قدم نہ رکھتی۔

کما ورد فی الروایات لولاھم لما خلق اللہ ادم ولا حوا ولا الجنۃ ولا النار ولا الارض ولا السماء ولا شیئا مما خلق صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

(عقائد شیخ صدوق ومقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار وغیرہ)

اور یہی حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کا مفاد ہے۔ (اگر یہ بزرگوار نہ ہوتے تو خدا نہ آدم کو پیدا کرتا نہ حوا کو، نہ جنت کو نہ جہنم کو، نہ زمین کو نہ آسمان کو اور نہ کسی اور مخلوق کو) لہٰذا سلسلہ موجودات کا قیام، فیوض وبرکات (خداوندی) کا نزول اور ان کا دوام خدا کے بعد انہی ذوات مقدسہ کا مرہون منت وممنون احسان ہے۔ اسی طرح ان کے وسیلہ وواسطہ فیض ہونے کا یہ مفہوم بھی درست ہے کہ ان کی شفاعت سے خداوند عالم رزق دیتا ہے۔ ان کی سفارش سے اولاد مرحمت فرماتا ہے۔ ان کے سوال کرنے سے بیماروں کو شفا ملتی ہے اور انہی کی دعا واستدعا سے اہل دنیا کے مشکلات ومصائب دور ہوتے ہیں۔ غرضیکہ نظام دنیا کا بقائے دوام انہی حضرات کی شفاعت وسفارش کے ساتھ وابستہ ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے۔ اسی بنا پر یہ بزرگوار فرماتے ہیں:

بنا اثمرت الاشجار وا ینعت الاثمار وجرت الانھار ونزل الغیث من السماء ونبت عشب الارض۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہمارے طفیل درخت پھل دیتے ہیں، ہمارے صدقہ میں پھل پکتے ہیں، ہماری وجہ سے نہریں جاری ہوتی ہیں، ہمارے سبب سے آسمان سے بارش برستی ہے اور ہمارے باعث زمین سے گھاس اگتی ہے الخ۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۲۴۹)

موجودہ دور میں حجت خدا حضرت امام العصر و الزمان عجل اللہ فرجہ الشریف ہیں۔ جن کے متعلق دعائے عدیلہ میں وارد ہے:

ببقائہ بقیت الدنیا و بیمنہ رزق الوری و بوجودہ ثبتت الارض والسماء۔

یعنی ان کی بقا کی برکت سے دنیا باقی ہے اور ان کے وجود مسعود کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں اور ان کے یمن و برکت سے لوگوں کو رزق مل رہا ہے۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۸۵)

ولنعم ماقیل ؎

قدم سے مہدیٔ دیں کے زمیں قائم ہے پانی پر
قرار کشتی دنیا کے لنگر ایسے ہوتے ہیں

زیارت جامعہ کبیرہ میں ان افعال کے حقیقی فاعل کی تصریح موجود ہے کہ خداوند عالم ہے۔

بکم فتح اللہ وبکم یختم وبکم ینزل الغیث وبکم یمسک السماء ان تقع علی الارض۔

خدا نے آپؑ سے ہی کائنات کا آغاز کیا، اور آپؑ پر ہی اس کا اختتام کرے گا اور آپؑ کی برکت سے خدا آسمان کو زمین پر گرنے سے روکتا ہے اور آپؑ کی برکت سے بارش برساتا ہے۔

(مفاتیح الجنان صفحہ ۵۴۸)

پس معلوم ہوا کہ یہ کام خود خدا انجام دیتا ہے نہ کہ اہل بیتؑ۔ بعض لوگ ایسی احادیث دیکھ کر جن میں بنا اثمرت الاشجار و جرت الانہار الخ جیسے الفاظ وارد ہیں ان سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ یہ کام خود ائمہ اہل بیتؑ انجام دیتے ہیں۔ یہ مطلب محض غلط ہے۔ ان احادیث میں باء سببیہ[1] موجود ہے۔ جس کا وہی مطلب ہے جو اوپر بیان کر دیا گیا ہے کہ ان بزرگواروں کی برکت سے یہ سب امور انجام پاتے ہیں۔ اس امر کی تائید مزید ان بعض احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں اس قسم کے الفاظ بعض کامل الایمان مومنین کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ تحف العقول صفحہ ۷۹ پر حضرت صادق

---

[1] باء سببیت کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے کتاب مغنی اللبیب جلد ۱ صفحہ ۸۸ طبع مصر وغیرہ کتب نحو کی طرف رجوع کریں (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

علیہ السلام سے اہل ایمان کی جو تین قسمیں مروی ہیں، ان میں سے طبقہ اعلیٰ کے متعلق آپؑ فرماتے ہیں:

بھم یشفی اللہ السقیم و یغنی العدیم و بھم تنصرون و بھم تمطرون و بھم ترزقون فھم الاقلون عددا الاعظمون قدرا و خطرا۔

ان کی وجہ سے خدا بیمار کو شفا اور غریب کو مالدار بناتا ہے۔ انہی کے طفیل تمہاری نصرت کی جاتی ہے، بارش برسائی جاتی ہے، اور انہی کی برکت سے تمھیں رزق ملتا ہے۔ یہ لوگ اگرچہ تعداد میں قلیل ہیں مگر قدر و منزلت کے اعتبار سے عظیم ہیں۔

اسی طرح علل الشرائع (صفحہ ۵۲) والی حدیث باقریؑ میں بھی ان افعال کے فاعل کی تصریح موجود ہے کہ بھم یرزق اللہ عبادہ۔ خدا ان کی برکت سے رزق دیتا ہے۔

اسی طرح جناب امام محمد باقر علیہ السلام اپنے آباء طاہرینؑ کے سلسلہ سند سے جناب امیر المومنینؑ علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں کہ آنجنابؑ نے فرمایا:

ضاقت الارض بسبعۃ بھم ترزقون و بھم تنصرون و بھم تمطرون منھم سلمان الفارسی، و المقداد و ابوذر و عمار وحذیفہ رحمۃ اللہ علیھم و کان علی یقول و انا امامھم و ھم الذین صلوا علی فاطمۃ علیھا السلام۔

(آج) سات آدمیوں کے لیے زمین خدا تنگ ہے حالانکہ ان کی برکت سے تمھیں رزق ملتا ہے اور انہی کے طفیل تمہاری نصرت و امداد کی جاتی ہے اور انہی کی وجہ سے بارش برستی ہے۔ ان میں سے سلمانؓ، مقدادؓ، ابوذرؓ، عمارؓ اور حذیفہؓ علیہم الرحمہ ہیں۔ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں اور میں ان کا امام ہوں۔ یہی وہ حضرات ہیں جنھوں نے جناب سیدہؑ کی نماز جنازہ میں شرکت کی تھی۔
(رجال کشی صفحہ ۴ رجال مامقانی جلد ۲ صفحہ ۳۶ و ۶۵)

مخفی نہ رہے کہ خصال (جلد ۲ صفحہ ۱۲) میں ضاقت الارض بسبعۃ کی بجائے خلقت الارض بسبعۃ وارد ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ زمین سات آدمیوں کی وجہ سے پیدا کی گئی ہے یا بقول جناب شیخ صدوقؒ اپنے وقت میں زمین سے صحیح فائدہ سات شخصوں نے حاصل کیا ہے۔ والاول اظھر لفظا و معنا و اللہ العالم۔

کیا کوئی شخص ان احادیث کے پیش نظر یہ تسلیم کرسکتا ہے کہ کامل اہل ایمان ان امور کو خود انجام دیتے ہیں اور وہ باذن اللہ خالق و رازق و محیی و ممیت ہیں (معاذ اللہ) بہرحال ان کے واسطہ فیض اور وسیلہ ہونے کا یہ مفہوم کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے

Scanned with CamScanner

ہیں۔ یعنی نظام عالم کو خود چلاتے ہیں۔ چنانچہ عالم جلیل فخر الحاج آقا سید عبد الحسین اپنی کتاب الکلم الطیب در تقریر عقائد اسلام جلد ا صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ اصفہان پر ائمہ اطہارؑ کے واسطہ فیض ہونے کی اسی طرح وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

لکن واسطه فیض بودن بایں معنی که از خد بگیرند و بخلق بدهند۔چنانچه بعضے گمان کرده اند درست نیست و نه تنها دلیلے برائے اثبات آن مدعا ندارند بلکه ادله برخلاف آن قائم است و این عقیده با توحید افعالی منافات دارد۔

یعنی ائمہ اطہارؑ کا بایں معنی واسطۂ فیض ہونا کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور مخلوق کو دیتے ہیں، جیسا کہ بعض لوگوں کا گمان ہے درست نہیں ہے۔ علاوہ اس کے کہ اس مطلب کے اثبات پر ان لوگوں کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ الٹا اس کے برخلاف دلائل موجود ہیں اور یہ عقیدہ رکھنا توحید افعالی کے منافی ہے۔ توحید افعالی کا صحیح مفہوم اسی کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر یوں بیان کیا گیا ہے:

و مراد از توحید افعلی این است که برائے واجب الوجود در افعال از قبیل خالقیت و رازقیت و احیاء و اماتت و عطا و منع وغیره شریك نمی باشد و بقدرت کامله خود میافرینند و روزی می دهد و حیات می بخشد و ممیراند و زنده می کنند و در هیچ کارے احتیاج بمعین و کمك کننده ندارد۔

یعنی توحید افعالی سے مراد یہ ہے کہ واجب الوجود (خدا) کا اپنے افعال مثل خالقیت، رازقیت اور اماتت واحیاء وغیرہ میں کوئی شریک نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کرتا ہے، روزی دیتا ہے، زندگی عطا کرتا ہے اور مارتا وجلاتا ہے۔ غرضکہ وہ اپنے کسی فعل میں بھی کسی معین و مددگار کا محتاج نہیں ہے۔

علاوہ بریں واسطہ و وسیلہ کے درمیان جو باریک فرق ہے وہ ارباب علم و معرفت پر پوشیدہ نہیں ہے۔ اور ہمیں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ واسطہ کا۔

یا ایها الذین آمنوا اتقوا الله و ابتغوا الیه الوسیلة۔

بالخصوص واسطہ فیض کو جن معنوں میں یہ حضرات مراد لے رہے ہیں، علمائے محققین کی تصریحات کے پیش نظر اس کی نفی کرنا ضرورت دین میں سے ہے۔

چنانچہ سیدا لعلماء مولانا سید حسین لکھنوی "حدیقہ سلطانیہ" جلد ۳ صفحہ ۱۹۱ پر فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نفی واسطہ فی الخلق از ضروریات دین است ۔

یعنی خلق کرنے میں خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ کی نفی کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔

اور صفحہ ۱۸۷ پر لکھا ہے کہ :

در روایات دیگر ماثور است کہ قول آلہ و واسطہ کفر است ۔

یعنی روایات میں وارد ہے کہ (اہل بیتؑ رسولؐ کو خلق کرنے اور رزق دینے میں) آلہ اور واسطہ سمجھنے والا قول کفر ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ واسطہ فیض کے وہی معنی درست ہیں جو ہم نے بیان کر دیے ہیں اور جو یہ حضرات بیان کر رہے ہیں وہ ضروریات دین کے خلاف ہے۔

ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ

ارشادِ علویؑ کا صحیح مفہوم:

اور یہی صحیح مفہوم ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے اس ارشاد کا کہ : نحن صنائع ربنا و الخلق بعد صنائع لنا ۔ یعنی خدا نے ہمیں اپنی ذات کی خاطر پیدا کیا ہے اور باقی مخلوق کو ہماری وجہ سے ۔ مقصد یہ کہ یہ بزرگوار علت غائی ممکنات ہیں ۔ اس مفہوم سے اس پر کوئی زد نہیں پڑتی کہ حدیث میں فقرہ صنائع لنا، لام کے ساتھ پڑھا جائے ۔ جیسا کہ احتجاج طبرسی صفحہ ۲۶۱ طبع النجف پر موجود ہے ۔ کیونکہ اہل علم جانتے ہیں کہ اضافت میں ہمیشہ ایک حرف مستتر ہوتا ہے ۔ من یا فی یا لام ۔ اس لیے اضافت کی تین قسمیں قرار دی گئی ہیں ۔ ① اضافت منی ② اضافت فوی ③ لمی ۔ کوئی بھی اضافت ان اقسام سے خارج نہیں ہوتی ۔ لہٰذا اس اضافت (صنائعنا) کو بھی انہی میں سے کسی ایک قسم میں داخل کرنا پڑے گا ۔ پہلی دو قسمیں تو یہاں بالبداہت مراد ہو نہیں سکتیں ۔ لہٰذا اضافت لمی ہی تسلیم کرنا پڑے گی ۔ وھذا ھو المطلوب ۔

اس کے یہ معنی بالکل غلط اور باطل ہیں کہ ہم اپنے رب کی صنعتیں ہیں اور تمام مخلوقات اس کے بعد ہماری صنعتیں ہیں ۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۵۴، معالم الشریعہ صفحہ ۱۲۳)

اس معنی کو علماء شیعہ نے کفر قرار دیا ہے ۔ چنانچہ جناب آقائے السید مہدی الموسوی اپنی کتاب "طوالع الانوار" صفحہ ۱۰۳ و ۱۳۰ پر اس حدیث کو دونوں الفاظ کے ساتھ نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اقول و المعنی فی کلیھما ای نحن مخلوق اللہ و الخلق کلھم مخلوقون لا جلنا لقولہ

Scanned with CamScanner

تعالیٰ "لولاک لما خلقت الافلاک" لانهم خالقون و صانعون کما هو مفاد الظاهر لانه کفر و زندقة لیس من مذهبنا معشر الامامیة رضوان الله علیهم بل ذلك مذهب الغلاة۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ دونوں طرح اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ ہمیں خدا نے اپنے لیے خلق فرمایا ہے۔ اور باقی تمام مخلوق کو ہماری وجہ سے پیدا کیا ہے۔ جیسا کہ (حدیث قدسی میں) خدا کا فرمان ہے: "اے رسولؐ اگر تجھے پیدا نہ کرتا تو افلاک کو پیدا نہ کرتا"۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ بزرگوار مخلوق کے پیدا کرنے اور بنانے والے ہیں۔ کیونکہ یہ عقیدہ سراسر کفر و زندقہ ہے۔ ہم شیعیان اہل بیتؑ کا یہ عقیدہ نہیں، بلکہ یہ غالیوں کا فاسد عقیدہ ہے۔

ان حضرات کے ممدوح خاص آقائے موسوی کی فرمائش سے واضح ہوگیا کہ یہ حضرات غالیوں کے عقائد فاسدہ کی نشر و اشاعت کر رہے ہیں۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:

بعض بدعقیدہ روضہ خوان اور نیم ملا خطرۂ ایمان قسم کے لوگ حدیث شریف صادقی خلق الله المشیته بنفسها ثم خلق الاشیاء بالمشیة کہ خدا نے مشیت کو خود بخود خلق فرمایا اور پھر دوسری اشیاء کو مشیت کے ساتھ پیدا کیا۔ میں وارد شدہ لفظ مشیت سے ائمہ اطہارؑ کو مراد لیتے ہیں کہ خدا نے ان کے ذریعہ کائنات کو پیدا کیا ہے۔ یعنی یہ حضرات تخلیق کائنات کے کارندہ ہیں۔ یہ اس حدیث کا صحیح مفہوم نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ یہی ناسمجھی حقائق و معارف کے راستہ میں سنگ گراں ہے۔ بہرکیف علاوہ اس کے کہ یہ خبر واحد ہے جس کے ساتھ اصولِ عقائد میں تمسک کرنا جائز نہیں ہے۔

اس حدیث کا صحیح مطلب یہ ہے کہ امام عالی مقام چاہتے ہیں کہ خداوند عالم کا فاعل مختار ہونا ثابت کریں۔ (بخلاف اکثر فلاسفہ کے جو خدا کو فاعل موجب و مسلوب الاختیار سمجھتے ہیں) مشیت سے مراد ارادہ خداوندی ہے جو کہ خدا کے صفات فعلیہ میں سے ہے نہ کہ صفات ذاتیہ سے (اس کی پوری تحقیق احسن الفوائد میں دیکھی جائے) اس طرح اب اس حدیث شریف کا مفہوم یہ ہوگا کہ خدا نے ارادہ کو خود بخود (بلا کسی اور ارادہ کے) پیدا کیا ہے۔ کیونکہ اگر ہر ارادہ دوسرے ارادہ کا محتاج ہو تو دور یا تسلسل لازم آئے گا اور یہ ہر دو باطل ہیں اور پھر تمام اشیاء کو اپنے ارادہ و اختیار سے پیدا کیا ہے یہ معنی بالکل واضح و آشکار اور بے غبار ہیں۔ معمولی علم و بصیرت رکھنے والا آدمی بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے، اور یہی علمائے اعلام کی تحقیق انیق ہے۔

چنانچہ سیدالعلماء سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۸۷ پر اس حدیث کے متعلق بحث

Scanned with CamScanner

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

غرض آن حضرت آنست که حق تعالی چنان قرار داده که هر چیزے باراده واقع شود و معانی اراده را سابق بر ین دانسته نه آن که مشیت و اراده چیزے مستقل الوجود است که آله و یا واسطه خلق میان خالق یگانه و مخلوقات او مسمی بمشیت الله و قدرة الله چنانکه این جماعت توهم کرده اند۔ ؎

یعنی امام علیہ السلام کی غرض یہ بیان کرنا ہے کہ خداوند عالم نے اس عالم کا سلسلہ کچھ اس طرح قائم کیا ہے کہ ہر چیز اس کے ارادہ کے تحت واقع ہوتی ہے اور خدا کے ارادہ کے معانی قبل ازیں تم معلوم کر چکے ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مشیت وارادہ کوئی مستقل وجود رکھنے والی چیز ہے۔ جس کا نام مشیت اللہ، وقدرت اللہ ہے، جو خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ خلق ہے (کہ خدا اس کے ذریعہ چیزوں کو پیدا کرتا ہے) جیسا کہ اس جماعت (مفوضہ وشیخیہ) نے توہم کیا ہے۔

اسی کتاب کی جلد ۳ مبحث امامت صفحہ ۱۹۱ پر اسی موضوع کے متعلق لکھا ہے:

ظاهر است که مشیت نام عزم و اراده است و ماخوذ از شاء یشاء مشیئة و آنرا جوهر نتوان گفت ؎۔

یعنی واضح ہے کہ مشیت نام ہے عزم وارادہ کا جو باب شاء یشاء کا مصدر ہے۔ (یہ عرض اور قائم بالغیر ہے) اسے جوہر (قائم بنفسہ) قرار نہیں دیا جاسکتا۔ نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ: نفی واسطه در خلق از ضروریات دین است ۔ یعنی خلقت عالم میں واسطہ کی نفی کرنا ضروریات دین میں سے ہے۔

اسی طرح صاحب رسالہ "ہدایۃ المسترشدین فی معرفۃ اصول الدین" طبع نجف صفحہ ۲ و ۳ پر اسی حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فلو کان خالق المشیة بمشیة اخری للزم التسلسل الذی لانهایة له والمشیة تنقسم الی قسمین مشیة تکوینیة و مشیة تکلیفیة او تشریعیة ولا مشاحة فی التسمیة والمشیة هی الارادة التی هی صفة زائدة علیه سبحانه فالله سبحانه خلق جمیع الموجودات بهذه المشیة التی هی الارادة التکوینیة ؎۔

یعنی اگر خدا مشیت کو بھی کسی اور مشیت کے ساتھ پیدا کرتا تو اس سے تسلسل لازم آتا۔ مشیت کی دو قسمیں ہیں۔ مشیت تکوینی اور مشیت تشریعی۔ اور مشیت سے مراد ارادہ ہے جو زائد بر

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ذات صفت (فعل) ہے۔ پس خدا نے تمام موجودات کو اسی مشیت کے ساتھ جو بمعنی ارادہ تکوینی ہے خلق فرمایا ہے۔ (انما امرہ اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون) بہرحال ائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین مشیت اللہ کا محل ہیں۔ کما ورد فی بعض الزیارات السلام علی محال مشیت اللہ نہ کہ خود مشیت اللہ۔

امام زمان عجل اللہ فرماتے ہیں

قلوبنا ادعیۃ لمشیۃ اللہ۔ فاذا شاء شئنا۔

ہمارے دل اللہ کی مشیت کے ظرف ہیں۔ جب وہ کچھ چاہتا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں۔

(بحار جلد ۷ صفحہ ۳۶۱)

اگر کسی جگہ ان پر مشیت اللہ کا اطلاق ہوا ہے تو یہ یداللہ، عین اللہ وغیرہ کی طرح من باب المجاز ہے۔ ان کی مشیت مشیت ایزدی کے تحت ہے۔ خواہ وہ امور تکوینیہ کے متعلق ہو یا امور تشریعیہ کے متعلق۔ وہ ہر حال میں راضی برضائے الٰہی و تابع مشیت خدائی ہیں۔ جیسا کہ ان کی مدح وثنا میں خود خدائے متعال ارشاد فرماتا ہے: وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ وما شاء اللہ کان وما لم یشاء لم یکن

(ارشاد رسولؐ حاشیہ مفاتیح الجنان صفحہ ۴۴۱)

وقال سر اللہ فی العالمینؑ

رضینا قسمۃ الجبار فینا لنا علم وللجہال مال

الغرض وہ اس طرح فنافی مشیت اللہ ہیں کہ گویا مجسم مشیت اللہ ہیں۔

وھذا حق لایعتریہ شک ولکن این ھذا من ذاک

ساتواں شبہ اور اس کا جواب:

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت مجیدہ: فتبارک اللہ احسن الخالقین میں اپنے سوا دیگر خالقین کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان خالقین میں احسن فرمایا ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ غیر خدا کا خالق ہونا شرک نہیں ہے۔ واللہ خیر الرازقین میں خدا نے اپنے سوا دیگر رازقین کے وجود کا اعلان کیا ہے اور اپنی ذات کو ان رازقین میں افضل فرمایا ہے۔ لہٰذا غیر خدا کا رازق ہونا شرک نہیں ہے۔

یہ شبہ بوجوہ چند در چند حقیقت حال کے سمجھنے میں تسامح و چشم پوشی کرنے پر مبنی ہے۔ اگرچہ ہم "احسن الفوائد" میں بطریق احسن اس شبہ کا قلع قمع کر چکے ہیں، لیکن چونکہ اسے تازہ شائع شدہ بعض کتب و رسائل میں نئے رنگ و روپ میں پیش کیا گیا ہے، اس لیے یہاں اس کے ایک دو مزید

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اجمالی جوابات پیش کیے جاتے ہیں۔ تفصیل کے شائقین کتاب مذکور کی طرف رجوع کریں۔ فان فیہ شفاء لکل علیل و ریاء لکل غلیل۔

اس استدلال یا شبہ میں شرع انور کے حقائق کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف الفاظ کے ظاہری لغوی معنوں کا سہارا لیا گیا ہے، ورنہ خود اس تحریر سے مترشح ہوتا ہے کہ خود استدلال کنندگان بھی حقیقت الامر کی طرف متوجہ ضرور ہیں۔ چنانچہ خود انھوں نے منقولہ بالا عبارت کے تحت حقیقت کا دبے لفظوں میں بایں طور اقرار کر لیا ہے کہ درحقیقت خلق و رزق جو صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے وہ عدم سے وجود میں لانا ہے۔ اور وجود میں آنے کے بعد اس کی نسبت غیر خدا کی طرف غلط نہیں۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۱۳۶ و ۱۳۷) اسے کہتے ہیں: ع

جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

مگر اس شاطرانہ چال کا کیا علاج کہ حقیقت کا اعتراف کرنے کے باوجود کہ حقیقی شرعی مفہوم کے اعتبار سے خالق و رازق صرف خدا ہی ہے۔ مگر عوام کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کے لیے برابر دھنڈورا پھر بھی یہی پیٹا جا رہا ہے کہ غیر خدا خالق و رازق ہیں۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ جھگڑا محض نسبت دینے کے جواز یا عدم جواز کا ہے یا نزاع ان امور (خلق و رزق) کو عدم سے وجود میں لانے کے متعلق ہے؟۔ ظاہر ہے کہ نزاع اسی آخری امر میں ہے کہ آیا باذن اللہ خلق و رزق کو عدم سے وجود میں لانے والے سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام ہیں یا یہ فعل خود خداوند عالم کا ہے؟ اور جب یہ صاحبان خود اقرار کرتے ہیں کہ عدم سے وجود میں لانا خدا کے ساتھ مختص ہے تو بعد ازیں یہ سب قیل و قال اور بحث و جدال برائے چہ؟ ع

اگر گویم ـــــ زباں سوزد

بہرحال جب حقیقی و اصطلاحی معنوں کے اعتبار سے خلق و رزق خدائے تعالیٰ کی ذات سے مختص ہیں تو اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر کسی جگہ ان امور کی نسبت غیر خدا کی طرف دی گئی ہے تو وہ نسبت شرعی نقطہ نظر کے اعتبار سے مجازی ہے۔ چنانچہ خلق کے معنی اصطلاح میں الاخراج من العدم الی الوجود کے ہیں۔ ہاں البتہ اس کے لغوی معنی یہ ہیں: التقدیر و الاتقان فی الصنعۃ کسی چیز کا اندازہ کرنا اور کسی چیز کو عمدہ طریقے پر بنانا۔ (متشابہ القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۷۳)

بنا بریں احسن الخالقین کے معنی یہ ہوں گے: احسن المقدرین و احسن الصانعین و لاضیر فیہ۔ چنانچہ کتاب کلیات ابوالبقاء صفحہ ۱۶۳ پر لکھا ہے: و احسن الخالقین ای المقدرین او جمع

Scanned with CamScanner

بطریق عموم المجاز اذ لا موثر فی الحقیقۃ الا اللہ ۔ یعنی احسن الخالقین کے معنی ہیں احسن المقدرین یا یہ جمع بطور عموم المجاز ہے ۔ (اس کی وضاحت "احسن الفوائد" میں دیکھی جائے) کیونکہ فی الحقیقت اللہ کے سوا اور کوئی مؤثر (اور خالق) نہیں ہے ۔ (کذا فی المفردات للراغب صفحہ ۱۵۷) فراجع ۔

باوجود اس کے کہ اس لغوی معنی کے اعتبار سے غیر خدا ہر مہندس و صانع کو خالق کہا جاسکتا ہے مگر پھر بھی اصول شریعت کے پیش نظر علماء اعلام نے اس کی بھی ممانعت کی ہے ۔ چنانچہ علامہ شہر بن آشوب فرماتے ہیں: انا لا نطلق ھذہ الصفۃ الا فیہ تعالیٰ لان ذلک یوھم ۔ ہم اس صفت (خالقیت) کا اطلاق صرف ذات باری تعالیٰ پر کرتے ہیں ۔ کیونکہ (غیر خدا پر اس کا اطلاق کرنا) غلط معنوں کا وہم پیدا کرتا ہے ۔ (متشابہ القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۷۳)

اسی طرح سرکار علامہ مجلسیؒ نے آیت قل اللہ خالق کل شی کے ذیل میں افادہ فرمایا ہے:

یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق الی الانبیاء و الائمۃ علیھم السلام ۔ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ خلق (پیدا کرنے) کی نسبت انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی طرف دینا جائز نہیں ہے ۔

(بحار جلد ۷ صفحہ ۳۳)

ھل من خالق غیر اللہ؟

اسی طرح اسی باب میں بذیل عنوان بطلان تفویض علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں حضرت شیخ طوسی اور علامہ طبرسیؒ کا کلام بھی اسی عدم جواز کے سلسلہ میں پیش کیا جا چکا ہے ۔ فراجع ۔ اور جن آیات میں حضرت عیسیٰؑ کی طرف خلق کی نسبت دی گئی ہے وہ من باب المجاز ہے ۔ جس کی تفصیل باب چہارم میں آرہی ہے، انشاء اللہ تعالیٰ

اسی طرح رزق کے اصطلاحی معنی یہ ہیں:

الرزق ما ھو بالانتفاع بہ اولی فاضافۃ الرزق الی اللہ تعالیٰ واجبۃ لانہ خلق الحیوۃ و الشھوۃ و مکن من الانتفاع بالقدرۃ و الالات و قال ان اللہ ھو الرزاق المتین و قال ھم من خالق غیر اللہ یرزقکم من السماء و الارض الخ ۔

رزق وہ چیز ہے جس سے استفادہ کرنا اولیٰ ہو ۔ (جس پر زندگی کی بقا منحصر ہو) اس کی نسبت خدا کی طرف واجب ہے ۔ کیونکہ اسی نے زندگی کو خلق فرمایا ہے ۔ اور اسی نے کھانے پینے کی خواہش پیدا کی ہے اور طاقت و آلات کے ذریعہ اس سے استفادہ کرنے کی قدرت دی ہے ۔ چنانچہ اس کا ارشاد ہے خدا ہی رزق دینے والا ہے اور صاحب قوت و متانت ہے ۔

Scanned with CamScanner

اس معنی کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف رزق دینے کی نسبت جائز نہیں ہے۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ آیت مبارکہ: اللہ الذی خلقکم ثم رزقکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ھل من شرکائکم من یفعل من ذلکم من شئ سبحانہ و تعالی عما یشرکون کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یدل علی عدم جواز نسبۃ الخلق و الرزق و الاماتۃ و الاحیاء الی غیرہ سبحانہ و انہ شرک۔

(بحار جلد ۷ صفحہ ۳۳۷)

یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ غیر خدا کی طرف خلق و رزق اور اماتت و احیاء کی نسبت دینا ناجائز اور شرک ہے۔ لیکن رزق کے دوسرے معنی کسی کو کچھ بلاعوض دینا بھی ہے۔ جیسے ہبہ، ہدیہ اور وصیت۔

نیز یہ لفظ عطیہ جاریہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ کہا جاتا ہے: رزق السلطان جندہ۔ یعنی بادشاہ نے اپنے لشکر کو رزق دیا۔ پس معلوم ہوا کہ اس معنی کے اعتبار سے غیر خدا کی طرف اس کی نسبت مجازاً جائز ہے۔ اس کی تائید خود بعض آیات قرآنیہ سے بھی ہوتی ہے۔

و اذا حضر القسمۃ اولو القربی و الیتمی و المساکین فارزقوھم و قولوا لھم قولا معروفا

(پارہ ۴ سورہ نساء ع ۱۲)

اور جب (ترکہ کی) تقسیم کے وقت (وہ) قرابتدار (جن کا کوئی حصہ نہیں) اور یتیم بچے اور محتاج لوگ آجائیں تو انھیں بھی کچھ اس میں سے دیدو اور ان سے اچھی طرح بات کرو۔ (ترجمہ فرمانؒ)

یہاں اس آیت میں عام لوگوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تقسیم وراثت کے وقت قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کو کچھ رزق دیں (یعنی ان کو کچھ عطا کریں) مگر بایں ہمہ پھر بھی علی الاطلاق غیر خدا کو رازق کہنا شرعاً روا نہیں ہے۔ کیونکہ اس سے فاسد معنی کا توہم ہوتا۔ کما تقدم بیانہ۔

علاوہ بریں اس شبہ کا ایک دوسرا جواب یہ بھی دیا جاسکتا ہے کہ آیت خیر الرازقین و احسن الخالقین کا مطلب یہ ہے کہ کفار جن کو خالق و رازق سمجھتے تھے ان کے بالمقابل یہ اعلان کیا جارہا ہے کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو جب خدا یقیناً خود تمھارے عقیدہ کے مطابق بھی ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر افضل کو چھوڑ کر مفضول کے دامن کے ساتھ متمسک ہونا کہاں کی دانش مندی ہے؟ ان آیات کا طرز و انداز بیان ویسا ہی ہے جیسا حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اختیار کیا تھا کہ:

یا صاحبی السجن ءارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار؟

Scanned with CamScanner

اے میرے ساتھیو کیا متفرق رب بہتر ہیں یا ایک قہار خدا کو پروردگار ماننا بہتر ہے؟
کیا کوئی شخص یہ باور کرسکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کی نگاہ میں خدا کے بالمقابل کچھ برحق رب تھے؟ حاشا و کلا۔

اسی طرح بعض ادعیہ میں وارد ہے:

یا رب الارباب و یا ملك الملوك و یا سید السادات و یا جبار الجبابرة و یا اله الالهة صل علی محمد و آل محمد۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۱۰۱)

اے تمام ربوں کے رب، تمام بادشاہوں کے بادشاہ، تمام سرداروں کے سردار، تمام جابروں پر جابر اور تمام معبودوں کے معبود محمدؐ و آل محمدؐ پر رحمت نازل فرما۔

اہل انصاف بتائیں خدا کے علاوہ کوئی اور معبود ہے؟ حاشا و کلا۔

سب اہل اسلام کا اجماع و اتفاق ہے کہ لا الہ الا اللہ یعنی خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ مطلب صرف یہی ہے کہ جن کو کفار معبود و مسجود سمجھتے ہیں۔ اور فی الحقیقت معبود نہیں تھے۔ خدا ان کا بھی معبود ہے یہی کیفیت خیر الرازقین اور احسن الخالقین کی ہے کہ کفار مشرکین کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ جن کو تم خالق و رازق سمجھتے ہو۔ جب خود تمہارے ہی اعتقاد کے مطابق خدا ان سے بہتر خالق و رازق ہے تو پھر اس احسن الخالقین و خیر الرازقین کی بارگاہ کو چھوڑ کر دوسروں کی چوکھٹوں پر جبہ سائی کرنا عقل و دانش پر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔

چنانچہ ایک دوسرے مقام پر خدائے حکیم کفار و مشرکین کو جھنجھوڑ کر فرماتا ہے:

تدعون بعلا و تذرون احسن الخالقین

کیا تم لوگ بعل (بت) کو پکارتے ہو اور احسن الخالقین کو چھوڑ دیتے ہو؟

ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ فابتغوا عند اللہ الرزق۔ خداوند عالم سے رزق طلب کرو۔ کیونکہ للہ خزائن السموت و الارض۔ زمین و آسمان کے خزانے خدا ہی کے قبضہ قدرت میں ہیں۔

چنانچہ کتاب مفردات راغب اصفہانی (جو کہ لغات القرآن کی مشہور و مستند کتاب ہے) کے صفحہ ۱۵۷ پر احسن الخالقین کے ایک معنی تو وہی لکھے ہیں جو ہم نے کلیات ابوالبقا کے حوالہ سے لکھے ہیں۔ اور دوسرے معنی یہ لکھے ہیں:

او یکون علی تقدیر ما کانوا یعتقدون و یزعمون ان غیر اللہ یبدع فکانه قیل فاحسب ان ههنا مبدعین و خالقین فاللہ احسنهم ایجادا علی ما یعتقدون ۱۲۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

یعنی یا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن کو یہ لوگ خالق سمجھتے ہیں خدا ان سے احسن خالق ہے، تو یا اس طرح کہا جا رہا ہے کہ فرض کرو یہاں کچھ اور خالق و مبدع موجود ہیں، جیسا کہ ان لوگوں کا خیال ہے، تب بھی خدا ان سے بہتر خالق ہے۔

آٹھواں شبہ اور اس کا جواب:

ارشاد قدرت ہے:

ولو انهم رضوا ما آتاهم الله و رسوله و قالوا حسبنا الله سيؤتينا الله من فضله و رسوله انا الى الله راغبون۔

یعنی اور جو کچھ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا ہے اگر یہ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے لیے کافی ہے، ہمیں اللہ اور اس کا رسولؐ دونوں اپنے فضل و کرم سے عطا کریں گے۔ ہم یقیناً خدا کی طرف رغبت رکھتے ہیں۔

تو یہ اظہار ان کے لیے ثبوت ایمان کی دلیل ہوتا۔

ارشاد فرمایا:

و ما نقموا الا ان اغناهم الله و رسوله من فضله۔

اور ان لوگوں نے محض اس وجہ سے مخالفت کی ہے کہ اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو دولت مند بنا دیا۔

اس آیت میں صاف صاف اعلان ہے کہ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو مالدار بنا دیا ہے۔

اس شبہ کے جواب میں ہمیں مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے بلکہ سابقہ شبہ کے جواب سے اس کا جواب با صواب بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ یہاں ایتا و اغنا کی نسبت من باب المجاز بالکل اسی طرح پیغمبر اسلام کی طرف دی گئی ہے جس طرح ہر مالدار کو حکم دیا گیا ہے کہ:

و آتوهم من مال الله الذى آتاكم (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱۰)

اللہ کے مال سے غرباء و مساکین کو اسی طرح عطا کرو جس طرح خدا نے تم کو عطا کیا ہے۔

ان آیات کا تعلق باتفاق تمام مفسرین اسلام، مال غنیمت سے ہے۔ یعنی اس مال سے منافقین کو عطا کر کے دولت مند کرنا مراد ہے اور یہ امر ہمارے محل نزاع سے خارج ہے، اس کا نزاعی مسئلہ کے ساتھ بالکل کوئی ربط نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

اس امر کا ثبوت کہ یہ آیات مال غنیمت و صدقات سے متعلق ہیں اور بعض منافقین کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، ان آیات کے سیاق و سباق پر نظر کرنے سے مل جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے:

و منهم من يلمزك فى الصدقات فان اعطوا منها رضوا و ان لم يعطوا منها اذاهم يستخطون ، و لو انهم رضوا ما آتاهم الله و رسوله و قالوا حسبنا الله سيوتينا الله من فضله و رسوله انا الى الله راغبون۔ (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱۳)

(اے رسولؐ) ان میں سے کچھ تو ایسے بھی ہیں جو تمھیں خیرات (کی تقسیم) میں (خواہ مخواہ) الزام دیتے ہیں۔ پھر اگر ان میں سے انھیں (کچھ معقول مقدار) دے دیا گیا تو خوش ہو گئے اور اگر (ان کی مرضی کے موافق) اس میں سے انھیں کچھ نہیں دیا گیا تو بس فوراً ہی بگڑ بیٹھے۔ اور جو کچھ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر یہ لوگ اس پر راضی رہتے اور کہتے کہ خدا ہمارے واسطے کافی ہے (اس وقت نہیں) عنقریب ہی خدا ہمیں اپنے فضل (وکرم) سے اور اس کا رسولؐ دے ہی دے گا۔ ہم تو یقیناً اللہ ہی کی طرف لو لگائے بیٹھے ہیں۔ (تو ان کا کیا کہنا تھا) (ترجمہ فرمانؒ)

ان ہر دو آیات مبارکہ کو پڑھنے کے بعد اگرچہ اب یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج نہیں رہتی، مگر اطمینان قلب کے لیے بعض تفاسیر کے حوالہ جات بھی پیش کیے جاتے ہیں۔

علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان جلد صفحہ ۵۰۸ و ۵۰۹ پر فرماتے ہیں:

ومنهم اى من هولاء المنافقين يلمزك فى الصدقات الى يعيبك و يطعن عليك فى امر الصدقات۔ و لو انهم رضوا ما آتاهم الله و رسوله معناه و لو ان هولاء المنافقين الذين طلبوا منك الصدقات و عابوك رضوا بما اعطاهم الله و رسوله

یعنی کچھ منافق ایسے بھی ہیں جو صدقات و خیرات کے تقسیم کرنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں اور طعن و تشنیع کرتے ہیں جو کچھ خدا نے اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمایا تھا اگر اس پر راضی ہو جاتے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ منافقین جو تم سے اور صدقات کا مطالبہ کر کے تجھ پر الزام لگاتے ہیں، اگر اسی مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا و رسولؐ نے (مناسب سمجھ کر) ان کو (دی تھی) (تو یہ بات ان کے لیے اچھی تھی)

اسی طرح فاضل کاشانی اپنی تفسیر صافی صفحہ ۲۱۰ پر لکھتے ہیں:

و لو انهم رضوا بما آتاهم الله و رسوله ما اعطاهم الرسول من الغنيمة او الصدقة سنوتينا الله من فضله صدقة او غنيمة اخرى الخ۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

یعنی اس آیت مبارکہ کہ اگر وہ اس مقدار پر راضی ہو جاتے جو خدا اور اس کے رسولؐ نے ان کو عطا فرمائی تھی کا مطلب یہ ہے کہ رسولؐ نے ان کو مال غنیمت یا مال صدقہ سے جو کچھ عطا کیا تھا، اور کہتے عنقریب خدا ہمیں اپنے فضل سے عطا کرے گا۔ یعنی مال صدقات یا کسی اور مال غنیمت سے عطا فرمائے گا۔

اسی طرح دوسری مکمل آیت اس طرح ہے:

ویحلفون باللہ ما قالوا کلمۃ الکفر و کفروا بعد اسلامھم و ھموا بمالم ینالوا و ما نقموا الا ان اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ فان یتوبوا یک خیرا لھم و ان یتولوا یعذبھم اللہ عذابا الیما فی الدنیا و الاخرۃ و مالھم فی الارض من ولی و لا نصیر۔ (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱۶)

یہ منافقین خدا کی قسمیں کھاتے ہیں کہ (کوئی بری بات) نہیں کہی حالانکہ ان لوگوں نے کفر کا کلمہ ضرور کہا۔ اور اپنے اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔ اور جس بات پر قابو نہ پا سکے اسے ٹھان بیٹھے۔ اور ان لوگوں نے (مسلمانوں سے) صرف اس وجہ سے عداوت کی کہ اپنے فضل و کرم سے خدا نے اور اس کے رسولؐ نے دولت مند بنا دیا ہے، تو ان کے لیے اسی میں خیر ہے کہ یہ لوگ اب بھی توبہ کر لیں۔ اور اگر یہ نہ مانیں گے تو خدا ان پر دنیا و آخرت میں دردناک عذاب نازل فرمائے گا۔ اور تمام دنیا میں ان کا نہ کوئی حامی ہوگا نہ مددگار۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت میں ان منافقین کی ریشہ دوانیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنھوں نے شب عقبہ آنحضرتؐ کو شہید کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا تھا۔ اس آیت میں بھی اسی بات کا تذکرہ ہے کہ خدا و رسولؐ نے مال غنیمت و صدقات سے ان کو دولت مند بنایا تھا۔ مگر ان بدباطنوں نے احسان کا بدلہ برائی سے دیا۔

چنانچہ تفسیر مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۵۱۳ پر لکھا ہے:

و ما نقموا الا ان اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ۔ معناہ انھم عملوا بضد الواجب فجعلوا موضع شکر النعمۃ ان نقموھا و بیانہ انھم نقموا فیما لیس بموضع للنقمۃ فانہ لم یکن للمسلمین ذنب ینقمونہ منھم بل اللہ تعالیٰ اباح لھم الغنائم و اغناھم بذلک فقابلوا النعمۃ بالکفران و کان من حقھم ان یقابلوھا بالشکر۔

یعنی آیت و ما نقموا الا ان..... کا مفہوم یہ ہے کہ جو کچھ ان پر اخلاقاً واجب تھا انھوں نے اس کا الٹ کیا۔ یعنی خدا نے ان کے لیے مالِ غنیمت کو مباح قرار دے کر اس مال سے ان کو دولت مند

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بنایا تھا۔ انھوں نے اس احسان کا شکر ادا کرنے کی بجائے الٹا کفران نعمت کیا۔

(کذا فی التفسیر الصافی صفحہ ۲۱۲)

یہ ہے ان لوگوں کے اس مایہ ناز استدلال کی حقیقت جس پر اتراتے ہوئے کہتے ہیں کہ اہل حق قیامت تک اس کا جواب نہیں دے سکتے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح و آشکار ہو گیا کہ یہ استدلال تار عنکبوت سے بھی زیادہ بودہ و کمزور ہے۔

وان اوھن البیوت لبیت العنکبوت

ایسی آیات مبارکہ کے ساتھ استدلال کر کے یہ لوگ اپنے علم و فضل اور دین و دیانت کا کوئی اچھا مظاہرہ نہیں کرتے۔ ھداھم اللہ تعالیٰ الی صراط مستقیم۔

بایں ہمہ بعض حضرات کو اصرار ہے کہ جب شی سے شی بنانا یعنی مادہ موجودہ کی شکل بدل دینا بھی خلق ہے اور اسی طرح جب لغت عرب میں رزق کے معنی عطا کرنا بھی ہیں تو پھر غیر خدا کو خالق و رازق کہنا کیوں درست نہیں ہے؟۔ اس کے متعلق جواباً واضح رہے کہ اگر یہ دھاندلی روا رکھ لی جائے کہ شریعت مقدسہ کی اصطلاحات اور اس کے اصولوں سے قطع نظر کر کے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر اس طرح نام تقسیم کرنا شروع کر دیے جائیں تو اس سے دو عظیم خرابیاں لازم آئیں گی۔

❶ ایک یہ کہ ہمارے متعلقہ مسئلہ میں موجودہ مادہ میں کسی قسم کا تغیر کرنے والا خالق کہلانے لگے گا خواہ وہ نجار ہو یا حداد۔ حتی کہ حائک (جولاہا) بھی کیوں نہ ہو۔ اور اسی طرح کسی کو کچھ عطا کرنے والا ہر شخص رازق کہلوانا شروع کر دے گا۔ کائنا من کان (جو بھی ہو) اس طرح پھر اہل بیتؑ کی فضیلت ہی کیا رہ جائے گی؟

❷ دوسری یہ کہ اس طرح ہر خبر دینے والا نبی اور ہر پیغام رساں رسول کہلا سکے گا۔ کیونکہ لغت عرب کی رو سے نبی خبر دینے والے اور رسول پیغام پہنچانے والے کو ہی کہا جاتا ہے۔ کیا مستدل صاحبان اس دھاندلی کو روا رکھنے کے روادار ہیں؟

قل اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون۔

خدا کا شکر یہ ہے کہ بعض جوابی کتب میں بھی کھل کر اس حقیقت کا اقرار کر لیا گیا ہے کہ حقیقی معنوں کے لحاظ سے خالق و رازق خدا ہی ہے۔

چنانچہ امام زمانہؑ کی توقیع مبارک ان اللہ خلق الاجسام و قسم الارزاق لانہ لیس بجسم ولا حال فی جسم لیس کمثلہ شیٔ کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے: یعنی خدا ہی وہ ہے کہ جس نے

Scanned with CamScanner

اجسام کو پیدا کیا۔ کیونکہ وہ جسم نہیں ہے۔ یعنی عدم سے وجود میں لانے والا اجسام کا وہی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ وہ جسم نہیں ہے اور نہ جسم میں حلول کرنے والا ہے۔ کیونکہ جو خود جسم ہوگا وہ جسم کو عدم سے وجود میں لانے والا نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح رزق کو عدم سے وجود میں لانا بھی اسی کا کام ہے۔
(حقائق الوسائط صفحہ ۱۵۶)

بعد ازیں صرف لفظی نزاع ہی باقی رہ جاتا ہے۔ حقیقی معنی کے لحاظ سے نہ یہ غیر خدا کو خالق و رازق سمجھتے ہیں اور نہ ہم۔ اور لغوی اعتبار سے ہم بھی درست سمجھتے ہیں اور یہ بھی۔ مگر فرق صرف اس قدر ہے کہ ہم لغت کے ساتھ ساتھ شرعی اصولوں کو بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس لیے علی الاطلاق غیر خدا پر لفظ خالق و رازق کا اطلاق جائز نہیں سمجھتے۔ کیونکہ اس سے حقیقی معنوں کا توہم ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات ان اصولوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر غیر خدا پر خالق و رازق کا اطلاق کرتے ہیں، جو کہ صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ یہ بات یعنی یہ کہ حقیقی وارثان شریعت کے ارشادات اور ان کے مقرر کردہ اصولوں کو نظر انداز کر کے صرف لغوی معنوں کا سہارا لے کر کوئی مطلب ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک ایسی مُسلمہ حقیقت ہے کہ استدلال مذکور کرنے والوں نے بھی اس کی صداقت کا اقرار کرلیا ہے۔

چنانچہ ایک اور مقام پر زیر عنوان "الفاظ قرآن کا مقصد لغت سے حل نہیں ہوسکتا" لکھتے ہیں:
قرآن مجید میں الفاظ بالتحقیق عربی ہیں۔ اور اسی زبان پر وہ نازل ہوا ہے۔ لیکن ظاہری الفاظ کا ورد کرنا اور قرآءت کرنا مقصود خدا نہیں ہے، بلکہ اس کے معانی و مطالب اور تاویل مراد خدا ہے۔ اور اس کا علم بغیر وحی والہام نہیں ہوسکتا۔ مثلاً صلوٰۃ، زکوٰۃ، حج یا لفظ نبی و امام، رسول یا لفظ ید، وجہ، ساق، یا لفظ غضب، رحمت، محبت، یا لفظ بیت، قریب، مدینہ، یا لفظ علم قدرت، ارادہ یا لفظ صراط، سبیل، سبل وغیرہ خدا کی طرف منسوب ہو کر لغوی معنی میں باقی نہیں رہتے۔ اس لیے ان الفاظ کے مقاصد و معانی خداوندی، کتب لغت سے حل نہیں کیے جاسکتے۔ جیسا کہ ہماری اس کتاب کے مطالعہ سے ثابت ہو جائے گا۔ لہٰذا مراد و مقصد خدا معلوم کرنے کے لیے وحی والہام کی ضرورت ہے۔ اسی مطلب کو خداوند عالم نے اس آیہ وافی ہدایہ میں بیان فرمایا ہے: وما یعلم تاویلہ الا اللہ و الراسخون فی العلم۔ جب مقصد خدا کا بغیر وحی والہام علم ممکن نہیں ہے تو ہمارے علوم ناقصہ اور آرائے کاسدہ سے جو کچھ ثابت ہوگا وہ ہمارے ہی عقول کا مخلوق ہوگا۔ اور اس پر عمل اور اعتقاد بے دینی کہلائے گی۔ کیونکہ دین صرف امر و نہی خدا کا نام ہے نہ کہ اپنے طبع زاد آراء کا۔ (حقائق الوسائط صفحہ

Scanned with CamScanner

۳۸۰ و ۳۸۱) نقلناہ بطولہ لجودۃ محصولہ۔

ہم اس بیان کی صرف بحرف تائید کرتے ہیں۔ مؤلف نے جہاں ایسے الفاظ کی طویل فہرست پیش کی ہے جن کا مقصد و معنی بغیر وحی والہام کے محض لغت کی مدد سے حل نہیں کیا جاسکتا۔ کاش کہ اس میں لفظ خلق ورزق، امانت واحیاء اور شفا کا بھی اضافہ کر دیتے۔ اس طرح مطلب اور واضح ہو جاتا۔ مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مؤلف نے اس اصول کی اپنی کتاب میں پابندی نہیں کی۔ بلکہ اس اصول کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دی ہیں۔ جہاں دیکھو لغوی معانی کا سہارا، قیاسات کی ڈھارس، اور ذاتی آراء و خیالات کی پناہ لی ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کے ناظرین پر یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے۔ بہرحال ہم اسی زریں اصول کی روشنی میں یہ دریافت کرتے ہیں کہ کیا اسی کتاب "حقائق الوسائط" کے صفحہ ۱۲۶، ۱۳۷، ۱۳۸، اور ۱۴۲ وغیرہ پر ائمہ اہل بیتؑ کو خالق و رازق ثابت کرنے کے لیے مؤلف نے صرف لغوی معنوں اور ذاتی قیاس کا سہارا نہیں لیا؟ لیکن جبکہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ ان الفاظ قرآن کا مقصد و مطلب بغیر وحی والہام متعین نہیں کیا جاسکتا تو پھر ہم ببانگ دہل کہتے ہیں کہ یا ان معانی وحی وتنزیل یعنی سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کا کوئی مستند فرمان پیش کریں۔ جس میں انھوں نے اپنے اوپر لفظ خالق و رازق وغیرہ کا اطلاق کیا ہو، یا دوسروں کو اس کی اجازت دی ہو۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے اور تا طلوع آفتاب قیامت یقیناً نہیں کر سکتے۔ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا [1] تو پھر صرف لغوی معانی کا سہارا لے کر ائمہ ہدیٰ کو خالق و رازق کہنے کے بدعقیدہ سے توبۃ النصوح کریں۔ لعل اللہ یقبل توبتھم و ان کان یظھر من اخبار السادۃ الاطھار ان توبۃ الضال المضل لا تقبل الا ان یرد الضال الذی اضلہ عن ضلالتہ و ھو متعسر بل متعذر و لا سیما بعد موتہ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ واللہ الموفق۔

نواں شبہ اور اس کا جواب:

بحار الانوار جلد ہفتم میں ایک حدیث معروفہ بالنورانیہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام اور اس

---

[1] یہ لوگ ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ان کے لیے خالق و رازق کے الفاظ کب دکھائیں گے۔ البتہ ہم ابھی یہ دکھا دیتے ہیں کہ معصومینؑ نے ان لوگوں کو کافر قرار دیا ہے، جو ان کو باذن اللہ بھی خالق و رازق قرار دیں۔ چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں من قال نحن الخالقون بامر اللہ فقد کفر۔ یعنی جو شخص ہمیں بامر اللہ بھی خالق کہے وہ کافر ہے۔ (شرح خطبہ للرشتی صفحہ ۳۲۴، حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۷۸ ارسالہ تصحیح العقائد صفحہ ۱۳ طبع حیدر آباد دکن بحوالہ بحار الانوار علامہ مجلسیؒ) (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے ساتھ ملتی جلتی ایک روایت حضرت امام زین العابدینؑ کی طرف منسوب ہے۔ جس میں یخلق باذنہ و یرزق باذنہ کے الفاظ موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام باذن اللہ خلق کرتے اور رزق دیتے ہیں۔

اس کے متعلق جواباً عرض ہے کہ ہفتم بحار الانوار صفحہ ۳۷۹ طبع تبریز پر ایک باب موجود ہے جس کا عنوان ہے: باب نادر فی معرفتهم صلوات الله علیهم بالنورانیة و ذکر جمل فضائلهم علیهم السلام۔ اور اس باب میں علامہ مجلسیؒ نے کسی پرانی قلمی کتاب سے (جس کے مؤلف کا نام خود سرکار موصوف کو بھی معلوم نہیں) دو طویل الذیل اور غریب المضامین حدیثیں درج کی ہیں۔ اور ہر حدیث کو درج کرنے کے بعد اپنی علمی شان کے مطابق پوری دیانت داری کے ساتھ ان کے متعلق اپنی رائے گرامی کا اظہار کر دیا ہے۔ یعنی اس کی تضعیف فرما دی ہے۔ چنانچہ حدیث معرفۃ بالنورانیہ لکھنے کے بعد بذیل عنوان بیان فرماتے ہیں:

اقول لو صح صدور هذا الخبر عنه لاحتمل ان یکون المراد به و بامثاله ان الانبیاء علیهم السلام بالاستشفاع بانوارنا رفعت عنهم المکاره و الفتن۔

یعنی اگر اس خبر کا آں جنابؑ سے صادر ہونا تسلیم کر لیا جائے تو پھر (انا الذی حملت نوحا میں وہ ہوں جس نے نوحؑ کو کشتی میں سوار کیا) یا اس قسم کے اور جملوں کے متعلق احتمال ہے کہ ان کا مطلب یہ ہو کہ ہمارے انوار مقدسہ کے ساتھ توسل کرنے کی وجہ سے انبیاء کے مشکلات و مصائب دور ہوتے تھے۔ لہٰذا وہ من باب المجاز یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے ایسا کیا اور ویسا کیا۔ الخ

اسی طرح دوسری روایت (جس میں یخلق باذنہ کے الفاظ موجود ہیں) نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اقول انما افردت لهذه الاخبار بابا لعدم صحة اسانیدها و غرابة مضامینها فلا نحکم بصحتها و لا ببطلانها و نرد علمها الیهم علیهم السلام۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۸۵)

میں کہتا ہوں کہ میں نے ان اخبار کے لیے ایک علیحدہ باب اس لیے منعقد کیا ہے کہ ان اخبار کی سندیں صحیح نہیں ہیں۔ علاوہ بریں ان کے مضامین بھی عجیب و غریب ہیں۔ لہٰذا ہم نہ تو ان کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور نہ ہی ان کو بالکل غلط قرار دیتے ہیں، بلکہ ان کی حقیقت کا علم انہی بزرگواروں کے سپرد کرتے ہیں۔

ارباب عقل و انصاف غور فرمائیں کہ آیا اصول عقائد کے مرحلہ میں جہاں صحیح السند اخبار احاد پر بھی اعتماد کرنا جائز نہیں ہے، آیا ایسے اخبار غریبہ پر عقائد کی دیوار استوار کی جا سکتی ہے جن کے

Scanned with CamScanner

ناقل خود ان کو صحیح نہ سمجھتے ہوں۔

یا اھل الکتاب لم تلبسون الحق بالباطل و تکتمون الحق و انتم تعلمون۔

کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ ہماری قوم علمی سطح سے اس قدر گر چکی ہے کہ آج اس کے نام نہاد واعظ و مبلغ اپنے مبلغ علم کے مطابق ایسی روایات کو ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان کے تراجم شائع کرتے ہیں اور بلا تاویل ان کو ان کے ظاہری معنوں پر محمول کر کے عوام کے عقائد و اعمال کو خراب و برباد کر رہے ہیں اور اس نام نہاد معرفت پر اتراتے بھی ہیں۔ اور مزید برآں علماء اعلام کو ان کا مطالعہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ (گویا ان کے خیال میں ان روایات پر علماء کی نظر نہیں ہے) مگر کوئی روکنے ٹوکنے اور عملی محاسبہ کرنے والا نہیں ہے، کیونکہ اہل حق کی گرفت ڈھیلی ہے۔

و ما یتبع اکثرھم الا ظنا و ان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔

اور یہ سب صرف اس لیے ہے کہ ائمہ اہل بیتؑ کے حق میں تقصیر نہ ہو جائے۔ لیکن انھیں اس کی ہرگز پروا نہیں کہ مبادا کہیں توحید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے اور شرک و غلو کے چاہ ضلالت میں نہ گر جائیں۔ وان الشرک لظلم عظیم۔

دسواں شبہ اور اس کا جواب:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی زیارت مطلقہ جس کو امام جعفر صادق علیہ السلام نے انشا فرمایا ہے، میں ایک جگہ وارد ہے:

ارادۃ الرب فی مقادیر امور تھبط الیکم و تصدر من بیوتکم۔

(مفاتیح الجنان صفحہ ۲۲۳)

یعنی اے اہل بیت محمدؐ اللہ تعالیٰ کا ارادہ جملہ امور کی مقدار میں تمھارے ہاں نازل ہوتا ہے اور تمھارے گھر سے صادر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا ارادہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لیکن جملہ امور تقسیم اہل بیتؑ کے ذریعہ ہوتے ہیں۔

پہلا جواب:

اس شبہ کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ یہاں ارادۃ الرب سے بظاہر ارادہ تشریعی مراد ہے۔ یعنی وہ ارادہ جو امور شریعت سے متعلق ہوتا ہے، نہ ارادہ تکوینیہ۔ کیونکہ یہ ارادہ اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر نہیں جاتا۔ ہم "احسن الفوائد" میں اس پر مکمل تبصرہ کر چکے ہیں کہ ارادہ صفات فعل میں سے ہے اور خدا کا ارادہ بندوں کے مانند بھی نہیں کہ اس کی تکمیل میں کئی مقدمات طے کرنے پڑیں، بلکہ

Scanned with CamScanner

الارادۃ من اللہ احداثہ ۔ اللہ کے ارادہ کا مطلب یہ ہے کسی چیز کو وجود دینا۔ (ارشاد امام صادق در حدیث اھلیلج مندرجہ ۱۴ بحار) فارادۃ اللہ الفعل۔ یعنی خدا کے ارادہ کا مطلب ہے کام کرنا۔ (توحید صدوقؒ) مطلب یہ کہ ارادہ ہوا اور مراد حاصل ہوگئی ۔ بنابریں جب اس ارادہ کا کوئی مکان ہی نہیں تو پھر اس کے اوپر و نیچے آنے جانے کا مطلب کیا ہے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اس سے مراد شرعی امور کے متعلق ارادہ ہے جس کی تائید بعد والے فقرہ عما فصل من احکام العباد یعنی یہ کہ جو کچھ آپ کے گھروں سے صادر ہوتا ہے وہ بندوں کے احکام کی تفاصیل ہیں ۔ یہ مطلب بالکل درست ہے کیونکہ حلال و حرام اور دیگر تمام مسائل و احکام شرعیہ کا علم دوسرے لوگوں کو اسی خانوادہ عصمت و طہارت کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

دوسرا جواب:

اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اس ارادہ سے مراد ارادۂ تکوینیہ ہے تو پھر اس شبہ کا جواب وہی ہے جو تیسرے شبہ کا پیش کیا گیا ہے کہ اس فقرہ کا مطلب سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ لیلۃ القدر میں فرشتے تمام امور کو لے کر بغرض اطلاع و اعلام اور تحیہ و سلام خدمت امام زمانؑ میں حاضر ہوتے ہیں اور پھر اپنی ڈیوٹی کی انجام دہی پر چلے جاتے ہیں۔ یہ اس جملہ کا ایسا صاف و صریح مطلب ہے کہ جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ عالم ربانی علامہ محسن فیض کاشانی اپنی کتاب الوافی جلد ۲ صفحہ ۵۵۷ پر زیارت مطلقہ کے اسی جملہ کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یعنی انتم الذین یعلمونھا اولا ثم تصدر من بیوتکم الی سائر الناس فیہ اشارۃ الی ما ینزل الیھم فی لیلۃ القدر من کل امر یکون فی السنۃ۔

یعنی اے اہل بیت رسولؐ تم سب سے پہلے خدا کے ارادہ کو معلوم کرتے ہو۔ پھر آپ کے گھروں سے دوسرے لوگوں کی طرف صادر ہوتا ہے۔ اس میں لیلۃ القدر میں فرشتوں کے سال بھر کے امور لے کر حاضر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ جس طرح لیلۃ القدر میں فرشتوں کے خدمت امام میں حاضر ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ امام علیہ السلام ان کی ڈیوٹیاں تقسیم کرتے ہیں، جیسا کہ اس کی تحقیق سابقاً کی جا چکی ہے، اسی طرح اس فقرہ سے بھی یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔

حذو النعل بالنعل
والقذۃ بالقذۃ

Scanned with CamScanner

گیارھواں شبہ اور اس کا جواب:

حضرات محمدؐ وآل محمد علیہم السلام خدا کے خلیفے ہیں۔

لفظ خلیفہ کے موارد استعمال سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تین معنوں میں مستعمل ہے۔

1. بیٹا۔ یہاں یہ معنی درست نہیں۔ کیونکہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔
2. کسی مرے ہوئے کا وارث ہو۔ یہ معنی بھی یہاں صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ خدا حی لا یموت ہے۔
3. مظہر صفات و آئینہ کمالات۔ یہ معنی درست ہیں۔ یعنی یہ حضرات خدا کے صفات کے مظہر اور اس کے کمالات کا آئینہ ہیں۔ جو کام وہ کرتا ہے یہ بھی کرتے ہیں۔ غرضکہ یہ خدا کے جانشین ہیں۔ لہٰذا ان کو خالق ورازق سمجھنا درست ہے۔

یہ شبہ بچند وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً جہاں تک ظاہر و مظہر کی بحث کا تعلق ہے سطور بالا میں چوتھے شبہ کے جواب میں اس فاسد نظریہ کا قلع قمع کیا جا چکا ہے، وہاں رجوع کیا جائے۔ (فلا نطیل الکلام بالتکرار)

ثانیاً یہ جانشینی والی ایچ بھی یہاں لایعنی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ جانشینی یا مقام میں ہوگی یا مکان میں۔ اور یہاں یہ دونوں شقیں باطل ہیں۔ پہلی شق اس لیے کہ کوئی مخلوق خالق کے منصب و مقام پر فائز ہو، یہ بات عقلاً وشرعاً محال وناممکن ہے، اور دوسری شق اس لیے کہ خدا کا کوئی حیز ومکان نہیں ہے، تاکہ کوئی اس کا جانشین بنے۔ وہ لازمان ولامکان ہے۔

ثالثاً اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ یہ بزرگوار خدا کے جانشین ہیں تو اس سے یہ کب لازم آتا ہے کہ وہ خدا کی ہر ہر صفت میں اس کے قائم مقام ہوں۔ مثلاً خدا جسم وجوہر اور مکان وزمان کے حدود وقیود سے منزہ ومبرا ہے تو یہ بھی ان امور سے منزہ ہوں۔ خدا خالق و رازق ہے تو یہ بھی خالق ورازق ہوں۔ خدا لم یلد ولم یولد کا مصداق ہے تو یہ بھی بیوی بچوں سے بے نیاز ہوں۔ وعلیٰ ہذا القیاس۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ جانشینی اور قائم مقامی صرف بعض مخصوص امور میں ہے اور وہ نظام شریعت ہے۔ جیسا کہ قبل ازیں اسی باب میں اس کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خداوند عالم حضرت داؤدؑ سے فرماتا ہے:

یا داود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس۔ اے داؤدؑ ہم نے تمھیں خلیفہ بنایا ہے۔ اس لیے تم لوگوں میں (عدل وانصاف کے ساتھ) حکم کرو۔ صاحبان عقل وفکر کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ احکام شریعت نافذ کرنا کجا اور خلق ورزق وغیرہ امور تکوینیہ کی انجام دہی اور وہ بھی بطور

Scanned with CamScanner

وظیفہ و ڈیوٹی کجا ؟ ع

سماع وعظ کجا نغمہ رباب کجا
ببیں تفاوت راہ از کجا ست تا بکجا

رابعاً انبیاءؑ واوصیاءؑ کو خلیفۃ اللہ محض اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ بزرگوار لوگوں کے نہیں بلکہ خدا کے مقرر کردہ ہیں۔ یہ نسبت مجازی اور یہ اضافت تشریفی ہے۔ جیسے خانہ کعبہ کو بیت اللہ اور ماہ رمضان کو شہر اللہ بغرض تعظیم وتکریم کہا جاتا ہے۔ ان کو خلیفۃ اللہ اس لیے نہیں کہا جاتا کہ وہ خدا کے صفات کے اوتار، یا نظام عالم چلانے میں اس کے قائم مقام ہیں۔ سبحان اللہ عما یقول الظالمون علواکبیرا۔

خامساً اگر خلیفہ کا وہی مفہوم ہو جو اس شبہ میں بیان کیا گیا ہے تو پھر ان آیات کا مفہوم کیا ہوگا؟ ھوالذی جعلکم خلائف فی الارض۔ (پارہ سورہ فاطرع) خدا وہ ہے جس نے تمھیں زمین میں خلیفہ بنایا۔ اسی طرح قوم صالح کو خطاب ہوتا ہے: واذکروا اذ جعلکم خلفاء۔ اس (احسان کو) یاد کرو کہ خدا نے تمھیں خلیفہ بنایا۔ تو کیا یہ تمام لوگ خدا کے جانشین یا اس کے کمالات وصفات کے مظہر تھے۔ اگر یہاں یہ کہا جائے کہ وہ گزشتہ امتوں کے جانشین تھے تو پھر یہاں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ جناب آدمؑ کو قوم جنات ونسناس کے، جناب داؤدؑ سابقہ نبیوں کے، سرکار خاتم الانبیاءؐ تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کے قائم مقام و جانشین تھے۔ نہ آدمؑ و داؤدؑ کے واقعہ میں ان کے خلیفۃ اللہ ہونے کی تصریح ہے، بلکہ خلیفہ ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور نہ ان آیات میں لوگوں کے خلفاء اللہ ہونے کا تذکرہ ہے بلکہ صرف خلیفہ ہونے کا بیان ہے۔ ہاں البتہ بوجہ نصب وتقرر خداوندی انبیاءؑ وائمہؑ کو من باب المجاز وبغرض تعظیم وتکریم خلیفۃ اللہ کہا جاتا ہے۔ (درسے از ولایت)

بارھواں شبہ اور اس کا جواب:

قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب جبرائیل متمثل بہ بشر ہو کر جناب مریم کے پاس پہنچے اور جناب مریمؑ نے گھبرا کر ان سے خدا کی پناہ مانگی۔ تو انھوں نے جواباً کہا: انما انا رسول ربك لاھب لك غلاما زکیا۔ میں تمھارے پروردگار کا ایلچی ہوں تاکہ تمھیں پاکیزہ بچہ عطا کروں۔ اس سے معلوم ہوا کہ جناب جبرئیل بچہ عطا کر سکتے ہیں تو پھر سرکار محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کیوں نہیں دے سکتے؟

اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ جناب جبرئیل کے کلام میں اعطاء الولد کی نسبت ان کی طرف

Scanned with CamScanner

مجازی ہے۔ ورنہ اولاد عطا کرنے والا خداوند عالم ہی ہے۔ جبرئیل تو صرف بشارت دینے آئے تھے۔ چنانچہ اس بات کی تصدیق خود کلام مجید میں مذکورہ بالا سوال و جواب کے بعد موجود ہے کہ جناب مریمؑ نے بچہ کی بشارت کی خبر سن کر تعجب کے لہجہ میں کہا: انی یکون لی ولد ولم یمسسنی بشر؟ بھلا میرے ہاں کیوں کر بچہ ہوسکتا ہے جبکہ کسی انسان نے مجھے چھوا بھی نہیں جناب جبرئیل نے جواب میں کہا: قال کذلک قال ربك ھو علی ھین۔ تمہارے پروردگار نے فرمایا ہے کہ یہ بات (باپ کے بغیر اولاد دینا) مجھ پر آسان ہے۔ (پارہ ۱۲ سورۃ مریم ع ۵)

اس جواب سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ بچے کا پیدا اور عطا کرنے والا الغرض مالک و متصرف خدا ہے نہ جبرئیل وہ تو صرف مبشر ہیں۔ تفسیر مقتنیات الدرر جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ پر مرقوم ہے: کما ان النفخ فی مریم کان من جبرئیل و الخلق من اللہ۔ پھونک مارنا جبرئیل کا کام تھا اور بچہ پیدا کرنا خدا کا کام۔ اسی معمولی سی مناسبت کی بنا پر ہبہ ولد کی نسبت جبرئیل کی طرف دے دی گئی ہے، ورنہ: انھم لایدعون انھم یخلقون شیئا مما انفرد بہ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول و ھم بامرہ یعملون۔ (نہج البلاغہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۸)

ایسا ہی واقعہ جناب خلیلؑ خدا کی زوجہ محترمہ کے ساتھ بھی پیش آ چکا تھا۔ جب فرشتوں نے ان کو اولاد کی خوش خبری دی تو محترمہ نے سن کر کہا: ءالد و انا عجوز و ھذا بعلی شیخا۔ میں بچہ جنوں گی؟ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں۔ فرشتوں نے کہا: اتعجبین من امر اللہ۔ کیا آپ خدا کے امر و قدرت سے تعجب کرتی ہیں؟ (وہ قادر مطلق جو چاہے کرسکتا ہے) (پارہ ۱۲ سورہ ہود ع ۷) معلوم ہوا کہ اولاد عطا کرنا خدا کا فعل ہے۔ اسی لیے تو جناب ابراہیمؑ خدا کا شکر ادا کرتے ہیں۔ الحمد للہ الذی و ھبلی علی الکبر اسماعیل۔ اور انہی حقائق کی بنا پر انبیاءؑ و مرسلینؑ اور عباد اللہ الصالحین ہمیشہ خدا سے ہی اولاد طلب کرتے تھے۔ رب ھب لی من لدنك ذریۃ طیبۃ انك سمیع الدعاء۔ (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۱۲)

تیرھواں شبہ اور اس کا جواب:

جب حضرت امیر المومنینؑ بالاتفاق قسیم النار والجنہ ہیں تو اگر دنیوی رزق بھی وہی بزرگوار تقسیم کریں تو اس میں کیا استبعاد ہے؟

اس شبہ کا جواب واضح ہے کہ شریعت مقدسہ میں قیاس حرام ہے۔ فروع دین میں اس پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا ہے چہ جائیکہ اصول اعتقاد میں اس پر اعتماد کیا جائے۔ جب تک بطریق ائمہ

Scanned with CamScanner

طاہرین کوئی قطعی دلیل نہ پہنچے صرف ایسا ہونا ممکن ہے۔ اس میں کیا استبعاد ہے؟ ایسے ظنون و اوہام پر عقائد کی دیوار کھڑی نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ جنت و نار کی تقسیم کے ان کے متعلق ہونے پر ائمہ اطہارؑ کے متعدد آثار و اخبار موجود ہیں، اس لیے ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ آنجنابؑ قسیم الجنۃ والنار ہیں۔ اور تقسیم رزق کے متعلق چونکہ معصومینؑ کے ارشادات نہیں ملتے، اس لیے ہم بلا دلیل یہ عقیدہ نہیں رکھ سکتے۔ بلکہ اس کی نفی پر آیات و روایات موجود ہیں۔

❶ ارشاد ربانی ہے: نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیوۃ الدنیا (پارہ ۲۵ سورہ زخرف ع۹) ہم نے ہی زندگانی دنیا میں انسانوں کا رزق تقسیم کیا ہے۔

❷ اسی طرح ایک مقام پر ارشاد فرماتا ہے: ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء (پارہ سورہ ع) اگر خدا تعالیٰ اپنے (سب) بندوں کے رزق کو وسیع کر دیتا تو وہ زمین میں بغاوت کر دیتے۔ لیکن جتنی مقدار مناسب سمجھتا ہے نازل کرتا ہے۔

❸ ارشاد قدرت ہے: اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر۔ (پارہ ۱۳ سورہ رعد ع۹) خدا جس کی روزی چاہتا ہے فراخ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے کم کرتا ہے۔

❹ احتجاج طبرسی میں جناب رسول خداؐ کی ایک طویل حدیث شریف موجود ہے جس میں آنحضرتؐ نے کفار قریش کے تمام اعتراضات کے شافی و کافی جوابات دیے ہیں۔ ان کے اس اعتراض لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم کہ یہ قرآن (مکہ یا طائف) کے دو بڑے شہروں میں سے کسی بڑے (مالدار) آدمی پر کیوں نہیں اتارا گیا۔ کے جواب میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لیس قسمت اللہ الیک بل اللہ ھو القاسم للرحمات و الفاعل لما یشاء فی عبیدہ و امائہ۔ اللہ کی تقسیم تمہارے متعلق نہیں ہے بلکہ وہ خود ہی رحمتوں کا تقسیم کرنے والا ہے وہ جو چاہتا ہے اپنے بندوں اور کنیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ (صفحہ ۱۵)

❺ پھر ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں: ولکن الحکم للہ یقسم کیف یشاء و یفعل کما یشاء لیکن حکم خدا کا چلتا ہے وہ جس طرح چاہے تقسیم کرے اور جو چاہے سو کرے۔ (صفحہ ۱۶)

❻ حضرت امام رضا علیہ السلام رب العالمین کے معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مالکھم و خالقھم و سائق ارزاقھم الیھم من حیث یعلمون و من حیث لا یعلمون۔ فالرزق مقسوم و ھو یاتی ابن آدم علی الی سیرۃ سارھا من الدنیا لیس تقوی متق بزائدہ و لا فجور فاجر بناقصہ الخ۔ یعنی

Scanned with CamScanner

رب العالمین کا مطلب یہ ہے کہ خدا ان کا مالک و خالق اور جہاں سے انھیں علم بھی نہ ہو ان کا رزق پہنچانے والا ہے۔ رزق مقسم و مقدر ہو چکا ہے۔ فرزند آدم جہاں بھی ہو اس کا مقررہ رزق اس تک پہنچ جائے گا۔ نہ پرہیزگار کی پرہیزگاری اسے بڑھا سکتی ہے نہ گنہگار کی گنہگاری اسے گھٹا سکتی ہے۔ (عیون اخبار الرضاء جلد ا باب ۲۸ صفحہ ۲۸۳ طبع جدید)

۷ جناب امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ارزاق الخلائق کے متعلق سوال کیا گیا۔ فرمایا: فی السماء الرابعة تنزل بقدر و تبسط بقدر۔ رزق چوتھے آسمان میں ہیں، جو خدا کی قضا و قدر سے نازل ہوتے ہیں اور اسی کے فیصلہ کے مطابق فراخ ہوتے ہیں۔
(تفسیر صافی صفحہ ۴۷۶ بذیل آیت و فی السماء رزقکم سورہ الذاریات)

۸ آیت مبارکہ کل یوم ہو فی شان کی تفسیر میں جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: یحیی و یمیت و یرزق و یزید و ینقص۔ یعنی خدا ہر روز زندہ کرتا اور مارتا ہے، رزق دیتا ہے اور اس میں کمی بیشی کرتا رہتا ہے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۴۸۸ تفسیر سورہ رحمٰن)

۹ قبل ازیں جناب امیر المومنینؑ کا یہ ارشاد نقل کیا جا چکا ہے قدر الارزاق فکثرها و قللها و قسمها علی الضیق و السعة۔ خدا نے رزق مقدر کیے اور اسی نے کمی بیشی کے ساتھ ان کو تقسیم فرمایا۔
(نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۱۷۷ طبع مصر)

علاوہ بریں قبل ازیں اس قسم کی کئی آیات و روایات پیش کی جا چکی ہیں، جن میں وارد ہے کہ خداوند عالم ہی رازق اور رزق کو کم و زیادہ کرنے والا ہے۔ اور اس کی بسط و کشاد اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ قسیم الرزق خداوند عالم ہی ہے۔

۱۰ حضرت امیر المومنینؑ کے یہ اشعار آبدار زبان زد خلائق ہیں: ؎

رضینا قسمة الجبار فینا — لنا علم و للاعداء مال

فان المال یفنی عن قریب — و ان العلم یبقی لا یزال

یعنی ہم خدا کی اس تقسیم پر راضی ہیں کہ اس نے ہمیں علم و فضل اور ہمارے دشمنوں کو مال و منال دیا۔ کیونکہ مال عنقریب فنا ہو جائے گا لیکن علم ہمیشہ باقی رہے گا۔ اس سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ خدا رزق تقسیم کرتا ہے۔

۱۱ امام موسیٰ کاظمؑ ایک دعا میں فرماتے ہیں: یا خالق الخلق و یا باسط الرزق اے مخلوق کے خالق اور رزق کے فراخ کرنے والے الخ (عیون الاخبار جلد ا صفحہ ۶۱)

Scanned with CamScanner

⑫ نماز عشاء کے تعقیب میں یہ دعا پڑھی جاتی ہے، اس میں وارد ہے: وانت الذی تقسمه بلطفك اے خدا تو ہی اپنے لطف وکرم سے رزق تقسیم کرتا ہے۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۱۹)

قطع نظر ان دلائل قاطعہ کے اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو یہ تقسیم رزق والی بحث بالکل مہمل سی معلوم ہوتی ہے۔ یہ خود تقسیم تقسیم کی رٹ لگانے والوں کو بھی معلوم نہیں کہ اس کا مفہوم کیا ہے؟ کیونکہ اگر تقسیم سے مراد تقدیر ہے، یعنی رزق مقدر کرنا تو بالاتفاق رزق مقدر کرنے والا خدائے قادر وقیوم ہی ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ کہیں مال و اسباب کا خزانہ موجود ہے جس میں سے مٹھیاں بھر بھر کر مولا تقسیم فرماتے ہیں، تو یہ بالوجدان غلط ہے۔ کیونکہ روزی کسب واکتساب یعنی کمانے اور ہاتھ پیر ہلانے سے ملتی ہے۔ (لیس للانسان الا ما سعیٰ) ایسا نہیں ہے کہ چھت کے سوراخ سے رزق نازل کردیا جاتا ہے۔ بہرحال یہ تقسیم رزق والی بحث بالکل ہی لایعنی اور مہمل ہے۔

وہ مقررین قابل داد ہیں جو اس مقام پر دوسرے خلیفہ کے چیونٹی کو ڈبیا میں بند کرنے اور جناب امیرؑ کے اس کے منہ میں دانہ ڈالنے، جیسے بے سروپا اور بے اصل و بے بنیاد قصص وحکایات سے اس قسم کے اعتقادی مسائل کو ثابت کرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ نہ بیان کرنے والوں کو خود معلوم کہ اس من گھڑت قصہ کا ثبوت کیا ہے اور نہ سامعین کو یہ توفیق کہ حوالہ دریافت کرلیں۔ ع

وزیرے چنیں شہریارے چناں

اگر قوم میں تحقیق وجستجو کا یہ جذبہ پیدا ہوگیا تو پھر ایسے بے لگام مقررین دین کو کھلونا نہیں بنا سکیں گے۔ الحمدللہ اب دن بدن قوم خواب گراں سے بیدار ہو رہی ہے اور عوام کو الو بنانے والوں کا یوم الحساب قریب ہے۔ وما ذلك على الله بعزيز۔

چودھواں شبہ اور اس کا جواب:

کتاب نفس الرحمان صفحہ ۶۵ پر امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے جس کا ترجمہ مستدل کے الفاظ میں یہ ہے:

جب اللہ کسی امر کو نافذ کرنا چاہتا ہے تو پہلے اس کو رسول اللہ پر پیش کرتا ہے، پھر امیر المومنینؑ پر، پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہ اطہارؑ پر، یہاں تک کہ اس کو امام زمانہؑ کے پاس پیش کیا جاتا ہے۔ اور جب فرشتے چاہتے ہیں کہ کسی عمل کو اللہ کے پاس پیش کریں تو پہلے وہ امام زمانہؑ کے پاس پیش کیا جاتا ہے پھر یکے بعد دیگرے باقی ائمہؑ کے پاس یہاں تک کہ وہ رسول اللہؐ کی خدمت میں پیش ہوتا

Scanned with CamScanner

ہے۔ اور پھر خدا کے پاس پیش ہوتا ہے۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا ہے وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں پر نازل ہوتا ہے اور جو کچھ اللہ کی طرف جاتا ہے وہ آنحضرتؐ اور ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں سے جاتا ہے اور وہ چشم زدن سی دیر بھی اللہ سے مستغنی نہیں ہوتے۔

اسی طرح بصائر الدرجات صفحہ ۳۴۳ وغیرہ میں امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا (ترجمہ) اے ابوحمزہ طلوع شمس سے قبل نہ سویا کرو، چونکہ اس وقت اللہ تعالیٰ بندوں کے رزق تقسیم کرتا ہے، اور ہمارے ہاتھوں پر جاری فرماتا ہے۔ ان حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ بندوں کے رزق ائمہ معصومینؑ کے دست ہائے مبارکہ سے جاری کیے جاتے ہیں۔ یہ ہے بعض حضرات کے عقیدہ مع الدلیل کا خلاصہ جس پر انھوں نے بڑا زور دیا اور کئی صفحات سیاہ کر کے اسے افراط و تفریط کے مابین درمیانی نظریہ قرار دیا ہے۔ نہ معلوم وہ یہ لکھ کر تردید کس کی کر رہے ہیں؟ اس پر تو ہمارا بھی ایمان ہے کہ جب بھی کوئی فرشتہ زمین پر آتا ہے تو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور جب واپس جاتا ہے تو ان کی خدمت میں حاضری دے کر جیسا کہ یہ مضمون متعدد احادیث میں وارد ہے، بحث طلب امر تو یہ ہے کہ فرشتوں کی آمد و رفت کس غرض کے ماتحت ہے؟ آیا خدا کو ان حضرات سے مشورہ لینا مطلوب ہے؟ یا ان حضرات کو نظام عالم چلانے میں کچھ دخل ہے؟ یا امور تکوینیہ کو یہ حضرات نافذ کرتے ہیں؟

یہ استدلال صفحہ ۴۴ و ۴۵ پر پیش کرنے والے نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۴ پر اس پہلی حدیث کا آخری حصہ نقل کرنے کے بعد ان سوالوں کا نفی میں جواب دیتے ہوئے لکھا ہے: یہ صحیح الاسناد روایت تمام سابقہ روایات (واردہ در تفسیر سورۃ انا انزلناہ۔ ناقل) کا مفہوم واضح کر دیتی ہے کہ حق تعالیٰ اپنے تمام مقدر امور کے احکام کو پہلے ان ذوات مقدسہ کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور پھر کائنات میں ملائکہ کے ذریعے نافذ و رائج کرتا ہے جس کا مقصد محض ان حضرات معصومینؑ کی عظمت و جلالت اور رفعتِ شان کا اظہار ہے نہ یہ کہ ذوات مقدسہ اس کے افعال و اختیارات میں شریک یا مشاور ہیں۔ (جواہر الاسرا صفحہ ۵۴) پھر اس مطلب کی تائید میں سرکار علامہ مجلسیؒ کا کلام بحار جلد ۷ صفحہ ۲۶۴ سے پیش کیا ہے۔) بعینہ یہی مطلب ہم اصول الشریعہ طبع اول کے صفحہ ۱۰۸ پر پیش کر چکے ہیں۔ لہٰذا موصوف نے جو کچھ لکھا ہے وہ ہماری تائید مزید ہے نہ تردید۔

اس حدیث اور بیان میں بار بار اس امر کی وضاحت کی گئی ہے کہ امور کو مقدر بھی خدا کرتا ہے اور ملائکہ کے ذریعہ نافذ بھی خدا کرتا ہے۔ ائمہؑ کی بارگاہ میں فرشتوں کی یہ آمد و رفت محض ان کی عظمت

Scanned with CamScanner

شان و بلندی مقام کے اظہار کے لیے ہے وبس۔

باقی رہی دوسری حدیث اس کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اس کتاب کے ناشر نے اپنے وضاحتی نوٹ میں لکھا ہے کہ بندوں کے رزق کا ائمہ طاہرینؑ کے ہاتھوں پر جاری کرنے سے مراد آپؑ کے وسیلہ و برکت اور توسط سے جاری کرنا ہے۔ جیسا کہ سابق روایت میں ہے کہ خداوند عالم جو چیز اپنے بندوں پر نازل کرتا ہے تو پہلے اس کو فرشتے خدا کے حکم سے یکے بعد دیگرے رسالت مآبؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے علم میں لانے کے لیے ان کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ بعد ازاں بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ اس امر کا ثبوت مابعد کی روایت میں بالوضاحت ہے۔ ناشر (جواہر الاسرار صفحہ ۵۰) حدیث میں تقسیم کی نسبت خود خدائے لم یزل کی طرف ہے۔ معلوم ہوا کہ تقسیم خدا ہی کرتا ہے۔ ہاں بوجہ وسیلہ رزق ہونے کے ائمہ ہدیٰؑ کی طرف یہ نسبت مجازی ہے۔

و بینهم رزق الوریٰ و بوجودهم ثبتت الارض و السماء و الحمد لله علی وضوح المحال و انکشاف الاجمال۔

پندرھواں شبہ اور اس کا جواب:

ایک خطبہ جو کہ خطبۃ البیان کے نام سے موسوم ہے حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب ہے اس سے تفویض اور ان حضرات کا خالق و رازق ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس خطبہ میں وارد ہے:

انا داحی الارضین انا مورق الاشجار انا المصور ما فی الارحام انا احی و امیت انا اخلق وارزق۔

یعنی زمینوں کا (فرش) بچھانے والا، درختوں پر پتے اگانے والا، رحم مادر میں بچے کی تصویر کشی کرنے والا میں ہوں۔ میں زندہ کرتا ہوں اور میں مارتا ہوں۔ میں خلق کرتا ہوں اور میں رزق دیتا ہوں۔

اگرچہ ہم نے احسن الفوائد (صفحہ ۴۳۶ سے صفحہ ۴۳۸ تک طبع اول) میں اس شبہ کا تفصیلی اور قطعی جواب پیش کر دیا ہے اور روایت و درایت اور علمائے اعلام کے کلام حق ترجمان سے ثابت کر دیا ہے کہ یہ جناب امیر المومنینؑ کا کلام معجز نظام نہیں ہے اس لیے اس کے ساتھ تمسک کرنا بالکل غلط ہے۔ اور بفرض تسلیم اس کا وہ مفہوم نہیں ہے جو قشریین سمجھتے ہیں۔ شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں، تاہم مزید اطمینان اور وضاحت کی خاطر ذیل میں دو چار اور جلیل القدر علماء اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

❹ حضرت علامہ مرزا ابوالحسن تنکابنی اپنی کتاب مُستطاب قصص العلماء طبع بمبئی صفحہ ۴۵ پر حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب حدیث انا خالق السموت و الارض کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

می گوئیم کہ این خبر مجہول و کذب محض و افترا است و این خبر در خطبۃ البیان محمود علی دھداراست کہ از موضوعات است و شیخ رجب برسی صوفی نیز آن را در کتب خود نقل کردہ و الا پس علماء عالی مقدار و مشہورین اعضار از علماء اخیار و فضلاء ابرار و نقاد اخبار ائمہ اطہار مانند غواص اخبار علامہ مجلسی اجلسہ اللہ مجالس الرضا و الرضوان صاحب بحار الانوار و سید رضی جامع خطب حیدر کرار صاحب نہج البلاغۃ و ثقۃ الاسلام شیخ کلینی ماندار و اخراب ایشان این خبر را نقل نہ کردہ اند ــ و در ہیچ کتاب معتبرے آن را ندیدیم و نشنیدیم بلکہ بعضے از افاضل اکامل حکم بوضع تصریح بر کذب آن فرمودہ اند۔

یعنی ہم کہتے ہیں کہ یہ روایت بالکل جعلی اور من گھڑت ہے۔ یہ خبر محمد علی دہدار کے خطبہ البیان میں موجود ہے، جو کہ موضوعات (من گھڑت) خطبات میں سے ہے۔ اسے شیخ رجب برسی صوفی نے بھی اپنی کتب میں درج کیا ہے۔ ورنہ دوسرے عالی مقدار تمام زمانوں کے مشہور علماء اخیار و فضلائے ابرار اور ائمہ اطہارؑ کے اخبار کے ناقدین کبار مثل غواص بحار الاخبار سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ اور جناب سید رضی جامع خطب حضرت حیدر کرار صاحب نہج البلاغہ اور ثقۃ الاسلام حضرت کلینی مرحوم یا ان جیسے دیگر علماء ذوی الفخار نے اسے اپنی اپنی کتب میں نقل نہیں کیا۔ اور نہ ہم نے اسے کسی مُعتبر کتاب میں دیکھا ہے اور نہ سنا ہے بلکہ بعض علماء افاضل نے اس کے وضعی و جعلی ہونے کی تصریحات فرمائی ہیں۔ جیسے حضرت علامہ مجلسی در ہفتم بحار صفحہ ۳۶۵، محقق قمی در جامع الشتات صفحہ ندارد در آخر کتاب فی الرد علی الصوفیہ محدث خوئی در منہاج البراعہ جلد ۴ صفحہ ۳۶۵ وغیرہم۔

❺ زبدۃ الفضلاء حضرت آقا سید اسماعیل النوری اپنی کتاب کفایۃ الموحدین جلد ۱ صفحہ ۲۴۱ طبع ایران میں تحریر فرماتے ہیں:

آنچہ تفحص نمودیم در ین باب چیزے نیافتیم و چیزے ہم در اخبار نرسیدہ این کہ نسبت خلق و رزق و اماتت و احیا بایشاں دادہ شود علی الاطلاق بلی در خطبۃ البیان بعضے از یں الفاظ مذکور است ــ و

Scanned with CamScanner

لکن این خطبه را اصحاب ما نقل ننموده اند و گفته اند که این خطبه را بعضے از غلاة موضوع نمودند و آن را نسبت دادند بحضرت امیر المومنین علیه السلام و اصل ناقلین این خطبه هم نیز بعضے از عامه می باشند و خود جناب شیخ نیز تصریح کرده است بعدم اعتبار او چنانچه در شرح زیارة در مقام نقل بعضے او اخبار رجعت می گوید که من درخصوص این مضمون خاص که عدد اصحاب حضرت عجل الله فرجه هر یك ازان ها از بلد خاصے باشند و تعداد آن ها از یں بلدان متفرقه حدیثے در ین باب ندیدیم مگر در خطبه البیان و آن اعتبارے ندارد ـــــ (الی ان قال) پس بایں احوال چه حجت و دلیل خواهد شد این خطبه برائے احدی۔

یعنی ہم نے جہاں تک تتبع اور جستجو کی ہے احادیث میں کوئی ایک دلیل نہیں ملی جس کی بنا پر خلق و رزق اور اماتت واحیاء کی نسبت ائمہ اہل بیت کی طرف دینا علی الاطلاق جائز ہو۔ ہاں البتہ اس قسم کے بعض الفاظ خطبۃ البیان میں مذکور ہیں۔ لیکن اس خطبہ کو ہمارے علماء نے نقل نہیں کیا، بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اس خطبہ کو بعض غالیوں نے وضع کر کے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف اس کی نسبت دیدی ہے۔ اور اس کے ناقل بھی بعض سنی المذہب حضرات ہیں۔ خود شیخ (احمد احسائی تفویضی) نے بھی اس خطبہ کے ناقابل اعتبار ہونے کی تصریح کی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنی کتاب شرح الزیارۃ میں رجعت کا بیان کرتے ہوئے حضرت حجت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے ہر شہر سے مخصوص اصحاب کے عدد کے بارہ میں لکھا ہے کہ اس سلسلہ میں ہمیں سوائے خطبۃ البیان کے اور کوئی حدیث نہیں ملی۔ اور یہ خطبہ ناقابل اعتبار ہے۔ (بعد ازاں صاحب کتاب نے اس خطبہ کے اختلاف نسخ وعبارات کو کہ ایک نسخہ کے ساتھ دوسرا نہیں ملتا اس کے بطلان کی دلیل قرار دیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے) پس ان حقائق کی روشنی میں یہ خطبہ کیوں کر کسی شخص کے لیے کسی مطلب کے اثبات پر دلیل بن سکتا ہے۔

ہم دیباچہ میں ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ فرقہ غالیہ اپنے باطل دعووں کے ثبوت میں بے جھجک حدیثیں گھڑ لیا کرتا تھا۔

❸ فاضل محترم آقائے محسنی تفویض کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

فما یظهر من بعض الروایات و منها خطبة البیان من مدخلیة الائمة فی وجود الاشیاء و اثبات العلة الفاعلیة لهم بالنسبة الیها فلا بد من تاویله ان صح سنده و الافطرحه

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ـــــــ متعین لخطبة البیان التی لم توجد الا فی کتب الغلاة او فی اذهان غفلة العوام خفظنا الله من وسواس الشیطان۔

اور یہ جو بعض روایات سے کہ منجملہ ان کے ایک خطبۃ البیان بھی ہے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ اہل بیت کو اشیاء عالم کے وجود میں کچھ دخل ہے، اور یہ کہ وہ ان اشیاء کی علت فاعلی ہیں، تو اگر اس قسم کی روایات کی سند صحیح ہوئی تو ان کی لازماً تاویل کی جائے گی، ورنہ ان کو نظر انداز کر دیا جائے گا۔ جیسے خطبۃ البیان کہ اس کا سوائے غالیوں کی کتابوں کے یا (حقیقت حال سے) غافل عوام الناس کے ذہنوں کے اور کہیں وجود نہیں ہے۔ خدا ہمیں وسوسہ شیطانی سے محفوظ رکھے۔

(صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۴۳۴)

❹ آیۃ اللہ المجاہد جناب علامہ سید حامد حسین (صاحب عبقات) اپنی کتاب استقصاء الافحام جلد ۳ صفحہ ۴۷۶ پر مخالف کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے جس نے خطبۃ البیان کے بعض مندرجات کی بنا پر مذہب شیعہ پر ایراد کیا تھا، فرماتے ہیں:

و الزام وقتے متصور می شد که تصریح اهل حق بصحت این خطبه ثابت میگردد و انی له ذلك۔

یعنی یہ الزام اس وقت درست ہوتا کہ اہل حق (شیعہ) نے اس خطبہ کے صحیح ہونے کی کہیں کوئی تصریح کی ہوتی۔ اور مخالف اسے کب ثابت کر سکتا ہے؟۔

❺ علامہ سید حسین لکھنوی نے اپنی کتاب حدیقہ سلطانیہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ و ۲۱۹ پر اس خطبہ کی بڑے پرزور الفاظ میں رد فرمائی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

و دیگر مخفی نه باشد که غلاة شیعه بسیار دعوی هائے بلند و سخنان چند بآنحضرت نسبت دادند و بعضے آنحضرت را خدا گفتند چون راوی خطبة البیان مجهول است می تواند بود که این خطبه را یکے از ایشان بآنحضرت منسوب کرده باشد۔

یعنی مخفی نہ رہے کہ غالی شیعوں نے بہت سے بلند و بالا دعوے آنجنابؑ کی طرف منسوب کیے ہیں۔ حتی کہ بعض نے تو ان کو خدا بھی کہہ دیا ہے۔ چونکہ اس خطبہ کا راوی مجہول ہے اس لیے ممکن ہے کہ کسی غالی نے (خود وضع کر کے) اسے جناب امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا ہو۔

Scanned with CamScanner

انکشافِ حقیقت

چونکہ کوکب دری کے مؤلف نے اس خطبہ کو خواجہ محمد دہدار کے کسی رسالہ سے نقل کیا ہے، اب غور طلب بات یہ ہے کہ یہ خواجہ محمد دہدار کون ہیں؟ ان کی شخصیت کیا ہے، اور ان کا مذہب کیا ہے؟۔ اس سلسلہ میں حجۃ الخاصہ علی العامہ جناب علامہ حامد حسین اعلی اللہ مقامہ کی تحقیق بڑی وقیع وقابل قدر ہے۔ وہ اپنی مایہ ناز کتاب استقصاء الافحام جلد ۳ صفحہ ۴۷۶ طبع لکھنو پر فرماتے ہیں کہ

محمد بن محمود الملقب بدھدار کہ از اکابر علماء اھل سنت است و حاشیہ او بر نفحات جامی مشہور و پیش فقیر ھم حاضر۔

یعنی محمد بن محمود ملقب بہ دہدار اکابر علمائے اہل سنت میں سے ہیں نفحات الانس جامی (جو کہ تصوف میں ہے) پر ان کا حاشیہ مشہور اور فقیر (مصنف کتاب) کے پاس موجود ہے۔

اسی طرح علامہ سید حسین لکھنوی نے حدیقہ سلطانیہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۰ پر حضرت قاضی نور اللہ شوستری (شہید ثالث) اعلی اللہ مقامہ کا وہ کلام حق ترجمان نقل کیا ہے جو انھوں نے میر یوسف علی کے بعض سوالات کے جواب میں ارشاد فرمایا جس کا تعلق خطبۃ البیان سے تھا۔

جواب آن است کہ ثبت العرش ثم انقش سخن در اثبات است (خدام) تا غایت نہ اثبات صحت خطبۃ البیان بحضرت امیر مومنان نمودند و نہ بلکہ مولف آن مانند شیخ سعدی مرد صوفی مجہول المذھبی بودہ۔

یعنی اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تختی ثابت کرو۔ پھر اس پر کچھ لکھو۔ کلام اس میں ہے کہ آیا خطبۃ البیان صحیح بھی ہے؟ اس خادم (شہید ثالثؒ) کے نزدیک تاحال جناب امیر المومنینؑ کی طرف اس کا انتساب ثابت نہیں ہے۔ بلکہ اس خطبہ کا مؤلف شیخ (سعدی) کی طرح ایک مجہول المذہب صوفی ہے۔

ان دو جلیل القدر محقق علماء اعلام کے کلام سے معلوم ہو گیا کہ اس خطبہ مجہولہ کا اصل راوی بلکہ مصنف ایک سنی العقیدہ اور صوفی المسلک شخص ہے اور ہم ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں کئی بار ثابت کر چکے ہیں کہ اغیار سے اہل بیت رسولؐ کی کوئی فضیلت والی روایت بھی اس وقت تک قبول

Scanned with CamScanner

نہیں کی جاسکتی جب تک بطریق ائمہ اہل بیتؑ سے اس کی تائید مزید نہ ہوتی ہو۔ اور یہاں اس خطبہ کی تائید کی بجائے مذہب اہل بیتؑ کے ذمہ دار علماء اعلام بڑی شد و مد سے اس کی رد فرما رہے ہیں تو بعد ازیں بھی کوئی معمولی عقل و انصاف اور دین و دیانت رکھنے والا انسان اس خطبہ پر اپنے اعتقاد کی بنیاد رکھ سکتا ہے؟

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا
و بینکم ان لا نعبد الا اللہ و لا نشرک
بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا
ارباباً من دون اللہ فان تولوا
فقولوا اشھدوا بانا
مسلمون

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

چوتھا باب

انبیاء وائمہؑ سے استمداد کے جواز وعدم جواز کا بیان

تیسرے باب میں جو حقائق و معارف پیش کیے گئے ہیں اگرچہ ان سے اس موضوع (استمداد از انبیاء وائمہؑ) کا بھی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ یعنی جب مذکورہ بالا باب میں عقلی ونقلی دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے ثابت کر دیا گیا کہ خلق ورزق، اماتت واحیاء وغیرہ امور تکوینیہ خدا نے انبیاء و ائمہؑ کے سپرد نہیں فرمائے تو اس سے یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ان امور میں ان ذوات مقدسہ سے مدد مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر چونکہ یہ مسئلہ قدیم الایام سے محل بحث وتمحیص اور معرکۃ الآرا بنا ہوا ہے، لہٰذا ضروری سمجھا گیا کہ اس موضوع پر ایک مستقل باب میں جامع تبصرہ کر کے بلا خوف لومۂ لائم حق وحقیقت کو واضح وآشکار کر دیا جائے۔ الحق من ربك فلا تكونن من الممترين۔

امر اول ۔ محل نزاع کی تحریر وتنقیح:

قبل اس کے کہ اصل موضوع پر خامہ فرسائی کی جائے، مناسب ہے کہ بطور تمہید پہلے چند امور پر تبصرہ کر دیا جائے، جن کا اصل مقصد کے سمجھنے و سمجھانے کے ساتھ گہرا ربط و تعلق ہے۔ سب سے پہلے تو محل نزاع کی تنقیح و تحریر ضروری ہے، تاکہ خلط مبحث کی وجہ سے یہ بحث بے نتیجہ ہو کر نہ رہ جائے۔ جیسا کہ اس موضوع پر قلم اٹھانے والوں میں سے اکثر نے خلط مبحث سے کام لیا ہے۔ ارباب دانش وبینش پر یہ حقیقت واضح وعیاں ہے کہ خلاق عالم نے انسان کو مدنی الطبع پیدا کیا ہے۔ یعنی کوئی بھی آدمی اپنے تمام امور معاش ومعاد کو تن تنہا انجام نہیں دے سکتا۔ بلکہ وہ اپنے اکثر وبیشتر امور میں اپنے بنی نوع انسان کے بھرپور تعاضد وتعاون کا محتاج ہے۔ اسی حقیقت کے پیش نظر خلاق حکیم نے مسلمانوں کو امداد باہمی کا بار بار حکم دیا ہے اور وعد ووعید، ثواب وعقاب کے ذریعہ اس کی بڑی ترغیب دلائی ہے۔ تعاونوا على البر و التقوىٰ۔ یعنی نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو اور پیغمبر اسلامؐ نے اس سلسلہ میں اس قدر اہتمام فرمایا ہے کہ اس شخص کو

Scanned with CamScanner

خیر الناس قرار دے دیا ہے جو انفع الناس کا مصداق ہے۔ خیر الناس من ینفع الناس (لعالئی الاخبار)
اسی طرح ائمہ اطہارؑ نے خدمت خلق کی اس قدر تاکید فرمائی ہے کہ جس شخص کو اسلامی برادری کی حاجت براری اور ان کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا خیال نہ ہو اسے دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دیا۔ من اصبح و لم یھتم بامر المسلمین فلیس منھم۔ (بحار جلد ۱۷) اور وہ شخص جو نفع کی بجائے الٹا مخلوق خدا کو نقصان اور راحت کی بجائے اذیت پہنچائے اسے بدترین خلائق قرار دیا۔ (جامع السعادت) اور بعض نغز گو اسلامی شعراء نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ؎

عبادت بجز خدمت خلق نیست بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

کام آ خلق خدا کے کہ خدا کے نزدیک
اس سے بڑھ کر نہ ہوئی ہے نہ عبادت ہوگی

بہرحال دین حق کی نصرت کرنا، جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ نبیؐ و امامؑ کی کمر مضبوط کر کے اسلام کی نشر و اشاعت کرنا، گمراہ کو راہ راست دکھانا، مظلوم کو ظالم کے پنجہ ظلم و جور سے چھڑانا، فقیر و مسکین کی خدمت کرنا اور بھوکے کو روٹی کھلانا، اسی طرح صاحب احتیاج کو قرضۂ حسنہ دینا اور گرفتار بلا و مصیبت کی اخلاقی و مادی مدد کرنا وغیرہ وغیرہ وہ کارہائے خیر اور وہ بلند اخلاقی امور ہیں جن کی بجا آوری پر ثواب بے حساب بیان کر کے شریعت مقدسہ میں ترغیب و تحریص دلائی گئی ہے۔ لہٰذا اس قسم کی باہمی امداد و نصرت کے جواز میں تو کوئی سلیم العقل انسان کلام ہی نہیں کر سکتا، ہاں جو کچھ اختلاف ہے وہ انبیاءؑ و ائمہؑ سے ان امور کے بارے میں مدد و نصرت طلب کرنے کے جواز یا عدم جواز میں ہے جو انسانی قدرت و دسترس سے بالا ہیں۔ جیسے پیدا کرنا، مارنا، جلانا، رزق دینا اور بیماروں کو شفا دینا وغیرہ امور تکوینیہ جن پر تیسرے باب میں پوری بحث و گفتگو کی جا چکی ہے، چنانچہ وہ لوگ جنھوں نے اصول مذہب کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں کیا ان امور میں براہ راست ان بزرگواروں سے استمداد کو جائز سمجھتے ہیں۔ مگر جنھوں نے مذہب کو من حیث المذہب سمجھا ہے جن کے نزدیک ہر ہر موضوع و مسئلہ میں قرآن کے نصوص محکمہ اور پیشوایان دین کے اخبار معتبرہ و متفقہ سے سرمو تجاوز کرنا جائز نہیں ہے، وہ ان امور تکوینیہ میں ان ذوات مقدسہ سے صرف توسل و طلب شفاعت کرنے کو جائز سمجھتے ہیں و بس۔

ان حقائق سے معلوم ہو گیا کہ جن بعض رسائل میں پانچ عدد آیات مبارکہ کو پیش کر کے خلط مبحث کرتے ہوئے ان سے جواز استمداد پر استدلال کیا گیا ہے۔ جیسے آیت:

Scanned with CamScanner

ان تنصروا اللہ ینصرکم ، ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتومنن بہ و لتنصرنہ ، فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ لا ، فان اللہ مولاہ و جبریل و صالح المومنین ۔

دراصل ان آیات شریفہ کا ہمارے نزاعی مسئلہ کے ساتھ ہرگز کوئی ربط و تعلق نہیں ہے بلکہ ان میں ان امور کے بارہ میں ایک دوسرے کی مدد و نصرت کرنے کا حکم دیا گیا ہے یا تذکرہ کیا گیا ہے جن کے متعلق ایک دوسرے کی نصرت و اعانت کرنے کے جواز بلکہ استحباب بلکہ بعض صورتوں میں وجوب میں بھی کوئی کلام نہیں ہے۔

امر دوئم ۔ائمہ طاہرین۔زندہ جاوید ھین:

اس میں کوئی شک و شُبہ نہیں کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام ظاہری موت کا ذائقہ چکھ کر دارِ دنیا سے دارِ آخرت کی طرف مُنتقل ہو چکے ہیں اور موت کے جو شرعاً ظاہری علائم اور احکام ہیں، جیسے نماز جنازہ کا پڑھنا، غسل میت دینا، کفن پہنانا، دفن کرنا اور پھر وراثت کا تقسیم کرنا وغیرہ یہ سب امور عمل میں آچکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زندہ آدمی کے ساتھ ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ زندہ درگور کرنا، بلکہ اس کی نماز جنازہ پڑھنا اور اس کے مال و ترکہ کو بطور وراثت تقسیم کرنا حرام ہے۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ ان بزرگواروں کی اس ظاہری موت سے ان کے تمام آثار حیات کا خاتمہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بعض آثار کا سلسلہ اس کے بعد بھی برابر جاری رہتا ہے۔ اگر کمالات نبوت و امامت سے بھی غض بصر کر لیا جائے جس کے بارے میں حضرت امیر علیہ السلام فرماتے ہیں: وانہ یموت من مات منا ولیس بمیت۔ کہ ہمارا مرنے والا فی الحقیقت مرتا نہیں ہے۔
(نہج البلاغہ جلد ا صفحہ ۱۵۳)

تاہم اتنا تو مُسلّم ہے کہ ان ذوات مقدسہ میں سے کوئی بزرگوار بھی اپنی طبعی موت سے دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف مُنتقل نہیں ہوا بلکہ ان سب حضرات نے شمشیر و غایا زہر جفا کے ذریعہ جام شہادت نوش فرمایا ہے جیسا کہ خود ذوات قادسہ کا ارشاد ہے: مامنا الا مقتول او مسموم۔ یعنی ہم سب کے سب تلوار یا زہر سے شہید ہوتے ہیں۔ (الدمعہ الساکبہ۔ المنتخب للطریحی وغیرہ)
پس جب ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات کا شہید ہونا مُسلّم ہے تو اس سے ان کی حیات جاودانی بھی ثابت ہو جاتی ہے، کیونکہ شہداء کے بارہ میں قرآن مجید کا فیصلہ یہ ہے کہ:
لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء و لکن لا تشعرون (پارہ ۲ سورہ بقرہ ع ۳)

Scanned with CamScanner

اور جو لوگ خدا کی راہ میں مارے گئے انھیں کبھی مردہ نہ کہنا، بلکہ وہ زندہ ہیں، مگر تم (ان کی زندگی کی حقیقت کا) کچھ بھی شعور نہیں رکھتے۔

ایک اور مقام پر ارشاد رب العباد ہے:

ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا بل احیاء عند ربھم یرزقون

(پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۸)

اور جو لوگ خدا کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انھیں ہرگز مردہ نہ سمجھنا، بلکہ وہ لوگ جیتے (جاگتے موجود) ہیں اپنے پروردگار کے ہاں، وہ طرح طرح کی روزی پاتے ہیں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

جس طرح ہم اور بہت سے حقائق کو نہیں سمجھ سکتے، اسی طرح اگر اپنے عقول ناقصہ کی نارسائی کی وجہ سے ان کی اس حیات طیبہ کی حقیقت کو نہ سمجھ سکیں تو یہ اور بات ہے لیکن صاحبان علم و معرفت جانتے ہیں کہ عدم علم کو دلیل عدم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا جب ان حضراتؑ کی حیات باطنیہ برزخیہ[1] قرآن و حدیث کے نصوص صحیحہ و صریحہ سے محقق و مبرہن ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ ان کی ظاہری موت سے ان کے تمام آثار و تصرفات حیات منقطع نہیں ہوتے۔ اس طرح یہ بزرگوار آیت قرآنی: و ما یستوی الاحیاء و للاموات (کہ زندہ اور مردہ برابر نہیں ہو سکتے) کے عموم سے مستثنیٰ سمجھے جائیں گے۔ ہاں البتہ اس امر کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ ظاہری حین حیات میں ان کو کن کن اختیارات و تصرفات کا حق حاصل تھا؟

امور تکوینیہ کی انجام دہی ائمہ طاہرین کے متعلق نہیں ہے

تیسرے باب میں ناقابل انکار دلائل قاطعہ و براہین ساطعہ سے اس امر کو ثابت کیا جا چکا ہے کہ امور تکوینیہ (خلق، رزق، اماتت، احیاء اور شفاء امراض وغیرہ) میں ان بزرگواروں کا منصب و مقام بارگاہ قدرت میں لوگوں کی شفاعت و سفارش کرنا ہے، جہاں تک ان کی انجام دہی کا تعلق ہے اور پھر وہ بھی بطور وظیفہ و ڈیوٹی وہ قطعاً ان کے متعلق نہیں ہے، نہ بطور تفویض نہ بلحاظ توکیل اور نہ بصورت آلات وغیرہ۔ تو اس سے ارباب عقل سلیم و طبع مستقیم کے لیے یہ معمہ خود بخود حل ہو جاتا ہے

---

[1] اگرچہ قرآن اور حضرات محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان سے عام اہل ایمان کی حیات برزخیہ بھی ثابت ہے مگر جتنا فرق مراتب عام مومنین اور ائمہ طاہرین علیہم السلام میں ہے اتنا ہی فرق ان ہر دو کی حیات برزخیہ کے درمیان ہے۔ منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

کہ جب یہ امور خداوند عالم نے ان کے قبضہ واختیار میں دیے ہی نہیں۔ (بل لہ الخلق و الامر) تو پھر ان امور کو ان حضرات سے طلب کرنا اور ان کے متعلق براہ راست ان سے اس طرح مدد مانگنا کہ وہ خود اولاد دیں یا رزق دیں یا بیمار کو شفا دیں۔ وعلیٰ ہذا القیاس دوسرے تکوینی امور کو انجام دیں۔ اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ اگر بفرض محال چند لمحات کے لیے تفویض غیر استقلالی کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ باذن اللہ ان امور کی انجام دہی ان کے سپرد ہے تاہم ان امور میں ان کی طرف رجوع کرنا ایک بے معنی سی بات ہے۔ کیونکہ بنا بریں کرتا تو پھر بھی یہ سب کام خدا ہی ہے۔ ہاں صرف ان کا اظہار و اجراء ان کے ذریعہ ہوتا ہے۔ مگر یہ حضرات اپنی مرضی ومنشاء سے وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔ وھم بامرہ یعملون۔ اندریں حالات ظاہر ہے کہ رجوع اسی ذات قادر وقیوم کی طرف ہی کیا جائے گا جس کے قبضہ قدرت میں ان تمام امور کی بست و کشاد ہے۔ (تبارك الذی بیدہ الملك و ھو علی کل شی قدیر) جیسا کہ ملائکہ جو مدبرات امر ہیں اور تدبیر عالم میں بمنزلہ آلات خداوندی ہیں۔ یعنی خداوند عالم روحیں بذریعہ ملک الموت قبض کرتا ہے۔ رزق بتوسط میکائیل تقسیم فرماتا ہے اور حفاظت بواسطہ جبرئیل کرتا ہے۔ (الیٰ غیر ذلك) تو کیا کبھی کسی شخص نے ان فرشتوں سے مدد طلب کی ہے؟ کہ میری روح قبض نہ کرو، یا میری روزی فراخ کر دو، یا میری حفاظت کرو۔ کیوں؟ صرف اس لیے کہ ان امور کی انجام دہی میں ان فرشتوں کی ذاتی مرضی و منشا کو کوئی دخل نہیں ہے۔ نہ یہ کچھ بڑھا سکتے ہیں اور نہ گھٹا سکتے ہیں۔ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول و ھم بامرہ یعملون۔ یہی وجہ ہے کہ باوجودیکہ دینی امور میں تفویض ثابت ہے مگر آج تک کسی مومن نے ائمہ اطہارؑ سے یہ گزارش کرنے کی جرائت نہیں کی کہ میرے آقا فلاں چیز کو حلال بنا دو یا فلاں چیز کو حرام قرار دے دو۔ یا فلاں واجب کے ترک کرنے یا فلاں حرام کے بجالانے کی مجھے رخصت دے دو۔ (معاذ اللہ) کیوں؟ فقط اس لیے کہ وہ ماتشاون الا ان یشاء اللہ کے مصداق ہیں۔ خدا کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام قرار دینے والے ہیں۔ نظام شریعت میں انھیں کسی قسم کا کچھ تغیر و تبدل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ لیکن جب تکوینی امور میں سرے سے تفویض ثابت ہی نہیں، نہ استقلالی اور نہ غیر استقلالی۔ پھر خلق کرنے، رزق دینے اور مارنے و جلانے جیسے امور میں ان سے مدد مانگنے کا کیا محل باقی رہ جاتا ہے؟۔

ہاں چونکہ ان امور میں ان ذوات مقدسہ کا کام ہماری شفاعت اور سفارش کرنا ہے، لہٰذا ان کے ظاہری عین حیات کی طرح اب بھی ان کی بارگاہ معلیٰ میں یہ استدعا کرنا صحیح ہے کہ وہ بارگاہ خداوندی سے ہمارے یہ کام انجام دلوا دیں۔ یعنی بطور وسیلہ و شفاعت ان سے مدد مانگنا درست

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہے۔ظاہر ہے کہ کسی کام کو کسی اور ہستی سے انجام دلوا دینا بھی ایک قسم کی مدد ہے۔اس لیے بطور وسیلہ یا علی مدد کہنا باوجود اس کی نحوی خامی اور جملہ کے ادھوری ہونے کے جائز ہے۔

امر چہارم، صحیح طریقہ توسل و طلب شفاعت:

مذکورہ بالا بیانات سے ثابت ہوگیا کہ امور تکوینیہ (خلق ورزق اور اماتت واحیاء وغیرہ) میں ائمۂ اطہارؑ کو خطاب کرکے ان سے بطور وسیلہ وسفارش مدد طلب کرنا جائز ہے۔مثلاً یوں کہنا کہ یا علیؑ سفارش کرکے مجھے خدا سے اولاد لے دو یا میرا رزق وسیع کرادو یا میرے بیمار کو شفا دلوادو، یا استدعا کرکے میری فلاں مصیبت دور کرادو، یا شفاعت کرکے میرے گناہ خدا سے بخشوا دو۔ وغیرہ وغیرہ صحیح ہے۔یہ طریقہ ادعیہ اہل بیت علیہم السلام میں وارد ہوا ہے۔چنانچہ دعائے توسل میں وارد ہے:

یا ساداتی و مولائی انی توجهت بکم و توسلت بکم الی الله و استشفعت بکم الی الله فاشفعوا لی عندالله و استنقذونی من ذنوبی عندالله [1]۔

اے میرے آقایان میں آپ کے ذریعہ خدا کی بارگاہ کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔اللہ کی بارگاہ میں آپ کا توسل حاصل کرتا ہوں اور آپ سے طلب شفاعت کرتا ہوں۔آپ میری شفاعت فرمائیں اور خدا کے ہاں گناہوں سے میری گلوخلاصی کرائیں الخ (مفاتیح الجنان صفحہ ۱۱۰)

اسی طرح استغاثہ بنام امام زمان علیہ السلام میں وارد ہے: سل الله تعالی فی نجح طلبتی و اجابة دعوتی و کشف کربتی۔میرے آقا! آپ بارگاہ خدا میں سوال کریں کہ وہ میرے حاجات برلائے، میری دعا قبول فرمائے اور میرے رنج والم کو دور کرے۔(مفاتیح الجنان صفحہ ۱۱۷)

زیارت جامعہ میں تمام ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو خطاب کرکے اس طرح ان کی بارگاہ میں درخواست پیش کرنے کی تعلیم دی گئی ہے: استوهبکم ذنوبی و کنتم شفعائی۔آپ میرے گناہ بخشوائیں اور میری شفاعت فرمائیں۔(مفاتیح الجنان صفحہ ۵۵۰)

یہاں اس بحث میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ بزرگوار ہماری اس نحیف آواز کو براہ راست سماعت فرماتے ہیں یا خدا کے کچھ مخصوص فرشتے ان تک ہماری یہ عرضداشت پہنچاتے ہیں۔کیونکہ یہ غیر ضروری بحث ہے۔اس قدر مُسلّم ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو ہماری اس داد وفریاد کی اطلاع ضرور ہو جاتی ہے۔اور مشیت ایزدی کا مطالعہ کرنے کے بعد شفاعت بھی فرماتے ہیں۔ولا یشفعون الا لمن ارتضی۔مگر توسل اور استشفاع کا ایک اور طریقہ ایسا بھی ہے جو مذکورہ بالا طریقہ سے بھی انسب و اولیٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ ائمہ اطہارؑ کی ذوات مقدسہ یا ان کی عزت وعظمت کا واسطہ دے کر براہ

Scanned with CamScanner

راست خداوند عالم کو خطاب کر کے یہ چیزیں خدا سے طلب کی جائیں ۔مثلاً یوں کہا جائے: اللھم انی اسئلك بحق یا بجاہ یا بحرمت محمد و علی و فاطمۃ و الحسن والحسین و تسعۃ من ذریۃ الحسین ارزقنی یا اعطنی مالا و علما و ولدا۔ یا شفنی یا اشف فلانا۔ یا احی فلانا یا امت فلانا۔

یہی طریقہ ہمیشہ سے عباد و زہاد اور علماء و مجتہدین بلکہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کا معمول رہا ہے، اور ہے۔ کتب سیر و تواریخ اور زبرا احادیث و تفاسیر میں اس قسم کے متعدد اخبار و آثار موجود ہیں کہ اور تو اور خود انبیاءؑ و مرسلینؑ نے بھی مشکلات و مصائب کے وقت بارگاہ قدرت میں سید ابرار اور ان کی اہل بیت اطہار علیہم صلوات الملک الجبار کے ذوات مقدسہ سے توسل حاصل کیا ہے اور ان کے ساتھ توسل کرنے سے ان کی مشکلات حل ہوئی ہیں۔ اس قسم کے بکثرت اخبار بصائر الدرجات ہفتم بحار الانوار مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار اور تفسیر برہان وغیرہ کتب میں موجود ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ دو چار روایات پیش کرتے ہیں۔

❶ بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۴۸۹ طبع تبریز پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے: باب ان ان دعاء الانبیاء استجیب بالتوسل و الاستشفاع بھم صلوات اللہ علیھم اجمعین۔ یہ باب بحار کے چھ طویل و عریض صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ جس میں اس دعویٰ کے ثبوت میں متعدد احادیث پیش کی گئی ہیں۔ پہلی روایت بحوالہ کتاب جامع الاخبار و آمالی شیخ صدوق بروایت معمر بن راشد حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ:

سمعت ابا عبداللہ علیہ السلام یقول اتی یھودی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فقام بین یدیہ مجد النظر الیہ فقال یا یھودی ما حاجتك قال انت افضل ام موسیٰ بن عمران الذی کلمہ اللہ و انزل علیہ التوراۃ و العصا و فلق لہ البحر و اظلہ بالغمام؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم انہ یکرہ للعبد ان یزکی نفسہ و لکنی اقول ان ادم لما اصاب الخطیئۃ کانت توبتہ ان قال اللھم انی اسئلك بحق محمد و آل محمد لما غفرت لی فغفرھا اللہ لہ و ان نوحا لما رکب فی السفینۃ و خاف الغرق قال اللھم انی اسئلك بحق محمد و ال محمد الا انجیتنی من الغرق فنجاہ اللہ منہ و ان ابراھیم لما القی فی النار قال اللھم انی اسئلك بحق محمد و ال محمد لما انجیتنی منھا فجعلھا اللہ علیہ بردا و سلاما و ان موسیٰ لما القی عصاہ اوجس فی نفسہ خیفۃ قال اللھم انی اسئلك بحق محمد و آل محمد لما امنتنی فقال جل جلالہ لا تخف انك انت الاعلیٰ یا یھودی ان موسیٰ لو ادرکنی ثم لم یومن بی و

Scanned with CamScanner

بنبوتی ما نفعه ایمانه شیئا و لا نفعته النبوة یا یهودی و من ذریتی المهدی اذا خرج نزل عیسیٰ ابن مریم لنصرته فقدمه وصلی خلفه۔

یعنی میں نے حضرت صادق علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ایک دفعہ ایک یہودی جناب رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور گھور گھور کر آنجنابؐ کو دیکھنے لگا۔ آنحضرتؐ نے اس سے دریافت فرمایا: اے یہودی تجھے کیا کام ہے؟ اس نے عرض کیا: آیا آپؐ افضل ہیں یا موسیٰؑ بن عمران۔ جن کے ساتھ خدا نے کلام کیا، ان پر توراۃ نازل کی۔ عصا مرحمت فرمایا، دریا کو شگافتہ فرمایا اور بادل کا سایہ کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا اگرچہ انسان کے لیے اپنے نفس کی پاکیزگی بیان کرنا پسندیدہ امر نہیں مگر میں (اظہارِ حقیقت کی خاطر) کہتا ہوں کہ جب حضرت آدمؑ سے ترک اولیٰ ہوا تو ان کی توبہ اس طرح تھی کہ بارگاہ قدرت میں عرض کیا: یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے معاف فرما۔ پس خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اسی طرح جب جناب نوحؑ کشتی میں سوار ہوئے اور غرق ہونے کا خطرہ لاحق ہوا تو بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا: یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے غرق ہونے سے نجات عطا فرما۔ چنانچہ خدا نے ان کو نجات عطا فرمائی اور ان کی کشتی کنارے لگائی۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو انھوں نے قاضی الحاجات کی بارگاہ میں یوں دعا و پکار کی: یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے اس آتش (نمرودی) سے نجات دے۔ چنانچہ خدا نے آگ کو ان پر بردو سلام فرما دیا۔ اور جب حضرت موسیٰؑ نے عصا پھینکا (اور وہ اژدہا بن گیا) تو جناب موسیٰؑ نے خوف محسوس کیا، اور اس طرح بارگاہ قدس میں فریاد کی: یا اللہ محمدؐ و آل محمدؐ کا واسطہ مجھے امان دے۔ ارشاد قدرت ہوا: خوف نہ کرو۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ اے یہودی اگر حضرت موسیٰؑ میرے زمانے کو پالیتے اور پھر مجھ پر اور میری نبوت پر ایمان نہ لاتے تو نہ ان کا ایمان ان کو کوئی فائدہ پہنچاتا اور نہ نبوت۔ اے یہودی میری ہی اولاد سے وہ مہدیؑ ہے کہ جب وہ ظہور کرے گا تو حضرت عیسیٰؑ ابن مریمؑ ان کی نصرت کے لیے (آسمان سے) نازل ہوگا، اور ان کو آگے کر کے ان کی اقتداء میں نماز پڑھے گا۔ ولنعم ما قیل ؎

اگر نام محمدؐ را نیاوردے شفیع آدمؑ
نہ آدمؑ یافتے توبہ نہ نوحؑ از غرق نجیتا
(جامی)

❷ ہفتم بحار صفحہ ۴۹۱ پر بحوالہ خصال، معانی الاخبار و عیون اخبار الرضاؑ ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ بیان کرتے ہیں:

Scanned with CamScanner

سئلت النبی عن الکلمات التی تلقاها آدم من ربه فتاب علیه قال سئله بحق محمد و علی و فاطمة و الحسن و الحسین الا تبت علی فتاب (کذا فی التفسیر الدر المنثور جلد۱ صفحہ۶۱ و ۶۲ للسیوطی و السیرة النبویة لابن دحلان جلد۱ صفحہ۱ و شرح الشفاء جلد۲ صفحہ۲۴۲ طبع مصر)

یعنی میں نے جناب رسول خدا ﷺ سے دریافت کیا کہ وہ کلمات کیا تھے جو حضرت آدمؑ نے خدا سے حاصل کیے تھے اور ان کی بدولت ان کی توبہ قبول ہوئی؟ فرمایا وہ کلمات یہ تھے: اللھم انی اسئلك بحق محمد الخ۔

نیز بخاری کی اسی جلد اور اسی صفحہ پر حضرت امام رضا علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا:

لما اشرف نوح علی الغرق دعی الله بحقنا فدفع الله عنه الغرق و لما القی ابراهیم فی النار دعی الله بحقنا فجعل الله النار علیه بردا و سلاما و ان موسیٰ لما ضرب طریقا فی البحر دعی الله بحقنا فجعله الله سبیلا و ان عیسی لما اراد الیهود قتله دعی الله بحقنا فنجی من القتل فرفعه الیه (کذا فی مقدمة تفسیر مرآة الانوار صفحہ۳۱)

یعنی جب حضرت نوحؑ کو غرق ہونے کا اندیشہ دامن گیر ہوا تو ہماری عظمت کا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے غرق ہونے کے خطرہ کو ٹال دیا۔ جب حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو انھوں نے بھی خدا کو ہماری عزت کا واسطہ دے کر پکارا۔ خدا نے ان کے لیے آگ کو سرد اور باعث سلامتی بنا دیا۔ جب حضرت موسیٰؑ نے دریا کو عبور کرنا چاہا تو ہمارے حق کا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ خدا نے اسے شگافتہ کر دیا اور جب یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ کو قتل کرنا چاہا تو انھوں نے ہمارے حق کا واسطہ دے کر خدا کو پکارا۔ چنانچہ خدا نے ان کو اپنی بارگاہ میں زندہ اٹھا لیا۔

اخبار و آثار سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہوتی ہے کہ فرشتے بھی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے توسل سے خدا کا تقرب حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ مقدمہ تفسیر مرآة الانوار صفحہ ۳۲ پر بروایت حماد حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام سے مروی ہے کہ آنجنابؑ سے کثرت ملائکہ کے بارے میں استفسار کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

والذی نفسی بیده لملائکة الله فی السموت اکثر من عدد التراب فی الارض و ما فی السماء موضع قدم الا و فیها ملك یسبحه و یقدسه و لا فی الارض شجر و لا مدر الا فیها ملك موکل بها و ما منهم احد الا و یتقرب الی الله کل یوم بولایتکم (الظاهر ان یکون و لایتنا)

Scanned with CamScanner

اهل البیت و یستغفر لمحبینا و یلعن اعدائنا۔

یعنی مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے کہ آسمانوں والے فرشتے ذرات زمین سے بھی تعداد میں زیادہ ہیں۔ تمام آسمان میں ایک قدم رکھنے کی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی ایسا فرشتہ موجود نہ ہو جو خدا کی تسبیح و تقدیس کرتا ہے اور زمین میں کوئی بھی شجر و حجر ایسا نہیں جس کے ساتھ کوئی فرشتہ موکل نہ ہو، اور یہ تمام فرشتے ہر روز بارگاہ قدرت میں ہم اہل بیتؑ کی ولایت کے ذریعہ قرب حاصل کرتے ہیں اور ہمارے دوستوں کے لیے طلب مغفرت کرتے ہیں اور ہمارے دشمنوں پر لعنت۔

انہی حقائق کی بنا پر علامہ میرزا ابوالحسن الشریف نے مقدمہ تفسیر مرآۃ الانوار صفحہ ۱۵۰ پر لکھا ہے:

و من الواضحات ایضا انه لا یستجاب دعاء الا بالتوسل بهم علیهم السلام و لم یدع احد من الاخیار و لم یسئل منه شیئا الا بواسطتهم بل عمدة دعاء هولاء البقاء و الثبات علی ولایتهم۔

یعنی یہ بات واضحات میں سے ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے ساتھ توسل کے بغیر کوئی دعا مستجاب نہیں ہوتی، کبھی خدا کے کسی نیک بندے نے ان کے ساتھ توسل کیے بغیر نہ خدا سے کوئی سوال کیا ہے اور نہ کوئی حاجت طلب کی ہے بلکہ ان نیک لوگوں کی تو سب سے بڑی دعا ہوتی ہی یہی ہے کہ خداوند عالم ان کو ان حضرات کی ولایت کے عقیدہ پر ثابت قدم رکھے۔

اللهم ارزقنا الثبات علی ولایتهم فی الدنیا و الاخرة و توفنا علی ملتهم و احشرنا فی زمرتهم و ارزقنا شفاعتهم بحقهم علیك و بحقك علیهم علیهم السلام۔

علامہ حائری مرحوم نے اپنی تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل جلد ۱۵ صفحہ ۱۸۵ سے صفحہ ۱۸۹ تک کتب موالف و مخالف سے انبیاءؑ و اولیاءؑ اور دیگر اعلام امت کے ان ذوات مقدسہ کے ساتھ توسل حاصل کرنے کے متعدد واقعات درج فرمائے ہیں۔ من شاء التفصیل فلیرجع الیه ۔

علیؑ کا نام مقدس وہ اسم اعظم ہے
کہ جس کسی نے پکارا اسی کے کام آیا

ان احادیث سے حاصل شدہ نتائج:

اس امر چہارم میں جو چند اخبار و آثار پیش کیے گئے ہیں، ان سے چند قطعی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

❶ سلف صالحینؒ، ملائکہ مقربینؑ اور انبیاءؑ و مرسلینؑ کے عمل و طریقہ کار سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ شدائد و مصائب کے وقت بارگاہ رب العزت میں سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کے توسل سے دعا کرنی چاہیے۔ اور یہی طریقہ احسن و اولیٰ بلکہ متعین ہے۔

❷ اس سلسلہ میں تمام کائنات سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کی محتاج ہے اور وہ سوائے خدا کے اور کسی کے محتاج نہیں ہیں۔ اور یہ اس لیے ہے تاکہ ان کے رحمۃ للعالمین اور حجۃ اللہ علی الخلق اجمعین ہونے کا مفہوم واضح ہو جائے۔

❸ ان کے وسیلہ و شفاعت کے بغیر کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ یہ اور بات ہے کہ خود داعی کو اس بات کا علم ہی نہ ہو۔ استدراج چیزے دیگر است۔ فتدبر

❹ اس سے حضرت امیر علیہ السلام کی طرف منسوب کردہ بعض روایات کا مفہوم بھی واضح و لائح ہو جاتا ہے جیسے نصرت الانبیاء سراً و نصرت محمداً جہراً کہ میں نے تمام انبیاءؑ و مرسلینؑ کی مدد پوشیدہ طور پر کی۔ اور آنحضرتؐ کی کھلم کھلا طور پر۔

قطع نظر اس سے کہ یہ روایت یا اس کے ساتھ ملتی جلتی دیگر روایات کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہیں، اس سلسلہ میں حضرت شیخ صدوق اور جناب مقدس اردبیلی کا نام لینا غلط بیانی کی انتہا ہے۔ صاحب طوالع الانوار نے اسے کتاب مجمع الدقائق سے نقل کیا ہے اور اس کتاب کو شیخ صدوق کی تالیف سمجھا ہے، جو ان کا سراسر اشتباہ ہے۔ یہ کتاب شیخ تعکبری کی تالیف ہے جس کی طرف خود موصوف نے اشارہ بھی کیا ہے۔ (صفحہ ۱۰۳) اور اس صفحہ پر حضرت مقدس اردبیلی کا نام تو صرف کتاب مذکور کے شیخ صدوق کی طرف انتساب کے سلسلہ میں ذکر کیا ہے مگر بعض حضرات نے آنجناب کا نام بھی اس روایت کے نقل کرنے والوں میں درج کر دیا۔ ان هذا لشی عجاب۔ اور محدث نوری نے انوار نعمانیہ میں (صفحہ ۱۲ پر) اسے کسی سنی المذہب شخص کی کتاب کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ فراجع۔ اور عام کتب متداولہ میں بھی کسی قابل اعتبار سلسلۂ سند کے بغیر محض مرسلاً مروی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے ساتھ استدلال اور وہ بھی عقائد کے معاملہ میں نہیں کیا جا سکتا۔ کما لا یخفی۔ لیکن اگر بالفرض انھیں درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو آنجناب کے انبیاءؑ کی مدد کرنے کا صحیح مفہوم وہی ہے جو اوپر درج کردہ روایات معتبرہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ ان کے ساتھ توسل کرنے سے انبیاء کے مشکلات و مصائب دور ہوتے ہیں۔ اس لیے من باب مجاز عقلی (لسببت الشی الی السبب) یہ بزرگوار فرما سکتے ہیں کہ میں نے انبیاءؑ کی مدد و نصرت کی۔ اسی طرح آنجنابؑ کی طرف منسوب کردہ

Scanned with CamScanner

بعض خطبات میں جو وارد ہے کہ میں نے نوحؑ کو کشتی میں سوار کیا اور ان کو غرق ہونے سے بچایا، میں نے ابراہیمؑ کو آتش نمرودی سے نجات دی الخ۔ تو بشرط صحت روایت (ودون اثباتہ خرط القتاد) اس کا بھی یہی مطلب ہے کہ ہمارے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے ان کو ان شدائد سے نجات ملی۔ چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ معرفۃ بالنورانیہ والی روایت لکھنے کے بعد (جسے ان کے والد ماجد نے کسی مجہول الاسم والمولف کہنہ کتاب میں دیکھا تھا، اور اس سے علامہ موصوف نے اسے نقل کیا ہے جس میں اس قسم کے بعض فقرے موجود ہیں) بذیل عنوان بیان فرماتے ہیں:

قولہ انا الذی حملت نوحاً الخ ۔ اقول لو صح صدور ھذا الخبر عنہ لاحتمل ان یکون المراد بہ و بامثالہ ان الانبیاء علیھم السلام بالاستشفاع بانوارنا رفعت عنھم المکارہ و الفتن کما دلت علیہ الاخبار الصحیحہ۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۷۱)

یعنی میں کہتا ہوں کہ اگر اس خبر کا آں جنابؑ سے صادر ہونا صحیح تسلیم کیا جائے تو احتمال ہے کہ اس سے اور اس کے ساتھ ملتی جلتی روایات سے مراد یہ ہو کہ ہمارے انوار مقدسہ کے ساتھ توسل و استشفاع کرنے سے انبیاءؑ کے شدائد و مصائب دور ہوئے ہیں۔ جیسا کہ اس مطلب پر اخبار صحیحہ دلالت کرتے ہیں۔

علامہ سید حسین لکھنوی نے جناب علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی یہ تاویل نقل کرنے کے بعد اس پر بڑی اچھی تعمیری تنقید فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

ایں تاویل اگرچہ صحیح است لکن از سیاق این عبارات بمراحل دور است و اگر راہ چنیں تاویلات مفتوح شود ہیچ کلامے بے تاویل نخواھد بود پس چنیں تاویلات حسب ضرورت بعد صحت روایات لائق اعتنا است نہ بدون آن و اللہ یعلم

(حدیقہ سلطانیہ جلد ۳ صفحہ ۲۲۰)

یعنی یہ تاویل اگرچہ ہے تو درست مگر ان (خطبوں) کی عبارتوں کے سیاق و سباق سے بمراحل دور ہے۔ اگر اس قسم کی (دور از کار) تاویلات کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کوئی (غلط سے غلط) کلام بھی تاویل کے بغیر نہیں رہے گا۔

اسی طرح اگر بیاض فخری والا واقعہ جن (جو کہ کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہے اور بظاہر ہے بھی خلاف عقل و فطرت کہ جناب امیر علیہ السلام جبکہ ہنوز اصلاب آباء و ارحام امہات میں تھے تو اس حالت میں کس طرح ظاہری عالم آب و گل میں تشریف لائے اور کس طرح بجسد عنصری جن کو مار

Scanned with CamScanner

بھگایا؟ بہرحال اگر اسے) تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی اس سے ہمارے دعوٰی کی صداقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیونکہ چونکہ عالم اسباب میں ہر چیز کا ظہور کسی نہ کسی سبب سے ہوتا ہے جب خدا کسی کی نصرت کرتا ہے تو وہ بھی کسی سبب و ذریعہ سے ہی کرتا ہے۔ البتہ وہ کسی خاص سبب و ذریعہ کا پابند نہیں ہے، خواہ انبیاءؑ و اولیاءؒ کے ذریعہ سے نصرت کردے، خواہ فرشتوں کے ذریعہ سے مدد فرمادے۔ چنانچہ جنگ بدر و حنین میں خدا نے ہزاروں فرشتے نصرت رسولؐ کے لیے اتارے تھے۔ گو بظاہر یہ فرشتوں کی مدد تھی مگر بنص قرآن دراصل مدد خدا فرما رہا تھا۔

الیس یکفیکم ان یمدکم ربك بثلاثة آلاف من الملائکة منزلین

(پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۴)

کیا یہ بات تمہارے لیے کافی نہیں کہ تمہارے پروردگار نے تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کی؟ اسی طرح یہ بات بھی عقلاً ناممکن نہیں ہے کہ خدائے قادر و قیوم نے کبھی عالم ارواح میں سید اولیاءؐ کو اپنی قدرت کاملہ سے بھیج کر اپنے کسی برگزیدہ نبی کی امداد فرمادی ہو۔ و ما ذلك علی الله بعزیز۔ بہرحال ہمارا کام تو ان ذوات مقدسہ کے توسل سے بارگاہ قدرت میں دعا و پکار کرنا ہے۔ اب یہ امر خدائے حکیم کی مرضی و صوابدید پر منحصر ہے کہ جس ذریعہ سے چاہے ہماری مشکل حل فرمادے اور جس طرح چاہے ہم و غم سے ہماری گلوخلاصی کرادے۔ مرضی مولا از ہمہ اولی۔

وما یعلم جنود ربك الا هو

وهو علی کل شی قدیر وبالاجابة جدیر

مسئلہ استمداد از انبیاء و ائمہ قرآن مجید کی روشنی میں

اگرچہ مذکورہ بالا تحقیقات کے بعد یہ مسئلہ مزید کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں رہ جاتا کہ امور تکوینیہ (خلق و رزق و اماتت و احیاء وغیرہ) میں خداوند عالم کی ذات کے سوا اور کسی ذات سے استمداد جائز نہیں ہے۔ تاہم اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اختصار کے ساتھ اس موضوع پر ذیل میں قرآن مجید کی چند آیات سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی چند روایات اور اعاظم علماء کے چند بیانات پیش کیے جاتے ہیں تاکہ اصل حقیقت بالکل نکھر کر ہر شخص پر واضح و آشکار ہو جائے۔

فاستمع لما یتلی علیك۔

❶ ارشاد رب العزت ہے: ایاك نعبد و ایاك نستعین ۔ سورہ فاتحہ میں بطور تعلیم المسئلہ ہم یہ

Scanned with CamScanner

ہدایت کی گئی ہے۔ ہم یہ اقرار کریں کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد طلب کرتے ہیں۔ عبادت کا مفہوم تو واضح ہے البتہ قابل غور یہ امر ہے کہ یہ کون سے امور ہیں جن میں بجز ذات احدیت اور کسی سے مدد طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ ان امور سے امور شرعیہ اور عام عادی دنیوی امور تو مراد لیے نہیں جا سکتے۔ کیونکہ ہم سطور بالا میں ثابت کر آئے ہیں کہ ان امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا اور دست تعاون دراز کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض حالات میں مستحب بلکہ بعض اوقات واجب بھی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ ان امور سے مراد وہی امور ہیں جن پر کوئی انسان بحیثیت انسان ہونے کے قدرت نہیں رکھتا۔ جیسے خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفاء مرض وغیرہ، جنھیں امور تکوینیہ کہا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں دو جلیل القدر مفسرین کے بیانات ملاحظہ ہوں۔

❶ جناب علامہ شیخ محمد جواد بلاغی اپنی تفسیر آلاء الرحمٰن صفحہ ۵۹ طبع صیدا بذیل عنوان حصر الاستعانۃ باللہ جل اسمہ رقم طراز ہیں:

قال اللہ تعالیٰ فی سورۃ المائدۃ تعاونوا علی البر و التقویٰ اما المعاونۃ فی المباحات فھی احسان امر اللہ بہ ایضا فی کتابہ بقولہ تعالیٰ فی سورۃ النحل ان اللہ یامر بالعدل و الاحسان و فی سورۃ البقرۃ و آل عمران ان اللہ یحب المحسنین ۔ و المعلوم بالضرورۃ من سیرۃ النبی و اصحابہ و الائمۃ و المسلمین انھم یستعینون فی غالب امورھم المباحۃ بالالات و الدابۃ و الخادم و الزوجۃ و الصاحب و الرسل و الاجراء وغیرھم وفی سورۃ البقرۃ استعینوا بالصبر و الصلوۃ ۔ وفی سورۃ النساء و لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاووک فاستغفروا اللہ و استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما ۔ فقد لامھم اللہ علی عدم مجیئھم للاستعانۃ علی المغفرۃ باستغفار الرسول ۔ و ھذا یکفی فی الحجۃ و الدلالۃ علی ان الاعانۃ لیست بجمیع اقسامھا منحصرۃ باللہ و علی انہ لا یلزمنا ان نقصر استعانتنا بقول مطلق علی اللہ تعالیٰ ۔ و تفصیل ذلک ھو انا ننظر الی استعانات البشر قولا و عملا فنراھا علی نحوین (النحو الاول) ھو الاستعانۃ بالوسائل المجھولۃ من اللہ للنیل المقصود الذی و ما فیھا من التسبیب من جعل اللہ تعالیٰ و خلقہ (النحو الثانی) ھو الاستعانۃ بالالۃ بما ھو المعین بالھیۃ و قد رتب الذاتیۃ المطلقۃ الفائقۃ و لا ریب فیہ ان النحو الثانی من الاستعانۃ ھو المتیقن فی قصرہ علی اللہ لان الاستعانۃ بھذا النحو اذا کانت بغیر اللہ کانت تالیھا لذالک الغیر و اشراکا باللہ و مما ذکرنا من الآیۃ و السیرۃ و اقتران ایاک نعبد و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ایاک نستعین فی سائر توحید اللہ و تمجیدہ بالجہد الالٰہی للقوم المحجۃ و تتضح الدلالۃ علی ان ھذا الخصوص من الاستعانۃ ھو تمام المقصود علی اللہ دون الفصوالاول۔

یعنی خداوند عالم سورہ مائدہ میں فرماتا ہے: نیکی و پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی امداد کرو۔ لہٰذا ان امور میں ایک دوسرے کی مدد کرنا تو یقیناً جائز ہے۔ باقی رہے مباح امور، ان میں بھی امداد کرنا بھی نیکی اور احسان ہے جس کا خدا نے سورہ النحل میں حکم دیا ہے کہ خدا تمھیں عدل اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے اور سورہ بقرہ و آل عمران میں ہے خدا احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ جناب رسول خداؐ، ان کے اصحاب باصفا نیز ائمہ طاہرینؑ اور دیگر مسلمینؒ کی سیرتوں سے یہ بات بالبداہت ثابت ہے کہ وہ اپنے اکثر مباح امور میں آلات و اسباب مثل سواری، خادم، زوجہ، ساتھی، پیامبر، اور مزدور وغیرہ سے امداد حاصل کرتے تھے۔ سورہ بقرہ میں وارد ہے صبر و صلوۃ سے مدد حاصل کرو۔ سورہ نساء میں ارشاد خدا ہے جب کہ ان لوگوں نے اپنے نفسوں پر (گناہ کر کے) ظلم کا تھا، اگر (اے رسولؐ) تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے طلب مغفرت کرتے اور رسولؐ بھی ان کے لیے مغفرت طلب کرتا تو یقیناً خدا کو توبہ قبول کرنے والا پاتے۔ اس آیت میں خدائے حکیم نے ان لوگوں کی محض اس لیے ملامت کی ہے کہ انھوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر استغفار رسولؐ سے اپنی بخشش گناہ کے سلسلہ میں اعانت حاصل نہیں کی۔ یہی مقدار اس بات کو واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ ہر قسم کی اعانت و امداد خدا کے ساتھ مختص نہیں ہے اور یہ کہ ہم پر یہ لازم نہیں ہے کہ ہر قسم کی امداد و اعانت کو خدا ہی میں منحصر سمجھیں۔ (پھر آخر وہ کون سی مدد ہے جو خدا کے ساتھ مختص ہے؟) اس کی تفصیل معلوم کرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم انسانوں کی تمام قولی اور عملی استعانتوں پر نگاہ کریں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی دو قسمیں ہیں:

① پہلی قسم کی استعانت وہ ہے جو ان ظاہری وسائل و اسباب سے حاصل کی جاتی ہے، جن کو مطلب براری کے لیے مقرر بھی خدا نے کیا ہے اور ان میں جو سببیت و تاثیر ہے وہ بھی خدا نے ودیعت فرمائی ہے۔ (جیسے اولاد کے لیے زوجہ، روزی کے لیے تجارت وغیرہ، بار برداری کے لیے سواری اور بھوک اور پیاس کے لیے روٹی اور پانی وغیرہ)

② دوسری قسم کی استعانت وہ ہے جو معبود برحق سے بحیثیت معبود برحق و قادر مطلق ہونے کے طلب کی جاتی ہے۔ (یعنی ان امور میں جن کا تعلق عہدہ ربوبیت سے ہے اور وہ ہیں امور تکوینیہ) اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ دوسری قسم کی استعانت وہ ہے جو خدا کے ساتھ ہی مختص

Scanned with CamScanner

ہے۔ کیونکہ اس قسم کی استعانت جب غیر خدا سے حاصل کی جائے تو اس سے اس غیر کا معبود برحق بنانا اور اس کو خدا کے ساتھ شریک کرنا لازم آتا ہے۔ اوپر ہم نے سیرت نبیؐ وائمہؑ اور آیت مبارکہ ایاک نعبد و ایاک نستعین کے توحید و تمجید خداوندی کے ساتھ مقرون ہونے کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کر دیا ہے اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہی دوسری قسم کی استعانت ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہے، نہ پہلی قسم۔

❹ حضرت مولانا عمار علی صاحب مرحوم اپنی تفسیر عمدۃ البیان جلد ۱ صفحہ ۱۴ پر بذیل آیت ایاک نعبد و ایاک نستعین لکھتے ہیں: اس آیت سے ثابت ہوا کہ مدد چاہنی سوائے خدا کے کسی دوسرے سے پیغمبر ہو یا امام جائز نہیں، اسی طرح سے یہ بزرگوار بالا ستقلال حاجتوں اور مقصدوں لوگوں کی برلائیں، اس واسطے کہ برلانا حاجتوں کا سوائے خدا کے کسی کی قدرت میں نہیں ہے۔ البتہ ان بزرگوں سے اسی طرح سے سوال کرنا کہ تم میرے واسطے خدا سے دعا کرو، اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ مقبولان درگاہ خدا ہیں۔ اور یا یہ کہ ان کے واسطے سے خدا سے دعا کرے، یہ بھی درست ہے۔ اس صورت میں حصر بھی آیت میں باقی رہتا ہے اور سوائے خدا کے بالا ستقلال کسی کی حاجت کو روا کرنے والا جاننا درست نہیں ہے کہ حصر ہو گیا ہے۔ عبادت سوائے خدا کے کسی غیر کو جائز نہیں ہے۔ اسی طرح سوائے خدا کے کسی کو بالا ستقلال حاجت کا برلانے والا جان کر مدد چاہنی بھی اس سے جائز نہیں ہے، اگر خدا کے غیر سے مدد چاہنی جائز ہو تو چاہیے کہ عبادت بھی اسی کی ہو۔

❺ جناب پیغمبر اسلام ﷺ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا جاتا ہے: قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ (پارہ ۷ سورہ انعام ع ۱۱) کہہ دو کہ میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

خزائن کی تفسیر خزائن رحمۃ اللہ یا خزائن مقدورات اللہ یا ارزاق العباد کے ساتھ کی گئی ہے۔ (تفسیر مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۳۳۷) مطلب یہ کہ میرے پاس خدا کی رحمت، اس کے مقدورات اور بندوں کے رزق کے خزانے نہیں ہیں۔

❻ اسی طرح آنحضرت کو یہ وضاحت کرنے کا حکم دیا جاتا ہے کہ:

قل انی لا املک لکم ضرا و لا رشدا قل انی لن یجیرنی من اللہ احد و لن اجد من دونہ ملتحدا الا بلاغا من اللہ و رسالاتہ (پارہ ۲۹ سورہ جن ع ۱۱)

اے رسول تم کہہ دو کہ میں تمہارے حق میں نہ برائی کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ بھلائی کا۔ کہہ دو کہ مجھے خدا (کے عذاب سے) کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اور نہ میں اس کے سوا کہیں پناہ دیکھتا ہوں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

خدا کی طرف سے (احکام کے) پہنچا دینے اور اس کے پیغاموں کے سوا (کچھ نہیں کر سکتا)
(ترجمہ فرمانؒ)

مفسر علامہ طبرسیؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

الی لا اقدر علی دفع الضرر عنکم و لا ایصال الخیر الیکم و انما القادر علی ذلک ھو اللہ تعالیٰ و لکنی رسول لیس علی الا البلاغ و الدعا الی الدین و الھدایۃ الی الرشاد و ھذا اعتراف بالعبودیۃ و اضافۃ الحول و القوۃ الیہ تعالیٰ (مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۵۳۱)

یعنی میں تم سے ضرر و نقصان کے دور کرنے اور نفع کے پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتا۔ ان چیزوں پر خدا ہی قدرت رکھتا ہے۔ میں تو رسولؐ ہوں اور میرا کام صرف (احکام خداوندی کا) پہنچانا (لوگوں کو) دین کی طرف بلانا اور نیکی کی طرف راہنمائی کرنا ہے۔ یہ آں حضرتؐ کی عبدیت و بندگی کا اعتراف اور ہر قسم کی قوت و طاقت کا خدا کی طرف انتساب ہے۔

(کذا فی تفسیر التبیان جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۰)

مقام تدبر ہے کہ جب بنص قرآن روزی اور نفع و نقصان جناب سید الانس والجان کے قبضہ قدرت میں ہے ہی نہیں، بلکہ روزی رساں اور نفع و نقصان کا مالک خدائے رحمٰن ہی ہے تو پھر ان امور میں آنحضرتؐ یا ان کی عترت طاہرہؑ کی طرف رجوع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

❹ ارشاد قدرت ہے:

فلا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک و لا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین
(پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۱۶)

اور یہ خدا کو چھوڑ کر ایسی چیز کو نہ پکارو جو نہ تجھے نفع ہی پہنچا سکتی ہے نہ نقصان ہی پہنچا سکتی ہے تو اگر تم نے (کہیں ایسا) کیا تو اس وقت تم بھی ظالموں میں (شمار) ہو گے۔ اس آیت مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص ایسی ہستی کو پکارے جو نفع و نقصان پہنچانے پر قادر نہیں وہ ظالم ہے اور سابقہ آیت مبارکہ کی روشنی میں واضح کیا جا چکا ہے کہ نفع و نقصان کا مالک صرف خدا ہے۔

❺ آں حضرتؐ کو حکم ہوتا ہے کہ اس امر کی تشریح کر دیں:

قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضرا الا ما شاء اللہ (پارہ ۹ سورہ اعراف ع ۱۱)

اے رسول تم کہہ دو کہ میں خود اپنے آپ پر اختیار نہیں رکھتا، نہ نفع کا نہ ضرر کا۔ مگر وہی جو خدا چاہے۔

Scanned with CamScanner

اس اعلان سے بھی بظاہر اپنی بندگی کا اظہار کر کے لوگوں کو ذات احدیت کی بارگاہ کی معرفی کرانا مقصود ہے کہ تم لوگ اسی ذات کی طرف رجوع کرو جس کا میں خود محتاج ہوں اور یہی امر تو آں حضرتؐ بلکہ تمام انبیاءؑ کی بعثت کا مقصد اقصیٰ تھا کہ لوگ متوجہ الی اللہ ہو کر اس کی عبادت کریں۔

و ما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحی الیهم انه لا الـه الا انا فاعبدون

(پارہ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۲)

(اے رسولؐ) ہم نے تم سے پہلے جب کبھی رسول بھیجا تو اس کے پاس ہم یہی وحی بھیجتے رہے کہ بس ہمارے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں تو میری عبادت کیا کرو۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اور یہ دعا و پکار بھی عبادت خداوندی ہے جیسا کہ مندرجہ ذیل آیت میں اسے عبادت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

❾ قال ربکم ادعونی استجب لکم ان الذین یستکبرون عن عبادتی سیدخلون جهنم داخرین (پارہ ۲۴ سورہ مومن ع ۱۱)

تمہارا پروردگار ارشاد فرماتا ہے کہ تم مجھ سے دعائیں مانگو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ جو لوگ ہماری عبادت سے اکڑتے ہیں وہ عنقریب ذلیل و خوار ہو کر یقیناً جہنم واصل ہوں گے۔

حضرت امام زین العابدینؑ صحیفہ سجادیہ کی دعائے وداع شہر رمضان میں یہی آیت پیش کرنے کے بعد بارگاہ قدرت میں یوں عرض کرتے ہیں: فسمیت دعائك عبادة و ترکه استکبارا و توعدت علی ترکه دخول جهنم داخرین۔ بارالہا! تو نے دعا کو عبادت اور اس کے ترک کو تکبر قرار دیا ہے اور ترک دعا پر ذلیل و رسوا کر کے داخل جہنم کرنے کی دھمکی دی ہے۔ (صحیفہ کاملہ صفحہ ۲۲۵ طبع ایران) بلکہ بعض احادیث میں تو اسے افضل العبادۃ قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: هو الدعاء و افضل العبادة الدعاء۔ یعنی یہاں عبادت سے مراد دعا ہے اور یہ سب عبادتوں سے افضل عبادت ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۵۱۶) اور بعض روایات میں اسے مخ العبادۃ بتایا گیا ہے۔ (عدۃ الداعی)

انہی حقائق کی بنا پر فاضل ابن فہد حلی نے لکھا ہے: ان الدعاء عبادة فی نفسه تعبد الله عباده به۔ دعا فی نفسہ عبادت ہے جس کی خدا نے بندوں کو تکلیف دی ہے۔ (عدۃ الداعی صفحہ ۱۰ طبع بمبئی) پس جب دعا کرنا نہ صرف عبادت بلکہ افضل العبادت ہے اور عبادت ذات ایزدی کے ساتھ مختص ہے تو دعاء و پکار بھی خدا کی ذات سے ہی مختص ہوگی۔ ہاں قبولیت دعا کے منجملہ دیگر شرائط کے ایک

Scanned with CamScanner

علیم شہر اسرکار محمدؐ و آل محمدؐ کے ساتھ توسل حاصل کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

و لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک و استغفروا اللہ و استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ (پارہ ۵ سورہ نساء ع ۱۰)

اور (اے رسولؐ) جب ان لوگوں نے (نافرمانی کرکے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بخشش گناہ وغیرہ امور میں آنحضرتؐ کا توسل حاصل کرنا ضروری ہے اور یہی وہ صحیح طریقہ ہے جو تعلیمات اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ زائر رسولؐ کو یہ ہدایت کی جاتی ہے کہ وہ بارگاہ رسالت میں پہنچ کر یوں عرض کرے:

یا محمد یا رسول اللہ بابی انت و امی یا نبی اللہ یا سید خلق اللہ الی اتوجہ بک الی اللہ ربک و ربی لیغفر ذنوبی و یتقبل منی عملی و یقضی لی حوائجی فکن لی شفیعا عند ربک و ربی فنعم المسئول المول ربی و نعم الشفیع انت۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۳۲۲)

یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں یا نبی اللہ اے مخلوق خدا کے سردار میں آپ کے ذریعہ اور آپ کے پروردگار کی بارگاہ میں متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میرے گناہ معاف کردے۔ میرے عمل کو قبول کرے اور میری حاجات برلائے۔ پس آپ خدا کی بارگاہ میں میری شفاعت کریں کیونکہ بہترین مسئول خدا اور بہترین شفیع آپ ہیں۔

❿ خداوند عالم حضرت یعقوبؑ کے کلام کی اس طرح حکایت فرماتا ہے کہ:

قال یا بنی لا تدخلوا من باب واحد و ادخلوا من ابواب متفرقۃ و ما اغنی عنکم من اللہ من شی ان الحکم الا للہ علیہ توکلت و علیہ فلیتوکل المتوکلون و لما دخلوا من حیث امرھم ابوھم و ما کان یغنی عنھم من اللہ من شی الا حاجۃ فی نفس یعقوب قضاھا و انہ لذو علم لما علمناہ و لکن اکثر الناس لا یعلمون۔ (پارہ ۱۳ سورہ یوسف ع ۲)

اور یعقوبؑ نے (مصر) جاتے وقت بیٹوں سے کہا اے فرزندو (دیکھو خبردار) سب کے سب ایک ہی دروازہ سے نہ داخل ہونا (کہ کہیں نظر نہ لگ جائے) اور متفرق دروازوں سے داخل ہونا اور میں تم سے (اس بلا کو جو) خدا کی طرف سے (آئے) کچھ بھی ٹال نہیں سکتا۔ حکم تو دراصل خدا ہی کے واسطے ہے۔ میں نے اس پر بھروسا کیا ہے اور بھروسا کرنے والوں کو اسی پر بھروسا رکھنا چاہیے۔ اور جب

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

یہ سب بھائی جس طرح ان کے والد نے حکم دیا تھا اسی طرح (مصر میں) داخل ہوئے مگر جو حکم خدا کی طرف سے آنے کو تھا، اسے یعقوبؑ کچھ بھی ٹال نہیں سکتے تھے۔ مگر (ہاں) یعقوبؑ کے دل میں ایک تمنا تھی جسے انھوں نے یوں پورا کر لیا۔ اس میں تو شک نہیں کہ اسے چونکہ ہم نے تعلیم دی تھی، صاحب علم ضرور تھا، مگر بہتیرے لوگ (اس سے بھی) واقف نہیں (ترجمہ فرمانؒ)

ارباب نظر و فکر غور کریں، کہ کس احسن طریقہ سے توحید افعالی کو بیان کیا گیا ہے اور امور قضاو قدر میں اللہ سبحانہ کی ذات مجمع جمیع صفات پر اعتماد کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ خداوند عالم نے حضرت یعقوبؑ کے اس موحدانہ و متوکلانہ کلام کی وجہ سے ان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ہے:

انه لذوعلم لما علمناه۔ اس کی تفسیر صاحب صافی نے یوں کی ہے۔ لذو یقین و معرفة من اجل تعلیمنا ایاه لذالك قال و ما اغنی عنکم من شی ولم یغتر بتدبیره۔

(تفسیر صافی صفحہ ۲۵۱)

یعنی ہماری تعلیم کی وجہ سے حضرت یعقوبؑ صاحب یقین و معرفت تھے۔ اسی لیے انھوں نے یہ کہا تھا کہ میں تم سے (اس بلا کو) جو خدا کی طرف سے (آئے) کچھ بھی ٹال نہیں سکتا۔ اور اپنی تدبیر پر اعتماد کر کے دھوکا نہیں کھایا۔

⓫ بانی اسلام کو حکم ہوتا ہے کہ کفار و مشرکین سے صاف صاف کہہ دو۔

انما انا منذر و ما من الٰه الا الله الواحد القهار رب السموت و الارض و ما بینهما العزیز الغفار۔ (پارہ ۲۳ سورہ ع ۱۴)

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ میں تو بس عذاب خدا سے ڈرانے والا ہوں اور یکتا قہار خدا کے سوا کوئی معبود قابل پرستش نہیں۔ سارے آسمان اور زمین کا اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں۔ سب کا پروردگار غالب بڑا بخشنے والا ہے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ میں بموجب دریا بحباب اندر کوزہ میں دریا بند کر دیا گیا ہے۔ اس آیت میں آں حضرتؐ نے اپنی الوہیت کی نفی کرتے ہوئے اسے ذات احدیت میں منحصر کر کے تمام امور تکوینیہ (مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) کو اسی ذات ذوالجلال کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور یہی کلمہ توحید (لا الٰه الا الله) کا مفاد ہے۔

Scanned with CamScanner

مقام الوہیت کی وضاحت

اب قابل غور وتدبر یہ بات ہے کہ کون کون سے کام مقام الوہیت سے تعلق رکھتے ہیں۔ بیسویں پارہ کا پہلا رکوع بغور پڑھنے سے کم از کم پندرہ عدد تکوینی امور کی انجام دہی ذات خداوندی سے وابستہ ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ ان امور کی اجمالی فہرست یہ ہے:

① خلقت زمین و آسمان ② بارش برسانا ③ باغات وغیرہ اگانا ④ زمین کو قرارگاہ بنانا ⑤ زمین میں دریا جاری کرنا ⑥ زمین کی روک تھام کے لیے پہاڑوں کا سلسلہ کھڑا کرنا ⑦ میٹھے اور کھاری پانی کے درمیان حائل قرار دینا ⑧ مضطر کی دعاؤں کا سننا ⑨ دکھ درد اور مصائب کا دور کرنا ⑩ زمین پر خلیفے بنانا ⑪ خشکی و تری کی تاریکیوں میں رستہ دکھانا ⑫ ہواؤں کا چلانا ⑬ پہلے مخلوق کو پیدا کرنا پھر لوٹانا ⑭ زمین و آسمان سے مقررہ رزق پہنچانا ⑮ عالم الغیب ہونا۔

پس ان حقائق قرآنیہ سے معلوم ہو گیا کہ امور تکوینیہ خداوند عالم کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ اور الٰہ وہ ہوتا ہے جو یہ کام انجام دیتا ہے۔ لہٰذا اس سلسلہ میں اسی ذات واحد و یکتا کی طرف ہی رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام چونکہ خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ توسل ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سب کچھ کلمہ توحید و ایمان کے اندر پوشیدہ ہے۔

(لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ)

پس جب خدا کو الٰہ مان لیا تو پھر اسے سب کچھ مان لیا۔ ؎

چوں گوئم لا الٰہ از جاں بترسم کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

❶ اللہ الذی جعل لکم الارض قرارا و السماء بناء و صورکم فاحسن صورکم و رزقکم من الطیبات ذلکم اللہ ربکم فتبارک اللہ رب العالمین (پارہ ۲۴ سورہ مومن ع ۱۲)

اللہ ہی تو ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو ٹھہرنے کی جگہ اور آسمان کو چھت بنایا اور اس نے تمہاری صورتیں بنائیں تو اچھی صورتیں بنائیں اور اسی نے تمہیں صاف ستھری چیزیں کھانے کو دیں۔ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے۔ تو خدا بہت ہی متبرک ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔

❷ ھو الحی لا الٰہ الا ھو فادعوہ مخلصین لہ الدین الحمد للہ رب العالمین

(پارہ ۲۴ سورہ مومن ع ۱۲)

Scanned with CamScanner

وہی (ہمیشہ) زندہ ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نری کھری اس کی عبادت کر کے اس سے دعا مانگو۔ سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے جو سارے جہان کا پالنے والا ہے۔ (ترجمہ فرمان)

ایک عام مغالطہ دہی کا ازالہ

میدان شرک کے شاہسوار بالعموم اس مقام پر یہ کہہ کر عوام الناس کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کیا کرتے ہیں کہ ہم اہل بیت کو خدا یا خدا جیسا تھوڑا سمجھتے ہیں۔ ہم تو ان کو خدا کا خاص بندہ سمجھ کر ان سے مدد مانگتے ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب خدا کی صفات خاصہ ان میں تسلیم کر لیں اور خدائی کاموں کا مطالبہ ان سے کر لیا، اولاد ان سے مانگی، دکھ درد دور کرنے کی استدعا ان سے کی، ازالہ مرض کا سوال ان سے کیا، مقدمات میں کامیابی حاصل کرنے کی دعائیں ان سے کیں، روزی ان سے طلب کی، وعلی ہذا القیاس۔ حالانکہ یہ سب کام خدا سے مختص ہیں۔ جیسا کہ اوپر ثابت کیا جا چکا ہے، تو باقی کیا رہ گیا؟ سبحان اللہ عما یشرکون۔

❸ ما یفتح اللہ للناس من رحمۃ فلا ممسک لھا و ما یمسک فلا مرسل لہ من بعدہ و ھو العزیز الحکیم۔ (پارہ ۲۲ سورہ فاطر ع ۱۳)

خدا جب لوگوں کے واسطے (اپنی) رحمت کے (دروازے) کھول دے، تو کوئی اسے روک نہیں سکتا۔ اور جس چیز کو روک لے اس کے بعد اسے کوئی جاری نہیں کر سکتا۔ وہی (ہر چیز پر) غالب اور (دانا و بینا) حکیم ہے۔ اس آیہ مبارکہ سے بھی ظاہر ہے کہ ہر قسم کا نفع و نقصان پہنچانا خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ لہٰذا ان امور میں رجوع بھی اسی کی بارگاہ اقدس کی طرف کرنا لازم ہے۔

❹ قل ادع الذین زعمتم من دونہ فلا یملکون کشف الضر عنکم و لا تحویلا۔ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۶)

(اے رسولؐ) تم ان سے کہہ دو کہ خدا کے سوا اور جن لوگوں کو معبود سمجھتے ہو، ان کو (وقت پڑے) پکار کر دیکھو کہ وہ نہ تو تم سے تمہاری تکلیف ہی دفع کر سکتے ہیں اور نہ اس کو بدل سکتے ہیں۔ (ترجمہ فرمان)

علامہ طبرسیؒ من دونہ (خدا کے سوا) کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

والمراد باللذین من دونہ الملائکۃ والمسیح و عزیر۔ (مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۷۶)

یعنی غیر خدا سے مراد ملائکہ اور حضرت مسیحؑ و جناب عزیر ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ آیت

Scanned with CamScanner

صرف بتوں تک محدود نہیں، بلکہ اس کے دامن میں دونہ میں اس قدر وسعت ہے کہ وہ جن، ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام سب کو شامل ہے۔

اسی طرح تفسیر صافی صفحہ ۲۹۸ میں من دونہ کی تفسیر الملائکۃ و المسیح و العزیر کے ساتھ کرنے کے بعد کشفت الضر کی تفسیر المرض و الفقر و القحط کے ساتھ کی گئی ہے۔ یعنی یہ بزرگوار تمہارے مرض و فاقہ اور قحط کو تم سے دور نہیں کر سکتے۔

❺ و ان یمسسك الله بضر فلا کاشف له الا هو و ان یردك بخیر فلا راد لفضله یصیب به من یشاء من عباده و هو الغفور الرحیم۔ (پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۱۶)

تمہیں کوئی برائی چھو بھی گئی تو پھر اس کے سوا کوئی اس کا دفع کرنے والا نہیں ہوگا اور اگر تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو پھر اس کے فضل و کرم کا پلٹنے والا بھی کوئی نہیں، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے فائدہ پہنچائے اور وہ تو بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔

علامہ طبرسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

معناہ وان احل الله بك ضرا من بلاء او شدة او مرض فلا کاشف له الا هو ای لایقدر احد علی کشف غیره کانه سبحانه لما بین ان غیره لا ینفع و لا یضر عقبه ببیان کونه قادرا علی الضر و النفع۔ (مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۵۵۱)

یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر خدا تعالیٰ تمہارے اوپر کوئی بلا و سختی اور مرض نازل کرے تو سوائے اس کے اور کوئی اسے دور کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (ربط آیات یہ ہے کہ) گویا جب (سابقہ آیت میں) خدا نے یہ فرمایا کہ غیر خدا نہ نفع پہنچا سکتا ہے اور نہ ضرر تو اس کے بعد یہ فرمایا کہ خدا ہی نفع و ضرر پہنچانے پر قادر ہے۔

❻ لیس لك من الامر شی او یتوب علیهم او یعذبهم فانهم ظالمون (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۴)

(اے رسولؐ) اس معاملہ میں تمہارا کچھ اختیار نہیں، خواہ خدا ان کی توبہ قبول کرے یا ان کو عذاب دے۔ اس لیے کہ وہ ظالم ہیں۔

یہاں لیس حرف نفی اور شی نکرہ ہے۔ ارباب علم جانتے ہیں کہ جب نکرہ تحت نفی واقع ہو تو مفید عموم ہوتا ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ خلاق عالم نے اس آیت میں ہر قسم کے معاملات کی آنحضرتؐ کے قبضہ میں ہونے کی نفی فرمائی ہے۔ چونکہ امور شرعیہ دلائل خارجیہ کی بنا پر اس سے خارج ہیں، باقی امور

Scanned with CamScanner

تکوینیہ عموم آیت کے تحت رہیں گے۔ و یبقی الباقی تحت العموم۔ کہا جاتا ہے کہ یہ آیت صرف بدر کے بارے میں ہے کہ اس میں آنحضرتؐ کو کوئی اختیار نہ تھا۔ اس سے بھی ہمارے مدعا پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ جس بزرگوار کو امور جنگ میں کوئی اختیار نہیں وہ پورے عالم امکان کا کیونکر با اختیار فرمانروا ہو سکتا ہے۔

۷ فذکر انما انت مذکر لست علیھم بمصیطر (پارہ ۳۰ سورہ غاشیہ ع ۱۳)

پس نصیحت کرو تم تو فقط نصیحت کرنے والے ہو۔ تو ان پر کوئی داروغہ تو نہیں؟ جب آنحضرتؐ کا صرف لوگوں پر بھی تسلط نہیں تو پھر تمام کائنات کس طرح ان کے قبضۂ اقتدار میں تسلیم کی جا سکتی ہے؟ جب ایسا نہیں تو پھر ان تمام امور میں ان کی طرف رجوع کرنا کہاں تک قرین عقل ہو سکتا ہے؟

۸ قل لست علیکم بوکیل (پارہ ۷ سورہ انعام ع ۱۴)

تم کہہ دو میں تمہارا نگران نہیں ہوں۔

۹ و ما جعلناک علیھم حفیظا و ما انت علیھم بوکیل۔ (پارہ ۷ سورہ الانعام ع ۱۹)

اور ہم نے تم کو ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تم ان کے ذمہ دار ہو۔

ان آیات سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ امور تکوینیہ میں حفاظت و ذمہ داری اور نگرانی و نگہبانی آنحضرتؐ کے وظائف میں داخل نہیں ہے۔ لہٰذا بعد ازیں ان امور میں براہ راست ان کی طرف رجوع کرنے کا کوئی محل باقی نہیں رہتا۔

۱۰ و لم یکن لہ شریک فی الملک و لم یکن لہ ولی من الذل و کبرہ تکبیرا۔

(پارہ ۱۵ سورہ الاسراء ع ۱۲)

اور نہ سلطنت میں کوئی اس کا شریک ہے اور نہ وہ عاجز ہے کہ کوئی اس کا حامی ہو اور تم اس کی بڑائی کبریائی کا اظہار کرتے رہا کرو۔

اس آیت مبارکہ سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اس کارخانۂ قدرت میں کوئی خدا کا شریک و سہیم نہیں ہے۔ وہ ذات و صفات میں یگانہ و یکتا ہے۔ فلا تدعوا مع اللہ احدا۔

۱۱ قل انما ادعوا ربی و لا اشرک بہ احدا۔ (پارہ ۲۹ سورہ جن ع ۱۲)

تم کہہ دو میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں اور کسی کو اس کا شریک نہیں بناتا۔

۱۲ و ان المساجد للہ فلا تدعوا مع اللہ احدا۔ (پارہ ۲۹ سورہ جن ع ۱۱)

اور ضرور سجدے کے مقامات اللہ ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ پس تم اللہ کے ساتھ کسی اور کو نہ

Scanned with CamScanner

پکارو۔ (ترجمہ مقبولؒ)

مشکلات ومصائب میں غیر اللہ کی دعا وپکار کی اس سے بڑھ کر اور کس طرح ممانعت کی جاسکتی ہے؟

۱۴ ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذالذی ینصرکم من بعدہ

(پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۸)

(مسلمانو یاد رکھو) اگر خدا نے تمہاری مدد کی تو پھر تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، اور اگر تم کو چھوڑ دے تو کوئی ایسا ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کو کھڑا ہو، اور مومنین کو چاہیے کہ خدا ہی پر بھروسا رکھیں۔

۱۵ اولم یروا ان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر ان فی ذلک لآیات لقوم یومنون

(پارہ ۲۱ سورہ روم ع ۷)

کیا ان لوگوں نے (اتنا بھی) غور نہیں کیا کہ خدا ہی جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کر دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ اس میں ایماندار لوگوں کے واسطے (قدرت خدا کی) بہت سی نشانیاں ہیں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

ان آیات مبارکہ سے بصریح النص ہویدا ہوتا ہے کہ شدائد میں نصرت کرنا اور رزق کو کم وزیادہ کرنا پروردگار عالم کے قبضہ اختیار میں ہے۔ لہٰذا ان امور میں رجوع بھی اسی کی طرف کرنا چاہیے۔

۱۶ الیس اللہ بکاف عبدہ۔ (پارہ ۲۴ سورہ زمر ع ۱)

اور کیا اللہ اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں ہے؟ (ترجمہ مقبولؒ)

کس حسین وجمیل انداز میں خدا اپنے بندوں سے دریافت کر رہا ہے کہ کیا میں اپنے بندوں کے لیے کافی نہیں؟ اب بندوں کو چاہیے کہ سوچ کر جواب دیں کہ آیا وہ کافی ہے یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو تو حیدر خصت، اور اگر اثبات میں ہے تو پھر اس کی بارگاہ اقدس کو چھوڑ کر دوسروں کے دروازوں پر جبہ سائی برائے چہ؟ ع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لیے

قل یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضا ارباباً من دون اللہ فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون

(پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۱۵)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ایک عجیب مغالطہ اور اس کا ازالہ

وہ آیات جن میں اللہ کے سوا دوسروں کی دعا و پکار کی ممانعت وارد ہوئی ہے جن میں سے کئی ایک سطور بالا میں مذکور ہیں، اکثر غیب صاحبان نے تو حسب عادت ان کو چھوا بھی نہیں۔ البتہ ایک صاحب نے خلاف عادت ان کے جواب سے عہدہ برآ ہونے کی ناکام کوشش کی ہے۔ انھوں نے ایک مغالطہ پیش کر کے سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کی سعی لاحاصل کی ہے۔ انھوں نے یہ مفروضہ قائم کیا ہے کہ سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام غیر اللہ نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہماری ملکی زبان کے محاورہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ تفسیر بالرائے کی ہے۔ کیونکہ ہمارے محاورہ میں غیر مخالف اور غیر متعلق کو کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص فلاں کا غیر ہے۔ یعنی اس کا مخالف ہے۔ اور اس سے اس کا کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ من دون اللہ جس کا ترجمہ ہے اللہ کے سوا، خدا کے علاوہ، غیر اللہ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خدا نہیں ہے۔ اگر ان صاحب کی یہ تاویل علیل تسلیم کر لی جائے تو جب کوئی یہ کہے کہ فلاں آدمی غیر سید ہے تو اس کا مطلب ان کے نزدیک یہ ہوگا کہ وہ سادات کے مخالف ہے۔ یا جب یہ کہا جائے کہ فلاں شخص غیر عالم ہے تو اس کا یہ مفہوم ہوگا کہ وہ دشمن علماء ہے؟ اسی طرح جب یہ کہا جائے کہ فلاں غیر نبی و امام ہے تو اس کا یہ مفہوم ہوگا کہ وہ نبی و امام کا مخالف و معاند ہے۔ مالکم کیف تحکمون؟۔ غالباً ایسے ہی ملاؤں سے دل برداشتہ ہو کر ڈاکٹر اقبال نے کہا تھا ؎

زما بر صوفی و ملا سلامے — کہ پیغام خدا دادند مارا
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبرئیل و مصطفےٰ را

حالانکہ بات بالکل سیدھی سادی ہے کائنات میں جو کچھ ہے یا خدا ہے یا غیر خدا۔ تو اگر ائمہ اہل بیتؑ غیر خدا نہیں تو کیا پھر وہ عین خدا ہیں؟ اگر یہی عقیدہ ہے تو پھر کھل کر اس کا اظہار کریں۔ اس لیپا پوتی سے کیا حاصل؟ ؎

بیفگن پردہ تا معلوم گردد — کہ یاراں دیگرے را می پرستند

اگر بالفرض غیر خدا کا یہی مفہوم ہو جو یہ محقق بیان کر رہے ہیں تو جن علماء مفسرین (مثل علامہ طبرسی و فاضل کاشانی نے مجمع البیان و صافی میں) اقوال معصومینؑ کی روشنی میں من دون اللہ کے ذیل میں ملائکہ، عیسیٰؑ اور عزیرؑ کے نام لکھے ہیں تو کیا وہ ان کو اللہ کا مخالف اور دشمن سمجھتے ہیں؟ (معاذ اللہ) خدا ان لوگوں کی حالت زار پر رحم فرمائے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ہر جگہ غیر اللہ سے یہ حضرات مراد

Scanned with CamScanner

نہیں ہوتے مگر یہ اور بات ہے کہ جہاں خدا اور اس کے رسولوں میں تفریق کی مذمت وارد ہوئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ بعض پر ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے۔ فتدبر۔ یا خدا کو تو برائے نام مانا جائے اور اس کے رسولوں کا انکار کر دیا جائے، جیسا کہ تفاسیر میں مرقوم ہے۔

ایک فیصلہ کن استفتاء

ہمارے جس محقق کو اپنی اس تحقیق انیق پر بڑا ناز ہے کہ ائمہ طاہرینؑ غیر اللہ نہیں ہیں، ان کی خدمت میں ایک استفتاء پیش کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ وہ فرصت اولیٰ میں اس کا جواب دیتے ہوئے ایک نئی تحقیق کا دروازہ کھول کر ارباب علم و نظر کی تسکین فرمائیں گے۔ وھوھذا:

ارشاد ایزدی ہے:

وما اھل بہ لغیر اللہ (پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۵)

یعنی جس حیوان پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے اس کا کھانا حرام ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر کسی حیوان کے ذبح کرتے وقت بجائے بسم اللہ واللہ اکبر کے باسم محمد یا باسم علی یا باسم الحسن یا باسم الحسین یا باسم العباس (وعلی ہذا القیاس) ان بزرگواروں میں سے کسی بزرگ کا نام لیا جائے تو کیا اس حیوان کا کھانا حلال ہے یا حرام۔ بینوا توجروا۔

آیت و حدیث اور فقہ جعفریہ کی روشنی میں بحوالہ کتاب مع قید صفحہ و سطر جواب دیا جائے۔

مسئلہ امداد تعلیمات معصومینؑ کی روشنی میں

تیسرے باب میں ابطال تفویض کے سلسلہ میں جس قدر احادیث معصومینؑ پیش کی جا چکی ہیں، وہ سب یہاں ہمارے دعوے کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہیں۔ کیونکہ ان سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خلاق عالم نے امور تکوینیہ (خلق و رزق اور اماتت و احیا و شفائے امراض وغیرہ) کی انجام دہی سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے سپرد نہیں فرمائی۔ بلکہ ان امور میں ان کا منصب و مقام بارگاہ خداوندی میں مخلوق کی شفاعت و سفارش کرنا ہے۔ بعد ازیں اس سلسلہ میں ان بزرگواروں سے سوائے استدعائے شفاعت و گزارش سفارش کے اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے؟ علاوہ بریں چونکہ یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ثبوت مدعا دلیل سے ہوا کرتا ہے۔ لہٰذا چاہیے تو یہ کہ جو شخص اس امر کا مدعی ہے کہ امور تکوینیہ میں ائمہ اطہارؑ سے براہ راست امداد و استعانت روا ہے وہ اس سلسلہ میں ایسے

Scanned with CamScanner

نصوص قرآنیہ اور صحیح وصریح ارشاداتِ معصومیہ پیش کرے جن میں خدا یا ائمہ ہدیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ تم مشکلات ومصائب، طلب اولاد، شفائے امراض اور موت وحیات وغیرہ امور میں محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کی طرف رجوع کیا کرو۔ جہاں تک ممکن تھا ہم نے اس سلسلہ میں پوری کوشش کی ہے کہ کسی معصومؑ کا کوئی مستند اور صریح فرمان دستیاب ہو جائے لیکن ہم یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتے کہ اس سلسلہ میں ہمیں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ بلکہ اس کے برعکس اس سلسلہ میں ائمہ اطہارؑ کی ممانعت نظر قاصر سے ضرور گزری ہے۔ چنانچہ:

❶ ابوالائمہ الطاہرینؑ حضرت امیر المومنینؑ فرماتے ہیں:

فالله الله ان تشکوا الی من لا یشکی شجرکم و لا ینقض برایه ما قدابرم لکم

(نہج البلاغہ حصہ اول صفحہ ۲۰۱ طبع مصر)

اللہ سے ڈرو کہ اپنی شکایتیں ایسے شخص (امام عالی مقامؑ) کی طرف پیش کرو۔ جو تمہاری شکایت کے اضطراب کو دور نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اپنی رائے سے محکم ومضبوط احکام وامور کو توڑ سکتا ہے۔

❷ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے بارے میں افراط کرنے والے لوگوں کی مذمت اور ان سے اپنی برائت ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فوالله ما نحن الا عبید الله الذی خلقنا و اصطفانا ما فقدر علی ضرر و لا نفع ـــــ لقد آذوا الله و آذوا رسوله صلی الله علیه و آله فی قبره و امیرالمومنین و فاطمة و الحسن و الحسین ابیت علی فراشی خائفا و جلا مرعوبا یامنون و افزع ؟۔

یعنی خدا کی قسم ہم اسی خدا کے بندے ہیں جس نے ہمیں پیدا کر کے منتخب فرمایا ہے۔ ہمیں نفع ونقصان پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ ان لوگوں نے (ہمارے متعلق غلط نظریات قائم کر کے) خدا اور جناب رسول خداؐ کو ان کی قبر اقدس میں اذیت پہنچائی ہے، اسی طرح ان لوگوں نے حضرت امیر المومنینؑ حضرت فاطمہ زہراؑ اور جناب امام حسنؑ وحسینؑ (اور دیگر ائمہ طاہرینؑ) کو رنج پہنچایا ہے۔ کیا یہ غور نہیں کرتے کہ وہ امن واطمینان سے وقت گزار رہے ہیں۔ اور میں خوف وہراس کے عالم میں رخت خواب پر رات گزارتا ہوں۔ (رجال کشی صفحہ ۴۷)

❸ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام دعائے طلب حاجات میں فرماتے ہیں:

فمن حاولہ سد خلتہ من عندك و دام صرف الفقر عن نفسه بك فقد طلب حاجته فی مظانها و الی طلبته من وجهها و من توجه بحاجته الی احد من خلقك او جعله سبب

نجحها دونك فقد تعرض للحرمان و استق من عندك فوت الاحسان

(صحیفہ کاملہ ترجمہ جناب مفتی جعفر حسین صفحہ ۱۵۵)

جس نے اپنے افلاس کے رفع کرنے کے لیے تیرا ارادہ کیا اور اپنی احتیاج کے دور کرنے کے لیے تیرا قصد کیا، اس نے اپنی حاجت کو اس کے محل و مقام سے طلب کیا اور اپنے مقصد تک پہنچنے کا صحیح راستہ اختیار کیا اور جو اپنی حاجات کو لے کر مخلوقات میں سے کسی ایک کی طرف متوجہ ہوا یا تیرے علاوہ دوسرے کو اپنی حاجت برآری کا ذریعہ قرار دیا وہ حرمان نصیبی سے دوچار ہوا اور تیرے احسان سے محرومی کا سزاوار ہوا۔

امام عالی مقامؑ نے مخلوق کو حاجت روا سمجھنے اور مطلب برآری میں ان پر اعتماد کرنے کی جو مذمت فرمائی ہے اس میں کسی نبیؑ یا امامؑ کا استثناء نہیں فرمایا۔

علامہ سید علی خان اپنی شرح صحیفہ ریاض السالکین صفحہ ۷۰ طبع ایران میں ان فقرات کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و اعلم انه لما كان له تعالىٰ خزائن السموات و الارض و كان امرها بيده لا معطى و لا مانع الا هو وقد امر بالدعاء و تكفل بالاجابة فقال ادعونى استجب لكم وحث الخلق على ان يسالوه ليعطيهم فقال واسئلوا الله من فضله و كانت له القدرة التامة التى لا يعجزها شى و كان له الجود الذى لا بخل فيه و الغنى الذى لا فقر معه لا ينقصه عطاء و لا يضره منع لا جرم كان من طلب اصلاح خلته و جبر فاقته من عنده و دام صرف الفقر عن نفسه به طالبا لحاجته من موضعها الذى يعلم انها فيه و قصد ما طلبه من جهته التى يقصد منها فكان حريا بالنجح لما سئل و جديرا بالظفر بما طلب و اما من توجه بحاجته الى احد من المخلوقين و اناخ مطايا الرجاء و الطلب فى ساحة فقير عاجز مثله او جعله سببا لنجاحها و الظفر بها متعمدا عليه دون الله تعالىٰ فقد تصدى للمنع و فوت الاحسان منه تعالىٰ اذا لم يات حاجته من الوجه الذى ينبغى ان ياتيها منه و لم يطلبها من محلها الذى هى فيه و من القس الشى من غير محله و اتاه من غير جهته لم يظفر الا بالحرمان و لم يحصل الا على خيبة الطلب ۱۲۔

یعنی جاننا چاہیے کہ چونکہ زمین و آسمان کے تمام خزانوں کی کنجیاں خدا کے قبضہ قدرت میں ہیں، اس کے سوا اور کوئی معطی و مانع نہیں ہے۔ اور اس کریم نے دعا کا حکم دے کر قبولیت کا وعدہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کرتے ہوئے فرمایا ہے، تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا۔ نیز اس نے لوگوں کو اس بات کی رغبت دلائی ہے کہ وہ اس سے سوال کریں تاکہ وہ انھیں عطا کرے۔ چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: تم اللہ کے فضل کے بارے میں سول کرو، اور چونکہ وہ ایسا قادر مطلق ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی، اور ایسا جواد مطلق ہے جس میں بخل کا شائبہ تک نہیں اور ایسا غنی ہے جس میں فقر و فاقہ کی آمیزش نہیں۔ نہ عطاو بخشش اس کے خزانہ کو کم کرتا ہے، اور نہ روکنا اسے ضرر پہنچاتا ہے۔ بنا بریں جو شخص بھی اپنی حاجت کی اصلاح فقر و فاقہ کی دوری خدا سے طلب کرے گا تو وہ شخص یقیناً اپنی حاجت کو وہاں سے طلب کرے گا جہاں سے طلب کرنی چاہیے۔ لہٰذا وہ کامیابی و کامرانی کا مستحق ہوگا۔ اور جو شخص اپنی حاجات کو کسی مخلوق سے طلب کرے گا اور جو خدا کے علاوہ اپنی امید و آرزو کا مرکز اپنے جیسی عاجز مخلوق کو بنائے گا، یا خدا کو چھوڑ کر اس کی مخلوق پر اعتماد کرتے ہوئے اسے ہی کامیابی کا سبب قرار دے گا، وہ خدا کی طرف سے منع و حرمان نصیبی کا مستوجب قرار پائے گا۔ کیونکہ اس نے اپنی حاجت وہاں سے طلب نہیں کی جہاں سے طلب کرنی چاہیے تھی۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو بھی کسی چیز کو اپنے محل و مقام سے طلب نہ کرے وہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہی رہتا ہے۔

❹ نیز حضرت امام زین العابدینؑ دعائے تضرع الی اللہ میں فرماتے ہیں:

فانت یامولای دون کل مسئول موضع مسئلتی و دون کل مطلوب الیه ولی حاجتی انت المخصوص قبل کل مدعو بدعوتی لا یشرکك احد فی رجائی و لا یتفق احد معك فی دعائی و لا ینظمه و ایاك ندائی الخ (صحیفه کامله ترجم مفتی صاحب صفحه ۲۴۴)

اے میرے مالک تو ہی میرے سوال کا مرجع ہے نہ وہ جس سے سوال کیا جاتا ہے اور تو ہی میرا حاجت روا ہے، نہ وہ جس سے حاجت طلب کی جاتی ہے۔ اور ان تمام لوگوں سے پہلے جنھیں پکارا جاتا ہے تو میری دعا کے لیے مخصوص ہے۔ اور میری امید میں تیرا کوئی شریک نہیں ہے اور میری دعا میں تیرا کوئی ہم پایہ نہیں ہے۔ اور میری آواز تیرے ساتھ کسی اور کو شریک نہیں کرتی۔

❺ انہی جنابؑ نے بارگاہ قدرت میں صحیح طریقہ توسل اختیار کرنے کی یوں تعلیم فرمائی ہے۔ دعائے روز پنج شنبہ میں فرماتے ہیں:

اللهم انی بذمة الاسلام اتوسل الیك و بحرمة القرآن اعتمد الیك و بمحمد المصطفی صلی الله علیه و آله استشفع لدیك الخ۔

اے اللہ میں اسلام کے عہد و پیمان کے ذریعہ تجھ سے توسل چاہتا ہوں اور قرآن کی عزت

Scanned with CamScanner

کے واسطہ سے تجھ پر بھروسا کرتا ہوں اور محمد مصطفٰے ﷺ کے وسیلہ سے تیری بارگاہ میں شفاعت کا طلب گار ہوں۔ (صحیفہ مذکور صفحہ ۴۴۶)

❶ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام یہ حدیث قدسی بیان کرتے ہیں کہ خدا فرماتا ہے:

وعزتی و جلالی و مجدی و ارتفاعی علی عرشی لاقطعن امل کل مومل غیری بالیاس و لا کسوفه ثوب المذلة عن الناس و لا نحینه من قربی و لا بعدنه من فضلی ایوئل غیری فی الشدائد و الشدائد بیدی و یرجو غیری و یقرع بالفکرات غیری و بیدی مفاتیح الابواب و هی مغلقة و بابی مفتوح لمن دعانی فمن ذا الذی املنی لنوائبه فقطعته دونها و من ذا الذی رجانی بعظیمة فقطعت رجائه منی جعلت امال عبادی عندی محفوظة فلم یرضوا بحفظی و ملات سمرائی ممن لا یمل من تسبیحی و امرتهم ان لا یغلقوا الابواب بینی و بین عبادی فلم یثقوا بقولی ۱۲ (ریاض السالکین صفحہ ۱۷۰ کذا فی عدۃ الداعی صفحہ ۶۸)

مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جو شخص میرے علاوہ کسی اور پر بھروسا کرے گا، میں ضرور اس کی امید کو ناامیدی کے ساتھ تبدیل کروں گا۔ اور لوگوں کے نزدیک اسے لباس ذلت پہناؤں گا۔ اور اسے اپنے فضل وکرم سے دور کروں گا (اسے شرم نہیں آتی) کیا وہ شدائد ومصائب میں مجھے چھوڑ کر اوروں سے امیدیں وابستہ کرتا ہے۔ حالانکہ شدائد میرے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ میرے غیر کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے، حالانکہ سوائے میرے دروازہ کے باقی تمام دروازے بند ہیں اور ان کی کنجیاں میرے دست قدرت میں ہیں۔ ہاں میرا دروازہ مجھ سے دعا وپکار کرنے والوں کے لیے ہمیشہ کھلا ہوا ہے۔ بھلا وہ کون شخص ہے جس نے شدائد میں میرے ساتھ امید وابستہ کی ہو اور میں نے اسے ناامید کیا ہو؟ میرے پاس لوگوں کی آرزوئیں محفوظ ہیں۔ مگر (افسوس) وہ میری حفاظت پر رضامند نہیں۔ میں نے اپنے آسمانوں کو ایسی مخلوق (فرشتوں) سے بھر دیا ہے جو میری تسبیح وتقدیس سے کبھی نہیں تھکتے۔ اور میں نے ان کو حکم دے رکھا ہے کہ وہ میرے اور میری مخلوق کے درمیان کبھی دروازہائے (رحمت) کو بند نہ کریں۔ مگر (افسوس) یہ لوگ میرے قول پر اعتماد نہیں کرتے۔ ع

مجھے بتا تو سہی اور آذری کیا ہے؟

❷ حضرت امام موسٰی کاظم علیہ السلام اپنے آباء واجداد کے سلسلۂ سند سے خداوند عالم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

ما من مخلوق یعتصم بمخلوق دونی الاقطعت اسباب السموات و الارض دونه فان دعانی

Scanned with CamScanner

لم اجبه و ان سئلنی لم اعطه و ما من مخلوق یعتصم بی دون خلقی الا ضمنت السموات و الارض رزقه فان سئلنی اعطیته و ان دعانی اجبته و ان استغفرنی غفرت له ۔

(ریاض السالکین صفحہ ۳۰۲ کذا فی عدۃ الداعی صفحہ ۶۹)

جو کوئی مخلوق بھی میرے علاوہ کسی اور مخلوق پر بھروسا کرے میں اس کے لیے زمین و آسمان کے وسائل و اسباب بند کر دیتا ہوں۔ لہٰذا اگر وہ مجھ سے دعا کرے تو میں اسے قبول نہیں کرتا، اور اگر مجھ سے سوال کرے تو اسے عطا نہیں کرتا۔ اور جو مخلوق میرے دامن کے ساتھ متمسک ہو جائے میں زمین و آسمان کو اس کے رزق کا ضامن بنا دیتا ہوں۔ پس اگر مجھ سے سوال کرے تو اسے عطا کرتا ہوں۔ اگر دعا کرے تو اسے قبول کرتا ہوں۔ اور اگر مجھ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو اسے معاف کر دیتا ہوں۔

❽ حضرت امام زین العابدین دعائے تضرع الی اللہ میں فرماتے ہیں:

اللهم انی خلصت بانقطاعی الیك و اقبلت علیك و صرفت وجهی عمن یحتاج الی رفدك و قلبت مسئلتی عمن لم یستغن عن فضلك و رایت ان طلب المحتاج الی المحتاج سفه من رایه و ضلة من عقله ۔ (صحیفہ کاملہ صفحہ ۱۵۰)

اے اللہ میں پورے خلوص کے ساتھ دوسروں سے منہ موڑ کر تجھ سے لو لگائے ہوں اور ہمہ تن تیری طرف متوجہ ہوں اور ہر شخص سے جو خود تیری عطاء و بخشش کا محتاج ہے منہ پھیر لیا ہے اور اس شخص سے جو تیرے فضل و احسان سے بے نیاز نہیں ہے، سوال کا رخ موڑ لیا ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ محتاج سے مانگوں سراسر سمجھ بوجھ کی کمی اور عقل کی گمراہی ہے۔ (صحیفہ کاملہ صفحہ ۲۴۴ مترجم)

علامہ سید علی خان نے اس کلام حق ترجمان کی شرح میں بعض اعلام کا یہ کلام نقل کیا ہے کہ:

من التوكل ان لا تطلب لنفسك ناصراً غير الله و لا لرزقك قاسماً غير الله و لا لعملك شاهدا غير الله۔ (ریاض السالکین صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۲)

یعنی خدا پر بھروسا کرنے کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ سوائے خدا کے اور کسی سے اپنے لیے نصرت طلب نہ کرو۔ نہ سوائے خدا کے کسی اور کو رزق کا تقسیم کرنے والا سمجھو اور نہ ہی خدا کے سوا کسی کو اپنے عمل پر گواہ قرار دو۔

علامہ ابن فہد حلیؒ نے توکل کی یہ تعریف کی ہے کہ:

بان المخلوق لا یضر و لا ینفع و لا یعطی و لا یمنع۔

Scanned with CamScanner

مخلوق کسی کو نفع و نقصان اور عطاء و منع کی مالک نہیں ہے۔ (عدۃ الداعی صفحہ ۴۵ طبع بمبئی)

۹ حضرت امیر المومنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

فاذا اشتد الفزع فالی اللہ المفزع۔

یعنی جب خوف و ہراس سخت ہو جائے تو خدا سے مدد طلب کرو۔

(اصول کافی صفحہ ۵۱۷ کتاب الدعاء)

۱۰ جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام فرماتے ہیں:

ما من بلاء ینزل علی عبد مومن فیلهمه اللہ عزو جل الدعاء الا کشف ذلك البلاء و شیکاً و ما من بلاء ینزل علی عبد مومن فیمسك عن الدعا الا کان ذلك البلاء طویلا فاذا نزل البلاء فعلیکم بالدعاء و التضرع الی اللہ عز و جل۔

یعنی جس بندہ مومن پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو اور خدا اسے دعا کرنے کا القا کر دے تو وہ بلا جلد دفع ہو جاتی ہے اور اگر بندہ مومن دعا و پکار میں دیر کرے تو وہ آفت طول پکڑ جاتی ہے (پھر فرمایا) پس جب بھی تم پر کوئی بلا و مصیبت نازل ہو تو تم پر لازم ہے کہ دعا کرو۔ اور خدا کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرو۔ (اصول کافی صفحہ ۵۱۹ عدۃ الداعی صفحہ ۳)

۱۱ جناب امام زین العابدینؑ دعائے دفع مہمات میں فرماتے ہیں:

انت المدعو للمهمات و انت المفزع فی الملمات لا یندفع منها الا ما دفعت و لا ینکشف منها الا ما کشفت۔ (صحیفہ صفحہ ۹۴)

مشکلات میں تجھے ہی پکارا جاتا ہے بلیات میں تو ہی جائے پناہ ہے کوئی مصیبت ٹل نہیں سکتی مگر جسے تو ڈال دے اور کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی مگر جسے تو حل کر دے۔

علامہ سید علی خان اس کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

تعریف المسند هنا بلام الجنس لافادة القصر تحقیقا باعتبار تقییده بالظرف اذ لیس غیره تعالیٰ مدعوا للمهمات و لا مفزعا فی الملمات و ان دعی غیره لها او فزع الیه فیها فهو جهل محض او شرك خفی او صریح علی ان دعائه سبحانه عند نزول الملمات و الفزع الیه حین حلول المهمات دون غیره امر فطری کما قال تعالیٰ و اذا مسکم الضر فی البحر ضل من تدعوه الا ایاه و قال تعالیٰ قل ارایتکم ان اتاکم عذاب اللہ او اتتکم الساعة اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین بل ایاه تدعون فیکشف ما تدعون الیه ان شاء و

Scanned with CamScanner

تنسون ما تشرکون۔ (ریاض السالکین صفحہ ۱۳۳)

یہاں مسند (المدعو) کو لام تعریف کے ساتھ معرف کر کے اس لیے لایا گیا ہے کہ اس سے مقصد حصر حقیقی ہے۔ کیونکہ مہمات میں خدا کے سوا اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے پکارا جائے اور نہ خدا کے سوا کوئی ایسا ہے جس سے شدائد میں مدد حاصل کی جائے اور اگر شدائد و مہمات میں غیر خدا کو پکارا گیا یا اس سے مدد طلب کی گئی تو محض جہالت یا شرک خفی بلکہ جلی ہوگا۔ علاوہ بریں مہمات و مصائب کے وقت صرف خدا کی طرف رجوع کرنا اور اس سے اعانت طلب کرنا ایک فطری امر ہے۔ چنانچہ خداوند عالم فرماتا ہے: جب تم سمندر میں ہوتے ہو اور تمھیں کوئی تکلیف پہنچے تو خدا کے سوا دوسرے وہ لوگ جن کو تم پکارا کرتے ہو بھول جاتے ہو۔ دوسرے مقام پر فرماتا ہے: کہہ دو اگر تم پر عذاب نازل ہو یا قیامت آ جائے اگر سچے ہو تو غیر خدا کو بلاؤ تو سہی۔ نہیں بلکہ تم صرف خدا کو ہی پکارتے ہو۔ پس خدا اگر چاہے تو وہ تمھاری تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔ اس وقت شرک بھول جاتے ہو۔

اسی دعائے مبارکہ کے اخیر میں ہے:

وانت القادر علی کشف ما منیت بہ ودفع ما وقعت فیہ

جس مصیبت میں مبتلا ہوں اس کے دور کرنے اور جس بلا میں پھنسا ہوا ہوں اس سے نکالنے پر تو ہی قادر ہے۔ (صحیفہ سجادیہ صفحہ ۱۲۹ مترجم)

اس کی شرح میں علامہ موصوف فرماتے ہیں:

لافادۃ القصر تحقیقا ای انت القادر لا غیرک علی کشف ما ابتلیت بہ

(ریاض صفحہ ۱۳۵)

یہ (تقدیم مسند) حصر حقیقی کے لیے ہے۔ مطلب یہ کہ بارالہا صرف تو ہی میری مصیبت دور کرنے پر قادر ہے اور کوئی قادر نہیں ہے۔

⑫ حضرت امیر المومنینؑ دعائے کمیل میں فرماتے ہیں:

الٰہی وربی من لی غیرک اسئلہ کشف ضری والنظر فی امری ؕ (مفاتیح صفحہ ۶۴)

اے میرے معبود اور میرے پروردگار تیرے سوا میرا کون ہے جس سے اپنی تکلیف دور کرنے اور اپنے معاملات میں نظر کرنے کی درخواست کروں۔

⑬ وہ دعا جو امام رضا علیہ السلام کی زیارت کے بعد پڑھی جاتی ہے، اس میں وارد ہے:

یا من لا یعلم الغیب الا ھو یا من لا یصرف السوء الا ھو یا من لا یدبر الامر الا ھو یا من لا

Scanned with CamScanner

یغفر الذنب الا ھو یا من لا یخلق الخلق الا ھو یا من لا ینزل الغیث الا ھو۔

(مفاتیح صفحہ ۵۰۳)

اے وہ خدا جس کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔ اے وہ معبود جس کے سوا کوئی مصیبت دور نہیں کرتا، اے وہ اللہ جس کے سوا کوئی تدبیر امور نہیں کرتا، اے وہ رب جس کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا، اے وہ پروردگار جس کے سوا کوئی پیدا نہیں کرتا، اے وہ مالک حقیقی جس کے سوا کوئی بارش نہیں برساتا۔

⑬ اسی باب میں بذیل آیات قرآنیہ یہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ الٰہ اور اللہ کہتے ہی اسی ذات متجمع جمیع صفات کو ہیں کہ جب مصائب وشدائد میں ہر طرف سے امیدیں منقطع ہو جائیں تو مخلوق اس کی طرف رجوع کرے۔ چنانچہ اس حدیث صادقؑ سے بھی اس مطلب کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے جو آنجنابؑ نے اس شخص کے جواب میں ارشاد فرمائی تھی جس نے ہستی باری تعالیٰ کے متعلق آپؑ سے مقنع دلیل طلب کی تھی۔ امامؑ نے فرمایا: تو کبھی کشتی پر سوار ہوا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ عین منجدھار میں کشتی ٹوٹ گئی ہو، اب نہ تو وہاں کوئی کشتی تھی جو تجھے نجات دے اور نہ ہی تو تیرنا جانتا تھا، جو تجھے کنارے لگائے، آیا اس وقت تیرے دل میں کسی ایسی قادر مطلق ہستی کا تصور تھا جو ایسی بے سروسامانی کے عالم میں بھی تجھے نجات دے سکتی ہے۔ کہا ہاں۔ امام نے فرمایا: فذلک الشی ھو اللہ القادر علی الانجاء حیث لا منجی و علی الاغاثۃ حیث لا مغیث۔ وہی قادر مطلق خدا ہے جو اس وقت نجات دینے پر قدرت رکھتا ہے، جب کوئی نجات دہندہ نہ ہو، اور اس وقت فریادرسی کرتا ہے جب اور کوئی فریادرس نہ ہو۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۹)

⑭ قطع نظر مذکورہ بالا دلائل قاطعہ کے خود ائمہ اطہار اور ان کے اصحاب اخیار کا عمل وکردار ہی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ مشکلات ومصائب اور مہمات وشدائد میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ چنانچہ یہ امر ناقابل انکار حد تک ثابت ہے کہ جب اصحاب ائمہؑ ان بزرگواروں کی بارگاہ میں التماس دعا کے لیے حاضر ہوتے تو یہ ذوات مقدسہؑ ان کو بارگاہ ربوبیت کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتے۔ کسی کو کوئی مخصوص نماز حاجت پڑھنے کے بعد خدا سے دعا وپکار کرنے کا حکم دیتے، کسی کو کوئی مخصوص دعا تعلیم دیتے۔ چنانچہ دعائے کمیل ودعائے مشلول وغیرہ صدہا دعائیں اور اسی طرح سینکڑوں قسم کی نمازہائے حاجت اس کے زندہ ثبوت ہیں۔ لہٰذا ہمیں بھی یہی طریقہ اپنانا چاہیے۔

⑮ جناب رسول خداﷺ فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

الا ادلکم علی سلاح ینجیکم من اعدائکم و یدر ارزاقکم قالوا بلیٰ قال تدعون ربکم باللیل و النھار فان سلاح المومن الدعاء۔

کیا میں تمھیں ایسا ہتھیار نہ بتاؤں جو تمھیں شر اعداء سے نجات دے اور تمھارے رزقوں کو کشادہ کرے؟ صحابہ نے عرض کیا ہاں (ضرور ارشاد فرمائیں) فرمایا: رات اور دن کے وقت اپنے پروردگار سے دعا و پکار کرو۔ کیونکہ دعا کرنا مومن کا ہتھیار ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۵۱۷)

⑰ امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

علیکم بسلاح الانبیاء فقیل ما سلاح الانبیاء، قال الدعاء۔

انبیاءؑ کے ہتھیار کو لازم پکڑو۔ عرض کیا گیا کہ انبیاءؑ کا ہتھیار کیا ہے؟ فرمایا: خدا سے دعا کرنا۔ (اصول کافی صفحہ ۵۱۷)

متنازعہ مسئلہ میں ائمہ اطہارؑ کے اصحاب اخیار کا طریقہ کار

ان ہادیانؑ کی اسی تعلیم و تلقین کا نتیجہ تھا کہ ان کے اصحاب باصفا ہمیشہ ان امور میں ان بزرگواروںؑ سے صرف بارگاہ خداوندی میں دعاء و سفارش کرنے کی استدعا کیا کرتے تھے۔ یہ کبھی استدعا نہیں کی تھی کہ آپؑ ہمیں اولاد دیں، یا روزی فراخ کریں یا ہمارے بیمار کو شفا دیں۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ طریقہ کار تعلیمات قرآن اور اہل بیتؑ کے فرمان کے خلاف ہے۔ ذیل میں ان اصحاب اخیار کے صحیح طریقہ کار کے چند واقعات جلائے ایمانی کی خاطر درج کیے جاتے ہیں۔

① مفضل بن قیس بیان کرتے ہیں کہ: دخلت علی ابی عبداللہ فشکوت الیہ بعض حالی و سالتہ الدعاء۔ یعنی میں حضرت صادق آل محمد کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی حالت زار بیان کر کے ان سے دعا کرنے کی استدعا کی۔ آں جنابؑ نے اپنی کنیز کو حکم دیا کہ وہ تھیلی لاؤ جو ابو جعفر (منصور دوانقی) نے بھیجی ہے۔ چنانچہ کنیز نے وہ تھیلی پیش کی جس میں چار سو دینار تھے۔ امامؑ نے وہ تھیلی مجھے عطا فرمادی۔ میں نے عرض کیا: لا واللہ جعلت فداک ما اردت ھذا و لکن اردت الدعاء۔ میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں۔ بخدا میری گزارش کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ میرا مقصد تو صرف دعا کرنے کی استدعا کرنا تھا۔ فرمایا: و لا ادع الدعاء۔ میں دعا بھی ترک نہیں کروں گا۔ (رجال کشی صفحہ ۱۲۱)

② اسی طرح شاذویہ بن الحسین بن داؤد الکمی کا بیان ہے: دخلت علی ابی جعفر و باھلی حبل فقلت جعلت فداک ادع اللہ ان یرزقنی ولدا ذکرا۔ یعنی میں حضرت امام محمد تقیؑ کی خدمت میں حاضر

Scanned with CamScanner

ہوا۔ اس وقت میری بیوی حاملہ تھی۔ میں نے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہوں۔ آپ میرے لیے خدا کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ مجھے اولاد نرینہ عطا کرے۔ راوی کہتا ہے: فاطرق ملیاً ثم رفع راسہ فقال فان اللہ یرزقک غلاماً ذکراً۔ امامؑ کچھ دیر سر جھکائے بیٹھے رہے، پھر سر بلند کر کے فرمایا: خدا تمہیں فرزند نرینہ عطا کرے گا۔ (رجال کشی صفحہ ۳۵۸)

❷ عبدالرحمٰن بن حجاج بیان کرتے ہیں کہ میرے پاس جناب امام موسیٰ کاظمؑ کا بہت سا مال (بطاہر خمس) تھا۔ چنانچہ ایک سال میں (مدینہ) گیا اور جناب علی بن یقطین نے مجھے آنجنابؑ کے نام ایک مکتوب دیا۔ جس میں آنجناب سے التماس دعا کیا تھا۔ چنانچہ میں اپنے ذاتی کاروبار اور خدمت امامؑ میں مال پہنچانے سے فارغ ہو چکا تو عرض کیا: میں آپ پر قربان ہو جاؤں۔ سألنی علی بن یقطین ان تدعواللہ لہ۔ علی بن یقطین نے مجھ سے کہا تھا کہ آپؑ سے ان کے لیے دعا کریں۔ یہ سن کر امامؑ نے فرمایا: للآخرۃ؟ آیا آخرت کے لیے دعا کرنے کی استدعا کروں۔ میں نے عرض کیا: نعم۔ (ہاں) عبدالرحمٰن بیان کرتے ہیں کہ یہ سنتے ہی امامؑ نے اپنا دست مبارک اپنے سینہ پر رکھتے ہوئے فرمایا: ضمنت لعلی بن یقطین ان لا تمسہ النار ابداً۔ میں علی بن یقطینؑ کا ضامن ہوں کہ ان کو کبھی آتش جہنم نہیں چھوئے گی۔ (رجال کشی صفحہ ۴۷۰) ھنیئاً لہ الجنۃ۔ زہے نصیب۔ سچ ہے ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

رزقنا اللہ دعائھم و شفاعتھم فی الدنیا و الآخرۃ۔

❸ علماء اعلام کا بھی ہمیشہ سے اسی طریقہ پر عمل درآمد رہا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ طوسی اور دیگر بعض علماء اعلام نے نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ صدوقؒ کے والد ماجد حضرت شیخ علی بن الحسین القمی کے ہاں اپنی چچازاد بیوی سے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی۔ انھوں نے جناب ابوالقاسم حسینؒ بن روحؒ (نائب خاص حضرت حجتؑ) کی خدمت میں مکتوب ارسال کیا۔ جس میں ان سے استدعا کی کہ حضرت امام العصرؑ کی بارگاہ میں عرض کریں کہ وہ میرے لیے بارگاہ رب العزت میں اولاد کے لیے دعا فرمائیں۔ چنانچہ جناب ابوالقاسمؒ نے جناب شیخ کی استدعا امام زمانہؑ تک پہنچائی۔ ناحیہ مقدسہ سے جواب صادر ہوا: ہم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی ہے۔ ان کی موجودہ بیوی کے بطن سے اولاد نہ ہوگی۔ ہاں عنقریب ان کو ایک دلیہ کنیز ملے گی جس سے ان کو خدائے عزوجل دو فرخیہ بیٹے عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور وہ دو بیٹے محمد بن علی (معروف بہ شیخ صدوقؒ) اور ان کے برادر معظم شیخ حسین بن علی متولد ہوئے۔ (فوائد رضویہ جلد ۲ صفحہ ۵۶۱ الکلام یجر الکلام جلد ۱ صفحہ ۹۶ وغیرہ)

Scanned with CamScanner

مسئلہ زیر بحث اعلام کے بیان کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اب تک ہم نے قرآن و حدیث اور اصحاب ائمہؑ کی روش و رفتار کی روشنی میں جو کچھ لکھا ہے ہمارے تمام علمائے اعلام شیعہ امامیہ کثرہم اللہ فی البریہ کا بھی یہی نظریہ ہے۔ چنانچہ تیسرے باب میں علماء کبار کے جو بیانات پیش کیے گئے ہیں وہ سب ہمارے اس دعویٰ پر شاہد عادل ہیں۔ فلا نطیل الکلام بتکرار المرام۔ فراجع و تدبر ان کنت من اولی الافہام۔

علاوہ بریں کتب اصول عقائد میں اقسام توحید بیان کرتے ہوئے توحید افعالی کے متعلق ہمارے اعلام نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بھی ہمارے دعویٰ پر بطور نص صریح دلالت کرتا ہے کہ امور تکوینیہ میں سوائے خداوند عالم کی ذات جامع جمیع صفات کے اور کسی ذات حتی کہ نبیؐ و امامؑ سے بھی براہ راست استمداد جائز نہیں ہے۔ ہاں ان کا توسل اور بارگاہ خداوندی میں دعا کرنے کی استدعا کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے۔

اقسام توحید

اس امر کی بقدر ضرورت یہاں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ توحید کے چار اقسام ہیں کہ شرک ایسے گناہ عظیم سے دامن بچانے اور دولت ایمان حاصل کرنے کے لیے نہ صرف ان کا جاننا اور ان پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے بلکہ ان کے مطابق عمل درآمد کرنا بھی لازم ہے۔ وہ اقسام یہ ہیں:

1. توحید فی الذات (ذات خداوندی میں اس کا کوئی شریک نہیں)
2. توحید فی الصفات (خدا کی صفات حقیقیہ عین ذات ہیں اور سب مخلوق کی صفات زائد برذات ہیں)
3. توحید فی الافعال (امور تکوینیہ مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء و شفاء امراض وغیرہ میں کوئی ہستی خدا کی شریک نہیں ہے)
4. توحید فی العبادت (عبادت میں خدا کا کوئی شریک نہیں ہے۔) تفصیل کے لیے ہماری کتاب احسن الفوائد یا ہمارے رسالہ اقسام توحید کی طرف رجوع کیا جائے۔ فان فیہ شفاء لکل علیل و ریا لکل غلیل انشاء اللہ الجلیل۔

Scanned with CamScanner

ادھر ان اقسام توحید میں سے کسی قسم کا دامن ہاتھ سے چھوٹا اور ادھر آدمی شرک کے گہرے گڑھے میں گرا۔ اسی وجہ سے شرک جلی کے بڑے اقسام بھی چار ہیں۔

❶ شرک فی الذات ❷ شرک فی الصفات ❸ شرک فی الافعال اور ❹ شرک فی العبادۃ۔

ایک سچے مسلمان کے لیے ان تمام اقسام شرک سے اجتناب کرنا واجب ہے۔ چنانچہ مولانا سید محمد سبطین سرسوی اپنے رسالہ پیغام توحید صفحہ ۴۰ پر اقسام توحید بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

پس حقیقی اور سچا خدا پرست وہ ہے جو ان چاروں قسم کے شرک سے پاک ہو۔ اور چاروں قسم کی توحید میں کامل ہو۔ توحید فی الذات، توحید فی الصفات، توحید فی الطاعۃ، توحید فی العبادۃ کا صحیح عقیدہ رکھتا ہو۔ اور دین برحق وہ ہے جس میں تعلیم توحید اس درجہ مکمل ہو کہ کہیں شرک کا شائبہ تک نہ پایا جائے۔ اور یہی تعلیم اسلام ہے۔

بنابریں توحید افعالی کے متعلق علمائے اعلام نے جو کچھ لکھا ہے (جس کی ایک معتد بہ مقدار باب التفویض میں نقل کی جا چکی ہے) وہ سب بیانات تائید مدعا میں پیش کیے جا سکتے ہیں۔ یہاں تبرکاً و تیمناً مزید چند اعلام کی فرمائشات پیش کی جاتی ہیں۔

❶ سید العلماء سید حسین لکھنوی حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۷۷ میں مباحث طویلہ کے بعد بطور نتیجہ لکھتے ہیں:

> و بالجملہ حق آن است کہ غیر از افعال عباد کہ منحصر در حرکات و سکنات و ما یترتب علیہا است از غیر خدا از قسم اجسام و جسمانیات متاصلہ صادر نمی شود و حضرات و غیر حضرات از ممکنات نہ بر خلق جواہر و اجسام بذواتہم قدرت دارند و نہ تفویض و اقدار از جانب جناب احدیت بر خلق و رزق نسبت ایشاں از روئے عقل و شرع ثابت می شود۔

یعنی خلاصہ کلام ایں کہ حق یہ ہے کہ افعال عباد (جو کہ اعراض ہیں) کے علاوہ جس سے انسانی حرکات و سکنات اور ان کے نتائج مراد ہیں اور کوئی چیز از قسم اجسام متاصلہ (یعنی جواہر) غیر خدا سے صادر نہیں ہو سکتی۔ اور حضرات ائمہ اہل بیتؑ و دیگر تمام ممکنات نہ بالذات خلق اجسام پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور نہ عقلاً و نہ شرعاً ذات احدیت کی طرف سے خلق کرنے اور رزق دینے کی تفویض یا قدرت کا عطا ہونا ثابت ہے۔

❷ عالم ربانی سرکار آیۃ اللہ حضرت شیخ جعفر شوستری اعلی اللہ مقامہ (مصنف خصائص حسینیہ وغیرہ

Scanned with CamScanner

کتب جلیلہ جن کی علمی جلالت کے سامنے بڑے بڑے علماء ومجتہدین کے سرنیاز جھک جاتے ہیں) اپنے رسالہ عملیہ نہج الرشاد مطبوعہ بمبئی صفحہ ۱۴ پر مرتدملی وفطری کا تذکرہ اوران کے الفاظ سے بحث کرتے ہوئے جن سے ایک مسلمان مرتد ہوجاتا ہے بعنوان مسئلہ تحریر فرماتے ہیں:

در زبان بعض عوام متعارف است کہ می گویند امام حسینؑ عمرت را زیاد بکند یا حضرت عباسؑ روزی ترا زیاد بکند، یا ترا اولاد بدھد، یا فلاں امام زادہ ترا نگاہ بداد اگر منظور این است کہ از برکت اینہا بشود یا اینکہ ایشاں شفیع شوند در خصوص اولاد و زیادتی رزق و طول عمر بسیار خوبست و اگر منظور حقیقت رازق و معطی و خالق باشد مشکل است۔

یعنی بعض عوام الناس کے درمیان متعارف ہے کہ وہ ایک دوسرے کو یوں کہتے ہیں کہ حضرت امام حسینؑ تمہاری عمر کو زیادہ کریں یا حضرت عباسؑ تمہاری روزی کو زیادہ کریں یا تمہیں اولاد دیں، یا فلاں امام زادہ تمہاری حفاظت کریں۔ اگر کہنے والے کا مقصد یہ ہو کہ ان کی برکت سے ایسا ہو یا یہ بزرگوار (بارگاہ قدرت میں) طول عمر، زیادتی رزق اور حصول اولاد کے متعلق سفارش کریں تو یہ درست ہے۔ لیکن اگر مقصد یہ ہو کہ حقیقۃً یہی بزرگوار رازق و معطی اور خالق ہیں (یعنی بعض براہ راست یہ کام انجام دیتے ہیں) تو پھر (اس کا جواز بلکہ قائل کا اسلام) مشکل ہے۔

❸ ❹ مذکورہ بالا رسالہ شریفہ دو جلیل القدر مجتہد حضرات یعنی سرکار آیۃ اللہ شیخ حبیب اللہ الرشتی وآیۃ اللہ السید اسماعیل الصدر الموسوی اعلی اللہ مقامہما کا مصدقہ ہے اور محل اختلاف میں ان کے حواشی شریفہ سے مزین ہے۔ مگر مذکورہ بالا عبارت پر ان کا کوئی حاشیہ نہیں ہے۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں بزرگوار بھی اس مسئلہ میں حضرت شیخ جعفر شوستری اعلی اللہ مقامہ سے متفق ہیں۔ کما لا یخفی علی من جال خلال ھذہ الدیار۔

❺ علامہ العصر حضرت الشیخ محمد الخالصی قدس سرہ اپنی کتاب احیاء الشریعۃ فی مذہب الشیعہ جلد ۱ صفحہ ۷۹ پر رقم طراز ہیں:

یکثر علی لسان العامۃ ترديد الفاظ ينافی ظاهرها التوحيد او تشف عن الغلو مثل قول بعض العوام لبعض اجرك علی محمد او علی او فاطمۃ الزهراء او علی احد الائمۃ او قولهم يرزقك الحسين و يشفيك العباس و امثال ذلك من الالفاظ و بعضهم يدعو فيطلب الرزق و الشفاء او الولد اور دفع المكروه من النبی او احد الائمۃ فان كان المتكلم بهذه

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

الالفاظ فاسدا لمعانیها معتقدا بها فهو کافر فحال یجری علیه جمیع احکام الکفر و ان کان عقد قلبه علی خلاف ظاهرها و کان مراده طلب الرزق من الله هو الشفاء مثلا من الله ببرکة النبی لاعتقاده انه ارسل رحمة للعالمین و اذن الله له بالشفاعة و هکذا عند ذکر الائمة فلیس ذلک بکفر و ان کان ظاهر الالفاظ کفرا لانه لم یرد ظاهرها و لم یعتقده فکانها نقلت عن معانیها عرفاً الی معان توافق الاعتقادات الصحیحة و یجب ترک هذه الالفاظ و ان لم یرد بها ظاهرها۔

یعنی بعض عوام کی زبان پر کچھ ایسے الفاظ جاری رہتے ہیں جو بظاہر عقیدہ توحید کے منافی ہیں۔ یا جن سے غلو کی بو آتی ہے۔ جیسے ان کا یہ کہنا کہ تمہارا اجر جناب رسول خداؐ یا حضرت علی مرتضیٰؑ یا حضرت فاطمۃ الزہراءؑ یا دیگر ائمہ ہدیٰؑ کے ذمہ ہے۔ یا ان کا یہ کلام کہ حضرت امام حسینؑ تمہیں رزق دیں یا حضرت عباسؑ تمہیں شفا عطا فرمائیں (یا اس قسم کے الفاظ جس طرح ہمارے ہاں عوام یہ کہتے ہیں کہ اللہ و پنجتنؑ پاک تمہیں مال واولاد دیں، یا اللہ و پنجتنؑ پاک نے ہمیں سب کچھ دے رکھا ہے۔ یا اللہ و پنجتنؑ پاک آپ کو آباد و شاداب رکھیں وغیرہ) اور بعض لوگ براہ راست جناب رسول خدا یا دیگر بعض ائمہ ہدیٰؑ سے رزق مانگتے، شفاء طلب کرتے، اولاد کا سوال کرتے یا مکروہات و شدائد کے دفعیہ کی ان سے دعائیں کرتے ہیں۔ پس اگر تو ان الفاظ سے ان لوگوں کا مقصد ان کے حقیقی معنی ہیں اور یہی ان کا اعتقاد ہے کہ یہ بزرگوارؑ یہ کام انجام دیتے ہیں پھر تو یہ کافر ہیں۔ ان پر تمام احکام کفر مترتب ہوں گے۔ لیکن اگر ان کی مراد وہ نہیں جو ظاہری الفاظ سے مترشح ہوتی ہے بلکہ ان کا مقصد جناب رسول خداؐ کی برکت سے خدا سے رزق و شفاء طلب کرنا ہے۔ کیونکہ خدا نے ان کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا ہے، اور ان کو شفاعت و سفارش کرنے کا اذن بھی دیا ہے اور یہی مقصد ائمہ اطہارؑ کے ذکر کے وقت (ان سے یہ اشیاء طلب کرنے کا ہے) تو یہ کفر نہیں۔ اگرچہ ظاہری الفاظ کفر پر ہی دلالت کرتے ہیں۔ مگر چونکہ قائل نے ان کے ظاہری معنی کا قصد نہیں کیا اور نہ ہی وہ اس کا معتقد ہے تو گویا یہ الفاظ (اپنے معانی لغویہ سے) عرفاً معانی صحیحہ کی طرف منتقل ہو چکے ہیں۔ بہر حال اگرچہ ان الفاظ کے ظاہری معنی کا قصد نہ بھی کیا جائے تاہم ایسے مشتبہ الفاظ کا ترک کرنا واجب ہے۔

❶ فاضل اجل علامہ سید ابو الفضل برقعی اپنی کتاب عقل و دین میں صفحہ ۲۷۷ و ۲۷۸ پر توحید عبادتی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

باید فهمید که فقط خدا حاضر و ناظر است در همه جا و باید او را

Scanned with CamScanner

خواند ـ و پرستش کرد ـ متاسفانہ عدہ از عوام جمع می شوند در زمان ما بنام عزاداری امام حسینؑ یا امام دیگر ـ ہ را مخاطب قرار میدھند، و ازو حوائج می طلبند و مکرر میگو یند ؛ اے آقا فدایت شوم خودت، فلاں کار مرا یا مشکل مرا رفع کن و حاجات مرا بر آور ـ دیگر نمی دانند حاضر فی کل مکان منحصر بذات پرو ردگار لا مکان است و ھر امام یا رسول یا فرشتہ ای وار لے مکان و محدود است لا۔

یعنی یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ صرف خداوند عالم ہی ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اس لیے اسے ہی (حاجت برآری کے لیے) پکارنا چاہیے اور اسی کی ہی پرستش و عبادت کرنی چاہیے۔ مگر افسوس کہ ہمارے زمانہ میں بعض عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ عزاداری کے نام سے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور جناب امام حسینؑ کو مخاطب کر کے ان سے اپنی حاجات طلب کرتے ہیں۔ اور بار بار یہ کہتے ہیں: میں آپؑ پر قربان ہو جاؤں۔ آپ خود میرا فلاں کام انجام دیں۔ میری فلاں مشکل حل کریں اور میری حاجات بر لائیں۔ مگر یہ لوگ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہر وقت، ہر جگہ حاضر ہونا پروردگار عالم کی ذات سے مختص ہے جو لامکان ہے۔ باقی امامؑ ہوں یا رسولؐ، فرشتے، یہ سب کے سب صاحب مکان ہیں اور محدود ہیں۔ لا۔

۷ حضرت شیخ جعفر نجفیؒ کے رسالہ رد بر وہابیہ سے صاحب حدیقہ سلطانیہ نے (جلد ۳ صفحہ ۱۸۱) پر بعض اقتباسات کا اس طرح ترجمہ کیا ہے:

پس اگر دعوت غیر خدا و استعانت بمخلوق از یں راہ باشد کہ او را فاعل مختار چناں فاعلے کہ منافع و مضار بقبضہ اختیار او باشد ـ بفہمد پس این قول کفار است ـ و اگر مرادش آں باشد کہ دعائے او و استغاثہ باو از برائے شفاعت است اگرچہ تصرفے و مسامحہ از او در عبارت واقع شدہ پس این از اعظم طاعات است و از محافظت علی الاداب من کل الجہات ـ

یعنی اگر غیر خدا سے بایں طور فاعل مختار سمجھ کر مدد طلب کی جائے کہ نفع و نقصان اس کے قبضہ اختیار میں ہے تو یہ کافروں کا نظریہ ہے اور اگر مدد مانگنے والے کی مراد ان حضرات سے شفاعت و سفارش طلب کرنا ہے تو بہت بڑی اطاعت اور آداب اسلامی کی محافظت ہے۔ اگرچہ ادائے مقصد میں عبارت کے اندر قدرے کوتاہی ہو گئی ہے۔ (یعنی وہ الفاظ نہیں لائے گئے جو بالصراحت طلب

Scanned with CamScanner

شفاعت پر دلالت کریں) فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شی و الیہ ترجعون۔

ہمارے عوام اہل ایمان پر لازم ہے کہ ان علماء اعلام کی فرمائشات کو اپنے لیے آویزۂ گوش بنائیں اور اس قسم کے الفاظ متداولہ و رائجہ سے لازماً پرہیز کریں، جن سے شرک خفی یا جلی مترشح ہوتا ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم۔

مسئلہ مسئلہ عقل سلیم کی روشنی میں

جب تیسرے باب میں یہ مطلب نا قابل تردید عقلی و سمعی دلائل سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ امور تکوینیہ خلاق عالم نے اپنی کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں فرمائے بلکہ خود اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو بعد ازیں عقل سلیم کو یہ فیصلہ کرنے میں ذرہ بھر دقت محسوس نہیں ہوتی ہے کہ چونکہ فاقد شیٔ معطی شیٔ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے رجوع اسی خدائے لم یزل و لا یزال کی طرف ہی کرنا چاہیے، جس کے قبضۂ قدرت میں ان معاملات کی باگ ڈور ہے۔ فادعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اگرچہ سطور بالا میں اس موضوع پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جو قلب سلیم و طبع مستقیم رکھنے والے انسان کے لیے حقیقت حال سمجھنے اور حق و باطل کے درمیان تمیز کرنے کے لیے کافی ہے۔ مگر جب تک یہاں دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ نہ کر دیا جائے اس وقت تک یہ باب تشنۂ تکمیل رہے گا، اس لیے حسب سابق اس موضوع کے متعلق دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات مع قطعی جوابات ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔ واللہ المستعان۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

کہا جاتا ہے (اور اسے ایاک نستعین کا صحیح حل تصور کیا جاتا ہے) کہ ذات باری نے معصومؑ کے قول، ان کے فعل کو اپنا قول اور اپنا فعل قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آیت وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ کا مفاد ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ ان سے استمداد خود خدا سے مدد طلب کرنے کے مترادف ہے۔ یہ شبہ محض فن خطابت کی پیداوار ہے، بے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ قاعدہ علی العموم تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس سے یہ بھی لازم آئے گا کہ ائمہ اطہارؑ کی عبادت کرنا بھی جائز ہو۔ کیونکہ بنا بریں ان کی عبادت خدا کی عبادت متصور ہوگی۔ کیا یہ استدلال کرنے والے

Scanned with CamScanner

حضرات اس بات کو قبول کرنے پر آمادہ ہیں؟ جو جواب یہ حضرات ائمہ اطہارؑ کی عبادت کرنے کے عدم جواز کے متعلق دیں گے وہی جواب ہماری طرف سے عدم جواز استمداد کے بارے میں سمجھا جائے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ دعا بھی ایک قسم کی عبادت ہے بلکہ افضل العبادت ہے۔ جیسا کہ اوپر اس کی وضاحت کی جا چکی ہے۔ علاوہ بریں یہ آیت مقام اعجاز کے متعلق ہے کہ کفار پر کنکریاں مارنا جناب رسول خداؐ کا فعل تھا لیکن ان کو ہر ہر کافر تک پہنچانا اور اس کی وجہ سے ان کی آنکھوں کا چندھیا جانا، یہ خدا کا فعل تھا۔ اس آیت کا سیاق و سباق بالکل اسی آیت جیسا ہے جو اس آیت سے پہلے موجود ہے۔ جس میں خداوند عالم اصحاب رسول کو خطاب کر کے فرماتا ہے: فلم تقتلوھم و لکن اللہ قتلھم۔ تم نے کفار کو قتل نہیں کیا بلکہ خدا نے کیا ہے۔ کیونکہ گو شمشیر بکف ہو کے لڑنا مسلمانوں کا فعل تھا، مگر کفار کے دلوں میں رعب ڈال کر کمزور کرنا اور مسلمانوں کی نظروں میں ان کو قلیل دکھا کر ان کے دلوں کو بڑھانا اور نصرت کے لیے فرشتوں کا اتارنا خدا کا فعل تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ ہمارے موضوع بحث سے بالکل غیر متعلق ہے۔ تفصیل کے لیے تفسیر صافی صفحہ ۱۹۴ و تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۷۰ ملاحظہ ہو۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

بعض رسائل میں مظاہر اسماء اللہ الحسنیٰ کی بحث کر کے اس کے ذریعہ اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش ناتمام کی گئی ہے۔ اس بحث کا جواب با صواب ہم تیسرے باب میں بذیل شبہ چہارم بالتفصیل پیش کر کے ثابت کر چکے ہیں کہ اس بحث کو ہمارے موضوع کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اور نہ ہی ائمہ اہل بیتؑ پر اسماء اللہ الحسنیٰ کے اطلاق کا وہ مطلب ہے جو یہ حضرات بیان کرتے ہیں۔ تاریخی شواہد سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ یہ نظریہ فلاسفہ و صوفیہ کا کاشتہ و برداشتہ ہے۔ اس مقام کی طرف رجوع کر لیا جائے۔ فلا نطیل الکلام بالتکرار۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

بعض رسائل میں ایک طویل بحث بعنوان وسیلہ التوحید موجود ہے۔ اس میں ائمہ طاہرینؑ کا وسیلہ ہونا ثابت کر کے (جو کہ برحق ہے) مگر بموجب کلمۃ حق یراد بھا الباطل یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے وسیلہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا سے لیتے ہیں اور خلق کو دیتے ہیں۔ لہٰذا ان سے استمداد (طلب مدد) جائز ہے۔ یہ شبہ ان ذوات مقدسہ کے وسیلہ ہونے کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اسے ہم تیسرے باب میں بذیل جواب شبہ پنجم بالوضاحت بیان

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کر چکے ہیں۔ قارئین کرام اس مقام کی طرف مراجعہ فرما کر حقیقت الامر معلوم کر سکتے ہیں۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

بعض رسائل میں ولایت مُطلقہ کی بحث چھیڑ کر اس سے بھی جواز استعانت کو ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ ہم ولایت مُطلقہ کا صحیح مفہوم اور ولی حقیقی کا منصب و مقام اسی کتاب کے تیسرے باب میں بذیل شبہ دوم بیان کر چکے ہیں۔ جسے بغور دیکھنے کے بعد یہ حقیقت بالکل واضح و عیاں ہو جاتی ہے کہ اس بحث کو جس طرح تفویض کے باطل عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح استمداد از انبیاء و ائمہؑ کے موضوع سے بھی اس کا کوئی ربط نہیں ہے۔ فراجع

پانچواں شبہ اور اس کا جواب:

ناد علیاً مظہر العجائب تجدہ عوناً لك فی النوائب کل ہم و غم سینجلی بولایتك

یا علی یا علی یا علی۔

نادعلی علاوہ دیگر کتب کے تحفۃ العوام مستند و مروجہ میں بھی مندرج ہے اور سرور کائنات کی زبان وحی ترجمان سے اس وقت ادا ہوئی جب آپؐ نرغہ اعداء میں دین اسلام کو دم توڑتے دیکھ رہے تھے۔[1]

قطع نظر ناد علیاً کی تاریخی و تحقیقی حیثیت کے جو علماء محققین کو معلوم ہے کہ اس کے حوالہ کے لیے خود استدلال کنندگان کہ بھی سب سے زیادہ مستند کتاب تحفۃ العوام ہی ملتی ہے۔ اس کا جواب ظاہر ہے کہ اس کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ ہماری نزاع تمام تر امور تکوینیہ (خلق و رزق اور امانت و احیاء وغیرہ) میں ہے کہ آیا ان میں خدا کے سوا کسی اور ہستی سے براہِ راست مدد مانگنا جائز ہے یا نہ لیکن نادعلیاً کا شان ورد جنگ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے بحکم خدا شدائد جنگ میں جناب امیر علیہ السلام کو پکارا اور یہ بات ہمارے محل نزاع سے خارج ہے۔[1]

---

[1] جو ابی کتب میں اس مقام پر بہت ہاتھ پیر مارے گئے ہیں مگر کوئی صاحب بھی نہ کوئی حدیث رسولؐ پیش کر سکے ہیں اور نہ ہی کسی امام معصومؑ کا کوئی ارشاد پیش کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اور نہ قیامت تک ایسا کر سکتے ہیں۔ ولوکان بعضھم لبعض ظھیرا۔ ہم نے بفضلہ تعالیٰ جو کچھ لکھا ہے وہ پوری تحقیق و تدقیق اور شرعی ذمہ داری کے ساتھ لکھا ہے۔ ؎

کار ہر بز نیست خرمن کوفتن — گاو نر می خواہد و مرد کہن

بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۲۴۵ طبع تبریز پر نادعلی کے متعلق صرف اس قدر لکھا ہے، اور وہ بھی غزوہ احد کے

Scanned with CamScanner

کیونکہ ہم اس باب کی ابتدا میں قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ امور تکوینیہ کے علاوہ دوسرے معاملات میں ایک دوسرے کی نصرت و مدد کرنا بہترین عبادت ہے۔ ظاہر ہے کہ جنگ و جہاد بھی انہی دوسرے معاملات میں سے ہے۔ لہٰذا امور جہاد میں ایک دوسرے سے مدد طلب کرنا اور مدد کرنا نہ صرف جائز بلکہ بعض اوقات واجب ہوتی ہے۔ خدا اپنے رسولؐ سے فرماتا ہے: ھوالذی ایدك بنصرہ و بالمومنین (پارہ سورہ رکوع) خدا وہ ہے جس نے اپنی نصرت اور مومنین کے ساتھ تیری تائید کی۔ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں: من انصاری الی اللہ (پارہ سورہ آل عمران ع ۱۳)

ضمن میں، نہ غیر میں (جیسا کہ عوام الناس بلکہ اکثر خواص بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں) عن شارح الدیوان قال یقال ان النبی نودی فی ھذا الیوم ناد علیاً مظھر العجائبؑ۔ یعنی شارح دیوان سے منقول ہے انھوں نے کہا ہے کہ کہا جاتا ہے کہ اس (احد والے) روز آنحضرتؐ کو ندا دی گئی۔ ناد علیاً مظھر العجائبؑ۔ اب نامعلوم شارح دیوان کون صاحب ہیں۔ (کیونکہ وہ متعدد ہیں) ان کا مذہب کیا ہے (کیونکہ شیعہ و سنی شارحین نے دیوان منسوب بامیر علیہ السلام کی شرحیں لکھی ہیں) ان کا علمی و تحقیقی مقام کیا ہے؟ نیز ان کی اس روایت کا مدرک و ماخذ کیا ہے؟ اور پھر اس کا سلسلۂ سند کیا ہے؟ یہ سب امور ہنوز پردۂ خفا میں ہیں۔ ظلمات بعضھا فوق بعض۔ یہاں عام طور پر صاحب مدارج النبوۃ کا نام بھی لیا جاتا ہے کہ انھوں نے نادعلی کا تذکرہ کیا ہے۔ اور ان کی کات کے یہ جملے بھی پیش کیے جاتے ہیں کہ ظاھراً قصہ نادعلیاً مظھر العجائب ۔ ھم در یں معاملہ و معارکہ واقع شدہ است (جلد ۲ صفحہ ۱۲۲) لیکن اس کے متصل بعد انھوں نے اس کی جو تردید کی ہے اسے عمداً یا سہواً نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ لکھتے ہیں اما در کتب حدیث ھیچ ذکر آن نکردہ اند ۔ و اللہ اعلم۔

اگر ان حضرات میں کوئی علمی دم خم ہے تو نادعلیؑ اور اس کے خواص و آثار کے متعلق از حضرت علیؑ تا جناب مہدیؑ دوازدہ ائمہ اطہارؑ میں سے کسی امامؑ کا کوئی فرمان پیش کریں۔ (ہمیں یقین ہے کہ یہ لوگ قیامت تک ایسا نہیں کر سکتے انشاء اللہ) ورنہ بصورت دیگر اس سلسلہ میں سکوت ہی میں ان کی سلامتی ہے۔ و ما علینا الا البلاغ

روایتی استقام کے علاوہ اگر چند لمحات کے لیے درایۃً بھی غور و تدبر کیا جائے تو معلوم ہو سکتا ہے کہ یہاں جناب امیر علیہ السلام کو ندا دینا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ ندا تو اسے دی جاتی ہے جو پہلے موجود نہ ہو۔ مگر تاریخ عالم گواہ ہے کہ جنگ احد میں (عام دوسری جنگوں کی طرح) جناب امیر المومنینؑ از ابتدا تا انتہا موجود تھے۔ حتی کہ شمع رسالت کے نام نہاد پروانوں کے رسولؐ کو نرغۂ اعداء میں گھرا ہوا چھوڑ کر بھاگ جانے کے بعد بھی تن تنہا جناب امیرؑ ہی تھے جو بنیان مرصوص کی طرح ڈٹ کر حریم اسلام اور رسول اسلامؐ کی جان کی حفاظت کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ بالآخر آپؑ کے تابڑ توڑ حملوں کی تاب نہ لا کر کفار کو راہ فرار اختیار کرنے میں ہی اپنی سلامتی نظر آئی اور

کوئی ایسا ہے جو خدا کی طرف ہو کر میرا مددگار بنے۔ جب تک کسی قطعی دلیل سے امور تکوینیہ (مثل خلق و رزق اور اماتت و احیاء وغیرہ) میں ان ذوات مقدسہ سے استمداد کا جواز ثابت نہ کیا جائے اس وقت تک ان بھول بھلیوں سے مدعا ثابت نہیں ہو سکتا۔

صاحب رسالہ ہدیۂ رضویہ نے لکھا ہے:

مراد اعانت فی الشدائد است نہ اعانت فیما یختص باللہ کالخلق و الرزق و الشفاء و بحو ھا۔ پس چرا نگوئی یا اللہ بحق علی ارزقنی ولد او رزقا و اشفنی الا۔ (ھدیہ رضویہ صفحہ ۴۷)

یعنی نادعلیا سے مراد شدائد جنگ میں اعانت کرنا ہے نہ کہ ان امور میں جو خدا کے ساتھ مختص ہیں جیسے خلق کرنا و رزق دینا اور شفاء عطا کرنا۔ لہٰذا ان امور میں ان بزرگوں سے براہ راست مدد مانگنے کی بجائے تم اس طرح کیوں نہیں کہتے یا اللہ بحق علیؑ مجھے اولاد اور رزق دے اور مجھے شفا عطا فرما۔ وھو الحق المقرب بالاتباع فماذا بعد الحق الا الضلال۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:

علامہ شیخ عباس قمی نے ایک دعا کو بحوالہ بلد الامین اپنی کتاب میں نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے یہ دعا حضرت صاحب الامر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کو تعلیم فرمائی تھی جو کہ قید میں تھا۔ اور اس کے پڑھنے سے رہا ہوا۔ اقتباس اس کا یہ ہے یا محمدؐ یا علیؑ یا علیؑ یا محمدؐ اکفیانی فانکما کافیان و

مولائے کائناتؑ کے انہی محیر العقول شجاعتی کارناموں کو دیکھ کر فرشتوں نے یہ ترانے پڑھے: لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۴۲۵ وغیرہ) اور جناب جبرئیل نے خدمت رسولؐ میں حاضر ہو کر بایں الفاظ تہنیت پیش کی: یا رسول اللہ ھذہ المواسات، یا رسول اللہ ہمدری اس کا نام ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: انہ منی وانا منہ۔ کیوں ایسا نہ ہو جبکہ علیؑ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ (مدارج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۱۶۸، معارج رکن ۴ صفحہ ۱۰۷ وغیرہ) اور اگر بالفرض اس نادعلیؑ کا شان نزول جنگ بدر میں تسلیم کر لیا جائے تو جب بھی یہی خرابی لازم آتی ہے۔ کیونکہ باتفاق تمام مورخین اس جنگ میں بھی جناب امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے ہمراہ تھے، مدینہ میں نہ تھے۔ جیسا کہ عام طور پر مشہور ہے۔ کیونکہ ارباب تاریخ کا اتفاق ہے کہ سوائے غزوہ تبوک کے آنحضرتؐ نے کبھی حضرت امیرؑ کو مدینہ میں نہیں چھوڑا۔ بلکہ وہ ہمیشہ ہر غزوہ میں آنحضرتؐ کے ہمرکاب ہوتے تھے۔ لیجئے جی یہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے۔ بایں ہمہ ہم برجائے مظلومیت بطور توسل اس کے پڑھنے کے مخالف نہیں بلکہ اسے جائز سمجھتے ہیں۔ واللہ العالم منہ علمی منہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

النصرانی فانکما ناصران۔ (مفاتیح الجنان مطبوعہ ایران صفحہ ۱۱۵ و ۱۱۶) اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے کہ وقت استغاثہ کس طرف رجوع کرنا چاہیے اور کس طرح استغاثہ کرنا چاہیے۔ تمام اکابر علماء کا عمل اس کتاب کی صحت وسند کے لیے کافی و وافی ہے۔

امور تکوینیہ میں ائمہ اطہار علیہم السلام سے جواز استمداد پر اس دعا کے ساتھ تمسک کرنا بچند وجہ درست نہیں ہے۔

اولاً اس لیے کہ یہ دعا بلد الامین از فاضل کفعمی اور کتاب کنوز النجاح علامہ طبرسی (صاحب تفسیر مجمع البیان) سے منقول ہے اور اس میں یہ مذکور ہے کہ حضرت صاحب العصرؑ نے عالم خواب میں ایک ایسے شخص کو بمقام مقابر قریش (در بغداد) تعلیم دی جو قید بلا میں گرفتار تھا جس کا نام ابوالحسن محمد بن احمد بن ابی اللیث تھا۔ جیسا کہ اس کے حوالہ سے کتاب نجم ثاقب از محدث نوریؒ صفحہ ۲۶۲ طبع ایران میں مذکور ہے کہ: این دعا را حضرت صاحب الزمان صلوات اللہ علیہ تعلیم نمودہ در خواب بابی الحسن محمد ۔ یعنی امام صاحب العصرؑ نے یہ دعا خواب میں ابوالحسن محمد بن احمد کو تعلیم دی تھی۔ بایں ہمہ کہنا نحس قدر بعید از حقیقت ہے کہ کسی کتاب میں نہیں کہ یہ دعا امامؑ نے قیدی کو خواب میں تعلیم فرمائی۔

(حقائق العقائد صفحہ ۶۲)

اور یہ بات ارباب علم پر پوشیدہ نہیں ہے کہ خواب شریعت مقدسہ اسلامیہ میں حجت نہیں۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ان دین اللہ اعز ان یری فی النوم۔ اللہ کا دین اس سے بلند وبالا ہے کہ خواب میں نظر آئے۔ (مصابیح الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۵۵)

یہی وجہ ہے کہ فقہا عظام خوابوں سے احکام فرعیہ کو ثابت کرنے کی کبھی اجازت نہیں دیتے، چہ جائیکہ اصول دینیہ میں اس کے ساتھ تمسک کیا جائے۔ علامہ مامقانیؒ لکھتے ہیں: لم یثبت حجیۃ الرویا فی الشرع۔ شریعت میں خواب کا حجت ہونا ثابت نہیں ہے۔

(تنقیح المقال جلد ۱ صفحہ ۱۸)

اس مقام پر بعض حضرات نے رجال کشی صفحہ ۵۷ سے امام حسن عسکریؑ کا یہ ارشاد نقل کیا ہے: ان کلامنا فی النوم مثل کلامنا فی الیقظۃ۔ اور پھر اس سے ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ جسے خواب میں یہ حضرات کچھ بتادیں وہ بیداری والے حکم کی مانند ہوتی ہے۔ اس کے متعلق پہلی قابل غور بات تو یہ ہے کہ ہمارے پاس رجال کشی طبع بمبئی موجود ہے، اس کے نشان

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

دادہ صفحہ (بلکہ اس کے اردگرد بھی کہیں) یہ عبارت موجود نہیں ہے اور ۔۔۔۔۔۔ بنابر تسلیم اس کا وہ مطلب نہیں جو لیا گیا ہے، بلکہ اس کا صاف وصریح مفہوم یہ ہے کہ یہ بزرگوار اگر سوتے ہوئے بھی کچھ فرمادیں تو ان کے اس کلام اور بیداری والے کلام میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ کیونکہ نیند ان کے حواس پر اثر انداز نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ نبیوں کا خواب بھی بمنزلہ وحی ربانی ہوتا ہے۔ جیسا کہ جناب خلیلؑ واسماعیلؑ کے قرآنی قصہ سے واضح وآشکار ہے۔

ثانیاً یہ کہنا کہ تمام اکابر علماء کا عمل اس کتاب کی صحت وسند کے لیے کافی ووافی ہے، درست نہیں ہے۔ ہاں مجموعی حیثیت سے اس کتاب کے مستند ہونے میں ہمیں کوئی کلام نہیں۔ مگر فرقہ شیعہ اصولیہ کے نزدیک یہ خصوصیت صرف قرآن مجید کو ہی حاصل ہے کہ اول سے آخر تک اس کا ہر ہر جز قطعی الصدور ہے۔ اس کے علاوہ وہ یہ حیثیت کسی بھی کتاب کو حتی کہ اپنی کتب اربعہ کو بھی نہیں دیتے۔ تابہ مفاتیح الجنان، چہ رسد۔ اس میں قابلِ ایراد مواد موجود ہے۔ عند المطالبہ جس کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔

ثالثاً یہ کہنا بھی حقیقت کے سراسر خلاف ہے کہ تمام اکابر علماء کا اس پر عمل ہے۔ کیونکہ عراق وایران کے انہی اکابر علماء میں سے بعض حضرات اس دعا کے پڑھنے کو حرام سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حضرت علامہ الشیخ محمد خالصی [1] کاظمینیؒ نے اپنی کتاب احیاء الشریعہ جلد ۱ صفحہ ۷۹ پر اس کے

---

[1] جناب موصوف حضرت آیۃ اللہ الشیخ مہدی الخالصی الکاظمینی کے خلف اکبر ہیں۔ اور یہ شیخ مہدی وہی بزرگوار ہیں جن کے متعلق دنیا جانتی ہے کہ انگریزوں نے اس سے استحصال عراق کا ناجائز فتویٰ حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے درہم ودینار کے ڈھیر لگادیے تھے۔ مگر سرکار موصوف نے انھیں پائے استحقار سے ٹھکرادیا تھا۔ مگر غلط فتویٰ صادر کرنا گوارا نہیں فرمایا تھا۔ جناب شیخ موصوف علم وعمل میں اپنے عظیم والد کے خلف رشید ہیں۔ بہت بڑے بلند پایہ عالم، وسیع النظر فاضل اور جامع الفنون مجتہد ہیں۔ ان کی سب سے نمایاں خصوصیت حریت فی القول ہے۔ یعنی وہ جس بات کو صحیح سمجھتے ہیں اس کے اظہار سے انھیں دنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی، وہ اظہار حقائق میں منافقت ومداہنت اور غلط رو ورعایت کو بدترین گناہ تصور کرتے ہیں، اور تو درکنار وہ اس سلسلہ میں بڑی بڑی حکومتوں سے بھی ٹکر لینے میں ذرا ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے۔ یہی وہ مجاہد تھا جس نے سابق شاہ ایران کو ان کی غیر اسلامی پالیسیوں پر ٹوکا، اور عبدالکریم قاسم سابق صدر عراق جیسے آمر کو غیر اسلامی آئین نافذ کرنے پر للکارا اور ڈٹ کر مقابلہ کیا ع اینہا ہمہ راز است کہ معلوم عوام است انہی وجوہ سے ان کی زندگی کا کافی حصہ

Scanned with CamScanner

پڑھنے کو حرام قرار دیا ہے۔ فراجع۔ ممکن ہے سرکار خالصی مرحوم کے اس فتوے میں شدت ہو۔ مگر اس سے اتنا تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس دعا پر تمام اکابر علماء کا اتفاق نہیں ہے اور اصول مناظرہ کے ماتحت یہی بات استدلال کنندہ کے دعوائے اتفاق تمام اکابر علماء کے بطلان کے لیے کافی ہے۔ کیونکہ ارباب معقول جانتے ہیں کہ موجب کلیہ کا عکس سالبہ جزئیہ بھی ہوتا ہے۔ فتدبر۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

قید و بند کی صعوبتیں یا نظر بندی کی مصیبتیں جھیلنے میں گزرا ہے۔ مگر ان کی بلند ہمتی و جذبہ خدمت دین کا یہ عالم ہے کہ وہ اس حصہ زندگی کو اپنی زندگی کا بہترین دور قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ انھیں اسی دور میں قرآن مجید حفظ کرنے اور دوسری بعض علمی کتابیں یکسوئی کے ساتھ لکھنے کا موقع ملا ہے۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

ہمیں ان جناب سے شرف تلمذ حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا، بلکہ جہاں تک حافظہ کام کرتا ہے ان سے زیارت کاظمین کے موقع پر صرف تین مرتبہ مختصری ملاقات کا شرف حاصل ہوا ہے اور وہ بھی بعض اختلافی مسائل میں ان سے بحث و تمحیص کرنے کی نذر ہو گئی، جیسا کہ نجف اشرف کے بعض افاضل طلبہ اس امر کے عینی شاہد موجود ہیں۔ ہمارے ۱۹۶۰ء میں پاکستان مراجعت کرنے کے بعد سرکار موصوف ملک فنا سے راہی ملک بقا ہو گئے۔ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ وحشرہ مع الائمۃ الطاہرینؑ۔ مرحوم کی تمام زندگی مذہب و ملت کی بے لوث خدمت کرنے میں گزری ہے۔ ان کے قلم سے نکلے ہوئے کئی شاہکار موجود ہیں۔ جن میں سے چند نمایاں یہ ہیں: ① احیاء الشریعہ فی مذہب الشیعہ (کئی جلدیں) ② ترجمہ حدا اور طبیعت مع حواشی ③ ہذا ہو اللہ ④ حجاب در اسلام ⑤ الاسلام سبیل السعادۃ والسلام ⑥ الشیخیہ ⑦ رسالہ العلم ⑧ الجمعۃ والاسلام وغیرہ رسائل کثیرہ۔ یہ درست ہے کہ ان کے بعض فتاوی سے دوسرے بعض اعلام کو اختلاف تھا (بلکہ ہمیں بھی ہے) جیسا کہ بعض مجتہدین کو دوسرے مجتہدین سے ہوتا ہے۔ مگر جس طرح بعض حاشیہ بردار مخلوق اللحیہ جہال نے وہاں اور بعض حسینی اشیخ کے اجارہ دار ضلال نے یہاں ان کے خلاف طوفان بدتمیزی مچایا ہے اور سب و شتم والزام واتہام کا جو بازار گرم کیا ہے وہ اہل علم و دیانت تو کیا کسی عام شریف انسان کو بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی غیر مسلمان کے ساتھ بھی روا رکھے۔ چہ جائیکہ بڑے بڑے مدعیان علم و عرفان اپنے ہی ایک جلیل الشان مجتہد جامع الشرائط کے خلاف یہ روش و رفتار اختیار کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ خوف خدا، خوف حشر و نشر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ چکے ہیں اور شرم و حیا کا آخری قطرہ بھی ان کے دیدہ سے ڈھلک چکا ہے۔ بہرحال سرکار مرحوم اس وقت خدا کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں۔

Scanned with CamScanner

رابعاً ہم اسی باب میں بضمن طریقہ توسل بالوضاحت بیان کر چکے ہیں کہ امور تکوینیہ کے متعلق معصومینؑ کی بارگاہ معلیٰ میں یہ استدعا کرنا کہ وہ بارگاہ خداوندی سے ہمارے یہ کام انجام دلوادیں۔ یعنی بطور توسل و استشفاع ان سے استمداد و استعانت صحیح ہے۔ لہٰذا اس دعا یا اس

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

ان پر بلا ثبوت شرعی مختلف قسم کی تہمتیں لگانے والوں نے بھی خواہ مخواہ ایک دن بارگاہ خدا میں حاضر ہونا ہے، ان کا معاملہ اس احکم الحاکمین کے سپرد ہے ع جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا۔

اگر اس انداز تقریر و تحریر سے زبان و دہن بگڑ جائے تو کوئی ایسی بات نہیں۔ مگر ان حضرات کو کبھی لمحات فرصت میں سوچنا چاہیے کہ ع کریں گے کیا اگر اس پہ خدائے ذوالمنن بگڑا

ہم محض قربۃ الی اللہ اس مظلوم عالم دین کی حمایت میں یہ چند سطور لکھ رہے ہیں تاکہ عامۃ الناس کی غلط فہمیوں کو دور کر کے ان کو اپنے ایک عالم جلیل کے خلاف لب کشائی کے گناہ عظیم سے بچایا جا سکے۔ اس لیے ذیل میں ہم بڑے اختصار کے ساتھ جناب مرحوم کے عقائد حقہ کا ایک شمہ ان ہی کی کتاب احیاء الشریعۃ فی مذہب الشیعہ مطبوعہ مطبع المعارف بغداد ۱۳۷۸ھ جلد اول طبع اول سے پیش کرتے ہیں۔ امید کامل ہے کہ مرحوم کے عقائد پر بعض حلقوں کی طرف سے جو تہرے پردے ڈالے گئے ہیں وہ چاک ہو جائیں گے۔ افترا پردازی کرنے والے خائب و خاسر ہوں گے اور اہل ایمان کی تمام غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔ انشاء اللہ

❶ اصول دین و مذہب پانچ ہیں: یجب علی کل مکلف تحصیل العلم باصول الدین ھی التوحید و النبوۃ و المعاد و یضاف الیھا العدل و الامامۃ و ھما من اصول المذھب۔ (احیاء الشریعۃ صفحہ ۱۲)

❷ عقیدۂ توحید: خداوند عالم واحد لاشریک، ازلی و ابدی، فاعل مختار، قادر و عالم اور بے مثل و بے مثال صانع عالم ہے۔ قدیم ازلی، ابدی، سرمدی، غیر محدود، واحد و لاشریک لہ فرد صمد لم یستعن بغیرہ۔ مختار فی افعالہ یحکم ما یشاء و یفعل ما یرید عن حکمۃ، لا یعبث و لا یظلم حی قادر، لا یتغیر و لا یتبدل لا حرکۃ لہ و لا انتقال، و لا زوال، لا یحویہ مکان و لا یخلو منہ مکان و لا یحدہ وقت و لا زمان۔ (صفحہ ۱۵ و ۱۶)

❸ عقیدۂ نبوت عامہ: خدا پر ارسال رسل لطفاً واجب ہے۔ انبیاءؑ کے لیے گناہ سے معصوم، سہو و نسیان سے محفوظ، مؤید بالمعجزات ہونا ضروری ہے اور مقام اعجاز میں وہ مردے بھی زندہ کر سکتے ہیں۔ الغرض وہ تمام صفات جمیلہ میں سرآمد روزگار ہوتے ہیں۔ قد استدل علی وجوب ارسال الرسل بادلۃ عقلیۃ واضحۃ (صفحہ ۴۹) و وجب من باب اللطف ان یکون الرسل ممتازین فی صفاتھم و اخلاقھم و اعمالھم و ھذا ما یسمونہ العصمۃ عن المعاصی (صفحہ ۵۰) یجب ان لا یکون ناسیا و لا ساھیا غافلا۔ و یجب مع ذلک این یکون الذی موید بالمعجزات

Scanned with CamScanner

کے ساتھ ملتے جلتے ادعیہ واستغاثہ جات ہیں ہمارا موقف یہی ہے کہ ان سے بطور وسیلہ وشفع مدد حاصل کرنا مراد ہے۔

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

الباهرات الخارقات للعادات مما لا يطيق على الاتيان بمثله البشر كاحياء الموتى و ابراء الاكمه و الابرص بدون علاج او دواء الخ (صفحہ ۵۱)

❻ عقیدۂ نبوت خاصہ: آنحضرتؐ کی نبوت کے دلائل تمام سابقہ انبیاء سے زیادہ ہیں۔ ان کی شریعت بے نظیر، علوم بے مثال، معجزات متواتر، سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم اور آپؐ خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں۔ اما نبوته صلعم فان دلائلها قد توفرت فيه اكثر من غيره من الانبياء ـــ انه ادعى النبوت و اتى بالمعجزات و تحدى بها البشر فعجزوا عن الاتيان بمثلها و جاء بشرائع و قوانين لم يات بها غيره من الانبياء ـــ و كشف المجهولات ـــ و اتى من العلوم بما

لم يات به احد قبله ـــ و قد تواتر المخبر عن معجزاته صلعم من تسبيح الحصى فى يديه و كلام الظبى و الضب معه و شفاء المريض بدعائه و لمس يده و احياء الموتى و الكلام معهم و رد الشمس و القمر و الاخبار بالغيب و ما يكن الناس فى ضمائرهم ـــ و اكبر معجزاته ﷺ القرآن الكريم (صفحہ ۵۲ و ۵۳) و هذا معنى الخاتمية و الدليل عليها عقلى و نقلى ـــ و النقلى القرآن الكريم اذ يقول فى سورة الاحزاب و خاتم النبيين ـــ و السنة النبوية اذ صح عنه ـــ بل تواتر قوله فى موارد كثيرة لا نبى بعدى (صفحہ ۵۸)

❺ عقیدۂ امامت: امامت ریاست عامہ ہے، امام کے لیے اعلم، اتقیٰ، احرص علی العمل، اورع واتقی، معصوم سہو نسیان سے بلکہ تمام خلقی وخلقی عیوب سے محفوظ اور منصوص من اللہ والرسول غرضیکہ تمام صفات جلیلہ میں افضل واکمل ہونا شرط ہے۔ ان صفات جلیلہ کے حامل اور آنحضرتؐ کے بعد امام برحق بارہ ہیں۔ از حضرت علیؓ تا حضرت مہدیؑ و الامامة رياسة عامة و سلطنة لحفظ ما جاء به النبى ـــ لا بد ان تتوفر فى الامام شروط الامامت و هى امور ـــ الاول ان يكون اعلم الناس ـــ الثانى ان يكون احرص الناس على العمل بشرائع النبى و احكامه ـــ الثالث ان يكون نقيا طاهر المولد زكيا غير مبتلى بعاهة او زمانة ـــ الرابع ان يكون حافظا غير ساه و لاناس ـــ و بهذا يتضح لك ان الامام لا بد ان يكون منصوصا عليه من النبى بامر الله تعالىٰ ـــ و ليس للامة ان تعين الامام و تنتخبه (صفحہ ۵۸ و ۵۹) بعد ما ذكرنا تعرف جليا من هو الامام بعد نبينا فان الامة لم تختلف و اتفقت كلمتها على ان عليا اعلم الناس بعد رسول الله و اشجعهم و اورعهم و اتقاهم و اصبرهم و احرصهم على العمل باحكام الشريعة و اقواهم شكيمة و اخشنهم فى ذات الله و اطوعهم لله و لرسوله و اسبقهم الى الايمان (صفحہ ۶۰ و ۶۱) اسی صفحہ ۶۱ پر مسلمانوں کے خلفاء سے آنجنابؑ کا مختصر موازنہ کرکے آنجنابؑ کی برتری ثابت

Scanned with CamScanner

یعنی یہ کہ یہ بزرگوار ہمارے یہ کام بارگاہ رب العزت سے انجام دلوادیں۔ ظاہر ہے کہ کسی کام کا انجام دلوانا بھی ایک قسم کی مدد ہی ہے۔ چنانچہ صاحب رسالہ ہدیہ رضویہ نے صفحہ ۳۰ و ۳۱ پر لکھا ہے:

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

فرمائی ہے۔ اور صفحہ ۶۳ و ۶۴ پر اجماع اور خلفا کے بعض مزعومہ فضائل پر زبردست تنقید فرمائی ہے۔۔۔ الله سمی علیا نفسه و فی حدیث أخر بمنزلته فی جمیع الامور الا النبوة ـــــ و مع هذا کیف یعترض الریب قلب احد فی خلافة علی عن النبی و عدم استحقاق من تقدم له (صفحہ ۶۲) پھر صفحہ ۹۲ سے لے کر صفحہ ۱۰۶ تک ائمہ اثنا عشر کے مختلف مگر جامع حالات وکوائف زندگی درج فرمائے ہیں۔ اور بالخصوص امام زمانہؑ کے حالات اور ان کے متعلق مخالفین کی طرف سے عائد کردہ اعتراضات کے مکمل جوابات پیش کیے ہیں۔

❹ ائمہ طاہرین زندۂ جاوید ہیں: ان سے تولد کے جواز پر احادیث متواترہ موجود ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں باذن اللہ شفاعت محمد وآل محمد علیہم السلام برحق ہے اور توسل وشفاعت کی غرض سے ان کو پکارنا جائز ہے۔ ان حقائق کا انکار قرآن وسنت صحیحہ کے انکار کے مترادف ہے۔ قد یرانی من کلام بعض السلفیین ان الانبیاء و الاولیاء اموات فلا یجوز التوسل بهم و دعائهم و هذا رد علی القرآن الکریم فانه یقول فی سورة البقرة و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات ـــــ و لاتحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا بل احیاء ـــــ فیجوز دعائهم لانهم احیاء بنص القرآن (صفحہ ۸۴) القرآن الکریم اثبت الشفاعة لمن اذن له الرحمن و رضی له قولا ـــــ من ذالذی یشفع عنده الا باذنه ـــــ

والایات فی الاذن بالشفاعة للملائکة والانبیاء فی القرآن الکریم کثیرة (صفحہ ۸۵) ـــــ و ناخذ باحادیثهم و نراها متواترة فی جواز التوسل بالنبی و اهل بیته الی الله تعالی فی طلب الحوائج منه تعالی و جواز عائهم لیشفعوا لنا و هم احیاء عند ربهم یرزقون شافعون مشفعون (صفحہ ۸۹)

❺ انبیاء وائمہ کے مزارات پر قبہ وقبور کی تعمیر جائز ہے: اس موضوع کو صفحہ ۸۶ سے لے کر صفحہ ۸۹ تک قرآن و حدیث کی روشنی میں ثابت کیا ہے۔ صفحہ ۸۷ پر حدیث ابو الہیاج جو ہدم قبور کے سلسلہ میں پیش کی جاتی ہے کا جواب دیتے ہوئے اسے مخالف قرآن قرار دیا ہے۔ فان ذلك الحدیث لو دل لوجب طرحه لانه لا یعادم القرآن العزیز و عمل الصحابة الدال علی الشرعیة سیرة المسلمین و الاحادیث المتواترة ۔

❻ انبیاء وائمہ کی قبور مقدسہ کی زیارت نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے: و قد وردت الاحادیث عن اهل بیت العصمة متواترة باستحباب زیارة النبی و اهل بیته المعصومین و تعظیم قبورهم (صفحہ ۸۷) و فی استحباب

Scanned with CamScanner

منقول شدن یا محمدؐ یا علی، انصرانی فانکما ناصرای و یامولاتی یا فاطمہ اغیثینی منافاتی باین ندارد زیراکہ نصرت و اعانۃ منحصر بدیں نیست کہ خود ایشاں مباشرت امر مدعولہ بفرمانید تا معنی توسل و استشفاع بایشاں صحیح بناشد و در فقرتین مزبور تین متبادر از انصرانی و اغیثینی ہمیں است کہ نصرت و اعانت

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

زیارتہم و لا سیما زیارۃ الحسین بن علی سید شباب اہل الجنۃ و سبطی السنۃ ﷺ (صفحہ۸۹)

❹ انبیاء وائمہ کی قبور مقدسہ کی تعظیم مستحب اوران میں بجعل اللہ آثار خیروبرکت کا اعتقاد صحیح ہے: و نعتقد ان الاثار و البرکۃ فی قبر نبیہ و قبور اہل بیتہ انما کان بتقدیر و جعل من اللہ تعالیٰ (صفحہ۸۹) قد وردت الاحادیث عن اہل بیت العصمۃ متواترۃ باستحباب زیارۃ النبی و اہل بیتہ المعصومین و تعظیم قبورہم (صفحہ۸۷)

❺ امامت وولایت اہل بیت کے بغیر توحید خدا مکمل نہیں ہوسکتی: ان ہولاء الائمۃ الاثنا عشرہم حجج اللہ علی خلقہ بعد رسولہ و ہم اوصیاء نبیہ و لا یتم التوحید الخالص الابالقول بامامتہم و الاعتراف بوجود امام فی کل عصر یکون ہو المایاء للعباد لتقوم الحجۃ للہ علی الناس (صفحہ۹۹ و ۱۰۰) و یثبت وجوب وجود الامام علی ہذہ الصفۃ ما دام علی الارض بشر و لہذا تثبت امامۃ المہدی و وجودہ اذ لو لم یکن موجودا لخلت الارض من حجۃ و مایا و مغیث للعباد و حافظ الدین اللہ و منظم لامور الامۃ و ہذا مناف للطف اللہ جل اسمہ (صفحہ۶۵ و ۶۶) صفحہ ۱۰۰ و ۱۰۱، خلفاء بنی امیہ و بنی عباس کے بعض قبائح و شنائع اعمال کا ذکر کرنے کے بعد صفحہ ۱۰۱ پر ائمہ اہل بیتؑ کو اولوالامر ثابت کرتے ہوئے بایں الفاظ ان کا ذکر کیا ہے: و ہم ائمۃ الہدی و مصابیح الدجی و اعلام التقی الدعاۃ الی اللہ الادلاء علی مرضاۃ اللہ المستوفرون فی امر اللہ و الناصرین فی محبۃ اللہ ـــــ فہم ولاۃ الامر و السادۃ القادۃ الذین امرنا بطاعتہم فی ہذہ الایۃ و قرنت طاعتہم بطاعۃ اللہ (صفحہ۱۰۱)

❻ فرقہ وہابیہ کے عقائد تخیفہ کا رد: جناب علامہ خالصی مرحوم نے احیاء الشریعہ کے صفحہ ۸۱ سے لے کر صفحہ ۸۹ تک پورے نو صفحات میں وہابیوں کے مخصوص عقائد و نظریات باطلہ کا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ اور عقل سلیم کی روشنی میں بطریق احسن ابطال فرمایا ہے۔ آخر میں طول کلام کی وجہ یہ لکھی ہے: و انما اسہبنا الکلام فی ہذہ المسئلۃ ـــــ لما رأینا من اشتباہ کثیر من اخواننا الذین انتموا الی السلف فاردنا التفاہم معہم حرصا علی اتفاق کلمۃ المسلمین و وحدتہم و امتثالا لامر اللہ تعالیٰ اذ قال فی سورۃ الانعام و ان ہذا صراطی مستقیما و لا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ ذلکم وصاکم بہ لعلکم تتقون۔ (صفحہ۸۹) کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جو بزرگوار فرقہ وہابیہ کی غلطیوں کی اصلاح کرکے ان کو مذہب اہل بیتؑ کی طرف دعوت دینے میں اس قدر طول کلام و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مابشفاعت عندالله بفرمائید و دعا بنمائید که خدا قضائے حاجت ما بفرماند نه این که خود شما خالق اولاد و رازق وغیرہ بشوید۔

یعنی دعامیں یا محمد یا علیؑ انصرانی یا مولای یا فاطمہ اغیثینی کا وارد ہونا (ہمارے مدعا کے ساتھ) منافات نہیں رکھتا۔ کیونکہ نصرت و فریادرسی اس بات پر منحصر تو نہیں کہ جس امر کی ان سے استدعا کی جارہی ہے وہ اسے بنفس نفیس خود انجام دیں تاکہ ان سے توسل واستشفاع بے معنی ہوجائے۔ مذکورہ بالا ہر دو فقروں میں واردشدہ الفاظ انصرانی و اغیثینی سے یہی معنی متبادر ہوتے ہیں کہ آپؑ بارگاہ قدرت میں ہماری سفارش و شفاعت کرکے ہماری نصرت و فریادرسی کریں اور دعا فرمائیں کہ خداوندعالم ہماری حاجت برلائے۔ ان فقروں کا یہ مطلب نہیں کہ آپ خود اولاد کے خالق اور روزی کے رازق بن کر یہ کام انجام دیں۔

خامساً: ہمارے اس موقف کی (کہ ان سے مراد طلب شفاعت ہے) خود انہی استغاثہ جات وغیرہ کی بعض عبارات سے بھی ہوتی ہے (کلام الامام یفسر بعضہ بعضا) اسی کتاب مفاتیح الجنان کے صفحہ ۱۱۷ (یعنی جس صفحہ پر مذکورہ بالا دعا مذکور ہے اس سے صرف ایک صفحہ بعد) ایک استغاثہ حضرت قائم آل محمد عجل اللہ فرجہ مذکور ہے۔ جس میں وارد ہے کہ دو رکعت نماز پڑھ کر زیر آسمان کھڑے ہوجائیں اور یہ سلام پڑھیں۔ سلام اللہ الکامل التام الخ۔ آخر میں لکھا

بقیہ حاشیہ از صفحہ سابق

اہتمام سے کام لیتا تھا، آج اسے ہی مذہب اہل بیتؑ کے بعض نام نہاد مبلغ وہابی وہابی کہہ کے بدنام کرنے کی مہم چلارہے ہیں۔ اور ہم ان کی غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے یہ سب اہتمام کررہے ہیں ع انقلابات ہیں زمانے کے

❶ معاد جسمانی (قیامت) حق ہے اور جنت و جہنم وغیرہ تمام امور جو رسول اسلام لائے تھے برحق ہیں: ان من اصول الدین الاعتقاد بالمعاد الجسمانی و ھو عودالابدان و الارواح بعد الموت کما کانت فی الدنیا لیحاسبوا علی اعمالھم فیھا فیجزی المحسن بالاحسان و المسی بالعقاب و مصیر الاول الی الجنۃ و الثانی الی النار و الناس بعد عودھم مخلدون لا یذوقون الموت و لا یفنون (صفحہ ۶۶ و ۶۷) و یجب التصدیق بکل ما جاء بہ النبی علی سبیل الجملۃ والعموم (صفحہ ۹۰)

تبصرہ: یہ ہے حضرت آیۃ اللہ الشیخ محمد الخالصی الکاظمینی کے عقائد کا جامع خلاصہ جو ہم نے ان کی سب سے زیادہ مستند کتاب احیاء الشریعہ سے بلا تبصرہ ان کے عین الفاظ میں پیش کردیا ہے۔ اس سے ارباب عقل و انصاف بآسانی اس بات کا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ یہ شیعہ امامیہ کے عقائد حقہ ہیں یا کسی اور فرقہ کے معتقدات ہیں؟ اور آیا یہ عقائد صحیحہ رکھنے والے عالم دین کی توہین کرنی چاہیے یا تعظیم۔ منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہے کہ امام کی خدمت میں اس طرح عرض کریں: یابن رسول اللہ حاجتی کذا و کذا (بجائے کذا و کذا حاجات خود را ذکر کند) فاشفع لی فی نجاحھا سل اللہ تعالیٰ فی نجح طلبتی و اجابۃ دعوتی و کشف کربتی لا۔ اے فرزند رسولؐ میری یہ یہ حاجات ہیں (یہاں وہ حاجات بیان کریں) ان کے بر لانے میں آپؑ میری سفارش کریں اور بارگاہ ایزدی میں سوال کریں کہ وہ میری حاجات بر لائے۔ دعا قبول فرمائے اور رنج والم دور فرمائے۔

اسی طرح جو استغاثہ حضرت سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کی خدمت میں کیا جاتا ہے، اس کا مطلب بھی یہی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید مزید بھی اسی مفاتیح الجنان کی دعائے توسل مندرجہ صفحہ ۱۰۸ سے ہوتی ہے جس میں وارد ہے: یا فاطمۃ الزھراء یا بنت محمد یا قرۃ عین الرسول یا سیدتنا و مولاتنا انا توجھنا و استشفعنا و توسلنا بك الی اللہ و قدمناك بین یدی حاجاتنا یا وجیھۃ عند اللہ اشفعی لنا عند اللہ لا۔۔۔ یا فاطمہ زہراؑ! اے رسولؐ کی آنکھوں کی ٹھنڈک! اے ہماری سردار! ہم بارگاہ قدرت میں آپؑ کو شفیع بناتے ہوئے آپؑ کو اپنی حاجات کے آگے بارگاہِ اقدس میں پیش کرتے ہیں۔ اے اللہ کی بارگاہ میں صاحبِ عزت وعظمت! بارگاہِ رب العزت میں ہماری شفاعت فرما دیجیے۔

بعض رسائل میں ائمہ اطہارؑ کی فریاد رسی کے جو بعض شواہد پیش کیے گئے تھے ان میں غور وتدبر کرنے سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ ان اہل ایمان نے ان ذوات مقدسہ سے توسل کیا اور خدا نے ان کی برکت سے ان کی مصیبت دور فرما دی۔ ان حقائق سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتا ہے کہ ان ادعیہ واستغاثہ جات سے ہمارے مؤقف کی حرف بہ حرف تصدیق وتائید ہوتی ہے، نہ تردید۔ یعنی ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ دفع شدائد، رفع مصائب اور طلب حوائج میں رجوع بہر حال خداوند عالم کی طرف کرنا چاہیے، جو خالق ومالک ہے اور جس کے قبضۂ قدرت میں تمام امور کی باگ ڈور ہے۔ ہاں سرکار محمدؐ وآل محمد علیہم السلام کا توسل ضرور حاصل کرنا چاہیے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان امور تکوینیہ میں مدد خدا بھی کرتا ہے اور سرکار محمدؐ وآل محمد علیہم السلام بھی مگر ان کی مدد یہ ہے کہ وہ یہ کام بارگاہِ خدا سے کرا دیتے ہیں۔ خود اسی دُعائے فرج کے ابتدائی اور آخری جملے اس کے مقام وسیلہ میں وارد ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ابتداءً خدا سے یوں خطاب ہے: الھی عظم البلاء و برح الخفاء و انقطع الرجاء لا (درمیان میں ہے) ففرج عنا بحقھم۔ اور آخر میں اختتام یوں ہوتا ہے: بحق محمد و الہ الطاھرین۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۱۱۶) بنا بریں اس دعائے فرج اور اس جیسے ادعیہ جات کا بر جائے مطلوبیت بطور توسل پڑھنا علی الاقوی جائز ہے۔ واللہ العالم

Scanned with CamScanner

ایک مضحکہ اطفال استدلال کا ابطال

ہم کئی بار اس امر کا اظہار کر چکے ہیں کہ مولائے کائناتؑ کے نام کا نعرہ "یا علیؑ" لگانا جائز ہے۔ اسی طرح بطورِ توسل "یا علیؑ ادرکنی" کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح ہم اس امر کی بھی کئی مرتبہ وضاحت کر چکے ہیں کہ خداوند عالم نے سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کو اس قدر علمی و عملی فضائل و کمالات عطا فرمائے ہیں کہ ان کا عدد احصاء نہیں ہو سکتا۔ اور وہ بزرگوار اس بات کے قطعاً محتاج نہیں کہ ان کی عظمت شان و رفعت مقام کو اجاگر کرنے کے لیے بے سروپا واقعات و حکایات کا سہارا لیا جائے۔ اور نادان دوستوں کے روپ میں بجائے فائدہ کے الٹا عظمت اہل بیت کو نقصان پہنچایا جائے اور دنیا کے دانشوروں کو ہنسایا جائے۔ مگر ہمارے مولوی صاحبان اس غلط روش و رفتار کو برقرار رکھنے پر مصر ہیں، اس کی اگرچہ بہت سی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں مگر بنظر اختصار یہاں فقط اس کی ایک تازہ مثال پیش کی جاتی ہے یہ حضرات یا علیؑ ادرکنی یا ابالغیث ادرکنی کہنے کے جواز پر بزعم خود بین ثبوت پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب جنگ تبوک میں آنحضرتؐ کا لشکر خستہ ہو گیا، اور آپؐ سے جدا ہو گیا تو جبرئیل نازل ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ خداوند عالم نے آپؐ کو تحفہ درود و سلام کے بعد نصرت و فتح کی بشارت دی ہے۔ اور فرمایا ہے کہ اگر لشکر آپؐ کو چھوڑ گیا ہے تو آپؐ اگر چاہیں تو علی علیہ السلام کو پکار لیں، وہ فوراً پہنچیں گے۔ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو پکارنا پسند فرمایا۔ جبرئیل نے عرض کیا آپؐ اپنا رخ مدینہ کی طرف کیجیے اور "نادیا ابا الغیث ادرکنی یا علی ادرکنی ادرکنی یا علی"۔ "اے ابوالغیث میری مدد کو پہنچو، یا علیؑ میری مدد کو پہنچو، یا علیؑ"۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے پکارا اور حضرت علیؑ فوراً پہنچ گئے"۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۲۲۵، جواہر الاسرار صفحہ ۱۴۷، اسرار الشریعہ صفحہ ۴۲۴)

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ بلا اختلاف مذہب و ملت تمام اہل سیر و تواریخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جنگ تبوک لڑی ہی نہیں گئی۔ بات صرف اس قدر تھی کہ آں حضرت کو اطلاع ملی کہ کفار روم وغیرہ کا ایک بہت بڑا لشکر جرار مدینہ پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کرنے کے لیے روانہ ہو چکا ہے۔ یہ سن کر آنحضرتؐ بڑے شد و مد کے ساتھ لشکر کثیر لے کر پیشگی مقابلہ کے لیے جناب امیر علیہ السلام کو مدینہ میں اپنا خلیفہ و نائب بنا کر روانہ ہوئے۔ سفر کی بے شمار صعوبتیں اور زحمتیں جھیل کر جب بمقام تبوک پہنچے، جو حجر و شام کے درمیان ایک قلعہ کا نام ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط

Scanned with CamScanner

اور بے بنیاد تھی۔ کفار روم وغیرہ نے قطعاً کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لیے آنحضرتؐ نے واپس مدینہ منورہ کی طرف مراجعت فرمائی۔ یہ ہے اس واقعہ کا اجمالی بیان جو عند الکل مُسلّم ہے۔ تمام کتب سیر و تواریخ موجود ہیں۔ طالبان تحقیق جب چاہیں ان کی ورق گردانی کر کے اطمینان قلب حاصل کر سکتے ہیں۔ دو چار کتابوں کے حوالہ جات پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ع

آنجا کہ عیان است چہ حاجت بیان است ؟

و علیکم بمراجعۃ کتب السیر و التواریخ لتزداد وا علما و بصیرۃ ۔ قل یا ایھا الناس قد جاءکم الحق من ربکم

ان حقائق کی روشنی میں ان حضرات کے متحکۂ اطفال استدلال کو پڑھیے اور ان کی وسعت علم و فضل اور ملکۂ تحقیق و تدقیق کی داد دیجیے۔ ؎

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ان اللہ کے بندوں کو کون سمجھائے کہ آپ اپنے اپنے کام میں مشغول رہیں اور تحقیق کی وادی پرخار میں قدم نہ رکھیں۔ اور اس طرح نہ خود رسوا ہوں اور نہ مذہب کو بدنام کریں۔ ؎

اے مگس عرصہ سیمرغ نہ جولانگہ تست
عرض خود میبری و زحمت ما مے داری

اس پر طرہ یہ کہ بناء الفاسد رکھتے ہوئے شیعیانِ حیدر کرار کو یہ مشورہ بھی دیا جاتا ہے کہ اے شیعیانِ حیدر کرار اے موالیان اہل بیت اطہارؑ سنت رسول پر عمل کرو اور یا علیؑ ادرکنی مکرر سہ کرر کہو اور مصیبت و مشکل میں کامیابی حاصل کرو۔ (حقائق صفحہ ۲۲۵) صرف یہی نہیں بلکہ ہماری ضد میں یہ لوگ اہل بیتؑ کی غلط محبت کے ادعا میں خدا دشمنی کی اس نچلی سطح پر اتر آئے ہیں کہ صاف صاف لکھ دیا: "موالیان اہل بیتؑ اگر گستاخ معلمین کے فتوٰی کفر کے اندیشہ سے پنجتن پاکؑ کے ساتھ خدا کو بھی شامل کر لیتے تھے تو اب خدا کو الگ کر دیں اور جو کچھ لینا ہے اور مانگنا ہے چیخ چیخ کر اور چلا چلا کر پنجتنؑ پاک سے مانگیں اور ان معلمین کی ناک کو رگڑیں"۔ (حقائق صفحہ ۴۱۵) ہم اس مقام پر ان کے سانحۂ ارتحال ایمانی پر صرف کلمۂ استرجاع ہی پڑھ سکتے ہیں۔ ؎

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا دین اپنا چھوڑ کر
ہم ہوئے کافر تو وہ کافر مُسلماں ہوگیا

Scanned with CamScanner

یہ استدلال اور یہ استنتاج پڑھ کر دنیا کے اہل دانش و بینش ہمارے اور ہمارے مذہب کے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟ اس کا اندازہ لگانا ارباب فہم و فراست کے لیے مشکل نہیں۔ یہاں اگر یہ عذر لنگ پیش کیا جائے کہ آخر وہ روایت بھی تو بعض کتابوں میں موجود ہے جو ان حضرات نے پیش کی ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ دانشمندوں کا قول ہے نقل را عقل باید اور یہ کہ یك من علم را ده من عقل باید ہر رطب و یابس کو نقل کر دینا اگرچہ تاریخی یا عقلی مسلمات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو اور پھر یہ عذر پیش کرنا کہ آخر یہ بھی تو بعض کتابوں میں مذکور ہے، اہل دانش و بینش اور ارباب تحقیق کا کام نہیں ہے۔ ہم کتاب کے مقدمہ میں درایۃ الحدیث پر سیر حاصل تبصرہ کر چکے ہیں۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔ ؎

من آنچه شرط بلاغ است با تو می گویم
تو خواه از سخنم پند بگیر و خواه ملال

ساتواں شبہ اور اس کا جواب:

بعض رسائل میں کسی سید شہاب الدین کی کسی کتاب توضیح الدلائل سے حضرت امیر المومنینؑ کی طرف منسوب شدہ ایک خطبہ کا بعض حصہ نقل کیا گیا ہے۔ اسی طرح شیخ کمال الدین محمد بن طلحہ الشافعی کی کتاب درر منظم اور شیخ سلیمان قندوزی الحنفی کی "ینابیع المودۃ" سے ایک خطبہ کے بعض اقتباسات پیش کیے گئے ہیں۔ جن میں ایک جملہ انا حلال المشکلات بھی وارد ہے۔ ان خطبوں سے استدلال کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے: "ان ہر دو خطبات سے واضح ہوتا ہے کہ آنجنابؑ میں وہ تمام صفات موجود ہیں جو مشکل کشائے عالم ہونے کے لیے ضروری ہیں"۔ ان خطبات کے ساتھ استدلال کرنا بچند وجہ صحیح نہیں ہے۔

اولاً یہ خطبے ہماری کتب معتبرہ میں موجود نہیں ہیں۔ سرکار علامہ مجلسیؒ فرما چکے ہیں کہ: اما خطبة البیان و امثالها فلا توجد الا فی کتب الغلاة (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۶۵) مقام تعجب ہے کہ ان خطبات کے نقل کرنے والے حضرات ایک طرف تو حضرت امیر المومنینؑ کو آنحضرتؐ کا خلیفۂ بلافصل بھی تسلیم نہیں کرتے اور دوسری طرف خطبے وہ نقل کرتے ہیں جن سے آنجنابؑ کے خدا ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ ان هذا لشی عجاب؟ اور ان سے بھی زیادہ تعجب ہمیں اپنے ان مدعیانِ تشیع و ایمان پر ہے کہ جو اصولِ عقائد کے سلسلہ میں اپنی تفسیر و حدیث کی کتب معتبرہ حتی کہ نہج البلاغہ ایسی مستند و معتبر کتاب جس کا کلام حضرت امیر علیہ السلام ہونا فریقین کے

Scanned with CamScanner

نزدیک مُسلّم ہے، کو پس پشت ڈال کر مخالفین کی وہ کُتب جو ہر رطب ویابس کا مجموعہ ہیں، جن پر مخالف علماء وفضلاء بھی اعتماد نہیں کرتے، وہ ان پر اعتماد کرتے ہیں۔ حالانکہ ائمہ اہل بیتؑ نے اصولِ عقائد بلکہ اپنے مناقب وفضائل بھی مخالفین کی کتابوں سے حاصل کرنے کی ممانعت فرمائی ہے۔ چنانچہ: حضرت امام موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: لا تاخذن معالم دینك عن غیر شیعتنا فانك ان تعدیتهم اخذت دینك عن الخائنین [1]۔ یعنی اپنے دین کے معارف ومعلومات ہمارے شیعوں کے علاوہ اور کسی سے حاصل نہ کرو۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو پھر اپنے دین کو خیانت کاروں سے حاصل کروگے۔ (رجال کشی صفحہ ۲ ورجال مامقانی جلد ۲ صفحہ ۲۷۴) اسی طرح بحار جلد ۷ صفحہ ۴۶۱ پر علامہ مجلسیؒ نے اس عنوان کا ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ باب النهی عن اخذ فضائلهم من مخالفیهم [1] (مخالفین سے فضائل اہل بیتؑ حاصل کرنے کی ممانعت)

ثانیاً۔ اس خطبہ میں وارد شدہ فقرہ انا حلال المشکلات میں اجمال ہے، جن مُشکلات کے آپؑ حلال ہیں، ان سے دینی مُشکلات مراد ہیں یا دنیوی؟ اور اگر دنیوی مراد ہیں تو عام عادی مُشکلات مقصود ہیں یا مُشکلات تکوینی؟ عین ممکن ہے کہ اس سے دینی مُشکلات ومعضلات کا حل کرنا مراد ہو۔ جیسا کہ اس فقرہ کے بعد دوسرے مُتصل فقرہ سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ومزیل الشبہات۔ کہ میں شکوک وشبہات کا زائل کرنے والا ہوں۔ جب تک قرینہ قطعیہ سے یہ ثابت نہ ہوجائے کہ اس سے مراد امور تکوینیہ ہیں، اس وقت تک اس سے تمسک کرنا درست نہیں۔

---

[1] اس باب کے مندرجات کا خلاصہ یہ ہے کہ ائمہ معصومینؑ فرماتے ہیں کہ مخالفین نے تین طریقوں سے ہماری مخالفت کی ہے۔ ❶ ہمیں حد سے بڑھا کر، تاکہ ہمارے نام لیوا غلو کا شکار ہوجائیں۔ اور اس طرح ان کو ان کے کافر بنانے کا بہانہ ہاتھ آجائے ❷ حد سے گھٹا کر، تاکہ ہمارے متعلق کوتاہی میں مبتلا ہوجائیں۔ ❸ ہمارے نام سے بعض مخصوص لوگوں کے نام بنام مثالب ومطاعن بیان کرکے، تاکہ وہ لوگ ہمارے متعلق بھی ایسا رویہ اختیار کریں اور نام بنام ہمیں اپنے سب وشتم کا نشانہ بنائیں۔ لہٰذا جب تک مخالفین کی بیان کردہ روایات کی تائید احادیث اہل بیتؑ سے نہ ہوجائے اس وقت تک ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ (کذا فی الدمعۃ الساکبہ جلد ۳ صفحہ ۶۴ وعیون الاخبار جلد ۱ صفحہ ۳۰۴) منہ عفی عنہ

Scanned with CamScanner

ثالثاً اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جائے کہ اس سے علی الاطلاق ہر قسم کی تمام دینی و دنیوی مشکلات مراد ہیں، تب بھی ان حضرات کا مدعا ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ مشکل کشائی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ یہ بزرگوار بنفس نفیس وہ کام انجام دیں، بلکہ شفاعت و سفارش کرکے بارگاہ قاضی الحاجات سے وہ کام کرادینا بھی اس کے دائرہ میں داخل ہے۔ اور یہ بات کئی بار ثابت کی جاچکی ہے کہ یہ بزرگوار مخلوق خدا کے وسیلہ و شفیع ہیں۔ سفارش کرکے خداوند عالم کی بارگاہ سے کام انجام دلواتے ہیں۔ اس معنٰی کے اعتبار سے وہ یقیناً مشکل کشا اور حلال مشکلات ہیں۔ جو ان کو بایں معنٰی حلال مشکلات نہیں جانتا وہ ناقص الایمان ہے۔

آٹھواں شبہ اور اس کا جواب:

حضرت امام حسین علیہ السلام کی وہ زیارت جو عید الفطر اور عید قربان میں پڑھی جاتی ہے، اس میں وارد ہے: یا مولای اتیتك خائفا فامنی و اتیتك مستجیرا فاجری و اتیتك فقیرا فاغنی۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۴۴۷) اے میرے آقا میں آپ کے پاس خوف زدہ ہوکر آیا ہوں مجھے امن دیں۔ میں آپ کے پاس پناہ لینے آیا ہوں مجھے پناہ دیں۔ اور میں آپ کے پاس فقیر ہوکر آیا ہوں مجھے غنی بنادیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ براہ راست ائمہ ہدیٰ سے استمداد کی جاسکتی ہے۔

یہ شبہ بچند وجوہ مدفوع ہے۔

اولاً یہ زیارت جس میں یہ فقرے موجود ہیں، کسی امام عالی مقامؑ سے مروی نہیں ہے، بلکہ بعض علماء کی انشاء کردہ معلوم ہوتی ہے، ورنہ مستدل ہی بتائیں کہ یہ کس امامؑ سے منقول ہے؟ اور اس کی سند کیا ہے؟ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ جس زیارت کی یہ کیفیت ہو اس کی وجہ سے قرآن اور اہل بیت رسولؐ کے مسلمہ فرمان سے ثابت شدہ حقیقت سے دستبرداری اختیار کی جاسکتی ہے؟

ثانیاً عین ممکن ہے کہ یہاں دنیوی خوف و ہراس اور مادی فقر و فاقہ مراد نہ ہو، بلکہ مقصد یہ ہو کہ اے میرے آقا میں اپنے گناہوں سے خائف ہوں، آپ مجھے پناہ دیں۔ یعنی میرے گناہ بارگاہ غفور رحیم سے معاف کرائیں۔ میں نیکیوں سے تہی دامن ہوں شفاعت کرکے میرے دامن کو حسنات سے پر کرائیں۔ اور بظاہر یہی مطلب زائر و مزور کے شان کے لائق ہے۔ زائرین اپنے گناہوں کی بخشش اور خدا کا قرب حاصل کرنے کے لیے ان مقدس بارگاہوں میں حاضر ہوتے ہیں، نہ کہ دنیوی مال و دولت حاصل کرنے کے لیے۔ جیسا کہ خود

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اللھم انی تعرضت لزیارۃ اولیائک رغبۃ فی ثوابک و رجاء لمغفرتک و جزیل احسانک (مفاتیح صفحہ ۳۳۶) سے واضح ہے۔ یا اللہ میں تیرے ثواب میں رغبت تیری بخشش گناہ کی امید اور تیرے احسان جزیل کو حاصل کرنے کی خاطر تیرے اولیاء کی زیارت کے لیے آیا ہوں۔ یہ ایسا جامع مفہوم ہے جو شاہ و گدا پر پوری طرح منطبق ہوتا ہے۔ ورنہ اگر کوئی مرفہ الحال اور فارغ البال وشاہ یہ زیارت پڑھے تو وہ بجائے ثواب کے الٹا دروغ بافی کی وجہ سے مستوجب عذاب وعقاب قرار پائے گا۔ کیونکہ وہ نہ خائف ہے نہ پناہ گزین اور نہ ہی فقیر و نادار ہے۔ اور نہ ان امور کا خواہشمند، یا پھر یہ شرط عائد کی جائے کہ یہ زیارت صرف غرباء ہی پڑھیں، امراء اسے نہیں پڑھ سکتے۔

ثالثاً اگر بالفرض اس سے دنیوی فقر وغنا اور خوف وہراس سے پناہ مراد لی جائے تو پھر بھی اس سے اصل مقصد امام سے توسل اور طلب شفاعت کرنا ہے۔ جس کی دوسری زیارات میں تصریح موجود ہے۔ چنانچہ اعمال حرم حسینیؑ میں جو دعا وصلوات مذکور ہے اس کے ضمن میں مرقوم ہے:

یاسیدی و مولای ادخلنی فی حزبک و زمرتک واستوهبنی من ربک و ربی فان لک عند اللہ جاها و قدرا و منزلۃ رفیعۃ ان سئلت اعطیت و ان شفعت شفعت۔ اے میرے آقا مجھے اپنے مخصوص زمرے وگروہ میں داخل فرمالیں اور مجھے اپنے اور میرے پروردگار سے بخشوالیں۔ کیونکہ آپ کو بارگاہ ایزدی میں بہت ہی قدر ومنزلت حاصل ہے۔ اگر آپ اس سے سوال کریں تو آپ کو عطا کیا جائے گا اور اگر سفارش کریں تو آپؑ کی شفاعت مقبول ہوگی۔

(مفاتیح صفحہ ۴۱۹)

اسی طرح امام حسینؑ کی دوسری زیارت جو امام علی نقیؑ سے مروی ہے اس کے آخر میں ہے: جئت مقرا بالذنوب لتشفع عند ربك یا بن رسول اللہ۔ اے فرزند رسولؐ میں آپؑ کی بارگاہ میں گناہوں کا اقرار کرتے ہوئے اس لیے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپؑ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں۔ (مفاتیح ۴۲۵)

جناب امام حسینؑ کی زیارت اول رجب میں وارد ہے: فاشفع ایها السید الطاهر الی ربك فی حط الاثقال عن ظهری و تخفیفها علی و ارحم ذلی و خضوعی لك۔ اے میرے پاک و پاکیزہ سردار میری ذلت اور گڑگڑاہٹ پر رحم فرمائیں۔ یعنی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں میری سفارش کریں کہ وہ میری پشت سے (گناہوں کے) بوجھوں کو ہلکا کرے اور انھیں بالکل اتار دے۔ (مفاتیح صفحہ ۴۴۰)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اسی طرح آنجنابؑ کی زیارت نیمۂ رجب میں وارد ہے: یا مولای و ابن مولای زرتك مشتاقا فکن لی شفیعا الی اللہ۔ اے میرے آقا اور میرے آقا کے فرزند میں نے بہت شوق سے آپ کی زیارت کی ہے۔ پس خدا کی بارگاہ میں میری سفارش فرمائیں۔ (مفاتیح صفحہ ۴۴۲)

اور زیارتوں کو چھوڑیے۔ خود اسی زیارت کے اذن دخول میں یہ فقرے موجود ہیں: یا مولای یا ابا عبداللہ یابن رسول اللہ عبدك و ابن امتك الذلیل بین یدیك و المعترف بعظیم جنایتك مستهجیرا بك قاصدا الی حرمك متوجها الی مقامك متوسلا الی اللہ تعالیٰ بك۔ (مفاتیح صفحہ ۴۴۵ و ۴۴۶) اے میرے آقا یا ابا عبداللہ اے فرزند رسولؐ آپ کا غلام، آپ کی کنیز کا بیٹا، آپ کے سامنے ذلیل، آپ کی بلندی مقام کے سامنے صغیر و حقیر اور آپ کے حق کا اقرار کرنے والا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہے۔ آپؑ کے ذریعہ سے پناہ لینے، آپ کے حرم اقدس کا قصد کرتے، اور آپ کے مقام کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے تاکہ اللہ سبحانہ کی بارگاہ میں آپ کا توسل حاصل کرے۔

ایک ضروری وضاحت:

مخفی نہ رہے کہ یہاں عبد سے مراد عبد طاعت یعنی غلام اور امت سے مراد کنیز و ملازمہ ہے۔ الغرض ان الفاظ سے وہ رشتہ مراد ہے جو آقا اور غلام کے درمیان قائم ہے، نہ وہ تعلق جو معبود و عبد کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض حضرات نے دعائے جنازہ اور ان الفاظ میں صرف ظاہری مجانس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابلہ فریبی سے کام لیا ہے۔ محمد بن زید طبری بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں امام رضا علیہ السلام خراسان میں تشریف فرما تھے، میں ان کے سرہانے کھڑا تھا، اور بنی ہاشم کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ جن میں اسحاق بن عباس بن موسیٰ بھی شامل تھے۔ امام نے انہی کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

یا اسحاق بلغنی انکم تقولون ان الناس عبید لنا، لا وقرابتی من رسول اللہ ما قلته قط و لا سمعته من احد من آبائی و لا بلغنی عن احد منهم انه قاله لکنا نقول الناس عبید لنا فی الطاعة موال لنا فی الدین فلیبلغ الشاهد الغائب۔

(بحار جلد ۷ صفحہ ۳۴۲ بحوالہ امالی شیخ مفید و امالی شیخ طوسی و ابنہ)

اے اسحاق مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ یہ لوگ ہمارے بندے ہیں۔ (اور ہم معبود) مجھے قرابت رسولؐ کی قسم ایسا ہرگز نہیں ہے۔ یہ بات نہ کبھی میں نے کہی ہے اور نہ اپنے آباء و اجداد سے سنی ہے اور نہ ان سے مجھ تک کوئی ایسی روایت پہنچی ہے کہ انھوں نے کبھی یہ بات کہی ہو۔

Scanned with CamScanner

ہاں البتہ ہم یہ کہتے ہیں کہ لوگ اطاعت کرنے میں ہمارے غلام اور دین میں ہمارے دوست ہیں۔ حاضرین کو چاہیے کہ غائبین تک یہ بات پہنچادیں۔

بنا بریں معلوم ہوگیا کہ یہاں عبد وامت کا وہ معنٰی مراد ہے جو عبد الحسین اور امۃ الفاطمہ میں ہے، نہ وہ معنٰی جو عبداللہ اور امۃ اللہ میں مراد ہے۔ قرآن مجید میں وارد ہے: وانکحوا الایامیٰ منکم والصالحین من عبادکم وامائکم۔ اپنے میں سے بے زوجہ کی شادی کرو، نیز اپنے غلاموں اور کنیزوں کی بھی شادیاں کرو۔ فلا تغفل۔

بہرحال ان حقائق کی روشنی میں کالشمس فی نصف النہار یہ حقیقت واضح و آشکار ہوگئی کہ ان مجمل الفاظ سے مراد دراصل بارگاہ رب العزت میں امام کا توسل حاصل کرنا اور ان سے طلب شفاعت کرنا ہے وبس۔ وھو الحق لا ینکرہ احد من اھل الحق۔ اسی بیان حقیقت ترجمان سے ان تمام فقرات کا صحیح مفہوم بھی واضح ولائح ہوجاتا ہے جو بعض دوسری زیارات میں وارد ہیں۔ فتدبر والحمد للہ علی وضوح الحق والحقیقۃ۔

نواں شبہ اور اس کا جواب:

روایات میں وارد ہے کہ جب تم راستہ بھول جاؤ تو یہ پکارو: یا ابا صالح یا اباصالح ارشدونا الی الطریق رحمکم اللہ۔ اے ابو صالح اے ابو صالح خدا تم پر رحم کرے ہمیں صحیح راستہ بتلادو۔ حلیۃ المتقین (صفحہ ۳۵۹) میں حضرت امیر علیہ السلام سے مروی ہے کہ یہ ابو صالح ایک جن مومن بھائی ہے۔ جب ایک جن فریادرسی کرسکتا ہے تو امام کیوں مدد اور فریادرسی نہیں کرسکتے۔

یہ شبہ بدو وجہ ناقابل التفات ہے۔

اولاً یہ روایت اخبار احاد میں سے ہے جو اصول اعتقاد میں ناقابل اعتماد ہے۔ جیسا کہ ان امور کی تحقیق کتاب کے دیباچہ میں کی جاچکی ہے۔

ثانیاً یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے۔ کیونکہ بحث ان امور تکوینیہ میں غیر خدا سے استمداد کے بارے میں ہے جو قدرت بشریہ سے خارج ہیں۔ جیسے خلق ورزق واماتت واحیاء وغیرہ۔ مگر اس روایت میں صرف گم گشتہ راہ کو راہ دکھانے کا تذکرہ ہے، جو یقیناً ان امور سے خارج ہے، بلکہ ان امور میں سے ہے جن میں ایک دوسرے کی امداد کرنا بہترین کار ثواب ہے، جیسا کہ اسی باب کی ابتدا میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جاچکی ہے۔

قطع نظر اس سے کہ ابو صالح سے مراد جن ہے جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام سے مروی ہے یا

Scanned with CamScanner

اس سے مراد جناب امام العصرؑ ہیں، جیسا کہ محدث نوریؒ کا خیال ہے۔ (نجم ثاقب صفحہ ۴۲۲) بہرحال اسے ہمارے متعلقہ مسئلہ سے کوئی ربط و تعلق نہیں ہے۔

دسواں شبہ اور اس کا جواب:

متعدد روایات اہل بیت میں وارد ہے کہ ہم وجہ اللہ ہیں۔ جنب اللہ ہیں، لسان اللہ ہیں۔ یداللہ ہیں، عین اللہ ہیں، خزائن اللہ ہیں اور باب اللہ ہیں۔ تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ خدا سے مانگیں یا ان ذوات قادسہ سے سوال کریں۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس پر ہمارا بھی ایمان ہے کہ یہ ذوات مقدسہ وجہ اللہ، جنب اللہ، یداللہ وغیرہ ہیں۔ مگر قابل غور امر یہ ہے کہ ان الفاظ کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ کہیں کلمہ حق یراد بہا الباطل کا مظاہرہ تو نہیں ہو رہا۔ یہ بات تو محتاج بیان نہیں کہ ان الفاظ کے حقیقی معانی تو یہاں مراد نہیں لیے جا سکتے، ورنہ خدا کا مجسم ہونا لازم آئے گا۔ یا ان بزرگواروں کو خدا کا اوتار ماننا پڑے گا۔ اور یہ دونوں باتیں بالبداہت باطل ہیں۔ اور ان کا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ لہٰذا تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ اطلاق من باب المجاز شائع ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وجہ مجاز کیا ہے؟ اس کا جواب علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں واضح ہے:

☆ وجہ (چہرہ) چونکہ کسی کی معرفت و پہچان کا بہترین ذریعہ ہوتا ہے اور انبیاء و ائمہ علیہم السلام خدا اور اس کے دین حق کی معرفت و پہچان کا بہترین ذریعہ ہیں۔ اس لیے ان کو وجہ اللہ کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں: وجہ اللہ انبیائہ و وجھہ الذین یھم یتوجہ الی اللہ و الی دینہ و معرفتہ۔ (طوالع الانوار صفحہ ۶۹) یعنی خدا کے انبیاء و ائمہ وجہ اللہ ہیں۔ کیونکہ انہی کے ذریعہ خدا اور اس کے دین کی طرف توجہ اور اس کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

☆ اسی طرح جنب (پہلو) چونکہ انسان کے بالکل قریب ہوتا ہے اسی طرح یہ ذوات مقدسہ قرب روحانی کے طور پر ساری کائنات سے زیادہ خدا کے قریب ہیں۔ اس لیے ان کو جنب اللہ کہہ دیا جاتا ہے۔

چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

معنی جنب اللہ انہ لیس شی اقرب الی اللہ عن رسولہ و لا اقرب الی رسولہ من وصیہ فی القرب کالجنب الخ (طوالع الانوار صفحہ ۶۹)

یعنی جنب اللہ کے معنی یہ ہیں کہ رسول خدا سے بڑھ کر اور کوئی زیادہ خدا کے قریب نہیں اور ان

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے حقیقی وصی وجانشین سے زیادہ آنحضرتؐ کے کوئی قریب نہیں۔ (کذا قال الطبرسی فی مجمع البیان۔ بان الجنب بمعنی القرب)

صاحب مرآۃ الانوار صفحہ ۱۱۲ پر لکھتے ہیں: ولعل الوجه فيه اظهار انهم فی القرب کالجنب۔ یعنی شاید ان کو جنب اللہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ قرب (روحانی) میں بمنزلہ پہلو کے ہیں۔

حضرت شیخ صدوق نے جب کے معنی اطاعت کرتے ہوئے ان کے ارشاد انا جنب اللہ کا مفہوم یہ بیان کیا ہے: انی انا الذی ولایتی طاعة الله عز وجل۔ یعنی میں وہ ہوں جس کی ولایت خدا کی اطاعت ہے۔ (کتاب التوحید صفحہ ۱۵۶)

★ لسان (زبان) چونکہ مافی الضمیر کے اظہار کا آلہ و ذریعہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بجز منشاء پروردگار کوئی بات نہیں کرتے، بلکہ جب بھی بولتے ہیں تو خدا کے مقصد ومنشا کو ظاہر کرتے ہیں۔ اس لیے ان کو لسان اللہ کہا جاتا ہے۔ فانه غير متكلم الا بما هو مراد الله كما ان اللسان لا يتكلم الا بما هو مراد المتكلم۔ فهو بمنزلة لسانه تعالى فی بيان مراده و مقصده۔ یعنی وہ بغیر خدا کی منشاء کے بات نہیں کرتے جس طرح زبان متکلم کی منشا کے بغیر نہیں بولتی۔ (طوالع الانوار صفحہ ۶۹)

★ ید کے کئی معنوں میں سے ایک معنی قدرت وقوت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات مقدسہ خدا کی خاص قدرت کے آثار کاملہ ہیں، اس لیے ان کو ید اللہ کہا جاتا ہے، یا یہاں ید بمعنی رحمت خداوندی ہے۔ اس کی تائید جناب امیر علیہ السلام کے اس ارشاد سے ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں: انا يد الله المبسوطة على عباده بالرحمة والمغفرة۔ میں خدا کا وہ ہاتھ ہوں جو اس کے بندوں پر رحمت و مغفرت کے ساتھ کشادہ ہے۔ یعنی میں رحمت خدا ہوں۔ اسی طرح ید کے ایک معنی نعمت بھی ہیں۔ اور چونکہ یہ ذوات قادسہ خدا کی خاص نعمت ہیں اس لیے ان کو ید اللہ کہا جاتا ہے۔

ائمہ اطہارؑ کو ید اللہ کہنے کی یہ سب وجوہ عالم ربانی میرزا ابوالحسن الشریف نے مرآۃ الانوار کے صفحہ ۳۴۷ و ۳۴۸ پر من المجازات الشائعة فی كلام العرب کہہ کر ذکر فرمائی ہیں۔ فراجع

★ اسی طرح ان کے عین اللہ کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا کے دین کے محافظ ہیں۔ یعنی الحافظ لدين الله وقد قال الله عز وجل تجری باعيننا ای بحفظنا۔ (کتاب توحید شیخ صدوق صفحہ ۱۵۵)

یہ درست ہے کہ محمد و آل محمد علیہم السلام خدا کے خزانہ بردار ہیں لیکن کس کے؟ سونے چاندی کے ڈھیروں کے یا خدا کے علم ودین کے؟۔ احادیث میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ وہ علم و دین خدا کے خزینہ دار ہیں نہ سونے اور چاندی وغیرہ مادی اشیاء کے۔

Scanned with CamScanner

چنانچہ مرآۃ الانوار صفحہ ۱۴۵ پر بحوالہ بصائر الدرجات امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: انا خزان اللہ فی ارضہ و سمائہ لا علی ذھب و لا علی فضۃ الا علی علمہ۔ ہم خدا کی زمین و آسمان میں اس کے خزانہ بردار ہیں لیکن نہ سونے چاندی کے بلکہ اس کے علم پر۔

پھر اسی صفحہ پر بحوالہ تفسیر عیاشی امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے، فرمایا: نحن خزان اللہ علی دینہ۔ ہم وحی خدا کے خزینہ دار ہیں۔ نتیجہ سب کا ایک ہے کہ خدا کے دین کی صحیح معرفت اور اس کے معارف و حقائق ہمارے ہی گھر سے مل سکتے ہیں۔

★ اسی طرح ان بزرگواروں کے باب اللہ (خدا کا دروازہ) ہونے کا مطلب بھی واضح ہے کہ خدا تک رسائی، اس کی خوشنودی حاصل کرنے اور اس کے دین کے معارف حاصل کرنے کا وسیلہ و ذریعہ یہ ہیں۔ جناب رسول خداؐ فرماتے ہیں: ان علیا باب اللہ الاکبر فمن اراد اللہ فلیدخل من الباب الخبر۔ علیؑ خدا کا بڑا دروازہ ہیں۔ جو خدا کی بارگاہ تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اسی دروازہ پر آئے۔ (مرآۃ الانوار صفحہ ۹۱)

نیز آنحضرتؐ کا یہ ارشاد مشہور و متواتر ہے: انا مدینۃ العلم و علی بابھا من اراد المدینۃ فلیاتھا من بابھا۔ میں شہر علم ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہیں۔ شہر میں داخل ہونے والے کو چاہیے کہ دروازہ کی طرف سے دخل ہو۔ فمن اتاھا من غیر بابھا سمی سارقا۔ (نہج البلاغہ)

ارشاد قدرت ہے: وأتوا البیوت من ابوابھا۔ ان حقائق کی روشنی میں ارباب عقل و انصاف فرمائیں کہ ان الفاظ و معانی کو ان حضرات کے مقصد باطل کے ساتھ دور کا بھی کوئی ربط و تعلق ہے؟ حاشا وکلا۔

دوسرا صحیح مطلب:

ان تمام اطلاقات کا دوسرا مجموعی صحیح مفہوم یہ بھی درست ہے کہ ان ذواتِ قادسہ کی عظمت و جلالت کے اظہار کے لیے ان کے اعضا و جوارح کو خدا کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ الغرض ان کو اسی طرح بداللہ، وجہ اللہ، عین اللہ، لسان اللہ اور جنب اللہ وغیرہ کہا گیا ہے جس طرح اظہارِ شرف و عظمت کے لیے کعبہ کو بیت اللہ، جناب عیسیٰؑ کو روح اللہ اور ناقہ صالحؑ کو ناقۃ اللہ کہا گیا ہے۔

تیسرا صحیح مطلب: نیز ان اطلاقات کا یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے کہ اگرچہ عام لوگوں کے اعضاء و جوارح بھی ہیں تو خدا کی ملکیت۔ مگر مقام عمل میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عامۃ الناس ان اعضاء کو اپنی ذاتی ملکیت سمجھتے ہیں۔ مگر ان بزرگواروں کا معاملہ ان لوگوں سے مختلف ہے۔ وہ صحیح معنوں میں اپنے ہاتھ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سر، چہرہ و زبان اور آنکھ و کان کو خدائے منان کی مقدس امانت سمجھتے ہیں۔ اس لیے وہ ان اعضاء و جوارح سے وہی کام لیتے ہیں جس کے لیے خدا نے عطا کیے ہیں۔ ان کے قدم وہاں اُدھر بڑھیں گے جدھر خدا کی مشیت ہوگی۔ ان کی آنکھ اُدھر اٹھے گی جدھر خدا کی مرضی ہوگی۔ ان کے کان اُدھر متوجہ ہوں گے جدھر خدا کی رضا ہوگی۔ وقس علیٰ ہذا۔ اور یہی مطلب ہے اس آیہ وافی ہدایہ کا۔

وما تشاؤن الا ان یشاء اللہ

ایک اور ضروری وضاحت:

چونکہ شرعی نقطہ نگاہ سے نذر صرف خدائے عزوجل کے نام پر ہی ہو سکتی ہے اور غیر خدا کی نذر کے عدم جواز و بطلان پر تمام فقہاء شیعہ کا اتفاق ہے۔ لہٰذا سرکار سید الشہداءؑ اور دیگر ائمہ ہدیٰؑ کی نیاز یا حضرت ابوالفضل العباسؑ کی حاضری کی صحیح صورت یہ ہے کہ یوں منت مانی جائے کہ اگر خداوند عالم فلاں امامؑ یا فلاں امام زادہؑ کے طفیل میرا فلاں کام کر دے تو میں خدا کے نام پر فلاں کام کروں گا۔ (مثلاً: اتنی رکعت نماز پڑھوں گا، یا اتنے روزے رکھوں گا، یا اتنی شیرینی تقسیم کروں گا، یا مجلس عزاء کراؤں گا، یا اتنی رقم فقراء و مساکین میں تقسیم کروں گا، وغیرہ) اور اس کارِ خیر کا ثواب اس امامؑ یا امام زادہؑ کی خدمت میں ہدیہ کروں گا۔ بنا بریں یہ نذر و نیاز درست ہوگی اور اس کا انتساب ان بزرگواروں کی طرف اسی طرح مجازی ہوگا جس طرح تسبیح جناب سیدہؑ اور نماز جعفر طیارؑ میں ہے۔

ھذا بصائر للناس و ھدی و رحمۃ لقوم یوقنون

یا ایھا الناس قد جائتکم موعظۃ من

ربکم وشفاء لما فی الصدور

وھدی و رحمۃ

للمومنین

☆

Scanned with CamScanner

پانچواں باب

حقیقت معجزہ اور اس کے فعل خدا یا فعل نبیؐ و امامؑ ہونے کا بیان

یہ مُسلّم کلا انقلاب زمان اور نیرنگی دہر عیان ہے کہ آج ان مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی ضرورت درپیش آ رہی ہے جو قرآن اور حضرات محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کی روشنی میں قریباً چودہ سو سال سے علماء اعلام کے درمیان متفق علیہ اور مُسلّم الثبوت ہیں۔ جن کو اگر ضروریات دین اسلام سے نہیں تو کم از کم ضروریات مذہب شیعہ خیرالبریہ سے تو یقیناً قرار دیا جاسکتا ہے۔ منجملہ ان مسائل و عقائد کے ایک مُعجزہ کے فعل خدا ہونے کا مسئلہ بھی ہے، جسے زمانہ ہائے دراز تک متفق علیہ رہنے کے بعد کچھ مخصوص لوگوں نے کچھ عرصہ سے محل نزاع و محور قیل وقال بناتے ہوئے اسے نبیؐ و امامؑ کا فعل کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس لیے ہم اس باب میں محکمات قرآن کریم، مستند ارشادات معصومینؑ اور بیانات علماء متقدمین و متاخرین کی روشنی میں ثابت کریں گے کہ مُعجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے۔ انشاء اللہ۔ لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے بطور تمہید مُعجزہ کی حقیقت، اس کے شرائط، مُعجزہ و جادو میں فرق اور محل نزاع کی تنقیح کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان۔

معجزہ کی تعریف:

مُعجزہ کے لغوی معنی ہیں عاجز کنندہ اور اصطلاح متکلمین میں یعنی مُعجزہ خداوند عالم کے اس خارق عادت فعل کا نام ہے جسے وہ اپنے کسی نبیؐ یا اس کے وصیؑ کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کے لیے ان کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ بشرطیکہ اس کا ظہور مقرون بالقدی ہو۔ (دعوائے نبوت و امامت کے ساتھ بطور چیلنج مقرون ہو) جس کا مثل پیش کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہو۔ لہٰذا اگر ایسا کوئی فعل نبیؐ یا امامؑ سے اعلان نبوت و امامت سے قبل ظاہر ہو تو اسے اصطلاح میں ارہاص کہا جاتا ہے، اور اگر نبیؐ یا امامؑ کے علاوہ خدا کے کسی نیک بندے سے کوئی خارق عادت فعل ظاہر ہو تو اسے کرامت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کما لا یخفی ھذہ المصطلحات علی من راجع کتب الفن۔

(سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات صفحہ ۱۰۷ وغیرہ)

Scanned with CamScanner

معجزہ کے شرائط

معجزہ کے چند شرائط ہیں جن کی طرف گو اجمالی اشارہ تو تعریف میں موجود ہے مگر ان کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

۱. معجزہ کو ایسا قطعی ہونا چاہیے جس سے منکرین کے انکار کی تمام راہیں بند ہو جائیں۔
۲. معجزہ کو دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقارن ہونا چاہیے۔
۳. معجزہ کو دعویٰ کے مطابق ہونا چاہیے۔ یعنی معجزہ مصدقہ ہو نہ معجزہ مکذبہ۔ جس طرح مسیلمہ کذاب نے جب ایک کانے کی آنکھ پر بغرض شفا اپنا نجس ہاتھ پھیرا تو اس کی دوسری آنکھ بھی ختم ہو گئی تھی۔
۴. معجزہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ صاحب اعجاز کے علاوہ باقی تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں۔
۵. معجزہ کو مقتضائے عادت و نوامیس طبیعت کے خلاف ہونا چاہیے۔ کیونکہ ناممکن عادی کو وجود میں لانے کا نام معجزہ ہے، نہ کہ ناممکن عقلی کو ممکن بنانے کا۔ الغرض معجزہ عالم اسباب اور نیچر کے قانون کے خلاف ہوتا ہے۔ جیسے آگ کا سرد ہو جانا، پانی کے بہاؤ کا رک جانا وغیرہ۔ محال عقلی کو اس کے ذریعہ ممکن نہیں بنایا جا سکتا ہے۔ جیسے اجتماع ضدین وغیرہ۔ کیونکہ ناممکن عقلی میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ قدرت کاملہ کا اس سے تعلق ہو۔
۶. معجزہ کو ایسا ہونا چاہیے کہ اس کا کوئی ظاہری اور مادی سبب موجود نہ ہو۔ جیسا کہ علم سیمیا، ریمیا، کیمیا، لیمیا، اور ہیمیا میں ہوتا ہے۔ فتدبر
۷. اظہار معجزہ کے لیے یہ بھی شرط ہے کہ کچھ لوگ اس کی درخواست کریں، یا ایسے لوگ موجود ہوں جن کی اعجاز نمائی کی وجہ سے ہدایت کی توقع ہو۔
۸. معجزہ کو فعل خدا ہونا چاہیے۔ (اس کی تفصیل ذیل میں آ رہی ہے انشاء اللہ) الی غیر ذلک من الشرائط۔ (شرح تجرید الکلم الطیب وغیرہ)

معجزہ دلیل نبوت و امامت ہے

خداوند عالم جن لوگوں کی طرف نبیؑ و امامؑ بھیجتا ہے ان کے طبائع اور عقول و افہام مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بلند طبع اور کامل العقل ہوتے ہیں جو صرف ان بزرگواروں کے علمی و عملی کمالات اور ان کی مقدس تعلیمات کو دیکھ کر ہی معلوم کر لیتے ہیں کہ یہ خدا کے فرستادہ ہادی و راہنما ہیں۔ مگر عامۃ الناس اس قدر استعداد و لیاقت نہیں رکھتے اور نہ اس قدر ژرف بین نگاہ کے مالک ہوتے ہیں کہ وہ دقائق کو سمجھ کر ان کی تصدیق کر سکیں۔ اس لیے عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے پاس کوئی

Scanned with CamScanner

ایسی قطعی علامت ہونی لازم ہے جسے دیکھ کر ہر کس وناکس پر ان کی صداقت وحقانیت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو جائے۔ اسی قطعی علامت نبوت وامامت کو اہل شرع معجزہ کہتے ہیں۔ مثلاً نبی آ کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ میں اس کا قانون لایا ہوں۔ میری ہر بات حق اور واجب القبول ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے تم مجھ پر اور میری باتوں پر ایمان لے آؤ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دعویٰ ہے اور بہت بڑا دعویٰ۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ کوئی دعویٰ دلیل وبرہان کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتا۔ لوگوں نے نہ تو اسے نبی بنتے دیکھا ہے اور نہ ہی آنکھوں سے اس پر قانون اترتے دیکھا ہے۔ پڑھے لکھے عقلمند اور سمجھ دار لوگ تو یہ دیکھ کر کہ وہ شخص جس نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی، جس نے کسی معلم کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ وہ یک دم دعوائے نبوت کر کے وہ وہ علوم اور جامع قانون پیش کر رہا ہے کہ جس کے سامنے بڑے بڑے علماء وفضلاء دم بخود ہیں۔ سمجھ جائیں گے کہ وہ واقعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے۔ مگر پھر بھی عامۃ الناس کے اطمینان قلب کے لیے کسی اور قطعی ثبوت کی ضرورت ہے۔ جب وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایسی چیز دکھائے گا جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہو اور وہ کام کر کے دکھائے جس پر صرف خدا ہی قدرت رکھتا ہو اور انسانی دسترس سے بالا ہو، تو یقیناً وہ اس بات کی دلیل ہوگا کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور فی الواقع وہ فرستادۂ خداوندی ہے اور خدا نے یہ خارق عادت امر بطور سند اس کے ہاتھوں پر ظاہر کیا ہے۔ کیونکہ معجزہ درحقیقت خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اسی لیے تو لوگ اس کو کسی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ خدا کا فرستادہ ہے، ورنہ خدا اس کے ہاتھ پر ایسا فعل ظاہر نہ کرتا۔ یہ معجزات بحسب حالات زمان ومکان واشخاص مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پر نار کو گلزار بنا دیا۔ کسی کے ہاتھ پر عصا کو اژدہا بنا دیا۔ کسی کے ہاتھوں پر مردہ کو زندہ کر دیا۔ کسی کو قرآن جیسا عدیم النظیر علمی معجزۂ خالدہ عطا فرمایا۔ لیکن دلیل نبوت ہونے میں سب باہم شریک ہیں۔ اس بیان سے واضح وعیاں ہو گیا کہ نبوت ایک دعویٰ ہے اور معجزہ اس کی دلیل، جسے دیکھ کر عقل سلیم وطبع مستقیم رکھنے والے ان پر ایمان لا کر سعادت حاصل کرتے ہیں اور تعصب وعناد سے انکار کرنے والے دین ودنیا میں خائب وخاسر ہوتے ہیں۔

و ذلك هو الخسران المبين

و كذا الكلام فی ضرورت المعجزة للامام المدعی للقيام

بحمل اعباء النبوة و اداء فرائضها للانام كما لا يخفى على اولى الافهام

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

معجزہ اور سحر میں فرق

چونکہ عام طور پر اس مقام پر یہ شبہ پیش کیا جاتا ہے کہ جو کام ایک نبیؑ یا امامؑ اعجاز نمائی کے مقام پر انجام دیتا ہے بظاہر ویسا ہی کام ایک شعبدہ باز، جادوگر اور مسمریزم کا ماہر شخص بھی انجام دے سکتا ہے۔ بنابریں معجزہ کو کیونکر دلیل نبوت وامامت قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس ضرورت کے پیش نظر معجزہ اور جادو کے درمیان جو معتد دفرق ہیں، ان میں سے بعض فروق یہاں پیش کیے جاتے ہیں۔ لیھلك من ھلك عن بینة و یحیی من حی عن بینة۔

فرق اول:

یہ کہ جادو ایک فن اور مخصوص علم ہے جو پڑھنے پڑھانے سے حاصل ہوسکتا ہے لیکن معجزہ تعلیم و تعلم اور کسب واکتساب سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

فرق دوم:

یہ کہ جادو کا معارضہ و مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ ممکن ہے ایک جادوگر اپنے فن کے بل بوتے پر دوسرے ساحر کے سحر کو باطل کر کے اس پر غلبہ حاصل کرے۔ مگر معجزے کا کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی مقابلہ نہیں کرسکتی اور کوئی شخص اسے باطل نہیں کرسکتا۔ معجزہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ سب کو عاجز کردے۔ اگر ایسا نہیں تو وہ معجزہ ہی نہیں ہے۔

فرق سوم:

یہ جادو مخصوص مادی و طبیعی اسباب و آلات خفیہ، اوقات مخصوصہ، شرائط مقررہ اور قواعد معینہ کا محتاج ہوتا ہے۔ مگر معجزہ میں کسی طبیعی سبب یا ظاہری آلہ یا کسی زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوتی۔ حسب ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ اعجاز نمائی کی جاسکتی ہے۔ وہ صرف امر الٰہی کا پابند ہے۔ مذکورہ بالا قیود میں سے کسی قید سے مقید نہیں ہے۔

فرق چہارم:

معجزہ میں حقیقت وواقعیت ہوتی ہے۔ مگر جادو وغیرہ میں فقط نظر بندی ہوتی ہے۔ بالخصوص شعبدہ میں تو زیادہ تر ہاتھ کی صفائی کارفرما ہوتی ہے۔ کسی شے کی حقیقت پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ معجزے میں جو انقلاب وتغیر ظاہر ہوتا ہے۔ وہ فی الحقیقت اصل شے میں رونما بھی ہوتا ہے۔ مثلاً کوئی نبی ورسول یا امام عالی مقام کسی سنگریزے کو انگور بنادے تو اس سے پتھر والے خواص سلب ہوجائیں

Scanned with CamScanner

گے اور وہ سنگریزہ فی الحقیقت انگور بن جائے گا۔ کھانے والا اسے فی الحقیقت انگور ہی محسوس کرے گا۔ مگر جادوگر کنکری کو انگور بنا کر دکھا تو سکتا ہے لیکن وہ اسے کھلا نہیں سکتا۔ وہ کنکری ہی رہے گی۔ حضرت موسیٰؑ نے جب پتھر سے پانی جاری کیا تھا، تو حقیقۃً تمام قوم نے سیر ہو کر پانی پیا تھا۔ جناب نبی مرتبت ﷺ نے دعوت ذوالعشیرہ میں تھوڑے سے کھانے کو بطور اعجاز جب مدعوین کے سامنے پیش کیا تھا تو سب نے سیر ہو کر کھایا تھا۔ معلوم ہوا معجزہ ایک زندہ حقیقت ہے۔ مگر جادو میں ایسا ہونا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ جادو کا اثر فقط نگاہ پر ہوتا ہے، اصل حقیقت شے پر نہیں ہوتا۔

فرق پنجم:

معجزہ ہمیشہ منتخب روزگار اخیار و ابرار کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے اور وہ بھی مقرون بالدعویٰ۔ مگر اس کے برعکس جادو کا ظہور فساق وفجار اور اشرار سے ہوتا ہے۔ وبین ھما بون بعید۔

(از احسن الفوائد تصنیف ابن احقر عفی عنہ)

محل نزاع کی تعیین

اصل مقصد سے قبل محل نزاع کی تنقیح ضروری ہے تاکہ یہ بحث محض نزاع لفظی بن کر نہ رہ جائے، جو کہ علماء بلکہ عام عقلاء کی شان سے بھی بعید ہے۔ سو مخفی نہ رہے کہ چونکہ فعل معجزہ کا ظہور بظاہر نبی وامام کے دست حق پرست پر ہوتا ہے۔ اس لیے فاعل مباشر ہونے کی حیثیت سے اس فعل کی ان حضرات کی طرف نسبت دینے کے جواز میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔ ہاں البتہ جو کچھ نزاع ہے تو وہ صرف اس بات میں ہے کہ نبی یا امام کی طرف اس کی یہ نسبت آیا من باب الحقیقت ہے (یعنی اس کے فاعل حقیقی نبی یا امام ہیں کہ خود اپنے عزم وارادہ سے جب چاہیں اسے انجام دیتے ہیں) یا یہ من باب المجاز ہے (کہ اس کا حقیقی فاعل تو خداوند عالم ہے جو ان کے ارادہ اور ان کی استدعا کے وقت ان کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے اور یہ بزرگوار محل ظہور ہونے کی وجہ سے اس کے فاعل مجازی ہیں) جو امر قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور علماء متقدمین ومتاخرین کے تحقیقات وفرامین سے مبرہن اور پایہ ثبوت تک پہنچا ہے وہ یہ ہے کہ فعل معجزہ کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے اور نبی وامام کی طرف اس کی نسبت مجازی ہے۔

اب ذیل میں اس دعویٰ کے ثبوت میں دلائل قاطعہ وبراہین ساطعہ پیش کیے جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

معجزہ کا فعل خدا ہونا تعلیمات قرآن کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس قسم کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں جن سے بیک از دلالات ثلاثہ (مطابقی تضمنی اور التزامی) معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ فعل خدا ہے، یہاں چند آیہ وافی ہدایہ پیش کی جاتی ہیں۔

❶ و قالوا لن نومن لك حتى تفجر لنا من الارض ينبوعا او تكون لك جنة من نخيل و عنب فتفجر الانهار خلالها تفجيرا او تسقط السماء كما زعمت علينا كسفا او تاتى بالله و الملائكة قبيلا او يكون لك بيت من زخرف او ترقى فى السماء و لن نومن لرقيك حتى تنزل علينا كتابا نقروه۔ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰)

(اے رسول کفار مکہ نے) تم سے کہا کہ جب تک تم ہمارے واسطے زمین سے چشمہ نہ بہا نکالو گے تو ہم تم پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔ یا (یہ نہیں تو) کھجوروں اور انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو، اس میں تم بیچ بیچ میں نہریں جاری کر کے دکھلا دو۔ یا جیسا تم گمان رکھتے تھے۔ ہم پر آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دو، یا خدا اور فرشتوں کو (اپنے قول کی تصدیق میں ہمارے سامنے) گواہی میں لا کھڑا کرو۔ یا تمہارے رہنے کے لیے ایسے کوئی طلائی محل سرا ہو، یا تم آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم ہم پر (خدا کے ہاں سے ایک) کتاب نہ نازل کرو گے کہ ہم خود اسے پڑھ بھی لیں اس وقت تک ہم تمہارے (آسمان پر) چڑھنے کے بھی قائل نہ ہوں گے۔

پیغمبر اسلام کو حکم دیا جاتا ہے کہ ان کو اس طرح جواب دو: قل سبحان ربی هل كنت الا بشرا رسولا۔ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰) (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ سبحان اللہ میں ایک آدمی (خدا کے) رسولؐ کے سوا اور کیا ہوں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا دکھانا نبی کا کام نہیں جو کہ بشر و انسان ہے، بلکہ اس کے اظہار کا تمام تر دارومدار مصلحت وقدرت پروردگار پر ہے۔

چنانچہ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ تفسیر تبیان جلد ۶ صفحہ ۵۲۰ پر اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

و انما اجابهم بذلك لان المعنى انكم تقترحون على الآيات و ليس امرها الى و انما امرها الى الذى ارسلنى و الذى هو اعلم بالتدبير منى و ما ينص عليه بالدليل فلا وجه لطلبكم هذا منى مع ان هذه صفتى لانى رسول اودى اليكم ما اوحى الى و امرت ان اوديه اليكم لا

یعنی پیغمبر اسلامؐ نے ان کو جو جواب دیا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ (اے کفار) تم مجھ سے معجزات دکھانے کا مطالبہ کرتے ہو؟ حالانکہ ان کا معاملہ میرے ہاتھ میں نہیں، بلکہ ان کا معاملہ میرے بھیجنے والے کے قبضہ قدرت میں ہے، وہ تدبیر کرنے اور دلیل نبوت یعنی معجزہ معین کرنے کا مجھ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ لہٰذا مجھ سے یہ تمہارا مطالبہ بلا وجہ ہے۔ کیونکہ میں تو صرف رسولؐ ہوں۔ میرا کام تو فقط یہ ہے کہ جس چیز کی مجھے وحی کی گئی ہے اور اس کے پہنچانے کا حکم دیا گیا ہے وہ تم تک پہنچاؤں۔

اسی طرح علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۸۵ پر رقم طراز ہیں:

معناہ ان ھذہ الاشیاء لیس فی طاقۃ البشر ان یاتی بھا فلا اقدر بنفسی ان اتی بھا کما لم یقدر من کان قبلی من الرسل و اللہ تعالی انما یظھر الآیات المعجزات علی حسب المصلحۃ و قد فعل فلا تطالبونی بما لا یطالب بہ البشر۔

یعنی اس جواب کا مطلب یہ ہے کہ ان امور کی انجام دہی (جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے) بشری طاقت سے باہر ہے۔ لہٰذا میں بھی خود بخود انھیں انجام دینے پر قادر نہیں ہوں، جیسا کہ مجھ سے پہلے انبیاءؑ بھی اس پر قادر نہ تھے۔ خداوند عالم ہی معجزات کو اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق ظاہر کرتا ہے اور وہ ایسا کر چکا ہے۔ (یعنی کئی معجزات میرے ہاتھوں پر ظاہر کر چکا ہے) اس لیے تم مجھ سے اب کسی ایسی بات کا مطالبہ نہ کرو جس کا مطالبہ ایک بشر سے نہیں کیا جا سکتا۔

علامہ محسن فیض مرحوم اپنی تفسیر صافی صفحہ ۲۹۵ پر بشرار سولا کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

کسائر الرسل و قد کانوا لا یاتون قومھم الا بما یظھرہ اللہ علیھم من الآیات علی ما یلائم حال قومھم و لیس امور الآیات الی انما ھو الی اللہ و ھو العالم بالمصالح فلا وجہ لطلبکم ایاھا منی۔

یعنی میں بھی دوسرے انبیاءؑ کی طرح بشر ہوں اور ان کا دستور یہ تھا کہ وہ اپنی اپنی قوم کے سامنے وہی معجزات پیش کرتے تھے جو خدا ان کے ہاتھوں پر ان کی قوم کے مناسب حال ظاہر کرتا تھا۔ کیونکہ خدا ہی تمام مصالح و حکم کا عالم ہے۔ اس لیے تمہارا مجھ سے یہ مطالبہ کرنا کہ میں معجزات دکھاؤں بالکل بلا وجہ ہے۔

جناب علامہ حائری مرحوم اپنی تفسیر لوامع التنزیل جلد ۱۵ صفحہ ۳۱۶ پر اسی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یعنی اے محمد ﷺ بجواب این اقتراحات بگو بر وجہ تعجب کہ پاک

Scanned with CamScanner

است پروردگار من و منزہ است از ین کہ بروے تحکم کنند یا از انکہ کسے را در قدرت شریك وے سازند و شما آنچہ از من می طلبید بجز وے کسے بر آن قادر نیست ایا ہستم من (مراد انکار است) یعنی نیستم مگر آدمی فرستادہ شدہ ہمچوں رسولاں و ایشاں برائے قوم ظاہر نکردند۔ مگر معجزہ کہ مناسب قوم بودہ اظہار آیات و معجزات وابستہ بارادہ و قدرت حق است نہ باختیار و مشیت ایشان۔

خلاصہ مطلب یہ کہ اے رسولؐ کفار کے اس اقتراحی مطالبہ کے جواب میں کہو کہ خدا اس سے منزہ ہے کہ اس پر کوئی غلط فرمائش کی جائے۔ یا کسی کو اس کی قدرت میں شریک قرار دیا جائے اور تم نے جو مطالبہ کیا ہے اس پر خدا کے سوا اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ میں تو دوسرے رسولوں کی طرح صرف اس کا بھیجا ہوا آدمی ہوں اور وہ بھی اپنی اپنی قوم کی حالت کے مطابق معجزے دکھاتے تھے اور معجزات کا ظاہر کرنا خدا کے ارادہ اور اس کی قدرت سے وابستہ ہے نہ کہ رسولوں کے ارادہ و قدرت سے۔

❶ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

وما کان لرسول ان یاتی بآیۃ الا باذن اللہ (پارہ ۱۳ سورہ رعد ع ۱۲)

اور کسی پیغمبرؑ کی یہ مجال نہ تھی کہ کوئی معجزہ خدا کے اذن بغیر لا دکھائے۔

صاحب تفسیر صافی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وما صح لہ ولم یکن فی وسعہ ان یاتی بآیۃ یقترح علیہ وحکم یلتمس منہ الا باذن اللہ فانہ القادر علی ذلک۔

یعنی نہ تو کسی رسول کے لیے یہ صحیح ہے اور نہ ہی اس کی قدرت میں ہے کہ وہ اس معجزہ کو پیش کرے جس کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے۔ مگر اللہ کے اذن و امر سے۔ کیونکہ وہی اس کے ظاہر کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔

❷ بنی اسرائیل کے لیے دریا میں بارہ راستوں کا بن جانا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مشہور معجزہ ہے۔ مگر اس کے متعلق خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

واذ فرقنا بکم البحر فانجیناکم۔ (پارہ ۱ سورہ بقرہ ع ۶)

یاد کرو اس وقت کو جب کہ ہم نے دریا کو شگافتہ کیا اور تمہیں نجات دی۔

Scanned with CamScanner

اس سے واضح ہوتا ہے کہ راستہ بنانا اور بنی اسرائیل کو فرعون کے شر سے نجات دینا خداوند عالم کا فعل تھا نہ کہ جناب موسیٰؑ کا۔ وھو المطلوب۔

❻ آتش نمرودی کا گلزار ہونا حضرت خلیل الرحمٰنؑ کا مشہور معجزہ ہے۔ مگر خداوند عالم اس کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم (پارہ ۱۷ سورہ الانبیاء ع ۵)

ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی اور ابراہیمؑ کے لیے سلامتی کا باعث بن جا۔

یہ آیت اس بات پر نص صریح ہے کہ یہ کارنامہ خود قدرت کاملہ نے انجام دیا تھا۔ اس میں حضرت ابراہیمؑ کی طاقت وقدرت کو کوئی دخل نہیں ہے۔ ہاں اس کا ظہور آپؑ پر ہوا۔

علامہ محمد بن علی بن شہر آشوب فرماتے ہیں:

قیل ان اللہ تعالیٰ احدث فیھا برداً من شدۃ الحرارۃ التی فیھا فلم توذہ و قیل انہ تعالیٰ حال بینھا و بین جسمہ فلم تصل الیہ (متشابہات القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۲۵)

یعنی اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ خدائے قدیر نے آگ میں حرارت وگرمی کی بجائے برودت وسردی پیدا کر دی تھی، اس لیے آگ نے آنجنابؑ کو کوئی اذیت نہ دی۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ خداوند عالم حضرت ابراہیمؑ کے جسم اقدس اور آگ کے درمیان حائل ہو گیا تھا۔ اس لیے آگ آپؑ تک نہ پہنچ سکی۔

❼ سرکار ختمی مرتبت ﷺ کا بجسد عنصری معراج پر تشریف لے جانا آنحضرتؐ کے معجزات میں سے ہے۔ مگر قرآن کی آیت مبارکہ: سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حولہ ۔۔۔۔ پاک ہے وہ خدا جو اپنے عبد خاص کو رات کے ایک حصہ میں مسجد الحرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا، سے بعبارۃ النص واضح ہوتا ہے کہ درحقیقت یہ فعل خدا تھا نہ فعل رسولؐ۔ آنحضرتؐ جانے والے تھے، لے جانے والا خداوند عالم تھا۔

❽ قرآن مجید سرکار رسالت مآبؐ کا معجزہ خالدہ ہے اور تمام معجزات سے افضل واشرف ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کو آنحضرتؐ کا معجزہ محض اس لیے قرار دیا جاتا ہے کہ اس کا نزول آپؐ کی ذات بابرکات پر ہوا ہے۔ (نزل بہ الروح الامین علی قلبک لتکون من المنذرین) ورنہ یہ حقیقت عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ یہ خالق کلام کا کلام معجز نظام ہے۔ (ولا ینکرہ احد)

❾ پیغمبر اسلامؐ کا یہ فرمان آج بھی قرآن میں موجود ہے جو انھوں نے عذاب خداوندی کا مطالبہ

Scanned with CamScanner

کرنے والے کفار کے جواب میں یہ ارشاد فرمایا تھا:

قل لو ان عندی ما تستعجلون به لقضی الامر بینی و بینکم و الله اعلم بالظالمین

(پارہ ۷ سورہ الانعام ع ۱۳)

اور (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ جس (عذاب) کی تم جلدی کرتے ہو، اگر وہ میرے (اختیار میں) ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان فیصلہ کب کا چک گیا ہوتا۔ اور خدا تو ظالموں سے خوب واقف ہے۔

چونکہ کفار نزول عذاب کا مطالبہ کر رہے تھے، ان کے جواب میں رسولؐ نے بحکم ایزدی اعلان کر دیا کہ: ماعندی ما تستعجلون به ان الحکم الا لله۔ تم جس کی جلدی کرتے ہو (عذاب) وہ کچھ میرے پاس (اختیار میں) تو ہے نہیں۔ حکومت تو بس صرف خدا ہی کے لیے ہے۔ معلوم ہوا یہ امور جو خارق عادت ہیں، ان کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ نبیؐ صرف اس کی استدعا کرتا ہے۔ حضرت نوحؑ بارگاہ قدرت میں عرض کرتے ہیں: رب لاتذر علی الارض من الکافرین دیارا۔ اب طوفان بھیجنا اور تمام منکرین کو نیست و نابود کر دینا خدا کا کام ہے۔

❽ کفار کا اعتراض اور رسول خداؐ کا جواب اس سلسلہ میں خضر راہ کا کام دیتا ہے۔

قالوا لولا نزل علیه آیة من ربه، قل ان الله قادر علی ان ینزل آیة و لکن اکثر الناس لا یشکرون۔ (پارہ ۷ سورہ الانعام ع ۱۰)

اور کفار کہتے ہیں کہ (آخر) اس نبی پر اس کے پروردگار کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں نازل ہوتا؟ تو تم (ان سے) کہہ دو کہ خدا معجزے کے نازل کرنے پر ضرور قادر ہے۔ مگر ان میں کے اکثر لوگ (خدا کی مصلحتوں کو) نہیں جانتے۔

اس آیت مبارکہ سے بھی بعبارۃ النص ظاہر ہوتا ہے کہ معجزات کا ظاہر کرنا درحقیقت خدائے قدیر و بصیر کا کام ہے، جنھیں وہ اپنی مصلحت و قدرت کے ماتحت ظاہر کرتا ہے۔

❾ خداوند عالم کفار کے انکار و جحود کی کیفیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

و اقسموا بالله جهد ایمانهم لئن جاءتهم آیة لیومنن بها قل انما الآیات عند الله و ما یشعرکم انها اذا جاءت لا یومنون۔ (پارہ ۷ سورہ الانعام ع ۱۹)

اور ان لوگوں نے خدا کی سخت سخت قسمیں کھائیں کہ اگر ان کے پاس کوئی معجزہ آئے تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ (اے رسولؐ تم) کہو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں۔ اور تمھیں کیا معلوم یہ یقینی بات

Scanned with CamScanner

کہ جب مجزوی آئے گا تو بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں حاشیہ پر مولانا فرمان علیؒ صاحب لکھتے ہیں:

"ایک دفعہ کفار قریش نے حضرت رسولؐ سے کہا آپؐ خود کہتے ہیں کہ موسیٰؑ نے پتھر سے چشمے جاری کئے، عیسیٰؑ نے مردے زندہ کیے، صالحؑ نے پہاڑ سے اونٹنی نکالی۔ بھلا آپ بھی تو کچھ دکھائیے۔ آپؐ نے پوچھا تم لوگ کیا چاہتے ہو؟ بولے کوہ صفا سونے کا ہو جائے۔ آپؐ نے پوچھا اگر ہو جائے تو ایمان لاؤ گے؟ وہ بولے ضرور۔ اور اس پر سخت سے سخت قسمیں بھی کھائیں۔ یہ سن کر آپؐ دعا کرنا چاہتے ہی تھے کہ جبرئیلؑ نازل ہوئے اور خدا کا پیغام پہنچایا کہ میں تمہاری دعا سے اس پہاڑ کو سونا بنا دوں گا۔ مگر یہ یاد رہے کہ اگر یہ لوگ اس پر بھی ایمان نہ لائے تو سخت سے سخت عذاب نازل کر کے ان کی بیخ کنی کر دوں گا۔ اب تم جس شق کو چاہو اختیار کرو۔ آپؐ نے ان کی حالت پر غور کر کے اس سے درگزر کی"۔ (حمائل فرمانؒ صفحہ ۲۲۴)

اس کے بعد بھی یہ حقیقت کسی مزید ثبوت کی محتاج رہ جاتی ہے کہ معجزہ نما کا کام صرف دعا و استدعا کرنا ہوتا ہے۔ معجزہ کا ظاہر کرنا خدائے عزوجل کا کام ہے۔

● حضرت عیسیٰؑ پر مائدۂ آسمانی کا نازل ہونا ان کا مشہور معجزہ ہے۔ مگر اس کی جو کیفیت قرآن نے بیان کی ہے وہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند کریم ہی ہے۔ ہاں البتہ دعا و پکار کرنا نبیؑ و امامؑ کا کام ہے اور اس کا ظہور بھی انہی کے مقدس ہاتھوں پر ہوتا ہے۔ حواریین حضرت عیسیٰؑ سے کہتے ہیں:

هل يستطيع ربك ان ينزل علينا مائدة من السماء الآیہ۔

کیا آپ کا خدا اس پر قادر ہے کہ ہم پر آسمان سے (نعمت کا) ایک خوان نازل فرمائے؟

(الی ان قال تعالیٰ) قال عیسیٰ ابن مریم اللھم ربنا انزل علینا مائدة من السماء۔

مریمؑ کے بیٹے عیسیٰؑ نے عرض کی: خداوندا اے ہمارے پالنے والے ہم پر آسمان سے ایک خوان (نعمت) نازل فرما۔

اس کے حاشیہ پر مولانا فرمان علی صاحب لکھتے ہیں:

"جب حضرت عیسیٰؑ نے حواریوں کی فرمائش سے خوان کے نازل ہونے کی دعا کی تو خدا نے ایک سفید ابر کے ٹکڑے میں ایک سرخ خوان زمین کی طرف اتارا اور لوگوں کے دیکھتے ہی دیکھتے حواریوں کے پاس آ پہنچا"۔ (حمائل فرمانؒ)

Scanned with CamScanner

⓫ و قالوا لو لا نزل علیه آیت من ربه، قل انما الآیات عند الله و انما انا نذیر مبین
(پارہ ۲۱ سورہ عنکبوت ع ۱)

اور کفار (عرب) کہتے ہیں کہ اس (رسولؐ) پر اس کے پروردگار کی طرف سے معجزے کیوں نازل نہیں ہوتے۔ (اے رسولؐ ان سے) کہہ دو کہ معجزے تو بس خدا ہی کے پاس ہیں اور میں تو صرف صاف صاف (عذاب خدا سے) ڈرانے والا ہوں۔ اس آیت مبارکہ سے بھی روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ معجزات تو خدائے قدیر کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ وہی ان کو اپنی قدرت کاملہ و حکمت بالغہ سے نبیؑ و امامؑ کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔

⓬ و الق عصاك فلما رآها تهتز كانها جان ولى مدبرا و لم يعقب يا موسى لا تخف انى لا يخاف لدى المرسلون (پارہ ۱۹ سورہ النمل ع ۱۶)

اور (ہاں) اپنی چھڑی تو (زمین پر) ڈال دو۔ تو جب موسیٰؑ نے اس کو دیکھا کہ وہ اس طرح لہرا رہی ہے گویا وہ زندہ اژدہا ہے تو پچھلے پاؤں بھاگ چلے اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ (تو ہم نے کہا) اے موسیٰؑ ڈرو نہیں ہمارے پاس تو پیغمبر لوگ ڈرا نہیں کرتے۔ (مطمئن ہو جاتے ہیں) (ترجمہ فرمانؒ)

یہ آیت مبارکہ اس مطلب پر نص صریح و دلیل فصیح ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا کام صرف عصا کا پھینکنا تھا۔ اب اسے اژدہا بنانا اور پھر اسے اپنی اصلی شکل (عصا) کی طرف لوٹانا خدا کا کام تھا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر عصا کا اژدہا بنانا جناب موسیٰؑ کا فعل ہوتا تو پھر ان کے اس سے خوف زدہ اور بے تحاشا پچھلے پاؤں دوڑنے کا کیا مطلب؟ بھلا کوئی صانع اپنی مصنوع، کوئی خالق اپنی مخلوق، اور کوئی فاعل اپنے فعل سے بھی خائف و ہراساں ہوتا ہے؟ اس کی تائید مزید اس آیت مبارکہ سے بھی ہوتی ہے جس میں ارشاد قدرت ہے: سنعیدها سیرتها الاولیٰ۔ ہم اس کو اس کی اصلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس سے آشکار ہوتا ہے کہ جو خدا اب اسے اصلی شکل کی طرف لوٹا رہا ہے اسی نے اسے موجودہ حالت میں تبدیل کیا تھا۔ اسی وجہ سے تو جناب موسیٰؑ نے جادوگران فرعون سے کہا تھا: ما جئتم به السحر ان الله سيبطله۔ خدا تمہارے جادو کو باطل کرے گا (عصا کو اژدہا بنا کر) یہ نہیں فرمایا کہ میں باطل کروں گا۔ معلوم ہوا کہ معجزہ فعل خدا ہے۔ وهو المطلوب

⓭ پہاڑوں اور پرندوں کا مسخر ہونا، لوہے کا نرم ہونا وغیرہ حضرت داؤدؑ کے مشہور معجزے ہیں۔ مگر خداوند عالم قرآن میں ان تمام افعال کا فاعل اپنی ذات کو قرار دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشى و الاشراق۔

Scanned with CamScanner

ہم نے پہاڑوں کو اس کا تابع بنایا۔

دوسرے مقام پر فرماتا ہے: و الناله الحدید۔ ہم نے لوہے کو ان کے لیے نرم کیا۔

اور ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے:

و سخرنا مع داود الجبال یسبحن و الطیر و کنا فاعلین۔ (پارہ ۱۷ سورہ انبیاء ع ۶)

اور ہم نے پہاڑوں کو داؤد کا تابع بنا دیا تھا کہ ان کے ساتھ (خدا کی) تسبیح کیا کرتے تھے اور پرندوں کو بھی (تابع کر دیا تھا) اور ہم ہی یہ عجائب کیا کرتے تھے۔

اس سے بڑھ کر اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ خدا خدا تعالیٰ نے اپنے فاعل ہونے کی تصریح فرما دی ہے۔

❹ خداوند عالم اپنے حبیبؐ کو ارشاد فرماتا ہے:

و ما رمیت اذ رمیت و لکن الله رمیٰ۔

عالم جلیل سید اسماعیل النوری اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ز یراکه حق تعالیٰ نسبت این را داد بذات مقدس خود علی سبیل الواقع و الحقیقة۔ و فرمود وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ و صورت فعل و رمی راکه مجاز است نسبت داد بجناب اقدس نبوی صلی الله علیه و آله و از یں جهة بود که سلب نسبت نیز از آنجناب نموده و فرموده وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی۔ (کفایة الموحدین جلد ا صفحه ۲۳۷)

یعنی خداوند عالم نے رمی (کنکر مارنے) کی نسبت اپنی ذات کی طرف بطور واقع اور حقیقت کے دی ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: و لکن الله رمیٰ۔ ہاں بظاہر کنکر مارنے کے فعل کو بطور مجاز جناب رسول خداؐ کی طرف نسبت دی ہے اور اسی (مجازی) وجہ سے اس فعل کی آنحضرتؐ سے نفی بھی فرما دی ہے کہ: ما رمیت اذ رمیت و لکن الله رمیٰ۔

ان آیات مبارکہ سے یہ حقیقت کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ معجزہ درحقیقت خدائے قادر و قیوم کا فعل ہوتا ہے۔ ہاں البتہ حسب ظاہر اس کا ظہور و بروز چونکہ انبیاءؑ و اوصیاءؑ سے ہوتا ہے، لہٰذا مجازاً اس کی نسبت ان کی طرف بھی دے دی جاتی ہے۔

کذلك یبین الله
آیاته لعلکم
تهتدون

Scanned with CamScanner

معجزہ کا فاعل خدا ہونا احادیث معصومینؑ کی روشنی میں

بکثرت احادیث معصومینؑ سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ معجزہ کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ ہم ذیل میں چند احادیث شریفہ پیش کرتے ہیں:

❶ جناب رسول خدا ﷺ اپنی ایک طویل حدیث مبارکہ میں مشرکین عرب پر احتجاج کرتے اور بشریت رسول کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

انما بعث اللہ بشرا و اظھر علی یدہ المعجزات التی لیست فی طبائع البشر الذین قد علمتم طبائع قلوبھم فتعلمون بعجزکم عما جاء انہ معجزۃ۔

(احتجاج طبرسی صفحہ ۱۵ طبع نجف)

یعنی خداوند عالم نے اس لیے بشر کو منصب رسالت پر فائز کر کے بھیجا اور اس کے ہاتھوں پر ایسے معجزات ظاہر فرمائے جو انسانی طاقت وقدرت سے باہر ہیں۔ جن کی طبیعتوں کو تم جانتے ہو، تاکہ جب تم اس (رسولؐ) کے لائے ہوئے (معجزہ) کا مثل نہ لاسکو تو تم کو یقین ہو جائے کہ وہ (جو کچھ لایا ہے) معجزہ ہے۔

❷ ایک مرتبہ کسی شخص نے جناب امیر المومنینؑ کو خشک نان جویں کا ٹکڑا گھٹنے پر رکھ کر توڑتے ہوئے دیکھا تو ازراہ تعجب عرض کیا: یا امیر المومنینؑ کیا یہ وہی کلائی نہیں جس سے آپ نے قلعہ خیبر کو اکھاڑا تھا؟ آں جناب نے فرمایا: تلک قوۃ اللہ تعالیٰ و ھذہ قوتی۔ یعنی وہ خدا کی قوت تھی اور یہ میری قوت ہے۔ (انوار نعمانیہ محدث جزائری صفحہ ۲۲ طبع ایران)

❸ کتاب الحجلی صفحہ ۴۰۰ و ۴۰۵ پر اسی سلسلہ میں آنجنابؑ سے یوں مروی ہے:

قلعت باب خیبر بقوۃ ربانیۃ لا بقوۃ جسدانیۃ۔

میں نے قلعہ خیبر کو قوت ربانیہ سے اکھاڑا ہے نہ قوت جسمانی سے۔

❹ کتاب روضۃ الواعظین نیشاپوری جلد ۱ صفحہ ۱۵۴ پر یہ ارشاد اور بھی قدرے شرح و بسط کے ساتھ مذکور ہے۔ آنجنابؑ سہیل بن حنیف کے نام ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:

واللہ ما قلعت باب خیبر بقوت جسدیہ و لا حرکۃ غذائیۃ لکن ایدت بقوۃ ملکوتیۃ و نفس بنور ربھا مضیئۃ لا۔

اس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ معجزہ خدا کی قوت و طاقت سے ظاہر ہوتا ہے۔

Scanned with CamScanner

۵ احتجاج طبرسیؒ صفحہ ۲۴۲ نیز مدینۃ المعاجز صفحہ ۵ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے کہ ایک آدمی نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

انهم يزعمون ان عليا لما اظهر من نفسه المعجزات التي لا يقدر عليها غير الله دل على انه اله و لما ظهرلهم بصفات المحدثين العاجزين لبس عليهم و امتحنهم ليعرفوه و ليكون ايمانهم اختيارا من انفسهم۔

یعنی یہ غالی لوگ گمان کرتے ہیں کہ جب جناب امیر المومنینؑ نے وہ معجزات دکھائے جن پر سوائے خدا کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا، تو آپؑ نے اس سے یہ بتلا دیا کہ وہ خدا ہیں۔ اور جب لوگوں کے سامنے حادث و عاجز بندوں والی صفات کے روپ میں ظاہر ہوئے تو اس سے آپ کا مقصد لوگوں کا امتحان لینا تھا۔ تاکہ ان کا ایمان اختیاری ہو نہ اضطراری۔ یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا:

لما ظهر منه الفقر و الفاقة دل على ان من هذه صفاته و شاركه فيها الضعفاء المحتاجون لا تكون المعجزات فعله فعلم بهذا ان الذي اظهره من المعجزات انما كانت فعل القادر الذي لا يشبه المخلوقين لا فعل المحدث المحتاج المشارك للضعفاء في صفات الضعف۔

(بلکہ حقیقت حال اس طرح ہے کہ) جب حضرت امیر المومنینؑ سے فقر و فاقہ ظاہر ہوا تو اس نے یہ امر واضح کر دیا کہ جس شخص کی یہ صفات ہوں جن میں اس کے ساتھ دیگر ضعیف و محتاج انسان بھی شریک ہیں، یہ معجزات اس کا فعل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا اس سے معلوم ہو گیا کہ جس ذات نے یہ معجزات ظاہر فرمائے ہیں (وہ اور ہے) یہ اس قادر مختار ہستی کا فعل ہے جو کسی بات میں بھی اپنی مخلوق کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ اس حادث مخلوق کا فعل نہیں ہو سکتے جو صفات ضعف و کمزوری میں دوسرے ضعیفوں کے ساتھ شریک ہے۔

(کذا فی البحار جلد ۷ صفحہ ۳۴۱ و الدمعۃ الساکبہ صفحہ ۵۹ وغیرہ)

ہم نے بفضلہٖ تعالیٰ قرآن و حدیث کی نصوص صریحہ و صحیحہ پیش کر دی ہیں کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا ہے۔ (و كنا فاعلين و انما كانت فعل القادر المختار) اور مزید برآں نبیؑ و امامؑ کے فاعل مجازی ہونے کے ثبوت میں قرآن و حدیث سے ان ذوات مقدسہ سے اس (فعل معجزہ) کی نفی بھی ثابت کر دی ہے۔ (ما رميت ـــــ لا تكون المعجزات فعله) اب نبی و امام کو معجزہ کا فاعل حقیقی سمجھنے والے حضرات کے لیے دو ہی راستے ہیں۔ یا اسی طرح قرآن و حدیث کے نصوص صریحہ و صحیحہ سے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ان کے فاعل حقیقی اور خدا کے فاعل مجازی ہونے کی تصریح پیش کریں، اور ہمیں قائل کرنے کے ساتھ ساتھ منہ مانگا حق الزحمت (انعام) بھی حاصل کریں اور اگر ایسا نہ کر سکیں (اور نہ ہی کر سکتے ہیں انشاء اللہ) یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں، تو پھر دوسرا راستہ یہ ہے کہ اپنے خود ساختہ نظریے سے تائب ہو کر کھلم کھلا حق و حقیقت کا اعتراف کریں اور اپنی بھول بھلیوں سے لوگوں کو گمراہ نہ کریں۔

❶ جناب امام محمد باقر علیہ السلام نے کھجور کے خشک درخت سے تازہ کھجوریں اصحاب کو کھلائیں۔ وہاں ایک بدو موجود تھا۔ وہ یہ معجزہ دیکھ کر کہنے لگا: میں نے آج بچشم خود جادو گر دیکھا ہے۔ امام نے فرمایا:

لا تکذبن علینا اهل البیت فانه لیس منا ساحر و لا کاهن و لکن علمنا اسماء من اسماء الله تعالیٰ نسئل بها فنعطیٰ و ندعو فنجاب۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۳۶۰)

ہم اہل بیتؑ پر جھوٹ نہ بولو۔ ہم میں نہ کوئی ساحر ہے اور نہ کاہن، بلکہ (حقیقت الامر یہ ہے کہ) ہمیں خدا کے اسماء میں سے کچھ اسم (اعظم) تعلیم دیے گئے ہیں۔ جب ان کے ذریعہ سے سوال کرتے ہیں تو ہمیں (ہمارا مدعا) مل جاتا ہے۔ اور جب دعا کرتے ہیں تو وہ مستجاب ہو جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کا ظہور اسم اعظم کے ذریعہ دعا کرنے کا ثمرہ و نتیجہ ہوتا ہے۔

چنانچہ ہفتم بحار صفحہ ۵۱۰ پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے: ان عندهم الاسم الاعظم و به تظهر عنهم الغرائب۔ یعنی ائمہ اہل البیتؑ کے پاس اسم اعظم موجود ہے۔ جس کی وجہ سے ان سے عجائب و غرائب (معجزات) ظاہر ہوتے ہیں۔

❷ جناب آصف بن برخیا کا چھ ماہ کی مسافت بعیدہ سے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کرنا قرآن و حدیث میں مذکور ہے۔ اور اس امر کو ان کا معجزہ سمجھا جاتا ہے۔ تفسیر صافی، تفسیر ابوالفتوح رازی، اور تفسیر نور الثقلین وغیرہ میں مذکور ہے کہ ان کے پاس (اسم اعظم کے تہتر اسماء میں سے) صرف ایک اسم اعظم تھا۔ جب اس کے ذریعہ دعا کی تو خدا نے چشم زدن میں تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ اس کی تائید مزید صحیفہ علویہ کی دعائے روز پانزدہم سے بھی ہوتی ہے۔

جناب امیر علیہ السلام بارگاہ ایزدی میں عرض کرتے ہیں:

و اسئلك باسمك الذی سئلك به عبدك الذی کان عنده علم من الکتاب فاتیته العرش قبل ان یرتد الیه طرفه فاسئلك به و ادعوك اللهم بما دعاك به فاستجبت له فاستجب لی۔

Scanned with CamScanner

میں تیری بارگاہ میں اس اسم کے ذریعہ سے سوال کرتا ہوں جس کے ذریعے سے تیرے اس بندے نے تجھ سے سوال کیا تھا جس کے پاس تھوڑا سا علم کتاب تھا۔ (اور اس کی بدولت) تو نے تخت (بلقیس) کو آنکھ جھپکنے سے پہلے حاضر کر دیا تھا۔ میں اسی کے ذریعہ سے سوال و دعا کرتا ہوں جس کے ذریعہ سے انھوں نے دعا کی تھی اور تو نے اسے مستجاب کیا تھا۔ میری دعا کو بھی مستجاب فرما۔ (صحیفہ علویہ صفحہ ۳۴۰)

مگر موجودہ دور کے مدعیان علم و تحقیق کی تحقیق یہ ہے کہ تخت بلقیس خود جناب امیر علیہ السلام نے حاضر کیا تھا۔ ع

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

کجا قال الذی عندہ علم من الکتاب کا مصداق اور کجا و من عندہ علم الکتاب کا مصداق۔ کجا ایک اسم اعظم رکھنے والے کا مقام اور کجا بہتر اسم اعظم رکھنے والے کی شان۔

❽ ایک طویل حدیث میں جناب امیر علیہ السلام چند مردوں کے زندہ کرنے کا تذکرہ بایں الفاظ کرتے ہیں: فدعوت اللہ تعالیٰ فقاموا من قبورھم ینفضون التراب من رووسھم باذن اللہ عز و جل۔ میں نے خدا سے دعا کی۔ پس وہ مردے قبروں سے اس طرح اٹھ کھڑے ہوئے کہ سروں سے مٹی جھاڑ رہے تھے۔ باذن اللہ۔ (الدمعۃ الساکبہ جلد ۱ صفحہ ۳۱)

معلوم ہوا کہ معجزنما کا کام دعا کرنا ہے، اس کے بعد ایجاد فعل خدا کا کام ہے۔

❾ جناب سلمان محمدیؓ فرماتے ہیں:

لو اقسم ابو الحسن علی اللہ ان یحیی الاولین و الآخرین لاحیاھم۔

اگر جناب ابو الحسنؑ (علیؑ) خدا کو قسم دیدیں کہ وہ اولین و آخرین کو زندہ کر دے تو یقیناً خدا ان سب کو زندہ کر دے گا۔ (الدمعۃ الساکبہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۹)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب سلمانؓ جیسے عارف اہل بیتؑ کا عقیدہ بھی یہی تھا کہ نبیؑ و امامؑ دعا کرتے ہیں اور درحقیقت معجزہ خدا ظاہر کرتا ہے۔

❿ دمعہ ساکبہ جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ پر جناب امیر علیہ السلام کے کچھ مبروص، نابینا اور زمین گیروں کو تندرست کرنے کے متعدد واقعات مذکور ہیں۔ مگر سب میں یہ مذکور ہے کہ فصلی علی اربعاً کہ آنجنابؑ نے چار رکعت نماز پڑھ کے یہ معجزہ دکھایا۔ کہیں یہ لکھا ہے دعا بدعوات آپ نے کئی دعائیں پڑھیں۔ کہیں یہ مرقوم ہے: اخرج رقا صفراء فقراء علیھم۔ زرد رنگ کا چمڑا نکالا اور اس

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

میں سے کچھ پڑھا۔ سب کا نتیجہ ایک ہی ہے کہ معجزہ امام اعظم کے ذریعہ خدا سے دعا و استدعا کرتا ہے اور خدائے قدیر فوراً اس کے امر کو ظاہر کر کے معجزات ظاہر کر دیتا ہے۔

۱۱ جب جناب رسول خداؐ نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانے کا معجزہ کفار قریش کو دکھایا تو وہاں بجاہ محمد و آلہ الطیبین کہہ کر دعا فرمائی۔ اسی حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ انبیاءؑ و مرسلینؑ کے مشکلات و مصائب بھی انہی بزرگواروں کے ساتھ توسل حاصل کرنے سے دور ہوئے۔

(احتجاج طبرسی صفحہ ۲۶ طبع بغداد)

۱۲ جناب امام رضاؑ سے مروی ہے کہ خدا نے جب حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے ہاتھوں پر پرندوں کو زندہ کیا (جس کا تذکرہ قرآن مجید میں موجود ہے) تو پرندوں نے کہا: ءانت اللہ احیا احیاک اللہ۔ آپؑ نے ہمیں زندہ کیا ہے خدا آپؑ کو زندہ رکھے۔ جناب خلیلؑ نے جواب میں فرمایا: بل اللہ یحیی و یمیت و ھو علی کل شئی قدیر۔ (میں نے تمہیں زندہ نہیں کیا) بلکہ خدا ہی زندہ کرتا اور مارتا ہے اور وہ ہر شئی پر قادر ہے۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۲۳۴ تفسیر صافی صفحہ ۱۷۳، الخصال صفحہ ۱۲۷ وغیرہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ ان پرندوں کی طرح عقل و بصیرت سے بے بہرہ ہیں، وہ ظاہر پر فریفتہ ہو کر معجزہ کو معجز نما کا ہی فعل سمجھتے ہیں۔ لیکن ژرف بین نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ سب کچھ درحقیقت قادر مطلق کی قدرت کاملہ کا کرشمہ ہے۔ و ھو علی کل شئ قدیر۔

۱۳ حبابہ والبیہؓ بیان کرتی ہیں کہ میں امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں دیر سے حاضر ہوئی۔ امامؑ نے تاخیر کا سبب دریافت فرمایا۔ میں نے اپنے برص کی شکایت کی۔ یہ سن کر آپؑ نے اپنا دست مبارک مقام مبروص پر رکھا اور دعا ولم یزل یدعو حتی رفع یدہ و قد کشف اللہ ذلک البرص۔ اور دعا کرنا شروع کی۔ حتی کہ جب آپؑ نے اپنا ہاتھ اٹھایا تو خدا نے برص کی تکلیف دور فرما دی تھی۔

(رجال کشی صفحہ ۷۵ و ۷۶)

برص ان امراض میں داخل ہے کہ جن کے مریضوں کو شفا دینا قرآن میں جناب عیسیٰؑ کے معجزات میں شمار کیا گیا ہے۔ امامؑ نے بھی یہ معجزہ دکھایا۔ مگر کس طرح؟ دعا امامؑ نے کی، شفا خدا نے دی۔ جناب حبابہؓ نے کس حسین انداز سے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خدا اور مدعالم اور مجازی امام عالی مقام ہے۔

۱۴ جناب امام رضا علیہ السلام علامات و دلائل امامت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں: و دلالۃ الامامۃ فی العلم و استجابۃ الدعوۃ۔ امام کی شناخت دو باتوں سے ہوتی ہے۔ ایک علم (کی کثرت سے کہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

المعجزة من لا یقول لا ادری) دوسرے دعا کے مستجاب ہونے سے۔ (عیون اخبار الرضا جلد ۱ صفحہ ۲۱۴)

یہاں استجابة الدعوة سے مراد معجزہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ معجزہ بھی استجابۃ دعا کی ایک قسم ہے۔ یہ دعا اگر عام عادی امور کے متعلق ہو تو اس کے داعی کو مستجاب الدعا کہہ دیا جاتا ہے۔ اور اگر خارق عادت امور سے متعلق ہو تو اسے معجز نما کہا جاتا ہے۔ فتدبر جیدا

۱۵ ابی خالد کابلی یحیٰی بن ام الطویل سے نقل کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ ہم حضرت امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اس اثناء میں ایک نوجوان روتا ہوا آیا۔ آنجنابؑ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا۔ اس نے کہا کہ ابھی ابھی میری والدہ کا انتقال ہوا ہے اور وہ مالدار تھی۔ مگر وہ اس کے متعلق کوئی وصیت نہیں کر گئی اور نہ ہی اس کا کوئی اتا پتا بتا گئی ہے، البتہ اس نے مجھے یہ حکم دیا تھا کہ اس کی تجہیز و تکفین سے قبل آپ کو اس کی موت کی اطلاع دیدوں۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا چلو اس مومنہ کے پاس چلیں۔ چنانچہ جب ہم اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو دیکھا کہ وہ عورت مردہ حالت میں کپڑے میں ڈھانپی ہوئی پڑی ہے۔ امام علیہ السلام نے دہلیز دروازہ کے پاس کھڑے ہو کر دعا: اللهم لیحیها حتی توصی بما تحب من وصیتها فاحیاها اللہ تعالیٰ۔ امامؑ نے بارگاہ احدیت میں دعا کی۔ تاکہ خدا اسے زندہ کرے اور وہ اپنے حسب منشا وصیت کرے۔ امامؑ کی دعا کے نتیجہ میں قادر مطلق نے اس کو زندہ کر دیا۔ اور وہ کلمہ شہادت پڑھتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

امام علیہ السلام کو دیکھ کر عرض کیا: ادخل البیت یا مولای و مرنی بامرك۔ میرے آقا اندر تشریف لائیے اور اپنے حکم سے آگاہ فرمائیے۔ چنانچہ امام عالی مقام اندر تشریف لائے اور تکیہ پر بیٹھ گئے۔ پھر اس مومنہ سے فرمایا: وصی یرحمك اللہ۔ خدا تم پر رحم کرے اپنی وصیت کر۔ اس نے عرض کیا یا ابن رسول اللہؐ میرے پاس اتنا اتنا مال ہے جو فلاں جگہ رکھا ہے۔ اس کا تیسرا حصہ تو میں آپؑ کی نذر کرتی ہوں تاکہ آپ جہاں مناسب سمجھیں اپنے محبوں میں صرف فرمائیں اور دو حصے اپنے اس بیٹے کو دیتی ہوں۔ بشرطیکہ آپؑ کے نزدیک آپؑ کے محبوں میں شامل ہو، ورنہ یہ بھی آپؑ کا مال ہے۔ فلا حق للمخالفین فی اموال المومنین۔ کیونکہ مخالفین کا اہل ایمان کے مال میں کوئی حق نہیں ہے۔ پھر اس مومنہ نے امامؑ سے التماس کیا کہ اس پر نماز جنازہ پڑھائیں۔ اور اس کی تجہیز و تدفین کا خود انتظام فرمائیں۔ اس کے بعد وہ سابقہ حالت کی طرف لوٹ گئی۔ (یعنی مر گئی)

(حاشر بحار صفحہ ۱۴۱ و ۱۴۲ و دمعہ ساکبہ صفحہ ۲۶۹ وغیرہ)

۱۶ ایوب بن اعین حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام

Scanned with CamScanner

کے زمانہ میں ایک عورت ایام حج میں طواف کر رہی تھی۔ اور اس کے پیچھے ایک مرد بھی طواف میں مشغول تھا۔ اثنائے طواف میں عورت نے اپنی کلائی باہر نکالی اور اس مرد نے اپنا ہاتھ اس کی کلائی پر رکھ دیا۔ خدا نے اس کا ہاتھ وہیں کلائی میں گاڑ دیا۔ طواف منقطع ہو گیا۔ لوگ اس مرد کو پکڑ کر حاکم مکہ کے پاس لے گئے۔ اس نے فقہا کی طرف رجوع کیا۔ سب نے یہی فتویٰ دیا کہ اس مرد کا ہاتھ کاٹ دینا چاہیے۔ کیونکہ اس نے خانہ خدا میں جرم شنیع کا ارتکاب کیا ہے۔

حاکم نے پوچھا آیا یہاں اولاد رسولؐ میں سے کوئی بزرگ موجود ہیں؟ لوگوں نے کہا ہاں۔ گزشتہ شب حضرت امام حسینؑ تشریف لے آئے ہیں۔ اس نے امام عالی مقامؑ سے دربار میں تشریف لانے کی استدعا کی۔ جب آپؑ تشریف لائے تو اس نے تمام صورت حالات عرض خدمت کی۔ فاستقبل القبلة و رفع یدیه فمکث طویلا یدعو۔ امام علیہ السلام رو بقبلہ دست دعا بلند کر کے کافی دیر تک دعا کرتے رہے۔ اس کے بعد وہاں تشریف لے گئے جہاں وہ مرد عورت کھڑے تھے۔ حتی خلص یده من یدها اور پھر اپنے دست حق پرست سے اس مرد کے ہاتھ کو عورت کے ہاتھ سے علیحدہ کر دیا۔ حاکم نے پوچھا کیا ہم اس مرد کو سزا نہ دیں۔ امامؑ نے فرمایا نہیں۔ (عاشر بحار الانوار صفحہ ۱۴۲، دمعة الساکبہ صفحہ ۲۶۹، مناقب شہر بن آشوب جلد ۴ صفحہ ۶۸، تظلم الزہراء صفحہ ۹)

۱۷ محمد بن عمارہ اپنے باپ سے اور وہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے اور وہ اپنے آباء و اجداد طاہرینؑ کے سلسلہ سند سے روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہل کوفہ حضرت امیر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خشک سالی کی شکایت کرتے ہوئے آنجنابؑ سے استدعا کی کہ آپؑ طلب باران کی دعا فرمائیں۔ آنجنابؑ نے اپنے شہزادہ امام حسینؑ کو حکم دیا کہ اٹھ کر ان کے لیے طلب باران کرو۔ فقام وحمدالله و اثنی علیه وصلی علی النبی و قال اللهم معطی الخیرات و منزل البرکات ارسل السماء علینا مدرارا الخ۔ شہزادہ نے کھڑے ہو کر پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر جناب رسول خداؐ پر درود و سلام بھیجا، اس کے بعد دعا کی: یا اللہ اے خیرات کے عطا کرنے والے اور برکات کے نازل کرنے والے موسلا دھار بارش برسا۔ راوی کہتا ہے: فما فرغ من دعائه حتی غاث الله غیثا بغتة۔ ابھی امام علیہ السلام دعا سے فارغ بھی نہیں ہوئے تھے کہ خداوند عالم نے اچانک باران رحمت نازل کر دیا۔ اور کوفہ کے اطراف و جوانب سے ایک اعرابی آیا اور ذکر کیا کہ اس قدر بارش ہوئی ہے کہ کوفہ کے تمام نشیب و فراز والے مقامات لبریز ہو گئے ہیں۔ (عاشر بحار صفحہ ۱۴۳، دمعہ ساکبہ صفحہ ۲۷۰ وغیرہ)

۱۸ جب امام علیہ السلام نے عراق جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت ام سلمہؓ نے ان کو یہ کہہ کر اس ارادہ

Scanned with CamScanner

سے روکنے کی کوشش کی کہ میں نے جناب رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میرا بیٹا حسینؑ عراق میں شہید کیا جائے گا۔ اور میرے پاس ایک شیشی میں اس جگہ کی مٹی بھی ہے۔ یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا: انی واللہ مقتول کذلك و ان لم اخرج الی العراق یقتلونی و ان احببت ان ار یك مضجعی و مضجع من یشتشهد معی فعلت۔ خدا کی قسم میں ضرور اسی طرح شہید کیا جاؤں گا۔ (جس طرح میرے جد نامدار نے خبر دی ہے) اور اگر میں عراق نہ بھی جاؤں تو بھی یہ ظالم مجھے ضرور قتل کر ڈالیں گے۔ پھر فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں ابھی آپ کو اپنی اور اپنے اصحاب کی قتل گاہ بھی دکھادوں۔ جناب ام سلمہؓ نے کہا: قد شئت۔ ہاں، میں دیکھنا چاہتی ہوں۔ فتکلم باسم اللہ عز و جل الاعظم فانخفضت الارض حتی اراها مضجعه و مضجعهم فاعطاها من التربة الخ۔ امام علیہ نے اسم اعظم پڑھا۔ پس فورا زمین پست ہوگئی۔ امام علیہ السلام نے جناب ام سلمہؓ کو اپنی اور اپنے اصحاب واعزہ کی قتل گاہ دکھائی۔ اور کچھ خاک کربلا بھی ان کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا: فاذا فاضت دما فاعلمی انی قتلت۔ جب اس سے خون ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ میں شہید ہوگیا ہوں۔ جناب ام سلمہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب روز عاشورہ ظہر کے بعد میں نے دونوں شیشیوں کو دیکھا تو ان سے خون ابل رہا تھا۔ اس وقت میں پھوٹ کر روئی۔ (نفس المهموم صفحہ ۸۸ وغیرہ)

❶ معجزہ ردالشمس میں تمام ارباب سیر وتواریخ نے یہی لکھا ہے کہ چونکہ جناب رسول خداؐ کو وحی ہو رہی تھی، اور آپؐ کا سر اقدس حضرت امیر علیہ السلام کے زانو پر تھا۔ جناب امیر علیہ السلام نماز نہ پڑھ سکے۔ (بروایتے اشارے سے ادا فرمائی) جب سلسلہ وحی ختم ہوا تو سورج غروب ہو چکا تھا۔ جناب امیرؑ کی نماز کی حقیقت حال معلوم ہوئی تو بارگاہ ایزدی میں یوں دعا کی:

اللهم ان کان علی فی طاعتك و طاعة رسولك فرد علیه الشمس یصلی صلوته

(الدمعة الساکبه جلد ۱ صفحہ ۱۳۲)

پس حضرت دعا کرد که خداوندا علی در طاعت تو و طاعت رسول تو بود۔ آفتاب را بگردان۔ (حق الیقین علامہ مجلسیؒ صفحہ ۳۲)

بارالہا! چونکہ علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں مشغول تھا، اس لیے آفتاب کو پلٹا دے۔ چنانچہ آفتاب فضیلت عصر کے وقت تک پلٹ آیا۔ اس واقعہ سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے دعا کی اور خدا نے سورج کو پلٹایا۔

❷ اسی طرح معجزہ شق القمر کے وقت آنحضرتؐ کا بارگاہ ایزدی میں دعا کرنا کتب سیر وتواریخ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

میں مذکور ہے۔ فسئل رسول اللہ ربہ ان یعطیہ ما قالوا فانشق القمر فلقتین۔ یعنی آنحضرتؐ نے اپنے پروردگار سے سوال کیا کہ کفار قریش جو مطالبہ کر رہے ہیں وہ آپ کو عطا فرمائے۔ چنانچہ فوراً چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ (الدمعۃ الساکبہ صفحہ ۳۱) اس سے ظاہر ہے کہ دعا آنحضرتؐ نے کی اور چاند کو دو ٹکڑے خدا نے کیا۔

اگر بنظرِ غائر معجزات رسول خداؐ و ائمہ ہدیٰؑ کا جائزہ لیا جائے تو ہر جگہ یہی سلسلہ جاری و ساری نظر آئے گا۔ فکشفنا عنك غطائك فبصرك الیوم حدید۔

ایک ضروری وضاحت

یہ اور بات ہے کہ موقع و محل کے مناسبت سے بعض اوقات معجز نما چند رکعت نماز پڑھتا ہے۔ بعض اوقات طویل دعا و پکار کے بعد معجزہ دکھاتا ہے۔ بعض اوقات بظاہر کچھ بھی نہیں ہوتا، بلکہ براہ راست کسی چیز کو کوئی حکم دے دیتا ہے اور وہ چیز حسب الحکم ویسی ہو جاتی ہے۔ جیسے جناب امام موسیٰ کاظمؑ کا شیر قالین کو مجسم شیر بن کر ہارون عباسی کے جادوگر کو نگلنے کا حکم دینا اور اس کا فی الفور حقیقی شیر بن کر اس کو لقمہ بنا لینا وغیرہ۔

یہاں بھی درحقیقت اسم اعظم ہی کا کرشمہ کارفرما ہوتا ہے۔ قرآن میں موجود ہے کہ جناب آصف بن برخیا نے آنکھ جھپکنے سے پہلے چھ ماہ کی مسافت سے تخت بلقیس کو حاضر کر دیا تھا۔ قرآن میں کہیں کچھ پڑھنے پڑھانے کا کوئی تذکرہ نہیں۔ لیکن ابھی ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں اوپر ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان کے پاس اسم اعظم کا ایک حرف تھا، جس کے ذریعہ دعا کی تھی اور خدا نے تخت حاضر کر دیا تھا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا کے لیے کوئی لمبا چوڑا وقت درکار نہیں ہے۔ بس ادھر ارادہ ہوا، خدا سے قلبی رابطہ قائم کیا، ادھر براہ راست اس شی کو حکم دے دیا۔ خدا فوراً اس کا اثر ظاہر کر دیتا ہے۔ اب ایک ظاہر بین تو اس کو یقیناً اس معجز نما کا ہی فعل سمجھے گا۔ مگر جس کی نگاہ دور بین اصل حقائق پر ہو گی وہ یہ کہے گا کہ:

المعجزات فعل القادر المختار الذی لا یشبہ المخلوقین لانفعل المحدث المحتاج المشارك للضعفاء فی صفات الضعف۔

(ارشاد امام الرضاؑ۔ احتجاج طبرسی صفحہ ۲۴۲)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مُعجزہ بر دلیل متاخرین و علماء متاخرین کی تحقیقات کی روشنی میں

اس سلسلہ میں اس قدر علماء اعلام کے کلام حقیقت ترجمان پیش نظر ہیں کہ سب کے پیش کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ مگر اختصار مانع ہے۔ اس لیے صرف مشاہیر اعاظم کے بیانات شافیہ کو نحل البصیرت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

❶ علامہ ابوالفتح الکراجکی (تلمیذ رشید حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ) اپنی مشہور کتاب کنز الفوائد صفحہ ۱۱۰ طبع ایران پر تحریر فرماتے ہیں:

و ان اللہ فضلھم علی خلقہ و جعلھم خلفاء القائمین بحقہ و انہ اظھر علی ایدیھم المعجزات تصدیقا لھم فیما ادعوہ من الانباء و الاخبار۔

یعنی خداوند عالم نے ائمہ طاہرین کو اپنی تمام مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی ہے اور ان کو اپنے حقوق کے بجا لانے والے خلفاء و پیشوا بنایا ہے۔ اور ان کے ہاتھوں پر معجزات کو ظاہر کیا، تاکہ ان کے اخبار و بیانات کی تصدیق ہو جائے۔

اسی کتاب مستطاب کے صفحہ ۱۱۳ پر اس مطلب کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

و الایات التی تظھر علی ایدیھم ھی فعل اللہ دونھم اکرمھم بھا و لا صنع لھم فیھا و انھم بشر محدثون و عباد مصنوعون لا یخلقون و لا یرزقون۔

یعنی وہ آیات و معجزات جو ائمہ اطہارؑ کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتے ہیں وہ خدا کا فعل ہیں۔ ان بزرگواروں کا فعل نہیں، خدا نے ان کے ہاتھوں پر انھیں ظاہر کر کے ان کی توقیر و تکریم ظاہر فرمائی ہے۔ ان حضرات کو ان امور میں کوئی دخل نہیں۔ اور یہ بزرگوار بشر حادث ہیں۔ (نہ قدیم) اور خدا کے پیدا کیے ہوئے (خاص) بندے ہیں۔ یہ نہ پیدا کرتے ہیں اور نہ ہی رزق دیتے ہیں۔

❷ حضرت شیخ طوسیؒ، شیخ طبرسیؒ اور جناب ملا محسن فیض کاشانیؒ کی اس سلسلہ میں تحقیقات انیقہ اسی باب میں اس مسئلہ کی پہلی آیت مبارکہ کی تفسیر میں ان کی تفاسیر تبیان، مجمع البیان اور صافی سے پیش کی جا چکی ہیں کہ سب حضرات معجزہ کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ فراجع۔

مزید برآں آخر الذکر کی کتاب علم الیقین صفحہ ۱۰۸ سے یہاں ایک حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ جناب موصوف آنحضرتؐ کے دلائل نبوت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قد خرق اللہ العادۃ علی یدہ صلی اللہ علیہ و آلہ غیر مرۃ اذ شق القمر بمکۃ لما سئلتہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

القمر بیش ۔

یعنی خداوند عالم نے آنحضرتؐ کے دست حق پرست پر کئی مرتبہ خارق عادت امور (معجزات) کو ظاہر فرمایا، جیسے ان کے لیے مکہ میں شق القمر کیا۔ جب کہ کفار قریش نے آپؐ سے یہ معجزہ طلب کیا تھا۔

● حضرت علامہ حلی علیہ الرحمہ شرح تجرید صفحہ ۲۱۸ شرائط معجزہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الثانی ان یکون من قبل اللہ او بامرہ۔ دوسری شرط یہ ہے کہ معجزہ منجانب اللہ یا اس کے امر سے ہو۔ (اس بامرہ کی وضاحت اسی باب کے آخر میں بذیل ازالۂ شکوک و شبہات ملاحظہ ہو)

● سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

من اعتقد انّ المعجزات و الکرامات من فعل النبی و الامام فلیس فی کفرہ ریب و لا شک۔

جو شخص یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ معجزہ نبیؐ اور امامؑ کا فعل ہے اس شخص کے کفر میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ (علی ما نقلہ فی کتاب سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات صفحہ ۳۱ طبع ایران)

اسی طرح تیسرے باب میں تفویض کے متعلق ان کی مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۹۲ و بحار جلد ۷ صفحہ ۳۶۵ سے جو مفصل بیان پیش کیا جا چکا ہے اس میں بھی انھوں نے اس بات کی صراحت کی ہے کہ معجزات کو خدا اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر کرتا ہے۔ فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ یفعلھا مقارنا لا رادتھم کشق القمر و احیاء الموتیٰ و قلب العصا حیتہ وغیر ذلک من المعجزات فان جمیعھا انما تقع بقدرتہ سبحانہ مقارنا للارادتھم لظھور صدقھم۔

یعنی جب یہ بزرگوار کسی (خارق عادت) چیز کا ارادہ کریں تو خدا ان کے ارادہ کے ساتھ ہی وہ کام کر دیتا ہے جیسے چاند کا شگافتہ کرنا، مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا اژدہا بنانا وغیرہ۔ کیونکہ جس قدر معجزات ہیں وہ سب کے سب خدا کی قدرت سے ہی واقع ہوئے ہیں۔ مگر ان حضرات کے ارادہ اور خواہش کے ساتھ تاکہ ان کی صداقت و حقانیت ظاہر ہو جائے۔

● حضرت قاضی نور اللہ شوستری (شہید ثالث علیہ الرحمہ) نے اپنی کتاب احقاق الحق جلد ۱ صفحہ ۷۵ طبع مصر پر حضرت علامہ حلی کی کتاب کشف الحق و نہج الصدق کی یہ عبارت نقل کی ہے:

قالت الامامیۃ لا یحسن فی حکمۃ اللہ تعالیٰ ان یظھر المعجزات علی ید الکذابین

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

و لا یصدق المبطلین ؑ ۔

تمام شیعہ امامیہ کہتے ہیں کہ یہ امر خدا کی حکمت کے منافی ہے کہ جھوٹوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر کرے اور باطل پرستوں کی تصدیق کرے۔ (بلکہ وہ تو صرف سچے مدعیان نبوت و امامت کے ہاتھوں پر ہی معجزات ظاہر کرتا ہے) اس کلام پر ابن روزبہان سنی نے جو اعتراض کیا ہے حضرت شہید ثالثؒ نے اس کا جواب دے کر علامہ کی فرمائش کو صحیح ثابت فرمایا ہے۔ شکر اللہ سعیھم۔

● عالم ربانی جناب سید ہاشم بحرانی قدس سرہٗ اپنی کتاب "مدینۃ المعاجز" (جو کہ معجزات کی سب سے زیادہ ضخیم کتاب ہے) کے مقدمہ صفحہ ۵ طبع ایران پر معجزہ کی تعریف کرنے کے بعد اسے فعل خدا بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

و اعلم ان المعجزات من الانبیاء و الائمۃ دلیل علی صدقھم علی اللہ سبحانہ فی دعواھم النبوۃ و الامامۃ لان المعجز الخارق للعادۃ فعلہ تعالی و اقدارہ علی ذلک منہ جل جلالہ۔

جاننا چاہیے کہ انبیاء و ائمہ کے معجزات ان کی صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں۔ کیونکہ معجزہ خارق عادت خدا کا فعل ہے اور اس کی انجام دہی اسی کی قدرت کاملہ سے ہوتی ہے۔ (پھر اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں حضرت امام رضاؑ کا وہ ارشاد نقل کیا ہے جسے ہم سطور بالا میں پیش کر چکے ہیں)

قال الرضا لما ظھر من علی الفقر و الفاقۃ دل ذلک علی ان المعجزات فعل القادر المختار ؑ

● حضرت علامہ سید دلدار علی لکھنوی (غفرانمآب علیہ الرحمہ) عماد الاسلام جلد ۲ صفحہ ۲۳۲ پر معجزہ اور شعبدہ وغیرہ امور میں فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و اللہ سبحانہ ھو المظھر لھا تصدیقا للنبی او الوصی و انما یظھرھا علی یدیہ عند دعائہ و دعواہ و ھو لم یتکلم فی ذلک شیئا و لا استعان فیہ بعلاقۃ و لا معالجۃ و لا اداۃ و لا الۃ

و انھا علی الوجہ الناقض للعادات و الباھر للعقول و القاھر للنفوس ؑ ۔

یعنی خداوند عالم ہی معجزہ کو نبیؑ و امامؑ کی تصدیق کی خاطر ظاہر کرتا ہے اور وہ اس کا اظہار ان کے دعویٰ (نبوت یا امامت) اور ان کی دعا کے وقت کرتا ہے۔ نبیؑ و امامؑ نہ تو کوئی کلام کرتا ہے (منتر وغیرہ کچھ نہیں پڑھتا) اور نہ ہی کسی مادی چیز سے امداد حاصل کرتا ہے۔ اور نہ ہی کسی اور آلہ کو استعمال کرتا ہے اور معجزہ ہوتا بھی ایسا ہی ہے کہ جو خارق عادت اور عقول و نفوس کو مغلوب و مقہور کر دیتا ہے۔

● حضرت مولانا سید حسین لکھنویؒ حدیقہ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۷۹ پر ہر قسم کی تفویض استقلالی وغیر استقلالی کو باطل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

آرے در موارد خاصه اظهار المعجزه خداوندعالم بردست ایشان امورے چند خارق عادت ظاهـر می سازد و از یں جاست که معجزه را فعل خدا می گو یند که بردست پیغمبرؐ و امامؑ بنا بر غرض تصدیق شان جاری می فرمائد ۔کما صرح به المتکلمون و نص علیه الرضا علیه التحیة و الثنا فقال رد اعلی الغـلاة لما ظهـر من علی الفقر و الفاقة ۔

ہاں البتہ بعض مخصوص مقامات پر بطور اظہار معجزہ خداوندعالم ان بزرگواروں کے دست حق پرست پر چند خارق عادت امور کو جاری کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ معجزہ کو فعل خدا کہتے ہیں۔ جے خدا نبیؐ وامامؑ کے ہاتھوں پر ان کی تصدیق کے لیے جاری کرتا ہے۔ جیسا کہ علماء متکلمین نے اس کی تصریح کر دی ہے۔ اور حضرت امام رضا علیہ التحیۃ والثناء نے بھی غالیوں کی رد فرماتے ہوئے اس بات پر نص فرمائی ہے کہ جب حضرت علیؑ سے فقر و فاقہ ظاہر ہوا تو اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ ان کا فعل نہیں ہے۔ ۔

❶ مولانا الشیخ محمد تقی الحنفی اپنی کتاب عنایات رضویہ صفحہ ۵ پر معجزہ کو دلیل نبوت و امامت ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

بل المعجزات کلها من فعل الله سبحانه الجاری بایدیهم فلو لم یکونوا صادقین کان اجراء المعجزة بایدیهم قبیحاً مستلزماً للاغراء بالجهل و التباس الحق بالباطل بل هو کذب فعلی من الله تعالیٰ عن ذلك علوا کبیراً و ح فنقول لا ر یب ان الرسول ادعی الرسالة و الولی ادعی الولایة و الوصایة و قد اجری الله تعالیٰ بایدیهم المعجزات الباهرات فهم مصدقون بتصدیق الله تعالیٰ ایاهـم فالرد علیهم رد علی الله سبحانه و تصدیقهـم تصـدیق لفعل الله سبحانه ۔

یعنی یہ تمام معجزات خداوندعالم کا فعل ہیں جو انبیاءؑ وائمہؑ کے ہاتھوں پر جاری ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر یہ بزرگوار اپنے دعویٰ میں صادق نہ ہوتے تو ان کے ہاتھوں پر معجزات کا ظاہر کرنا قبیح، اغراء بالجہل اور حق و باطل کے درمیان التباس کو مستلزم ہوتا، بلکہ خدا کا کذب فعلی ہوتا۔ جس سے اس کی شان اجل وارفع ہے۔ اس تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ نبیؐ نے دعوائے نبوت اور ولی نے دعوائے ولایت و وصایت کیا ہے اور خدا نے ان کے ہاتھوں پر معجزات ظاہر فرمائے ہیں۔ لہٰذا یہ مصدق بتصدیق اللہ ہیں۔ ان کا انکار خدا کا انکار اور ان کی تصدیق خدا کے فعل کی تصدیق ہے۔

Scanned with CamScanner

❿ حضرت مولانا السید اسماعیل الطبرسی النوری کفایۃ الموحدین جلد ۱ صفحہ ۲۷ پر معجزات کو خداوند عالم کی ہستی کی دلیل قرار دیتے ہوئے اور بعض معجزات مثل احیاء موتی وشق القمر وغیرہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

و بر هر عاقلے ظاهر است که همه اینها فوق طاقت بشر است پس از ملاحظه این معجـزات قطع خواهد از برائے شخص حاصل شد که البته خدائے باشد که همه اینها را از برائے اظهار حقیقت ایسان جاری گرداند۔

یعنی ہر عقل مند پر یہ بات واضح ہے کہ یہ تمام معجزات طاقت بشری سے باہر ہیں۔ لہٰذا یہ معجزات دیکھنے سے آدمی کو یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ ایک ایسا خدائے قادر وقیوم موجود ہے جو ان بزرگواروں کی تصدیق کے لیے یہ سب معجزات ظاہر کرتا ہے۔

⓫ حضرت مولانا السید حیدر الکاظمینی اپنے رسالہ عقائد میں لکھتے ہیں:

(علی ما نقله فی الاحقاق) ان الله یفعل ذلك مقارنا لارادتهم کشق القمر و احیاء الموتی و قلب العصاحیة وغیر ذلك من المعجزات کان جمیع ذلك انما یحصل بقدرته تعالیٰ مقارنا لارادتهم لظهرور صدقهم۔

خداوند عالم انبیاءؑ وائمہؑ کے ارادہ و خواہش کے مطابق یہ امور ظاہر کرتا ہے۔ جیسے چاند کا شگافتہ کرنا، مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ۔ یہ سب امور خدا کی قدرت وطاقت مگر صاحب اعجاز کے ارادہ و خواہش کے وقت ظاہر ہوتے ہیں، تاکہ ان کی صداقت وحقانیت اجاگر ہو جائے۔

⓬ فاضل اجل آقا ملا مہدی نراقی قدس سرہ اپنے رسالہ انیس الموحدین فی معرفۃ اصول الدین کے صفحہ ۱۱ اور صفحہ ۱۳ پر لکھتے ہیں کہ: معجزہ کارِ بشر نیست۔ معجزہ انسان کا کام نہیں ہے۔ (بلکہ خدا کا کام ہے۔)

⓭ فاضل جلیل حضرت آقا سید حبیب اللہ الموسوی الخوئی اپنی کتاب منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۰ (طبع قدیم وجدید جلد ۴ صفحہ ۳۶۴) پر لکھتے ہیں:

و ان کان مرادهم ان الله یفعل الاشیاء مقارنا لارادتهم کشق القمر و احیاء الموتی و قلب العصاحیة و غیر ذلك من المعجزات بمعنی ان یکون الفاعل حقیقة هو الله سبحانه و یکون هو الخالق و الرازق و المحیی و الممیت و الضار و النافع الا ان ذلك لما کان مقارنا لا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

رادتهم و مقترنا لمشیتهم فاطلق ذلك علیهم مجازاً ۔

اگر ان لوگوں (مُفوضہ) کی مراد یہ ہے کہ ان بزرگواروں کے ارادہ کے وقت خدا ہی تمام امور کو انجام دیتا ہے۔ جیسے شق القمر کرنا، مردوں کا زندہ کرنا اور عصا کا سانپ بنانا وغیرہ بایں معنی کہ ان امور کا حقیقی فاعل خدا ہی ہے اور وہی درحقیقت خالق و رازق، محیی و ممیت اور ضار و نافع ہے۔ مگر چونکہ ان امور کا ظہور ان بزرگوں کی مشیت و خواہش کے وقت کرتا ہے اس لیے مجازاً ان امور کی نسبت ان ذوات مقدسہ کی طرف دے دی جاتی ہے۔ (تو یہ اور بات ہے) جسے تفویض کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔

❹ فاضل نبیل حضرت آقا السید مہدی الکاظمی القزوینیؒ اپنی کتاب ظہور الحقیہ صفحہ ۵۲ طبع النجف پر لکھتے ہیں:

لقیام ضرورة الدین المستفادة من نصوص القرآن المبین و سنن سید المرسلین المتظافرة التی دلت ان هذه التی قد نسبها المتصر لغیر الله سبحانه هی افعاله سبحانه وحده ولیس لغیره فیها دخل بوجه من الوجوه ۔

(اس بیان کا پس منظر یہ ہے کہ حضرت آقا سید حیدر کاظمی کا مذکورہ بالا کلام نقل کرنے کے بعد صاحب رسالہ احقاق نے جو کہ شیخی ہے اس پر اعتراض کرتے ہوئے معجزات کو فعل نبیؑ و امامؑ قرار دینے کی ناکام کوشش کی تھی۔ اس کا جواب دیتے ہوئے اور ان افعال کو فعل خدا ثابت کرتے ہوئے حضرت آقا سید مہدی فرماتے ہیں:) "یہ امر ضروریات دین میں سے ہے جو کہ نصوص قرآنیہ، احادیث متظافرۂ نبویہؐ سے ثابت ہے کہ یہ افعال جن کو صاحب احقاق نے غیر خدا کی طرف منسوب کیا ہے یہ دراصل خدا کے افعال ہیں۔ غیر خدا کو (خواہ نبیؑ ہو یا امامؑ) ان میں سے ہرگز کسی قسم کا کوئی دخل نہیں ہے"۔

❺ حضرت آقا السید عبد الحسین طیب اپنی کتاب الکلم الطیب جلد ۱ صفحہ ۲۴۷ پر کسی بھی نبیؑ کی نبوت کے اثبات کے طریقوں سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اول از راه معجزه و آن کارے است از کارهائے خدا که بر خلاف عادت و قواعد طبیعی و طرق کسبی و تحصیلی باشد، مردم از آوردن مثل آن عاجز باشند که خداوند برائے اثبات صدق پیغمبرش بدست او جاری می کند۔

Scanned with CamScanner

یعنی سب سے پہلا طریق مُعجزہ ہے اور مُعجزہ خدا کے کاموں میں سے وہ کام ہے جو عادت و نیچر طبیعی قواعد اور کسبی و تحصیلی طرق کے خلاف ہو اور تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں۔ اسے خداوند عالم اپنے پیغمبرؑ کی صداقت کو ظاہر کرنے کے لیے اس کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے۔

⑯ حضرت آقا الشیخ حبیبؒ اپنے رسالہ نعم الزاد لیوم المعاد صفحہ ۲۲ مطبوعہ نجف اشرف پر اس امر کی وضاحت کرتے ہوئے کہ مُعجزہ کی نسبت خدا و مُعجز نما ہر دو کی طرف جو ہوتی ہے اس کی کیفیت کیا ہے؟ لکھتے ہیں:

فلما ظهرت هذه الاثار على ايديهم نسبت اليهم و ان كان الفاعل لها هو الله لا غيره فمن جهة ظهورها منهم و بروزها عنهم تنسب اليهم و من حيث ان الله هو الفاعل لها على ايديهم تنسب الى الله لا غير و لذا قال سبحانه و تعالىٰ الله الذى خلقكم ثم رزقكم الآيه على سبيل الحصر ۱۲

یعنی چونکہ ان آثار و مُعجزات کا ظہور انبیاء و ائمہ کے ہاتھوں پر ہوتا ہے اس لیے ان امور کی نسبت ان حضرات کی طرف دے دی جاتی ہے۔ اگرچہ ان کا حقیقی فاعل خدا ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا ظاہری ظہور و صدور کی وجہ سے ان کی طرف منسوب کیے جاتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ ان کا ظاہر کرنے والا اور ان کا حقیقی فاعل خدا ہے اس بنا پر صرف اسی کی طرف ان کی نسبت دی جاتی ہے۔ اسی لیے خدا بطور حصر فرماتا ہے: خدا وہی ہے جس نے تمھیں پیدا کیا، پھر رزق دیا۔ ۱۲

⑰ حضرت مولانا السید کلب باقر الجائسی الحائریؒ اپنے رسالہ کشف الحال طبع لکھنو صفحہ ۲۶ پر لکھتے ہیں:

باآنکہ معجزہ فعل خدا است کہ بردست انبیاء واوصیاء جاری می فرماید

علاوہ بریں مُعجزہ فعل خدا ہے، جسے وہ اپنے انبیاء و اوصیاء کے ہاتھوں پر جاری کرتا ہے۔

⑱ حضرت آقا الشیخ محمد رضا مُظفر النجفی اپنے رسالہ عقائد الشیعہ صفحہ ۲۸ طبع نجف اشرف زیر عنوان "عقیدتنا فی مُعجزۃ الانبیاء" ضرورت مُعجزہ پر تبصرہ کرنے کے بعد اس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:

ذلك الدليل لابد ان يكون من نوع لا يصدر الا من خالق الكائنات و مدبر الموجودات (اى فوق مستوى مقدور البشر) فيجريه على يدى ذلك الرسول الهادى ليكون معرفا به و مرشدا اليه و ذلك الدليل هو المسمى بالمعجز او المعجزة۔

یعنی یہ دلیل (مُعجزہ) ایسی ہونی چاہیے کہ سوائے کائنات کے خالق اور موجودات کے مدبر (خدا) کے اور کسی سے صادر نہ ہو سکے۔ یعنی طاقت بشری سے بالاتر ہو۔ وہ (خدا) اسے اس رسولؐ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے ہاتھوں پر اس لیے ظاہر کرتا ہے تاکہ اس کی صداقت وحقانیت کی دلیل قرار پا سکے۔ ایسی دلیل کو مُعجزہ کہا جاتا ہے۔

۱۹ علامہ سید ابو الفضل برقعی اپنے رسالہ درسے از ولایت صفحہ ۵۴ و ۵۵ طبع تہران پر تحریر فرماتے ہیں:

آیات قرآن و روایات صریح میگو یند معجزہ کار انبیاء و اوصیاء نیست بلکہ کار خدا است۔ پس ایشاں کار خدا نمی کنند خدا خود ش خرق عادات و ایجاد معجزہ می کند تا شہادت الٰہی باشد بر صدق نبی یا وصی ؑ۔

یعنی آیات وروایات سے صراحۃً ظاہر ہے کہ مُعجزہ انبیاءؑ واوصیاءؑ کا فعل نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا فعل ہے۔ لہٰذا یہ بزرگوار خدا والا کام نہیں کرتے۔ بلکہ خود خدائے قدیر مجرائے طبیعی کے خلاف مُعجزہ کو ایجاد کرتا ہے، تاکہ نبیؑ یا وصیؑ کی صداقت کی دلیل وشہادت بن سکے۔

بعد ازاں اس عالم جلیل نے مُعجزہ کے فعل خدا ہونے پر قطعی دلائل پیش کیے ہیں۔ فراجع (کذا فی کتاب عقل ودین جلد ۱ صفحہ ۱۳۸)

۲۰ فاضل محترم الشیخ آقائے محمد آصف المحسنی اپنی کتاب صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۴۵ طبع النجف پر شرح تجرید علامہ حلی (صفحہ ۲۱۸) میں وارد شدہ عبارت ان یکون من قبل اللہ او بامرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لکنہ عندی مستدرك بعد اعتبار عدم امکان معارضتھا لاحد کما ستعرفہ فالمعجزۃ لاتکون الا من قبل اللہ۔

یعنی میرے نزدیک یہ قید (اوبامرہ) زائد ہے۔ کیونکہ جب مُعجزہ (حقیقت میں یہ چیز) مُعتبر ہے کہ کوئی اس کا معارضہ ومقابلہ نہیں کرسکتا تو بعد ازیں یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ مُعجزہ خدا کی طرف سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔

۲۱ فاضل عبدالرزاق لاہجی اپنے رسالہ سرمایۂ ایمان صفحہ ۶۱ پر لکھتے ہیں:

دلالت معجزہ بر صدق صاحب معجزہ بنا بر آنست کہ چوں صدورش بمحض ارادہ الٰہی است بیواسطہ اسباب عادیہ پس ہر گاہ مقارن دعوی شخصے شود مر اختصاص را از جانب الٰہی مثل آن باشد کہ۔ ؑ۔

Scanned with CamScanner

یعنی معجز نما کی صداقت پر معجزہ کی دلالت اس طرح ہے کہ چونکہ معجزہ کا صدور اسباب عادیہ کے بغیر محض خدا کے ارادہ سے ہوتا ہے۔

- فاضل جلیل میرزا ابوالحسن الشریف نے اپنی کتاب "مرآۃ الانوار" صفحہ ۶۴ پر بلا نقد و تبصرہ امام رضا علیہ السلام کا یہ ارشاد نقل کیا ہے کہ:

فعلم بهذا ان الذی اظهر من المعجزات انما کان فعل القادر الذی لا یشبه المخلوقین لا فعل المحدث المحتاج۔ الخ۔

اس سے معلوم ہوا کہ معجزات اس قادر مطلق کا فعل ہیں جو اپنی مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی مشابہت نہیں رکھتا۔ یہ حادث و محتاج مخلوق کا فعل نہیں ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ جناب موصوف معجزہ کو فعل خدا سمجھتے ہیں، بلکہ انھوں نے اس مقام پر اس فرمان امامؑ کو پیش ہی اسی لیے کیا ہے کہ کم عقل و جاہل لوگ انبی معجزات کو دیکھ کر اہل بیتؑ کو خدا سمجھ بیٹھے۔ اگر ان کو علم ہوتا کہ یہ قادر مطلق کا فعل ہیں تو گمراہ نہ ہوتے۔ فراجع

- جناب آقائے محمد باقر اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب الدمعۃ الساکبہ جلد ۳ صفحہ ۵۹ پر حضرت امام رضا علیہ السلام کی یہی حدیث شریف نقل کی ہے۔ جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ارشاد امامؑ کے مطابق ان کا بھی یہی عقیدہ ہے کہ معجزہ فعل خدائے قادر مختار ہے۔

- علامہ سید ابوالقاسم الرضوی (والد علامہ حائریؒ) اپنی کتاب "معارف الملة الناجیه و الناریه" صفحہ ۲۳۸ پر فرماتے ہیں:

اما هر معجزه فعل خدا یا بامر خدا باشد۔ یا تمکین می دهد نبی را بر اتیان و ایجاد فعل خارق و آن فعل را خدا افریند بر دست نبی باراده تصدیق او۔

یعنی ہر معجزہ خدا کے فعل یا اس کے امر سے وجود میں آتا ہے، یا وہ اپنے نبی کو خارق عادت امر کے ایجاد کی تمکین دیتا ہے بایں طور کہ خدا اسے نبی کے ہاتھ پر بغرض تصدیق اس فعل کو پیدا کر دیتا ہے۔

- رسالہ حقائق مذہب شیعہ تفسیر اہل بیتؑ کی روشنی میں جو ہمارے ۳۲ عدد کرمفرماؤں کی کدو کاوش اور فکری تراوش کا نتیجہ ہے، اس کے صفحہ ۱۴ و ۱۵ پر سوال نمبر ۲۱ کہ: "معجزات و کرامات افعال خداوندی ہیں یا افعال انبیاء و مرسلین و ائمہ طاہرین علیہم السلام" کے جواب میں لکھا جاتا ہے:

"بعض معجزات کا فاعل خدا ہے، جن میں نبیؑ و امامؑ کی قوت کا دخل نہیں۔ جیسے حضرت موسیٰؑ کے لیے دریا یا سمندر میں راستہ، پتھر سے بارہ چشمے، عصا سے اژدہا وغیرہ۔ اور

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بعض معجزات اس معنی سے کہ اس غیر عادی کے ظہور میں آنے کی تاثیر خدا کی جانب سے عطا ہوتی ہے۔ ان کا فاعل خدا ہے اور اس معنی سے کہ اس امر غیر عادی کا ظہور بارادۂ نبیؐ و امامؑ ان کے ہاتھ پر ہوا، ان کا فاعل نبیؐ و امامؑ ہوتا ہے"۔

لیجیے بات صاف ہوگئی کہ معجزات کا حقیقی فاعل خدا ہے۔ ہاں اس اعتبار سے کہ ان خارق عادت امور کا ظہور و بروز نبیؐ و امامؑ کے ہاتھ پر ہوتا ہے اس لیے ان کی طرف بھی نسبت دینا درست ہے۔

خلاصہ یہ نکلا کہ معجزات کا فاعل حقیقی خدا اور مجازی فاعل نبیؐ و امامؑ ہوتا ہے۔ جہاں تک اس جواب میں قدرے اجمال یا لفظوں کے ہیر پھیر کا تعلق ہے تو ہم ان حضرات کو ان کی مخصوص مجبوریوں کے پیش نظر مجبور و معذور سمجھتے ہیں۔ ان کا اس قدر اعتراف حق بھی غنیمت ہے۔ امید ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد الفاظ کے ایچ پیچ کا سہارا بھی نہیں لیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔ بہرحال ؎

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

(۲۶) صاحب حقائق الوسائط نے اگرچہ ساری کتاب میں بار بار یہ رٹ لگائی ہے کہ یہ حضرات فاعل معجزہ ہیں (صفحہ ۲۰ وغیرہ) معجزہ کا حقیقی فاعل خدا کو سمجھنے والوں پر خوف خدا سے بالا ہو کر مجبر و مجوسی ہونے کا کافرانہ فتویٰ بھی عائد کیا ہے۔ (صفحہ ۲۸۶ وغیرہ) اور اسے کمزوری ایمان کی دلیل قرار دیا ہے۔ (معرفت محمدؐ و آل محمد صفحہ ۱۲) لیکن صفحہ ۳۱۳ پر پہنچ کر ہمارے دلائل حقہ کا وہ گرز گران سر پر غرور پر صاعقہ طور کی طرح لگا کہ جس سے منہ کے بل زمین پر گر پڑے اور سارا تکبر و پندار خاک میں مل گیا۔ خود اپنے بنے و بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے۔ گھٹنے ٹیک دیے، اور اپنے فتووں کی زد میں خود آ کر راہیٔ وادیٔ برہوت ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ لکھتے ہیں:

"اور ہم نے مکمل طور پر جناب رسالت مآبؐ کا مناظرہ تحریر کر دیا ہے۔ اس سے ہماری تحقیق لفظ معجزہ کی پوری تائید ہوتی ہے۔ یعنی یہ امر واضح ہوگیا کہ اصطلاح معجزہ کا وجود خال خال ہوتا ہے اور وہ مدمقابل کے مطالبہ کے وقت دکھایا جاتا ہے۔ اور وہ سفارت کی سند کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں سفیر خدا کو کوئی دخل نہیں ہوتا، وہ صرف سند کا اظہار کرنے پر مامور ہوتا ہے۔ نہ وہ اس کو تبدیل کر سکتا ہے اور نہ وہ مبعوث الیہم (جن کی طرف سفیر بنا کر بھیجا گیا ہے) کے اعتراضات اور جاہلانہ مطالبات سے متاثر ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بھیجنے والے پر کامل ایمان رکھتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی حکیم نہیں۔ اس سے بڑھ کر کوئی

Scanned with CamScanner

قادر نہیں۔ اس نے جو سند سفارت تجویز فرمائی اور سفیر کو دے کر بھیجا ہے یہی درست ہے اور نا قابل اعتراض ہے۔ اور اس میں تبدیلی کا خیال بھی ایمان سے خروج ہے۔ خواہ کوئی قبول کرے یا نہ کرے۔ مگر سفیر (رسولؑ) کو یہ حق نہیں ہے کہ اپنے مرسل (خدا) کو کوئی مشورہ دے۔ کیونکہ یہ اقدام عہدۂ سفارت کے سراسر خلاف ہے"۔

اسے کہتے ہیں: "جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے"۔ اور یہ ہے حق و حقیقت کا زندہ معجزہ کہ لفظوں کے ہیر پھیر سے ہی سہی، تاہم مجبوراً بادلِ ناخواستہ حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے کہ:

"معجزہ کا فاعل حقیقی خدا ہے۔ کیونکہ اس میں سفیر خدا کا کوئی دخل نہیں۔ وہ صرف اظہار سند پر مامور ہے۔ اس کو تبدیل نہیں کر سکتا۔ ظاہر ہے کہ یہاں سفیر سے رسول، سفارت سے نبوت و رسالت اور سند سفارت سے مراد اصطلاحی معجزہ ہے۔ ارباب عدل و انصاف ہمارے معروضات اور ان حضرات کے ان ارشادات کو مکرر بنظر غائر پڑھ کر بتائیں کہ اب اختلاف کیا باقی رہ جاتا ہے۔ آیا ان حقائق کے بعد کسی معمولی عقل و انصاف رکھنے والے انسان کو بھی اس بات میں ذرہ بھر شک و شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے"۔ ؎

من بگویم گر بگیری دامن انصاف را
چشم وا کن و بگیر مسلك اسلاف را

سابقہ تحقیقات کے نتائج

مذکورہ بالا آیات قرآن کریم، احادیث معصومینؑ اور تحقیقات شیعہ علماء متقدمین و متاخرین سے چند امور روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتے ہیں۔

● معجزات کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے، نہ پیغمبر و امام علیہما السلام۔ ہاں محل صدور و ظہور ہونے کی وجہ سے ان حضراتؑ کی طرف ان افعال کی مجازاً نسبت دینا درست ہے، بایں ہمہ اس سلسلہ میں انبیاء و ائمہ علیہم السلام کی مدح و ثنا اس لیے کی جاتی ہے کہ معجزہ کا ظہور چونکہ ان کی دعا و استدعا پر عمل میں آتا ہے۔ اس لیے یہ امر یقیناً ان کے لیے انتہائی مدح و ثنا کا باعث ہے کہ وہ اس قدر مقرب بارگاہ الٰہی ہیں کہ جب بھی ایسے خارق عادت امر کے اظہار کی اس کی بارگاہ میں درخواست کر دیں تو وہ ان کی استدعا کو مسترد نہیں کرتا، بلکہ اس کے مطابق فوراً ان کے ہاتھوں پر معجزہ کا اظہار فرما دیتا ہے۔ لہٰذا اس سے ان ذواتِ قادسہ کا درخت اور سنگریزے کی مانند ہونا لازم نہیں آتا۔ (معاذ اللہ) جیسا کہ فن فریب کاری کے بعض ماہرین نے یہ الزام عائد کرنے کی مذموم کوشش ناتمام کی ہے۔

Scanned with CamScanner

❷ ان حقائق واقعیہ سے یہ حقیقت بھی الم نشرح ہو جاتی ہے کہ ہم نے "احسن الفوائد" میں جو لکھا ہے کہ مقام اعجاز میں جو کچھ کسی نبیؑ یا ولیؒ سے ظہور پذیر ہوتا ہے، وہ اس نبیؑ یا ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ وہ فعل اللہ کا ہوتا ہے۔ (صفحہ ۴۳۳ و ۴۳۴ طبع اول) یہ سیرۃ النبی یا راہ ہدایت وغیرہ کتب اہل سنت سے ماخوذ نہیں جیسا کہ بعض ان حضرات کا خیال ہے جن کا مبلغ علم مولانا سید محمد سبطین صاحب کی کتب و رسائل یا ان جیسی بعض اُردو کتب کے مطالعہ تک محدود ہے۔ سچ ہے ؎

باندک مایہ از علم نتواں رہِ بحق بروں
چوں آب افتد تنک بیدست و پا سازد شناور را

ہم نے اب تک اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ قرآن حکیم اور حضرات معصومینؑ کی صحیح تعلیم کی روشنی میں عہد ائمہؑ سے لے کر آج تک تمام علماء اعلام شیعہ امامیہ کا یہی اعتقاد ہے۔ البتہ اگر یہ حضرات یہ کہتے کہ برادرانِ اہل سنت کے علماء کے یہ نظریات علماء شیعہ کی تحقیقات سے ماخوذ و مستنبط ہیں تو شاید یہ بات کسی حد تک قرین عقل ہوتی۔ مگر انھوں نے جو بے پر کی اڑائی ہے اسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی تعلق نہیں ہے۔

❸ ان بیانات شافیہ سے یہ امر بھی پایہ ثبوت تک پہنچ جاتا ہے کہ اعجاز نمائی کی کوئی ایسی طاقت و قوت نہیں ہے جو مُعجز نما میں ودیعت کر دی گئی ہے جس کی بنا پر بالا ستقلال یا باذن اللہ وہ ہر وقت مُعجزہ پیش کرتے رہتے ہیں، بلکہ حسب ضرورت مُعجز نما خدا کی بارگاہ میں دعا و استدعا کرتا ہے اور خدائے قادر و قیوم اپنی قدرت کاملہ سے مُعجزہ کا اظہار کر دیتا ہے۔ اگرچہ سابقہ تحقیقات کے بعد یہ حقیقت مزید کسی ثبوت کی محتاج تو نہیں رہتی۔ مگر تا ہم مزید اطمینانِ قلب کی خاطر اس سلسلہ میں ایک اور عالم جلیل کی تحریر بھی پیش کی جاتی ہے۔ عالم نبیل و دانشمند جلیل آقا سید عبدالحسین اپنی کتاب الکلم الطیب جلد ۱ صفحہ ۲۵۰ طبع تہران پر تحریر فرماتے ہیں:

لازم نیست پیغمبر در ہر زمانے قادر بر انجام معجزہ باشد چون او نیز بشر و عاجز است و معجزہ فعل خدا است کہ برائے اثبات صدق پیغمبر بو ئے عنایت می فرماید و آقامہ آں در ہر زمانے بستہ بارادہ و مشیت اوست۔

یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ پیغمبرؑ ہمیشہ مُعجزہ نمائی پر قدرت رکھتا ہو۔ کیونکہ پیغمبرؑ بھی (فی حد ذاتہ) بشر اور عاجز ہے اور مُعجزہ فعل خدا ہے۔ جسے خدا پیغمبرؑ کو اس کی نبوت کے ثابت کرنے کے لیے عطا کرتا

Scanned with CamScanner

ہے۔لہٰذا معجزہ نمائی ہمیشہ خدا کے ارادہ اور اس کی مشیت کے ساتھ وابستہ ہے۔

❹ ان بیانات اور مزید آنے والی تحقیقات (بذیل رد شبہات) سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ اس سلسلہ میں صاحب اعجاز کا کام صرف دعا کرنا ہے، اظہار خدائے قہار کرتا ہے۔ بس فی الحقیقت کسی خارق عادت امر کی دعا و پکار اور اس کے نتیجہ کے اظہار کا نام معجزہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معجزہ کے اظہار میں نبیؑ و امامؑ کو اس حد تک تعلق ضرور ہے کہ جب ارادہ کریں تو خدا سے دعا و استدعا کرتے ہیں اور خدا ان کی استدعا کو رد نہیں فرماتا۔

❺ ان تحقیقات سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے کہ معجزہ میں تکرار اور تعدد ضروری نہیں ہے۔ پس جب نبیؑ و امامؑ اپنے دعویٰ کے اثبات پر سند قطعی کے طور پر معجزہ دکھا دیں اگرچہ ایک مرتبہ ہی کیوں نہ ہو، تو پھر یہ لازم نہیں کہ وہ ہر وقت ہر ہر شخص کی اقتراح و خواہش کے مطابق مختلف معجزات دکھا دکھا کر اپنی بزم نبوت و امامت کو تماشہ خانہ عجائب و غرائب بنا ڈالیں۔ (الکلم الطیب صفحہ ۲۵۰)

وھو اوضح من ان یخفیٰ ـــــ ان فی ذلک لآیۃ لکم ان کنتم صادقین ـــ

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اگرچہ سطور بالا میں جو حقائق بیان کر دیے گئے ہیں ان سے ارباب عقل و انصاف کی تسلی ہو جاتی ہے۔ مگر پھر بھی حسب دستور اس مقام پر عائد کردہ بعض شکوک و اوہام کا تذکرہ مع ازالہ ضروری ہے، تاکہ دیگر مباحث کی طرح یہ موضوع بھی کسی اعتبار سے تشنۂ تکمیل نہ رہے۔

پہلا، دوسرا، تیسرا اور چوتھا شبہ:

❶ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں: انی اخلق لکم کھیئۃ الطیر۔
اس سے معلوم ہوا کہ مٹی سے پرندہ پیدا کرنا حضرت عیسیٰؑ کا فعل ہے۔

❷ احی الموتی باذن اللہ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مردہ زندہ کرنا میرا کام ہے، اذن اللہ تعالیٰ کا ہے۔

❸ مادر زاد اندھا میں ٹھیک کرتا ہوں، مبروص کو میں ٹھیک کرتا ہوں۔
اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام معجزات جناب عیسیٰؑ کا فعل ہیں۔

❹ عصا پھینکنا موسیٰؑ کا فعل ہے، ید بیضا فعل موسیٰؑ ہے، پڑھو: القی عصاہ، نزع یدہ۔

❺ حضرت جبریلؑ جناب مریمؑ کو کہتے ہیں: لاھب لک غلاما زکیا۔ میں عطا کرتا ہوں آپ کو

Scanned with CamScanner

پاکیزہ لڑکا۔

❶ ملائکہ کا حضرت لوطؑ سے کہنا: انا المنجوھم۔ ہم نجات دیں گے۔

❷ تخت بلقیس کے متعلق آصف بن برخیا حضرت سلیمانؑ سے کہتے ہیں: انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک۔ آنکھ جھپکنے سے پہلے تخت لے آنا فعل آصف ہے یا اللہ تعالیٰ خود اٹھا لایا۔

(مضمون مندرجہ دُرِّ نجف یکم جولائی ۱۹۶۶ء)

ان شبہات کے جوابات

پہلا مشترکہ جواب:

ان حضرات کا ان آیات کو پیش کرنا اس غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے کہ اہل حق چونکہ ان افعال کو فعل خدا سمجھتے ہیں۔ لہٰذا شاید وہ سرے سے ان افعال کی نسبت انبیاء وائمہ کی طرف دینا ناجائز سمجھتے ہوں گے۔ اور ان آیات میں ان کی نسبت چونکہ ان ذوات مقدسہ کی طرف دی گئی ہے۔ لہٰذا جھٹ ان حضرات نے بلا غور وفکر ان آیات کو اپنے غلط نظریہ کی تائید میں پیش کر دیا۔ مگر ژرف نگاہی سے کام لینے والے حضرات جانتے ہیں کہ یہ استدلال "بناء الفاسد علی الفاسد" کا مصداق ہے۔ حقیقت حال اس طرح نہیں ہے۔ ہم اس باب کی ابتدا میں تحریر محل نزاع کے ذیل میں اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لیے واضح کر چکے ہیں کہ اس نسبت کے جواز یا عدم جواز میں نزاع نہیں ہے۔ کیونکہ حسب ظاہر معجزہ میں ان امور کا ظہور و بروز چونکہ انبیاءؑ اور ائمہؑ سے ہوتا ہے۔ لہٰذا ان امور کا انتساب ان کی طرف یقیناً درست ہے، بلکہ نزاع جو کچھ ہے وہ صرف اس بات میں ہے کہ آیا ان افعال کی نسبت بطور حقیقت ہے۔ یعنی یہی بزرگوار ان افعال کے حقیقی فاعل ہیں یا یہ نسبت بطور مجاز ہے اور فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ ہم سطور بالا میں قرآن و حدیث اور تحقیقاتِ علماء اعلام کی روشنی میں ثابت کر چکے ہیں کہ ان امور کا فاعل حقیقی خداوند عالم ہے۔ اس طرح اس شبہ کی اساس کا قلع قمع ہو جاتا ہے۔ بنابریں ہم کہتے ہیں کہ اگرچہ خلق، احیاء موتی، شفاء مرضیٰ، عصا کا اژدہا بنانا، ید موسیٰؑ کو ید بیضا بنانا، حضرت مریمؑ کو بیٹا عطا کرنا، مومنین لوطؑ کو نجات دینا، تخت بلقیس کا لانا وغیرہ سب افعال خدا ہیں۔ اور وہی ان کا حقیقی فاعل ہے۔ اسی کے ارادہ اور قدرتِ کاملہ کے تحت یہ امور وقوع پذیر ہوئے ہیں۔ مگر چونکہ حسب ظاہر ان کا ظہور حضرت عیسیٰؑ و موسیٰؑ اور جناب جبرئیلؑ یا دیگر ملائکہ یا حضرت آصفؑ بن برخیا سے ہوا ہے۔ لہٰذا من باب المجاز ان افعال کی نسبت ان حضرات کی طرف دے دی

Scanned with CamScanner

گئی ہے۔ یہ درست ہے کہ القاء عصا حضرت موسیٰؑ کا ہی فعل تھا۔ مگر یہ حقیقت کیوں نظر انداز کر دی جاتی ہے کہ اس عصا کو اژدہا بنانا کس کا فعل تھا؟ (جس میں نزاع ہے) قرآن سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ فعل خدا تھا۔ جب عصائے موسوی نے اژدہے کی شکل اختیار کی اور جناب موسیٰؑ نے کچھ خوف محسوس کیا تو ارشاد قدرت ہوا: لاتخف سنعیدہا سیرتہا الاولیٰ۔ ڈرو نہیں، ہم عنقریب اس کو اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹا دیں گے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جو خدائے قادر دوسری شکل کو پہلی شکل کی طرف لوٹانے والا ہے وہی پہلی شکل کو تبدیل کرنے والا بھی ہے۔ تعجب ہے کہ خود اس استدلال کے پیش کرنے والے نے شعوری یا لاشعوری طور پر آخر میں حق و حقیقت کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ استدلال مذکور کے بعد لکھا ہے: "صحیح عقیدہ یہ ہے کہ قوت و ارادہ اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے اور بظاہر فعل انبیاءؑ و ائمہؑ اور ملائکہ کا ہوتا ہے"۔ (اخبار در نجف صفحہ ۲ یکم جولائی ۱۹۶۶ء)

نتیجہ کلام یہ کہ ان افعال کی نسبت خدا کی طرف حقیقی ہے۔ (جس کے ارادہ اور قوت سے یہ فعل واقع ہوا ہے) اور انبیاءؑ و ائمہؑ کی طرف مجازی ہے (جن کے ہاتھوں پر ظاہر ہوتا ہے) یہی بات شروع سے لے کر اخیر تک ہم کہہ رہے ہیں۔ پھر علماء اعلام کے خلاف یہ ہنگامہ آرائی و ہرزہ سرائی کیوں ہے؟

دوسرا جواب:

حضرت عیسیٰؑ علیٰ نبینا و آلہ وعلیہ السلام کے متعلق جو آیات پیش کی گئی ہیں، اس سلسلہ میں حقیقت حال تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اور علماء مفسرین نے ان آیات کے بارہ میں احادیث معصومینؑ کی روشنی میں جو تحقیقات فرمائی ہیں ان کو نظر انداز کر کے محض ظاہری الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے اپنے خود ساختہ نظریہ کی تائید حاصل کرنے کی سعی نافرجام کی گئی ہے۔ ہم ان آیات کی تفسیر پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ کریں اور جلائے ایمان و ایقان حاصل فرمائیں۔

❶ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسی علیہ الرحمہ اپنی تفسیر تبیان جلد ۲ صفحہ ۱۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

انما قید قولہ فیکون طیرا باذن اللہ و لم یقید قولہ اخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذکر اذن اللہ لیثبہ باذکر الاذن انہ من فعل اللہ دون عیسیٰ و اما التصویر و النفخ ففعلہ لانہ مما یدخل تحت مقدور القدر و لیس کذلک انقلاب الجماد حیوانا فانہ لا یقدر علی ذلک احد سواہ تعالیٰ و قولہ و أحی الموتیٰ باذن اللہ ۔ علی وجہ المجاز اضافہ الی نفسہ و حقیقتہ ادعوا اللہ باحیاء الموتیٰ فیحییھم اللہ فیحیون باذنہ ۔

Scanned with CamScanner

یعنی حضرت عیسیٰؑ نے (تصویر کے) پرندہ ہونے کو تو اذن اللہ کے ساتھ مقید کیا ہے۔ مگر اس کی تصویر کشی کا تذکرہ کرتے وقت (کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بناتا ہوں) اذن اللہ کی قید نہیں لگائی۔ اس انداز بیان سے انھوں نے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اس تصویر کا پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے، نہ ان (عیسیٰؑ) کا۔ ہاں البتہ تصویر بنانا، اور اس میں پھونک مارنا۔ یہ حضرت عیسیٰؑ ہی کا فعل ہے۔ کیونکہ یہ طاقت بشری میں داخل ہے، لیکن جماد کو حیوان بنانا ایک ایسا کام ہے جس پر سوائے قادر مطلق کے اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰؑ نے یہ کہہ کر کہ میں باذن اللہ مُردے زندہ کرتا ہوں۔ یہ نسبت مجازاً اپنی طرف دی ہے۔ ورنہ اس کی اصلیت یہ ہے کہ میں مُردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں اور خدا ان کو زندہ کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ اس کے اذن وطاقت سے زندہ ہو جاتے ہیں۔

❷ اسی طرح مفسر اسلام علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۹۰ پر آیت مبارکہ: انی اخلق لکم کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

معناہ انی اقدر لکم و اصور لکم من الطین مثل صورۃ الطیر فانفخ فیہ ای فی الطیر المقدر من الطین فیکون طیراً باذن اللہ و قدرتہ و قیل بامر اللہ تعالیٰ و انما وصل قولہ باذن اللہ بقولہ فیکون طیراً دون ما قبلہ لان تصویر الطیر و النفخ فیہ مما دخل تحت مقدور العباد فاما جعل الطین طیرا حتی یکون لحما و دماً و خلق الحیوۃ فیہ فمما لا یقدر علیہ غیر اللہ فقال باذن اللہ انما اضاف الاحیاء الی نفسہ علی وجہ المجاز و التوسع و لان اللہ تعالیٰ کان یحیی الموتیٰ عند دعائہ۔

یعنی اس آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ میں مٹی سے پرندہ کی تصویر بناتا ہوں اور اس تصویر میں پھونک مارتا ہوں، پس وہ خدا کے اذن یعنی اس کی قدرت یا بقولے اس کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ آنجنابؑ نے اس کے پرندہ بننے کے ساتھ اذن اللہ کی قید لگائی ہے۔ مگر اس کی تصویر کشی کے ساتھ یہ قید نہیں لگائی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تصویر بنانا اور اس میں پھونک مارنا بندوں کی قدرت میں داخل ہے لیکن مٹی کا پرندہ بنا دینا، یہاں تک کہ اس میں گوشت پوست اور خون پیدا ہو جائے، اور پھر اس میں حیات ڈالنا، یہ ایسا کام ہے جس پر سوائے خدائے قادر وقیوم اور کوئی قدرت نہیں رکھتا۔ اس لیے جناب عیسیٰؑ نے اس کے ساتھ اذن اللہ کی قید لگائی۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ خدا کا فعل ہے، نہ عیسیٰؑ کا۔ نیز آنجنابؑ نے اپنے اس کلام واحی الموتی باذن اللہ میں مُردہ کو زندہ کرنے کی جو نسبت

Scanned with CamScanner

اپنی طرف دی ہے وہ علی وجہ المجاز ہے۔ اس کی اصل حقیقت یہ تھی کہ وہ دعا کرتے تھے اور خدا ان کی استدعا پر مُردوں کو زندہ کر دیا کرتا تھا۔

افادہ:

جناب علامہ طبرسیؒ کے بیان حقیقت ترجمان اور اسی طرح اور بعض قطعی شواہد سے اذن اللہ کا صحیح مفہوم بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ دعا و استدعا نبیؑ و امامؑ کرتے ہیں اور پھر فعل مُعجزہ کا ظہور خدائے قادر و توانا کی قدرت کاملہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی عملی تفسیر جناب عیسیٰؑ کے مُردوں کو زندہ کرنے کی کیفیت سے نظر آتی ہے۔ جو تفسیر مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۹۰، تفسیر صافی صفحہ ۸۴ وغیرہ میں مذکور ہے۔ آنجنابؑ اپنے ایک دوست کی قبر پر تشریف لے گئے۔ جس کو مرے ہوئے تین دن ہو گئے تھے۔ وہاں جا کر یہ دعا پڑھی:

اللھم رب السموت السبع انك ارسلتنی الی نبی اسرائیل ادعوھم الی دینك و اخبرھم بانی احی الموتی فاحی عازرؔ۔

چنانچہ ان کا دوست (عازر) زندہ ہو گیا۔ سطور بالا میں اس موضوع پر احادیث کے ضمن میں دمعہ ساکبہ جلد ۱ صفحہ ۳۱ کے حوالے سے ذکر کیا جا چکا ہے کہ بحکم رسولؐ جناب امیر علیہ السلام قبرستان میں تشریف لے گئے اور خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔ پس باذن اللہ مُردے سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے قبروں سے نکل آئے۔ اس سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اذن اللہ کا مطلب قدرت اللہ ہے۔ اور اگر بالفرض اسے امر و حکم کے معنیٰ میں بھی لیا جائے تب بھی ہمارا مدعا حاصل ہے کہ وہ امر خدا ہی کرتا ہے۔ جیسے: قلنا یا نار کونی بردا و سلاما۔ (و کذا الکلام ان اخذ بمعنی الارادۃ فتدبر)

بصائر الدرجات صفحہ ۲۰۸ طبع جدید پر امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے کہ جناب عیسیٰؑ کے پاس اسم اعظم کے دو حرف تھے۔ جن کی وجہ سے ان کے ہاتھوں پر یہ عجائب و غرائب ظاہر ہوتے تھے۔ ان تمام حقائق سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف دعا کرتے تھے، کام خدا اپنی قدرت کاملہ سے کرتا تھا۔ وھذا ھو المقصود۔

❸ اسی طرح جناب علامہ شہر بن آشوب مازندرانیؒ اپنی کتاب مُستطاب متشابہات القرآن جلد ۱ صفحہ ۲۵۸ پر آیت مبارکہ: واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر فتنفخ فیھا فیکون طیرا باذنی کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فاذا نفخ المسیح فیھا الروح قلبھا اللہ لحما و دما و خلق فیھا الحیوۃ فصارت طائرا باذن

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اللہ و ارادته لا بفعل المسیح فلذلك قال فیکون طیرا باذنی و تبرئ الاکمه و الابرص باذنی معناه انك تدعوا حتی ابریهما و اذا تخرج الموتی باذنی ای اذ تدعونی فاحی الموتی عند دعائك و اخرجهم من القبور حتی یشاهد هم الناس و انما نسبه الی عیسی لانه کان بدعائه ۔

یعنی جب حضرت عیسیٰؑ اس تصویر میں روح پھونکتے تھے تو خدا اس کو گوشت و خون بنا کر اس میں حیات پیدا کر دیتا تھا۔ اس طرح وہ خدا کے اذن و ارادہ سے نہ کہ حضرت عیسیٰؑ کے فعل سے پرندہ بن جاتا تھا۔ اسی بنا پر خدا نے فرمایا ہے کہ وہ میرے اذن سے پرندہ ہو جاتا تھا۔ اسی طرح خدا کے ارشاد کہ اے عیسیٰؑ تو میرے اذن سے اندھے اور مبروص کو تندرست کرتا تھا، کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کی شفایابی کے لیے دعا کرتا تھا اور میں ان کو شفا عطا کر دیتا تھا۔ اسی طرح اس قول خداوندی کہ اے عیسیٰؑ تو مُردوں کو میرے اذن سے (قبروں سے) نکالتا تھا، کا مطلب یہ ہے کہ تو ان کے زندہ ہونے کی دعا کرتا تھا اور میں ان کو زندہ کر کے قبروں سے نکالتا تھا۔ یہاں تک کہ لوگ ان کا مشاہدہ کرتے تھے۔ خدا نے مُردوں کو زندہ کرنے کی نسبت جناب عیسیٰؑ کی طرف اس لیے دی ہے کہ یہ فعل ان کی دعا سے انجام پذیر ہوتا تھا۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ ۲۵۸ پر حضرت عیسیٰؑ کے قول "واحی الموتیٰ باذن اللہ" کی تفسیر بیان فرمائی ہے:

علی وجه المجاز اضافه الی نفسه و حقیقته ادعو اللہ باحیاء الموتی فیحیون باذنه ۔

یعنی حضرت عیسیٰؑ نے مُردہ زندہ کرنے کی نسبت اپنی طرف بطور مجاز دی ہے، ورنہ اس کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ میں مُردوں کے زندہ ہونے کی دعا کرتا ہوں اور وہ خدا کے اذن و ارادہ سے زندہ ہو جاتے ہیں۔

اور انی اخلق لکم من الطین کهیئة الطیر کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

لم یقیده باذن اللہ لان المراد به التقدیر ثم قال فیکون طیرا باذن اللہ لانه من فعل اللہ دون عیسیٰ ۔ الخ ۔

جناب عیسیٰؑ نے تصویر کشی کے ساتھ اذن اللہ کی قید نہیں لگائی۔ کیونکہ یہاں خلق کرنے سے مُراد تصویر بنانا ہے۔ پھر فرمایا: پس وہ خدا کے اذن سے پرندہ ہو جاتا ہے۔ (یہاں اذن اللہ کی قید مذکور ہے) کیونکہ یہ خدا کا فعل ہے نہ عیسیٰؑ کا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

❹ تفسیر مستفیات الدرر جلد ۲ صفحہ ۱۱۴ پر مذکور ہے:

فالخلق حقیقة لله تعالیٰ ظاهر علی یده کما ان النفخ فی مریم کان من جبرئیل و الخلق من الله۔

یعنی پرندہ میں روح پیدا کرنا درحقیقت خدا کا فعل ہے۔ البتہ اس کا ظہور جناب عیسیٰؑ کے ہاتھ پر ہوا، جیسے جناب مریمؑ میں نفخ جناب جبرئیلؑ کا کام تھا۔ مگر (عیسیٰؑ کی) خلقت خدا کا فعل۔

پھر باذن اللہ کی توضیح کرتے ہوئے لکھا ہے:

و ذکر الاذن فی هذه الافاعیل علی معنی اضافة حقیقیة الی الله کقوله و ما کان لنفس ان تموت الا باذن الله یعنی الا بخلق الله الموت۔

یعنی ان افعال میں اذن اللہ کی قید اس مقصد کے لیے لگائی گئی ہے کہ ان افعال کا حقیقی فاعل خدا ہے۔ جیسے آیت مبارکہ و ما کان لنفس الخ۔ کوئی نفس اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مرتا، میں ہے۔ یعنی اس وقت مرتا ہے جب اللہ اسے موت دیتا ہے۔

❺ منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ جلد ۹ صفحہ ۲۶۳ طبع جدید میں ہے:

کان تسویة الطین و النفخ من عیسی علیه السلام و الخلق من الله تعالیٰ۔

یعنی مٹی کا درست کرنا اور اس ڈھانچے میں پھونک مارنا جناب عیسیٰؑ کا فعل تھا لیکن اس کو پرندہ بنانا خدا کا فعل تھا۔

❻ فاضل کاشانی تفسیر صافی میں بذیل آیت انی اخلق الایہ لکھتے ہیں:

انی اخلق لکم اقدروا صور شیئا کهیئة الطیر مثل صورته فانفخ فیها فیکون طیرا حیا طیارا باذن الله بامر نبه علی ان احیائه من الله لا منه۔ (تفسیر صافی صفحہ ۸۴)

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ پرندہ کی شکل میں بناتا ہوں۔ مگر اسے پرندہ خدا بناتا ہے، اور اذن اللہ کی قید لگا کر اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ اسے زندہ پرندہ بنانا خدا کا فعل ہے نہ ان (عیسیٰؑ) کا۔

❼ صاحب حدیقہ سلطانیہ نے بھی جلد ۳ صفحہ ۱۷۵ پر اس نسبت کو مجازی قرار دیا ہے۔ بات بالکل صاف اور سادہ ہے کہ اگر فی الحقیقت جناب عیسیٰؑ ہی پرندہ کے خالق ہوتے تو پھر اس قدر طویل کلام کی کیا ضرورت تھی کہ: انی اخلق لکم من الطین کهیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیرا باذن الله۔ بلکہ صرف اتنا کہہ دیتے انی اخلق لکم الطیر۔ یعنی میں تمہارے لیے پرندہ پیدا کرتا ہوں۔ مگر جب یہ نہیں کہا تو اس سے واضح ہو گیا کہ تصویر کشی جناب عیسیٰؑ کا اور اسے پرندہ بنانا خدا کا کام ہے۔ وھو

Scanned with CamScanner

المقصود و قد حصل بعون اللہ الودود۔

ان علماء محققین کی تحقیقات سے واضح ہوگیا کہ معجزہ میں معجز نما کا کام صرف بارگاہ احدیت میں دعا کرنا ہے۔ اس کے بعد اپنی قدرت کاملہ و مشیت مطلقہ کے تحت اس کا اظہار کرنا خداوند عالم کا کام ہے۔ لہٰذا خدا کی طرف ان خارق عادت افعال و معجزات کی نسبت من باب الحقیقت اور انبیاءؑ و ائمہ علیہم السلام کی طرف علیٰ وجہ المجاز ہے۔ یہ ہے ان آیات مبارکہ کا صحیح مفہوم جو وارثان علوم قرآن علیہم السلام کے کلام سے ماخوذ ہے۔ اگر اس کے علاوہ کوئی شخص ان آیات کی کوئی تاویل کرے گا تو وہ بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے حرام اور ناقابل قبول ہوگی۔

تیسرا جواب:

جہاں تک حضرت موسیٰؑ کے عصا کے اژدہا بننے والے معجزہ کا تعلق ہے تو ہم اسی باب میں بذیل آیت نمبر ۱۲ بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کر چکے ہیں کہ یہ خداوند عالم کا فعل تھا۔ اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

اسی طرح جناب جبرئیلؑ کے حضرت مریمؑ کے پاس آکر لاھب لك غلاما زکیا کہنے والے شبہ کا مکمل جواب تیسرے باب کے دسویں شبہ کے ضمن میں پیش کیا جا چکا ہے۔ فراجع۔

اور جناب آصف بن برخیا کے تخت بلقیس کو چشم زدن میں حاضر کرنے کے متعلق اسی باب میں بضمن حدیث نمبر ۵ پوری تحقیق پیش کی جا چکی ہے کہ ان کے پاس اسم اعظم کا ایک حرف تھا جسے انھوں نے پڑھا، اور خدا نے تخت بلقیس کو حاضر کر دیا۔ ہاں چونکہ دعا جناب آصفؑ نے کی تھی اور پھر اس خارق عادت کا ظہور بھی ان ہی کے ہاتھ پر ہوا تھا، اس لیے مجازاً انھوں نے اس کی نسبت اپنی طرف دے دی۔

ان حقائق کی روشنی میں یہ حقیقت بالکل الم نشرح ہوگئی کہ ان تمام پیش کردہ آیات و واقعات میں حقیقی فاعل خدا ہی ہے۔ وھو المقصود

پانچواں شبہ اور اس کا جواب:

روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ اسم اعظم کے کل ۷۳ حرف ہیں۔ جناب آصف بن برخیا کے پاس صرف ایک حرف تھا۔ کسی نبیؑ کے پاس دو حرف، کسی کے پاس چار، کسی کے پاس پانچ، کسی کے پاس پندرہ، کسی کے پاس پچیس تھے۔ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے پاس اس کے ۷۲ حرف موجود ہیں۔ صرف ایک حرف خدا نے اپنے لیے مخصوص رکھا ہے۔ جناب آصف کے پاس

Scanned with CamScanner

صرف ایک حرف تھا تو انھوں نے دو ماہ کی مسافت سے چشم زدن میں تخت بلقیس کو دربار حضرت سلیمانؑ میں حاضر کر دیا تھا تو پھر ائمہ علیہم السلام کے کمالات کا کون اندازہ کر سکتا ہے، جن کے پاس ۷۲ اسم اعظم موجود ہوں۔ اس شبہ کا جواب بھی ظاہر ہے یہ کس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ ائمہ اہل بیتؑ کے فضائل و کمالات کا احاطہ کر سکتا ہے؟ مگر اسم اعظم والی روایات سے یہ تو ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ معجزہ نمائی کی قوت و قدرت خدا نے معجز نما کی خلقت میں ودیعت فرما دی ہے۔ اور اب وہ اسی قوت و قدرت سے باختیار خود اعجاز نمائی کرتے ہیں۔ بلکہ روایات سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اسم اعظم کے ذریعہ بارگاہ احدیت میں دعا کرتے ہیں اور پھر اس دعا کے نتیجہ میں خداوند عالم ان کے ہاتھوں پر عجائب و غرائب ظاہر کرتا ہے۔ اس سے تو ہمارے موقف کی تائید مزید ہوتی ہے۔ چنانچہ بصائر الدرجات صفحہ ۵۹ طبع قدیم و جدید صفحہ ۲۱۷ پر ایک پورے باب کا عنوان ہی یہ ہے: باب فی الامام علیہ السلام ان عندہ اسم اللہ الاعظم الذی اذا سالہ بہ اجیب۔ یعنی امامؑ کے پاس خدا کا وہ اسم اعظم ہوتا ہے کہ جب اس کے ذریعہ دعا کرتے ہیں تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بحار جلد ۷ صفحہ ۵۱۰ پر ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے: وان عندھم الاسم الاعظم و بہ تظھر عنھم الغرائب۔ یعنی ائمہ اطہارؑ کے پاس اسم اعظم موجود ہے اور اسی کے ذریعہ ان سے عجائب و غرائب ظاہر ہوتے ہیں۔ ان ابواب میں اس قسم کی متعدد روایات اہل بیتؑ موجود ہیں۔ اسی مطلب کی تائید مزید بحار الانوار کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ حضرت امام محمد باقرؑ کے معجزات دیکھ کر ایک اعرابی نے کہا: ما رایت ساحرا کالیوم۔ میں نے جیسا جادوگر آج دیکھا ہے ایسا کبھی نہیں دیکھا۔ یہ سن کر امام عالی مقامؑ نے فرمایا: یا اعرابی لا تکذبن علینا اھل البیت فانہ لیس منا ساحر و لا کاھن و لکن علمنا اسماء من اسماء اللہ تعالیٰ فنسئلنا بھا فنعطی و عرعوا فنجاب۔ اے اعرابی ہم اہل بیتؑ پر جھوٹ نہ بولو۔ کیونکہ ہم میں نہ کوئی جادوگر ہے اور نہ کوئی کاہن۔ ہمیں خدا تعالیٰ کے اسماء تعلیم دیے گئے ہیں کہ جب ان کے ذریعہ ہم جو کچھ (بارگاہ قدرت سے) طلب کرتے ہیں تو ہمیں مل جاتا ہے اور جو دعا کرتے ہیں وہ مستجاب ہو جاتی ہے۔ (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۵۲)

اسی طرح اصول کافی کی روایت میں وارد ہے کہ جناب آصفؑ کے پاس ایک حرف تھا، فتکلم بہ۔ انھوں نے جب اسے پڑھا تو آخر میں امام علیہ السلام اپنے متعلق ۷۲ حرف ثابت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: و لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ اس کی شرح میں علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول جلد ۱

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

صفحہ ۱۷۲ پر لکھتے ہیں: ای وقوع جمیع ھذہ الامور بصول اللہ و قوتہ لا بقدرۃ العباد۔ یعنی ان امور کا واقع ہونا خدا کی قدرت کاملہ کے تحت ہوتا ہے، نہ کہ بندوں کی طاقت سے۔

بصائر الدرجات صفحہ ۵۷ (طبع جدید صفحہ ۲۱۱) پر بروایت ابی بصیر امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: کان سلیمانؑ عندہ اسم اللہ الاکبر اذا سئلہ اعطی و اذا دعا بہ اجاب و ھو کان الیوم لاحتاج الینا۔ جناب سلیمانؑ کے پاس اسم اعظم تھا۔ اس کے ذریعہ جب خدا سے کچھ طلب کرتے تو وہ ان کو عطا کر دیتا تھا۔ جب کوئی دعا کرتے تو وہ اسے مستجاب فرماتا۔ لیکن آج اگر سلیمانؑ ہوتے تو وہ ہمارے محتاج ہوتے۔

معلوم ہوا کہ اسم اعظم کے ذریعہ صرف دعا کی جاتی ہے جسے مستجاب بہر حال خداوند عالم ہی فرماتا ہے۔ اسی بیان حق ترجمان سے آیت مبارکہ: لو ان قرآنا سیرت بہ الجبال او قطعت بہ الارض الایہ۔ کے ساتھ تمسک کا جواب باصواب بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وارثان علم قرآن جب آیات قرآنیہ کو پڑھ کر دعا کرتے ہیں تو قادر مطلق ان کے حسب منشا تمام امور کو انجام دے دیتا ہے۔ بل للہ الامر جمیعا۔ تمام امور کی باگ خدا ہی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول و ھم بامرہ یعملون۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ معجزہ نمائی کی مستقل قدرت و طاقت خدا نے انبیاءؑ و ائمہؑ کو عطا نہیں فرمائی، بلکہ صرف بوقت ضرورت ان امور کا اظہار ان بزرگواروں کے ہاتھوں پر کر دیتا ہے تو پھر اس میں ان کی فضیلت کیا ہے؟ اس شبہ کے دو جواب دیے جا سکتے ہیں۔ ایک الزامی کہ باوجودیکہ دین کے معاملہ میں پیغمبر اسلامؐ اس قدر پابند حکم خدا ہیں کہ جب تک وحی الٰہی نہ ہو ایک حرف بھی اپنی خواہش سے لب پر نہیں لاتے۔ (و ما ینطق عن الھویٰ) اور ان کی عترت طاہرہؑ اس قدر مشیت ایزدی کے تابع ہے کہ اس کی مرضی و منشاء کے بغیر دل میں کوئی ارادہ بھی نہیں کرتے تو جو فضیلت آنحضرتؐ کو اس نبوت و رسالت میں اور ائمہ اہل بیتؑ کو وصایت و امامت میں ہے وہی ان کے ہاتھوں پر ظہور معجزہ میں ہے۔ اور حلی جواب یہ ہے کہ تمام کائنات کو نظر انداز کر کے خدائے حکیم و علیم کا اظہار معجزہ کے لیے صرف انبیاءؑ و اوصیاءؑ کو ہی منتخب کرنا ان بزرگواروں کی بڑی عظیم فضیلت ہے۔ آخر اس انتخاب کے لیے بھی تو کوئی مرجح ضروری ہے۔ ورنہ ترجیح بلا مرجح یا ترجیح مرجوح بر راجح لازم آئے گی۔ اور یہ عند العقلاء باطل ہے اور وہ ان کے علمی و عملی کمالات ہیں، ورنہ من و شما کے ہاتھوں پر کیوں معجزہ ظاہر نہیں ہوتا۔ کیا یہ ان کی تھوڑی عظمت و جلالت ہے کہ جب بھی کسی کام کا

Scanned with CamScanner

ارادہ فرمائیں اور خدا سے دعا کریں تو حسب منشا فوراً وہ کام انجام پذیر ہو جاتا ہے۔ لایرد اللہ مشیتہم و لکن ما یشاون الا ان یشاء اللہ لان قلوبھم اوعیۃ لمشیۃ اللہ اذا شاء اللہ شاء۔ (ارشاد امام زمانہؑ)

ساتواں شبہ اور اس کا جواب:

اس مقام پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر مُعجزہ میں منکرین کی استدعا اور مُعجز نما کی دعا ضروری ہے تو پھر آنحضرتؐ کی ولادت کے وقت بحیرہ جاوا کا خشک ہونا، قصر کسریٰ کے کنگرے ٹوٹنے، آتش کدہ فارس کے گل ہونے و امثال ذلک میں کس کی استدعا اور کس کی دعا تھی؟ اس شبہ کا جواب بالکل واضح ہے کہ یہ شبہ اصطلاح علماء متکلمین سے عدم واقفیت پر مبنی ہے۔ ورنہ اہل علم حضرات جانتے ہیں کہ اس قسم کے خارق عادت امور جو کسی نبیؑ یا امامؑ سے اعلان نبوت یا امامت سے قبل ظاہر ہوں ان کو اصطلاح میں مُعجزہ نہیں بلکہ ارہاص کہا جاتا ہے۔ جس میں مُعجزہ والے شرائط کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اگر کبھی کبھار اس پر مُعجزہ کا اطلاق ہوا ہے تو وہ من باب المجاز ہے۔ (ملاحظہ ہو تجرید محقق طوسیؒ و شرح تجرید علامہ حلی قدس سرہ صفحہ ۲۲۰ اور حق الیقین از علامہ سید عبداللہ شبر جلد ۱ صفحہ۔۔۔ وغیرہ) علاوہ بریں یہ بھی واضح ہے کہ یہ کام بھی انجام خدائے رحمٰن ہی دیتا ہے، نہ نبیؑ و امامؑ۔ کما لا یخفی علی اولی الافہام۔

آٹھواں شبہ اور اس کا جواب:

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شرح تجرید میں شرائط مُعجزہ کے سلسلہ میں لکھا ہے: الثانی ان یکون من قبل اللہ تعالیٰ او بامرہ۔ یعنی مُعجزہ کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ منجانب اللہ ہو، یا اس کے حکم سے ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مُعجزہ نبیؑ و امامؑ کا فعل ہوتا ہے جسے وہ بامر اللہ انجام دیتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب بھی واضح ہے کہ دراصل یہ شرح تجرید کی عبارت کے صحیح مفہوم کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ مُعجزہ بہرحال ہے تو فعل خدا۔ مگر اس کا ظہور دو طرح ہوتا ہے، کبھی تو بغیر ظاہری امر و حکم اس کا ظہور ہوتا ہے جیسے شق القمر و احیاء موتیٰ، ابصار اعمیٰ وغیرہ اور کبھی اس کا ظہور امر (حکم ایزدی کے تحت ہوتا ہے۔ جیسے: قلنا یا نار کونی بردا۔ ہم نے آتش نمرودی کو حکم دیا کہ ٹھنڈی ہو جا) چنانچہ "ہدایت الموحدین" جلد ۱ صفحہ ۲۸۵ طبع ایران کے فاضل مُصنف نے اس عبارت کا یہی مطلب بیان کیا ہے۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

معجزہ باید از فعل خدا تعالیٰ باشد مثل احیاء موتی و ابصار اعمی وغیر آن یا جاری مجرای فعل باشد مثل این کہ بامر او باشد چنانچہ فرمودہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

است: قلنا یا نار کونی بردا و سلاما علی ابراھیم۔

یعنی چاہیے کہ معجزہ یا تو فعل خدا ہو، جیسے مردہ کا زندہ کرنا، اندھے کو بینا بنانا، یا اس کے فعل کے قائم مقام ہو۔ یعنی اس کے امر سے واقع ہو، جیسے اس کا یہ ارشاد کہ ہم نے آگ کو حکم دیا کہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے سرد اور باعث سلامتی ہو جا۔ اس سے یہ حقیقت واضح و آشکار ہوگئی کہ بہر صورت معجزہ فعل خدا ہی ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ ایک معجزہ تو فعلی ہے، دوسرا قولی۔ قائل بھی خدا ہے اور فاعل بھی خدا۔ یہ ہے اس عبارت کا صحیح مفہوم۔ شرح تجرید سے جو مطلب ان حضرات نے اخذ کیا ہے وہ سوء فہم کی دلیل ہے۔ سچ ہے ع

وکم من عائب قولا صحیحا وآفتہ من الفہم السقیم

المحکم الجاھلیۃ یبغون و من احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون ۔ ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا و من اتبعنی و سبحان اللہ و ما انا من المشرکین۔

معجزہ کا فعل خدا ہونا عقل سلیم کی روشنی میں

عقل سلیم بھی یہی فیصلہ کرتی ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی وجوہ درج ذیل ہیں۔

❶ معجزہ کی حقیقت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ خارق عادت اور انسانی طاقت و قدرت سے بالاتر ہو۔ (جیسا کہ ابتداء میں اس کی تعریف میں یہ بات واضح کی جا چکی ہے) ظاہر ہے کہ نبیؐ و امامؑ بھی انسان کامل ہی ہیں۔ جیسا کہ پہلے باب میں یہ مطلب دلائل قاطعہ سے ثابت کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اگر نبیؐ و امامؑ خود اسے انجام دے سکیں تو معجزہ معجزہ ہی نہ رہے گا۔ (وہذا خلف)

❷ معجزہ کی غرض و غایت چونکہ تصدیق نبوت و امامت ہوتی ہے تاکہ جب لوگ ان کو خدا کا مقرر کردہ نبی و امام تسلیم کر لیں تو یہ بزرگوار ان کو دعوت توحید دے سکیں۔ اس لیے عقل سلیم کہتی ہے کہ معجزہ کو فعل خدا ہی ہونا چاہیے، ورنہ معجزہ کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔ کیونکہ اگر معجزہ نبی و امام کا ہی فعل ہو تو پھر لوگ معجز نما ہی کو خالق و رازق سمجھ کر شرک کے گہرے سمندر میں گر جائیں گے اور اس طرح اپنے دین و دنیا کو برباد کر بیٹھیں گے۔

❸ معجزات کا تعلق بالعموم امور تکوینیہ سے ہوتا ہے اور تیسرے باب میں نا قابل تردید دلائل و براہین سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان امور کی بست و کشاد اور باگ ڈور قبضہ قدرت میں ہے۔ اس نے ان کی انجام دہی کسی بھی مخلوق کے سپرد نہیں فرمائی۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ معجزات اسی قادر مطلق کا فعل ہیں جس کے قبضہ قدرت میں ساری کائنات کی بادشاہی ہے۔ تبارک الذی بیدہ الملک و ھو علی کل شی قدیر۔

Scanned with CamScanner

چھٹا باب

سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کے ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کا بیان

یہ امر بھی زمانہ کی بوقلمونی اور کج رفتاری کا ایک بین ثبوت ہے کہ آج بعض ایسے مسائل پر بھی بحث آرائی و طبع آزمائی کا سلسلہ جاری و ساری ہے جو ابتدائے آفرینش سے لے کر آج تک محالاتِ عقلیہ سے سمجھے جاتے تھے۔ جس طرح (شریک باری، اجتماع ضدین) وغیرہ عقلاً محال و ممتنع ہیں، جن کو معجزانہ طاقت بھی ممکن بنا کر معرض وجود میں نہیں لاسکتی۔ منجملہ انہی محالاتِ عقلیہ کے ایک یہ بھی ہے کہ ایک جسم ایک آن میں ایک سے زائد جگہ پر موجود ہو۔ اگرچہ یہ امر ایسا بدیہی اور بین الثبوت ہے کہ کوئی بھی صحیح الدماغ اس کے محال عقلی ہونے میں کلام نہیں کرسکتا۔

یہ صرف خداوند عالم کی شان ہے کہ بوجہ جسم و جسمانیات سے منزہ ہونے کے علمی و احاطی طور پر ہر جگہ حاضر و ناظر ہے، ورنہ کوئی بھی مخلوق خواہ لطیف ہو یا کثیف ایک وقت میں ایک ہی جگہ متصور ہوسکتی ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام ابن ابی العوجا کے اس سوال کہ اگر خدا آسمان میں ہے تو زمین میں کیونکر ہے۔ اور اگر زمین میں ہے تو آسمان میں کیونکر ہوسکتا ہے؟ کے جواب میں فرماتے ہیں:

انما وصفت الخلوق الذی اذا انتقل عن مکان اشتغل به مکان و خلا منه مکان۔

تم نے مخلوق کی صفت بیان کی ہے، کیونکہ مخلوق کی یہ صفت ہے کہ جب ایک جگہ سے منتقل ہوجائے تو ایک جگہ اس سے خالی ہوجاتی ہے، اور دوسری جگہ پُر۔ (الدمعۃ الساکبہ صفحہ ۵۱۹ کذا فی علل الشرائع و منہاج البراعہ وغیرہا) لہٰذا کسی بھی مخلوق کے لیے بیک وقت ایک سے زائد جگہ پر موجود ہونا اور اسے پُر کرنا اس طرح عقلاً محال ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ مگر نیرنگیٔ روزگار و روش دہر غدار نہیں تو تضیح واضحات و تشریح بدیہیات پر مجبور کرتی ہے۔ اس لیے اس باب میں قرآنِ کریم، احادیث معصومینؑ، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی اس موضوع پر تنبیہ و تبصرہ کیا جاتا ہے۔

واللہ سبحانہ ولی التوفیق

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

حاضر و ناظر دو الگ موضوع ہیں

عام طور پر خلط مبحث سے کام لیا جاتا ہے اور حاضر و ناظر کو ایک موضوع تصور کر کے اور باہم گڈمڈ کر کے گفتگو کی جاتی ہے جس کی وجہ سے بحث نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ عند التحقیق معلوم ہوتا ہے کہ حاضر اور ناظر دو الگ الگ مستقل موضوع ہیں۔ پہلے موضوع کا تعلق بدن و جسم کے ساتھ ہے اور دوسرے کا علم و ادراک کے ساتھ۔ اس لیے ہم ان دونوں موضوعات پر علیحدہ علیحدہ تبصرہ کرتے ہیں۔ انشاء اللہ

محل نزاع کی تعیین

اصل مقصد پر دلائل پیش کرنے سے قبل محل نزاع کی تعیین ضروری ہے، اس امر کے منقح نہ ہونے کی وجہ سے کئی لوگ اشتباہ میں مبتلا ہیں۔ اکثر لوگ تو حاضر کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ بزرگوار آن واحد میں جس دور سے دور تر مقام پر حاضر ہونا چاہیں فوراً حاضر ہو سکتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو ہم کہتے ہیں کہ عام دور مقامات کا کیا ذکر یہ تو وہ ذوات مقدسہ ہیں کہ اگر چاہیں تو چشم زدن میں بارہ ہزار عوالم امکانیہ کی سیر کر کے واپس اپنے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۲۷۳) مگر اس امر کو محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ یہ تو سرعت سیر سے متعلق ہے۔ وھو شئ اخر۔

اسی طرح "اجسام مثالیہ کے ساتھ آنِ واحد میں امکنہ متعددہ میں حاضر ہو سکتے ہیں"..... اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں ہے۔ ہاں البتہ جو چیز محل بحث ہے وہ یہ ہے:

"کہ آیا یہ بزرگوار اپنے جسم اصلی کے ساتھ ایک ہی وقت میں ایک سے زائد جگہ پر موجود ہو سکتے ہیں"..... ؟۔ مثلاً:

"آنحضرتؐ اپنے اصلی جسم مقدس کے ساتھ جس وقت مکہ میں تشریف رکھتے ہوں، اسی وقت مدینہ میں بھی تشریف فرما ہوں۔ اور بالکل اسی لمحہ عرش پر بھی اور اسی ساعت فرش پر بھی موجود ہوں، بلکہ اسی آن میں کائنات کی ہر ہر جگہ حاضر ہوں"۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ بات اس طرح عقلاً محال و ناممکن ہے کہ عقل انسانی اس کا تصور کرنے سے بھی قاصر ہے۔ اس پر ذیل میں بطورِ تنبیہ خوابِ غفلت میں سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کرنے کے لیے چند اشارات پیش کیے جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں ایسی بکثرت آیات مقدسہ موجود ہیں جن سے آنحضرتؐ کی ہر زمان و ہر مکان میں حاضر و موجود ہونے کی نفی ہوتی ہے۔ بطور نمونہ چند آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

❶ وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم ایھم یکفل مریم و ما کنت لدیھم اذ یختصمون

(پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۱۳)

(اے رسولؐ) تم تو ان (سرپرستان مریمؑ) کے پاس موجود نہ تھے جب وہ لوگ اپنا اپنا قلم (دریا میں بطور قرعہ کے) ڈال رہے تھے۔ (دیکھیں) کون مریمؑ کا کفیل بنتا ہے اور نہ تم اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ لوگ آپس میں جھگڑ رہے تھے۔

❷ وما کنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم و ھم یمکرون (پارہ ۱۳ سورہ یوسف ع ۵)

جس وقت یوسفؑ کے بھائی باہم اپنے کام کا مشورہ کر رہے تھے اور (ہلاکت کی) تدبیریں کر رہے تھے۔ تم ان کے پاس موجود نہ تھے۔

❸ وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسٰی الامر و ما کنت من الشاھدین

(پارہ ۲۰ سورہ قصص ع ۸)

اور (اے رسولؐ) جس وقت ہم نے موسٰیؑ کے پاس اپنا حکم بھیجا تھا تو تم (طور کے) مغربی جانب موجود نہ تھے اور نہ تم ان واقعات کے بچشم دید دیکھنے والوں سے تھے۔

❹ وما کنت ثاویا فی اھل مدین تتلوعلیھم آیاتنا و لکنا مرسلین

اور نہ تم مدین کے لوگوں میں رہتے تھے کہ ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھتے (اور تم کو ان کے حالات معلوم ہوتے) مگر ہم تو (تم کو) پیغمبر بنا کر بھیجنے والے تھے۔

❺ وما کنت بجانب الطور اذ نادینا و لکن رحمۃ من ربك لتنذر قوما ما اتاھم من نذیر من قبلك لعلھم یتذکرون۔ (پارہ ۲۰ سورہ قصص ع ۸)

اور نہ تم طور کی کسی جانب اس وقت موجود تھے جب ہم نے (موسٰیؑ کو) آواز دی تھی (تاکہ تم دیکھتے) مگر یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے۔ تاکہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ڈرانے والا آیا ہی نہیں، ڈراؤ۔ (ترجمہ فرمانؒ)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ان آیات مبارکہ سے بعبارۃ النص یہ بات روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ جب یہ واقعات رونما ہوئے، اس وقت جناب رسول خدا ﷺ وہاں حاضر نہ تھے۔ جب سردار اہل بیتؑ کے حاضر ہونے کی نفی کر دی گئی تو پھر ائمہ اہل بیتؑ کے حاضر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تبصرہ:

ان آیات مبارکہ سے بعض جوابی کتب میں یہ کہہ کر گلو خلاصی کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ ان سے وجود کی نفی ہوتی ہے نہ رویت کی۔ اس کے متعلق پہلی گفتنی بات تو یہ ہے کہ یہاں بحث بھی تو جسمانی حضور و وجود کی ہے۔ اور جب یہ تسلیم کر لیا گیا کہ ان آیات سے حضور و وجود کی نفی ہوتی ہے تو پھر بحث ہی ختم ہو گئی۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک نفی رویت کا تعلق ہے گو ہم اس موضوع پر مکمل تبصرہ تو ناظر کی بحث میں کریں گے، مگر سر دست اتنا سن لیں کہ خلاق عالم ارشاد فرماتا ہے:

۶ تلك من انباء الغيب نوحيها اليك ما كنت تعلمها انت و لاقومك من قبل هذا

(پارہ ۱۲ سورہ ھود ع ۴)

یہ غیب کی چند خبریں ہیں جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے قبل نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی (جانتی تھی) (ترجمہ فرمانؒ)

اب یہ امر محتاج بیان نہیں کہ علم کی نفی رویت کی نفی کو مستلزم ہے۔

۷ ما يكون من نجوىٰ ثلاثة الا هو رابعهم و لا خمسة الا هو سادسهم ولا ادنى من ذلك و لا اكثر الا هو معهم اينما كانوا۔ (پارہ ۲۸ سورہ مجادلہ ع ۲)

جب تین (آدمیوں) کا مشورہ ہوتا ہے تو وہ (خدا) ان کا ضرور چوتھا ہے اور جب پانچ کا (مشورہ) ہوتا ہے تو وہ ان کا چھٹا ہے۔ اور اس سے کم ہوں یا زیادہ۔ اور چاہے جہاں کہیں ہوں، وہ ان کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔

۸ ونحن اقرب اليه من حبل الوريد۔ (پارہ ۲۶ سورہ ق ع ۱۶)

اور ہم تو اس کی شہ رگ حیات سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

۹ وكان الله على كل شئ رقيبا (پارہ ۲۲ سورہ احزاب ع ۳)

اور خدا تو ہر چیز کا نگران ہے۔

ان آیات وافی ہدایات کو پیش نظر رکھنے سے یہ امر اظہر من الشمس ہو جاتا ہے کہ ہر جگہ (علمی

Scanned with CamScanner

طور پر) حاضر و موجود ہونا خداوند عالم کی ذات سے مخصوص ہے۔ ولیس کمثلہ شئ

❻ وما تکون فی شان و ما تتلوا منہ من قرآن و لا تعملون من عمل الا کنا علیکم شہودا اذ تفیضون فیہ۔ (پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۱۲)

اور (اے رسولؐ) تم (چاہے) کسی حال میں ہو اور قرآن کی کوئی سی بھی آیت تلاوت کرتے ہو، اور (لوگو) تم کوئی سا بھی عمل کر رہے ہو، ہم (ہمہ وقت) جب تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔

حاضر ہونے کی نفی احادیث معصومینؑ کی روشنی میں

اس قسم کی متعدد و متنوع ادعیہ و احادیث معصومینؑ موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر وقت ہر آن ہر جگہ موجود ہونا خداوند عالم کی ذات کے ساتھ مختص ہے اور کوئی اس صفت میں اس کا شریک نہیں ہے۔ بطور نمونہ چند ادعیہ و احادیث پیش کی جاتی ہیں۔

❶ فرماتے ہیں: انادیک یا موجودا فی کل مکان۔ (دعائے نماز تہجد)

میں تجھے پکارتا ہوں، اے وہ خدا جو ہر مکان میں (علمی و احاطی طور پر) موجود ہے۔

❷ شب عرفہ کی دعا میں وارد ہے:

اللھم یا شاھد کل نجوی و موضع کل شکوی لک۔ (مفاتیح صفحہ ۲۵۳)

اے وہ خدا جو ہر سرگوشی کے مقام پر حاضر اور ہر شکوہ و شکایت کا محل ہے۔

❸ دعائے کمیل میں وارد ہے:

الت یا رب موضع کل شکوی و حاضر کل ملا و شاھد کل نجوی لک۔

اے پروردگار تو ہی ہر شکایت کی جگہ، تو ہی ہر گروہ کے پاس حاضر اور تو ہی ہر سرگوشی کے مقام پر موجود ہے۔ (مفاتیح صفحہ ۷۹)

❹ دعائے جوشن کبیر میں وارد ہے:

یا من ھو قریب غیر بعید یا من ھو علی کل شی شھید لک۔

اے وہ خدا جو قریب ہے نہ بعید، اے وہ خدا جو ہر چیز پر حاضر ہے۔ (مفاتیح صفحہ ۹۷)

❺ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام اپنی دعائے تسبیح میں فرماتے ہیں:

سبحانک الت شاھد کل نجوی سبحانک موضع کل شکوی سبحانک حاضر کل ملا۔

(صحیفہ سجادیہ صفحہ ۳۱۱)

Scanned with CamScanner

❼ اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ان للہ ملائکۃ سیاحین فی الارض یبلغونی عن امتی السلام۔

یعنی خدا کے کچھ ایسے فرشتے ہیں جو ہر وقت زمین میں سیر و سیاحت کرتے رہتے ہیں۔ اور میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔

کئی روایات میں یہ الفاظ وارد ہیں:

من سلم علی فی شی من الارض ابلغته و من سلم علی عند القبر سمعته۔

یعنی جو شخص زمین کے کسی حصہ میں (دور سے) مجھ پر سلام کرے وہ مجھ تک (بتوسط ملائکہ) پہنچایا جاتا ہے۔ اور جو میری قبر کے نزدیک مجھ پر سلام کرے اسے میں خود سن لیتا ہے۔

(وسائل الشیعہ جلد ۲ صفحہ ۳۷۹ باب زیارۃ النبی و لو من بعید)

اگر آنحضرتؐ ہر جگہ موجود ہوتے تو پھر ہر شخص کا سلام خود ہی سماعت فرما لیتے۔ اور یہ دور و نزدیک کی تفریق نہ ہوتی کہ دور والوں کا سلام فرشتے پہنچاتے ہیں اور نزدیک والوں کا خود سنتے ہیں۔ وھذا اوضح من ان یخفی۔

❽ جناب امیر علیہ السلام فرماتے ہیں:

لا تدرکه العیون بمشاهدة العیان و لکن تدرکه القلوب بحقائق الایمان قریب من الاشیاء غیر ملامس بعید منها غیر مباین الخ۔

(نہج البلاغہ مصری جلد ۲ صفحہ ۱۲۰ ترجمہ اردو صفحہ ۵۶۱)

خدا کو یہ آنکھیں آشکارا دیکھ نہیں سکتیں۔ لیکن قلوب حقائق ایمان کے وسیلہ سے اس کا ادراک کر لیتے ہیں۔ وہ ہر چیز کے نزدیک ہے لیکن اسے چھوا نہیں جا سکتا۔ وہ ہر چیز سے دور ہے لیکن جدا نہیں ہے۔

❾ نیز آنجنابؑ ایک خطبہ میں شان توحید بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لم یخل منه مکان فیدرك ..... الخ (کتاب التوحید للشیخ صدوق صفحہ ۵۱)

کوئی مکان خدا سے خالی نہیں ہے تاکہ اس کا ادراک کسی خاص مکان کی وجہ سے کیا جائے۔

❿ جناب امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

نائی فی قربه و قرب فی نائه فهو فی بعدة قریب و فی قربه بعید الخ۔ (کتاب التوحید صفحہ ۴۴)

Scanned with CamScanner

خداوہ ہے جو باوجود قرب (علمی) کے (جسمانی طور پر) دور ہے اور باوجود (جسمانی) دوری کے (علمی واحاطی طور پر) نزدیک ہے۔

⑩ دعائے زیارت امام العصر (جو کہ نماز صبح کے بعد پڑھی جاتی ہے) میں وارد ہے:

اللھم بلغ مولای صاحب الزمان صلوات اللہ علیہ عن جمیع المومنین و المومنات فی مشارق الارض و مغلوبھا و عن والدی و ولدی و علی من الصلوات ۔ الخ۔

بارالٰہا! جناب صاحب الزمانؑ کی خدمت میں میرے والدین اور میری اولاد نیز تمام مشرق و مغرب کے اہل ایمان کی طرف سے سلام پہنچا۔ (مفاتیح صفحہ ۵۳۸)

⑪ دعائے ندبہ میں وارد ہے: فبلغہ منا تحیۃ و سلاما الخ۔

یااللہ میرے امام زمانہؑ تک میرا تحیہ وسلام پہنچادے۔ (مفاتیح الجنان صفحہ ۵۳۷)

ناظرین والامکین! غور فرمائیں کہ اگر امام العصر عجل اللہ تعالیٰ فرجہ ہر جگہ حاضر ہیں تو پھر خداوند عالم کی بارگاہ میں یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ ان تک ہمارے سلام پہنچائے؟ معلوم ہوا امام زمانہ حاضر نہیں بلکہ غائب ہیں۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جو بزرگوار اس وقت ولی عصر وامام زمانؑ ہے وہ تو غائب ہے (جنھیں کہا ہی امام غائبؑ جاتا ہے) اور اسی لیے ان کے تعجیل ظہور کی دعائیں کی جاتی ہیں، اور جو بزرگوار ظاہری موت کا ذائقہ چکھ کر دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرما چکے ہیں وہ ہر وقت ہر جگہ حاضر ہیں؟ ان ھذا لشئ عجاب

⑫ ایک مرتبہ ابن ابی العوجاء (زندیق) نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں اثبات صانع کی درخواست کی۔ امامؑ نے وجود باری پر (بطور تنبیہ) دلیل پیش فرمائی۔ ابن ابوالعوجاء نے کہا: احلت علی غائب۔ آپؑ نے ایک غائب ہستی کا حوالہ دے دیا ہے۔ امام علیہ السلام نے سن کر فرمایا:

و یلك کیف یکون غائبا من ھو مع خلقہ شاھد و الیھم اقرب من حبل الورید یسمع کلامھم و یری اشخاصھم و یعلم اسرارھم۔

افسوس ہے تیرے لیے، بھلا وہ کیسے غائب ہوسکتا ہے جو اپنی مخلوق کے پاس حاضر ہے اور ان کی شہ رگ حیات سے بھی زیادہ ان کے نزدیک ہے۔ وہ ان کے کلام کو سنتا ہے، اجسام کو دیکھتا ہے، اور ان کے سربستہ رازوں کو جانتا ہے۔

اس پر زندیق نے عرض کیا: اھو فی کل مکان؟ کیا وہ ہر جگہ حاضر ہے؟ (یہ کیونکر ہوسکتا ہے) جب وہ آسمان میں ہوگا تو زمین میں کس طرح ہوسکتا ہے اور جب زمین میں ہوگا تو پھر اس وقت

Scanned with CamScanner

آسمان میں کس طرح ہو سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

انما وصفت المخلوق الذی اذا انتقل عن مکان اشتغل به مکان آخر و خلا منه مکان فلا یدری فی المکان الذی صار الیه ما یحدث فی المکان الذی کان فیه فاما اللہ العظیم الشان الملک الدیان فلا یخلو منه مکان و لا یشتغل به مکان و لا یکون الی مکان اقرب منه الی مکان۔

یہ تو نے مخلوق (و ممکن صاحب جسم) کی صفت بیان کی ہے کہ جب وہ ایک جگہ سے منتقل ہو جائے تو اس سے دوسری جگہ پر ہو جاتی ہے اور پہلی جگہ خالی ہو جاتی ہے۔ اسے دوسری جگہ منتقل ہونے کے بعد کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اب پہلی جگہ کیا ہو رہا ہے لیکن خدائے عظیم الشان و بادشاہِ دیان (جزاء دہندہ) ایسا ہے کہ اس سے نہ کوئی جگہ پر ہے اور نہ کوئی جگہ خالی ہے۔ (کیونکہ وہ جسم و جسمانیت سے منزہ ہے) اور نہ کوئی جگہ بہ نسبت دوسری جگہ کے اس سے زیادہ نزدیک ہے۔ (کیونکہ اس کا علم سب کو یکساں طور پر محیط ہے) (اصول کافی صفحہ ۶۱ باب الحرکۃ والانتقال)

اس حدیث شریف سے بھی کالشمس فی رابعۃ النہار واضح و آشکار ہوتا ہے کہ ہر آن ہر جگہ حاضر و موجود ہونا صرف خدائے دیان کی شان ہے۔ ولا یشرکه فیه احد من الخلائق۔

حاضر ہونے کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں

اگرچہ اس سلسلہ میں بہت سے علماء اعلام کا کلام حقائق ترجمان پیش کیا جا سکتا ہے۔ مگر ایک تو اس مسئلہ کی بداہت و وضاحت دوسرے اختصار کے پیش نظر صرف چند اعاظم کے بیانات درج کیے جاتے ہیں۔

❶ علامہ جلیل القدر الشیخ محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانی اپنی کتاب متشابہات القرآن جلد ۱ صفحہ ۱۷ پر لکھتے ہیں:

والجسم لا یصح ان یکون فی الاماکن الکثیرۃ فی حالۃ واحدۃ۔

ایک جسم کا ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر حاضر ہونا صحیح نہیں ہے۔

❷ علامہ خوئی منہاج البراعہ شرح نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۲۵۹ پر لکھتے ہیں:

یحکم الانسان بان الشخص الواحد لا یتصور ان یکون فی مکانین فی حالۃ واحدۃ و ھکذا حکم العقل علی کل شخص لا۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

یعنی انسان (اپنے وجدان سے) فیصلہ کرتا ہے کہ ایک شخص کے ایک وقت میں دو جگہ ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور تمام اشخاص کے متعلق عقل کا یہی فیصلہ ہے۔

❸ ناصر الملت جناب مولانا سید ناصر حسین لکھنوی سے یہ مسئلہ دریافت کیا جاتا ہے۔ یہ روایت مشہور ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے بوقت واحد چالیس جگہ افطارِ صوم کیا، اور جبرئیل نے بھی جناب رسولؐ خدا سے عرض کیا کہ خداوند عالم فرماتا ہے: "علیؑ نے عرش پر افطار کیا ہے"۔ صحیح ہے اور پڑھنا اس کا مجالس میں جائز ہے یا نہیں۔ اس لیے کہ یہ روایت علیؑ کے عرش پر تشریف لے جانے کی مستلزم ہے۔

یہ بحر ذخار اس سوال کا یہ جواب دیتے ہیں:

"یہ روایت کُتبِ مُعتبرہ میں نظر قاصر سے نہیں گزری۔ البتہ فاضل جزائری نے اجمالاً اس کا ذکر "انوارِ نعمانیہ" میں کیا ہے اور امیر المومنینؑ کا عرش پر تشریف لے جانا تو کچھ محل اشکال نہیں ہے لیکن بجسم واحد ایک زمانہ میں چالیس مقام پر تشریف لے جانا البتہ محال عقلی ہے۔ ہر چند کہ تعدد اجسام مثالیہ وغیرہ سے تاویل اس مضمون روایت کی ہو سکتی ہے۔ مگر چونکہ اصلی وجدان اس کا کتبِ مُعتبرہ میں ثابت نہیں، لہٰذا تاویل اس کی ضروری نہیں۔ واللہ العالم۔ ناصر حسین عفی عنہ بقلمہ

(ملاحظہ ہو رسالہ "العوارف" صفحہ ۶ لکھنو باب المسائل بابت ماہ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۳۶ھ جلد ۲ نمبر ۶)

❹ حضرت علامہ ابوالفضل برقعی اپنے رسالہ شریفہ سے از ولایت صفحہ ۲۱ طبع تہران میں فرماتے ہیں:

هر جسم و جوهرے چه لطیف و چه غیر لطیف محتاج بحیز و مکانست و هر ممکن الوجودے محدود است رسول و امام نیز هر دو بشر و دارائے روح و بدن و محدود و متحیز و محتاج بمکانند و در آن واحد ممکن نیست در دو مکان باشند چه برسد بامکنه بیشتری پس ایشان مجرد از مکان و احد و مانند خدا نیستند۔ پس محال است بدن واحد و یا روح واحد که یك مکان وارد در تمام امکنه حاضر باشد در آن واحد۔

یعنی ہر جسم و جوہر خواہ لطیف ہو اور خواہ کثیف وہ مکان کا محتاج ہے۔ نیز ہر ممکن الوجود محدود ہے۔ ظاہر ہے کہ نبیؐ و امامؑ بھی بشر اور صاحب روح و بدن ہیں اور محدود و محتاج مکان ہیں۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ آن واحد میں دو مکانوں میں حاضر ہوں۔ تا چہ رسد بامکنہ کثیرہ۔

❺ جناب مولانا سید محمد سبطین سرسوی مواعظ حسنہ حصہ دوئم صفحہ ۲۰۹ طبع دوم موعظہ چہارم میں لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

"شاہد اگر وقوع واقع پر موجود ہو تو وہ اس واقعہ کی شہادت دے سکتا ہے۔ اور ایک وقت میں چند مواقع پر موجود نہیں ہو سکتا"۔

ہم سردست ناظر کی بحث نہیں کر رہے بلکہ حاضر میں کلام ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ہستی تمام اشیاء پر حاضر ہو تو بحسب ظاہر اس کی دو ہی صورتیں متصور ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ اشیاء اس کے سامنے حاضر ہوں۔ یہ صورت ناممکن ہے۔ مولانا محمد سبطینؒ کے لفظوں میں سنیں۔ فرماتے ہیں:

"صورت اول مشکل بلکہ ناممکن اور خلافِ مشاہدہ ہے۔ کیونکہ نہ تو ہر ایک شخص ہر وقت و ہر حال میں پیغمبرؑ و امامؑ کے سامنے جاتا ہے اور اس کے سامنے ہر عمل کرتا ہے اور نہ دوسری چیزیں اس کے پاس جاتی ہیں۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ وہ ذات ہر ہر شے کے پاس موجود و حاضر ہو۔ یہ بھی ناممکن ہے۔ کیوں؟ مولانا موصوف کی زبانی سنیے: لیکن یہ بھی ظاہر ہے کہ جسم پیغمبرؑ ایک ہی جگہ ہوتا ہے۔ پھر کس طرح سے وہ تمام اشیاء پر حاضر ہوتا ہے"۔ (موعظ حسنہ حصہ دوم صفحہ ۲۲۰ موعظہ پنجم) الغرض ع

یہ ہی تھے دو حساب سو یوں پاک ہو گئے

جب حضور و شہود کی یہ دونوں شقیں باطل ہیں تو ع

حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

اس کے بعد مولانا مرحوم نے یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ وہ روح نبوتی و امامتی کی وجہ سے حاضر و ناظر ہوتے ہیں۔ اس پر ہم ناظر کے ذیل میں گفتگو کریں گے۔ انشاء اللہ

حاضر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں

اہل عقل و خرد جانتے ہیں کہ کسی امر کی اثباتاً یا نفیاً تصدیق کرنے سے پہلے اس امر کا فی الجملہ تصور ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ہرگز تصدیق نہیں ہو سکتی۔ مگر ہم جس فاسد نظریہ کے ابطال پر خامہ فرسائی کر رہے ہیں، اس کی کیفیت یہ ہے کہ عقل و خرد جس قدر چاہے زور لگائے اور انسانی علم و دانش جس قدر چاہے بلند پروازی کے دام بچھائے مگر اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی کہ ایک ہی جسم ایک ہی آن میں ایک سے زائد مقام پر کیونکر حاضر ہو۔ ظاہر ہے کہ جب تصور ناممکن ہے تو پھر تصدیق کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے بدیہی اور واضح حقائق کے اثبات پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے ندامت دامنگیر ہوتی ہے مگر ابتدائے مبحث میں عذر خواہی کر دی گئی ہے کہ ہمیں بدقسمتی سے سابقہ ان لوگوں سے پڑا ہے جو لایفرقون الھر من البر و لا یمیزون بین المحال و

Scanned with CamScanner

الممکن، قال اللہ المشتکی من معشر یعیشون جہلا و یموتون ضلالا۔ اس لیے خردمندان عالم سے امید کامل ہے کہ بموجب المعجور معذور نہیں اس توضیح واضحات پر معذور تصور کریں گے۔

بہرحال ان ذوات مقدسہ کو ہر وقت ہر جگہ بجسد اصلی حاضر سمجھنے والوں کو آخر کچھ تو عقل و ہوش سے کام لینا چاہیے کہ:

1. اگر آنحضرتؐ ہر جگہ موجود تھے تو یہ مکہ و مدینہ والی زندگی کی تفریق کس بنا پر ہے؟
2. اگر پہلے ہی ہر جگہ حاضر تھے تو پھر شب ہجرت کے واقعہ کی اصلیت کیا ہے؟
3. اسی طرح اگر جناب امیر علیہ السلام ہر جگہ موجود تھے تو پھر شب ہجرت بستر رسولؐ پر سونے کی حقیقت کیا ہے؟
4. اگر ہر جگہ موجود تھے تو مدینہ کی سکونت ترک کر کے کوفہ کو اسلامی دارالخلافت قرار دینے کی ماہیت کیا ہے؟
5. اگر امام حسن مجتبیٰؑ ہر جگہ حاضر تھے تو امیر شام سے مصالحت کے بعد مدینہ واپس تشریف لانے کے کیا معنی ہیں۔
6. اگر حضرت امام حسینؑ ہر جگہ حاضر تھے تو پھر ۲۸ رجب ۶۰ھ کو کربلا میں وارد ہونے کا کیا مطلب ہے؟
7. اگر امام زین العابدینؑ ہر جگہ حاضر تھے تو پھر شہادت امامؑ کے بعد کربلا سے کوفہ، کوفہ سے شام اور پھر زندان شام کی صعوبتیں برداشت کرنے کے بعد تباہ حال اسیران آل محمد علیہم السلام کے ساتھ واپس مدینہ تشریف لے جانے کا کیا مفہوم ہے؟
8. اگر یہ تمام بزرگ ہر جگہ حاضر ہیں تو امام موسیٰ کاظمؑ کو مسجد نبویؐ سے عین حالت نماز میں ہارون عباسی کے آدمیوں کا گرفتار کر کے پہلے کچھ عرصہ زندانِ بصرہ میں رکھنے اور پھر وہاں سے زندانِ بغداد میں منتقل کرنے، حتیٰ کہ بالآخر امامؑ کے زندانِ بغداد میں ہی زہر جفا سے جام شہادت نوش کرنے کی کیا اصلیت ہے؟
9. اگر امامؑ ہر جگہ حاضر ہیں تو پھر امام رضاؑ کا مامون عباسی کے شدید اصرار پر مدینہ سے بغداد تشریف لے جانے اور پھر وہاں سے منازل سفر طے کرتے ہوئے طوس پہنچ کر جام شہادت نوش کرنے کا کیا ماجرا ہے؟
10. اگر یہ ذوات قادسہ ہر جگہ ہر وقت حاضر ہیں تو پھر امام علی نقیؑ کا متوکل عباسی کے اصرار پر مدینہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سے سامرا تشریف لے جانے اور وہاں اس شقی کے ظلم وستم کا نشانہ بن کر بالآخر شربت شہادت پینے کی کیا حیثیت ہے؟ تلک عشرۃ کاملہ ؎

اند کے غمی دل بتو گفتم و بجاں ترسیدم
کر آزردہ شوی در نہ سخن بسیار است

آخر کچھ تو سوچو۔ عقل وہوش کا کیوں جنازہ نکالتے ہو۔ اور اس سائنسی ترقی کے علمی دور میں غیروں کو مذہب واہل مذہب کا مذاق اڑانے کا کیوں موقع دیتے ہو۔ ڈرو اس وقت سے جو آنے والا ہے؟ بہرکیف ان حقائق کی روشنی میں محقق ومبرہن ہوگیا ہے کہ جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے ہر وقت ہر جگہ جسم اصلی کے ساتھ حاضر ہونے کا نظریہ بالکل خلاف عقل ونقل وفطرت ہے۔ بعدازیں ان لوگوں کی عقل وخرد اور علم وفضل کی داد دیجیے جو یہ اعلان کرکے پھولے نہیں سماتے کہ ہم حضرت امیرؑ کو آنِ واحد میں امکنۂ متعددہ میں حاضر وناظر ہوجانے والا مانتے ہیں۔ اس جگہ ہمیں ۳۲۰ عدد مدعیان علم وفضل کے دستخطوں سے شائع کردہ حقائق مذہب شیعہ کے سوال نمبر ۲۰ اور اس کے جواب کو دیکھ کر ان حضرات کی ہوشیاری اور رائے عامہ سے مرعوب ہوکر کھلم کھلا قبول حق سے بیزاری پر بہت تعجب ہوتا ہے۔ پہلے صورت سوال توڑ مروڑ کر یوں پیش کی جاتی ہے: کیا آنحضرتؐ اور ائمہ ہدیٰؑ وقت واحد میں متعدد مقامات پر جسم مثالی سے تشریف لے جاسکتے ہیں، یا اس جسم سے نہیں جاسکتے۔ پہلے تو اس سوال میں ہی بڑی چالاکی سے کام لیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام تر بحث بیک وقت جسم عنصری و اصلی کے ساتھ امکنہ متعددہ میں حاضر ہونے کے متعلق ہے۔ مگر سوال میں جسم مثالی لکھا گیا ہے، جو کہ خارج از بحث ہے۔ جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ بہرحال اس سوال کا متفقہ طور پر جواب اس طرح دیا جاتا ہے: "ایسی ہستیوں کے لیے اس سوال کا کیا محل ہے۔ جو شب معراج آن واحد میں عالم امکان کی آخری حد تک جاتے بھی ہیں اور واپس بھی آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کو جسم مثالی سے نہیں بلکہ اسی جسم سے خدا نے شرف معراج بخشا تھا"۔ ؏

(صفحہ ۱۴ رسالہ مذکور)

بھلا خدا کی اس عجیب الخلقت مخلوق (مولوی صاحبان) سے کوئی یہ پوچھے کہ اصل سوال یہ نہیں کہ آنحضرتؐ معراج پر جسم عنصری کے ساتھ تشریف لے گئے تھے یا جسم مثالی کے ساتھ۔ کیونکہ یہ امر مذہب شیعہ کے مسلمات بلکہ ضروریات میں سے ہے کہ آنحضرتؐ کو بجسد عنصری خداوند عالم نے شرف معراج بخشا تھا۔ اسی طرح یہ امر بھی خارج از بحث ہے کہ آیا آنِ واحد میں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تشریف لے گئے تھے اور واپس آ گئے تھے، یا اس سے کچھ کم بیش وقت صرف ہوا تھا؟ فرض کیجیے وہ آنِ واحد کے بھی سویں حصہ میں جسد عنصری کے ساتھ عالم امکان کی آخری حد پر تشریف لے گئے تھے۔ اور پھر واپس بھی تشریف لائے۔ دراصل غور طلب بات یہ ہے کہ جس آن (یا اس کے بھی سویں حصہ) میں جسد عنصری کے ساتھ عالم امکان کی آخری حد پر تشریف لے گئے تھے یا جب واپس زمین پر تشریف لائے تھے تو اسی آن میں وہی اصلی جسد عنصری آسمان پر بھی موجود تھا۔ آیا اسی آن (یا آن کے اس سویں حصہ) میں ان کا وہی جسد عنصری زمین پر بھی تھا؟ اور اگر یہی جسد اطہر پہلے ہی آسمان پر حاضر تھا تو پھر کیوں اور کس جسد سے تشریف لے گئے تھے؟ اور اگر وہ جسد اقدس اس وقت زمین پر تھا تو پھر آسمان پر کس جسد انور کے ساتھ تشریف لے گئے؟ کیا عقل انسانی اس گتھی کو سلجھا سکتی ہے؟ اور کیا اس لاینحل عقدہ کو ناخن فکر سے حل کر سکتی ہے؟ بظاہر تو یہ مسئلہ نصاریٰ کی تثلیث والے بیہودہ نظریہ سے بھی زیادہ اُلجھا ہوا اور خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔ ع

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

یہی لاینحل سوالات مذکورہ بالا تمام عقلی دلائل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یا اھل العلم تدبروا و لاتکونوا من الذین یعلمون و یتبعون الذین لا یعلمون و قد قال اللہ سبحانہ و لا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون۔ کیونکہ ان توکلتم علی اللہ لا یضرکم کیدھم شیئا۔ انشاء اللہ۔ بہرکیف ؎

اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

ایک تحقیق جدید اور اس کا جواب

صاحب حقائق الوسائط نے تو (صفحہ ۲۴۷ پر) یہ کہہ کر کہ محمدؐ و آل محمد علیہم السلام لازمان ولا مکان ہیں۔ اب اس بحث کا خاتمہ ہی کر دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ع

قصہ کوتاہ گشت ورنہ درد سر بسیار بُود

اس کے ساتھ ساتھ جب تک ان ذواتِ مقدسہ کو جسم کی قید سے بھی آزاد نہ مانا جائے، اس وقت تک بات بنتی ہوئی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ ہر جسم کا محتاج مکان ہونا ایک بدیہی امر ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ ایسے ہی قید عقل و شریعت سے آزاد روضہ خوانوں کی روش و رفتار سے دل سوختہ ہو کر فاضل جلیل علامہ برقی نے لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

عجب است از زمان ماکه بعضے از مداحان امام،را لامکان و عالم بکل شی میخوانند و این نیست مگر از بدبختی و جهل ز یر الإمکان و حضور در کل مکان منحصر است بذات پرورد گار و گاهے می گو یند امام همه جا حاضر و ناظر و از افکار و خیالات همه مطلع است و حوائج همه را انجام میدهد۔ و چنیں گفتار ها شرك بخدا است و چنیں صفات مختص بذات اوست۔ و اگر امام،با رسولؐ از ما فی الضمیر کسے را خبر داده بتوسط وحی یا الهام حضرت پرورد گار بوده پس باید بچنیں مداحان گمراه گفت اگر امام، همه جا حاضر است شما چرا در دعائے امام زمانؑ می گوئید اللهم بلغ مولانی صاحب الزمان ؑ۔ یعنی خدایا برسا بمولائے ما صاحب الزمان صلوات و سلام ما را بر دعائے ندبه می گوئید و بلغه منا تحیة و سلاما یعنی سلام و تحیه مارا باد برساں۔ و اگر امام همه جا حاضر و ناظر بود دیگر برساں نمی خواست ؑ۔

(کتاب عقل و دین جلد ا صفحه ۲۷۰)

یعنی ہمیں اپنے (ابناء) زمانہ سے تعجب ہے کہ آج کل کچھ (غلط) مدح کرنے والے امامؑ کو لامکان اور عالم کل قرار دے رہے ہیں۔ اور یہ صرف بدبختی اور جہالت کا نتیجہ ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ لامکان اور (علمی طور پر) ہر جگہ حاضر ہونا ذات پروردگار میں منحصر ہے اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ امامؑ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اور تمام لوگوں کے افکار و خیالات سے آگاہ ہیں۔ اور تمام لوگوں کی حاجتیں برلاتے ہیں۔ اس قسم کی باتیں شرک بخدا میں داخل ہیں۔ اگر امامؑ یا رسولؐ کبھی لوگوں کو مافی الضمیر سے خبر دیتے بھی ہیں تو یہ بوجہ وحی یا الہام پروردگار ہوتا ہے۔ ایسے گمراہ مادحین سے کہنا چاہیے کہ اگر امامؑ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو تم امام زمانہؑ کی دعا میں یوں کیوں کہتے ہو: اللھم بلغ مولانی۔ اے اللہ ہمارے آقا امام زمانہؑ کو ہماری طرف سے صلوات وسلام پہنچا۔ اسی طرح دعائے ندبہ میں یہ کیوں کہتے ہو: اے اللہ امام زمانہؑ کو ہمارا تحیہ وسلام پہنچا۔ اگر امامؑ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں تو پھر خدا سے یہ درخواست پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے کہ ہمارا سلام ان تک پہنچا۔

اس سلسلہ میں جس حدیث کے ساتھ تمسک کیا گیا ہے اس کی صحیح توضیح و تشریح کے لیے مرآۃ الانوار مشکوۃ الاسرار کا صفحہ ۳۰ دیکھیں۔ تاکہ حقیقت حال پر اطلاع و آگاہی حاصل ہو۔

(تلك الاسرار لا یعلمها الا العلماء الاخیار و نقاد الاخبار)

Scanned with CamScanner

صداقت حق کا زندہ ثبوت

جواہر الاسرار کے مؤلف نے ہر چند حاضر ناظر کہے اس محال و ناممکن نظریہ فاسدہ کو بعض مجمل و مرسل اور غیر متعلق آثار سے ثابت کرنے کے لیے اِدھر اُدھر بہت کچھ ہاتھ پیر مارے ہیں۔ مگر اس کتاب کے ناشر نے ان کی اس کوشش ناتمام پر یہ کہہ کر پانی پھیر دیا کہ "نحن لا نعنی بالحاضر الا الحاضر بالقوۃ لا بالفعل انھم موجودون فی کل مکان باجسام عدیدۃ و لا یخلومنھم مکان"۔ حاضر ہونے سے مراد حاضر بالقوۃ ہے نہ کہ بالفعل۔ چنانچہ ہم ہرگز یہ نہیں کہتے کہ وہ متعدد اجسام کے ذریعہ ہر جگہ موجود ہیں اور ان سے کوئی جگہ خالی نہیں۔ البتہ ایسا ہے کہ اگر یہ ذوات مقدسہ کسی جگہ پر چاہیں تو آن واحد میں خدا کی قدرت سے حاضر ہو سکتے ہیں۔ خواہ وہ جہ ہزاروں میل دور ہو یا نزدیک۔ ۔۔۔(یہاں اصول الشریعہ کے جسد مثالی والے بیان پر چند سطروں میں شلط تنقید کرنے کے بعد جو ان کے مطلب کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے، لکھا ہے) "اس لیے کہ ایک شئ کا ایک ہی وقت میں امکنہ متعددہ پر موجود ہونا عقلاً محال ہے"۔ (حاشیہ جواہر الاسرار صفحہ ۱۶۸)

ناشر صاحب نے دوسرے اختلافی مقامات پر بھی اسی طرح کے تائیدی نوٹس لکھے ہیں۔ مگر اس بندۂ خدا سے کوئی پوچھے کہ اگر اس طرح ہر ہر موضوع پر وضاحتی نوٹ لکھ کر اصول الشریعہ کے مطالب کی تائید ہی کرنا تھی تو پھر کس حکیم نے تمھیں کہا تھا کہ اس کی رد میں کتاب شائع کرو۔ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اگرچہ اس موضوع پر توضیح واضحات کے طور پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے وہ خواب غفلت میں سوئی ہوئی دنیا کو بیدار کرنے کے لیے کافی ہے۔ لیکن ممکن ہے اس طرح تنبیہ کرنے سے کوئی گراں خواب اب بھی بیدار نہ ہو، اس لیے اسے مزید جھنجوڑنے کے لیے ذیل میں بعض شکوک و اوہام کا ازالہ بھی کیا جاتا ہے، تاکہ توضیح مرام میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

پہلا شبہ اور اس کے جوابات:

آیت مبارکہ: وکذالک جعلناکم امۃ وسطا لتکونوا شھداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شھیدا۔ یعنی اسی طرح ہم نے تم کو امت وسط بنایا کہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسولؐ تم پر شہید ہوں۔

Scanned with CamScanner

امت وسط سے مراد امامؑ ہیں۔ پھر شاہد اور شہید کے معنیٰ یہ بیان کیے جاتے ہیں: فالشاهد على الشيء من حضر عنده صورة ذلك الشيء و الشهيد هو القوة التي يقع بها الشهود و الحضور سواء كانت مفارقة او جسمانية۔ یعنی شئ کے لیے شاہد وہ ہے جس کے سامنے اس شئ کی صورت موجود ہو اور شہید وہ قوت ہے جس کے ذریعہ شہود وحضور واقع ہوتا ہے، خواہ وہ مجرد ہو یا جسمانی ہو۔

اس شُبہ کے کئی جوابات باصواب دیے جاسکتے ہیں۔

پہلا جواب:

اگر بالفرض لفظ شہید کے وہی معنیٰ ہوتے جن کا ان حضرات نے دعویٰ کیا ہے اور اس سے بظاہر نبیؐ وامام علیہم السلام کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ہونا ثابت بھی ہوتا، تب بھی عند المتکلمین مُسلّم قانون کی رو سے اس کی ایسی تاویل کرنا لازم ہوتی کہ محال عقلی کے ساتھ اس کا یہ ظاہری تصادم واختلاف ختم ہوجائے۔ کیونکہ مُسلمہ قاعدہ یہ ہے کہ جب ایک بات عقلی براہین قاطعہ وشرعی دلائل ساطعہ سے ثابت ہو، اور پھر کوئی مجہول و متشابہ نقلی دلیل بظاہر اس سے مُتصادم ہو تو اگر وہ نقلی دلیل سندی اعتبار سے ناقابل اِنکار ہوئی تو پھر اس کی کوئی ایسی تاویل کرنا لازم ہوگی۔ جس سے یہ ظاہری منافات ختم ہوجائے۔ مثلاً خدا کا جسم نہ رکھنا عقلاً مُسلّم و مُحقّق ہے۔ مگر بعض آیات جیسے خلقت بیدی، وجہ ربک، الرحمٰن علی العرش استویٰ وغیرہا سے بظاہر اس کی جسمانیت کا توہم ہوتا ہے۔ اس لیے ائمہ طاہرینؑ کی مقدس تعلیمات سے یہ ظاہری باہمی تضاد و اختلاف بالکل ختم ہوجاتا ہے۔

تفصیل کے شائقین ہماری کتاب احسن الفوائد کی طرف رجوع فرمائیں۔ بنابریں چونکہ ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ جسم واحد کا آن واحد میں مقاماتِ مُتعددہ میں حاضر ہونا عقلاً محال وناممکن ہے۔ لہٰذا اگر بالفرض اس آیت سے بظاہر یہ مطلب مترشح بھی ہوتا تو اس کی مناسب تاویل کرنا واجب تھی، تاکہ عقل وشرع کا یہ اختلاف ختم ہوجائے، چہ جائے کہ شہید کے وہ معنیٰ ہی سرے سے غلط ہیں جن پر ان حضرات نے اپنے مفروضہ کی بنا رکھی ہے۔

دوسرا جواب:

اس آیہ وافی ہدایہ کا ان لوگوں کے خودساختہ نظریہ سے کوئی ربط وتعلق نہیں ہے۔ اس کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ جہاں تک اس امر کا تعلق ہے کہ امت وسط سے ائمہ اطہارؑ مراد ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔ اس سے تمام امت اسلامیہ کو مراد لینا عقلاً ونقلاً کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ جب کہ عام افرادِ امت میں مومن ومنافق، عادل وفاسق، اور صالح وطالح غرضیکہ ہر قماش کے اور ہر قسم

Scanned with CamScanner

کے لوگ موجود ہیں۔ جن میں بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کی اس دنیا میں چار پیسے کی چیز پر شرعی نقطہ نظر سے گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ (ان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا) تو بروز قیامت سابقہ امتوں بلکہ انبیائے ماسلف کی نبوتوں پر ان کی گواہی کیوں کر قبول کی جاسکتی ہے؟ لیکن جہاں تک لفظ شہید کے بل بوتے پر ان بزرگواروں کے ہر وقت ہر جگہ حاضر ثابت کرنے کا تعلق ہے، یہ امر نہ قرآن سے ثابت ہوتا ہے نہ لغت عرب سے، نہ ارشادات معصومینؑ سے اور نہ ہی اقوال علماء محققین سے (تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے)

لفظ شہید کے لغوی معانی کی تحقیق

ارباب علم و فضل پر مخفی نہیں ہے کہ لفظ شہید لغت عرب میں متعدد معانی میں استعمال ہوا ہے۔ لیکن ان میں سے جو معنی یہاں مناسبت رکھتے ہیں، وہ دو ہی ہیں۔

❶ پہلے معانی مناسب گواہ ہیں، عام اس سے کہ وہ گواہ اصل واقع پر موجود حاضر ہو یا نہ ہو، بلکہ اس گواہی کے لے اصل واقع کے متعلق علم و یقین کا ہونا کافی ہے۔ وہ جس طرح بھی حاصل ہوجائے۔ ان پہلے معنی کی رو سے باعتبار لغت عرب شاہد و شہید میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہر دو الفاظ کا مصدر شہود اور اسم مصدر شہادۃ ہے۔ یہاں مصدر و اسم مصدر نیز ان کے بعض مشتقات کے معانی لغت کی کُتبِ مُعتبرہ سے درج کیے جاتے ہیں۔ جس سے شاہد و شہید کا صحیح مفہوم خود بخود واضح ہوجائے گا۔

❷ قاموس اللغات جلد ۱ صفحہ ۳۰۵ طبع مصر پر مرقوم ہے: الشهادة خبر قاطع۔ یعنی شہادت قطعی و یقینی خبر کا نام ہے۔ اسی صفحہ پر ذرا آگے چل کر لکھا ہے: الشهيد و قد تكسر شينه الشاهد۔ یعنی شہید جسے بعض اوقات شین کے زیر کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے، بمعنی شاہد ہے۔ (یعنی قطعی خبر دینے والا)

❸ اسی طرح المنجد صفحہ ۴۱۷ طبع چہار دہم پر لکھا ہے: الشهادة خبر قاطع۔ الشهيد و الشهيد الامين فی شهادته الشاهد۔ (مطلب ایک ہی ہے) شھد الشی کے معنیٰ لکھے ہیں: اطلع عليه۔ یعنی اس شی پر مطلع ہوا۔ شھد علیٰ کذاء کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں: اخبر به خبرا قاطعاً۔ فلاں باب پر شہادت دی۔ یعنی اس کے بارے میں قطعی و یقینی خبر دی۔

❹ لسان العرب جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ تا ۲۴۳ طبع بیروت پر لکھا ہے: الشهادة خبر قاطع صفحہ ۲۳۹۔ الشهيد الشاهد۔ یعنی شہید بمعنی شاہد ہے۔ چند سطور کے بعد لکھا ہے: و يقال للشاهد شهيد۔ شاہد کو شہید کہا جاتا ہے۔ پھر صفحہ ۲۴۰ پر ہر دو الفاظ کے ہم معنی ہونے پر بعض آیات و

Scanned with CamScanner

روایات سے استشہاد بھی کیا ہے۔ فراجع۔

قرآن مجید میں آنحضرتؐ پر ہر دو لفظوں کے اطلاق سے بھی اس امر کی تائید ہوتی ہے:
انا ارسلناك شاهدا و جئنا بك على هولاء شهيدا۔

❺ ریاض السالکین شرح صحیفہ سجادیہ للعلامۃ السید علی خان الشیرازی صفحہ ۷۲ پر لکھا ہے: کل من عرف حال شخص فله ان یشهد علیه فان الشهادة خبر قاطع۔ یعنی جو شخص بھی کسی شخص کی حالت کی مکمل معرفت رکھتا ہو وہ اس پر شہادت دے سکتا ہے۔ کیونکہ شہادت قطعی خبر کا نام ہے۔ نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے: الشہداء جمع شہید فعیل بمعنی فاعل۔ یعنی شہداء شہید کی جمع ہے، جو فعیل بمعنی فاعل یعنی شہید بمعنی شاہد ہے۔

❻ لغات القرآن و الحدیث کی مشہور کتاب مجمع البحرین صفحہ ۲۲۴ پر لکھا ہے: الشهادة خبر قاطع۔ اس سے پہلے صفحہ ۲۲۳ پر شاہد و شہید کے درمیان معمولی سا معنوی اختلاف بیان کرنے کے بعد ان کا ایک دوسرے پر اطلاق ہونا تسلیم کیا ہے۔

❼ مفردات راغب اصفہانی طبع ایران صفحہ ۲۶۹ پر لکھا ہے: و الشهادة قول صادر عن علم حصل بمشاهدة بصيرة او بصر۔ یعنی شہادت اس قول کا نام ہے جو علم و یقین کی بنا پر صادر ہو۔ یہ علم خواہ بصیرت (باطنی) کے مشاہدہ پر مبنی ہو۔ اور خواہ بصارت ظاہری پر۔ پھر لکھا ہے: و یقال شاهد و شهيد۔ شاہد و شہید کہا جاتا ہے۔ یعنی دونوں لفظ ہم معنی ہیں جو علم و یقین کی بنا پر گواہی دے سکیں۔

❽ کلیات ابو البقاء طبع بمبئی صفحہ ۱۹۷ پر لکھا ہے: الشهيد الشاهد۔ یعنی شہید کے معنی ہیں شاہد۔

ان حقائق لغویہ سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ شہادت قطعی و یقینی خبر دینے کا نام ہے۔ خواہ چشم دید حالت پر مبنی ہو اور خواہ معرفت قلبی پر۔ لہٰذا جس شخص کو کسی واقعہ کا یقین حاصل ہو جائے (خواہ کسی طریقہ سے ہو) وہ اس واقعہ کا شاہد و شہید ہو سکتا ہے۔ چونکہ خداوند عالم اپنے رسولؐ اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کو بعض مخصوص ذرائع و اسباب سے (جن کی بقدر ضرورت تفصیل مسئلہ ناظر میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ) کی اطلاع بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ اس لیے وہ اعمال امت کے گواہ بن سکتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس سے ان حضرات کا ہر وقت ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔

Scanned with CamScanner

کتب تفسیر و حدیث سے اس مطلب کی تائید مزید

مذکورہ بالا آیت مبارکہ کی تفسیر میں فریقین کے مفسرین نے جو افادات عالیہ فرمائے ہیں، ان سے بھی ہمارے اس دعویٰ کی صرف بحرف تائید ہوتی ہے کہ شہید کے لیے نفس واقع پر حاضر ہونا ضروری نہیں ہے، بلکہ وہ اپنے ذاتی علم و یقین کی بنا پر شہادت دے سکتا ہے۔

❶ چنانچہ علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۳ طبع مصر پر رقمطراز ہیں:

و لما کان بین الابصار بالعین و بین المعرفۃ بالقلب مناسبۃ شدیدۃ لاجرم قد تسمی المعرفۃ التی فی القلب شھادۃ و شھودا و العارف للشیٔ شاھدا و مشاھدا (الی ان قال) ان کل من عرف حال شیٔ و کشف عندہ کان شاھدا علیہ۔ الخ

یعنی چونکہ عینی مشاہدہ اور معرفت قلبی میں شدید مناسبت پائی جاتی ہے اس بنا پر کبھی معرفت قلبی کو مشاہدہ و شہود کہہ دیا جاتا ہے۔ اور کسی چیز کی معرفت رکھنے والے کو اس کا شاہد و مشاہد کہا جاتا ہے۔ لہٰذا جس شخص کے نزدیک کسی چیز کا حال کا حقہ منکشف ہو جائے وہ اس کا شاہد ہوتا ہے۔

اسی جلد کے صفحہ ۱۲ پر اس اعتراض کہ ان مثل ھذہ الاخبار لا تسمی شھادۃ۔ یعنی کسی امر کی اس بنا پر گواہی دینا کہ خدا و رسولؐ نے اس کی خبر دی ہے اسے اصطلاح میں شہادت نہیں کہا جا سکتا کا جواب دیا ہے۔

و ھذا ضعیف لقولہ علیہ الصلوۃ و السلام اذا علمت مثل الشمس فاشھد و الشیٔ الذی اخبر اللہ تعالی عنہ فھو معلوم مثل الشمس فوجب جواز الشھادۃ علیہ۔

یعنی یہ اعتراض بالکل کمزور ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام علیہ و آلہ السلام کا فرمان ہے کہ جب تمھیں کسی چیز کے وجود کا آفتاب کی طرح یقین کامل ہو تب اس کی گواہی دو۔ ظاہر ہے کہ جب خداوند عالم کسی امر کی خبر دے تو وہ یقیناً آفتاب کی طرح روشن ہوتی ہے۔ لہٰذا ایسی شہادت یقیناً جائز ہوگی۔

❷ شیخ الطائفہ حضرت شیخ طوسیؒ اپنی تفسیر تبیان جلد ۲ صفحہ ۷ پر اور حضرت علامہ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۹۴ پر لتکونوا شھداء علی الناس کے معانی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الثالث یشھدون للانبیاء علی امھم المکذبین لھم انھم قد بلغوا و جاز ذلک لاعلام النبی ایاھم بذلک۔

یعنی اس کے تیسرے معنی یہ ہیں کہ امت وسط (ائمہ اطہارؑ) انبیائے سلف کے حق میں ان کی امتوں کے ان لوگوں کے برخلاف شہادت دیں گے جنھوں نے ان انبیاء کو جھٹلایا تھا۔ بایں طور کہ

Scanned with CamScanner

واقعی ان انبیاء نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا تھا اور ان کی یہ شہادت اس لیے جائز اور نافذ ہوگی کہ جناب رسول خداؐ (جیسے جعفر صادق نے باعلام اللہ) ان کو اس امر کی خبر دی تھی۔ پس معلوم ہوا کہ صرف جناب رسول خداؐ کے خبر دینے کی بنا پر بھی شہادت دینا درست ہے۔ اسی طرح آنحضرتؐ کے لیے خدائے علیم وخبیر کے خبر دینے سے شہادت دینا صحیح ہے اگرچہ اصل واقعہ کو خود نہ بھی دیکھا ہو۔

● فاضل کاشانی نے اپنی تفسیر صافی صفحہ ۴۹ پر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

یشهد محمد علینا و للشهد علی شیعتنا و لیشهد شیعتنا علی الناس۔

جناب رسول خداؐ ہم پر گواہی دیں گے اور ہم اپنے شیعوں پر، اور ہمارے خالص شیعہ باقی لوگوں پر۔

اس کی مزید تائید محدث جزائری کی نورالانوار شرح صحیفہ کاملہ صفحہ ۴۱ پر امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ بروز قیامت جب انبیاء کرامؑ سے تبلیغ رسالت کے بارہ میں سوال ہوگا اور ان کے بیان پر ان سے گواہ طلب کیے جائیں گے تو وہ سرکار ختمی مرتبتؐ کی خدمت میں حاضر ہوں گے اور آنحضرتؐ جناب جعفر طیارؓ اور حضرت حمزہؓ سید الشہداءؓ کو حکم دیں گے: یا جعفر یا حمزة اذهبا و اشهدا له بانه بلغ۔ تم دونوں جاکر گواہی دو کہ انھوں نے تبلیغ نبوت کا فریضہ ادا کر دیا تھا۔

حضرت صادق آل محمدؐ فرماتے ہیں کہ: فجعفر و حمزة الشاهدان للانبياء بما بلغوا۔ اس دن تبلیغ رسالت پر انبیاء سلف کے جناب جعفرؓ و جناب حمزہؓ گواہ ہوں گے۔

راوی نے عرض کیا: جعلت فداك فعلی علیه السلام۔ میرے آقا حضرت امیر علیہ السلام اس وقت کہاں ہوں گے؟ فرمایا: هو اعظم منزلة من ذلك۔ یعنی ان کا مقام اس سے اجل وارفع ہے کہ وہ خود جاکر گواہی دیں۔

ظاہر ہے کہ حضرت جعفرؓ و حمزہؓ کی یہ گواہی محض جناب رسول خداؐ کی خبر دہی پر مبنی ہے، ورنہ وہ خود تو بالاتفاق ان واقعات کے وقوع پذیر ہونے کے وقت حاضر نہ تھے۔ اس سے یہ امر کالشمس فی رابعۃ النہار واضح وآشکار ہو جاتا ہے کہ خبر قطعی کی بنا پر شہادت دینا صحیح ہے۔ شاہد کے لیے نفس واقع پر حاضر ہونا لازمی شرط نہیں ہے۔

اس امر کی تائید مزید برادران اسلامی کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں وارد ہے کہ

Scanned with CamScanner

جب سابقہ امتیں اپنے انبیاء کی تبلیغ کا انکار کر دیں گی، تو انبیاء سے گواہ طلب کیے جائیں گے۔ اس وقت امت مرحومہ کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا۔ سابقہ امتیں ان کی گواہی پر اعتراض کرتے ہوئے کہیں گی: من این عرفتم۔ تمھیں یہ حالات کہاں سے معلوم ہوئے ہیں کہ (تمھاری گواہی قابل قبول ہو؟) امت مرحومہ جواب دے گی: علمنا ذلك باخبار الله تعالیٰ فی کتابه الناطق علی لسان نبیه الصادق۔ چونکہ خداوند عالم نے اپنی اس کتاب مقدس میں جو اس نے اپنے صادق القول رسولؐ پر اتاری ہے ان امور کی خبر دی ہے۔ اس سے ہمیں ان حالات کا یقین ہوا ہے۔ بعد ازاں آنحضرتؐ ان کی تصدیق فرمائیں گے۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۲، تفسیر در منثور جلد ۱ صفحہ ۱۴۴)

معلوم ہوا کہ مخبر صادق کے خبر دینے کی وجہ سے جو علم و یقین حاصل ہو اس کی بنا پر گواہی دی جا سکتی ہے اگرچہ گواہ اصل واقعہ پر حاضر نہ ہو۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

یہاں یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ دنیوی امور میں وہی شہادت شرعاً قابل قبول ہوتی ہے جو رویت عین یعنی چشم دید حالات پر مبنی ہو تو قیامت میں چشم دید واقعات کے علاوہ کیونکر کوئی شہادت قبول ہو سکتی ہے؟

یہ شبہ بچند وجہ در جہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً یہ قیاس مع الفارق ہے جو قیاس کو جائز سمجھنے والوں کے نزدیک بھی باطل ہے۔ حالانکہ اہل حق کے نزدیک تو اصل قیاس ہی باطل ہے۔ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ نشآت و عوالم کے تبدیل ہونے سے احکام بھی فی الجملہ بدل جاتے ہیں۔ یوم آخرت کی بات ہی اور ہے، ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ دار دنیا میں بھی آخرت کے ساتھ تعلق رکھنے والے امور کا حکم اور ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر اخروی امور کے متعلق شہادت دینے میں بھی عینی رویت لازم ہو تو پھر ہم جنت و جہنم اور روز آخرت، صراط و میزان وغیرہ امور بلکہ خود خدا تعالیٰ کے وجود کی بھی گواہی نہ دے سکیں۔ کیونکہ ہم نے ان حقائق کا ظاہری آنکھوں سے مشاہدہ تو نہیں کیا ہے۔ بلکہ محض عقل سلیم یا خدائے رحیم یا رسول کریمؐ اور ائمہ طاہرینؑ کے فرامین کی بنا پر ان کو تسلیم کرتے ہیں، اور شہادت دیتے ہیں:

اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله و اشهد ان الائمة هدى ابرار و ان الموت حق و الجنة حق و النار حق و ان الله يبعث من فى القبور۔

اس ارشادِ قدرت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے: شهد الله انه لا اله الا هو و الملائكة و اولوا

Scanned with CamScanner

العلم قائماً بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم۔ (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۱۰)

خلاصہ معنی ایں کہ خدا و ملائکہ اور صاحبانِ علم گواہی دیتے ہیں کہ خدا کے علاوہ کوئی معبود برحق نہیں ہے۔

مفردات راغب اصفہانی صفحہ ۲۷۰ پر لکھا ہے:

و شہادۃ اولی العلم اطلاعھم علی تلک الحکم و اقرارھم بذلک۔

یعنی صاحبان علم کی شہادت سے مراد ان اسرار وحکم پر اطلاع حاصل کرکے ان کا اقرار کرنا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ان امور کی شہادت میں رویت عینی مُعتبر نہیں ہے بلکہ دلائل عقلی یا سمعی سے حاصل شدہ یقین کی بنا پر یہ شہادت دی جاسکتی ہے۔

ثانیاً شہادت کی کیفیت کے متعلق معصومؑ اور غیر معصوم کو برابر قرار دینا بھی درست نہیں ہے بلکہ یہ بے بصیرتی کی دلیل ہے۔ معصوم علیہ السلام رویت عینی کے علاوہ دیگر ذرائع مخصوصہ سے حاصل کردہ علم ویقین کی بنا پر بھی شہادت دے سکتے ہیں۔

چنانچہ مولانا السید مہدی القزوینی کتاب ظہور الحقیقۃ صفحہ ۲۱۱ پر تحریر فرماتے ہیں:

و باب الشہادۃ فی الفقہ لیس لہ دخل بشہادۃ المعصوم لضرورۃ حجیۃ شہادۃ المعصوم وحدہ فیما ھو من شانہ الرویۃ بالبصر و فیما ھو من شانہ الرویۃ بالبصیرۃ فلا مدخلیۃ لما قالہ ارباب الفقہ بما نحن فیہ و ھل عاقل لیس فی قلبہ مرض یجعل المعصوم مثل غیر المعصوم فی مسئلۃ الشہادات وغیرھا۔

یعنی کتب فقہ میں باب الشہادت کے اندر اس کے جو شرائط وغیرہ مذکور ہیں ان کو امام معصومؑ کی شہادت وگواہی کے ساتھ کوئی دخل نہیں، کیونکہ ہر بات میں خواہ اس کا تعلق چشم بصیرت کے ساتھ ہو یا چشم بصارت کے ساتھ بہرحال اس میں تنہا امام معصوم کی شہادت بالضرورۃ مقبول ہے۔ لہٰذا جو کچھ ارباب فقہ نے کہا ہے اسے ہمارے اس موضوع کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بھلا کوئی بھی عقلمند انسان جس کے دل میں کوئی مرض نہ ہو، وہ مسئلۂ شہادت وغیرہ میں امام معصومؑ کو غیر معصوم کے برابر قرار دے سکتا ہے۔ سابقاً تیسرے باب میں بذیل اقسام تفویض یہ امر بیان کیا جاچکا ہے کہ امام معصومؑ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تمام معاملات میں شریعت کے ظاہری قواعد پر عمل کریں یا اپنے ذاتی علم ویقین کے مطابق عمل درآمد کریں، اس امر کی مزید تائید امم سابقہ پر آنحضرتؐ کی گواہی دینے سے بھی ہوتی ہے کہ معصومینؑ کے لیے شہادت میں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

رویت بالبصر ضروری نہیں۔ کیونکہ قرآن شاہد ہے کہ سابقہ واقعات آنجناب ﷺ کے چشم دید نہ تھے۔ جیسا کہ اسی باب میں بذیل عنوان" حاضر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں" اس مطلب کی پوری پوری وضاحت کی جا چکی ہے۔

ثالثاً اگر بالفرض ان لوگوں کی اس تحقیق کو تسلیم بھی کر لیا جائے جو انھوں نے معانی شہید کے بارے میں کی ہے تو بھی اس سے سرکار محمدؐ و آل محمدؐ کا ہر جگہ حاضر ہونا ثابت نہیں ہوتا، جو کہ محل نزاع ہے، بلکہ اس سے زیادہ سے زیادہ ان حضرات کا ناظر ہونا مترشح ہوتا ہے۔ جس پر ہم عنقریب مفصل تبصرہ کریں گے، انشاء اللہ۔ لہٰذا یہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہ ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول ہے۔

رابعاً اس آیت مبارکہ سے آنحضرت کا صرف ائمہ اطہارؑ پر شاہد ہونا ثابت ہوتا ہے، نہ ہر چیز پر۔ ورنہ بجائے و یکون الرسول علیکم شھیدا کے و یکون الرسول علی کل شی شھیدا وارد ہوتا۔ اب بات واضح ہے کہ جب پیغمبر خداؐ (جو کہ ائمہؑ سے افضل ہیں) ہر چیز پر حاضر نہیں تو ائمہ اطہارؑ کس طرح ہر چیز پر حاضر ہو سکتے ہیں؟۔

خامساً کئی روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ بروز قیامت قرآن اہل ایمان کے حق میں شہادت دے گا۔ اور شفاعت بھی کرے گا۔ (تفسیر صافی صفحہ ۱۶ مقدمہ عاشرہ) تو کیا پھر قرآن کو بھی ہر جگہ حاضر تسلیم کیا جائے گا؟۔

دفع دخل مقدر:

یہاں یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض کتب لغت میں لفظ شہید کے ایک معنی یہ بھی لکھے ہیں: الذی لا یغیب عن علمہ شی۔ یعنی جس کے علم سے کوئی شی پوشیدہ نہ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ شہید کے یہ معنی اس وقت مراد ہوتے ہیں جب اس لفظ کا اطلاق خداوند عالم پر کیا جائے، جیسے آیت مبارکہ: ان اللہ علی کل شی شھید وغیرہ میں ہے۔

چنانچہ مجمع البحرین صفحہ ۲۲۴ پر لکھا ہے:

والشھید من اسمائہ تعالیٰ و ھو الذی لا یغیب عن علمہ شیٔ۔

یعنی خداوند عالم کے اسمائے مبارکہ میں سے ایک اسم شہید بھی ہے۔ یعنی وہ ذات جس کے علم سے کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو۔

برادران اسلامی کی مشہور لغت الحدیث معروف بہ" انوار اللغۃ" (جس میں شیعہ احادیث کی

Scanned with CamScanner

بھی تشریح کی گئی ہے) جلد ۳ صفحہ ۱۴۶ مطبوعہ اصح المطابع کراچی میں لکھا ہے: شہید اللہ کا نام ہے۔ یعنی سب چیزیں اس کے سامنے ہیں۔ کوئی چیز اس سے غائب نہیں ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ لفظ شہید کے یہ معنی اس وقت کیے جاتے ہیں جب کہ اس کا اطلاق ذات خدا تعالیٰ پر ہو، نہ یہ کہ جہاں بھی لفظ شہید استعمال ہو، اس کے یہی معنی مراد لیے جائیں۔

زنا کے ثبوت میں چار چار گواہ ضروری ہیں۔ ارشاد باری ہے: لولا یاتوا علیہ باربعۃ شھداء۔ "شہداء" "شہید" کی جمع ہے۔ (جس طرح شاھد کی جمع شھود و شھداء اور جمع الجمع اشھاد ہے) تو کیا یہاں بھی "شہید" کے یہی معنی کیے جائیں گے کہ ایسے چار گواہ جن سے کائنات کی کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو؟ حاشا وکلا۔ اصل بات یہ ہے کہ ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ کسی بھی لفظ کے معنی متعین کرتے وقت اس کے منسوب الیہ کا اعتبار ضروری ہوتا ہے۔ اللہ پر لفظ عالم کا اطلاق ہوتا ہے، اسی طرح مخلوق پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے، تو کیا ہر دو جگہ علم کا ایک ہی مفہوم مراد لیا جائے گا؟ اسی بنا پر فاضل سیوطی نے اتقان جلد ۱ صفحہ ۲۳ طبع مصر پر لفظ ہدایت کے موقع و محل کی مناسبت سے سترہ معانی بیان کیے ہیں۔ من شاء التفصیل فلیرجع الیہ۔

طریفہ:

لفظ شہید کے متعلق جو کچھ یہ لوگ ذاتی تحقیق کے نام سے پیش کیا کرتے ہیں، دراصل اس تمام تحقیق کا سرچشمہ مواعظ حسنہ ہے۔ لیکن چونکہ یہ تحقیق جدید کسی مستند شرعی ماخذ و مدرک سے ماخوذ نہیں ہے اس لیے اس میں جا بجا تناقض و تضاد پایا جاتا ہے۔ ناظرین کرام کی ضیافت طبع کے لیے اس تضاد بیانی کے یہاں چند نمونے بطور درس عبرت پیش کیے جاتے ہیں۔ جس سے ان حضرات کی دیگر تحقیقات انیقہ کی متانت و رزانت کا بھی بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس وقت مواعظ حسنہ طبع دوئم ہمارے سامنے ہے۔ اس کے صفحہ ۸۴ پر لکھا ہے:

"اور شہید کے لیے یہ ضروری نہیں کہ بوجود شخصی ہر جگہ موجود ہو۔ علم احاطی شہید کے لیے کافی ہے"۔ لیکن صفحہ ۲۰۸ پر سراسر اس کے خلاف لکھا ہے: "کیونکہ شہید حاضر علی الشی کو کہتے ہیں۔ اور شاہد وہ ہے جو از روئے علم و قرینہ شہادت دے، خواہ اس کا علم بالمشاہدہ ہو یا بالاخبار"۔

اسی طرح صفحہ ۲۰۹ پر لکھا ہے: "اور شہید کے لیے واقع پر ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ ثبوت زنا میں چار شہداء کی ضرورت ہے نہ شہود کی۔ لولا جاؤ علیہ باربعۃ شھداء"۔

مگر صفحہ ۵۳ پر جو کچھ افادہ فرمایا ہے وہ اس کے بالکل منافی ہے: "اور شاہد کے واسطے حضور

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اور شہود ضروری ہے"۔ بلکہ اسی ایک صفحہ میں تناقض و اختلاف موجود ہے۔ اس کی سطر ۱۵ پر تو مذکورہ بالا عبارت مذکور ہے، جس میں شاہد کے لیے حضور کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔ مگر اس کی سطر ۵ پر لکھا ہے: "غرض شاہد کے لیے حضور ضروری نہیں"۔

پھر صفحہ ۵۲ پر لکھا ہے: فالشاهد لشی من حضر عنده صورة ذلك الشی۔ یعنی شاہد کسی شے کا وہ ہے جس کے سامنے اس شی کی صورت ہو۔

یہ ہے ان حضرات کی ذاتی تحقیق اور اس میں تضاد و تناقض کا نمونہ مُشتے از خروار ؎

اند کے غم دل با تو گفتم و بدل ترسیدم
که آزرده شوی ورنه سخن بسیار است

بایں ہمہ ہمارے موجودہ دور کے ملا ان حضرات کی تحقیقات کو قرآن و حدیث سے بھی مقدم سمجھتے ہیں۔ ان کے اگلے ہوئے نوالوں کو چبانا اور ان کی جگالی کرنا اپنے لیے مایہ صد عز و افتخار اور دلیل معرفت ائمہ اطہارؑ سمجھتے ہیں۔ سچ ہے ؎

هـر قوم راست راهے دینے و قبله گاهے

بہرحال ع:

فِکر هـر کس بقـدرِ همت اوست

شہادت کے دوسرے معنائے مناسب

شہادت کے دوسرے معنائے مناسب حق و حقیقت کو کھول کر بیان کرنا، ہیں۔ بنابریں شاہد و شہید وہ ہوگا جو حق و حقیقت کا بیان کرے اور اس اعتبار سے آیت: لتکونوا شهداء علی الناس کا مفہوم یہ ہوگا: تاکہ تم (اے اہل بیتِ رسولؐ) لوگوں کے لیے حق و حقیقت کو بیان کرو۔ اس اعتبار سے اس آیت کو ہمارے متنازعہ فیہ مسئلہ کے ساتھ کوئی ربط ہی نہیں رہتا۔ اس معنی کی تائید بھی کتبِ لغت و تفسیر سے ہوتی ہے۔

چنانچہ: لسان العرب جلد ۳ صفحہ ۲۳۹ آیت: شهدا لله انه لا اله الا هو کے ضمن میں "شهادة" کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے: وحقیقته علم الله و بین الله لان الشاهد هو العالم الذی یبین علمه۔ یعنی یہاں خدا کی شہادت کا مطلب یہ ہے کہ خدا اس حقیقت کو جانتا ہے اور اسے بیان کرتا ہے۔ کیونکہ شاہد وہ عالم ہوتا ہے جو اپنے علم کو بیان کرتا ہے۔ پھر ابوالعباس المبرد (مشہور عالم

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

لغت وادیب) کا یہ قول درج کیا ہے: و قال ابوالعباس شهد الله بين الله و اظهر۔ یعنی شهد الله کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے بیان واظہار کیا ہے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان جلد ا صفحہ ۹۴ پر اس آیت کے دوسرے معنی یہی بیان کیے ہیں:

و الثانی ان المعنی لتکونوا حجة علی الناس فتبینوالهم الحق و الدین و یکون الرسول علیکم شهیدا مودیا للدین الیکم و سمی الشاهد شاهدا لانه یبین و لذلك یقال للشهادة بینة۔

یعنی اس آیت کے دوسرے معنی یہ ہیں، تاکہ تم لوگوں پر حجت خدا ہو۔ اور ان کے لیے حق و حقیقت اور دین وشریعت کو بیان کرو اور رسول تم پر شہید ہوں۔ یعنی دین کو تم تک پہنچانے والے ہوں۔ "شاہد" کو "شاہد" اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ ایک امر کو بیان کرتا ہے اور اسی وجہ سے "شہادت" کو "بینہ" کہا جاتا ہے۔

ایسا ہی افادہ حضرت شیخ طوسیؒ نے اپنی تفسیر التبیان جلد ۲ صفحہ ۸ پر فرمایا ہے۔

اسی طرح فاضل طریحی نے بھی "مجمع البحرین" صفحہ ۲۳۳ طبع ایران پر یہی معنی درج کیے ہیں۔ فراجع۔

اور فاضل مفسر السید ابوالقاسم الرضوی نے تفسیر لوامع التنزیل جلد ۲ صفحہ ۱۲ پر اس آیت کے معانی بیان کرتے ہوئے صاحب مجمع البیان کے ان بیان کردہ معنی کے متعلق لکھا ہے: و این اوجه التفاسیر است۔ یعنی یہ معنی تمام معانی ومفاہیم سے بہتر ہیں۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ہر مرنے والے کے پاس حضرات ائمہ طاہرین علیہم السلام تشریف لاتے ہیں۔ اگر مومن موالی ہو تو اسے فائدہ حاصل ہوتا ہے اور شدائد موت میں افاقہ اور اگر غیر مومن اور مخالف ہو تو اس کے شدائد ومصائب سکرات میں اضافہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک وقت میں متعدد موتیں واقع ہوتی ہیں، لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آنِ واحد میں حضرات معصومینؑ ممکنہ متعدد میں حاضر ہو سکتے ہیں۔ اس شبہ کا جواب ظاہر ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مرنے والے شخص کو ان بزرگواروں کی زیارت ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں روایات مستفیضہ موجود ہیں۔ تفصیل کے لیے کتاب المحتضر للشیخ حسن دیکھی جا سکتی ہے۔ اور یہ عقیدہ مذہب شیعہ کے ان عقائد مشہورہ میں سے ہے جن کا محض عقلی استبعادات کی بنا پر انکار کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

لیکن بموجب ایں کہ " روایت را درایت لازم است" ان روایات کا صحیح مفہوم کیا ہے؟ اس میں غور وفکر کرنا اور اس کا سمجھنا ضروری ہے۔ اگر بتوفیقہ تعالیٰ اصل مطلب سمجھ میں آ جائے تو فھو المراد، ورنہ ان حقائق پر اجمالی ایمان رکھنا چاہیے اور تفصیل انہی معادن وحی وتنزیل کے سپرد کرنا چاہیے۔ بہرحال اس سلسلہ میں علماء اعلام کے پانچ نظریے ہیں۔

پہلا نظریہ:

حضرت شیخ مفیدؒ اور ان کے تلمیذ رشید جناب سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اسی محال عقلی کے لزوم کے اندیشہ سے متاثر ہو کر ان روایات کی تاویل فرمائی ہے کہ ہر مرنے والا اپنی موت کے وقت محبت یا عداوت اہل بیتؑ کا ثمرہ ونتیجہ دیکھتا ہے نہ کہ ان ظاہری آنکھوں سے ان کے اجسام مبارکہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔ جیسا کہ آیت مبارکہ: ومن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔ میں خیر وشر کے دیکھنے سے ان کے ثمرہ ونتیجہ کو چشم حقیقت سے دیکھنا مراد ہے۔ (یہ تاویل حضرت شیخ نے اوائل المقالات صفحہ ۸۵ و ۸۶ پر اور حضرت سید مرتضیٰ نے اپنی کتاب الدرر والغرر جلد صفحہ) پر فرمائی ہے اور اس کے ساتھ یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ:

علی ھذا القول محققوا النظر من الامامیۃ۔

دوسرا نظریہ:

یہ کہ یہ بزرگوار اجساد مثالیہ کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ یہ امر نصوص کثیرہ سے ثابت ہے کہ عالم برزخ میں تمام مرنے والے لوگ اجسام مثالیہ میں منعم یا معذب رہتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ہماری کتاب " احسن الفوائد" کی طرف رجوع کیا جائے) لہٰذا ائمہ طاہرینؑ کے غرائب وعجائب حالات کے پیش نظر یہ امر بعید نہیں ہے کہ ان بزرگواروںؑ کے متعدد اجسام مثالیہ ہوں۔ اور وہ اپنے عین حیات میں ہی اجساد مثالیہ میں تصرف بھی کر سکتے ہوں۔ یہ تاویل حضرت علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار جلد ۳ صفحہ ۱۲۷ و علامہ سید عبداللہ شبر نے مصابیح الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۷۱ پر نیز اور بہت سے علماء کرام نے فرمائی۔

تیسرا نظریہ:

قدرت کاملہ سے یہ امر بعید نہیں ہے کہ آفتاب عالم تاب کی طرح گو وہ بزرگوار اپنے مستقر و مرکز پر تشریف فرما ہوں۔ مگر خدا مرنے والے کی بینائی کو اس قدر تیز کر دے کہ وہ یہ خیال کرے کہ یہ بزرگوار اس کے سامنے تشریف فرما ہیں، اور وہ ان سے ہم کلام بھی ہو۔ (اس تاویل کو بھی سرکار علامہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مجلسیؒ نے یمکن کہہ کر ذکر فرمایا ہے) اس تاویل کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو تفسیر صافی صفحہ ۴۴۸ سورۃ حم سجدہ ذیل تفسیر آیت ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الآیۃ۔

امام حسن عسکری علیہ السلام سے مروی ہے، فرمایا: مرنے والے سے ملک الموت کہتا ہے دیکھ جب وہ نظر اٹھا کر دیکھتا ہے تو یری محمدا و علیا و الاطیبین من اھما فی اعلیٰ علیین الی۔ جناب رسول خداؐ، علی مرتضیٰؑ، اور دوسرے ائمہ ہدیٰؑ کو دیکھتا ہے، جو اعلیٰ علیین کے مقام پر تشریف فرما ہوتے ہیں۔

فکشفنا عنك غطاءك فبصرك الیوم حدید

چوتھا نظریہ:

خداوند عالم ان حضرات مقدسہ کی تمثال مرنے والے کی آنکھوں کے سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اسے محدث جلیل سید نعمت اللہ جزائری اور دوسرے بعض علماء نے اختیار کیا ہے۔ چنانچہ جزائری مرحوم انوار نعمانیہ صفحہ ۴۵۱ پر اپنے استاد جناب علامہ مجلسیؒ کے اجساد مثالیہ میں تشریف لانے والے نظریہ کا ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

و اما الذی رجحناہ نحن اخذا من مفاھیم الاخبار فھو القول بالتمثل بان اللہ سبحانہ یمثل للمیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و امیرالمومنین علیہ السلام و الائمۃ علیھم السلام کما مثلہ لاھل السموت حین رآہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ فی جمیع السموت و اقفا یصلی و الملائکۃ یصلی خلفہ فقال ھذا علی بن ابی طالب علیہ السلام ترکتہ فی الارض و ھا ھو قد سبقنی الی السماء فقال اللہ عز و جل ھذا شخص مثل علی بن ابی طالبؑ خلقتہ فی جمیع السموت حتی تنظر الیہ الملائکۃ فتطمان الیہ نفوسھم من شدۃ حبھم لعلی بن ابی طالب علیہ السلام و یویدہ ما رواہ الکلینی فی روایۃ سدیر الصیر فی عن مولانا الصادق علیہ السلام فی قول ملک الموت للمحتضر افتح عینیك قال و یمثل لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و فاطمۃ و الحسن و الحسین و الائمۃ من ذریتھم علیھم السلام۔ فیکون یاتی بعض المحتضرین بنفسہ الشریفۃ و صورتہ الاصلیۃ و یاتی الی بعض آخر فی صورتہ الممثلۃ المشابھۃ لتلك الصورۃ الاصلیۃ۔

یعنی اخبار اہل بیتؑ کی روشنی میں جو مطلب ہمارے نزدیک مرجح ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم مرنے والے کے سامنے جناب رسول خداؐ، امیرالمومنینؑ، سیدہ عالمؑ اور دیگر ائمہ طاہرینؑ کی تمثال پیش کرتا ہے، جس طرح اس نے اہل آسمان کے لیے جناب امیر علیہ السلام کی تمثال خلق فرمائی ہے۔ جب

Scanned with CamScanner

جناب رسول خداؐ نے شب معراج تمام آسمانوں پر اس حالت میں دیکھا کہ وہ تمثال نماز پڑھنے میں مشغول ہے۔ اور ملائکہ اس کے پیچھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ آنحضرتؐ نے (یہ منظر دیکھ کر) فرمایا: یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں؟ میں تو ان کو زمین پر چھوڑ کر آیا تھا۔ وہ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے؟ خدا نے فرمایا: یہ ایک شخص ہے جو علیؑ کی مثل ہے (یعنی ان کی تمثال ہے) میں نے اسے آسمانوں میں اس لیے پیدا کیا ہے کہ ملائکہ کو علیؑ سے جو شدید محبت ہے اسے دیکھ کر ان کو اطمینان و سکون حاصل ہو۔ اس مطلب کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جسے ثقۃ الاسلام کلینیؒ نے (کافی میں بروایت سدیر صیرفی جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے) نقل کیا ہے۔ ملک الموت کے اس قول کہ اے مرنے والے آنکھیں کھول، کی تشریح میں فرمایا۔ اس وقت جناب رسول خداؐ، حضرت علی مرتضیٰؑ، جناب فاطمہ زہراؑ، امام حسنؑ و حسینؑ اور دوسرے ائمہ ہدیٰؑ کی تمثال مرنے والے کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

پس خلاصہ کلام یہ ہے کہ بعض (کامل الایمان مومنین جو کہ کبریت احمر سے بھی کم ہیں) کی موت کے وقت خود بنفس نفیس اپنی اصلی صورت میں تشریف لاتے ہیں۔ اور دوسروں کے پاس ان کی تمثال آتی ہے جو اصل صورت کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

اس محدث جلیل کے کلام سے دو مطلب ثابت ہو گئے۔

ایک یہ کہ محتضر کے پاس محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کی تمثال آتی ہے۔

دوسرا یہ کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام بجسدِ اصلی زمین پر تھے۔ ہاں ان کی تمثال مبارک آسمانوں پر موجود تھی۔ اس کی مزید تفصیل آٹھویں باب میں آ رہی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ؎

تقدیر نشانید بیک ناقہ دو محمل
لیلائے حدوث تو وسلمائے قدم را

یہی تمثل والی روایت تفسیر صافی صفحہ ۵۲۹ ذیل آیت یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الخ بھی موجود ہے۔

پانچواں نظریہ:

محتاط علماء عظام کا ہمیشہ ایسے غامض اور متشابہ مقامات پر یہ نظریہ رہا ہے کہ وہ ایسے حقائق و عقائد کا نہ تو محض عقلی استبعادات کی بنا پر انکار کرتے ہیں۔ اور نہ ہی ظاہری معنوں پر (جو کہ عقلاً محال ہوں) اعتقاد رکھتے ہیں، بلکہ کیفیت میں غور و خوض کیے بغیر علیٰ ما ہو فی نفس الامر اجمالی طور پر ایمان رکھتے ہیں۔ چنانچہ غواص بحار الانوار سرکار علامہ مجلسیؒ سوم بحار الانوار صفحہ ۱۲۷ پر مذکورہ بالا تسلیم

Scanned with CamScanner

تاویلات نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

و الاحوط و الاولی فی امثال تلك المتشابهات الایمان بها و عدم التعرض لخصوصیاتها و تفاصیلها و احالة علمها الی العالم علیه السلام کما مر فی الاخبار التی اوردنا ها فی باب التسلیم و الله یهدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

یعنی احوط واولیٰ یہ ہے کہ اس قسم کے متشابہات پر (اجمالی) ایمان ضرور رکھا جائے۔ مگر ان کی خصوصیات اور تفصیلات سے بحث نہ کی جائے۔ اور ان کے علم کو امام عالی مقامؑ کی طرف لوٹایا جائے، جیسا کہ یہ بات سابقا اخبار تسلیم کے سلسلہ میں گزر چکی ہے۔

ایسا ہی مولانا سید عبداللہ الشبر نے اپنی کتاب مستطاب مصابیح الانوار فی حل مشکلات الاخبار طبع نجف اشرف جلد ۲ صفحہ ۳۷۱ پر مذکورہ بالا تاویلات ذکر کرنے کے بعد افادہ فرمایا ہے:

والاحوط و الاولی الایمان بذلك اجمالا و ایکال العلم التفصیلی الی الله و رسوله و خلفائه و الله العالم بالحقیقة۔

ان حقائق ودقائق کی روشنی میں واضح ولائح ہوجاتا ہے کہ ان احادیث سے حضرات معصومینؑ کے آن واحد میں امکنہ متعددہ میں حاضر ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ ہی ان روایات کے بل بوتے پر ایک محال عقلی کو ممکن بنایا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر یہ بزرگوار چاہیں تو اجسادِ مثالیہ کے ذریعہ آنِ واحد میں امکنہ متعددہ میں حاضر ہوسکتے ہیں۔

ولا کلام لنا فیه و الله العالم

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

یہاں یہ شبہ بھی کیا جاسکتا ہے (بلکہ کیا بھی گیا ہے) کہ قرآن میں بار بار جناب رسول خداؐ کو مخاطب کرکے الم تر کہا گیا ہے۔ جیسے الم تر الی ربك کیف مد الظل۔ اور الم ترکا ترجمہ کیا تم نے نہیں دیکھا؟ کیا جاتا ہے، جس سے آنحضرتؐ کی رویت بصری ثابت ہوتی ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ علماء محققین کے نزدیک الم ترکا صحیح مفہوم الم تعلم (کیا تمہیں معلوم نہیں؟) چنانچہ سرکار سید رضیؒ (جامع نہج البلاغہ) اپنی کتاب تخلیص البیان صفحہ ۱۶۳ پر لکھتے ہیں: معنی الرویة ههنا بمعنی العلم فکانه تعالیٰ قال الم تعلم۔ رویت کے معنی علم کے ہیں، گویا خدا یوں فرماتا ہے کیا تمہیں اس بات کا علم نہیں ہے؟۔

اسی طرح حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ نے اپنی کتاب "الدرر والغرر" (معروف بآمالی سید

Scanned with CamScanner

مرتضیٰ) صفحہ ۳۵۸ طبع ایران بذیل آیہ مبارکہ الم تر ان اللہ یزجی سحابا لکھا ہے: اما قولہ تعالیٰ الم تر فالمراد منہ الم تعلم الخ۔ یعنی ارشاد خداوندی الم تر کا مفہوم ہے الم تعلم۔ انہا الیٰ آیات سے جناب رسول خداؐ کا عالم ہونا ثابت ہے جو کہ درست ہے۔ (لیکن یہ امر محل نزاع سے خارج ہے) نہ ہر جگہ حاضر ہونا جو کہ محل بحث ہے۔ بنابریں تحقیق اس شبہ کا بالکل قلع قمع ہو جاتا ہے۔

پانچواں شبہ اور اس کا جواب:

دنیا میں ہر وقت آن واحد میں ہزاروں لوگ مرتے ہیں اور ملک الموت ان کی روحیں قبض کرتا ہے تو اگر ملک الموت آن واحد میں امکنہ متعددہ میں حاضر ہو سکتا ہے تو امام زمان کی طاقت و عظمت ملک الموت سے بدرجہا زیادہ ہے وہ کیوں آن واحد میں امکنہ متعددہ میں حاضر نہیں ہو سکتے؟

یہ شبہ اس خیال پر مبنی ہے کہ ہر مرنے والے کی روح ملک الموت بنفس خود قبض کرتا ہے، حالانکہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ احادیث معصومینؑ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ملک الموت کے بہت سے اعوان و انصار ہیں۔ بعض خواص کی روحیں خود ملک الموت قبض کرتا ہے اور دوسروں کی اس کے اعوان و مددگار۔ چنانچہ:

امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں جب یہی سوال پیش کیا گیا کہ:

قد یموت فی الساعۃ الواحدۃ فی جمیع الاوقات مالا یحصیہ الا اللہ عز و جل فکیف ھذا؟

تمام آفاق و اطراف عالم میں ایک ہی ساعت میں بے شمار موتیں واقع ہوتی ہیں۔ پس (ملک الموت) کیونکر حاضر ہوتا ہے۔ امامؑ نے جواباً ارشاد فرمایا:

ان اللہ تبارک و تعالیٰ جعل لملک الموت اعواناً من الملائکۃ یقبضون الارواح الخ۔

خداوند عالم نے فرشتوں میں سے بہت سے فرشتے ملک الموت کے مددگار بنائے ہیں، جو روحیں قبض کرتے ہیں۔ (منہاج البراعہ جلد ۸ صفحہ ۳۸ بحوالہ من لا یحضرہ الفقیہ)

اس سوال و جواب سے بھی واضح ہوتا ہے کہ سائل اور امامؑ ہر دو جسم واحد کے (خواہ وہ لطیف ہی کیوں نہ ہو) آن واحد میں امکنہ متعددہ میں حاضر ہونے کو محال جانتے ہیں۔ وھو المطلوب

ایسا ہی جناب امیر المومنینؑ سے مروی ہے:

ولملک الموت اعوان الخ۔ (احتجاج طبرسی صفحہ ۱۲۹)

نیز صحیفہ سجادیہ کی تیسری دعا جو فرشتوں پر سلام کے سلسلہ میں ہے۔

امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں:

Scanned with CamScanner

وعلیٰ ملك الموت واعوانه (صفحہ ۳۷ طبع ایران)

ملک الموت اور اس کے اعوان و انصار پر سلام ہو۔ اس کی مزید توضیح و تشریح صحیفہ کاملہ کی شروح نورالانوار جزائری صفحہ ۶۳ اور ریاض السالکین صفحہ ۹۳ میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

نیز اس مطلب کی تائید مزید قرآنی آیات سے بھی ہوتی ہے۔ کہیں ارشاد ہے:

یتوفاکم ملك الموت ۔ اور کہیں وارد ہے: الذین تتوفاهم الملائکة ۔۔۔ تفوته رسلنا۔ معلوم ہوا کہ روحیں قبض کرنے والا ایک نہیں ہے بلکہ بہت سے ملائکہ اس کام میں بطور آلات و اسباب مشغول ہیں۔ فقد منا الی ما عملوا من عمل فجعلناه هباء منثورا۔

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:

شیخ رجب برسی نے (مشارق الانوار میں) نقل کیا ہے کہ مقداد بن اسود کندی روایت کرتے ہیں کہ جناب امیر علیہ السلام جنگ خندق کے دن عمرو بن عبد ود کو قتل کرنے کے بعد خندق کے پاس کھڑے ہو کر اپنی تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔ اور اس کو ہوا میں گھما رہے تھے، کفار کا لشکر ستر ٹولیوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ میں ہر ایک کے پیچھے حضرت علیؑ کو دیکھ رہا تھا کہ وہ ان کا تعاقب کر رہے تھے اور ان کو تلوار سے کاٹ رہے تھے۔ حالانکہ آپؑ اپنے مقام پر کھڑے تھے۔ کیونکہ بھگوڑوں کا تعاقب کرنا آپؑ کے اخلاق کریمہ کے خلاف تھا۔ (کذا فی شرح الزیارۃ صفحہ ۳۷۲ و المحلی للاحسائی) اس سے آنجنابؑ کا آن واحد میں متعدد مقامات پر موجود ہونا ثابت ہوتا ہے۔

یہ شبہ جس روایت پر مبنی ہے وہ اصول روایت و درایت کے اعتبار سے ناقابل اعتبار ہے۔

اولاً: یہ روایت مشارق الانوار برسی اور المحلی بن ابی جمہور احسائی سے مروی ہے اور ہم کئی بار اس بات کی تکرار کر چکے ہیں کہ یہ دونوں حضرات جس روایت کے نقل کرنے میں متفرد ہوں۔ اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

ثانیاً: اس روایت کی ابتدا و انتہا میں تضاد ہے۔ ابتداء میں یہ ہے کہ وہ ہر بھاگنے والے گروہ کا تعاقب کر رہے تھے اور آخر میں یہ ہے کہ وہ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ اور یہ اختلاف و تناقض دلیل بطلان ہے۔

ثالثاً: آخر روایت میں لکھا ہے کہ بھگوڑے کا تعاقب کرنا، ان کے اخلاق کریمانہ کے منافی تھا، اور یہی امر آثار کثیرہ سے ثابت ہے۔ تو پھر آپؑ اپنی عادتِ کریمہ کی خلاف ورزی کر کے کس طرح بھگوڑوں کا تعاقب کر سکتے تھے۔

Scanned with CamScanner

رابعاً: بنابر فرض تسلیم، یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے۔ بحث اصلی جسم کے ساتھ آن واحد میں متعدد مقامات پر حاضر ہونے کے متعلق ہے۔ مگر اس روایت سے یہ مطلب ثابت نہیں ہوتا، بلکہ اس سے تو اس نظریہ کا بطلان واضح و عیاں ہوتا ہے۔ کیونکہ اس میں مذکور ہے کہ آنجناب خندق کے کنارے کھڑے ہو کر تلوار سے خون صاف کر رہے تھے۔ اس سے ظاہر ہے کہ آنجنابؐ کا اصلی جسد مبارک تو ایک وقت میں ایک ہی جگہ پر موجود تھا تو پھر لامحالہ ماننا پڑے گا کہ) بنابر صحت (بھگوڑوں کا تعاقب اجسام مثالیہ کے ساتھ کر رہے تھے۔ اور یہ بحث مقام اختلاف سے خارج ہے۔ جیسا کہ ابتداء مبحث میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام ہر جگہ ناظر ہونے کا بیان

افراط و تفریط:

اکثر دوسرے اسلامی و ایمانی اصول و عقائد کی طرح یہ مسئلہ بھی افراط و تفریط کا شکار ہو گیا ہے۔ بعض لوگوں نے اس قدر افراط سے کام لیا کہ انبیاء و ائمہ علیہم السلام کو کائنات علوی و سفلی کے تما م ظواہر و بواطن پر کلاً و جزءً بالفعل ناظر اور ان اشیاء کا علم تسلیم کرنے لگے۔ اور بعض نے اس قدر تفریط کی کہ ان بزرگواروں کو بعض احکام شرعیہ کے موضوعات خارجیہ کے علم سے ناواقف ہونے کا نظریہ قائم کر لیا۔ ہم حسب عادت اپنی پوری امکانی کوشش صرف کریں گے کہ افراط و تفریط سے دامن بچاتے ہوئے قرآن، محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے فرمان اور علماء اعلام کے بیان حقائق ترجمان کی روشنی میں صحیح ایمانی عقیدہ اپنے قارئین کرام کے سامنے پیش کریں۔

محل نزاع کی تعیین

لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے قبل محل نزاع کی تعیین و تنقیح ضروری ہے۔ کیونکہ اس سلسلہ میں بعض نااہلوں نے بہت ہی دھاندلی مچائی ہے۔ بعض نے بالفعل حاضر و ناظر ہونا مراد لیا ہے، جیسا کہ اس باب کی ابتداء میں اس امر کی طرف اشارہ کیا جا چکا ہے لیکن اگر صحیح غور و تامل سے کام لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ الگ موضوع ہیں۔ اسی لیے ہم نے ان پر الگ الگ بحث کی ہے۔

حاضر کے موضوع پر کا حقہ تفصیلی گفتگو کر کے حق کا احقاق اور باطل کا ابطال کیا جا چکا ہے۔ اب ناظر کے موضوع پر تبصرہ کیا جاتا ہے۔ سو واضح ہونا چاہیے کہ اگر ان ذوات مقدسہ کے ناظر ہونے سے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

مراد یہ ہے کہ پورے عالم بلکہ تمام عوالم کا گوشہ گوشہ اور ذرہ ذرہ ہر ہر لمحہ و لحظہ میں اس طرح ان حضرات کے پیش نظر ہے کہ ان کو ارادہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی۔ تو یہ نظریہ بالکل غلط ہے اور غالیوں کا فاسد عقیدہ ہے۔ اور اگر مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار بہت سے علوم کو تو بالفعل جانتے ہیں اور بعض کو بالقوۃ۔ یعنی ان کے معلوم کرنے کی اس طرح استعداد قریب ان میں موجود ہے کہ از فرش تا عرش واز ثریا تا ثریٰ۔ غرضیکہ کائنات کی جس چیز کو معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں اور توجہ فرمائیں اسے باقدار اللہ دیکھ سکتے ہیں اور اس وقت یہ ظاہری در و دیوار اور اشجار و احجار درمیان میں حائل و حاجب نہیں ہو سکتے۔ (الا ماشاء اللہ)

لہٰذا اگر ناظر سے مراد یہ دوسرے معنی ہیں تو یہ بالکل صحیح ہیں۔ بہر حال پہلے معنی کے اعتبار سے یہ عقیدہ غلط ہے۔ ہم ذیل میں اس کے بطلان پر قرآن، معصومینؑ کے فرمان، علماء اعلام کے بیان اور عقلی برہان کی روشنی میں کلام کرتے ہیں۔

و اللہ المستعان و بہ الاستعانۃ فی المبداء و الاختتام و التوسل بالنبی و الہ سادۃ الانس و الجان علیہم الصلوٰۃ و السلام۔

ناظر ہونے کی نفی قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس مضمون کی متعدد آیات مبارکہ موجود ہیں۔ جن سے بصریح النص ثابت ہوتا ہے کہ آسمان و زمین، غرضیکہ تمام کائنات کے ظاہر و باطن اور ذرہ ذرہ پر ہر وقت بالفعل نظر علمی رکھنا اور ان کا علمی احاطہ کرنا ذاتِ کبریاء کے ساتھ مختص ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفتِ جلیلہ میں اس کے ساتھ شریک نہیں، نہ بالذات اور نہ باعطاء اللہ۔ ذیل میں ہم ایسی آیاتِ مقدسہ کا ایک شمہ پیش کرتے ہیں۔

❶ و مایعزب من ربك من مثقال ذرۃ فی الارض و لا فی السماء

(پارہ ۱۱ سورہ یونس ع ۱۲)

اور تمہارے پروردگار سے ذرہ بھر کوئی چیز غائب نہیں رہ سکتی، نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔

❷ ان اللہ لا یخفی علیہ شی فی الارض و لا فی السماء (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۹)

بے شک خدا سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے) نہ (زمین میں نہ آسمان میں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

❸ اللہ یعلم ما تحمل کل انثی و ما تغیض الارحام و ما تزداد و کل شی عندہ بمقدار

(پارہ ۱۳ سورہ رعد ع ۸)

ہر مادہ جو کچھ پیٹ میں لیے ہوئے ہے اس کو خدا ہی جانتا ہے اور بچہ دانوں کا گھٹنا بڑھنا (وہی جانتا ہے) اور ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازے سے ہے۔

❹ و ھو اللہ فی السموت و فی الارض یعلم سرکم و جھرکم و یعلم ما تکسبون

(پارہ ۷ سورہ انعام ع ۷)

اور وہی تو آسمانوں میں بھی اور زمین میں (بھی) خدا ہی تمہارے ظاہر و باطن سے (بھی) خبردار ہے اور وہی جو کچھ بھی تم کرتے ہو جانتا ہے۔

❺ یعلم ما بین ایدیھم و ما خلفھم و لایحیطون بشئ من علمہ الا بما شاء

(پارہ ۳ سورہ بقرہ ع ۳)

اور جو کچھ ان کے سامنے (موجود) ہے (وہ) اور جو کچھ ان کے پیچھے (ہو چکا ہے) (خدا سب کو) جانتا ہے۔ اور لوگ اس کے علم میں سے کسی چیز پر بھی احاطہ نہیں کر سکتے۔ مگر (جسے) جتنا چاہے (سکھا دے)۔

❻ و من اھل المدینۃ مردوا علی النفاق لا تعلمھم نحن نعلمھم (پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۲)

اور مدینہ کے رہنے والوں میں سے (بعض منافق ہیں) جو نفاق پر اڑ گئے ہیں (اے رسولؐ) تم ان کو نہیں جانتے (مگر) ہم ان کو (خوب) جانتے ہیں۔

❼ یعلم ما یلج فی الارض و ما یخرج منھا و ما ینزل من السماء و ما یعرج فیھا و ھو معکم

این ما کنتم و اللہ بما تعملون بصیر۔ (پارہ ۲۷ سورہ حدید ع ۱۷)

جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو اس سے نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے نازل ہوتی ہے اور جو اس کی طرف چڑھتی ہے (سب) اس کو معلوم ہے اور تم (چاہے) جہاں کہیں ہو، وہ تمہارے ساتھ ہے اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔

❽ الا انھم یثنون صدورھم لیستخفوا منہ الا حین یستغشون ثیابھم یعلم ما یسرون و

ما یعلنون انہ علیم بذات الصدور۔ (پارہ ۱۱ سورہ ھود ع ۱۶)

اے رسولؐ دیکھو یہ کفار (تمہاری عداوت میں) اپنے سینوں کو (گویا) دُہرا کیے ڈالتے ہیں۔ تاکہ خدا سے (اپنی باتوں کو) چھپائیں (مگر) دیکھو جب یہ لوگ اپنے کپڑے خوب لپیٹتے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہیں (تب بھی تو) خدا (ان کی باتوں کو) جانتا ہے جو چھپا کر کرتے ہیں، اور کھلم کھلا کرتے ہیں۔ او رسمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو ضرور جانتا ہے۔

۹ وان تجھر بالقول فانہ یعلم السر واخفیٰ (پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ ع ۱۰)

اور اگر تو پکار کر بات کرے (تو بھی، آہستہ کرے تو بھی) وہ یقیناً بھید اور اس سے زیادہ پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔

۱۰ و اعلموا ان اللہ بکل شی علیم۔ (پارہ ۲ سورہ بقرہ ع ۱۳)

اور سمجھ رکھو کہ خدا ہر چیز کو جانتا ہے۔

۱۱ و اتقوا اللہ و اعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر۔ (پارہ ۲ سورہ بقرہ ع ۱۴)

اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا ضرور دیکھتا ہے۔

۱۲ قل ان تخفوا ما فی صدورکم او تبدوہ یعلمہ اللہ و یعلم ما فی السموت و ما فی الارض و اللہ علی کل شی قدیر۔ (پارہ ۳ سورہ آل عمران ع ۱۱)

(اے رسولؐ) تم (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے تم خواہ اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو (بہرحال) خدا تو اسے جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ (سب کچھ) جانتا ہے۔ اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

۱۳ و یعلم ما فی البر و البحر و ما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا۔ (پارہ ۷ سورہ انعام ع ۱۳)

اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کو بھی (وہی) جانتا ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ (سب کچھ) جانتا ہے۔ اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑکتا مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے۔

۱۴ و ربک یعلم ما تکن صدورھم و ما یعلنون۔ (پارہ ۲۰ سورہ قصص ع ۱۰)

اور (اے رسولؐ) یہ لوگ جو باتیں اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں، تمہارا پروردگار خوب جانتا ہے۔

۱۵ ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ماذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر۔

(پارہ ۲۱ سورہ لقمان ع ۱۳)

بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے اور وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نر و مادہ) ہے، جانتا ہے اور کوئی شخص اتنا بھی تو

Scanned with CamScanner

نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا، اور کوئی شخص (یہ بھی) نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے (گڑے) گا۔ بے شک خدا (سب باتوں سے) آگاہ وخبردار ہے۔

⑰ یعلم خائنة الاعین و ما تخفی الصدور۔ (پارہ ۲۴ سورہ مومن ع ۷)

خدا تو آنکھوں کی دزدیدہ نگاہ کو بھی جانتا ہے، اور ان باتوں کو بھی جو (لوگوں کے) سینوں میں پوشیدہ ہیں۔

⑱ عفا اللہ عنك لم اذنت لهم حتی یتبین لك الذین کذبوا۔ (پارہ ۱۰ سورہ توبہ ع ۱۳)

(اے رسولؐ) خدا تم سے درگزر فرمائے، تم نے انھیں (پیچھے رہ جانے کی) اجازت ہی کیوں دی۔ تاکہ (تم اگر ایسا نہ کرتے تو) تم پر سچ بولنے والے (الگ) ظاہر ہو جاتے اور تم جھوٹوں کو (الگ) معلوم کر لیتے۔

⑲ قل ما کنت بدعا من الرسل و ما ادری ما یفعل بی و لا بکم ان اتبع الا ما یوحی الی و ما انا الا نذیر مبین۔ (پارہ ۲۶ سورہ الاحقاف ع ۱)

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ میں کوئی نیا رسول تو آیا نہیں ہوں اور میں کچھ نہیں جانتا کہ آئندہ میرے ساتھ کیا کیا جائے گا۔ اور نہ (یہ کہ) تمھارے ساتھ (کیا کیا جائے گا) میں تو بس اسی کا پابند ہوں جو میرے پاس وحی آئی ہے اور میں تو بس علانیہ ڈرانے والا ہوں۔

⑳ ولا تقف ما لیس لك به علم (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۴)

اور جس چیز کا تمھیں یقین نہ ہو) خواہ مخواہ (اس کے پیچھے نہ پڑو۔

㉑ ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضی وحیه و قل رب زدنی علما

(پارہ ۱۶ سورہ طٰہٰ ع ۱۵)

(اے رسولؐ) قرآن (کے پڑھنے) میں اس سے پہلے کہ تم پر اس کی وحی پوری کر دی جائے، جلدی نہ کیا کرو۔ اور دعا کرو کہ اے میرے پالنے والے میرے علم کو اور زیادہ فرما۔

㉒ قل ان ادری اقریب ما توعدون ام یجعل له ربی امدا۔ (پارہ ۲۹ سورہ جن ع ۱۲)

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ میں نہیں جانتا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے قریب ہے یا میرے پروردگار نے اس کی مدت دراز کر دی ہے۔

㉓ و ما کان لی من علم بالملا الاعلیٰ اذ یختصمون ان یوحی الی الا انما نذیر مبین

(پارہ ۲۳ سورہ ص ع ۱۴)

Scanned with CamScanner

عالم بالا کے رہنے والے (فرشتے) جب باہم بحث کرتے تھے، اس کی مجھے بھی خبر نہ تھی۔ میرے پاس تو بس وحی کی گئی ہے کہ میں (خدا کے عذاب سے) صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔
(ترجمہ فرمان)

ہم نے ان آیات وافی ہدایات کو بلا تبصرہ صرف مولانا سید فرمان علی اعلی اللہ مقامہ کے مطلب خیز ترجمہ کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔ اسی سے ارباب عقل وانصاف اس بات کا اذعان ویقین حاصل کر سکتے ہیں کہ کائنات ارضی وسماوی کے ذرہ ذرہ، عالم امکان کے گوشہ گوشہ اور ہر شخص کے ظاہری و باطنی حالات وکوائف کو ہر وقت بالفعل جاننا اور ان پر ناظر ونگران ہونا ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہے۔ واللہ بکل شی محیط۔ پورے عوالم امکانیہ میں کوئی ہستی بھی اس صفت میں اس کی شریک وسہیم نہیں، نہ بالذات اور نہ بالاعطاء۔ وھو المقصود۔

ناظر ہونے کی نفی احادیث معصومینؑ کی روشنی میں

ان تمام ادعیہ واحادیث کے جمع واحصاء کے لیے تو ایک دفتر درکار ہے۔ جو مذکورہ بالا علمی احاطۂ تامہ ووسعت نظر کے ذات ایزدی کے ساتھ مختص ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم بطور نمونہ قطرہ از دریا اس بحر ذخار سے چند ادعیہ واحادیث شریفہ پیش کرتے ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ

❶ جناب امام زین العابدین علیہ السلام دعائے تسبیح میں فرماتے ہیں:

سبحانك سبحت فی الملا الاعلیٰ تسمع و تری ما تحت الثری، سبحانك تری ما فی قعر الماء سبحانك تسمع انفاس الحیتان فی قعور البحار، سبحانك تعلم وزن السموت، سبحانك تعلم وزن الارضین، سبحانك تعلم وزن الشمس و القمر، سبحانك تعلم وزن الظلمة و النور، سبحانك تعلم وزن الفئی و الھواء، سبحانك تعلم وزن الریح کم ھی من مثقال ذرة۔ (صحیفہ کاملہ صفحہ ۳۱۲ طبع ایران)

(ترجمہ) پاک ہے تو عالم بالا کے رہنے والوں میں تیری تسبیح کی گئی ہے جو کچھ تہ خاک ہے تو اسے سنتا اور دیکھتا ہے۔ پاک ہے تیری ذات تو ہر راز دارانہ گفتگو پر مطلع ہے۔ پاک ہے تو اے وہ جو ہر رنج وشکوہ کے پیش کرنے کی جگہ ہے۔ پاک ہے تو اے وہ جس سے بڑی بڑی امیدیں باندھی جاتی ہیں۔ پاک ہے تو جو کچھ پانی کی گہرائی میں ہے، اسے تو دیکھتا ہے۔ پاک تیری ذات تو سمندروں کی گہرائیوں میں مچھلیوں کے سانس لینے کی آواز سنتا ہے۔ پاک ہے تیری ذات تو آسمانوں کا وزن جانتا

Scanned with CamScanner

ہے۔پاک ہے تیری ذات تو زمینوں کے وزن سے باخبر ہے۔پاک ہے تیری ذات تو سورج اور چاند کے وزن سے واقف ہے۔پاک ہے تیری ذات تو تاریکی اور روشنی کے وزن سے آگاہ ہے۔پاک ہے تیری ذات تو سایہ اور ہوا کا وزن جانتا ہے۔پاک ہے تیری ذات تو ہوا کے ہر جھونکے کے وزن سے آگاہ ہے کہ وہ وزن میں کتنے ذروں کے برابر ہے۔(صحیفہ مترجم صفحہ ۳۹۸)

امام عالی مقامؑ نے ہر ہر فقرہ کے ساتھ بحانک کی قید لگا کر ظاہر فرمادیا کہ اس وسعت علمی میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

❷ مسجد کوفہ میں بمقام نوح علیہ السلام جو چار رکعت نماز حاجت پڑھی جاتی ہے، اس کے بعد پڑھی جانے والی دعائے مبارکہ میں وارد ہے:

اللھم انی اسئلك یا من لا تراہ العیون و لا تحیط بہ الظنون و لا یصفہ الواصفون و لا یغیرہ الحوادث ولا تنفیہ الدھور تعلم مثاقیل الجبال و امائیل البحار و ورق الاشجار و و مل القفار و ما اضائت بہ الشمس و القمر و اظلم علیہ اللیل و وضح علیہ النھار و لا تواری منك سماء سماء ولا ارض ارضا و لا جبل مافی اصلہ و لا بحر مافی قعرہ۔الخ

(مفاتیح الجنان صفحہ ۳۹۷)

(ترجمہ) اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں۔اے وہ ذات جسے آنکھیں دیکھ نہیں سکتیں۔ظنون احاطہ نہیں کرسکتے، وصف کرنے والے توصیف نہیں کرسکتے، نہ حوادث روزگار اسے متغیر کرسکتے ہیں اور نہ زمانے اسے مٹا سکتے ہیں۔تو پہاڑوں کے وزن، سمندروں کی مقدار، درختوں کے پتوں اور صحراؤں کی ریگ کی تعداد کو جانتا ہے۔نیز تو ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن پر سورج و چاند چمکتے اور رات کی تاریکی اور دن کی روشنی پڑتی ہے۔کوئی آسمان تجھ سے کسی آسمان کو، کوئی زمین کسی زمین کو پوشیدہ نہیں کرتی اور نہ کوئی پہاڑ اس کی چیز کو چھپا سکتا ہے جو اس کی بنیاد کے نیچے ہے اور نہ کوئی سمندر اس چیز کو چھپاتا ہے جو اس کی گہرائی میں ہے۔

❸ جناب امیر علیہ السلام ایک خطبہ میں اپنے خالق و مالک کے علم و نظر کی وسعت و پہنائی کا بایں الفاظ تذکرہ فرماتے ہیں:

لم یقرب من الاشیاء بالتصاق و لم یبعد عنھا بافتراق لا یخفی علیہ من عبادہ شخوص لحظۃ و لا کرور لفظۃ و لا ازدلاف ربوۃ و لا انبساط خطوۃ فی لیل داج و لا غسق ساج یتغیاء علیہ القمر المنیر و تعقبہ الشمس ذات النور فی الافول و الکرود و تقلب الازمنۃ و الدھور من اقبال لیل مقبل و ادبار نھار مدبر۔الخ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

(نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۸۲ طبع مصر و مترجم اردو رئیس احمد جعفری جلد ۱ صفحہ ۵۲۱)

وہ چیزوں میں مل کر (چپک کر) قریب نہیں (ہے) اور نہ ان سے جدا ہو کر دور ہے (یعنی لوازم جسم و مکان سے پیدا شدہ صفتوں کا اس پر بولنا اور اپنے استعمالی مراد لینا غلط ہے) اس سے بندوں کی معمولی گردش نظر اور ایک لفظ کی تکرار، ٹیلوں پر چڑھنے، تاریکی شب میں قدم بڑھانے کی حالت پوشیدہ نہیں۔ اور اندھیری پرسکون رات جس میں چمکتا چاند سایہ فگن ہوتا اور اس کے پیچھے نوراتی سورج ڈوبتا اور ابھرتا رہتا ہے۔ زمانوں کے انقلاب یعنی آنے والی رات کی آمد اور پلٹنے والے دن کے ڈوبنے سے (واقف ہے۔)

❹ نیز سید الموحدین علیہ السلام ایک خطبۂ جلیلہ میں اپنے پروردگار کی اس طرح تعریف و توصیف فرماتے ہیں:

لا یشغلہ شان و لا یغیرہ زمان ولا یحویہ مکان و لا یصفہ لسان لا یعزب عنہ عدد و لا دبیب النمل علی الصفا و لا مقیل الزرق اللیلۃ الظلماء یعلم ساقط الاوراق و خفی طوف الاحداق ۔الخ (نہج البلاغہ مصری جلد ۲ صفحہ ۱۱۸ و مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۵۵۹)

وہ (خدا) جسے کوئی مصروفیت دوسرے کام سے نہیں روکتی۔ نہ زمانہ اس میں تبدیلی کرتا ہے نہ جگہ اسے گھیرتی ہے نہ زبان اس کی تعریف کر سکتی ہے۔ پانی کے قطروں اور آسمان کے تاروں کی گنتی اس کے علم سے باہر نہیں ہے نہ یہ بات خارج از علم ہے کہ (ہوا) فضا میں کتنے ذرے اڑاتی ہے۔ نہ یہ بات اس سے پوشیدہ ہے کہ چٹان پر چیونٹے کس طرح چلتے ہیں۔ نہ یہ کہ چیونٹیاں تاریک رات کی اندھیاری کہاں گزارتی ہیں۔ اسے پتیوں کے گرنے کے ٹھکانے معلوم ہیں۔ کنکھیوں (اور آنکھ) کے اشارے جانتا ہے۔

مولائے کائنات کے اس کلام معجز نظام سے واضح و عیاں ہو گیا کہ یہ بلندی علم و باریکی نظر خدا کی ذات سے مخصوص ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اگر خدا کے علاوہ کوئی اور بھی ان صفات کا حامل ہوتا تو پھر اس صورت میں خدا کی اس تعریف و تمجید کا کوئی موقع و محل باقی نہ رہتا۔ چنانچہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: من شبہ اللہ بخلقہ فھو مشرک۔ جو شخص (کسی صفت میں بھی) خدا کو اس کی کسی مخلوق کے ساتھ تشبیہ دے وہ مشرک ہے۔ (توحید شیخ صدوق صفحہ ۵۸ طبع بمبئی)

❺ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

لو وقفنا علی کل شی خلقہ اللہ تعالیٰ لم خلقہ و لا ی شی الشاہ لکنا ساو یناہ فی علمہ و

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

علمنا کلما یعلم و استغینا عنه و کنا و هو فی العلم سواء۔

یعنی اگر ہمیں ہر اس چیز کا (مکمل) علم ہوتا جسے خدا نے پیدا کیا ہے کہ اسے کیوں اور کس لیے پیدا کیا ہے تو پھر ہم علم میں خدا کے برابر ہو جاتے جو کچھ وہ جانتا ہے وہ سب ہم بھی جانتے اور اس سے بے نیاز ہو جاتے (جو کہ بدیہی البطلان ہے) (الدمعۃ الساکبہ صفحہ ۵۲۳)

امام علیہ السلام نے کس احسن انداز میں اپنے علم کلی کی نفی فرمائی ہے۔ کہتے ہے:

و ما یعلم جنود ربك الا هو۔

● امام زین العابدین علیہ السلام دعائے صلوات بر ملائکہ میں چند فرشتوں پر نام بنام سلام بھیجنے کے بعد فرماتے ہیں:

و من اوهمنا ذکره و لم نعلم مکانه منك و بای امور کلته ؕ (صحیفہ صفحہ ۳۸)

بارالہا! ان فرشتوں پر بھی درود و سلام بھیج جن کا ہم نے ذکر نہیں کیا۔ اور نہ ہی ان کے متعلق ہمیں یہ معلوم ہے کہ تیرے نزدیک ان کا مرتبہ و مقام کیا ہے اور نہ یہ معلوم ہے کہ تو نے ان کو کس امر پر مامور کیا ہے۔

علامہ سید علی خان ان فقروں کی شرح میں لکھتے ہیں:

فیه دلالة علی انه لا یعلم اصناف الملائکة غیر خالقها کما قال تعالیٰ و ما یعلم جنود ربك الا هو۔ (ریاض السالکین صفحہ ۹۵)

یعنی اس کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ فرشتوں کے تمام اصناف و اقسام کو سوائے ان کے خالق کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ اس کا ارشاد ہے (اے رسولؐ) تیرے پروردگار کے لشکروں کو سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ جب امام علیہ السلام کے اس فرمان کے مطابق ان کو فرشتوں کی تعداد بھی معلوم نہیں تو پھر وہ پورے عالم امکان کے ناظر و نگران کس طرح ہو سکتے ہیں۔

● ابوبصیرؒ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: کچھ لوگ کہتے ہیں۔ فرمایا: کیا کہتے ہیں؟ عرض کیا، کہتے ہیں کہ: انك تعلم قطر المطر و عدد النجوم و ورق الشجر و وزن الماء فی البحر و عدد التراب۔ آپؑ بارش کے قطرے، ستاروں کی تعداد، درختوں کے پتے، سمندروں کی مقدار اور خاک کے ذروں کی تعداد جانتے ہیں۔ ابوبصیر کہتے ہیں: امامؑ نے یہ کلام سن کر سر اقدس آسمان کی طرف بلند کر کے دو مرتبہ کہا: سبحان الله، سبحان الله۔ پھر فرمایا: لا والله ما یعلم هذا الا الله۔ نہ خدا کی قسم یہ (چیزیں) نہیں جانتا مگر خدا تعالیٰ۔ (رجال

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کشی صفحہ ۱۹۳، بحار جلد ۷ صفحہ ۲۵۱)

جب امام علیہ السلام ان چیزوں کا علم نہیں رکھتے تو پھر کائنات کے ذرہ ذرہ پر بالفعل ناظر کس طرح ہو سکتے ہیں؟۔

❽ متعدد روایات میں موجود ہے کہ جب ان ذوات مقدسہ سے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جائے جو پہلے ان کے علم میں نہ ہو تو فوراً (خدا) روح القدس (کے ذریعہ) ان کی تائید و تسدید کرتا ہے۔ ایسی روایات کا ایک شمہ پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ (بصائر الدرجات ہفتم بحار وغیرہ) اس سے واضح ہوتا ہے کہ معصومینؑ کو ہر ہر چیز کا ہر وقت بالفعل علم نہیں ہوتا۔ ہاں عند الضرورت خدا کسی نہ کسی ذریعہ سے تعلیم فرما دیتا ہے۔ اس لیے وہ کسی سائل کے جواب سے عاجز نہیں ہو سکتے۔ والحجۃ من لا یقول لا ادری۔

❾ اس مضمون کی متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہے کہ شب جمعہ کو اوصیاء کی شان عجیب ہوتی ہے۔ تمام سابقہ انبیاء و اوصیاء کی ارواح مقدسہ اور موجودہ حجتِ خدا کی روح اقدس کو عرش پر لے جایا جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر وہ روحیں عرشِ الٰہی کا سات مرتبہ طواف کرتی اور اس کے ہر ہر قائمہ (ستون) کے پاس دو دو رکعت نماز پڑھتی ہیں۔ جب صبح واپس لوٹتی ہیں تو انبیاء و اوصیاء کے سینے سرور و شادمانی سے لبریز ہوتے ہیں۔ اور موجودہ وصی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ زیدفی علمہ مثل جمہ الغفیر۔ ان کے علم میں بہت ہی اضافہ ہو جاتا ہے۔ بعض روایات میں یہ الفاظ موجود ہیں: ولا جرجع الا یعلم مستفاد و لولا ذلک لنفد ما عندنا۔ جب وہ (موجودہ حجت خدا) واپس لوٹتے ہیں تو نئے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ اور اگر یہ اضافہ و ازدیاد کا سلسلہ برابر جاری نہ رہے تو ہمارا علم ختم ہو جائے۔ (اصول کافی، ہفتم بحار، بصائر وغیرہ)

❿ اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں کہ امامؑ کا اصل باعث عزت و افتخار علم تو وہ ہے جس میں منجانب اللہ ہر شب و روز بلکہ ہر ساعت بساعت بلکہ ہر لحظہ بہ لحظہ برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ معصومینؑ کا ارشاد ہے: و لولا انا نزداد لنفد ما عندنا۔ اگر اس طرح برابر ہر وقت (بذریعہ الہام والقاء نقر فی السمع ونکت فی القلب وغیرہ مخصوص ذرائع و اسباب سے) ہمارے علم میں اضافہ نہ ہوتا رہے تو ہمارا موجودہ علم ختم ہو جائے۔ (اصول کافی، ہفتم بحار، بصائر)

اگر ان بزرگواروں کو پہلے ہی کائنات کی ہر چیز کا علم کلی و تفصیلی و فعلی ہوتا ہے تو پھر شب جمعہ بلکہ ہر شب و روز بلکہ ہر لحظہ بہ لحظہ اس میں اضافہ و ازدیاد کا کیا مطلب ہے؟

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

۱۱ بکثرت روایات میں وارد ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے پاس انبیاء و مرسلینؑ کے صحف و کتب موجود ہیں۔ بعض اوقات ان کی طرف رجوع کر کے بعض چیزیں معلوم کرتے ہیں۔
(اصول کافی، ہفتم بحار، بصائر وغیرہ)

۱۲ اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ ائمہ اطہارؑ کے پاس جفر و جامعہ و مصحف فاطمہؑ موجود ہے جن میں تمام احکام شرعیہ اور جمیع مایحتاج الیہ الناس کی تشریح مذکور ہے۔ بوقت ضرورت ان کی طرف بھی رجوع فرمایا کرتے ہیں۔ (اصول کافی، ہفتم بحار، بصائر وغیرہ)

ارباب عقل و خرد کو سوچنا چاہیے کہ اگر ان بزرگواروں کے تمام علوم تفصیلی اور فعلی ہیں تو پھر صحف انبیاء یا جفر و جامعہ وغیرہ کی طرف رجوع کرنے کے کیا معنٰی ہیں؟

۱۳ کئی اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ (کراماً کاتبین کے علاوہ) خدا نے کچھ فرشتوں کی یہ ڈیوٹی مقرر کی ہے کہ عالم میں جو جو حادثات و واقعات رونما ہوتے ہیں وہ ان کی اطلاع امام زمانہؑ کو دیتے ہیں۔

چنانچہ امام جعفر صادق علیہ السلام ایک حدیث میں فرماتے ہیں:

ومامن یوم یاتی علینا ولا لیل الا واخبار اھل الارض عندنا وما یحدث فیھا وما من ملك یموت فی الارض و یقوم غیرہ الا و تاتینا بخبرہ وکیف جاز سیرتہ فی الدنیا (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۹۲)

کوئی دن یا رات ایسی نہیں آتی جس میں اہل زمین کی خبریں اور جو کچھ زمین میں ہوتا ہے یا کوئی بادشاہ مرتا ہے اور دوسرا اس کی جگہ بیٹھتا ہے جس کی اطلاع فرشتے ہمیں نہ دیتے ہوں۔

اعلانِ حق

انہی حقائق سے متاثر ہو کر جواہر الاسرار کے ناشر نے کھلے لفظوں میں حق و حقیقت کا اقرار کر لیا ہے۔ چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۷۵ پر بذیل عنوان نوٹ لکھتے ہیں:

"گزشتہ صفحات میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حاضر سے مراد حاضر بالقوۃ ہے اور ناظر سے مراد یہ ہے کہ دنیا و ما فیہا میں ہونے والے ہر کام فرشتے امامؑ کی خدمت میں پہنچاتے ہیں۔ اور جو امر خداوند عالم کی جانب سے نازل ہوتا ہے اس پر بھی پہلے امام وقت کو ہی مطلع کیا جاتا ہے"۔ ناشر

۱۴ اسی طرح یہ امر بھی متعدد اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ائمہ اطہارؑ کے کچھ مؤمن جن خادم

Scanned with CamScanner

ہیں جو ان کی خدمت میں عالم کے اہم واقعات کی اطلاع پہنچاتے ہیں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ہے آپؑ نے اپنے خاص صحابی جناب محمد بن مسلم سے فرمایا: اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم تمہارے حالات وکوائف پر مطلع نہیں تو یہ تمہارا گمان بہت ہی برا ہے۔ اگر ہم آپ کے حالات سے واقف نہ ہوں تو پھر ہم کو تم پر فضیلت ہی کیا ہے؟ پھر امامؑ نے موصوف کو وہ واقعہ یاد دلایا جو ان کو ان کے ہمراہی کے ساتھ مقام ربذہ میں پیش آیا تھا۔ جناب محمد بن مسلم نے تصدیق کرتے ہوئے تعجب کے انداز میں دریافت کیا: مولا آپؑ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ فرمایا: باطلاع اللہ ما انا بساحر ولا کاھن ولا بمجنون لکنھا من علم النبوۃ و تحدث بما یکون۔ خدا کے اطلاع دینے سے۔ میں نہ جادوگر ہوں، نہ کاہن اور نہ دیوانہ۔ بلکہ جو کچھ ہے یہ سب علم نبوت کا فیض ہے۔ (دنیا میں) جو کچھ ہوتا ہے ہمیں اس کی اطلاع کر دی جاتی ہے۔ راوی نے عرض کیا ہمارے حالات وکوائف کی آپؑ کو کون اطلاع دیتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: احیانا ینکت فی قلوبنا و یوقرفی اسماعنا و مع ذلك فان لنا خدما من الجن مومنین و ھم لنا اطوع منکم۔ بعض اوقات تو اس کا ہمارے دلوں میں القا کر دیا جاتا ہے اور بعض اوقات کانوں میں آواز سنائی دیتی ہے۔ علاوہ بریں جنات میں سے کچھ مؤمن جن ہمارے خادم ہیں، جو تم سے بھی زیادہ ہمارے مطیع وفرمانبردار ہیں۔ (وہ بھی اطلاع دیتے ہیں) راوی نے عرض کیا: آپؑ سب (ائمہؑ) کے پاس ایک ایسا جن ہوتا ہے؟ فرمایا: نعم یخبرنا بجمیع ما الم فیه و علیه۔ ہاں وہ ہمیں سب حالات سے آگاہ کرتا ہے۔ (بحار جلد ۱۱ صفحہ ۱۸۷، الدمعۃ الساکبہ صفحہ ۱۵۳)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں: یا سدیر ان لنا خدما من الجن فاذا اردنا السرعۃ بعثناھم۔ اے سدیر ہمارے کچھ جن خادم ہیں، جب ہمیں کسی معاملہ میں جلدی (کہیں کوئی پیغام وغیرہ پہنچانا) ہو تو ان کو بھیج دیتے ہیں۔ (دمعہ ساکبہ صفحہ ۴۵۳)

صاحبان دانش وبینش ذرا غور وفکر سے کام لیں کہ اگر ائمہ طاہرینؑ براہ راست ہر وقت، ہر لحظہ، اور ہر آن پورے عالم امکان کے ذرہ ذرہ پر ناظر ہیں تو پھر فرشتوں اور جنوں کے ذریعہ اطلاعات حاصل کرنے کے کیا معنی ہیں؟ نیز ان احادیث سے بعض ان روایات کا مطلب بھی واضح ہو جاتا ہے جن میں وارد ہے کہ: ان لنا مع کل ولی اذنا سامعۃ و عینا ناظرۃ۔ کہ ہمارے ہر محب کے ساتھ گوش شنوندہ اور چشم بیننده موجود ہے۔ ان حدیثوں سے ہویدا ہے کہ اس سے مراد فرشتوں اور جنوں کے ذریعہ اطلاع حاصل کرنا ہے۔ فلا تغفل

⑮ انبیاء وائمہ علیہم السلام کی عملی زندگی میں بیسیوں ایسے واقعات ملتے ہیں جن سے ان کے ناظر

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہونے کی صریحی نفی ہوتی ہے۔ غزوۂ تبوک کے متعلق ارباب تاریخ کا اتفاق ہے کہ آنحضرتؐ کو بعض لوگوں نے اطلاع دی کہ کفار روم وغیرہ ایک لشکر جرار لے کر مدینہ پر چڑھائی کی غرض سے روانہ ہو چکے ہیں۔ آنحضرتؐ نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ تیاری فرمائی اور بہت لاؤ لشکر کے ساتھ پیشتی حملہ کر دینے کی غرض سے سفر کی بے شمار صعوبتیں اور دقتیں جھیلنے کے بعد جب بمقام تبوک پہنچے جو حوالی شام میں ایک مقام کا نام ہے تو معلوم ہوا کہ وہ اطلاع غلط تھی۔ کفار نے کوئی چڑھائی نہیں کی۔ اس لیے جناب واپس تشریف لائے۔ (تمام کتب سیر و تواریخ)۔

❶ آنحضرتؐ کی ایک زوجہ محترمہ پر تہمت زنا لگائی گئی۔ جناب کو روحانی صدمہ ہوا۔ اور اس محترمہ پر ناراض ہو گئے۔ جب خداوند عالم نے قرآن نازل کر کے اس کی صفائی پیش فرمائی، تب حضورؐ کا غصہ فرو ہوا۔ (پارہ ۱۸ سورہ نور ع ۸)

ان واقعات سے آنحضرتؐ کے علم فعلی و حضوری اور تفصیلی کی نفی روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

❷ حضرت امام حسین علیہ السلام اِدھر آٹھویں ماہ ذی الحجہ ۶۰ھ کو عمرہ تمتع کے احرام کو عمرۂ مفردہ سے بدل کر مکہ مکرمہ سے عراق روانہ ہوتے ہیں، اُدھر نو ذی الحجہ کو آپؑ کے سفیر خاص جناب مسلم بن عقیلؓ جام شہادت نوش فرماتے ہیں۔ امام راستہ میں برابر کوفہ کی طرف سے آنے والے ہر شخص سے وہاں کی تازہ صورت حال دریافت کرتے ہیں۔ حتی کہ منزل ثعلبیہ پر کوفہ کی طرف سے آنے والے ایک اسدی آدمی کے ذریعہ جب جناب مسلمؓ و ہانیؓ کی شہادتوں کی اطلاع ملتی ہے تو گریہ و بکا فرماتے ہیں۔ کلمہ استرجاع (انا للہ ۔۔۔) پڑھتے ہیں۔ (تمام کتب مقاتل وغیرہ)

اگر اس قسم کے تمام واقعات درج کیے جائیں تو ان کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔

مگر ع

عاقلاں را اشارتے کافی است

ان حقائق سے کالشمس فی نصف النہار واضح و آشکار ہو گیا کہ سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام بالفعل کائنات کے ذرہ ذرہ پر ناظر نہیں ہیں۔

وھو المقصود

وقد حصل اللہ بعون اللہ الودود

Scanned with CamScanner

ناظرین کی نفی علماء اعلام کے بیان کی روشنی میں نیز علم حضوری کی تردید اور حصولی کا اثبات

اس سلسلہ میں کثیر التعداد علمائے اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاسکتا ہے، مگر چونکہ استقراء تام واستقصاء عام کرنا مقصود نہیں، اس لیے صرف چند اعاظم کا بیان قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ اور انہی بیانات کی روشنی میں ضمناً ایک اور معرکۃ الآراء مسئلہ کا صحیح حل بھی معلوم ہوجائے گا کہ آیا رسول خداؐ وائمہ ہدیٰؑ کا علم حضوری ہے یا حصولی۔

ہاں یہ واضح رہے کہ اس مقام پر علم حضوری اور حصولی کے وہ معنیٰ مراد نہیں جو فن منطق میں بیان کیے جاتے ہیں، بلکہ حضوری سے مراد یہ ہے کہ تمام اشیاء کے متعلق ان حضرات کا علم اس طرح احاطی، تفصیلی اور بالفعل ہے کہ انھیں توجہ اور التفات کرنے کی بھی ضرورت درپیش نہیں آتی اور حصولی سے مراد یہ ہے کہ ان کا علم ارادی وتدریجی ہے۔ ان کی ابتدائے خلقت روحانی ونورانی سے لے کر اس وقت تک برابر اس میں منجانب اللہ مخصوص ذرائع سے اضافہ وازدیاد کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ جب ارادہ وتوجہ فرمائیں تو فرش سے عرش اور ثریا سے ثریٰ تک جس چیز کو چاہیں باعلام اللہ معلوم کرلیتے ہیں۔ وھذا ھوالحق الحقیق بالاتباع۔

❶ جناب علامہ محمد باقر مجلسیؒ جفر وجامعہ اور مصحف فاطمہؑ والی احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وفی بعض الاحوال یحتاجون الی ذلك لانه لم یکن جمیع العلوم حاضرة عندھم بل یحتاجون الی مراجعة بعض الکتب او الی روح القدس۔ الخ

یعنی بعض حالات میں ان بزرگواروں کو اس چیز (پردہ اٹھا کر دیکھنے) کی ضرورت درپیش آجاتی ہے۔ کیونکہ تمام علوم ان کے پاس (بالفعل) حاضر نہیں، بلکہ ان کو بعض (جفر وجامعہ وغیرہ) یا روح القدس کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے۔ (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۷۵)

❷ فاضل جلیل مولانا سید حسین لکھنویؒ نے حدیقہ سلطانیہ جلد ۳ میں متعدد مقامات پر بڑی تفصیل کے ساتھ علم حضوری وفعلی کی نفی فرمائی ہے اور یہ مبحث صفحہ ۲۰۰ سے لے کر ۲۲۰ تک پھیلا ہوا ہے۔ صفحہ ۲۱۷ پر فرماتے ہیں:

پس دعوی فعلیت جمیع علوم کہ منافی این اخبار وغیر آں از متواترات

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بالمعنی است افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشاں۔

یعنی تمام علوم کے بالفعل حاصل ہونے کا دعویٰ مذکورہ بالا اور ان کے علاوہ متواتر معنوی تک پہنچے ہوئے اخبار کے منافی ہونے کی وجہ سے ان حضرات کے حق میں کھلم کھلا افراط ہے۔

❻ آقائی الحاج مرزا محمد احمد آبادی اصفہانی اپنی کتاب الشمس الطالعہ فی شرح الزیارۃ الجامعہ صفحہ ۱۰۵ طبع اصفہان پر لکھتے ہیں:

نیز بدانکہ آنچہ از اخبار استفادہ می شود آن است کہ علم ائمہ حصولی است و غلط است علم حضوری گفتن۔

یعنی جاننا چاہیے کہ جو کچھ اخبار اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ائمہ علیہم السلام کا علم حصولی ہے، اسے حضوری قرار دینا غلط ہے۔

❼ سید محمد مہدی القزوینی الکاظمی نے اپنی کتاب بوار الغالین مطبوعہ بمبئی کے صفحہ ۳۹ سے صفحہ ۵۵ تک پورے سترہ صفحوں تک علم حضوری کا ابطال اور علم حصولی کا اثبات کیا ہے۔ شائقین تفصیل اس کتاب کی طرف رجوع کریں۔ اس میں مصنف محترم نے تمام فرقہ محقہ کے اجماع کا دعویٰ کیا ہے کہ علم معصوم حصولی ہے نہ حضوری ہے۔ چنانچہ انھوں نے اس مسئلہ کا عنوان ہی یہ قرار دیا ہے۔

مسئلة من جملة ماخالفت به الشيخية للفرقة المحقة مسئلة علم المعصوم من حيث كونه حضوريا بزعمهم و عند اهل الحق علمه حصولي ۔الخ (صفحہ ۳۹)

یعنی منجملہ ان مسائل کے جن میں فرقہ شیخیہ (مفوضہ) نے فرقہ محقہ (شیعہ اثنا عشریہ) کی مخالفت کی ہے، ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ معصوم کا علم حضوری ہے، حالانکہ تمام اہل حق کے نزدیک ان کا علم حصولی ہے۔

❽ عالم جلیل آقائے آقا شیخ جمال الدین صاحب الامری اپنی کتاب سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات صفحہ ۱۸۲ پر بعنوان المبحث الرابع فی کیفیۃ علم الامام۔ یہ لکھنے کے بعد کہ ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ علم امام حضوری ہے اور دوسرے لوگ اسے حصولی قرار دیتے ہیں۔ رقمطراز ہیں:

والجماعة الاولیٰ هم الغلاة حيث انهم قالوا بحضور الممكنات عندهم و ان علمهم من لوازم ذواتهم الشريفة ـــــ (الی ان قال) بل المستفاد من صريح هذه الاخبار هو كون علمهم حصولياً۔الخ

پہلی جماعت غالیوں کی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہؑ کا علم حضوری ہے۔ یعنی تمام کائنات ان کے نزدیک حاضر ہے اور ان کا علم ان کی ذوات مقدسہ کے لوازم میں سے ہے لیکن اخبار معصومینؑ سے جو کچھ

Scanned with CamScanner

مُستفاد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی ہے۔

❻ صاحب ضوابط الاصول (جلد ا صفحہ ۲۵۸) نے تو اس بات پر کہ معصومؑ کا علم حصولی ہے تمام علماء امامیہ کے اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

اتفاق الامامیۃ علی کون علم المعصوم ارادیاً لا فعلیا حضوریا۔

تمام فرقہ امامیہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ معصومؑ کا علم ارادی ہے اور فعلی وحضوری نہیں ہے۔

❼ آیت اللہ المرزا السید محمد حسن الشیرازیؒ، آیت اللہ الشیخ محمد حسین الکاظمیؒ، آیت اللہ الشیخ محمد حسین اردکانیؒ، آیت اللہ السید محمد حسین الشہرستانیؒ اعلی اللہ مقامہم سے دریافت کیا جاتا ہے:

القول بان امیرالمومنین علیہ السلام عالم بماکان و ما یکون بالفعل ھل ھو صحیح ام باطل؟

آیا یہ کہنا کہ حضرت امیر علیہ السلام بالفعل تمام ماکان وما یکون کے عالم ہیں، صحیح ہے یا باطل؟

یہ سب حضرات اس کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ھذہ المقالۃ باطلۃ فاسدۃ۔ (بوارالغالین صفحہ ۲۰۱ مطبوعہ بمبئی)

یہ نظریہ بالکل باطل اور فاسد ہے۔

ان اعلام کے کلام حق ترجمان سے یہ حقیقت واضح وعیاں ہوگئی ہے کہ ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ عالم کے ہر ذرہ ذرہ کا بالفعل علم رکھتے ہیں۔ یہ شیعی عقیدہ نہیں بلکہ یہ غالیوں اور مُفوضہ کا عقیدہ ہے۔ اعاذنا اللہ من شرورھم۔

تائید مزید

اس امر کی (کہ امامؑ کا علم حصولی وارادی ہے) تائید مزید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے جن میں وارد ہے:

ان الامام اذا اراد ان یعلم شیئا علم۔

یا: اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعنمہ اللہ

جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو باعلام اللہ اسے معلوم کر لیتے ہیں۔ اس مضمون کا اصول کافی میں (جلد ا صفحہ ۱۲۸ پر) پورا ایک باب موجود ہے۔

Scanned with CamScanner

ناظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں

چونکہ یہ مُسلمہ قانون ہے کہ: کلما حکم بہ الشرع حکم بہ العقل۔ جو فیصلہ شریعت مقدسہ کرے عقل سلیم بھی وہی فیصلہ کرتی ہے۔ بنابریں جب سطور بالا میں سرکار محمد وآل محمد علیہم السلام کے ناظر ہونے کی قرآن، خود انہی بزرگواروں کے فرمان، اور علماء اعلام کے کلام کی روشنی میں نفی کر دی گئی، تو بعد ازیں عقل سلیم بھی اس کی حرف بحرف تائید مزید کرتی ہے کہ اس طرح عالم امکان کی ہر شئی پر خواہ زمانہ ماضی سے متعلق ہو یا زمانہ حال سے وابستہ ہو یا ہنوز استقبال کے پردہ میں روپوش ہو۔ بالفعل کلی احاطہ کرنا کسی بھی مخلوق اور ممکن الوجود ہستی کے لیے ممکن نہیں ہے۔ جو بھی ممکن الوجود ہے اس کی توجہ ایک وقت میں ایک ہی طرف ہو سکتی ہے۔ مثلاً اگر خالق کی عبادت ومناجات میں منہمک ہے تو پھر مخلوق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ اور اگر امور خلق میں مشغول ہے تو خالق کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ الغرض جب ایک کام کی طرف دھیان ہوگا تو دوسرے کام کی طرف توجہ نہ ہوگی۔ یہ خدا کی ہی شان ہے کہ لایشغلہ شان عن شان ہے ایک کام دوسرے کام سے غافل نہیں کرسکتا۔ نیز یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ خداوند عالم ستار العیوب ہے (یا من اظھر الجمیل و ستر القبیح) اگر خدائے منان کی یہ بندہ نوازی نہ ہوتی اور لوگوں کو ایک دوسرے کے چھپے ہوئے عیوب ونقائص کا علم ہو جاتا تو نہ کوئی کسی کو سلام کرتا اور نہ کفن ودفن میں شریک ہوتا۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے: لو تکاشفتم لما تدافنتم۔ یعنی اگر تمھیں ایک دوسرے کے حالات و کیفیات کا علم ہو جائے تو تم ایک دوسرے کو دفن کرنا چھوڑ دو (خزینۃ الجواہر وغیرہ) خدا تو اس قدر رؤف ورحیم ہے کہ بندہ کے بعض مخصوص حالات میں اپنے خاص فرشتوں (کراماً کاتبین) کو بھی الگ کر دیتا ہے۔ جیسا کہ دعائے کمیل کے اس فقرہ والشاھد لما خفی عنھم۔ (اے اللہ تو میرے ان حالات سے بھی واقف ہے جو کراماً کاتبین پر بھی پوشیدہ ہیں) کی شرح میں معصومینؑ سے اس کی تفصیلات مروی ہیں۔ تو دریں حالات آیا عقل سلیم یہ باور کرسکتی ہے کہ وہی خدائے کریم وحکیم نے اپنے انبیاء وائمہ طاہرین صلوات اللہ علیہم اجمعین کو یہ تمکین دے دی ہے (بنابر تسلیم امکان عقلی) کہ ہر وقت، ہر لحظہ اور ہر آن ہر شخص کی ہر حرکت وسکون پر ناظر ہوں؟ خواہ کوئی اپنی عورت سے مقاربت کر رہا ہو، یا زنا کا ارتکاب کر رہا ہو، کسب حلال کر رہا ہو یا چوری میں مشغول ہو۔ کسی کا ناحق خون بہا رہا ہو، یا کسی کی عزت وناموس پر ڈاکا ڈال رہا ہو۔ لباس میں ملبوس ہو یا مجرد عن اللباس ہو، غسل خانہ میں نہا رہا ہو یا بیت الخلا میں رفع حاجت کر رہا ہو۔ اللہ اذن لکم ام علی اللہ تفترون؟ مالکم کیف تحکمون؟۔

Scanned with CamScanner

اس مسئلہ میں آخری فیصلہ کہ علم نبیؐ و امامؑ ارادی ہے

ان حقائق کے پیش نظر یہ بات تو پایۂ ثبوت تک پہنچ جاتی ہے کہ

لیس علمھم کعلم اللہ تعالیٰ فی تعلقہ بکل شی من الاشیاء الممکنۃ فی جمیع العوالم فی الازمنۃ و الحالیۃ و المستقبلیۃ۔

یعنی ان ذوات مقدسہ کا علم علم خداوندی کی طرح ایسا نہیں ہے کہ اس کا تعلق تمام عوالم امکانیہ کے تمام ازمان ماضیہ و حالیہ اور استقبالیہ میں تمام اشیائے ممکنہ کے ساتھ بالفعل ہو۔ (یہ بات ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہے) اس بات پر حضرت شیخ مفیدؒ نے فرقہ امامیہ کثر ہم اللہ فی البریہ کے اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۸۹ بحوالہ مسائل عکبریہ) لہٰذا اب دو ہی راستے ہیں۔

پہلی قسم کی روایات (جو نفی پر دلالت کرتی ہیں، جن کا ایک شمہ اوپر بیان ہو چکا ہے) یا دوسری قسم کی روایات (جن سے اثبات مترشح ہوتا ہے، جن کا ایک شمہ بعد ازیں ازالۂ شکوک و اوہام کے ضمن میں بیان ہوگا۔ انشاء اللہ) کو غلط قرار دے کر بالکل نظر انداز کر دیا جائے۔ یا پھر ان کے درمیان جمع و توفیق کی کوئی راہ پیدا کی جائے؟ ظاہر ہے کہ پہلے طریقہ کار کو اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی ہمارے کرم فرما اسے پسند کریں گے۔ کیونکہ ان کے نزدیک معصومین کی طرف ہر منسوب شدہ روایت قابل قبول ہے اور اس میں شک کرنا کفر۔ (حقائق الوسائط صفحہ ۲۳۰ وغیرہ)

لہٰذا دوسرا طریقہ ہی درست ہے اور وہ جمع و توفیق اس طرح ہو سکتی ہے کہ علم نبیؐ و امامؑ کو ارادی قرار دیا جائے کہ اگر وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو از ثریٰ تا ثریا و از عرش تا فرش ہر چیز کو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ (الا ما ثبت استثنائہ) اور اگر توجہ نہ فرمائیں تو پھر وہی کچھ ہوتا ہے جس کا ایک شمہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ الغرض ان بزرگواروں پر یہ اشعار پوری طرح منطبق ہوتے ہیں:۔

یکے پرسید ازاں گم کردہ فرزند
کہ اے روشن رواں پیر خرد مند

ز مصرش بوئے پیراھن شمیدی
چرا در چاہ کنعانش ندیدی

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بگفت احوال ما برق جہانست
دمے پیدا دمے دیگر نہاں است

کہے بر طارم اعلیٰ نشینم
کہے بر پشت پائے خود نہ بینم

یہی وہ معقول اور صحیح حل ہے جسے بڑے بڑے علماء و محدثین و مفکرین مثل سرکار مجدد الاسلام کلینی (در اصول کافی) جناب علامہ مجلسی (در بحار) حضرت شیخ حر عاملی (در فصول مہمہ) حضرت شیخ انصاری (در رسائل) فاضل تکابنی (در شرح رسائل) علامہ سید حسین لکھنوی (در حدیقہ سلطانیہ) فاضل سید مہدی کاظمینی (در بوار الغالین) صاحب ضوابط الاصول، علامہ برقعی (در کتاب عقل و دین) "صراط الحق فی المعارف الاسلامیہ والاصول الاعتقادیہ" طبع نجف کے فاضل مصنف کا مفصل کلام حقیقت ترجمان اس سلسلہ میں یہاں پیش کیا جاتا ہے۔

چنانچہ وہ اپنی اسی کتاب کی جلد ۳ صفحہ ۳۷۲ پر مباحث طویلہ کے بعد جمع بین الاخبار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

والذی اراہ فی دفع ھذا التنافی ـ ھو حمل النوع الاول علی تمکنھم من النظر والرویۃ و انہ اذا شاوا ذلک و لو علی البدل لراوا الاجلی العلیۃ و الوقوع فانھا بعیدۃ بل لعلھا غیر میسورۃ لھم و کیف یصح لممکن مادی ان لا یشغلہ شان من شان فلا یمنعہ التوجہ الی عمل عامل فی الشرق عن الالتفات الی حرکۃ متحرک فی الغرب او یکون ناظرا الی جمیع ما یصدر من المکلفین و ھو یتکلم مع اھلہ او اصحابہ او نائم علی فراشہ او مشغول بالمناجات مع ربہ و لا دلیل یفی بھذا الحد من الالتفات حتی الروایات الواردۃ فی روح القدس الذی یوید الائمۃ الدالۃ علی انہ لا یلھو و لا یتغیر و لا یلعب و بالجملۃ ان صح ھذہ المرتبۃ عقلا لا دلیل علی اثباتھا لھم خارجا لا عقلا و لا نقلا بل من لا یشغلہ شان عن شان ھو اللہ سبحانہ و تعالیٰ ـ

یعنی میں سمجھتا ہوں کہ یہ ظاہری اختلاف و تعارض اس طرح دور ہو سکتا ہے کہ پہلی قسم والی آیات و روایات کو جو عموم علم پر دلالت کرتی ہیں (جو ہماری ترتیب سے دوسری قسم ہیں) کو اس بات پر محمول کیا جائے کہ یہ بزرگوار جب چاہیں تو توجہ کر کے ہر چیز کو اگرچہ بطور تبادل (کے بعد دیگرے)

Scanned with CamScanner

سہی، معلوم کر لینے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اور دوسری قسم کو (جو ہماری ترتیب سے قسم اول ہیں) نفی فعلیت پر محمول کیا جائے کہ ان حضرات کو ذرہ ذرہ کا اس طرح بالفعل علم نہیں ہے کہ ان کو توجہ بھی نہ کرنا پڑے، نہ کہ فعلیت اور وقوع پر۔ کیونکہ یہ بات بہت ہی بعید (از عقل) ہے، بلکہ ان کے لیے ممکن ہی نہیں ہے۔ بھلا ایک ممکن الوجود مخلوق کے لیے یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ اسے ایک کام دوسرے کام سے باز نہ رکھے؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مشرق میں کام کرنے والے شخص کی طرف توجہ کرنا اسے مغرب میں کسی حرکت کرنے والے شخص کی حرکت کی طرف توجہ کرنے سے نہ روکے؟ یا یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ تمام عالم کے مکلفین کی طرف (بیک وقت) ناظر و متوجہ ہو۔ باوجودیکہ وہ (بظاہر) اپنے اہل و عیال یا اپنے اصحاب و احباب کے ساتھ باتیں کر رہا ہے، یا رخت خواب پر سو رہا ہے؟ یا اپنے پروردگار کے ساتھ مناجات کرنے میں مشغول ہے؟ (ہاں وہ مشہور واقعہ ذہن نشین رہے کہ حالت نماز میں جناب امیرؑ کے پائے اقدس سے تیر کھینچ لیا گیا تھا، مگر بوجہ محویت در عبادت ان کو خبر تک نہ ہوئی تو کیا عین اسی حالت میں وہ کائنات کی ہر چیز پر ناظر ہو سکتے ہیں؟) ہمارے پاس کوئی ایسی دلیل (عقلی یا نقلی) موجود نہیں، جو اس حد تک (وسعت) والتفات پر دلالت کرے۔ حتیٰ کہ وہ روایات جو اس روح القدس کے متعلق وارد ہیں جو ائمہ اہل بیتؑ کی تائید و تسدید کرتا ہے کہ وہ لہو و لعب میں مبتلا نہیں ہوتا اور نہ اس میں کوئی تغیر و تبدل ہوتا ہے۔ خلاصہ کلام آنکہ اگر اس مرتبہ و مقام کو عقلاً (بالفرض) تسلیم کر لیا جائے تو جب بھی اس کے وقوع پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود نہیں ہے بلکہ وہ ذات جسے ایک کام دوسرے کام کی طرف توجہ کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا وہ فقط خدائے قدیر و خبیر کی ہی ذات ہے۔ (کذا افاد استاذنا آیۃ اللہ الحکیم اعلی اللہ مقامہ فی مستمسک العروۃ الوثقی جلد ۱ صفحہ ۷۶ الطبعۃ الاولی۔ فراجع)

علامہ سید حسین لکھنویؒ فرماتے ہیں:

پس آنچہ بعضے گمان کردہ اندکہ در ہر حال و ہر وقت حضرات را علم جمیع اشیاء حاصل است، خالی از تحکم نیست، بلکہ مراد ہماں است کہ گفتیم کہ ایشان متمکن اند از علم جمیع اشیاء الا ما یثبت استثناء (حدیقہ سلطانیہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۶)

یعنی بعض لوگوں نے جو یہ گمان کیا ہے کہ ان ذوات مقدسہ کو ہر وقت اور ہر حالت میں ہر شئی کا بالفعل علم ہے، یہ سراسر تحکم و سینہ زوری (دعوٰی بلا دلیل) ہے، بلکہ مقصد وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے

Scanned with CamScanner

کہ یہ حضرات جب چاہیں تو ہر چیز کے معلوم کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ سوائے ان چیزوں کے جن کا استثناء ثابت ہے۔

پھر صفحہ ۳۱۷ پر لکھا ہے:

پس دعویٰ فعلیت جمیع علوم کہ منافی این اخبار و غیر آن از متواترات بالمعنی است، افراط است در مراتب علیہ حضرات ایشان۔

یعنی تمام علوم کی فعلیت کا دعویٰ کرنا مذکورہ بالا اخبار وغیرہ کا جو تواتر معنوی تک پہنچے ہوئے ہیں کے منافی ہے اور ان بزرگواروں کے مراتب میں کھلم کھلا افراط ہے۔

ان فی ذلک لبلاغا لقوم یعقلون

افادۂ جدیدہ علم نبیؐ و امامؑ تدریجی ہے

مذکورہ بالا حقائق سے ایک اور علمی مسئلہ بھی خود بخود حل ہو گیا کہ ان ذوات مقدسہ کا علم تدریجی ہے۔ یعنی ابتدائے آفرینش سے لے کر اس وقت تک برابر اس میں ازدیاد و اضافہ ہو رہا ہے۔ آنی و دفعی نہیں ہے کہ ایک ہی مرتبہ خالق نے سب کچھ دے کر اب ہمیشہ کے لیے فیضان علم کا دروازہ بند کر دیا۔ اور ان کے دامن مراد پر ہو گئے اور مزید اضافہ و ازدیاد کی گنجائش نہ رہی (معاذ اللہ) مذکورہ بالا حقائق پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کے بعد یہ مسئلہ قریباً بدیہیات میں داخل ہو جاتا ہے جس پر مزید خامہ فرسائی کی ضرورت نہیں ہے۔ علاوہ مذکورہ بالا دلائل و براہین کے یہاں صرف ایک آیت مبارکہ کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔ ارشاد قدرت ہے: قل رب زدنی علماً۔ اے حبیبؐ (مجھ سے مانگ) اے میرے پروردگار میرے علم کو زیادہ کر۔

یہ ازدیاد و اضافہ کا سلسلہ تا حال جاری ہے۔ روایات اہل بیتؑ میں وارد ہے کہ جب بھی امام وقت پر مبداء فیض سے علم و فضل کا تازہ افاضہ ہوتا ہے تو اس کی ابتداء جناب رسولِ خداؐ سے کی جاتی ہے، تاکہ آخر کا علم اول کے علم سے نہ بڑھ جائے۔ (اصول کافی)

جناب رسولِ خداؐ فرماتے ہیں:

اذا اتی علی یوم لا ازداد فیہ علما یقربنی الی اللہ فلا بارک اللہ فی طلوع شمسہ۔

جب کوئی ایسا نیا دن طلوع کرے جس میں میرے علم میں کوئی ایسا مفید اضافہ نہ ہو جو مجھے اللہ کے اور زیادہ قریب کر دے تو خدا اس دن کے طلوع آفتاب میں مجھے برکت نہ دے۔ (تفسیر صافی صفحہ ۲۹۱)

Scanned with CamScanner

ظاہر ہے کہ اگر روز اول ہی تمام علوم ممکنہ حاصل ہو جاتے تو پھر روز بروز اور لحظہ بلحظہ اس میں ازدیاد و اضافہ کے کوئی معنی باقی نہیں رہتے، اور نہ ضرورت و حاجت۔ اور یہ چیز عیاں چہ بیان کی مصداق ہے۔ یہ وہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہمارے خلاف تیغ زبان و قلم بے دریغ استعمال کرنے والوں نے بھی اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ صاحب حقائق العقائد (صفحہ ۱۴۴ پر) لکھتے ہیں:

"اس کا یہ مطلب نہیں کہ خداوند عالم نے روز اول کل علوم انھیں مرحمت فرما دیے۔ یہ تو اس وقت ممکن ہوتا جب علم خداوندی کی کوئی حد مقرر ہو سکتی۔ معاذ اللہ۔ روز اول وہ مخصوص قوت جو ان کے سوا کسی کو نہیں بخشی گئی۔ انھیں عطا فرمانے کے بعد مبدأ فیاض سے ہمیشہ ان پر فیوض ہوتے رہے اور وہ اخذ فرماتے رہے"۔

فخذ هذا و كن من الشاكرين و لا تجحد فتكون من الخاسرين و الحمد لله رب العالمين

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اب ہم ذیل میں اہل افراط و غلو کے متمسکات یا بالفاظ مناسب شکوک و شبہات کا ازالہ کرتے ہیں، تاکہ یہ مسئلہ من جمیع الجہات مکمل بلکہ اکمل ہو جائے۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

ارشاد قدرت ہے:

قل اعملوا فسيرى الله عملكم و رسوله و المومنون۔ (پارہ ۱۱ سورہ توبہ ع ۲)

(اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ تم لوگ اپنے اپنے کام کیے جاؤ۔ ابھی تو خدا اور اس کا رسولؐ اور مومنین تمہارے کاموں کو دیکھیں گے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہر وقت خدا ہمارے اعمال و افعال کو دیکھتا ہے اسی طرح جناب رسولِ خداؐ اور کچھ خالص مومنین (ائمہ طاہرینؑ) بھی ہمارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔ فرق صرف بالذات اور بالتبع کا ہے۔

اس شبہ کا جواب اخبار و آثار ائمہ اطہارؑ پر گہری نگاہ رکھنے والوں پر واضح و آشکار ہے۔ ان اخبار کا خلاصہ یہ ہے کہ جناب رسولِ خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی رویت اعمال بذریعہ کراماً کاتبین ہے۔ اس سلسلہ میں اخبار مستفیضہ وارد ہیں۔ چنانچہ اصول کافی صفحہ ۱۰۸ پر ایک پورا باب موجود ہے۔ جس کا عنوان ہے: عرض الاعمال على النبى و الائمة عليهم السلام۔ یعنی جناب رسولِ خداؐ و ائمہ ہدیٰؑ کی بارگاہ میں اعمال کا پیش کیا جانا۔ اس باب کے ذیل میں چھ احادیث موجود ہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تعرض الاعمال علی رسول اللہ اعمال العباد کل صباح ابرارھا و فجارھا فاحذروھا و ھو قول اللہ عز و جل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ۔

یعنی ہر صبح تمام نیک یا بد لوگوں کے اعمال آنحضرتؐ کی خدمت بابرکت میں پیش کیے جاتے ہیں۔ پس ان اعمال سے ڈرو۔ یہی مطلب ہے آیت: قل اعملوا فسیری اللہ عملکم (الآیہ) کا۔

(بصائر الدرجات طبع جدید از صفحہ ۴۲۴ تا ۴۳۱)

جلد اول میں تین ابواب کے ضمن میں اس قسم کی پوری اُنتالیس روایات شریفہ موجود ہیں، جن میں سے اکثر و بیشتر روایات میں اسی آیت مبارکہ کے ساتھ تمسک کرتے ہوئے حضرات معصومینؑ نے اپنی رویتِ اعمال کو ثابت کیا ہے۔ صرف ایک روایت تبرکاً پیش کی جاتی ہے۔

عبداللہ بن ابان زیات بیان کرتا ہے کہ:

قلت للرضا ادع اللہ لی و لاھل بیتی قال اولست افعل واللہ ان اعمالکم لتعرض علی فی کل یوم و لیلۃ فاستعظمت ذلک فقال اما تقرا کتاب اللہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ و المومنون۔

میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپؑ میرے اور میرے گھر والوں کے لیے دعائے خیر فرمائیں۔ آنجنابؑ نے فرمایا (تمہارا کیا خیال ہے) کیا میں اس سے قبل دعا نہیں کیا کرتا؟ بخدا ہر صبح و شام تمہارے اعمال میرے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ راوی کہتا ہے میں نے اس کو بہت بڑا دعویٰ سمجھا۔ آں جنابؑ نے فرمایا کیا تم نے قرآن مجید نہیں پڑھا جس میں خدا فرماتا ہے تم عمل کرو، خدا، اس کا رسولؐ اور کچھ خالص مومنین تمہارے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

(صفحہ ۴۲۹)

اسی طرح تفسیر صافی صفحہ ۲۱۵ پر اسی آیت مبارکہ کے ذیل میں اسی مضمون کی نو عدد روایات موجود ہیں۔

اسی طرح تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۱۵۷ تا صفحہ ۱۶۰ اس مضمون کی چونتیس عدد روایات شریفہ مذکور ہیں جن میں سے اکثر روایات میں مروی ہے کہ ائمہ اطہارؑ نے عرض اعمال کا واقعہ بیان کرنے کے بعد فرمایا: و ھو قول اللہ عز و جل قل اعملوا فسیری اللہ الآیہ۔ یعنی یہ ہے مطلب ارشاد خداوندی قل اعملوا فسیری اللہ عملکم الخ کا۔ ہفتم بحار الانوار از صفحہ ۱۰۲ تا ۱۰۸ پر بھی اس عنوان کا پورا ایک باب موجود ہے۔ جس میں اس مضمون کی بیسیوں روایات مبارکہ مندرج ہیں۔ فراجع۔ حق تعرف

Scanned with CamScanner

صدق المقال و تنکشف لك حقیقة الحال انشاء اللہ المتعال۔

پس جس طرح یہ لوگ اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ خدا اور رسولؐ وائمہؑ کی رویت میں بالذات و بالتبع کا فرق موجود ہے، اسی طرح ان روایاتِ معتبرہ کی روشنی میں ان کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ رویت خداوندی بلا واسطہ ہے اور رویت رسولخدا وائمہ ہدیٰؑ بواسطہ ملائکہ ہے۔

نیز ان ارشادات معصومینؑ سے یہ حقیقت بھی واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ جو کچھ ہم نے اپنی کتاب "احسن الفوائد" صفحہ ۲۹۵ و ۲۹۶ طبع اول پر بعنوان فرشتوں کا نامہ اعمال کو جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی خدمت میں لے جانا، اور اس کے تحت شب و روز کے فرشتوں کا معصومینؑ کی بارگاہِ اقدس میں نامہ ہائے اعمال پیش کرنے کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ ہے مطلب آیت مبارکہ قل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ و المومنون کا۔ یہ بالکل صحیح اور ارشادات معصومینؑ کا لب لباب ہے۔ ان حقائق کے بعد قارئین کرام خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ بعض رسائل کے مقدمہ نگار کا اسے ہمارا ذاتی اجتہاد قرار دینا اور اس رسالہ کے مؤلف کا اسے تفسیر بالرائے ظاہر کرنا کہاں تک مبنی پر حقیقت ہے؟

مذکورہ بالا تفاسیر اہل بیتؑ کے پیش نظر اب ناظرین کرام کے لیے یہ فیصلہ کرنا بالکل آسان ہے کہ آیا ہماری بیان کردہ تفسیر تفسیر بالرائے ہے اور اس آیت مبارکہ سے بے ربط ہے، یا ان حضرات کی نگارشات ائمہ معصومینؑ کی تعلیمات کے سراسر خلاف اور ان کے اعتراضات سوادِ علمی کے بالکل منافی ہیں۔ مگر ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا علم ۔ کرشمہ ساز کرے

لیکن ایسا کرنے والو یاد رکھو ؏

قریب ہے یارو روزِ محشر ہر ایک شئے کا حساب دوگے

دوسرا شبہ اور اس کا جواب:

متعدد روایات میں مختلف عبارات و تعبیرات کے ساتھ مروی ہے کہ:

فاذا مضی الامام الذی کان قبله رفع لهذا منار من نور ینظر به الی عمل الخلائق فاذا قام بهذا الامر رفع الله له فی کل بلدة منارا ینظر به الی اعمال العباد فاذا صار الامر الیه جعل الله له عمودا من نور یبصر ما یعمل کل اهل بلدة به۔

(سابع بحار الانوار، بصائر الدرجات، اصول کافی، تفسیر برہان وغیرہ)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ان تمام روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ جب امام عالی مقام ظاہری منصب امامت پر فائز المرام ہوتا ہے تو خداوند عالم اس کے لیے ایک عمود نور (نورانی ستون) قائم کرتا ہے جس کے ذریعہ وہ اعمال خلائق کو دیکھتا ہے۔ ان احادیث سے ائمہ اطہار کا لوگوں کے اعمال پر ناظر ہونا ثابت ہے۔ اس شبہہ کا جواب یہ ہے کہ یہ روایات اس حیثیت سے مجمل ہیں کہ منارۂ نور اور عمود نور سے کیا مراد ہے۔ بموجب قاعدہ: "الاحادیث یفسر بعضها بعضا"۔ ان تمام روایات کی صحیح تشریح و توضیح حضرت امام رضا علیہ السلام کی صحیح السند حدیث شریف سے ہوتی ہے جو اصول کافی صفحہ ۱۹۹ باب مواليد الائمہ اور تفسیر برہان جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ وغیرہ میں مذکور ہے:

(و عن هذه) علی ابن ابراهیم عن محمد بن عیسیٰ بن عبید قال کنت انا و ابن فضال جلوساً اذا قبل یونس فقال دخلت علی ابن الحسن الرضا علیه السلام فقلت له جعلت فداك قد اکثر الناس فی العمود قال فقال لی یا یونس ما تراه اتراه عمودا من حدید یرفع لصاحبك قال قلت ما ادری قال لکنه ملك موکل بکل بلدة یرفع الله به اعمال تلك البلدة قال فقام ابن فضال فقبل رأسه و قال رحمك الله اباعمد لا تزال تجیی بالحدیث الذی یفرج به عنا۔

یعنی محمد بن عیسیٰ بن عبید بیان کرتے ہیں کہ میں اور ابن فضال بیٹھے تھے کہ جناب یونس آئے اور (یہ واقعہ) بیان کیا کہ میں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا میں آپ پر قربان ہو جاؤں، لوگ عمود کے متعلق بہت کچھ بیان کرتے ہیں۔ (یعنی اس کے متعلق کچھ وضاحت فرمایئے) آنجنابؑ نے فرمایا:

اے یونس کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ وہ لوہے کا کوئی ستون ہے، جو تمہارے صاحب (امامؑ) کے لیے کھڑا کیا جاتا ہے؟

میں نے عرض کیا مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں ہے۔

امام عالی مقامؑ نے فرمایا: یہ (عمود) ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے ہر ہر شہر پر موکل کر رکھا ہے۔ اس کے ذریعہ خدا اس شہر والے لوگوں کے اعمال (امامؑ تک) پہنچاتا ہے۔

اس وقت ابن فضالؒ نے اٹھ کر یونس کے سر پر بوسہ دیا اور کہا:

اے ابو محمد خدا تم پر رحم کرے۔ تم ہمیشہ ایسی ہی نئی احادیث پیش کرتے ہو، جن کی وجہ سے خدا ہماری عقدہ کشائی کر کے حیرانی و سرگردانی کو دور کر دیتا ہے۔

Scanned with CamScanner

احادیث عمود کے متعلق بعض اعلام کا تحقیقی بیان

اس حدیث شریف کی روشنی میں واضح ولائح ہوگیا کہ منارِ نور اور عمودِ نور سے مراد بطور استعارہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے حالات وکوائف بارگاہ معصومینؑ میں پیش کرتا ہے۔ روایت کے ساتھ درایت کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے، اس لیے حضرات معصومینؑ کا ارشاد ہے: روایۃ تدریہ خیر من الف تروبہ۔ (اساس الاصول صفحہ ۳۲ بحوالہ معانی الاخبار) یعنی ایک روایت کی درایت اور لفظ ومعنی کی جانچ پڑتال (بے سوچے سمجھے) ہزار روایت نقل کرنے سے بہتر وبرتر ہے۔ (اس موضوع پر کتاب کے دیباچہ میں سیر حاصل تبصرہ کیا جاچکا ہے) کلام امام کی روشنی میں ان احادیث عمود کا جو مفہوم ہم نے متعین کیا ہے علماء اعلام کے کلام حقیقت ترجمان سے بھی اس کی حرف بحرف تائید مزید ہوتی ہے۔ سردست یہاں دو بزرگواروں کا کلام پیش کیا جاتا ہے۔

❶ عالم ربانی مولانا ملا محمد صالح مازندرانیؒ مذکورہ بالا حدیث شریف کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ظاهره ان العمود هو الملك الموكل برجع اعمال العباد و على هذا يحمل المنار من النور المذكور فى الاخبار السابقة على الملائكة الموكلين به لان المبين يفسر المجمل و تسميتهم اعمدة من باب اطلاق احد المتجاورين على الاخر من باب تسمية السبب باسم المسبب لان العمود فى الحقيقة نور الاعمال۔

(شرح اصول کافی از مولانا محمد صالح مازندرانی جلد ۶ صفحہ ۳۶۵)

یعنی اس حدیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عمود سے مراد وہ فرشتہ ہے جو لوگوں کے اعمال پیش کرنے پر مؤکل ہے۔ بنا بریں سابقہ روایات میں منارہ نور کے جو الفاظ مذکور ہیں، وہ بھی انہی ملائکہ پر محمول ہوں گے، جو اس کام پر مؤکل ہیں۔ کیونکہ واضح روایات مجمل روایات کی تشریح کرتی ہیں۔ باقی رہا فرشتوں پر عمود کا اطلاق کرنا تو یہ دو مجاوروں میں سے ایک کا نام دوسرے پر از قسم تسمیہ سبب باسم مسبب اطلاق کیا گیا ہے (جو کہ مجاز کی ایک قسم ہے) کیونکہ فی الحقیقت جو عمود نور ہے وہ نور الاعمال ہے۔ (جس کے پہنچانے کا سبب فرشتے ہیں، اس لیے مجازاً انھیں عمود نور کہہ دیا گیا ہے۔)

❷ اسی طرح خواص بحار اخبار ائمہ اطہارؑ سرکار علامہ مجلسی قدس سرہ اسی حدیث کی شرح میں رقمطراز ہیں:

الحديث السابع صحيح و ابن فضال هو الحسن بن على و يونس هو ابن عبدالرحمن و

Scanned with CamScanner

جلوس جمع جالس استعمل فی الاثنین قد اکثر الناس ای القول او الاختلاف فی معنی العمود المذکور فی الاخبار انه یرفع للامام و تسمیة الملك عمودا علی الاستعارة کانه عمود نور ینظر فیه الامام اولان اعتماده فی کشف الامور علیه یا ابا محمد کنیة لیونس یفرج الله ای الغم و الکرب و الحیرة۔ انتہی کلامه رفع المخلد مقامه۔

(مرآۃ العقول جلد ا صفحہ ۲۹۱)

یعنی ساتویں حدیث صحیح ہے۔ ابن فضال کا نام حسن بن علیؑ ہے اور یونس بن عبدالرحمٰن مراد ہے۔ جلوس جالس کی جمع ہے۔ جسے یہاں دو فردوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ اکثر الناس یعنی لوگ اس عمود کی حقیقت میں بہت اختلاف کرتے ہیں جو امام کے لیے نصب کیا جاتا ہے (امامؑ نے جو عمود نور سے فرشتہ مراد لیا ہے تو) فرشتہ کا نام عمود بطور استعارہ تجویز کیا گیا ہے گویا کہ وہ فرشتہ نور کا ایک ستون ہے جس میں امام دیکھتا ہے یا وجہ تسمیہ یہ ہے کہ انکشاف امور میں امام علیہ السلام کا اس فرشتہ پر)اس طرح (اعتماد ہوتا ہے جس طرح ستون پر کیا جاتا ہے۔ ابو محمد جناب یونس کی کنیت ہے۔ یفرج اللہ۔ یعنی تمہارے ذریعہ خدا ہماری حیرت و پریشانی دور کر دیتا ہے۔

ان حقائق کی روشنی میں واضح ہو گیا کہ احادیث عمود سے امامؑ کے ہر وقت ہر چیز پر ناظر ہونے پر استدلال کرنا کسی طرح بھی درست نہیں ہے۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

روح القدس کے اوصاف میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں، ان میں سے بعض میں وارد ہے:

وروح القدس ثابت یری به فی شرق الارض و غربها و برها و بحرها۔ الخ

(بصائر الدرجات وغیرہا)

روح القدس ثابت رہتی ہے جس کے ذریعہ نبیؐ و امامؑ مشرق و مغرب اور خشکی و تری کی چیزیں دیکھتے ہیں۔

نیز وارد ہے: و بروح القدس علموا جمیع الاشیاء۔ الخ۔ اور اسی روح القدس کے ذریعہ وہ تمام چیزوں کو جان لیتے ہیں۔

ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ نبیؐ و امامؑ ہر وقت تمام چیزوں پر ناظر ہوتے ہیں۔

اس شبہ کا جواب با صواب ہماری کتاب کے ناظرین کرام پر مخفی و مستور نہیں ہے۔ ہم پہلے باب میں متعدد دلائل و براہین سے یہ حقیقت واضح و آشکار کر چکے ہیں کہ روح القدس فرشتوں میں

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

سے ایک عظیم المرتبت فرشتہ ہے۔ لہٰذا اس سے ہمارے موقف کی تائید مزید ہوتی ہے کہ یہ بزرگوار اس عالم علل واسباب میں ملائکہ کی وساطت سے بھی بعض اوقات اشیائے عالم کا علم حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ بھی منجانب اللہ ان کے لیے حصولِ علم کا ایک ذریعہ ہے۔ لہٰذا اس سے ان ذوات مقدسہ کا براہ راست تمام اشیاء پر ناظر ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ نیز روح القدس کے ذریعہ تمام اشیاء کے جاننے کا مطلب بھی وہی ہے جو سطور بالا میں بیان ہوا ہے کہ یہ بزرگوار جب بھی کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں تو باعلام اللہ معلوم کر سکتے ہیں۔ یا پھر اشیاء سے وہ اشیاء مراد ہیں جو منصب نبوت وامامت کے ساتھ وابستہ ہیں۔ والاول اولیٰ۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

ہفتم بحار وغیرہ میں بعض ایسی روایات موجود ہیں جن میں وارد ہے کہ تمام زمین امام کی نظر میں ایک اخروٹ کی طرح ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام تمام اشیاء پر ناظر ہیں۔

اسی طرح یہ بھی بعض روایات میں وارد ہے کہ درخت اور در و دیوار نظر امام کے آگے حائل نہیں ہو سکتے۔ ایسا ہو تو پھر امام اور غیر امام میں فرق ہی کیا رہ جائے۔

اسی طرح بعض اخبار میں وارد ہے: ان لنا مع کل ولی اذنا سامعۃ و اعینا ناظرۃ۔ ہمارے ہر دوست کے ساتھ ہمارے سننے والے کان اور دیکھنے والی آنکھیں موجود ہیں۔

اسی طرح بعض آثار میں وارد ہے کہ تمام دنیا امام کے سامنے بمنزلہ دسترخوان کے ہے جہاں سے جو چیز چاہیں اٹھا سکتے اور دیکھ سکتے ہیں۔

یہ شبہ بھی بچند وجہ درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔

اولاً اس لیے کہ اس قسم کی روایات، اخبارِ آحاد اور وہ بھی شاذ اور غیر مستند ہونے کی وجہ سے اس قابل نہیں کہ اس مہم اصولی مسئلہ میں ان کے ساتھ تمسک کیا جائے۔ جیسا کہ کتاب ہذا کے دیباچہ میں اس امر کی وضاحت کی جا چکی ہے۔

ثانیاً بنابر تسلیم ان روایات کا وہ مطلب نہیں جو یہ حضرات لیتے ہیں۔ (جس کا عقلی ونقلی دلائل قاطعہ سے سابقہ اوراق میں مکمل ابطال کر کے اس کا محال ہونا ثابت کیا جا چکا ہے۔) بلکہ ان کا مفہوم یہ ہے کہ مقام اعجاز میں ایسا ہوتا ہے۔ ہمارے اس مفہوم کی اس امر سے بھی مزید تقویت ہوتی ہے کہ ایسی روایات مدینۃ المعاجز وغیرہ کتب میں معجزات کے ضمن میں مذکور ہیں۔

Scanned with CamScanner

ثالثاً چونکہ یہ ایک مُسلمہ کلیہ ہے کہ متشابہ کی محکم اور مجمل کی مفصل ومبین روایات تفسیر وتشریح کرتی ہیں۔لہٰذا ان توضیحی روایات کے پیش نظر جو سابقہ اوراق میں بیان ہو چکی ہیں کہ : ان الامام اذا اراد شیئا اعلمہ اللہ ۔کہ امام جب کسی چیز کو معلوم کرنا چاہیں تو خدا انھیں بتلا دیتا ہے۔

ان روایات کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ جب امام کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو اس وقت وہ اسی طرح بآسانی اسے معلوم کر لیتے ہیں کہ گویا تمام دُنیا ان کی نظر اقدس میں ایک اخروٹ کی مانند ہے۔ یہ ایک استعارہ و کنایہ ہے کہ یہ بزرگوار از فرش تا عرش واز ثریا تا ثری واز مشرق تا مغرب واز جنوب تا شمال غرضیکہ کائنات عالم کی جس چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ (والحجۃ من لا یقول لا ادری)

اس سے بڑھ کر اور ائمہ اہل بیت علیہم السلام کی علمی عظمت وجلالت کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے؟ اس سے ان بزرگواروں کے علم پر کوئی ایراد بھی عائد نہیں ہوتا۔ کیونکہ کسی چیز کے عالم کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اس چیز کا بالفعل عالم ہو، اور اس کی تمام جزئیات اس کے ذہن میں مُستحضر ہوں، بلکہ اس میں اس طرح کے ملکہ و استعداد کا ہونا کافی ہے کہ جب توجہ کرے تو معلوم کر لے۔

چنانچہ معالم الاصول صفحہ ۲۳ پر ایک سوال کے جواب میں مرقوم ہے:

المراد بالعلم بالجمیع التھیئولہ و ھوان یکون عندہ ما یکفیہ فی استعلامہ من الماخذ و الشرائط و اطلاق العلم علی مثل ھذا التھیو شائع فی العرف فانہ یقول فی العرف فلان یعلم النحو مثلا و لا یراد ان مسائلہ حاضرۃ عندہ علی التفصیل ۔الخ

یعنی سب اشیاء کے علم سے مراد یہ ہے کہ ان کے معلوم کرنے کا اس کے اندر ایسا ملکہ موجود ہے کہ جب انھیں ان کے ماخذ وشرائط کے ساتھ معلوم کرنا چاہے تو معلوم کر سکتا ہے۔ اس قسم کی استعداد وآمادگی پر علم کا اطلاق کرنا عرف عام میں شائع ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نحو کا عالم ہے تو اس سے یہ مراد نہیں ہوتی کہ نحو کے تمام مسائل بالفعل اس کے ذہن میں حاضر ہیں۔ (بلکہ اس سے مُراد یہی ہوتی ہے کہ اس میں ان مسائل کے معلوم کرنے کا ایسا ملکہ موجود ہے کہ جب توجہ کرلے تو معلوم کر سکتا ہے۔) (کذا فی سبیل النجاۃ)

ھذا بیان للناس

وھدی و موعظۃ

للمتقین

Scanned with CamScanner

اہل ایمان کے لیے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین النجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ مُنصّۂ شہود پر آچکی ہیں۔

① **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن**: کی مکمل دس جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے، جسے بڑے مباہات کے ساتھ برادرانِ اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے

② **زاد العباد لیوم المعاد**: اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومینؑ کے زیارات، سر سے لے کر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب مُنصّۂ شہود پر آگئی ہے۔

③ **اعتقاداتِ امامیہ** ترجمہ **رسالہ لیلیہ** سرکار علامہ مجلسیؒ: جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لے کر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے۔ تیسری بار بڑی جاذبِ نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہوکر منظر عام پر آگئی ہے۔ ہدیہ صرف تیس روپے

④ **اثبات الامامت**: ائمہ اثنا عشرؑ کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن

⑤ **اصول الشریعہ** کا نیا چھٹا ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے۔ ہدیہ تین سو روپے

⑥ **تحقیقات الفریقین** اور

⑦ **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔

⑧ **قرآن مجید مترجم** اردو مع **خلاصۃ التفسیر** مُنصّۂ شہود پر آگئی ہے۔ جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح روان اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے۔ جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مُفید ہے اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کردینے والا ہے۔

⑨ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ۔ سولھویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مُشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

⑩ **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

منجانب
منیجر **مکتبۃ السبطین**
۲۹۶/۹۔ بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Scanned with CamScanner

ساتواں باب

انبیاء و ائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے نہ ہونے کا بیان

یہ مسئلہ کہ آیا انبیاء و ائمہ علیہم السلام عالم الغیب ہیں یا نہ؟ قدیم الایام سے بعض فرقہائے اسلام کے درمیان معرکۃ الآراء اور محل نقض و ابرام رہا ہے اور ہے۔ طرفین سے اس کے متعلق اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، لکھا جا رہا ہے اور اسی طرح لکھا جاتا رہے گا۔ (ولا یزالون مختلفین)

صرف نزاعِ لفظی ہے:

ہم نے جہاں تک اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر ٹھنڈے دل و دماغ کے ساتھ غور و خوض کیا ہے اور فریقین کے دلائل و براہین کا پوری دیانتداری اور غیر جانبداری سے جائزہ لیا ہے تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ تمام ہاؤ ہو اور یہ بحث و تمحیص صرف نزاعِ لفظی ہے۔ یعنی فقط الفاظ کا ہیر پھیر اور تحریر و تعبیر کا چکر ہے، ورنہ حقیقت میں کوئی باہمی اختلاف و افتراق نہیں ہے۔

محل نزاع کی تعیین

غالباً اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ بجز ذات خداوندی اور کسی بھی مخلوق کو خواہ نبی ہو یا وصی، تمام مغیبات کا کلیۃً و جزئیۃً ازلاً و ابداً علم نہیں ہے۔ نہ بالذات اور نہ بتعلیم اللہ تعالیٰ۔ اسی طرح اس پر بھی قریباً سب کا اتفاق ہے کہ بعض خاصانِ خدا بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں اور یہ کہ یہ بزرگوار فی الجملہ ماکان و یکون کے عالم ہیں۔ بعد ازیں اختلاف صرف یہ ہے کہ جب بالاتفاق وہ مغیبات کثیرہ پر اطلاع رکھتے ہیں تو آیا ان کو عالم الغیب کہا جا سکتا ہے یا نہ؟ جو لوگ علمی اصطلاحات سے ناواقف ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ جب یہ بزرگوار بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں تو پھر ان کو عالم الغیب کیوں نہ کہا جائے؟ اس لیے وہ ان پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق کرتے ہیں، مگر جو علماء علمی اصطلاحات اور دیگر حقائق پر عمیق نگاہ رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ عالم

Scanned with CamScanner

الغیب صرف اس ذات کو کہا جا سکتا ہے جس کا علم اپنا ذاتی ہو اور کلی و احاطی ہو۔ اس لیے وہ ان بزرگواروں کو عالم الغیب نہیں کہتے۔ ورنہ جو (پہلی) صورت منفی ہے اس پر بھی سب کا اتفاق ہے اور جو (دوسری) صورت ثابت ہے اس پر بھی اتحاد ہے۔

علم غیب کی تعریف

اصل مقصد میں وارد ہونے اور اس پر دلائل و براہین پیش کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں علم غیب کی تعریف بیان کر دی جائے تاکہ اصل مقصد کے سمجھنے میں سہولت و آسانی ہو۔ سو مخفی نہ رہے کہ علم غیب کی تعریف میں شدید اختلاف ہے۔

پہلی تعریف:

بعض علماء اعلام نے غیب کی یہ تعریف کی ہے:

کل ما لایتناولہ الحواس من الامور الکائنۃ فی الحال او الماضی او الاستقبال

(شرح اصول کافی از عالم ربانی ملا محمد صالح مازندرانی جلد ۶ صفحہ ۲۷)

یعنی وہ امور جو زمانہ حال یا ماضی یا زمانہ استقبال میں ہوں، مگر انسانی ظاہری حواس کی دسترس سے بالاتر ہوں۔

جناب آقائے شعرانی علیہ الرحمہ کے قول: مالا یتناولہ الحواس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں:

قولہ ما لا یتناولہ الحواس و الصحیح ان یزاد قید آخر و ھو ان لا یکون طریق الیہ للعقل ضرورۃ ان العلم باللہ و ملائکتہ لا یعد من علم الغیب المبحوث عنہ فی ھذا الباب۔ ج۔

یعنی یہاں ایک اور قید کا اضافہ کرنا بھی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ (علاوہ اس کے کہ اسے ظاہری حواس درک نہ کر سکیں) عقل کی دسترس سے بھی بالاتر ہو۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ اور ملائکہ (اگرچہ ظاہری حواس کی دسترس سے تو بالاتر ہیں) مگر چونکہ عقل کی حد ادراک سے باہر نہیں ہیں، اس لیے ان کی معرفت اس علم غیب میں شامل نہیں جو زیر بحث ہے۔ اسی طرح مفسر بیضاوی نے غیب کی درج ذیل تعریف کی ہے جسے علامہ مجلسیؒ نے مرآۃ العقول جلد ۲ صفحہ ۳۶۷ پر بلا نقد و تبصرہ درج کیا ہے جس سے ان کی اس پر پسندیدگی ظاہر ہوتی ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

المراد بہ المخفی الذی لا یدرکہ الحس و لا تقتضیہ بدیھۃ العقل و ھو قسمان۔ قسم لا دلیل علیہ و ھو المعنی بقولہ تعالیٰ و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ و قسم نصب

Scanned with CamScanner

علیہ دلیل کالصانع و صفاته و الیوم الآخر و احواله و هو المراد فی قوله سبحانه یومنون بالغیب۔

یعنی غیب اس پوشیدہ امر کو کہا جاتا ہے جسے نہ تو حواس درک کرسکیں اور نہ ہی ہدایت عقل اس کا اقتضا کرے (نہ سمجھ سکے) اس (غیب) کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جس (کے معلوم کرنے) پر کوئی دلیل قائم نہیں ہے۔ یہی قسم مراد ہے خدا کے اس ارشاد سے کہ غیب کی کنجیاں بس خدا ہی کے پاس ہیں۔ اس کے سوا انھیں کوئی نہیں جانتا۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہے۔ جیسے خالق عالم کی ہستی، اس کے صفات یوم آخرت اور اس کے حالات، یہی قسم مراد ہے خدا کے اس ارشاد سے کہ مومن وہ ہوتے ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں۔ بنا بریں تعریف ظاہر ہے کہ کسی بھی مخلوق کے علم کو سرے سے علم غیب کہا ہی نہیں جاسکتا۔ اس لیے اس کے عالم الغیب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کما لا یخفیٰ

دوسری تعریف یہ کی گئی ہے:

الغیب ما غاب عن الشخص اما باعتبار زمان وقوعه کالاشیاء الماضیة و الآتیة او باعتبار مکان وقوعه کالاشیاء الغائبة عن حواسنا فی وقتنا و اما باعتبار خفائه فی نفسه کالقواعد التی لیست ضروریات و لا مستنبطة منها بالفکر الخ۔

(مرآۃ العقول شرح اصول کافی للعلامۃ المجلسی جلد ۱ صفحہ ۱۸۶)

یعنی غیب وہ ہے جو پوشیدہ ہو باعتبار زمانہ وقوع جیسے گزری ہوئی یا آنے والی چیزیں یا باعتبار مکان وقوع جیسے وہ اشیاء جو اس وقت (بوجہ بعد مکانی یا بسبب وجود حائل) ہمارے حواس سے پوشیدہ ہیں یا باعتبار اپنی ذاتی خفاء و پوشیدگی کے جیسے وہ قواعد جو نہ تو ضروری و بدیہی ہیں اور نہ ہی نظر و فکر کے ذریعہ حاصل ہو سکتے ہیں۔

(کذا فی مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۱۷ بالاختصار

اما الغیب فهو کلما غاب عنك و لم تشهده)

اس تعریف کی بنا پر اگرچہ ما کان و ما یکون کا علم رکھنے والی ذوات مقدسہ کو بظاہر عالم الغیب کہا جاسکتا ہے مگر وہ دلائل اور وجوہ جو بعد ازیں ذکر کیے جائیں گے اس اطلاق کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

علم غیب آیات قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں اس قسم کی بکثرت آیات وافی ہدایات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کا خداوند عالم کی ذات عالیہ مستجمع جمیع صفات کمالیہ کے ساتھ مختص ہے۔ ذیل میں بعض آیات پیش کی جاتی ہیں:

❶ و عندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو و یعلم ما فی البر و البحر و ما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا۔ (پارہ ۷ سورہ الانعام ع ۱۳)

اور اس کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جن کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اس کو بھی وہی جانتا ہے اور کوئی پتا بھی نہیں کھڑکتا مگر وہ اسے ضرور جانتا ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کی علم غیب کے ذات خداوندی کے ساتھ مختص ہونے پر جو واضح دلالت ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جب غیب کے خزائن کی کنجیاں ہی خدا کے پاس ہیں تو وہی جس قدر چاہے اپنے بعض برگزیدگان کو اس میں سے عطا کر دے۔ (ولا یحیطون بشئ من علمہ الا بما شاء)

❷ عالم الغیب و الشھادۃ و ھو الحکیم الخبیر۔ (پارہ ۷ سورہ انعام ع ۱۵)

وہی غائب و حاضر (سب) کا جاننے والا ہے اور وہی دانا واقف کار ہے۔

علامہ طبرسیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای یعلم ما لا یشاھدہ الخلق و ما یشاھدونہ و ما یعلمہ الخلق و ما لا یعلمونہ لا یخفی علیہ شئ من ذلک و ھو الحکیم فی افعالہ الخبیر بعبادہ و افعالھم

(مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۲۸۴)

یعنی خداوند عالم ان باتوں کو جانتا ہے جن کا مخلوق مشاہدہ نہیں کرتی، یا جن کا مشاہدہ کرتی ہے اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہے جن کو مخلوق نہیں جانتی یا جانتی ہے، وہ اپنے افعال میں صاحب حکمت اور اپنے بندوں اور ان کے افعال سے باخبر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم الغیب خدائے لم یزل کا صفاتی نام ہے۔

❸ للہ غیب السموت و الارض و الیہ یرجع الامر کلہ فاعبدہ و توکل علیہ و ما ربک بغافل عما تعملون۔ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف ع ۱۰)

اور سارے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں کا علم خاص خدا ہی کو ہے اور اسی کی طرف ہر کام ہر

Scanned with CamScanner

پھر کر لوٹنا ہے۔ تم اس کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسا رکھو اور جو کچھ تم لوگ کرتے ہو اس سے خدا بے خبر نہیں۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں:

معناه و لله علم ما غاب فی السموت و الارض لا یخفی علیه شی منه و وجلت بعض المشائخ ممن یتسم بالعدوان و التشنیع قد ظلم الشیعة الامامیة فی هذا الموضع من تفسیره فقال هذا یدل علی ان الله سبحانه یختص بعلم الغیب خلافا لما تقول الرافضة ان الائمة یعلمون الغیب و لا شك انه عنی بذلك من یقول بامامة الاثناعشر و یدین بانهم افضل الانام بعد النبی فان هذا دابه و دیدنه فیهم یشنع فی مواضع کثیرة من کتابه علیهم و ینسب الفضائح و القبائح الیهم و لا نعلم احدا منهم استجاز الوصف بعلم الغیب لاحد من الخلق فانما یستحق الوصف بذلك من یعلم جمیع المعلومات لا بعلم مستفاد و هذا صفة القدیم سبحانه العالم بذاته لا یشرکه فیه احد من المخلوقین و من اعتقد ان غیر الله سبحانه یشرکه فی هذه الصفة فهو خارج عن ملة الاسلام (الی ان قال) الی غیر ذلك مما روی عنهم هذه الاخبار المشهورة الی انه یعتقد کونهم عالمین للغیب و هل هذا الا سب صریح و تضلیل لهم و تکفیر لا یرتضیه من هو بالمذاهب خبیر والله یحکم بینه و بینهم و الیه المصیر۔ (مجمع البیان جلد ا صفحہ ۵۸۴)

میں نے بعض مشائخ کو دیکھا ہے جو کہ ظلم و زیادتی اور طعن و تشنیع کرنے کے عادی ہیں، انھوں نے اس مقام پر بھی شیعہ امامیہ پر ظلم کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب خدا کے ساتھ مختص ہے اور اس سے رافضیوں کے نظریہ کی تردید ہو جاتی ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ائمہؑ علم غیب رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس (ظالم) کی رافضیوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو ائمہ اثناعشرؑ کی امامت کے قائل ہیں اور ان کو آنحضرتؐ کے بعد تمام لوگوں سے افضل جانتے ہیں۔ کیونکہ اس شخص کا رویہ یہی ہے کہ اپنی کتاب میں اکثر مقامات پر ان کو اسی لب ولہجہ کے ساتھ یاد کر کے ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور تمام شنائع و قبائح کو ان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ حالانکہ ہمیں کوئی ایک شیعہ بھی ایسا معلوم نہیں جس نے کسی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیبی) کا مستحق وہ ہوتا ہے جو تمام معلومات کو اپنے ذاتی علم کے ذریعہ جانتا ہو۔ نہ علم مستفاد کے ساتھ اور یہ خدائے قدیم کی صفت ہے جس کا علم بالذات ہے۔ اس وصف میں اس کی کوئی بھی مخلوق اس کی

Scanned with CamScanner

شریک نہیں ہے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کوئی مخلوق اس وصف میں خدا کے ساتھ شریک ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے جن اہل علم نے ائمہؑ کے بعض اخبار بالغیب نقل کیے ہیں یہ سب جناب رسول خداؐ سے حاصل کردہ ہیں۔ جن پر خداوند عالم ان کو مطلع کرتا تھا۔ لہٰذا یہ کہنا بالکل بے معنی ہے کہ جن علماء نے یہ واقعات درج کیے ہیں وہ ائمہؑ کو عالم الغیب سمجھتے ہیں۔ یہ تو ان کو ایک کھلی ہوئی گالی دینا ہے۔ اور ان کو گمراہ قرار دینا بلکہ ان کی تکفیر کرنا ہے۔ جسے کوئی بھی مذہب سے واقف شخص پسند نہیں کرسکتا۔ خدا اس نسبت دینے والے اور ان علماء کے درمیان فیصلہ کرے گا۔

❷ قل لا یعلم من فی السموت و الارض الغیب الا اللہ و ما یشعرون ایان یبعثون

(پارہ ۲۰ سورہ نحل ع ۱)

(اے رسول ان سے) کہہ دو کہ جتنے لوگ آسمان و زمین میں ہیں ان میں سے کوئی بھی غیب کی بات خدا کے سوا نہیں جانتا۔ اور وہ یہ بھی تو نہیں سمجھتے کہ قبر سے دوبارہ کب زندہ اٹھا کھڑے کیے جائیں گے۔

علامہ طبرسیؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

قل یا محمد لا یعلم من فی السموات و الارض من الملائکۃ و الانس و الجن الغیب و ھو ما غاب علمہ عن الخلق مما یکون فی المستقبل الا اللہ وحدہ او من اعلمہ۔

(مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۳۸)

اے محمدؐ (ان لوگوں سے) کہہ دو کہ سوائے خدا یا اس کے جسے خدا (جو مقدار) بتا دے اور کوئی بھی آسمان و زمین والی مخلوق غیب نہیں جانتی، خواہ ملائکہ ہوں یا انسان یا جن، اور غیب سے مراد زمانہ استقبال میں واقع ہونے والے وہ امور ہیں جن کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے۔

عالم ربانی ملا محسن فیضؒ کاشانی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

فی نھج البلاغۃ (جلد ۲ صفحہ ۱۵ طبع مصر) ان امیر المومنین اخبر یوما ببعض الامور التی لم یات بعد فقیل لقد اعطیت علم الغیب فضحک و قال لیس ھو بعلم غیب و انما ھو تعلم من ذی علم و انما علم الغیب علم الساعۃ و ما عددہ اللہ سبحانہ بقولہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الایۃ فیعلم سبحانہ ما فی الارحام من ذکر و انث و قبیح او جمیل و سخی او بخیل و شقی او سعید و من یکون للنار حطبا او فی الجنان للنبیین موافقا فھو علم الغیب الذی لا یعلم الا اللہ و ما سوی ذلک فعلم علمہ نبیہ فعلمنیہ و دعا لی ان یعیہ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

صدری و تضطم علیہ جوانحی۔ (تفسیر صافی صفحہ ۳۷۳)

یعنی ایک دن جناب امیر علیہ السلام نے بعض ان امور کی خبر دی جو ابھی واقع نہیں ہوئے تھے۔ آپؑ کے بعض اصحاب نے عرض کیا: آپؑ کو تو علم غیب عطا کیا گیا ہے۔ آنجنابؑ ہنسے اور فرمایا یہ علم غیب نہیں ہے بلکہ یہ تو صاحب علم سے حاصل کی ہوئی باتیں ہیں۔ علم غیب تو دراصل قیامت اور ان (پانچ) چیزوں کا علم ہے جن کو خدائے عزوجل نے اس آیت میں شمار کیا ہے: ان اللہ عندہ علم الساعۃ (پارہ ۲۱ سورہ لقمان ع ۱۳) خدا ہی کے پاس وقت قیامت کا علم ہے۔ پس خدائے علام ہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟ لڑکا ہے یا لڑکی، خوبصورت ہے یا بدصورت، سخی ہے یا بخیل، شقی ہے یا سعید؟ آیا کون آتش جہنم کا ایندھن بنے گا اور کون جنت میں انبیاءؑ کا رفیق ہوگا۔ یہ ہے وہ علم غیب جسے خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کے سوا جو ہے وہ خدا نے اپنے نبی (آخرالزمانؐ) کو بتا دیا ہے اور آنحضرتؐ نے مجھے اس کی تعلیم دے دی ہے اور میرے لیے دعا فرمائی ہے کہ میرا سینہ اسے یاد رکھے اور میرے پہلو اس پر منضم و محیط رہیں۔ حضرت امیرالمومنینؑ کے اس کلام معجز نظام سے جہاں علم غیب کی تفصیل معلوم ہوگئی، وہاں یہ حقیقت بھی روشن ہوگئی کہ علم مستفاد (جو کسی اور سے (خواہ خدا سے ہی سہی) حاصل کیا جائے) اسے علم غیب کہا ہی نہیں جاسکتا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ ہے، جو ان حقائق سے کما حقہ ثابت ہو جاتا ہے۔

❺ و قال الذین کفروا لا تاتینا الساعۃ قل بلی و ربی لتاتینکم عالم الغیب لا یعزب عنہ مثقال ذرۃ فی السموت و ما فی الارض۔ (پارہ ۲۲ سور سباع ۷)

اور کفار کہنے لگے کہ ہم پر تو قیامت آئے گی ہی نہیں۔ (اے رسولؐ) تم کہہ دو کہ ہاں (ہاں) مجھ کو اپنے اس عالم الغیب پروردگار کی قسم ہے جس سے ذرہ برابر (کوئی چیز) نہ آسمان میں چھپی ہے اور نہ زمین میں، قیامت ضرور آئے گی۔

علامہ طبرسیؒ فرماتے ہیں:

مدح اللہ نفسہ بانہ یعلم ما غاب عن العباد علمہ مما ھو کائن او سیکون و لم یوجد بعد۔ (مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۳۰۷)

یعنی خداوند عالم نے اپنی ذات کی مدح و ثنا فرمائی ہے کہ وہ ان ہونے والے واقعات و حالات کو جانتا ہے جن کا علم بندوں سے پوشیدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مدح و ثنا اسی صورت میں صحیح ہو سکتی ہے کہ پوری کائنات میں اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہ ہو۔

Scanned with CamScanner

❼ ان اللہ عالم غیب السموت و الارض انہ علیم بذات الصدور (پارہ ۲۲ سورہ فاطر ع ۱۷)

بے شک خدا سارے آسمان و زمین کی پوشیدہ باتوں سے خوب واقف ہے۔ وہ یقینی دلوں کے پوشیدہ راز سے باخبر ہے۔

مفسر طبریؒ لکھتے ہیں:

فلا یخفی علیہ شی مما یغیب عن الخلائق علمہ انہ علیم بذات الصدور ای فلا تضمروا فی انفسکم ما یکرھہ سبحانہ فانہ عالم بہ

(مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ کذا فی التفسیر الصافی بالاختصار صفحہ ۴۲۰)

جن چیزوں کا علم مخلوق سے پوشیدہ ہے خدا پر کچھ بھی مخفی نہیں ہے۔ چونکہ وہ دلوں کے راز سے واقف ہے، اس لیے تم دل میں بھی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہ رکھو جسے خدا ناپسند سمجھتا ہو، کیونکہ وہ اس سے باخبر ہے۔

❽ قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب و لا اقول انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی

(پارہ ۷ سور انعام ع ۱۱)

(اے رسولؐ) ان سے کہہ دو میں تو یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں، (کہ ایمان لانے پر دیدوں گا) اور نہ میں غیب کے (کل حالات) جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، تو بس جو (خدا کی طرف سے) میرے پاس وحی کی جاتی ہے اسی کا پابند ہوں۔ (ترجمہ فرمانؒ)

مفسر جلیل طبرسیؒ مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۳۷۷ پر و لا اعلم الغیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

الذی یختص اللہ بعلمہ و انما اعلم قدر ما یعلمنی اللہ من امر البعث و النشور و الجنۃ و النار وغیرہ ذلک۔ الخ۔

یعنی میں وہ علم غیب نہیں جانتا جس کا جاننا خدا کے ساتھ مختص ہے۔ ہاں میں تو اتنی مقدار جانتا ہوں جتنی خدا مجھے بتاتا ہے۔ جیسے بعث و نشور اور جنت و جہنم وغیرہ کے حالات۔

(کذا فی الصافی صفحہ ۱۵۵)

آیا اس اعلان رسولؐ کو سن کر بھی کسی کلمہ گو کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ نفیٔ غیب کی بجائے اثبات غیب کا اعتقاد رکھے؟ صادق رسولؐ نے کس وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ میں غیب نہیں جانتا۔

❾ نیز آنحضرتؐ کی زبانی قرآن میں مذکور ہے:

Scanned with CamScanner

و لوکنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر و ما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون ۔(پارہ ۹ سورہ اعراف ع ۱۳)

اور اگر (بغیر خدا کے بتائے) غیب کو جانتا ہوتا تو یقیناً میں اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچتی ۔ میں تو صرف ایماندار لوگوں کو (عذاب سے) ڈرانے والا اور بہشت کی خوشخبری دینے والا ہوں۔

علامہ طبرسیؒ مجمع البیان (جلد ا صفحہ ۳۶۶) پر اس کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

و لا اعلم الغیب الا ماشاء اللہ ان یعلمنیہ و لو کنت اعلم الغیب لا دخرت من السنۃ الخصبۃ للسنۃ المجدبۃ و لا شتریت وقت الرخص لوقت الغلاء و ما مسنی السوء ای ما اصابنی الضرر و الفقر و قیل و ما مسنی سوء من جھۃ الاعداء لانی کنت اعلم ذلک فاتحرز منہ۔

یعنی میں علم غیب نہیں جانتا مگر اسی قدر جتنا خدا مجھے تعلیم دیتا ہے ۔ اگر میں غیب دان ہوتا تو خوشحال سال میں بدحال سال کے لیے ذخیرہ اکٹھا کر لیتا ۔ اور بوقت ارزانی وقت گرانی کے لیے (ضروریات زندگی) خرید کر رکھ لیتا ۔ اور مجھے کبھی فقر و فاقہ اور کوئی دوسری تکلیف نہ پہنچتی ۔ اس سوء کی تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مجھے کسی دشمن کی طرف سے کبھی کوئی گزند نہ پہنچتا ۔ کیونکہ میں غیب دان ہونے کی صورت میں اس سے اجتناب کر لیتا ۔ لیکن ما ادری ما یفعل بی و لا بکم ۔ مجھے معلوم نہیں کہ آئندہ مجھے کیا کیا امور پیش آنے والے ہیں اور تمھیں کیا کیا؟ ۔ اس سے بڑھ کر اور کن واضح و آشکار الفاظ سے اس حقیقت کا اظہار کیا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ علم غیب نہیں جانتے ۔ اگرچہ سردار انبیاءؑ سے اس کی نفی سے دوسرے تمام مفضول انبیاءؑ و اوصیاءؑ سے بطریق اولیٰ اس کی نفی ہو جاتی ہے ۔ مگر مزید اطمینان کے لیے ذیل میں دوسرے چند انبیاء علیہم السلام کا صراحۃً تذکرہ کیا جاتا ہے ۔

❶ ولا اقول لکم عندی خزائن اللہ و لا اعلم الغیب ۔(پارہ ۱۲ سورہ ھود ع ۳)

(خداوند عالم نے جناب نوحؑ کا یہ قول قرآن مجید میں نقل کیا ہے کہ انھوں نے اپنی قوم سے کہا) اور میں تو تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدائی خزانے ہیں اور نہ (یہ کہتا ہوں کہ) میں غیب دان ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

جب آنحضرتؐ خود اپنے عالم الغیب ہونے کی نفی فرما رہے ہیں تو کیا کوئی کلمہ گو آپؐ کی تکذیب کرنے کی جسارت کر سکتا ہے؟ ۔

Scanned with CamScanner

⑩ و لقد جاءت رسلنا ابراهيم بالبشرى قالوا سلاما قال سلام فما لبث ان جاء بعجل حنيذ فلما رآ ايديهم لا تصل اليه نكرهم و اوجس منهم خيفة ، قالوا لاتخف انا ارسلنا الى قوم لوط۔ (پارہ ۱۲ سورہ ھود ع ۷)

اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر آئے، اور انھوں نے (ابراہیمؑ کو) سلام کیا اور (ابراہیمؑ نے) سلام کا جواب دیا۔ پھر ابراہیمؑ بلا توقف ایک بچھڑے کا بھنا ہوا (گوشت) لے آئے (اور ساتھ کھانے بیٹھے) پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ اس کی طرف نہیں بڑھتے، تو ان کی طرف سے بدگمان ہوئے اور جی ہی جی میں ان سے ڈر گئے۔ (اس پر وہ فرشتے بولے) اور کہنے لگے: آپ ڈریے نہیں، ہم تو قوم لوط کی طرف (ان کی سزا کے لیے) بھیجے گئے ہیں۔

اس قرآنی واقعہ سے بعبارۃ النص ثابت ہوتا ہے کہ جناب ابراہیمؑ غیب نہیں جانتے تھے۔ ورنہ فرشتوں کے پہچاننے میں اشتباہِ نظر نہ ہوتا۔ نہ بچھڑا ذبح کر کے بھونا ہوا گوشت لانے کا تردد کرتے اور پھر نہ ان کے ہاتھوں کو اس کی طرف نہ بڑھتا ہوا دیکھ کر (جو اس وقت کے دستور کے مطابق برے ارادہ اور عداوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) خوف و ہراس محسوس کرتے۔ جب فرشتوں نے خود حقیقت حال سے ان کو آگاہ کیا تب پتا چلا۔

⑪ و لما جاءت رسلنا لوطا سيء بهم و ضاق بهم ذرعا و قال هذا يوم عصيب (پارہ ۱۲ سورہ ھود ع ۷)

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے (لڑکوں کی صورت میں) لوطؑ کے پاس آئے تو ان کے خیال سے رنجیدہ ہوئے اور ان کے آنے سے تنگ دل ہو گئے اور یہ کہنے لگے کہ یہ (آج کا دن) سخت مصیبت کا دن ہے۔

اس سے اگلی آیات میں اس واقعہ کی تفصیلات مذکور ہیں کہ جب ان کی بدبخت قوم کو ان کی آمد کا علم ہوا تو وہ خلاف فطرت برے فعل کے ارادہ سے چڑھ دوڑے۔ جناب لوطؑ نے اپنے معزز مہمانوں کی عزت و آبرو بچانے کے لیے ان کو بہت کچھ دہائی دی۔ بہت سراسیمہ ہوئے۔ تب ان آنے والے بظاہر مہمانوں نے یہ کہہ کر ان کی گھبراہٹ دور کی: قالوا يا لوط انا رسل ربك لن يصلوا اليك۔ وہ فرشتے بولے: اے لوطؑ ہم پروردگار کے بھیجے ہوئے (فرشتے) ہیں (تم گھبراؤ نہیں۔ یہ لوگ تم تک ہرگز دسترس نہیں پا سکتے۔) اس قرآنی قصہ سے روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ جناب لوطؑ غیب دان نہ تھے۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

⓫ حضرت سلیمانؑ اپنے لشکر میں ہدہد کو نہیں پاتے تو گھبرا کر فرماتے ہیں: مالی لا اری الھدھد ام کان من الغائبین۔ کیا بات ہے کہ میں ہدہد کو یہاں نہیں دیکھتا۔ (یا واقعہ میں) وہ کہیں غائب ہے۔ پھر ہدہد آ کر یہ کہتا ہے جس کی خدائے تعالیٰ اور جناب سلیمانؑ نے تکذیب نہیں فرمائی۔ احطت بما لم تحط بہ و جئتک من سبا بنبا یقین۔ (پارہ ۱۹ سورہ نمل ع ۱۷) تو اس نے عرض کی مجھے وہ بات معلوم ہوئی جو اب تک حضور کو بھی معلوم نہیں ہے اور میں آپ کے پاس شہر سبا سے ایک تحقیقی خبر لے کر آیا ہوں۔ چنانچہ جناب سلیمانؑ ہدہد کے قول کی صداقت معلوم کرنے کے لیے اپنا ایک وفد بھیجتے ہیں۔ سننظر اصدقت ام کنت من الکاذبین۔ (غرض) سلیمانؑ نے کہا کہ ہم ابھی دیکھتے ہیں کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹا ہے۔ اس کی صداقت ظاہر ہونے کے بعد پھر اسی ہدہد سے پیغام رسانی کا کام لیتے ہیں۔ الیٰ آخر القصہ جو سورہ النمل پارہ ۱۹ اور رکوع ۱۷ میں بالتفصیل مذکور ہے۔ اس قرآنی واقعہ صادقہ سے صاف ظاہر ہے کہ جناب سلیمانؑ غیب نہیں جانتے تھے۔

⓬ تلک من انباء الغیب نوحیھا الیک ما کنت تعلمھا انت و لا قومک من قبل ھذا فاصبر ان العاقبۃ للمتقین۔ (پارہ ۱۲ سورہ ھود ع ۴)

(اے رسولؐ) یہ غیب کی چند خبریں ہیں، جن کو ہم تمہاری طرف وحی کے ذریعہ پہنچاتے ہیں۔ اس کے قبل نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم ہی (جانتی تھی) تو تم صبر کرو۔ اس میں شک نہیں کہ آخرت (کی خوبیاں) پرہیزگاروں ہی کے واسطے ہیں۔ یہ آیت مبارکہ جس طرح صراحت سے ہمارے دعویٰ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہے۔

⓭ عالم الغیب فلا یظھر علی غیبہ احدا، الا من ارتضیٰ من رسول۔ الآیۃ۔ (پارہ ۲۹ سورہ جن ع ۱۲)

(وہی) غیب دان ہے اور اپنی غیب کی بات ظاہر نہیں کرتا۔ مگر جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

جناب امین الاسلام طبرسیؒ مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۵۴۱ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فلا یظھر علی غیبۃ احدا ای لا یطلع علی الغیب احدا من عبادہ ثم استثنی فقال الا من ارتضیٰ من رسول یعنی الرسل فانہ یستدل علی نبوتھم بان یخبروا بالغیب لتکون ایۃ معجزۃ لھم و معناہ ان من ارتضاہ و اختارہ للنبوۃ فانہ یطلعہ علی ما شاء من غیبہ علی حسب ما یراہ من المصلحۃ۔

Scanned with CamScanner

یعنی خدا اپنے مغیبات پر اپنے بندوں میں سے کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ پھر استثنا کرتے ہوئے فرمایا ہاں مگر رسولوں میں سے جسے منتخب کر لے، تاکہ ان کی غیبی خبر دینے سے ان کی نبوتوں پر استدلال کیا جا سکے۔ اور یہ خبر دہی ان کے لیے معجزہ قرار پائے۔ مطلب یہ ہے کہ جسے خدا نبوت کے لیے منتخب کرتا ہے اسے حسب مصلحت غیب کی بعض باتوں پر مطلع کر دیتا ہے۔

جناب شیخ الطائفہ تفسیر تبیان جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۸ پر اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الا من رسول فانه ربما اطلعه عل ما غاب عن غیره من الخلائق بان یوحی الیهم بما شاء من الغیب۔

یعنی خدا عالم الغیب ہے، وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے۔ کیونکہ ان کو بسا اوقات بذریعہ وحی بعض ایسے امور پر مطلع کر دیتا ہے، جو دوسری مخلوق سے پوشیدہ ہوتے ہیں۔

تفسیر صافی صفحہ ۵۱۴ پر اس آیت مبارکہ کی تفسیر بحوالہ کتاب الخرائج والجرائح حضرت امام رضاؑ سے یوں مروی ہے، فرمایا:

فرسول الله مرتضیٰ و نحن و رثة ذلك الرسول الذی اطلعه الله علی ما یشاء من غیبه فعلمنا ماکان و مایکون الی یوم القیامة۔

پس جناب رسول خداؐ من جانب اللہ مرتضیٰ و منتخب ہیں اور ہم اس رسولؐ کے وارث ہیں، جس کو خدا نے حسب مشیت اپنے بعض غیوب پر مطلع کیا ہے۔ اس لیے ہم ماکان و مایکون الی یوم القیامة کا علم رکھتے ہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ انبیاء وائمہ علیہم السلام باعلام اللہ تعالیٰ بعض غیوب پر مطلع ضرور ہوتے ہیں مگر پھر بھی اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کو عالم الغیب کہنا صحیح ہے، اس کی بعض وجوہ ذکر ہو چکی ہیں اور بعض بعد میں بیان کی جائیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

ان مفسرین کرام نے ایسا ہی افادہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں فرمایا ہے۔

۵ و ما کان الله لیطلعکم علی الغیب و لکن الله یجتبی من رسله من یشاء

اور خدا ایسا بھی نہیں ہے کہ تمھیں غیب کی باتیں بتا دے۔ مگر (ہاں) خدا اپنے رسولوں میں سے جسے چاہتا ہے (غیب بتانے کے واسطے) چن لیتا ہے۔ (پارہ ۴ سورہ آل عمران ع ۹)

(ملاحظہ ہو تفسیر تبیان جلد ۴ صفحہ ۶۳ مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۲۳۳)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ان دونوں آیات مبارکہ سے ایک مخصوص اسلامی فرقہ (وہابیہ) کے خیال کا بھی ابطال ہو جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ: "کوئی بھی مخلوق خواہ نبیؑ ہو یا امامؑ قطعاً علم الغیب پر مطلع نہیں، نہ بالذات اور نہ بتعلیم اللہ"۔ ان آیات مبارکہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ: یہ نظریہ سراسر تفریط پر مبنی ہے۔ اور صرف بعض آیات پر نگاہ کرنے کا نتیجہ ہے۔ لیکن کسی بھی مسئلہ میں صحیح نتیجہ تک پہنچنے کے لیے اس کے تمام پہلوؤں کا جائزہ لینا ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کلیہ کے تحت جب اس مسئلہ کے تمام اطراف پر نظر غائر کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ: "انبیاء وائمہ علیہم السلام بتعلیم اللہ وبھی و لدنی طور پر بہت سے غیوب پر مطلع ہیں"۔ لیکن بایں ہمہ ان پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق نہ کرنا، چیزے دیگر است۔ فتدبر۔

علم غیب ارشادات معصومینؑ کی روشنی میں

انبیاء وائمہ علیہم السلام کے عالم الغیب ہونے کی نفی پر اخبار متظافرہ بلکہ متواترہ موجود ہیں۔ سب کے احصا کی یہاں نہ گنجائش ہے اور نہ ہی ضرورت۔ اس لیے چند روایات شریفہ پیش کی جاتی ہیں۔ فاستمع لما یتلی علیك۔

❶ اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے جو سابقہ آیات کے سلسلہ میں نمبر ۷ و ۸ پر گزر چکا ہے۔ اس قول کی صحت میں کیا کلام ہو سکتا ہے جس کا قائل خاتم الانبیاء اور راوی خود خدا ہو۔

❷ جناب امیر علیہ السلام کا اس سلسلہ میں ایک ارشاد نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۵ طبع مصر کے حوالہ سے سطور بالا میں آیت نمبر ۴ کے ضمن میں بیان کیا جا چکا ہے۔ جس میں آنجنابؑ نے علم غیب کی تعیین اور ذات ایزدی کے ساتھ اس کی تخصیص بیان فرمائی ہے۔ دوسرا فرمان ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

❸ جناب اصبغ بن نباتہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امیر علیہ السلام کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

ان للہ علمین علم استاثر بہ فی غیبہ فلم یطلع علیھا نبیا من انبیائہ و لا ملکا من ملائکتہ و ذلك قول اللہ تعالی ان اللہ عندہ علم الساعۃ ـــــ و لہ علم قد اطلع علیہ ملائکتہ فقد اطلع علیہ محمدا و آلہ فقد اطلعنی علیہ یعلمہ الکبیر منار الصغیرانی ان

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

تقوم الساعۃ۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۴۱۳ بصائر الدرجات صفحہ ۱۱۱ طبع جدید)

خلاصہ یہ کہ خدا کے علم میں سے ایک وہ ہے جو اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جس پر اس نے نہ کسی نبی کو مطلع کیا ہے اور نہ کسی فرشتہ کو۔ چنانچہ فرماتا ہے خدا کے پاس ہے قیامت کا علم۔ دوسرا وہ علم ہے جس پر اس نے اپنے فرشتوں کو مطلع کیا ہے۔ اور اس علم پر محمد و آل محمد علیہم السلام کو بھی مطلع کیا ہے اور اس پر مجھے بھی آگاہ کیا ہے اور اس کو ہمارے صغیر و کبیر جانتے ہیں۔

❶ امام رضا علیہ السلام سے دریافت کیا جاتا ہے: العلمون الغیب؟ کیا آپؑ غیب جانتے ہیں؟ آنجنابؑ جواب میں حضرت محمد باقر علیہ السلام کا ارشاد نقل کرتے ہیں: یبسط لنا العلم فنعلم و یقبض عنا فلا نعلم۔ [۱] جب ہمارے لیے علم کشادہ کیا جاتا ہے تو جانتے ہیں اور جب (در علم) بستہ کر دیا جاتا ہے تو نہیں جانتے۔ (اصول کافی صفحہ ۱۱۷)

اصول کافی کے اسی صفحہ پر علم غیب کے متعلق ایک مستقل باب موجود ہے جس کا عنوان ہے باب نادر فیہ ذکر الغیب۔ اس باب میں چار روایات مبارکہ مذکور ہیں۔ ایک تو یہی ہے جو ابھی بیان کی گئی ہے۔ ذیل میں مزید چند روایات درج کی جاتی ہیں۔

❷ سدیر بیان کرتے ہیں کہ میں ابوبصیر، یحییٰ بزاز اور داؤد بن کثیر جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ:

اذ خرج الینا و ھو مغضب فلما اخذ مجلسہ قال یا عجبا لاقوام یزعمون انا نعلم الغیب ما یعلم الغیب الا اللہ عز و جل لقد ھممت بضرب جاریتی فلانۃ فھربت منی فما علمت فی ای بیوت الدار ھی۔ [۲]

اچانک آنجنابؑ (اپنے دولت کدہ سے) غضب ناک حالت میں برآمد ہوئے۔ جب اپنی نشست گاہ پر بیٹھ گئے تو فرمایا: تعجب ہے ان لوگوں سے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم غیب جانتے ہیں۔ حالانکہ خداوند عالم کے سوا کوئی غیب دان نہیں ہے۔ میں نے اپنی فلاں کنیز کو (کسی جرم پر) مارنا چاہا تو وہ بھاگ کر گھر کے کسی کونے میں چھپ گئی۔ اب معلوم نہیں کہ وہ کس جگہ ہے؟۔

(اصول کافی صفحہ ۱۲۸)

گو اسی روایت کے آخر میں امام عالی مقام کے حامل علم کثیر ہونے کا تذکرہ موجود ہے، مگر جنابؑ نے اس قصہ میں اپنی ذات سے علم غیب کی نفی فرما کر اسے ذات خداوندی کے ساتھ مخصوص ثابت کر دیا ہے۔ اس کی مزید وضاحت حدیث نمبر ۶ کے ضمن میں آ رہی ہے۔

Scanned with CamScanner

۳ امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا جاتا ہے: الامام یعلم الغیب؟ کیا امامؑ غیب جانتا ہے؟ آپؑ جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: لا۔ نہیں۔ پھر فرمایا: و لکنہ اذا اراد ان یعلم الشئ اعلمہ اللہ تعالیٰ ذلک۔ لیکن جب وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو (فوراً) خدا انھیں بتا دیتا ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۱۲۸)

امامؑ کے اس فرمان سے واضح و عیان ہو گیا کہ امام کا علم توجہ و ارادہ کا محتاج ہے۔ جیسا کہ پچھلے باب میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے۔ اگر توجہ فرمائیں تو یہ فرماتے ہیں:

انی لاعلم ما فی السموت و ما فی الارض و اعلم ما فی الجنۃ و اعلم ما فی النار و اعلم ما کان و اعلم ما یکون۔ (ارشاد امام جعفر صادقؑ)

میں وہ جانتا ہوں جو آسمانوں میں ہے، میں وہ بھی جانتا ہوں جو زمین میں ہے، میں وہ بھی جانتا ہوں جو جنت میں ہے، میں وہ بھی جانتا ہوں جو جہنم میں ہے، میں وہ بھی جانتا ہوں جو گزر چکا ہے، میں وہ بھی جانتا ہوں جو آنے والا ہے۔

اور جب توجہ نہ فرمائیں تو یہی امامؑ فرماتے ہیں: میں نے اپنی کنیز کو مارنا چاہا مگر وہ بھاگ کر گھر کے کسی حصہ میں چھپ گئی۔ اب معلوم نہیں وہ کس کونہ میں ہے۔ (اصول کافی صفحہ ۱۲۸)

سچ ہے ؎

گہے بر طارم اعلیٰ نشینیم
گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

۴ مذکورہ بالا واقعہ کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امیر علیہ السلام خطبہ دے رہے تھے کہ حسب معمول دعویٰ سلونی فرمایا، تو حاضرین مجلس میں سے ایک شخص نے اٹھ کر عرض کیا: یا امیر المومنین این جبرئیل فی ھذا الوقت؟ اس وقت جبرئیل کہاں ہیں؟ امامؑ نے فرمایا: عفی انظر۔ مجھے اتنی مہلت دو کہ دیکھ لوں۔

راویان اخبار کا بیان ہے کہ بعد ازاں آنجنابؑ نے یہ کہا کہ: فنظر الی فوق و الی الارض بیمینہ و یسارہ۔ اوپر نیچے، دائیں بائیں دیکھا، اس کے بعد فرمایا: انت جبرئیل۔ تو ہی جبرئیل ہے۔ یہ سنتے ہی جبرئیل اپنے پروں سے سقف مسجد کو شگافتہ کرتے ہوئے آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ لوگوں نے یہ ماجرا دیکھ کر نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور آنجنابؑ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولا آپؑ کو کس طرح معلوم ہوا کہ یہ جبرئیل ہیں؟ فرمایا:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

انی لما نظرت الی السماء بلغ نظری الی ما فوق العرش و المحجب و لما نظرت الی الارض خرق بصری طبقات الارض الی الثریٰ، و لما نظرت یمنة و یسرة رایت ما خلق اللہ و لم ار جبرئیل فی هذه المخلوقات فعلمت انه هو۔

میں نے جب آسمان کی جانب نگاہ بلند کی تو وہ عرش و حجاب ہائے قدرت سے بھی پار ہوگئی، جب زمین کی طرف نظر کی تو وہ زمین کے طبقوں کو چیرتی ہوئی ثریٰ تک پہنچ گئی، اور جب دائیں بائیں نگاہ کی تو تمام مخلوق خدا کو دیکھ لیا اور جب اس پوری کائنات میں کہیں بھی جبرئیل کو نہ دیکھا تو یقین ہوگیا کہ یہی (سائل) جبرئیل ہیں۔ (انوار نعمانیہ صفحہ ۱۳)

اس سے جہاں ہمارے دعویٰ کی حرف بحرف تائید ہوتی ہے کہ امام کا علم توجہ اور التفات کا محتاج ہوتا ہے، وہاں ان لوگوں کے اس گمان کا بطلان بھی واضح وعیاں ہوجاتا ہے کہ پورے عالم امکان کا ذرہ ذرہ ہر وقت امامؑ کے سامنے اس طرح حاضر ہے جس طرح ہاتھ کی ہتھیلی۔ یا جیسے ہاتھ پر اخروٹ یا جیسے آنکھوں کے سامنے دسترخوان۔ بنابر ثبوت جن روایات میں یہ وارد ہے ان کا مطلب یہی ہے کہ جب کسی شے کے معلوم کرنے کی طرف توجہ اور ارادہ کرلیں تو باعلام اللہ اس طرح بآسانی اُسے معلوم کرلیتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف نگاہ کرتا ہے، اس مطلب کی کما حقہ وضاحت چھٹے باب میں کی جاچکی ہے، وہاں رجوع کیا جائے۔

❽ رجال کشی میں اس قسم کی متعدد روایات موجود ہیں۔ مثلاً اس کے صفحہ ۱۸۸ طبع بمبئی پر لکھا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے عنبسہ بن مصعب سے دریافت کیا کہ تم نے ابوالخطاب (غالی) سے کیا کچھ سنا ہے؟ عنبسہ نے عرض کیا وہ یہ کہتا ہے کہ: انك تعلم الغیب۔ آپؑ علم غیب جانتے ہیں۔ آنجنابؑ نے اس کی یہ لغو باتیں سن کر ان کی رد کرتے ہوئے یہ فرمایا:

اما قوله انی اعلم الغیب فواللہ الذی لا اله الا هو ما اعلم الغیب و لا آجرنی اللہ فی امواتی و لا بارك لی فی احیائی ان کنت قلت له۔

اس (ابوالخطاب) کا یہ کہنا کہ میں علم غیب جانتا ہوں، مجھے اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں ہے میں علم غیب نہیں جانتا۔ خدا مجھے اپنے مرنے والوں کا اجر نہ دے اور نہ زندوں میں برکت دے اگر میں نے اس سے یہ بات کہی ہو (کہ میں غیب جانتا ہوں) (کذا فی تنقیح المقال للمامقانی جلد ۳ صفحہ ۱۹۰)

❾ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے ہفتم بحار صفحہ ۴۱۲ سطر اخیر طبع تبریز پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے۔ جس کا عنوان ہے: و انهم علیهم السلام لا یعلمون الغیب و معناه ..... اس باب میں

Scanned with CamScanner

انھوں نے چھ عدد روایات شریفہ درج فرمائی ہیں، جن کا ماحصل یہی ہے کہ ائمہ اطہارؑ علم غیب نہیں جانتے۔ صرف یہاں ایک روایت درج کی جاتی ہے۔

یحیٰی بن عبداللہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے جناب امام موسٰی کاظم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا: جعلت فداک انهم یزعمون انک تعلم الغیب۔ میں آپؑ پر قربان ہوں۔ کچھ لوگ گمان کرتے ہیں کہ آپؑ غیب جانتے ہیں؟

فقال سبحان الله ضع یدك علی راسی فوالله ما بقیت شعرة فیه ولا فی جسدی الاقامت ثم قال لا والله ما هی الا وراثة عن رسول الله۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۱۴ کذا فی امالی الشیخ المفید صفحہ ۱۴ طبع النجف و رجال کشی صفحہ ۱۹۲ و منهاج البراعه جلد ۸ صفحہ ۲۱۸ وغیرها)

فرمایا: سبحان اللہ۔ ذرا میرے سر پر ہاتھ تو رکھو۔ خدا کی قسم میرے سر اور جسم پر کوئی ایسا بال نہیں باقی رہا جو (یہ بات سن کر کھڑا نہ ہو گیا ہو۔ پھر فرمایا) نہ بخدا (ہم غیب نہیں جانتے) یہ جو کچھ ہے صرف جناب رسول خداؐ کی وراثت اور نقل روایت ہے۔ اس حدیث شریف سے مستفاد ہوتا ہے کہ جو علم ذاتی نہ ہو، بلکہ کسی اور ذات سے حاصل کیا ہوا ہو، وہ فی الحقیقت علم غیب ہے ہی نہیں۔ علم غیب صرف وہی ہے جو عالم کا بالذات ہو۔ اس لیے کسی مخلوق کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ بظاہر اسی وجہ سے ائمہ اطہارؑ نے بڑے شد و مد کے ساتھ اپنی ذوات مقدسہ سے اس کی نفی فرمائی ہے۔ کیونکہ اس کے اثبات سے علم ذاتی کا اثبات اور عطیہ پروردگار کا انکار لازم آتا ہے۔

⑩ ابو اسامہ بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے بیان فرمایا کہ:

قال لی ابی الا اخبرك بخمسة لم یطلع الله علیها احدا من خلقه قلت بلی قال ان الله عنده علم الساعة و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام و ما تدری نفس ما ذا تکسب غدا و ما تدری نفس بای ارض تموت ان الله علیم خبیر۔

مجھ سے میرے والد ماجد نے فرمایا کیا تمھیں ان پانچ چیزوں کے متعلق خبر نہ دوں جن پر خدا نے اپنی کسی بھی مخلوق کو مطلع نہیں فرمایا۔ میں نے عرض کیا ضرور۔ فرمایا ان الله عنده علم ..... (پارہ ۲۱ سورہ لقمان ع ۱۳ والی آیت مبارکہ پڑھ دی) جس کا ترجمہ یہ ہے:

"بے شک خدا ہی کے پاس قیامت (کے آنے) کا علم ہے، وہی (جب موقع مناسب دیکھتا ہے) پانی برساتا ہے، اور جو کچھ عورتوں کے پیٹ میں (نر و مادہ) ہے جانتا ہے۔ اور کوئی شخص اتنا بھی تو نہیں جانتا کہ وہ خود کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص (یہ بھی) نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے (گڑے) گا۔ بے شک خدا سب باتوں سے آگاہ، خبردار ہے"۔ (ترجمہ فرمانؒ)

Scanned with CamScanner

⓫ نیز آل جنابؑ سے اس آیت مبارکہ کے متعلق مروی ہے (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۱۴ کتاب الخصال جلد ۱ صفحہ۔۔۔۔) فرمایا:

هذه خمسة اشياء لم يطلع عليها ملك مقرب و لا نبي مرسل و هي من صفات الله۔

یعنی یہ پانچ چیزیں وہ ہیں جن پر (تفصیل و تحقیق کے ساتھ) خدا نے نہ کسی ملک مقرب کو مطلع کیا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو۔ (تفسیر صافی صفحہ ۳۹۵)

⓬ احتجاج طبرسیؒ صفحہ ۲۲۵ طبع نجف اشرف پر حضرت امام العصر والزمانؑ کی ایک توقیع شریف موجود ہے جس میں آپؑ فرماتے ہیں:

يا محمد بن علي تعالى الله عن و جل عما يصفون سبحانه و بحمده لسنا نحن شركائه في علمه و لا في قدرته بل لا يعلم الغيب الا هو كما قال في محكم كتابه تبارك اسمائه قل لا يعلم من في السموت و الارض الغيب الا الله و انا وجميع آبائي من الاولين آدم و نوح و ابراهيم و موسى وغيرهم من النبيين و من الأخرين محمد رسول الله و علي بن ابي طالب وغيرهم ممن مضىٰ من الائمة صلوات الله عليهم اجمعين الى مبلغ ايامي و منتهى عصري عبيد الله عزوجل يقول الله عزو جل من اعرض عن ذكري فان له معيشة ضنكا الآية ۔ يا محمد بن علي قد اذا ناجهلاء الشيعة و حمقائهم و من دينه جناح البعوضة ارجح منه فاشهد الله الذي لا اله الا هو و كفى به شهيدا و رسوله محمدا صلى الله عليه و آله و ملائكته و انبيائه و اوليائه عليهم السلام و اشهدك و اشهد كل من سمع كتابي هذا اني برى الى الله رسوله ممن يقول انا نعلم الغيب او نشاركه في ملكه او يجعلنا محلا سوى المحل الذي رضيه الله لنا و خلقنا له او يتعدى بنا عما فسرته لك و بيّنته لك في صدر كتابي و اشهد كم ان كل من برأنا منه فان الله يبرا منه و ملائكته و رسله و اوليائه رجعلت هذا التوقيع الذي في هذا الكتاب امانة في عنقك و عنق من سمعه ان لا يكتمه من احد من موالي و شيعتي حتى يظهر على هذا التوقيع الكل من موالي لعل الله عز و جل يتلافاهم فيرجعون الى دين الله الحق و نيتهون عما لا يعلمون منتهى امره و لا يبلغ منتهاه فكل من فهم كتابي و لا يرجع الى ما قد امرقه و نهيته فقد حلت عليه اللعنة من الله و ممن ذكرت من عباده الصالحين۔

اے محمد بن علی (سمریؒ) یہ (غالی) لوگ جو کچھ اللہ کی وصف کرتے ہیں وہ اس سے بلند و برتر

Scanned with CamScanner

ہے۔ ہم نہ تو اس کے علم میں اس کے شریک ہیں اور نہ قدرت میں بلکہ (حقیقت یہ ہے کہ) اس کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا۔ جیسا کہ وہ اپنے کلام پاک میں ارشاد فرماتا ہے (اے رسولؐ) کہہ دو سوائے خدا کے زمین و آسمان والی کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ میں اور میرے تمام آباء اولین جیسے حضرت آدمؑ و نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ وغیرہم من النبیین اور آباء آخرین جیسے جناب رسول خداؐ و علی مرتضیٰؑ اور دیگر ائمہ ہدیٰ صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ جو میرے وقت تک ہوئے ہیں، سب کے سب خدائے عزوجل کے بندے ہیں۔ خدا کا ارشاد ہے جو شخص بھی میرے ذکر سے روگردانی کرے گا، اس کے لیے تنگ زندگی ہے۔ اے محمد بن علی (سمریؓ) ہمیں جاہل، احمق اور ایسے نام نہاد شیعوں نے جن کے دین و اعتقاد سے مچھر کا پر بھی زیادہ وزنی ہے، بہت اذیت پہنچائی ہے۔ میں اس خدا کو گواہ کرتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ اس کے رسولؐ اس کے تمام انبیاء و اولیاء علیہم السلام تجھے اور ہر اس شخص کو جو میرے اس مکتوب کو دیکھے گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں خدا و رسولؐ کی بارگاہ میں ان لوگوں سے بیزاری ظاہر کرتا ہوں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم عالم الغیب ہیں۔ یا خدا کے ملک میں اس کے شریک ہیں۔ اسی طرح میں اس سے بھی بیزار ہوں جو ہمیں اس محل و مقام کے علاوہ جو خدا نے ہمارے لیے منتخب کیا ہے اور اس کے لیے ہمیں پیدا کیا ہے کسی اور محل و مقام پر فائز سمجھتا ہے، یا جو کچھ میں نے تمہارے سامنے (اپنے متعلق) بیان کر دیا ہے اس سے تجاوز کرتا ہے اور میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جس شخص سے ہم بیزار ہو جائیں اس سے خدا اس کے ملائکہ اور اس کے رسول و اولیاء بھی بیزار ہو جاتے ہیں۔

میں اپنی اس توقیع کو تمہاری اور ہر اس آدمی کی گردن میں امانت قرار دیتا ہوں جو اسے سنے کہ وہ اسے ہمارے کسی شیعہ سے بھی پوشیدہ نہ کرے تاکہ میرے تمام نام لیوا اس پر مطلع ہو سکیں۔ شاید اس طرح خدا ان کی تلافی کر دے اور وہ دین حق کی طرف پلٹ آئیں اور اس بات سے باز آ جائیں جس کے انجام کو نہیں جانتے۔ جو شخص بھی میری اس توقیع کو سن سمجھ کر بھی اس عقیدہ پر کاربند نہ ہو جس کا میں نے حکم دیا ہے اور اس بدعقیدہ سے باز نہ آئے جس سے میں نے روکا ہے تو اس پر خدا اور اس کے نام بردہ تمام برگزیدہ نیک بندوں کی لعنت نازل ہوگی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد اس سلسلہ میں مزید کسی حدیث کے پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ان فی ذلك لآیات لقوم یعقلون

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

علم غیب تحقیقات علماء کی روشنی میں

اس مقام پر ایسے بکثرت علمائے اعلام کا کلام حقیقت ترجمان پیش کیا جاسکتا ہے جنھوں نے نبیؐ و امامؑ سے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ مگر اختصار کے پیش نظر ذیل میں چند اعاظم کے بیانات پیش کرنے کی سعادت حاصل کی جاتی ہے۔

❶ شیخ الفرقۃ المحقہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ اوائل المقالات صفحہ ۷۷ طبع ایران پر تحریر فرماتے ہیں:

فاما اطلاق القول علیھم بانھم یعلمون الغیب فھو منکر بین الفساد لان الوصف بذلک انما یستحقہ من علم الاشیاء بنفسہ لا بعلم مستفاد و ھذا لا یکون الا اللہ عز و جل و علیٰ قولی ھذا جماعۃ اھل الامامۃ الا من شذ عنھم من المفوضۃ و النمی الیھم من الغلاۃ۔

یعنی یہ کہنا کہ ائمہ علیہم السلام عالم الغیب ہیں، بالکل فاسد و باطل قول ہے۔ کیونکہ اس وصف (عالم الغیب ہونے) کا حقدار صرف وہی (عالم) ہوسکتا ہے جو بالذات اشیاء کا علم رکھتا ہے اور اس کا علم کسی اور ذات سے مستفاد نہیں ہے اور یہ شان صرف خدائے علام کی ہے۔ میرے اسی بیان کردہ مسلک پر شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے۔ ہاں مفوضہ اور غالی لوگ اس کے قائل نہیں۔ (یعنی وہ ائمہؑ کو عالم الغیب جانتے ہیں)

علامہ مجلسیؒ نے بھی ان کی یہ فرمائش ہفتم بحار الانوار صفحہ ۴۶۵ پر نقل کی ہے۔ اور پھر اس پر کوئی رد و قدح نہیں فرمائی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک بھی حضرت شیخ مفیدؒ کی یہ تحقیق انیق صحیح ہے۔

❷ حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰ قدس سرہ اپنی کتاب الشافی صفحہ ۱۸۸ طبع ایران پر قاضی عبدالجبار کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں:

فقد اصاب فی ان ما لا تعلق لہ بما یقوم بہ الامام لا یجب ان یعلمہ الا انہ ظن علینا انا نوجب ھذا الجنس من العلوم فلھذا اتبع کلامہ بالحکایۃ عنا ایجاب کونہ عالما بما جری مجری الغیب و معاذاللہ ان نوجب لہ من العلوم الا ما یقتضیہ ولایتہ و یوجبہ ماولیہ و اسند من الاحکام الشرعیۃ و علم الغیب خارج عن ھذا۔

یعنی قاضی نے یہ بات تو صحیح کہی ہے کہ جن چیزوں کا تعلق منصب امامت کے ساتھ نہ ہو ان کا

Scanned with CamScanner

جاننا امامؑ کے لیے ضروری نہیں ہے لیکن ان (قاضی) کا یہ گمان ہمارے متعلق (غلط ہے کہ) ہم امامؑ کے لیے اس قسم کے علوم کا جاننا ضروری سمجھتے ہیں۔ جو علم غیب کی طرح ہیں۔ پناہ بخدا ہم سوائے ان علوم کے جن کا مقام و منصب امامؑ کے ساتھ تعلق ہے جیسے احکام شرعیہ اور کسی قسم کے علوم کے جاننے کو ضروری سمجھیں اور علم غیب بھی اسی قسم سے ہے۔ (جن کا جاننا امامؑ کے لیے ضروری نہیں ہے۔)

❸ علامہ ابوالفتح کراچکیؒ نے اپنی کتاب کنز الفوائد طبع ایران صفحہ ۱۰۹ تا ۱۱۵ پر اعتقادات ایمانیہ میں اپنا ایک مختصر رسالہ موسومہ بہ البیان عن جمل اعتقاد اہل الایمان درج کیا ہے، اس کے صفحہ ۱۱۰ پر متعلقہ مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں: لا یعلمون الغیب الا ما اعلمهم الله الخلق۔ یعنی ائمہ اہل بیتؑ غیب نہیں جانتے مگر جس قدر خالق خلق انھیں بتلا دے۔

❹ فاضل جلیل جناب ابن قبہؒ (جو کہ جلیل القدر علمائے متقدمین میں سے ہیں) فرماتے ہیں:

ان علم الغیب لا یدعیه فی الائمة الا مشرك۔

یعنی ائمہ اہل بیتؑ کی غیب دانی کا وہ ہی شخص دعویٰ کرتا ہے جو مشرک ہو۔

(علی ما نقله علی هامش شرح الاصول من الکافی لمولانا محمد صالح المازندرانی جلد ۵ صفحہ ۲۲۱)

❺ عالم ربانی جناب محمد بن علی بن شہر آشوب مازندرانیؒ اپنی کتاب "متشابہات القرآن ومختلفہ" جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ پر بذیل آیت مبارکہ "ولا اعلم الغیب" تحریر فرماتے ہیں:

النبی و الامام یجب ان یعلما علوم الدین و الشریعة و لا یجب ان یعلما الغیب و ما کان و ما یکون لان ذلك یودی الی انهما مشارکان للقدیم تعالیٰ فی جمیع معلوماته و معلوماته لا تتناهی و انما یجب ان یکون عالمین لانفسهما و قد ثبت انهما عالمان بعلم محدث و العلم لا یتعلق علی التفصیل الا بمعلوم واحد و لو علما ما لا یتناهی لوجب ان یعلما وجودما لا یتناهی من المعلومات و ذلك محال و یجوز ان یعلما الغائبات و الکائنات الماضیة او المستقبلات باعلام الله تعالیٰ لهم شیئا منها۔ الخ۔

یعنی نبی و امام علیہم السلام کے لیے (عقلاً و شرعاً) یہ واجب ہے کہ وہ تمام علوم دین و شریعت کے عالم ہوں لیکن ان کے لیے یہ لازم نہیں کہ علم غیب اور ما کان و ما یکون کا علم بھی رکھتے ہوں۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ وہ تمام معلومات میں خدا کے ساتھ شریک ہوں۔ حالانکہ خدا کے علوم غیر متناہی ہیں۔ ہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے ذوات کا کما حقہ علم رکھتے ہوں۔ نیز یہ بھی ثابت شدہ حقیقت ہے کہ ان کا علم حادث ہے (نہ قدیم) جس کے ذریعہ سے وہ جانتے ہیں اور علم (حادث) کا تفصیلی تعلق (بیک وقت) ایک ہی معلوم کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگر ان کو (خدا کے) غیر متناہی علوم کا

Scanned with CamScanner

عالم تسلیم کیا جائے تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ وہ غیر متناہی اور غیر محدود علوم کے عالم ہوں۔ اور یہ (عقلاً) محال ہے۔ ہاں البتہ یہ جائز ہے کہ خدا کے بتانے سے بعض گزرے ہوئے اور آنے والے امور کا علم رکھتے ہوں۔

❻ امین الاسلام الشیخ ابوعلی فضل بن الحسن الطبرسیؒ کا مکمل کلام حق ترجمان اسی باب میں آیت نمبر ۳ کے ذیل میں درج کیا جا چکا ہے، اس مقام کی طرف رجوع کیا جائے۔

❼ مجاہد کبیر علامہ السید محسن الامین الحسینی العاملی قدس سرہ (صاحب اعیان الشیعہ) اپنی کتاب مستطاب "معادن الجواہر فی علوم الاوائل والاواخر" جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ پر امام علیہ السلام کے متعلق علامہ الشیخ مفید، علامہ سید مرتضیٰ اور علامہ حلی رضوان اللہ علیہم کا کلام حق ترجمان نقل کرنے کے بعد خود افادہ فرماتے ہیں:

یقول المولف عفی اللہ تعالیٰ عنہ اما ما ذکرہ المفید اعلی اللہ مقامہ من ان الامام علیہ السلام لا یعلم جمیع ما یکون الا فی الاحکام فھو الحق الذی لا شبھۃ فیہ و کذالک النبی علیہ السلام اذلم یدل علی ذلک دلیل عقل و لا نقل و انما قام الدلیل علی عدم جواز جھل النبی او الامام شیئاً من الاحکام عند حاجۃ العباد الیہ و لا یلزم ان یعلم النبی الاحکام کلھا قبل وقت الحاجۃ الیھا و قد کانت الاحکام تنزل علی النبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم تدریجاً بحسب الحاجۃ بل الدلیل من النقل علی عدم علم الامام بل و النبی ببعض ما یحدث فی غیر الاحکام موجود بل لعلہ متواتر کما انہ لا شک فی انھم کانوا یعلمون بعض ما یحدث بتعلیم من اللہ عز و جل و ما دل من الاثار علی انھم یعلمون علم ماکان و ما یاتی محمول علی انھم اذا اراد و ان یعلموا علموا باقدار من اللہ تعالیٰ او بسوال ملک یقالہ المسدد کما یدل علیہ بعض الاخبار جمعاً بین ذلک و بین ما دل علی عدم علمھم ببعض ما یکون و یشھد لھذا الجمع بعض الاخبار او انھم یعلمون جملۃ من الوقائع المھمۃ لا جمیع ما یکون۔ الخ۔

یعنی حضرت شیخ مفید اعلی اللہ مقامہ نے جو کچھ بیان فرمایا ہے کہ امامؑ سوائے احکام کے اور تمام مایکون کے عالم نہیں ہوتے۔ یہ برحق ہے جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں ہے اور یہی حال نبیؐ کا ہے۔ کیونکہ اس (تمام مایکون کے عالم ہونے) پر کوئی عقلی ونقلی دلیل موجود نہیں ہے۔ البتہ اس امر پر دلیل قائم ہے کہ نبیؐ وامامؑ لوگوں کی ضرورت کے وقت کسی حکم شرعی سے ناواقف نہیں ہو سکتے۔ یہ بھی ضرور نہیں ہے کہ نبیؐ لوگوں کی احتیاج سے قبل تمام احکام کے عالم ہوں۔ کیونکہ یہ بات واضح ہے

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

کہ تمام احکام شرعیہ آل حضرتؐ پر حسب حاجت تدریجاً نازل ہوتے رہتے تھے، بلکہ اس امر پر دلیل شرعی قائم ہے کہ امامؑ بلکہ نبیؐ کو بھی احکام کے علاوہ دوسرے رونما ہونے والے بعض واقعات کا (بالفعل) علم نہیں ہوتا۔ شاید یہ دلیل حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہو۔ جس طرح کہ یہ بھی مُسلّم ہے کہ وہ بعض ہونے والے واقعات کو بتعلیم اللہ ضرور جانتے ہیں، جن روایات میں یہ وارد ہے کہ یہ بزرگوار ماکان ومایکون کا علم رکھتے ہیں۔

ان روایات کے چند صحیح مفہوم ہو سکتے ہیں۔

❶ یہ کہ ان سے مراد یہ ہے کہ جب ماکان ومایکون (گزری ہوئی اور آنے والی) کسی بات کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں

❷ یہ کہ اس فرشتہ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں جسے ملک مسدد کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس پر بعض اخبار دلالت کرتے ہیں

❸ یہ کہ اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ایسے بعض واقعات مُبہمہ کا علم رکھتے ہیں۔

❹ فاضل اجل مولانا السید مہدی القزوینی الکاظمیؒ نے اپنی کتاب ظہور الحقیقۃ طبع نجف اشرف کے صفحہ ۱۹۸ سے لے کر صفحہ ۲۱۴ تک ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب اور صاحب علم حضوری ہونے کی نفی پر علمی بحث فرمائی ہے۔ شائقین تفصیل اس کتاب جلیل کی طرف رجوع کر کے اپنی تحقیق کی تکمیل فرما سکتے ہیں۔

❺ حضرت الفاضل الشیخ محمد رضا المظفر النجفیؒ اپنے رسالہ عقائد الشیعہ صفحہ ۴۵ طبع النجف پر علم امام کے بارے میں رقمطراز ہیں:

اما علمه فهو يتلقى المعارف و الاحكام الالهية و جميع المعلومات من طريق النبى او الامام من قبله و اذا استجد شى لا بد ان يعلمه من طريق الالهام بالقوة القدسية التى او دعها الله تعالىٰ فيه فان توجه الى شى و شاء ان يعلمه علمه على وجهه الحقيقى لا يخطأ فيه و لا يشبه و لا يحتاج فى ذلك الى البراهين العقلية و لا الى تلقينات المعلمين و ان كان علمه قابلا للزيادة و الاشتداد و لذا قال فى دعائه رب زدنى علما۔

یعنی جہاں تک علم امام کا تعلق ہے تو وہ معارفِ دینیہ، احکام الٰہیہ اور دیگر تمام معلومات کو جناب رسول خداؐ اور سابق امامؑ کے ذریعہ سے جانتے ہیں اور جب کوئی نئی صورت حال رونما ہو تو اسے اس قوت قدسیہ کے ساتھ الہام کے ذریعہ معلوم کر لیتے ہیں جو خدا نے آپ میں ودیعت فرمائی ہے۔

Scanned with CamScanner

پس جب امام علیہ السلام کسی چیز کی طرف توجہ فرمائیں اور اسے معلوم کرنا چاہیں تو اسے اس طرح حقیقی طور پر معلوم کر لیتے ہیں کہ نہ اس میں خطا ہوتی ہے اور نہ اشتباہ اور امام اس سلسلہ میں نہ براہین عقلیہ کے محتاج ہوتے ہیں اور نہ ہی معلمین کی تعلیم و تلقین کے۔ اگرچہ ان کا علم اشتداد و ازدیاد کے قابل ہوتا ہے۔ اسی لیے جناب پیغمبر اسلام ﷺ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے: پروردگارا! میرے علم میں اضافہ فرما۔

❶ مولانا المحقق الشیخ محمد اعجاز حسن بدایونی سابق مدرس اعلیٰ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ اپنے رسالہ شمس الاعتقاد صفحہ ۵۶ و ۵۷ طبع سرفراز پریس لکھنؤ پر علم نبیؐ و امامؑ کے بارے میں لکھتے ہیں:

خدا نے بے واسطہ مخلوق اپنے حبیب کو تعلیم عطا فرمائی، اور اب بھی سلسلۂ فیض جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ خدا اپنے حبیبؐ کو اس وقت سے تعلیم دے رہا ہے کہ جب سے عالم نور میں آپ کا ظہور ہوا ہے۔ خدا نے اپنے رسولؐ اور ائمہ اہل بیتؑ کو بقدر ضرورت و مشیت تعلیم دی۔ کبھی اجمالی اور کبھی تفصیلی، تاکہ نقص کے عیب سے دامن عصمت محفوظ رہے۔ علوم الٰہیہ نامتناہی اور غیر محدود ہیں، جو زمانۂ محدود میں کسی کو حاصل نہیں ہو سکتے۔ غیر متناہی چیز کی تعلیم کے لیے زمانہ بھی غیر متناہی درکار ہے۔ پس جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ خدا نے پورا علم وہبی طور سے رسول اللہؐ اور ائمہ معصومین علیہم السلام کو عطا فرمایا تھا کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھی تھی۔ یہ کج فہمی ہے۔ یہ ذوات قدسیہ مخلوق الٰہی ہیں۔ حادث ہیں، قدیم و ازلی نہیں ہیں۔ پھر ان کو قدیم و ازلی خدا کا غیر متناہی علم اور وہ بھی پورا پورا کیونکر حاصل ہو سکتا تھا۔

بعض لوگ علم تفصیلی کو حضرات معصومینؑ کے لیے کمال بتاتے ہیں۔ یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ ورنہ اگر علم مذکور کو باعث کمال مانا جائے گا تو کسی وقت میں یہ حضرات باکمال متصور نہ ہوں گے۔ اس لیے کہ علم تفصیلی کی تعلیم کسی وقت میں ختم نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ختم ہوگی۔ وجہ اس کی وہی ہے کہ علوم الٰہیہ غیر متناہی ہیں۔ پس جب تک تعلیم ختم نہ ہو، کمال حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اجمالی تعلیم موجب کمال ہے جو بقدر ضرورت و مصلحت ہر زمانہ میں جاری رہی۔ جس کا خلاصہ قرآن مجید کی ایک آیت میں بیان ہوا ہے۔ یعنی: علمك ما لم تكن تعلم و كان فضل الله عليك عظيما۔ اے رسولؐ تم کو اللہ نے وہ چیزیں سکھا دیں جو تم نہیں جانتے تھے اور خدا کا فضل تم پر عظیم ہے۔

وضاحت:

مخفی نہ رہے کہ اس رسالہ شریفہ پر لکھنؤ وغیرہ کے متعدد علماء اعلام کے تصدیقی و تائیدی دستخط

Scanned with CamScanner

ثبت ہیں۔ جیسے ① سرکار نجم العلماء مولانا سید نجم الحسن صاحب ② بحر ذاخر مولانا سید محمد باقر صاحب ③ حضرت مولانا السید آقا حسن صاحب ④ جناب مولانا محمد ہادی صاحب رضوی ⑤ حضرت مولانا سید ابوالحسن صاحب رضوی ⑥ حضرت مولانا سید ابوالحسن نقوی ⑦ حضرت مفتی محمد علی صاحب ⑧ حضرت مفتی احمد علی صاحب ⑨ حضرت مولانا سید سبط نبی صاحب نوگانوی ⑩ حضرت مولانا مرتضیٰ حسین صاحب امروہوی ⑪ حضرت مولانا سید ابن حسن صاحب اعلی اللہ مقامہم فی فرادیس الجنان بجاہ النبی و آلہ سادۃ الانس والجان۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نظریہ صرف جناب شیخ اعجاز الحسن صاحب کا ہی نہیں، بلکہ متحدہ ہندوستان کے ان تمام علماء اعلام کا یہی عقیدہ ہے۔

اولئك الذين هداهم الله فبهداهم اقتده

علم غیب عقل سلیم کی روشنی میں

اس کتاب کے چھٹے باب میں زیر عنوان ناظر ہونے کی نفی عقل سلیم کی روشنی میں، جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بلاکم و کاست یہاں بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ انبیاءؑ و ائمہ علیہم السلام ممکن الوجود مخلوق ہیں۔ عقل سلیم حاکم ہے کہ کوئی بھی مخلوق ایک وقت میں ایک ہی طرف توجہ کر سکتی ہے۔ لہٰذا آسمان و زمین کے تمام پوشیدہ رازوں کا بالفعل جاننا اس کے لیے ممکن نہیں ہے۔

خدا کے علوم غیر متناہی اور غیر محدود ہیں، مگر یہ بزرگوار بوجہ مخلوق ہونے کے متناہی و محدود ہیں۔ لہٰذا عقل کسی طرح بھی یہ باور نہیں کر سکتی کہ ایک متناہی و محدود مخلوق غیر متناہی علوم کی بالفعل حامل ہو۔ نیز یہ حقیقت بھی اپنے مقام پر ثابت کی جا چکی ہے کہ علم خدا کی صفت ذاتی (عین ذات) ہے لہٰذا اس کے من و عن کسی مخلوق کی طرف منتقل ہونے کا سوال ہی خارج از بحث ہے۔ اگر تمام و کمال علم خدا کسی اور کی طرف منتقل ہو سکے تو یہ انتقال انتقال ذات توحید کے مترادف ہوگا جو کہ عقلاً و شرعاً محال و ناممکن ہے۔ تعالی اللہ عما یقولون علواً کبیراً۔ اس لیے عقل سلیم کی روشنی میں تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ بزرگوار علم کی اتنی مقدار ہی جانتے ہیں جتنی علیم بالذات ان کو بتاتا ہے۔ ہم اپنے عقول ناقصہ سے اس کی حد بندی نہیں کر سکتے۔ نہ دینے والے مبداء فیض میں کمی اور بخل ہے اور نہ لینے والے حضرات کے دامن طلب میں تنگی۔ بلکہ اس میں وسعت و پہنائی ہے۔ اس لیے دینے والا برابر دے رہا ہے اور لینے والے رب زدنی علما کہتے ہوئے دامن مراد بڑھا کر اس میں جواہر علمیہ جمع کر رہے ہیں۔ ان حضرات کی روحانی خلقت سے یہ سلسلہ برابر جاری ہے اور خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کب تک جاری و

Scanned with CamScanner

ساری رہے گا۔ اگرچہ عام مخلوق خدا کی نسبت ان کا علم کلی اور اس قدر زیادہ ہے کہ ان کے درمیان کوئی نسبت ہی قائم نہیں کی جا سکتی ہے لیکن خالق کے مقابلہ میں ان کا علم نہ صرف یہ کہ جزئی ہے بلکہ کقطرۃ فی جنب سبعۃ ابحر۔

قلم این جا رسید و سر بشکست

جمع بین الروایات اور اس موضوع پر قول فیصل

اب تک اس موضوع پر جس قدر آیات و روایات اور علماء اعلام کے تحقیقات پیش کیے گئے ہیں ان سے کالشمس فی نصف النہار یہ حقیقت واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ انبیاءؑ عظام ہوں یا ائمہ علیہم السلام یہ غیب دان نہیں۔ مگر انہی آیات و روایات اور تحقیقات کے ضمن میں بعض ایسی آیات و روایات اور تحقیقات بھی قارئین کرام کی نظر سے گزری ہوں گی جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بزرگوار خدا کی تعلیم دینے سے بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ لہٰذا اب ان دونوں قسم کی آیات و روایات میں اس طرح بآسانی جمع و توفیق ہو سکتی ہے کہ جہاں جہاں نفی کی گئی ہے اس سے مراد ذاتی علم کی نفی ہے اور جہاں جہاں اثبات کیا گیا ہے اس سے علم وہبی ولدنی مراد ہے۔

چنانچہ غواص بحار اخبار ائمۂ اطہارؑ حضرت علامہ مجلسیؒ مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۸۷، ہفتم بحار صفحہ ۴۱۵ پر اس موضوع پر مباحث طویلہ اور ہر قسم کی آیات و اخبار درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

والحاصل ان مقتضی الجمع بین الآیات و الاخبار حملها علی ان نفی الغیب منهم معناه انهم لا یعلمون ذلك من انفسهم بغیر تعلیمه تعالیٰ بوحی او الهام و الافظاهر ان عمدة معجزات الانبیاء و الاوصیاء علیهم السلام من هذا القبیل و احد وجوه اعجاز القرآن ایضا الاخبار بالغائبات و نحن ایضا نعلم کثیرا من المغیبات باخبار الله و رسوله و ائمة الهدیٰ علیهم السلام کالقیامة و احوالها و الجنة و النار و الرجعة و قیام القائم و نزول عیسیٰ و غیر ذلك من اشراط الساعة و العرش و الکرسی و الملائکة۔ الخ۔

یعنی حاصل کلام یہ ہے کہ بظاہر مختلف آیات و اخبار کے درمیان جمع کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ جہاں ان سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار وحی والہام کے ذریعہ خدا کی تعلیم کے بغیر بالذات نہیں جانتے، ورنہ ظاہر ہے کہ انبیاء واوصیاء کے عمدہ معجزات اسی (اخبار غیب) کی قسم سے ہیں اور قرآن کے وجوہ وطرق اعجاز میں سے ایک وجہ غائب امور کے متعلق خبر دینا بھی ہے، (بلکہ) ہم بھی خدا اور رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے بتلانے سے بہت سے مغیبات کو جانتے ہیں۔ جیسے

Scanned with CamScanner

قیامت اور اس کے حالات، جنت و دوزخ، رجعت، قیام قائم آل محمدؐ اور نزول عیسیٰؑ وغیرہ علائم و آثار قیامت اور عرش و کرسی اور ملائکہ جیسے حقائق غیبیہ۔ الخ۔

نیز نظر قاصر میں اس سے بھی بہتر جمع بین الآیات والروایات المختلفہ اس طرح ہو سکتی ہے کہ جہاں نفی وارد ہے اس سے مراد تمام مغیبات ہیں اور جہاں اثبات ہے وہاں بعض مغیبات مقصود ہیں۔ فلا تغفل۔

بایں ہمہ ان ذوات مقدسہ کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا اور اس کے وجوہ:

سابقہ تحقیق سے واضح کیے ہیں، اگرچہ حضرات والا صفات بتعلیم اللہ بہت سے مغیبات پر اطلاع رکھتے ہیں۔ مگر بایں ہمہ ان پر لفظ عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہی علامہ مجلسیؒ کے محولہ بالا کلام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے (جس کی بعض لوگوں نے ناکام کوشش کی ہے) کیونکہ:

اولاً بحار کے جس باب میں ان کا یہ بیان درج ہے اس کا عنوان ہی یہ ہے: انهم لا يعلمون الغيب ومعناه ــــــ (صفحہ ۲۱۲)

ثانیاً جناب موصوف نے اپنے سابقہ کلام کے بعد بلا فاصلہ حضرت شیخ مفیدؒ کا یہ بیان بلارد و قدح درج کیا ہے کہ جس ہستی کا علم ذاتی نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو، اس کے عالم کو عالم الغیب کہنا واضح الفساد ہے۔

ثالثاً انھوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ خدا و رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کی تعلیم سے ہم بھی بہت سے امور غیبیہ پر اطلاع رکھتے ہیں۔ تو کیا پھر ہمیں عالم الغیب کہا جا سکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں، تو جس وجہ سے ہمیں عالم الغیب کہنا ممنوع ہے، وہی وجہ وہاں بھی کارفرما ہے۔ معلومات کی قلت و کثرت کا سوال نہیں، بلکہ اصل وجہ ذاتی اور غیر ذاتی کا باہمی فرق ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

بہر حال ان حضرات کو عالم الغیب نہ کہنے کی بعض وجوہ پیش کی جاتی ہیں:

پہلی وجہ:

اس سلسلہ کی پہلی وجہ تو علم غیب کی پہلی تعریف ہے جو اس باب کی ابتدا میں گزر چکی ہے (وہاں رجوع کیا جائے) اس تعریف سے واضح ہوتا ہے کہ مخلوق کے علم کو درحقیقت علم غیب کہا ہی نہیں جا سکتا۔

Scanned with CamScanner

دوسری وجہ:

جو کچھ اخبار و آثار سے واضح و آشکار ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ جس بزرگوار کا علم بالذات نہ ہو بلکہ علم مُستفاد رکھتا ہو، اس علم کے عالم کو علی الاطلاق عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ چنانچہ عالم ربانی حضرت ملا محمد صالح مازندرانیؒ ان روایات کی توجیہ کرتے ہوئے جن میں ائمۂ اہل بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کی نفی فرمائی گئی ہے۔ لکھتے ہیں:

اشارة الی ان علم الغیب هو العلم الذی لا یکون مستفادا عن سبب یفیده و ذلك انما یصدق فی حقه تعالیٰ اذ کل علم الذین علم سواه فهو مستفاد من یسبط وجوده اما ـــــ بلا واسطة و لا یکون علم غیب ـ بل إطلاعًا علی امر غیبی

(شرح اصول کافی جلد ۶ صفحہ ۲۸ طبع تہران)

یعنی یہ اس طرح اشارہ ہے کہ علم غیب وہ ہے جو کسی سبب سے حاصل نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ بات صرف خداوند عالم کے حق میں ہی صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ جس قدر بھی مخلوق اس کی ہے اس کا علم بالواسطہ یا بلا واسطہ اسی علیم و حکیم کے فیض و کرم کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا ان کا علم علم غیب نہیں۔ ہاں امورِ غیبیہ پر اطلاع ضرور ہے۔

اسی جلد کے صفحہ ۳۲ پر اصول کافی کی اس روایت: سالت ابا عبدالله عن الامام یعلم الغیب قال لا۔ (میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے امام کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ غیب جانتا ہے؟ فرمایا نہیں۔) کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے:

دل علی ان علم الغیب علم غیر مستفاد کعلم الله تعالیٰ و علم الامام لما کان مستفادا منه تعالیٰ لا یکون علمًا بالغیب حقیقة و قد یسمی علما بالغیب نظرا الی تعلقه بالامور الغائبة و به یجمع بین الاخبار ۔الخ۔

یعنی یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ علم غیب وہ ہوتا ہے جو کسی اور ذات سے مُستفاد نہ ہو (بلکہ بالذات ہو) جیسے خدا تعالیٰ کا علم۔ لیکن امام علیہ السلام کا علم چونکہ خداوند عالم سے مُستفاد ہوتا ہے لہٰذا وہ درحقیقت علم غیب ہی نہیں ہے، ہاں البتہ محض اس اعتبار سے کہ اس کا تعلق امور غائبہ سے ہوتا ہے، کبھی (مجازاً) اسے علم الغیب بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اس تحقیق سے جمع بین الاخبار بھی ہو جاتی ہے (کہ جہاں نفی وارد ہے اس سے حقیقی اور ذاتی علم غیب کی نفی مراد ہے اور جہاں اثبات ہے وہاں علم غیب مجازی ظاہری و وہبی کا اثبات مقصود ہے۔) اس مطلب کی تائید جناب امیر علیہ السلام

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ جس میں آپؑ نے بعض آنے والے امور کی پیش گوئی کو علم غیب کی بجائے تعلم من ذی علم قرار دیا ہے۔ (نہج البلاغہ جلد ۲ صفحہ ۱۵)

اسی طرح امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایسی بعض اخبار کو وراثت رسولؐ سے تعبیر فرمایا ہے۔ (بحار جلد ۷ صفحہ ۴۱۴)

تیسری وجہ:

امین الاسلام طبرسی کا مکمل کلام حق ترجمان اسی باب میں آیت نمبر ۳ کی تفسیر میں درج ہے، وہاں رجوع کیا جائے۔ اس میں فرماتے ہیں:

و لا نعلم احدا منهم استجاز الوصف بعلم الغيب لاحد من الخلق فانما يستحق الوصف بذلك من يعلم جميع المعلومات لا نعلم مستفاد و هذا صفة القديم سبحانه العالم بذاته لا يشركه فيه احد من المخلوقين و من اعتقد ان غير الله سبحانه يشركه فى هذه الصفة فهو خارج عن ملة الاسلام۔

ہمیں کوئی ایسا شیعہ عالم معلوم نہیں ہے جس نے کسی بھی مخلوق کو عالم الغیب کہنے کی اجازت دی ہو۔ کیونکہ اس وصف (غیب دان ہونے) کا مستحق صرف وہی ہوسکتا ہے جو تمام معلومات کا علم رکھتا ہو اور وہ بھی اپنے ذاتی علم کے ساتھ، نہ کہ کسی سے حاصل کردہ علم کے ساتھ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف خدائے قدیم ہی کی ذات ہے۔ کوئی بھی مخلوق اس صفت جلیلہ میں اس کی شریک نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص ایسا اعتقاد رکھتا ہے تو وہ ملت اسلام سے خارج ہے۔ (مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۵۸۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم الغیب کہلانے کی حقدار وہ ذات ہے جس کا علم ذاتی ہونے کے ساتھ ساتھ کلی بھی ہو، یعنی جو تمام معلومات کا عالم ہو، ظاہر ہے کہ اس اعتبار سے بھی صرف خداوند عالم کو ہی عالم الغیب کہا جاسکتا ہے۔

چوتھی وجہ:

ائمۂ اطہار علیہم السلام کے اخبار اور متکلمین ابرار کے کلام سے واضح و آشکار ہوتا ہے کہ خداوند عالم کے اسماء و صفات توقیفی ہیں، یعنی جب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے اجازت وارد نہ ہو اس وقت تک اپنی طرف سے نہ اس پر کسی نام و صفت کا اطلاق کیا جاسکتا ہے اور نہ اس کے اسماء و صفات میں سے کسی اسم یا صفت کا دوسروں پر اطلاق روا ہے۔ اصول کافی صفحہ ۸۴ پر اس عنوان کا پورا ایک باب موجود ہے۔ باب النهی عن الصفة بغير ما وصف به نفسه جل تبارك و تعالىٰ۔ اس میں

Scanned with CamScanner

اس مضمون کی بارہ عدد روایات درج ہیں۔

حضرت امام رضاء علیہ السلام فرماتے ہیں:

وان الخالق لا یوصف الا بما وصف به نفسه و الی یوصف الذی تعجز الحواس ان تدرکه و الاوهام ان تناله ۔الخ۔

یعنی خالق کی سوائے ان اوصاف کے جن کے ساتھ خود اس نے اپنی توصیف بیان کی ہے، اور کسی طرح وصف بیان نہیں کیا جاسکتا، اور بھلا اس ذات کی توصیف کیونکر کی جاسکتی ہے جس کے ادراک سے حواس عاجز اور اسے پانے سے اوہام قاصر ہوں۔ (بحار جلد ۴ صفحہ ۲۹۰)

نیز آنجنابؑ سے مروی ہے، فرمایا: فلیس لك ان تسمیه بما لم یسم به نفسه۔ اور تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اسے اس نام سے یاد کرو جو اس نے خود اپنا مقرر نہیں کیا۔ (توحید صدوق صفحہ۔۔۔۔) یہی وجہ ہے کہ خدا کو باوجود منبع فضل و کمال ہونے کے یا فاضل اور مرکز و معدن تعلیم ہونے کے یا معلم نہیں کہا جاسکتا۔

حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

لا یجوز تسمیة الباری الا بما سمی به نفسه و کذلك اقول فی الصفات و بهذا تطابق الاخبار عن ال محمد صلی الله علیه و آله و هو مذهب جماعة من الامامیة ۔الخ

یعنی خدا کو سوائے اس کے مقرر کردہ اسماء وصفات کے اور کسی نام وصفت سے موسوم و موصوف نہیں کیا جاسکتا۔ اور اس پر آل رسولؐ کے اخبار موافق ہیں، اور یہی علماء امامیہ کی ایک جماعت کا نظریہ ہے۔ (اوائل المقالات صفحہ ۱۹)

فاضل جلیل سید اسماعیل طبرسیؒ نے کفایۃ الموحدین جلد ۱ صفحہ ۳۴۹ و ۴۲۹ پر اور حضرت محدث نوریؒ نے نجم ثاقب صفحہ ۴۸ پر اس بات پر تمام علمائے شیعہ کے اجماع و اتفاق کا دعویٰ کیا ہے۔ بنابریں ہم کہتے ہیں کہ آیات و روایات سے یہ حقیقت ثابت ہے کہ منجملہ خدا تعالیٰ کے اسماء کثیرہ کے ایک صفاتی نام عالم الغیب بھی ہے۔ لہٰذا جب تک شریعت مقدسہ کی طرف سے (باختلاف معنی ہی سہی) غیر خدا پر اس کے اطلاق کرنے کا جواز ثابت نہ ہو (جیسے علیم، سمیع و بصیر اور رؤف و رحیم کا جواز ثابت ہے۔) اس وقت تک غیر خدا کو عالم الغیب کہنا ممنوع سمجھا جائے گا۔ (جیسے لفظ اللہ اور رحمٰن وغیرہ کا اطلاق غیر اللہ پر ممنوع ہے۔)

وهو المقصود و قد حصل بعون الله الودود

Scanned with CamScanner

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

اگرچہ اس موضوع پر اب تک جو کچھ قلم بند کیا گیا ہے وہ ایک سمجھ دار اور منصف مزاج آدمی کے لیے حقیقت حال کو سمجھنے کے لیے کافی وافی ہے، مگر یہ مبحث تشنہ تتمیم رہے گا اگر حسب دستور یہاں ان بعض شکوک واوہام کا مکمل طور پر قلع قمع نہ کر دیا جائے جو اس مقام پر بالعموم پیش کیے جاتے ہیں، تاکہ اہل انصاف کے لیے ہر قسم کی قال وقیل کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو جائے۔ البتہ لا نسلم (نہ مانوں) کہنے والوں کا کسی کے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

پہلا شبہ اور اس کا جواب:

ارشاد قدرت ہے: کل شی احصیناہ فی امام مبین۔ (پارہ ۲۲ سورہ یاسین ع۔۔) ہم نے ہر چیز کا امام مبین میں احصاء کر دیا ہے اور امام مبین سے مراد حضرت امیر المومنینؑ ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ امامؑ ہر شئے کو جانتا ہے۔ اس استدلال کا جواب بچند وجہ دیا جاسکتا ہے۔

اولاً امام مبین کے مصداق میں خود شیعہ مفسرین کے درمیان شدید اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین نے اس سے لوح محفوظ، بعض نے قرآن مجید، بعض نے نامہائے اعمال اور بعض نے حضرت امیر المومنینؑ کو مراد لیا ہے۔ (ملاحظہ ہو تفسیر صافی صفحہ ۴۲۱، تفسیر مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۳۲۵، اور تفسیر ابوالفتوح رازی جلد ۸ صفحہ ۲۶۶) لہٰذا اس مجمل آیت کے ساتھ استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

ثانیاً بنابر تسلیم ایں کہ اس سے مراد حضرت امیر المومنینؑ ہیں، اور یہی ہمارا ایمان ہے جیسا کہ کتاب معانی الاخبار (صفحہ ۳۳) رئیس المحدثین شیخ صدوقؒ کی روایت سے ظاہر ہے، جسے تفسیر برہان اور صافی میں بھی نقل کیا گیا ہے، تو پھر غور طلب امر یہ ہے کہ اس کل شئ سے مراد کیا ہے؟ اور اس کے احصاء کرنے کا مفہوم کیا ہے؟ جو اس آیت کا ظاہری مفہوم ہے۔ اسے مراد لینا تو عقلاً محال ہے۔ کیونکہ ہر شے (جس میں چرند و پرند، شجر و حجر وغیرہ سب داخل ہیں، ان) کا امام مبین کے وجود (سینہ) میں احصاء کرنا عقلاً ناممکن ہے۔ لہٰذا احصاء سے مراد مجازاً علم لینا پڑے گا۔ اس کل کی دو قسمیں ہیں:

(۱) کل منطقی: جو الفاظ عموم میں سے ہے، جس میں عالم امکان کی ہر شے داخل ہے۔

(۲) کل عرفی: جس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو منصب امامت اور لوگوں کی ضروریات سے

Scanned with CamScanner

متعلق ہیں۔

❶ سطور بالا میں علماء اعلام کی تحقیقات کی روشنی میں یہ امر ثابت کیا جا چکا ہے کہ ان اشیاء کا جاننا امامؑ کے لیے ضروری نہیں ہے جن کا تعلق منصب امامت کے ساتھ نہیں ہے۔

❷ علاوہ بریں قرینہ مقام کا اقتضاء بھی یہی ہے کہ اس سے مراد یہی کل عرفی ہے۔ اگر کوئی دوا فروش یہ کہے کہ میرے دواخانہ میں ہر شے موجود ہے تو اس کا مقصد قرینہ مقام سے یہی ہوگا کہ ہر شے از قسم دوا۔ یا جب کوئی ہوٹل والا یہ کہے کہ یہاں ہر شے موجود ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر شے از قسم خورش، یا کوئی جنرل سٹور والا یہ کہے کہ یہاں ہر شے موجود ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ ہر شے از قسم ضروریاتِ زندگی۔ تو بلاتشبیہ یہاں بھی امامؑ کے اندر ہر شے کا علم ودیعت کرنے سے مراد ہر وہ شے ہوگی جو منصبِ امامت اور رعایا کی ضروریات سے متعلق ہے۔ بنابریں مطلب یہ ہوگا (واللہ اعلم) کہ وہ کل اشیاء جن کی طرف لوگوں کو احتیاج ہوتی ہے، امامؑ ان سب کا عالم ہوتا ہے۔ والحجۃ من لا یقول لا ادری۔ لہٰذا اس سے تمام کائنات کے ذرہ ذرہ کا اور وہ بھی بالفعل عالم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

ثالثاً اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ کل شئ سے مراد کل منطقی ہے اور اس میں کائناتِ عالم کی ہر شے شامل ہے، تب بھی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کو ہر چیز کا علم اس طرح بالفعل ہو کہ توجہ اور التفات کرنے یا اس میں مزید اضافہ وازدیاد کی گنجائش ہی نہ ہو، بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہوگا کہ وہ جب بھی کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کریں تو اسے باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ اس بنا پر یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ سب اشیاء کو جانتے ہیں۔ یعنی بالقوۃ القریبہ۔ ہم چھٹے باب میں یہ ثابت کر آئے ہیں کہ نبیؐ یا امامؑ جب توجہ فرمائیں تو از عرش تا فرش واز ثریٰ تا ثریا جس چیز کو معلوم کرنا چاہیں باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء

رابعاً ائمہ معصومینؑ کی روایاتِ مستفیضہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے علم کے متعدد طرق وذرائع ہیں۔ ① نکت فی القلوب ② نقر فی الاسماع ③ اضافہ در شب جمعہ ④ زیادتی در لیلۃ القدر ⑤ الہام ⑥ رجوع بسوئے مصحف فاطمہؑ ⑦ رجوع بطرف کتاب جفر وجامعہ ⑧ عرض اعمال عباد ⑨ رجوع بجانب صحف انبیاءؑ ومرسلینؑ ⑩ بذریعہ روح القدس ⑪ خدمہ جنی کا خبریں لانا ⑫ عمود نور میں نظر کرنا (بشرطیکہ اسے حقیقی عمود تسلیم کیا جائے، ورنہ اس کے فرشتہ ہونے کی صورت میں کا ہو الحق اس کا خبریں پہنچانا) مراد ہوگا۔ ⑬ ان کا محدث ہونا (بغیر

Scanned with CamScanner

صورت دیکھے فرشتوں کا ان سے باتیں کرنا) ⑬ ہر وقت لحظہ بلحظہ علم و عرفان میں ازدیاد و اضافہ کا ہونا۔ الی غیر ذلك من الجهات المتعددة و الطرق المتكثرة۔

بعض اہل علم نے تو امامؑ کے طرق و ذرائع علم کو پچاس تک شمار کیا ہے۔

(شرح زیارت جامعہ للاحسائی صفحہ ۳۹۶)

ظاہر ہے کہ اگر امامؑ کو ہر چیز کا علم بالفعل ہو تو پھر یہ تمام طرق و انحاء عبث و بے کار ہو کر رہ جائیں گے (معاذ اللہ) لہٰذا ماننا پڑے گا کہ اصل مقصد یہی ہے کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعلمه الله (اصول کافی مع شرح مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۸۷)

اس حدیث کا ابتدائی حصہ یوں ہے: عن عمار الساباطی قال سئلت اباعبدالله عن الامام یعلم الغیب، قال لا و لکن اذا اراد۔ الخ۔ میں نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا کہ آیا امامؑ علم غیب جانتا ہے؟ فرمایا نہیں، لیکن وہ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ کرے تو خدا اسے اطلاع کر دیتا ہے۔ و به یجمع بین الآیات و الروایات کما سلف۔

دوسرا شُبہ اور اس کا جواب:

قرآن مجید کے متعلق ارشاد قدرت ہے:

ما من غائبة فی السماء و الارض الا فی کتاب مبین (پارہ ۲۰ سورۃ النمل ع ۲)

زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ چیز نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

نیز وارد ہے:

و لا اصغر من ذلك و لا اکبر الا فی کتاب مبین (پارہ ۱۱ سورۃ یونس ع ۱۲)

زمین و آسمان کی کوئی پوشیدہ اور کوئی چھوٹی یا بڑی چیز نہیں جو کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

نیز وارد ہے:

و لا حبة فی ظلمت الارض و لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین

(پارہ ۷ سورۃ انعام ع ۱۳)

کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں جس کا تذکرہ کتاب مبین میں موجود نہ ہو۔

اور چونکہ ائمہ اہل بیتؑ بنص آیت مبارکہ: ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا وارثانِ علم قرآن ہیں۔ لہٰذا ان کو ہر چیز کا بشمول غیب عالم ماننا صحیح ہے۔

اس شبہ کے کئی جوابات پیش کیے جا سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

پہلا جواب:

یہ ہے کہ کتاب مبین میں اختلاف ہے کہ اس سے کیا مراد ہے؟ ہمارے بہت سے مترجمین و مفسرین نے اس سے لوح محفوظ مراد لی ہے۔ چنانچہ مولانا فرمان علی صاحب نے مذکورہ بالا آیات کا ترجمہ یوں فرمایا ہے۔

پہلی آیت کا ترجمہ:

اور آسمان و زمین کی کوئی ایسی بات پوشیدہ نہیں جو واضح و روشن کتاب (لوح محفوظ) میں لکھی موجود نہ ہو۔ اس کے حاشیہ پر لکھتے ہیں۔ اردو محاورات میں کتاب مبین کا پورا ترجمہ کسی ایک دو لفظ میں بہت دشوار ہے۔ میں نے اگرچہ واضح و روشن اس کا ترجمہ کیا ہے مگر اس کا دوسرا مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ یعنی موٹے جلی حرفوں میں لکھی ہوئی کتاب، حالانکہ کتاب مبین سے وہ کتاب مراد ہے جس میں تمام واقعات جزئی و کلی نہایت تفصیل و شرح و بسط سے لکھے ہوئے ہوں۔ اور اس سے لوح محفوظ مراد ہے، خواہ اسے علم الٰہی سمجھو۔ یا وہ تختی مانو۔ جس میں تمام واقعات مندرج ہیں۔ اور محفوظ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس میں کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ (حمائل فرمان صفحہ ۶۱۱)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ طبرسیؒ لکھتے ہیں:

الا فی کتاب مبین ای الا و ھو مبین فی اللوح المحفوظ۔

یعنی زمین و آسمان کی ہر پوشیدہ بات لوح محفوظ میں واضح طور پر مندرج ہے۔

(مجمع البیان جلد ۲ صفحہ ۲۳۹)

اور علامہ ابوالفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و ھیچ خصلتے و حادثہ غائب نباشد در آسمان و زمین الا آن در کتابے است روشن یعنی لوح محفوظ۔ (جلد ۷ صفحہ ۴۲۵ طبع جدید ایران)

دوسری آیت کا ترجمہ:

اور نہ کوئی چیز ذرہ سے چھوٹی ہے۔ اور نہ بڑی چیز مگر وہ روشن کتاب (لوح محفوظ) میں ضرور ہے۔ (ترجمہ فرمان)

مفسر قرآن علامہ طبرسی لکھتے ہیں:

ای فی کتاب بینہ اللہ فیہ قبل ان خلقہ و ھو اللوح المحفوظ۔ الخ۔

یعنی ہر چیز کا واضح بیان اس کی خلقت سے بھی پہلے ایک کتاب میں موجود ہے اور اس سے مراد لوح

Scanned with CamScanner

محفوظ ہے۔ (مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۵۴۲)

فاضل المفسر شیخ ابوالفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

نہ کہ ہر ازاں و نہ نہ مہر ازاں الا آن در نوشتہ ثبت کردہ اند و بنوشتہ اند و آن لوح محفوظ است۔ (جلد ۵ صفحہ ۳۳۵)

دوسری آیت کا ترجمہ:

اور نہ زمین و آسمان کی تاریکیوں میں کوئی دانہ اور نہ کوئی ہری اور کوئی خشک چیز ہے مگر یہ کہ وہ نورانی کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔ (ترجمہ فرمان)

امین الاسلام طبرسیؒ اس آیہ وافی ہدایہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

الا فی کتاب معناہ و ھو مکتوب فی کتاب مبین ای فی اللوح المحفوظ۔

یعنی ہر خشک و تر کے لوح محفوظ میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہر خشک و تر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے۔ (مجمع البیان جلد ۱ صفحہ ۳۸۰) بعد ازاں اس کتاب کا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔

علامہ ابوالفتوح رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

و مراد بکتاب لوح محفوظ است بنزدیک بیشتر مفسران و بعضے دگر گفتند کفایت است از علم خدائے تعالیٰ۔ (جلد ۴ صفحہ ۱۹۶)

لہٰذا جب کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے تو پھر ظاہر ہے کہ ان آیات مبارکہ کا ہمارے موضوع بحث سے کوئی ربط و تعلق ہی نہیں رہتا۔

دوسرا جواب:

بنا بر تسلیم آنکہ اس سے مراد قرآن مجید ہے، جیسا کہ بعض مفسرین نے بیان کیا۔ اور بعض آثار سے بھی اس کی فی الجملہ تائید ہوتی ہے۔ تو اس صورت میں قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں صرف قواعد کلیہ اور اصول و اشارات ہیں یا کائنات کے ذرہ ذرہ کی تمام تفاصیل؟ بالبداہۃ معلوم ہے کہ اس میں تمام چیزوں کا تفصیلی تذکرہ موجود نہیں ہے۔

ان ذکر الاشیاء تفصیلا فی القرآن غیر موجود بالضرورۃ۔

یعنی بالبداہۃ تمام اشیاء کا تفصیلی تذکرہ قرآن میں موجود نہیں ہے۔

(صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۳۵۷)

اور اجمال و اشارہ مفید مطلب نہیں۔ اجمالا غیر کاف لما نحن بصددہ۔ اور اجمالی بیان اثبات مدعا کے لیے کافی نہیں ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

Scanned with CamScanner

تیسرا جواب:

اگر مذکورہ بالا حقائق سے بھی غض بصر کرلیا جائے تو تب بھی اس استدلال سے مدعی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آیات وروایات سے یہ بات ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ تمام موضوعات خارجیہ یہاں تک کہ کسی درخت کے پتے کے کھڑکنے، بارش کا قطرہ کسی جگہ گرنے، کسی آدمی کے اپنے ہاتھ کو حرکت دینے اور آنکھ اٹھا کر کسی طرف دیکھنے وغیرہ وغیرہ قرآن میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو، اس وقت تک دعویٰ ثابت نہیں ہوسکتا۔

(صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۳۵۷)

ودون اثباته خرط القتاد

چوتھا جواب:

تفسیر اہل بیتؑ سے مستفاد ہوتا ہے کہ اس ہر شے سے شرعی حدود وقیود واحکام حلال وحرام اور جمیع ما یحتاج الیہ الناس مراد ہیں۔

چنانچہ جناب امام رضا علیہ السلام اپنی مشہور حدیث راجع بصفات امام علیہ السلام میں ارشاد فرماتے ہیں:

ان الله عز و جل لم یقبض نبیه حتی اکمل له الدین و انزل علیه القرآن فیه تبیان کل شی بین فیه الحلال و الحرام و الحدود و الاحکام و جمیع ما یحتاج الیه الناس کملا فقال الله عز و جل ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ

یعنی خداوند عالم نے اپنے نبیؐ (کی روح مبارک) کو اس وقت تک قبض نہیں کیا جب تک ان کے لیے دین کو کامل نہیں کردیا، اور جب تک ان پر وہ کتاب نہیں اتار دی جس میں ہر شے کا بیان ہے۔ یعنی اس میں خدا نے حلال وحرام وحدود واحکام اور تمام وہ باتیں بیان فرمائی ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ چنانچہ خدا فرماتا ہے: ہم نے کتاب میں کسی چیز کے متعلق کمی نہیں کی۔

جناب علامہ مجلسیؒ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

اشارة الیٰ قوله تعالیٰ فی سورة النحل و نزلنا علیك الکتاب تبیانا لکل شی ثم فسر ذلك بقوله بین فیه الحلال و الحرام و الحدود و جمیع ما یحتاج الیه الناس کملاً۔

(مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۵۲)

یعنی امام علیہ السلام کے اس کلام میں سورۂ نمل کی اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں خدا فرماتا ہے (اے رسولؐ) ہم نے تم پر وہ کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شیٔ کا بیان ہے۔ پھر امامؑ

Scanned with CamScanner

نے اس (ہر شئی) کی اپنے اس ارشاد میں یہ وضاحت کی ہے کہ اس میں حلال وحرام وحدود (شرعیہ) اور وہ سب باتیں ہیں جن کی طرف لوگ محتاج ہیں۔ خدا نے اس میں بیان کر دی ہیں۔

مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں تفسیر صافی صفحہ ۲۸۰ پر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت میں مذکور ہے، فرمایا:

واللہ ما ترک شیئاً یحتاج الیہ العباد حتی لا یستطیع عبد یقول لوکان ھذا انزل فی القرآن الا انزلہ اللہ۔

خدا کی قسم خدا نے ایسی کوئی چیز جس کی طرف بندے محتاج ہیں نہیں چھوڑی، مگر یہ کہ اسے قرآن میں بیان کر دیا ہے۔ حتی کہ اب کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کاش (ضرورت کی) فلاں شے کا اس میں بیان ہوتا۔ مگر یہ کہ خدا نے اسے پہلے ہی قرآن میں بیان کر دیا ہے۔

حقیقت الامر بھی یہی ہے کہ منصب نبوت وامامت کے لیے ضرورت بھی اسی مقدار کی ہے کہ جہاں تک ان کی نبوت یا امامت کے حدود کا تعلق ہے ان تمام کی ضروریات سے کما حقہ واقف ہوں۔ اگر خدائے علیم اس سے زائد علم نبیؐ وامامؑ کو عطا فرماتا ہے تو یہ اس کا تفضل ہے۔

حضرت امام رضا علیہ السلام آیت مبارکہ الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہاں الانسان سے مراد امیر المومنینؑ ہیں۔ راوی نے پوچھا: علمہ البیان کا کیا مطلب ہے۔ فرمایا: علمہ البیان کل شی یحتاج الناس الیہ۔ (مرآۃ العقول جلد ۱ صفحہ ۱۶۶) ہر وہ چیز جس کی بندوں کو ضرورت ہے اس کے بیان کرنے کا آنجنابؑ کو علم عنایت فرمایا۔ ان ھذا لفوز مبین۔

مذکورہ بالا شبہ اولیٰ کے جواب سوم وچہارم سے اس شبہ کا جواب واضح وعیاں ہے۔ لہٰذا تکرار کی ضرورت نہیں۔ فراجع

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

بروایت طارق بن شہاب فضائل امامؑ میں جو خطبہ حضرت امیر المومنینؑ سے مروی ہے اس کے ضمن میں منجملہ دوسری صفات امامؑ کے ایک صفت یہ بھی مذکور ہے کہ المطلع علی الغیوب امام غیب پر مطلع ہوتا ہے۔ (ہفتم بحار الانوار صفحہ ۳۰۶)

اس شبہ کا بچند وجوہ جواب دیا جا سکتا ہے۔

اولاً تو یہ خطبہ رجب برسی کی کتاب مشارق الانوار سے منقول ہے اور علماء محققین کے نزدیک مؤلف اور مؤلف ہر دو مجروح ومقدوح ہیں۔ علامہ تنکابنی نے قصص العلماء صفحہ ۴۵ طبع

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بمبئی پر موصوف کا بایں الفاظ تذکرہ کیا ہے: وشیخ رجب صوفی برسی، نیز آن را درکتب خود نقل کردہ۔ تفصیل کے لیے روضات الجنات فی تراجم العلماء و السادات کی طرف رجوع کیا جائے۔ ان کی کتاب مشارق الانوار علماء اعلام کی نگاہ میں غالیانہ مضامین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ناقابل اعتماد ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ محمد بن الحسن بن علی بن محمد الحر العاملی (صاحب کتاب وسائل الشیعہ) اپنی کتاب امل الامل صفحہ ۴۴ طبع ایران پر اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: وفی کتابہ افراط و ربما نسب الی الغلو۔ یعنی ان کی کتاب (مشارق الانوار) میں افراط (حد سے تجاوز) ہے اور بسا اوقات اسے غلو کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ بلکہ خود سرکار علامہ مجلسیؒ نے مقدمہ بحار الانوار صفحہ ۲ پر اس کتاب کے متعلق لکھا ہے:

کتاب مشارق الانوار للحافظ رجب البرسی و لا اعتمد علی ما یتفرد بنقلہ لاشتمال کتاب علی ما یوھم الخلط و الخبط۔ یعنی کتاب مشارق الانوار حافظ رجب برسی کی تالیف ہے۔ میں اس کتاب کی ان روایات پر اعتماد نہیں کرتا جن کے نقل کرنے میں وہ منفرد ہو۔ کیونکہ یہ کتاب خلط وخبط پر مشتمل ہے۔

نیز سرکار موصوف اپنے رسالہ لیلہ اعتقادیہ میں تحریر فرماتے ہیں: و لا عبرۃ بما رواہ البرسی و غیرہ من الاخبار الضعیفۃ (صفحہ ۸۷ مطبوعہ برحاشیہ عقائد الصدوق ایران) یعنی برسی وغیرہ نے جو ضعیف اخبار نقل کیے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لہٰذا جس کتاب کا علمی مقام علماء اعلام کی نظر میں یہ ہو، اس کی روایات پر (اور وہ بھی مقام اعتقاد میں) کیونکر اعتماد کیا جاسکتا ہے؟

ثانیاً یہ استدلال ہمارے محل نزاع سے خارج ہے، کیونکہ ہم سطور بالا میں کئی بار اس امر کی وضاحت کر چکے ہیں کہ اس امر میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے کہ نبیؐ و امام علیہما السلام حسب مصلحت ایزدی بتعلیم اللہ اس قدر امور غیبیہ پر اطلاع رکھتے ہیں کہ ہم ان کی مقدار معین نہیں کر سکتے۔ مگر تمام تر نزاع اس بات میں ہے کہ اس اطلاع علی الغیب کی وجہ سے ان کو عالم الغیب کہا جاسکتا ہے یا نہ؟ اس کا جواز اس خطبہ سے ثابت نہیں ہوتا۔ اطلاع علی الغیب اور ہے اور عالم الغیب ہونا اور؟ ؎

ہزار نکتہ باریک تر زمو ایں جا است
نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

اگر ان مدعیوں میں کچھ بھی علمی لیاقت و جرأت ہے تو کوئی ایک ہی ایسی مستند روایت پیش

Scanned with CamScanner

کردیں۔ جس میں نبی علیہ وآلہ السلام یا امامؑ عالی مقام پر عالم الغیب ہونے کا اطلاق کیا گیا ہو، تاکہ ہمیشہ کے لیے یہ قیل وقال اور بحث وجدال ختم ہوجائے، مگر[1]

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

نوٹ: اسی خطبہ طارق بن شہاب میں یہ بھی وارد ہے کہ: ادفعوا عنا حظوظ البشریۃ فانا منزون عما یجوز علیکم۔ یعنی ہم سے ان نقائص بشریہ کو دور کرو، جو تمہارے لیے روا ہیں۔ کیونکہ ہمارا دامن ان سے مبرا ہے۔ اس سے بعض قشریین یہ ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کیا کرتے ہیں کہ ائمہ کی نوع علیحدہ ہے۔ حالانکہ ان کا یہ خیال سراسر غلط اور مہمل ہے۔ کیونکہ قطع نظر اس خطبہ کی علمی حیثیت کے جس میں یہ جملہ وارد ہے (جو کہ اوپر واضح کی جاچکی ہے) اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ اس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ امام ان تمام نقائص وعیوب سے منزہ ہوتا ہے، جو عام انسانوں میں پائے جاتے ہیں اور یہ امر بالکل حق وصدق ہے۔ لاشک فیہ ولاریب۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

کئی روایات میں وارد ہے کہ امام علیہ السلام علم ماکان ومایکون (گزشتہ اور آئندہ امور) کا عالم ہوتا ہے۔ کیا اس سے ان کا عالم الغیب ہونا ظاہر نہیں ہوتا؟ اس شبہ کا جواب بھی ظاہر ہے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ امام عالی مقامؑ ماکان ومایکون کا عالم ہوتا ہے۔ مگر ہم کئی بار اس امر کی طرف قارئین کرام کی توجہ مبذول کرا چکے ہیں کہ روایت کے ساتھ درایت بھی ضروری ہوتی ہے۔ لہٰذا قابل غور امر یہ ہے کہ اس علم ماکان ومایکون سے مراد کیا ہے؟ اس میں علماء اعلام کے انظار عالیہ مختلف ہیں۔ ہم اسی باب میں حضرت شیخ مفیدؒ اور مولانا العلام السید محسن الامین الحسینی العاملی قدس سرہما کا کلام حق ترجمان نقل کرچکے ہیں۔ جس میں انھوں نے اس کے متعلق چند احتمالات ذکر کیے ہیں۔

1. ممکن ہے کہ اس سے مراد شرعی احکام ہوں نہ دیگر موجودات۔
2. ممکن ہے اس سے بعض اہم واقعات کا علم مراد ہو نہ تمام جزی جزی حالات کا۔
3. ممکن ہے اس سے ملک مسدد یعنی روح القدس کی طرف رجوع کرکے معلوم کرنا مراد ہو۔

---

[1] حدیث میں وارد ہے: اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ۔ ہم نے طبع اول میں جو دعویٰ کیا تھا باوجود اجو بہ کثیرہ لکھے جانے کے کوئی صاحب بھی تاحال اس دعویٰ کو غلط ثابت نہیں کرسکے۔ اور نہ ہی آئندہ کبھی ایسا کرسکیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ والحمد للہ علیٰ احسانہ العمیم۔ (منہ عفی عنہ)

Scanned with CamScanner

۴ ممکن ہے اس سے مراد یہ ہو کہ جب توجہ فرمائیں تو ما کان و ما یکون واقعات و حالات معلوم کر لیتے ہیں۔

۵ علاوہ بریں بعض آثار سے یہ بھی آشکار ہوتا ہے کہ ان کو حتمی و غیر حتمی اور قابل و نا قابل بداء امور کا علم نہیں ہوتا۔ جس کی وجہ سے وہ یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔

چنانچہ جناب امیر المومنینؑ سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا:

لولا اٰیۃ فی کتاب اللہ لا خبرتکم بما کان و ما ھو کائن الی یوم القیامۃ و ھی ھذہ الاٰیۃ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت و عندہ ام الکتاب۔ (احتجاج طبرسیؒ صفحہ ۱۳۷ طبع نجف)

اگر قرآن میں ایک آیت نہ ہوتی تو میں تم کو گزشتہ اور قیامت تک ہونے والے تمام امور کی خبر دے دیتا۔ اور وہ آیت یہ ہے خدا جسے چاہتا ہے محو کر دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ثبت کر دیتا ہے۔ اس کے پاس ام الکتاب (لوح محفوظ) ہے۔ ان تاویلات پنج گانہ میں سے ہماری نظر قاصر میں چوتھی تاویل اقویٰ و اظہر ہے۔ دیگر مفصل و مبین روایات شریفہ سے اس تاویل کی تائید مزید ہوتی ہے۔ بنا بریں روایات ما کان و ما یکون کا صحیح مفہوم وہی ہے جس کی ہم کئی بار وضاحت کر چکے ہیں کہ علم امام ارادی ہے جب توجہ فرمائیں تو کائنات عالم کی ہر چیز کو باعلام اللہ معلوم کر لیتے ہیں خواہ وہ عالم علوی سے متعلق ہو یا عالم سفلی سے ما کان سے تعلق رکھتی ہوں یا ما یکون سے۔ ع

وللناس فیما یعشقون مذاھب

اکثر علماء محققین نے بھی ان روایات کا یہی مفہوم بیان کیا ہے، چنانچہ فاضل جلیل مولانا سید حسین لکھنوی قدس سرہ علم امام کے متعلق مفصل بحث کرتے ہوئے امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ حدیث کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعلمہ اللہ ذلک۔ جب امامؑ کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو خدا انھیں بتا دیتا ہے۔ درج کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

اقول و بہ یجمع بین الاخبار احسن جمع و علیہ یحمل احادیث علم ما کان و ما یکون و ما ورد فی دعاء الندبۃ المعروف۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ اسی حدیث شریف کے ذریعہ سے مختلف حدیثوں میں بہترین جمع ہو جاتی ہے اور اسی معنی پر علم ما کان و ما یکون والی احادیث اور دعائے ندبہ والی عبارت کو محمول کیا جائے گا۔ (حدیقہ سلطانیہ جلد ۳ صفحہ ۲۱۴)

نیز اسی کتاب کے صفحہ ۳۰۵ پر لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

لکن منافات ایں حدیث بعلم ماکان و ما یکون متبی است بر ایں کہ مراد فعلیت جمیع علوم باشد، و آن ممنوع است بلکہ مراد قوت قریبہ من الفعل اس لتعدد جہات علومہم و تمکنہم من علم ما شاو او متی شاو۔

یعنی اس روایت (کنیز کی گمشدگی) کا علم ما کان وما یکون والی روایات کے ساتھ متعارض ہونا اس پر مبنی ہے کہ ان روایات سے تمام علوم پر بالفعل ان ذوات مقدسہ کا مطلع ہونا ثابت ہو، حالانکہ یہ بات ممنوع ہے، بلکہ اس سے مراد وہ قوت ہے جو قریب بفعل ہے، یعنی یہ بزرگوار جب اور جو چیز معلوم کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔

اسی طرح علامہ سید علی حاشیہ قوانین الاصول جلد ا صفحہ ۲۲۶ پر لکھتے ہیں:

مع کون مرادہم من علم ماکان و ما یکون العلم الارادی علی معنی انہم اذا شاو ا ان یعلموا شیئا مما جہلوہ اعلمہم اللہ کما یشہد بہ اخبار مستفیضۃ۔

یعنی علم ما کان وما یکون والی احادیث سے مراد یہ ہے کہ یہ بزرگوار جب کسی نا معلوم چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں تو خدا انھیں بتا دیتا ہے۔ فخذ ھذا و کن من الشاکرین (کذا افادہ الفاضل الحسنی فی صراط الحق جلد صفحہ ۳۵۸)

پانچواں شبہ اور اس کا جواب:

بعض حاطب اللیل قسم کے مولفین نے صرف کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے ایک طویل فہرست ان لوگوں کی دی ہے جنھوں نے جناب امیر علیہ السلام کے اطلاع دینے (اور ان کے بوجہ تعلیم نبوی مطلع ہونے اور نبیؐ کے باعلام اللہ آگاہ ہونے) کی وجہ سے بعض آنے والے واقعات کی قبل از وقت پیشگوئی کی ہے (جیسے جناب میثم تمار اور جناب رشید ہجری کے واقعات) اور اس سے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کی یہ علم غیب تو آل محمدؐ کے غلاموں کو بھی حاصل تھا، عنوان یہ قائم کیے ہیں: فلاں کا علم غیب اور فلاں کا علم غیب۔ اس مؤلف کی طرح کئی اور لوگ بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں، وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جو شخص کبھی کسی گزشتہ یا آئندہ واقعہ کی خبر دے دے بس وہ عالم الغیب کہلا سکتا ہے۔

اس شبہ کا جواب ظاہر ہے، ہم اسی باب میں دلائل قاطعہ سے ثابت کر چکے ہیں کہ جس شخص کا علم اپنا ذاتی نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو، نیز جس کا علم کلی نہ ہو، بلکہ جزئی ہو، اس کے عالم کو اصطلاح متکلمین اسلام میں عالم الغیب کہنا درست نہیں ہے، ورنہ اگر عالم الغیب ہونے کا معیار اسی بات کو قرار دے دیا جائے کہ جو شخص بھی بعض آنے والے واقعات کو (کسی کے بتانے سے ہی سہی) جانتا

Scanned with CamScanner
Scanned with CamScanner

ہو، وہ عالم الغیب ہے تو پھر اسی طرح صرف انہی چند افراد (مثل جناب سلمان و رشید ہجری و میثم تمار و قنبر وغیرہم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پر ہی کیا منحصر ہے، بلکہ اس طرح تو ہم سب عالم الغیب قرار پائیں گے۔ کیونکہ خدا اور رسولؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے بتانے سے ہمیں بھی بہت سی آنے والی باتوں کا علم ہے۔ مثلاً ہمیں یقین ہے کہ قیامت سے پہلے جناب عیسیٰؑ ابن مریمؑ آسمان سے نزول اجلال فرمائیں گے۔ حضرت مہدی دوران ظہور موفور السرور فرمائیں گے۔ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کی رجعت ہوگی۔ موت یقیناً آئے گی اور مرنے کے بعد قبر میں سوال و جواب ہوگا۔ قیامت ضرور آئے گی، مومن جنت میں اور باقی لوگ جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔ اسی طرح ہم جنت و جہنم، عرش و کرسی اور ملائکہ کے وجود اور حشر و نشر کا علم اور ان حقائق پر کامل ایمان رکھتے ہیں۔ اگر ایک آدھ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دینے والا عالم الغیب ہو سکتا ہے تو پھر ہم اس قدر مغیبات کثیرہ پر اطلاع رکھنے کے باوجود کیوں عالم الغیب نہیں ہو سکتے؟ لیکن اگر ہمیں عالم الغیب کہنا درست نہیں اور یقیناً نہیں، تو پھر ماننا پڑے گا کہ جس کا علم جزئی اور مستفاد من الغیر ہو، اس کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

وھو المطلوب و قد حصل بعون اللہ الودود

چھٹا شبہ اور اس کا جواب:

اخبار و آثار سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرات ائمہ اطہارؑ لوگوں کے مافی الضمیر جانتے تھے اور ان کو خبر دے دیتے تھے۔ یہ علم غیب نہیں تو اور کیا ہے؟ اس شبہ کا جواب کئی طرح دیا جا سکتا ہے۔

اولاً یہ درست ہے کہ ائمہ اطہارؑ توجہ فرمانے سے بعض بندوں کے مافی الضمیر کو معلوم کر لیتے تھے۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ عالم الغیب ہوں۔ کیونکہ ممکن ہے یہ علم بوجہ فراست ایمانی ہو۔ (اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله) جیسا کہ عیون الاخبار وغیرہ کی بعض روایات سے واضح ہوتا ہے۔ ممکن ہے بوجہ شدت صفا و جلاء نفس ہو۔ (ہاں مجرد شو مجرد را مبین) اور ممکن ہے بوجہ الہام ربانی ہو۔ اور یہ بات قبل ازیں کئی بار ثابت کی جا چکی ہے کہ جس کا علم بالذات نہ ہو بلکہ مستفاد من الغیر ہو اسے عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔ عالم الغیب کہلانے کا مستحق صرف وہ ہو سکتا ہے جس کا علم ذاتی ہو۔ اور وہ بھی کلی و احاطی۔ جیسا کہ حضرت شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: لان الوصف بذلك انما يستحقه من علم الاشياء بنفسه لا بعلم مستفاد و لا يكون هذا لغير الله سبحانه۔ یعنی اس وصف (عالم الغیب) کا حق دار صرف وہی ہو سکتا ہے جو بالذات چیزوں کا عالم ہو، نہ کہ علم مستفاد کے ذریعہ سے۔ اور یہ صرف خدائے

Scanned with CamScanner

رحمان کی شان ہے۔ (اوائل المقالات صفحہ ۷۷)

ثانیاً ہمارا طریقہ کار جیسا کہ ہمارے ناظرین کرام سے مخفی و مستور نہیں ہے یہ ہے کہ جس موضوع پر معصومینؑ کا معتبر فرمان مل جائے اور وہ دیگر نصوص قطعیہ عقلیہ و شرعیہ کے معارض و مخالف بھی نہ ہو تو ہم اس کے تسلیم کرنے کو لازمۂ ایمان و فریضۂ اسلام سمجھتے ہیں۔ بنا بریں چونکہ اس موضوع پر متعدد اخبار و آثار موجود ہیں، اس لیے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ لیکن اگر بالفرض کوئی شخص اس (کشف ضمائر) کا انکار بھی کردے تو وہ دائرہ مذہب شیعہ سے نکل نہیں جاتا، کیونکہ علماء اعلام کی تصریحات موجود ہیں کہ عالم الضمائر ہونا نہ شرائط امامت میں داخل ہے اور نہ ائمہؑ کو عالم الضمائر تسلیم کرنا مذہب شیعہ کے لوازم میں شامل ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں: اقول ان الائمة من ال محمد قد کانوا یعرفون ضمائر بعض العباد و یعرفون ما یکون قبل کونه و لیس ذلك بواجب فی صفاتهم و لا هو شرط فی امامتهم و انما اکرمهم الله تعالیٰ به و اعلمهم ایاه للطف فی طاعتهم و التمسك بامامتهم۔ (اوائل المقالات صفحہ ۷۷)

یعنی میں کہتا ہوں کہ ائمہ اہل بیتؑ بعض بندوں کے ضمیروں کو اور واقعہ کے رونما ہونے سے قبل اسے جانتے تھے۔ لیکن یہ بات نہ تو ان کی صفات میں لازم ہے اور نہ ہی شرط امامت ہے۔ ہاں خدا تعالیٰ نے صرف تفضلاً ان کو اس علم سے نوازا تھا، تاکہ (بندوں کے لیے) ان کی اطاعت کرنے اور ان کی امامت کے ساتھ تمسک کرنے میں بطور لطف ممد و معاون ہو۔ (و اللطف هو المقرب الی الطاعة و المبعد عن المعصیة) اسی طرح آقائے سید ہاشم معروف اپنی کتاب عقیدۃ الشیعہ الامامیہ صفحہ ۲۰۸ پر اس علم الضمائر کی مختلف اور مناسب توجیہات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: و علی جمیع التقادیر فلیس ذلك من شروط التشیع و لا من شروط القول بامامتهم۔ یعنی تمام احتمالات کے باوجود یہ بات نہ شیعہ ہونے کے شرائط میں داخل ہے اور نہ ہی امامت اہل بیتؑ کے لوازم میں سے ہے۔ بنا بریں ایسی بات سے تمسک کرکے ان ذوات مقدسہ کو عالم الغیب ثابت کرنا کہاں تک درست ہے؟ اس کا اندازہ لگانا ارباب بصیرت کے لیے چنداں مشکل نہیں ہے۔ حضرت شہید ثالث علیہ الرحمہ (جن کے مومن ممتحن ہونے میں کلام نہیں کیا جاسکتا) ایک سائل کے جواب میں فرماتے ہیں:

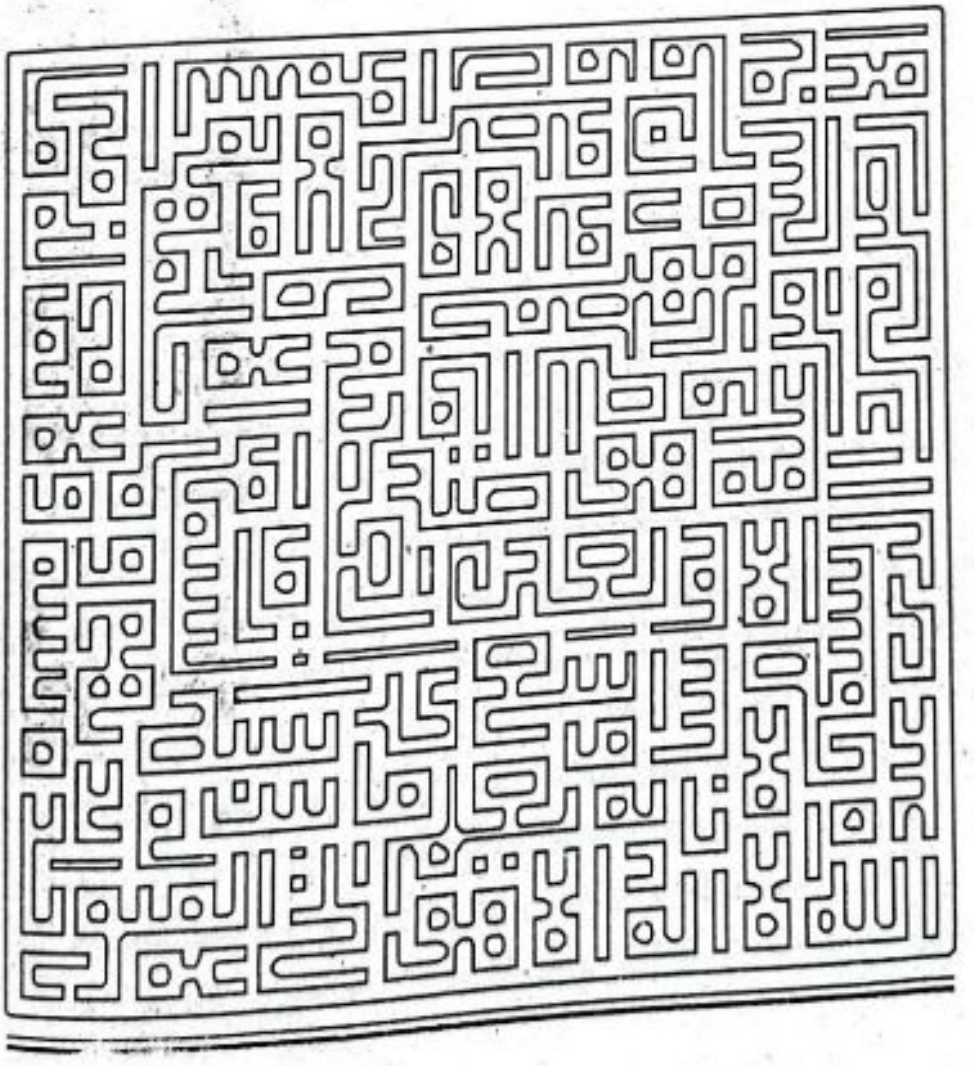
و در اصول عقائد دینیه هیچ کس این دعویٰ نکرده که انبیاء بر ضمائر بشر در جمیع احوال اطلاع داشته باشند علی ما نقله فی الحدیقه جلد ۲ صفحه ۲۰۹۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ثالثاً ہم سابقہ اوراق میں متعدد مقامات پر ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ اطہارؑ کا علم ارادی و محتاج توجہ ہے۔ جب بھی کسی چیز کے معلوم کرنے کا ارادہ فرمائیں (جس میں مافی الضمیر کا معلوم کرنا بھی شامل ہے) تو باعلام اللہ اسے معلوم کر لیتے ہیں اور یہ علم غیب نہیں، بلکہ عطیۂ پروردگار ہے۔ علم غیب وہ ہوتا ہے جو ذاتی اور کلی و احاطی ہو۔ وہبی و جزئی علم کو علم غیب نہیں کہا جا سکتا، چہ جائیکہ اس کے عالم کو عالم الغیب کہا جائے۔

فتدبر فصلنا الایات لقوم یذکرون



Scanned with CamScanner

آٹھواں باب

پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ معراج پر حضرت امیر المومنینؑ کے تشریف لے جانے یا نہ لے جانے کا بیان

جناب پیغمبر اسلام علیہ وآلہ الصلوٰۃ والسلام کا بجسد عنصری عالم امکان کی آخری سرحد میں معراج پر تشریف لے جانا مذہب شیعہ کے ان مُسلّم الثبوت عقائد ایمانیہ میں سے ایک عقیدہ ہے کہ جن کا منکر دائرۂ مذہب سے خارج متصوّر ہوتا ہے۔ جیسا کہ سرکار صادق آل محمد علیہ السلام کا ارشاد ہے: من انکر ثلاثۃ اشیاء فلیس منا المعراج و المسائلۃ فی القبر و الشفاعۃ۔ جو شخص ان تین چیزوں کا انکار کرے وہ ہمارے شیعوں میں سے نہیں۔ ① معراج ② قبر میں سوال و جواب، اور ③ شفاعت۔ (حق الیقین، خصال، اثناعشریہ، ثالث بحار وغیرہا) اس وقت یہاں نہ کیفیت معراج کا بیان کرنا مقصود ہے اور نہ ہی فلسفہ معراج سے بحث کرنا مطلوب، بلکہ یہاں صرف اس امر کا اظہار کرنا مدنظر ہے کہ جس طرح دیگر اکثر اسلامی و ایمان اصول و عقائد افراط و تفریط کی زد سے محفوظ نہیں رہے، اسی طرح یہ عقیدہ بھی جہال و ضلال کی دستبرد و دخل اندازی سے نہیں بچ سکا۔ چنانچہ بعض لوگ تو اس قدر دشت تفریط میں سرگردان ہوئے کہ بعض وہمی شکوک اور عقلی استبعادات کی بنا پر آنحضرتؐ کے جسمانی معراج کا ہی انکار کر دیا اور اگر تسلیم بھی کیا تو محض روحانی طور پر۔

اس گروہ کے بالمقابل بعض لوگ بحر افراط میں اس قدر بہ گئے کہ بلا دلیل و برہان حضرت امیر المومنینؑ کو بھی اس سفر میں شریک رسولؐ قرار دے دیا۔ یا کم از کم بمقام قاب قوسین آنحضرتؐ کے ساتھ ان کے ظہور جسمانی کا نظریہ قائم کر لیا۔ چنانچہ کچھ دنوں سے دیگر بعض مسائل و عقائد کی طرح اس موضوع پر بھی بڑے شد و مد کے ساتھ غلط انداز میں بحث و تمحیص کا سلسلہ جاری ہے اور کچھ مفاد پرست لوگ اسے غلط رنگ میں پیش کر کے عوام اہل ایمان کو علماء اعلام سے بدظن کرنے کی سعی نافرجام کر رہے ہیں۔ اس لیے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس باب میں دلائل و براہین سے حق و حقیقت کا اظہار کر کے غلط نظریات کا تار و پود بکھیر دیا جائے۔ ہمیں ان مشکلات و مصائب

Scanned with CamScanner

کا پورا پورا احساس ہے جو ایک محقق کو ایسے مقامات پر درپیش آتے ہیں۔ فضائل اہل بیت علیہم السلام کے سلسلہ میں جذبات کی رو میں بہہ کر ہمارے عوام بلکہ بعض نام نہاد خواص بھی صحیح و سقیم میں بالکل تمیز نہیں کرتے اور اگر کوئی تحقیق پسند شخص کسی فرضی فضیلت کو اس بنا پر تسلیم نہ کرے کہ اس پر کوئی دلیل و برہان قائم نہیں ہے تو اس پر فوراً منکر فضائل ہونے کا فتویٰ لگا دیا جاتا ہے۔ اور اس طرح ایک مخصوص طبقہ کو اس کے خلاف فضا کو مکدر کرنے کا اچھا موقع مل جاتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے فضائل و مناقب کا انکار نہ صرف عدم ایمان کا باعث ہے بلکہ ہم اسے موجب کفر سمجھتے ہیں۔ لیکن ان فضائل کا انکار جو قرآن و حدیث کی رو سے مُسلّم الثبوت ہوں۔ جیسا کہ علامہ مجلسیؒ وغیرہ علماء اعلام نے فرمایا ہے۔ نہ ان فضائل کا انکار جو محض طبعزاد اور من گھڑت ہوں۔

اس مقام پر سید العلماء سید حسین کی یہ فرمائش آویزۂ گوش بنانے کے قابل ہے کہ از طرف خود امری تراشیدن و بے دلیل و برہان صفت حضرات قرار دادن روا نیست۔ (حدیقۂ سلطانیہ جلد ۱ صفحہ ۷۷) یعنی اپنی طرف سے کوئی امر تراش کر کے بے دلیل و برہان ان ذوات مقدسہ کی صفت قرار دے دینا جائز نہیں ہے۔ (اس موضوع پر ہم کتاب کے دیباچہ میں بڑی وضاحت سے اظہار خیال کر چکے ہیں) افسوس کا مقام ہے کہ اہل علم اپنا حقیقی مقام حاکمیت چھوڑ کر مقام محکومیت پر اتر آئے ہیں۔ یعنی بجائے اس کے کہ وہ حاکم بن کر عوام الناس کے غلط نظریات کی اصلاح کرتے اور ان کو راہ راست پر گامزن کرنے کی سعی جمیل کرتے، لیکن اب اس کے برعکس حالت یہ ہے کہ نظریہ عوام قائم کرتے ہیں اور نام نہاد علماء کا کام صرف ان کی تائید کرنا ہے، اگرچہ اس مسئلہ میں اپنے دین و دیانت سے دستبردار ہونا پڑے اور قرآن و حدیث پر کند چھری پھیرنا پڑے۔

آہ ع

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں

بہر حال ہم گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر کلمۂ حق کے اظہار سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ؎

وہ مرد نہیں جو ڈر جائے ماحول کے خونیں منظر سے
اس حال میں جینا لازم ہے جس حال میں جینا مشکل ہے

Scanned with CamScanner

محل نزاع کی تعیین

اصل موضوع پر ادلہ و براہین قائم کرنے سے پیشتر محل اختلاف کی تعیین ضروری ہے۔ واضح رہے کہ بحث اس امر میں نہیں کہ جناب امیر علیہ السلام معراج پر تشریف لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ (جیسا کہ اسے پیش کیا جارہا ہے) زندگی میں ایک بار تو کیا اگر آپ چاہیں تو با قدار الٰہی دن میں سو سو بار تشریف لے جاسکتے ہیں اور پھر واپس تشریف لاسکتے ہیں۔ لیکن ہر ممکن واقع تو نہیں ہوتا۔ کسی چیز کا امکان اور ہے اور اس کا وقوع پذیر ہونا اور اس سے بڑھ کر زمانہ کی ناہنجاری و کج رفتاری کی اور کیا دلیل ہوگی کہ آج ہمیں ایسے لوگوں سے سابقہ پڑ رہا ہے اور وہ لوگ ہم سے الجھ رہے ہیں جو کسی چیز کے امکان اور اس کے وقوع میں فرق نہیں کرسکتے۔

ہم کتاب کے دیباچہ میں یہ امر ثابت کر آئے ہیں کہ عقائد کے معاملہ میں آیات محکمات یا روایات متواترات کارآمد ہوتی ہیں، نہ صرف امکانِ عقلی۔ بنابریں تمام تر بحث اس امر میں ہے اور یہی غور طلب ہے کہ آیا حضرت علی علیہ السلام کا معراج پر تشریف لے جانا قرآن کریم و احادیث معصومینؑ سے ثابت ہے یا نہ؟

ہم نے جہاں تک اس سلسلہ میں کتب کی ورق گردانی کی ہے ہم یہ اعتراف کرنے میں کوئی خجالت محسوس نہیں کرتے کہ ہمیں بطریق ائمہ طاہرین کوئی ایک مستند حدیث بھی دستیاب نہیں ہوسکی۔ جس سے یہ مطلب ثابت ہوتا ہو، تا بہ آیات محکمہ یا روایات متواترہ چہ رسد۔ بلکہ اس تتبع اور جستجو کے دوران بکثرت ایسے اخبار و آثار نظر قاصر سے گزرے ہیں جن سے اس نظریہ کی واشگاف الفاظ میں پرزور تردید ہوتی ہے۔ اسی طرح ظواہر قرآن سے بھی اس خیال کا ابطال ہوتا ہے۔

اگرچہ قاعدہ و قانون کی رو سے چونکہ ثبوت بذمہ مدعی ہوتا ہے، اس لیے اس موضوع پر کسی ثبوت کا نہ ہونا ہی اس کے عدم ثبوت کے لیے کافی ہے اور گو ہم پر (جو اس کے قائل نہیں ہیں) اس کی نفی پر دلائل قائم کرنے کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ (ویسے بھی نفی محتاج دلیل نہیں ہوتی) تاہم محض تبرعاً ذیل میں حسب دستور سابق قرآن کریم، احادیث معصومینؑ، اتفاق علماء کاملین اور عقل سلیم کی روشنی میں اس کے عدم وقوع پر دلائل و براہین قائم کرتے ہیں۔

وبا اللہ التوفیق و ھو حسبی و نعم الوکیل

Scanned with CamScanner

متنازعہ مسئلہ قرآن کریم کی روشنی میں

قرآن مجید میں دو سورتوں میں جناب پیغمبر اسلامؐ کے معراج کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ایک سورہ اسراء میں اور دوسرے سورہ والنجم میں۔ اور ہر جگہ معراج پر جانے والے بزرگوار کے متعلق واحد کے صیغے اور واحد کی ضمیریں استعمال کی گئی ہیں۔ جیسے ارشاد قدرت ہے:

❶ سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلا الآیۃ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱)

وہ خدا (ہر عیب سے) پاک و پاکیزہ ہے جس نے اپنے بندہ کو راتوں رات مسجد حرام (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (آسمانی) تک کی سیر کرائی۔ یہ سیر کیوں کرائی؟

❷ لنریہ من آیاتنا (ایضاً) تاکہ ہم ان کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ (ترجمہ مقبولؒ)

❸ وھو بالافق الاعلیٰ

❹ ثم دنی فتدلی

❺ فکان قاب قوسین او ادنیٰ

❻ فاوحی الی عبدہ ما اوحی

❼ ما کذب الفواد ما رای

❽ افتمارونہ علی ما یریٰ

❾ ما زاغ البصر و ما طغیٰ

❿ لقد رایٰ من آیات ربہ الکبریٰ۔

(پارہ ۲۷ سورہ نجم ع ۵)

اور جس حال میں کہ وہ اونچے سے اونچے افق کے قریب تھا، پھر وہ اور قریب ہوا، پھر معلق ہو گیا، پھر دو کمان کا فاصلہ رہا یا کچھ کم، پھر (خدائے تعالیٰ نے) اپنے بندے کی طرف وحی فرمائی۔ (اس رسولؐ نے) جو کچھ بھی دیکھا (ان کے) دل نے اس میں کچھ جھوٹ نہیں ملایا۔ آیا تم (لوگ) اس (رسولؐ سے) اس کے متعلق بحث کرتے ہو، جو کچھ کہ وہ دیکھتے ہیں۔ بے شک انھوں نے پروردگار کی نشانیوں میں سے بڑی نشانیوں کو دیکھا۔ (ترجمہ مقبولؒ)

ان آیات مبارکہ سے یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہو جاتی ہے کہ جس بزرگوار کو خداوند قدیر و خبیر نے شرف معراج سے ممتاز و مفتخر فرمایا، وہ ایک ہی تھا اور وہ تھا پیغمبر اسلام علیہ و آلہ افضل التحیۃ والسلام۔ ظاہر ہے اگر آپؐ کے ہمراہ جناب امیر علیہ السلام بھی ہوتے تو پھر خدائے حکیم واحد کے صیغے اور واحد کی ضمیریں استعمال نہ کرتا، بلکہ ان کی بجائے تثنیہ یا جمع کے صیغے اور ضمیریں لائی جاتیں۔ کما لا یخفی علی من لہ ادنی المام باسالیب الکلام۔ قرآن میں تو ان چیزوں کا کہیں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ پھر یہ بات کیونکر باور کی جا سکتی ہے کہ اس سفر مبارک میں جناب امیرؑ بھی شریک رسولؐ تھے؟

Scanned with CamScanner

مسئلہ امامت احادیث معصومینؑ کی روشنی میں

اس سلسلہ میں حضرات معصومینؑ کے ایسے بکثرت فرامین موجود ہیں جن سے صراحۃً یا کنایۃً یہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جاتی ہے کہ شب معراج حضرت امیر علیہ السلام آنحضرتؐ کے عالم بالا کی طرف تشریف لے جانے کے بعد بطور حجت خدا زمین میں تشریف فرما تھے۔ ذیل میں ایسی احادیث شریفہ کا ایک شمہ پیش کیا جاتا ہے۔

❶ حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۱۰ و ۳۱۱ طبع نولکشور لکھنؤ پر بسند معتبر ایک روایت درج ہے جس میں معراج کی رات سدرۃ المنتہیٰ سے آگے آنحضرتؐ کا پروردگارِ عالم سے مناجات کرنا اور رب العزت کا جناب امیر علیہ السلام کے بعض فضائل مخصوصہ بیان کرنے کا تذکرہ موجود ہے۔ اور آنحضرتؐ کو یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ جب زمین پر جائیں تو جناب امیرؑ کو ان فضائل کی بشارت دیں۔

چنانچہ روایت میں وارد ہے کہ

چوں حضرت بزمیں آمدہ علی را بشارت دادہ بآنچہ حق تعالیٰ در حق او فرمودہ بود۔ الخ۔

یعنی جب آنحضرتؐ واپس زمین پر تشریف لائے تو ان باتوں کی حضرت علیؑ کو بشارت دی، جو خدائے عزوجل نے ان کے حق میں فرمائی تھیں۔ ظاہر ہے کہ اگر جناب امیرؑ آنحضرتؐ کے ہمراہ ہوتے تو پھر خدا کا رسول کو پیغام دینا اور ان کا زمین پر تشریف لانے کے بعد جناب امیرؑ تک وہ پیغام پہنچانا، سب بے حقیقت بات ہو کر رہ جاتی ہے۔ (معاذ اللہ)

❷ حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ پر ایک روایت بسند معتبر امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے جس میں یہ ارشاد قدرت مروی ہے کہ:

از من باو برسان، کہ او نشانہ شاہ راہ ہدایت است و پیشوائے دوستان است۔ الخ۔

یا رسول اللہؐ! علیؑ کو میری طرف سے یہ پیغام پہنچا دینا کہ وہ شاہراہِ ہدایت کا نشان اور میرے دوستوں کا پیشوا ہے۔ الخ۔

ظاہر ہے کہ اگر جناب امیرؑ اس سفر میں پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ ہوتے تو پھر ان کے نام زمین پر پیغام بھجوانے کی کیا ضرورت تھی؟

❸ حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ و ۳۲۰ پر بحوالہ شیخ طوسیؒ بسند معتبر بروایت ابن عباس

Scanned with CamScanner

آنحضرتؐ کی ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں مذکور ہے کہ آن حضرتؐ فرماتے ہیں خدا نے مجھے پانچ فضیلتیں عطا فرمائیں اور علیؑ کو بھی پانچ فضیلتیں مرحمت فرمائیں۔ جن میں پانچویں فضیلت یہ مذکور ہے، فرماتے ہیں:

مرا بآسمان برد و درهائے آسمان را و حجابها بر او کشود که او بسوئے من نظر می کرد و من بسوئے او نظر می کردم۔ نظر کردم بسوئے او، دیدم که حجابها کشوده شده و درهائے آسمان کشوده شده۔ علیؑ را دیدم که سر بسوئے آسمان بلند کرده بسوئے من نظر می کرد۔ پس علیؑ با من سخن گفت و من باو سخن گفتم و پروردگار من با من گفت۔ گفتم یا رسول الله چه گفت، گفت حق تعالیٰ فرمود که اے محمدؐ گردانیدم من علیؑ را وصی تو و وزیر تو و خلیفه تو بعد از تو اعلام کن او راکه نیك سخن ترا می شنود۔ پس من در همانجائی که در خدمت پروردگار خود ایستاده بودم آنچه فرمود بعلیؑ گفتم و علیؑ مرا جواب گفت که قبول کردم و اطاعت نمودم۔ چون بر زمین آمدم آنچه دیده بودم علیؑ مرا خبر میداد۔ پس دانستم که بهر مکان که من رفته بودم برائے علیؑ حجب راکشوده بودند که او نیز دیده بود۔

یعنی جب خدا تعالیٰ مجھے آسمان پر لے گیا تو حضرت علیؑ پر آسمانوں کے دروازے کھول دیے اور درمیانی حجاب ہٹا دیے، لہٰذا میں ان کو دیکھ رہا تھا اور وہ مجھے دیکھ رہے تھے۔ جب میں نے ان (علیؑ) کی طرف دیکھا تو آسمان کے دروازے کھلے تھے، حجاب اٹھا دیے گئے تھے، میں نے دیکھا کہ علیؑ آسمان کی طرف سر بلند کر کے میری طرف دیکھ رہے ہیں، پس اس وقت انھوں (علیؑ) نے مجھ سے گفتگو کی۔ میں نے ان سے اور خدا نے مجھ سے۔ میں (ابن عباس) نے عرض کی آپؐ سے خدا نے کیا گفتگو فرمائی؟ فرمایا خدا نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں نے تیرے بعد تیرا وصی و خلیفہ علیؑ کو مقرر کیا ہے۔ لہٰذا ان کو یہ اطلاع کر دیجیے۔ کیونکہ وہ آپؐ کی خوب اطاعت کرتے اور بات سنتے ہیں۔ پس میں نے اسی حالت میں جو کچھ ارشاد ربانی تھا علیؑ کو پہنچا دیا۔ اور انھوں نے جواب میں اپنی قبولیت و اطاعت گزاری کا اقرار کیا۔ جب میں زمین پر پہنچا تو جو کچھ میں نے آسمانوں میں دیکھا تھا علیؑ مجھے اس کی خبر دیتے جاتے تھے۔ اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ میں جس جگہ بھی جاتا تھا علیؑ کے لیے حجاب اٹھا دیے جاتے تھے۔ اس طرح وہ (زمین میں رہ کر) بھی سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ (کذا فی البحار

Scanned with CamScanner

جلد۶ صفحہ۵۰۵ و انوار النعمانیہ صفحہ ۱۳)

اس سے بڑھ کر اور کس طرح اس امر کی صراحت و وضاحت کی جاسکتی ہے کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام اس سفر میں پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ نہیں تھے۔

ارباب عقل و دانش غور کریں کہ آیا پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ آسمان پر تشریف لے جانا بڑی فضیلت ہے یا حجت خدا کا زمین پر رہ کر تمام ملکوت السموات کا مشاہدہ کرنا۔ اور اسی حال میں آنحضرتؐ سے سلسلۂ گفتگو کا جاری رکھنا زیادہ باعث عظمت وجلالت ہے؟ ہماری نظر قاصر میں تو یقیناً آخری صورت میں آں جنابؑ کی قدر و منزلت کا زیادہ مظاہرہ ہوتا ہے اور ہمیں یقین کامل ہے کہ ہر بالغ النظر اور صحیح الفکر انسان اس امر میں ہمارے ساتھ اتفاق رائے کرے گا۔ ع

فکرِ ہر کس بقدرِ ہمت اوست

❹ عنہؐ قالؐ ما بلغت شیئاً لیلۃ المعراج و لا رایت الا بلغت علی بن ابی طالب علیہ السلام و راہ و ھو فی الارض۔

جناب رسولِ خداؐ سے مروی ہے فرمایا: شب معراج مجھے (خدا کی طرف سے) کوئی بات نہیں پہنچائی گئی اور میں نے کوئی چیز نہیں دیکھی مگر یہ کہ میں نے وہ (بات) علیؑ بن ابی طالبؑ تک پہنچادی۔ جبکہ وہ زمین میں موجود تھے۔ (طوالع الانوار صفحہ ۹۳)

اس روایت شریفہ میں بعبارۃ النص آنحضرتؐ کی زبانی شب معراج حضرت امیر کا زمین میں موجود ہونا مذکور ہے۔ اب بھی کسی کلمہ گوئے اسلام کو اس امر کے تسلیم نہ کرنے کے سلسلہ میں کچھ گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟۔

❺ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹ پر آنحضرتؐ سے ایک طویل الذیل روایت مروی ہے جس میں ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کا آنحضرتؐ کی خدمت میں شوق زیارت علیؑ ظاہر کرنا اور واپس زمین پر پہنچ کر ان کی طرف سے آنجناب کی خدمت میں ان کے سلام شوق پہنچانے کی استدعا کرنا مذکور ہے۔ (قالوا اذا رجعت الی الارض فاقرا علیا منی السلام) اس روایت سے بھی ظاہر ہے کہ آں جنابؑ شب معراج بطور حجت خدا زمین میں موجود تھے۔

❻ محدث جزائریؒ نے اپنی کتاب "انوارِ نعمانیہ" صفحہ ۱۵۱ پر آنحضرتؐ سے کیفیت معراج کے متعلق ایک حدیث بیان کی ہے جس میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمانوں میں دیکھا کہ حضرت امیرؑ کھڑے ہوکر نماز پڑھا رہے ہیں، اور فرشتے ان کی اقتداء میں نماز ادا کر رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر

Scanned with CamScanner

آنحضرتؐ نے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا: هذا علی بن ابی طالب علیه السلام ترکته فی الارض و هاهو قد سبقنی الی السماء؟ یہ علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں؟ جن کو میں زمین پر چھوڑ کر آرہا ہوں۔ کیا وہ مجھ سے بھی پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ ارشاد قدرت ہوا: هذا شخص مثل علی بن ابی طالب خلقته فی جمیع السموات حتی تنظر الیه الملائکة فتطمأن الیه نفوسهم من شدة حبهم لعلی بن ابی طالب علیه السلام۔ یہ ایک شخص (فرشتہ) ہے جو (صورت میں) علی بن ابی طالبؑ کے مانند ہے۔ جسے میں نے تمام آسمانوں میں پیدا کیا ہے۔ تاکہ فرشتوں کو حضرت علیؑ سے جو شدید محبت ہے اس کی طرف دیکھ کر ان کی نفوس کی تسکین ہو سکے۔

اس روایت شریفہ سے بھی واضح ہے کہ شب معراج جناب امیر علیہ السلام اپنے جسد عنصری کے ساتھ زمین پر تشریف فرما تھے۔

ابن بابو یه بسند معتبر از ابن عباس روایت کرده است که حضرت رسول خدا صلی الله علیه و آله باحضرت امیر المومنین علیه السلام گفت که یا علیؑ چون مرا بآسمان هفتم بروند، و ازانجا بسدرة المنتهی و ازاں جا بحجابهائے نور و پرورد گار من مرا گرامی داشت، بمناجات خود درمیان آنها گفت یا محمدؐ گفتم لبیك امر پرورد گار من و سعدیك بنده توام و در خدمت تو ایستاده ام توئی با برکت و بلند مرتبه پس فرمود که بدانکه علیؑ امام و پیشوائے دوستان من است و نوریست برائے هرکه اطاعت من کند و اوست کلمه که لازم متقیان گردانیده ام هرکه او را اطاعت کند مرا اطاعت کرده است و هرکه او را نافرمانی کند مرا نافرمانی کرده است پس او را بشارت ده بایں۔ چوں حضرتؐ بزمیں آمد علیؑ را بشارت داد بآنچه حق تعالیٰ در حق او فرموده بود امیر المومنینؑ گفت یا رسول اللهؐ آیا قدر من بمرتبه رسیده است که در چنیں مکانے مرا یاد کنند۔ حضرتؐ فرمود بلے یا علیؑ شکر کن پرورد گار خود را۔ پس آنحضرتؐ بسجده افتاد برائے شکر نعمت پرورد گار خود و حضرت رسول خدا صلی الله علیه و آله فرمود که سر بردار یا علیؑ که حق تعالیٰ بتو مباهات کرد باملائکه خود۔ (حدیقه سلطانیه جلد ۲ صفحه ۲۹۴)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اس عبارت کا مطلب واضح وعیاں ہے۔ قارئین کرام غور فرمائیں کہ شب معراج سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بوقت مناجات رب جلیل نے رسالت مآب سے حضرت امیرؑ کے چند فضائل مخصوصہ بیان فرمائے اور جب آنحضرتؐ زمین پر واپس تشریف لائے اور آنجناب کو اس امر کی اطلاع دی تو آنجنابؐ صرف اس نعمت پر پروردگار کے شکریہ میں سجدۂ شکر بجالا رہے ہیں کہ اس بزم لاہوت میں ان کا ذکر خیر ہوا ہے۔ اگر وہ بذات خود وہاں تشریف فرما ہوتے تو پھر اس سلام و پیغام اور جناب امیرؑ کے سجدۂ شکر بجالانے کے کیا معنی ہیں؟

عالم بالا میں جناب امیرؑ کی تمثال مبارک کا موجود ہونا

کتب تفسیر وحدیث میں اس قسم کی بکثرت روایات معتبرہ موجود ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج عالم بالا میں متعدد مقامات پر جناب امیر علیہ السلام کی تمثال مبارک کو دیکھا، خود آپؐ کے جسد عنصری کو دیکھنا کسی معتبر حدیث میں مذکور نہیں ہے۔ تمثال کا وجود بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آنجنابؐ بنفس نفیس وہاں تشریف فرما نہ تھے۔ اس سلسلہ کی چند روایات ذیل میں درج کی جاتی ہیں۔

❶ حضرت صادق آل محمد علیہ السلام فرماتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

در شب معراج چوں بآسمان پنجم رسیدم صورت علی بن ابی طالب علیہ السلام را در آنجا مشاہدہ کردم۔ پس گفتم اے حبیب من جبرئیل این چہ صورت است؟ جبرئیل گفت یا محمدؐ ملائکہ خواہش کردند کہ از مشاہدہ جمال علیؑ بہرہ مند گردند۔ گفتند پروردگارا فرزندان آدم در دنیا بہرہ مند شدند کہ بامداد و پسین بمشاہدہ خورشید جمال علی بن ابی طالب علیہ السلام۔ الخ۔

جب میں پانچویں آسمان پر پہنچا تو وہاں جناب امیر علیہ السلام کی صورت اقدس دیکھی۔ میں نے جبرئیل سے کہا اے میرے حبیب جبرئیل یہ کیسی صورت ہے؟ جبرئیل نے عرض کیا کہ فرشتوں نے چاہا کہ حضرت علیؑ کے جمال باکمال کے مشاہدہ سے بہرہ مند ہوں۔ لہٰذا بارگاہِ رب العباد میں استدعا کی۔ پروردگارا! بنی آدم تو ہر صبح وشام حضرت امیر المومنینؑ کے چہرۂ انور کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں، مگر ہم اس سعادت سے محروم ہیں۔ خدا نے ان کی استدعا کو شرف قبولیت بخشا اور اپنے خالص نور اقدس سے آنجنابؑ کی ایک صورت بنائی۔ جس کی زیارت سے فرشتے شب و روز

Scanned with CamScanner

مشرف ہوتے ہیں۔ از (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ و ۳۰۳ کذا فی سادس البحار صفحہ ۳۸۳)

❷ بسند معتبر از حضرت امام حسینؑ روایت کردہ است کہ فرمود کہ از جدم رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ شنیدم کہ گفت در شب معراج ملکے را دیدم کہ در دستش شمشیر از نور بود و بآں بازی می کرد۔ چنانچہ حضرت امیرالمومنین ذوالفقار بازی میکرد۔ در جنگ و ملائکہ ہر گاہ مشتاق لقائے امیرالمومنین علیہ السلام می شدند بروئے آن ملک نظر می کردند۔ گفتم پروردگار این برادر پسر عم من علی بن ابی طالبؑ است حق تعالیٰ ندا کرد کہ یا محمدؐ این ملکے است کہ بر صورت علیؑ افریدہ ام کہ درمیان عرش مرا عبادت می کند و ثواب حسنات و تقدیس او برائے علی بن ابی طالبؑ است تا روز قیامت۔

یعنی حضرت امام حسینؑ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے جدنامدار جناب رسول خداؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے شب معراج ایک ایسے فرشتے کو دیکھا جس کے ہاتھ میں نورانی تلوار تھی اور وہ اس کے ساتھ اسی طرح کھیل رہا تھا جس طرح حضرت امیرؑ جنگ میں ذوالفقار کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ جب بھی فرشتے حضرت امیرؑ کی زیارت کے مشتاق ہوتے تو اس فرشتے کے چہرہ پر نظر کر لیتے۔ میں نے عرض کیا بارالہا یہ میرا بھائی علیؑ بن ابی طالبؑ ہے۔ خدائے تعالیٰ نے آواز دی کہ یہ ایک فرشتہ ہے جسے میں نے حضرت علیؑ کی شکل وصورت پر خلق کیا ہے۔ جو عرش میں میری عبادت کرتا ہے اور اس کی تسبیح وتقدیس کا ثواب حضرت امیرؑ کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ (حیات القلوب جلد ۲، بحار جلد ۶ صفحہ ۳۹۹، جواہر سنیہ صفحہ ۱۹۷)

❸ شیخ طوسی بسند معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ و آلہ یا حضرت امیر المومنین صلوات اللہ علیہ گفت یا علیؑ بدرستیکہ حق تعالیٰ ترا حاضر گردانید با من در ہفت موطن تا انس یا فتم بتو۔ اول در شبے کہ مرا بآسمان بروند۔ جبرئیل گفت یا محمدؐ کجا ست برادر تو علیؑ گفتم او را در زمین گزاشتم۔ گفت دعا کن تا خدا او را بیاورد از برائے تو چوں دعا کردم مثال ترا باخود دیدم۔ مرتبہ دوم مرا العرش بروند جبرئیل گفت یا

Scanned with CamScanner

محمد برادر تو کجا ست۔ گفتم در زمین گزاشتم ۔ گفت خدا را ابخواں کہ تا اور را بنزد تو آورد دعاکردم مثال ترا نزد خود دیدم۔ پنجم در حق تعالیٰ در ملا اعلیٰ مناجات کردم مثال تو بامن بودے ۔ ششم چوں بیت المعمور را طواف کردم مثال تو بامن بود و چوں پیغمبراں بامن نماز کردند مثال تو عقب من بود۔

(حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۲۱ کذا فی تفسیر البرہان جلد ۴ صفحہ ۲۴۷ و تفسیر الصافی ؛ صفحہ ۴۸۱ و سادس البحار صفحہ ۵۱۱ و ۵۱۶)

عربی عبارت اس طرح ہے:

فقال جبرئیل این اخوك فقلت خلفته و رائی قال ادع الله فلیاتك فدعوت الله فاذا مثلك معی ۔

یعنی جناب شیخ طوسیؒ بسند معتبر جناب صادق آل محمد علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت امیر علیہ السلام سے فرمایا یا علیؑ خدا نے تجھے ساتھ مقامات پر مرے پاس حاضر کیا تاکہ میں آپ سے مانوس ہوں۔

(اول) جس شب مجھے آسمان پر لے جایا گیا تو جبرئیل نے مجھ سے کہا یا محمدؐ آپ کے بھائی علیؑ کہاں ہیں۔ میں نے کہا میں ان کو زمین میں چھوڑ کر آیا ہوں۔ جبرئیل نے کہا دعا کیجیے تاکہ خدا ان کو لائے۔ پس جب میں نے دعا کی تو تمہاری مثال میرے پاس موجود تھی۔

(دوم) جب مجھے عرش پر لے گئے تو وہاں پھر یہی سوال و جواب ہوا۔ میں نے دعا کی تو میں نے تمہاری مثال کو اپنے پاس دیکھا۔

(پنجم) جب ملاء اعلیٰ میں خدا کے ساتھ مناجات ہوئی تو اس وقت بھی تمہاری مثال میرے ہمراہ تھی۔

(ششم) جب میں نے بیت المعمور کا طواف کیا تو تمہاری مثال میرے ساتھ تھی اور جب پیغمبروں نے میری اقتداء میں نماز پڑھی تو اس وقت بھی تمہاری مثال میرے پیچھے موجود تھی۔ (تلك عشرة كاملة)

اس سے بڑھ کر اس امر کی کس طرح وضاحت کی جا سکتی ہے کہ شب معراج حضرت امیر علیہ السلام بنفس نفیس معراج پر تشریف نہیں لے گئے بلکہ صرف ان کی مثال عالم بالا میں موجود تھی اور خود آپؑ بطور حجت خدا زمین پر جلوہ افروز تھے۔

و هو المقصود و قد حصل بعون الله الودود

Scanned with CamScanner

اشتباہ وازالۂ اشتباہ

معلوم ہوا ہے کہ بعض نام نہاد مُسلّفین ان مثال والی روایات کا تمسخر اڑاتے ہوئے کہتے پھرتے ہیں کہ کیا خدا نے وہاں تصویر کشی کا کام شروع کر رکھا تھا یا اس نے ٹیلی ویژن لگا رکھا تھا کہ آنحضرتؐ جناب امیرؑ کی مثال وشبیہ دیکھتے رہے۔

اولاً تو اس قسم کے خیالات فاسدہ کا اظہار درحقیقت ائمہ اطہار کے ساتھ تمسخر واستہزاء ہے، جن کے مستند ارشادات کی روشنی میں یہ امر ثابت ہے۔ بنابریں یہ طریقہ کار سراسر باعث کفر یا کم از کم موجب سلب ایمان یا کاشف از عدم ایمان ہے۔ اعاذنا اللہ و جمیع اھل الایمان من مثل ھذا الھذیان

ثانیاً ان حضرات کو معلوم ہونا چاہیے کہ ذی روح کی تصویر جن علمائے کرام کے نزدیک حرام ہے ان کے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح خالق کائنات کے ساتھ خلق کرنے میں مُشابہت لازم آتی ہے۔ لہٰذا مخلوق کے لیے ایسا کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر خالق خود اپنی کسی ذی روح مخلوق کی شبیہ بنا ڈالے تو اس میں ہرگز کوئی عقلی یا شرعی ایراد وارد نہیں ہوسکتا۔ لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون

پس جب ایسا ہونا عقلاً ممکن ہے اور مخبرین صادقینؑ نے (جیسا کہ ان کے اخبار مُعتبرہ سے واضح ہوتا ہے) اس کے واقع ہونے کی خبر دی ہے تو پھر ایک متدین اور فہیم انسان کو اس کے تسلیم کرنے میں کیا امر مانع ہوسکتا ہے؟

مُتنازعہ مسئلہ اتفاق علماء کاملین کی روشنی میں

اب ہم ذیل میں حسب دستور بعض علماء اعلام کے تحقیقات عالیہ پیش کرتے ہیں تاکہ من کل الوجوہ یہ مسئلہ منقح اور یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ جناب امیر علیہ السلام کے بجسد عنصری معراج پر تشریف نہ لے جانے پر تمام علمائے شیعہ کا اتفاق ہے اور یہ کہ واقعہ معراج جناب رسول خداؐ کے خصائص میں سے ہے جس میں اور کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہے۔

مخفی نہ رہے کہ وہ علماء اعلام جن سے ہم اس سلسلہ میں تائید حاصل کرسکتے ہیں ان میں سے بعض کی تائید مفہومی وسکوتی ہے اور بعض کی منطوقی۔ یعنی بعض کے کلام سے اس طرح تائید ہوتی ہے

Scanned with CamScanner

کہ انھوں نے واقعہ معراج کو بالتمام اپنی اپنی کتب تفاسیر واحادیث میں درج کیا ہے مگر اس میں حضرت امیر علیہ السلام کے معراج پر تشریف لے جانے کا کہیں ذکر نہیں کیا۔ اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک اس قصہ کی کوئی اصلیت نہیں ہے اور بعض نے بالتصریح اس بے سروپا قصہ کا ذکر کر کے اس کی تردید کر دی ہے۔ قسم اول میں بھی بہت سے علمائے اعلام آجاتے ہیں۔ جیسے حضرت شیخ مفیدؒ، حضرت شیخ طوسیؒ، حضرت شیخ طبرسیؒ، حضرت سید مرتضیٰ علم الہدیٰؒ وامثالہم رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور دوسری قسم کے اعلام کی فہرست بھی خاصی طویل ہے۔ ہم یہاں صرف بعض حضرات کے اسمائے گرامی مع ان کے کلام حقیقت ترجمان کے پیش کرتے ہیں۔

❶ علامہ شیخ ابو الفتح کراجکیؒ اپنی کتاب کنز الفوائد صفحہ ۲۵۸ طبع ایران پر لکھتے ہیں:

لان امیر المومنین علیہ السلام کان فی ذلک الوقت بمکۃ فی الارض و لم یدع قط و لا ادعی لہ احدانہ صعد الی السماء۔

یعنی جناب امیر المومنینؑ اس (معراج کے) وقت مکہ میں تشریف فرما تھے۔ نہ خود آنجنابؑ نے اور نہ ہی کسی اور شخص نے ان کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ آسمان پر تشریف لے گئے تھے۔

اس عالم خبیر کے کلام حقیقت ترجمان سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دور تک یہ مسئلہ اتفاقی تھا۔ یہ اختلاف بعد کے خاص حالات کی پیداوار ہے۔

پھر صفحہ ۲۵۹ پر یہ لکھا ہے:

و قد جاء فی الحدیث ان رسول اللہ ۔راء فی السماء لما عرج بہ ملکا علی صورۃ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ و سلامہ و ھذا خبر قد اتفق اصحاب الحدیث علی نقلہ۔

یعنی حدیث شریف میں وارد ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج ایک فرشتے کو حضرت امیر المومنینؑ کی صورت میں دیکھا۔ اس روایت کے نقل کرنے پر تمام ارباب حدیث متفق ہیں۔

❷ جناب ابن ابی جمہور احسائی اپنی کتاب "العجلی" صفحہ ۴۰۱ طبع ایران پر حضرت امیر المومنینؑ کے کمالات صوری ومعنوی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و اما الارتقاء الی العلویات فمعلوم عما ذکرنا ۔ فانہ علیہ السلام صاحب المعراج المعنوی کما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ صاحب المعراج الصوری و لھذا قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ ما بلغت شیئا لیلۃ المعراج و لا رایتہ الا بلغت علی بن ابی طالب و راہ و ھو فی الارض لان اللہ فتح لقلبہ و بصرہ ابواب خزائن سمواتہ و ارضہ۔ الخ۔

Scanned with CamScanner

یعنی جناب امیر علیہ السلام کا ملکوت علویہ کی طرف بلند ہونا ہمارے مذکورہ بالا بیان سے ظاہر ہے، کیونکہ آنجنابؑ صاحب معراج معنوی ہیں، جیسا کہ آنحضرتؐ صاحب معراج صوری تھے۔ اسی لیے آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ شب معراج مجھے جو کچھ احکام وغیرہ پہنچائے گئے اور میں نے جو کچھ وہاں دیکھا وہی کچھ حضرت علی علیہ السلام نے بھی دیکھا۔ حالانکہ وہ اس وقت زمین پر موجود تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ خدا نے آنجنابؑ کے قلب و بصر کے سامنے اپنے زمین و آسمان کے خزینوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ نیز جناب موصوف نے اسی صفحہ پر مذکورہ بالا عبارت سے قبل عالم بالا میں ایک فرشتے کے بشکل امیر المومنینؑ موجود ہونے والی روایت درج کی ہے۔ فراجع

❻ عالم ربانی مولانا ملا محسن فیض کاشانی نے اپنی کتاب علم الیقین فی اصول الدین کے صفحہ ۱۱۹ پر اصول کافی کے حوالہ سے ایک طویل الذیل روایت حضرت امام صادقؑ سے نقل فرمائی ہے جس میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت آسمانِ اول پر پہنچے تو اجتمعت الملائکۃ فسلمت علی النبیؐ افواجاً و قالت یا محمدؐ کیف اخوانک اذا نزلت فاقراہ السلام۔ قال النبی فاتعرفونہ قالوا کیف لانعرفہ و قد اخذ میثاقک و میثاقہ منا۔ الخ۔ یعنی ملائکہ نے جمع ہو کر گروہ در گروہ آنحضرتؐ پر سلام کیا اور عرض کیا یا محمدؐ آپ کے بھائی (حضرت علیؑ) کیسے تھے؟ جب آپ واپس تشریف لے جائیں تو ان کو ہمارے سلام پہنچائیں۔ حالانکہ ہم سے آپ (کی نبوت) اور ان (کی ولایت) کا عہد و پیمان لیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں کہ جب میں دوسرے آسمان پر پہنچا تو دوئم کے فرشتوں نے مجتمع ہو کر مجھ پر سلام کیا و سالونی عن اخی فقلت ھو فی الارض الفتعرفونہ قالوا کیف۔ الخ۔ اور میرے بھائی کے متعلق دریافت کیا۔ میں نے کہا وہ زمین میں ہیں۔ کیا تم ان کو پہچانتے ہو؟ فرشتوں نے کہا بھلا کیونکر ہم ان کو نہ پہچانیں۔ الخ۔

اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۸ پر سبعۃ مواطن میں آنجنابؑ کی مثال کے حاضر ہونے والی روایت درج کی ہے اور آخر میں صفحہ ۱۱۹ سطر اول پر اس سے نتیجہ یہ اخذ کیا ہے:

و ھذا الحدیث کما تری یدل علی ان الاسراء کان مرتین موافقا لما ذکرہ بعض العامۃ و ان مثال مولانا امیر المومنین کان معہ فی جمیع الوقائع۔

یعنی اس حدیث سے مستفاد ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ دو مرتبہ معراج پر تشریف لے گئے اور یہ کہ ان تمام واقعات میں حضرت امیرؑ کی تمثال مبارک آپؐ کے ہمراہ تھی۔

❼ سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کی حیاۃ القلوب جلد دوم اور بحار الانوار جلد ششم سے متعدد

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

احادیث سطور بالا میں نقل کی جا چکی ہیں۔ انھوں نے چونکہ متعدد روایات معتبرہ ایسی درج کی ہیں جن سے حضرت امیرؑ کے معراج پر تشریف لے جانے کی کھلم کھلا تردید ہوتی ہے اور پھر اس بزرگوار نے نہ ان روایات کی تردید کی ہے اور نہ ان کے خلاف کوئی معتبر روایت نقل کی ہے، اس سے روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہے کہ ان کا نظریہ وہی ہے جو ان روایات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کما لا یخفیٰ۔

اس سے بھی واضح تر ثبوت یہ ہے کہ انھوں نے بحار جلد ۶ صفحہ۔۔۔ پر معراج کو آنحضرتؐ کے خصائص خاصہ سے شمار کیا ہے۔

۵ محدث جلیل مولانا سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی کتاب انوار نعمانیہ صفحہ ۱۳ پر وہ حدیث شریف درج کرنے کے بعد جسے ہم نے سطور بالا میں نمبر ۳ پر درج کیا ہے، تحریر فرماتے ہیں:

اقول هذا الحديث يدل على ان عليًا عرج الى ملكوت السماء و هو جالس فى بيته

یعنی میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علیؑ کو گھر بیٹھے ہوئے (معنوی) معراج ہوئی تھی۔

۶ سیدا لعلماء سید حسین بن سرکار غفرانمآب لکھنویؒ اپنی کتاب حدیقۂ سلطانیہ حصہ ثانیہ صفحہ ۲۹۳ طبع لکھنؤ پر رقمطراز ہیں:

همیں است حال روایات که درمیانه عوام مشهور است و دلالت بر معراج حضرت امیر علیه السلام و وجود آنحضرت در آسمان قبل وصول جناب رسالت مآب بآں و بروز دستے از پرده غیب که دست آن حضرت بود از گلمن غیب حجب و ماشاكل ذلك مما يدل على الغلو و التشبيه پس همه خارج است از طریقه اقتصاد و تنزیه۔

یعنی یہی کیفیت ہے ان تمام روایات کی جو عوام الناس میں مشہور ہیں۔ جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت امیر علیہ السلام بھی معراج پر تشریف لے گئے تھے اور پردۂ غیب سے آپؑ کا دست مبارک نکلا تھا۔ اس قسم کی سب روایات جو غلو یا تشبیہ پر دلالت کرتی ہیں، درمیانہ روی اور تنزیہ باری تعالیٰ کے طریقہ سے خارج ہیں۔ (لہٰذا نا قابل قبول ہیں)

صفحہ ۲۹۴ پر تمثال مبارک والی بعض روایات درج کی ہیں۔ فراجع

۷ عالم مجاہد جناب السید محمد مہدی القزوینی اپنی کتاب هدی المنصفین جلد۔۔ صفحہ ۲۹۸ طبع نجف اشرف پر سید کاظم رشتی شیخی کے اس نظریہ کی کہ حضرت علیؑ معراج پر پیغمبر اسلامؐ کے ہمراہ تھے، تردید کرتے ہوئے اس پر تمام فرقہ شیعہ کے اجماع کا دعویٰ فرماتے ہیں۔ ان کی اصل عبارت یہ ہے:

Scanned with CamScanner

هفتم گفتن این مرد بائیکه در هر مقامے که حضرت پیغمبر صلی الله علیه و آله وسلم در حدیث عروج رسید علی علیه السلام در آن مقام بود۔ قبل ازاں سرور درو غیست بے شبه و مخالف است باجمع علیه میان شیعه اثنا عشریه چونکه همه متفقند برائیکه حضرت خاتم عروج فرمود و حضرت امیرؑ عروج نه فرمود بسوئے آسمانها و اخبار صحیحه اهل بیت علیهم السلام دلیلند بر ایں مطلب ازانها خبر ایست در ششم بحار نقل شده از عیون و سندش صحیح است از حضرت صادق علیه السلام ۔

یعنی اس مرد (سید کاظم رشتی) کا یہ کہنا کہ شب معراج جہاں بھی حضرت رسول خداؐ تشریف لے گئے، وہاں ان سے پہلے حضرت امیرؑ موجود تھے، بلا شبہ یہ دروغ بے فروغ اور فرقہ شیعہ امامیہ کے اجماعی نظریہ کے مخالف ہے۔ کیونکہ ان کا اتفاق ہے کہ معراج صرف خاتم الانبیاءؐ کو ہوئی ہے نہ خاتم الاوصیاء کو اور اس دعویٰ پر اہل بیت علیہم السلام کی اخبار صحیحہ دلیل ہیں۔ منجملہ ان کے ایک وہ صحیح السند روایت ہے جو ششم بحار صفحہ ۴۹۹ میں بحوالہ عیون الاخبار حضرت صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ (بعد ازاں وہی روایت درج کی ہے جس کا ہم بقدر ضرورت ایک ٹکڑا ابھی اوپر مرحوم ملا محسن فیض کی علم الیقین سے نقل کر چکے ہیں۔ فراجع)

اس عالم جلیل کی فرمائش سے واضح و آشکار ہے کہ تمام شیعہ کا اس عقیدہ پر اتفاق ہے۔ ہاں البتہ فرقہ شیخیہ جو کہ مفوضہ ہیں وہ مخالف ہیں۔

(و لاکن لا یعباء باختلافهم لانهم لیسوا من الشیعة کما لا یخفیٰ علی احد من البریة) فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر۔

۸ جناب علامہ سید علی الحائری اپنی تفسیر بے نظیر لوامع التنزیل جلد ۱۵ صفحہ ۳۶ پر چند نظریات فاسدہ جیسے حضرت علیؑ کا معراج پر تشریف لے جانا، پردۂ غیب سے ہاتھ کا نمودار ہونا، آنحضرتؐ کے راستہ میں شیر کا سدراہ ہونا، اور آنحضرتؐ کا اسے اپنی انگشتری عطا کرنا اور پس پردہ حضرت علیؑ کا موجود ہونا وغیرہ وغیرہ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

چنیں اعتقادات داشتن کفر و باطل است حضرات ائمه اطهار از چنیں حکایات موضوعه تبراء جسته اند۔ اصل آنست که این همه مفتریات فرقه غالیه و مفوضه است و بعضے جهال شعراء در مجالس بیان می کنند۔ خواندن و شنیدن و بداں اعتقاد داشتن کفر است چه ایں همه واقعات در

Scanned with CamScanner

اصل بے اصل اند۔

یعنی اس قسم کا اعتقاد رکھنا کفر و باطل ہے۔ ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے ایسی موضوع و مکذوب حکایات سے اپنی بیزاری ظاہر فرمائی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس قسم کی حکایات تمام تر فرقہ غالیہ و مفوضہ کی افترا پردازیوں کا نتیجہ ہیں۔ جنھیں بعض جاہل شعراء بھی مجالس میں پڑھ دیتے ہیں۔ ایسے واقعات کا پڑھنا اور سننا کفر ہے۔ کیونکہ دراصل یہ تمام واقعات بالکل بے اصل ہیں۔

نیز اسی جلد کے صفحہ ۳۷ پر فرماتے ہیں:

اجماع اهل بیت عصمت و طهارت علیهم السلام حاصل است و اتفاق علماء ملت شیعه قائم است براینکه هیچ امامے را در هیچ وقتے بلکه احدے از انبیاء را همچو پیغمبر آخر الزمان صلی الله علیه و آله معراج حاصل نه شد۔

یعنی اس امر پر اہل بیت عصمت و طہارت کا اجماع اور تمام علماء شیعہ کا اتفاق ہے کہ ائمہ اطہارؑ میں سے کسی بھی امامؑ کو کسی وقت بلکہ سوائے ختمی مرتبتؐ کے کسی دوسرے نبی کو بھی آنحضرتؐ کی طرح کبھی معراج حاصل نہیں ہوئی۔

چند سطور کے بعد پھر لکھتے ہیں:

زیراکه احدے معراج رفتن جناب امیر المومنین، را ذکر نه فرموده است در قرآن و حدیث ایما کرده نه شده است۔

یعنی جناب امیر المومنینؑ کے معراج پر تشریف لے جانے کا کسی (عالم دین) نے تذکرہ نہیں کیا اور قرآن و حدیث میں اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ تا بہ تصریح چہ رسد۔

اس کے بعد نورانی مثال والی بعض روایات درج کرنے کے بعد اسی جلد کے صفحہ ۳۷ پر آخر میں بطور نتیجہ کلام تحریر فرماتے ہیں:

اقول! نیست حقیقت واقعه صحیحه که رسول الثقلین صلی الله علیه و آله شبه نور علی را بر آسمان معائنه فرمود ورنه علی بن ابی طالب در آن شب معراج تا مراجعت جناب نبوی صلی الله علیه و آله حجت بر روئے زمین بود چه ممکن نیست که زمین یك لمحه بے حجة باقی بماند ورنه باهلش غرق و هلاك گردد۔

یعنی صحیح صورت حال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے شب معراج امیرؑ کی شبیہ مبارک دیکھی تھی، ورنہ

Scanned with CamScanner

خود حضرت علیؑ تو آنحضرتؐ کی مراجعت تک زمین پر حجت خدا تھے۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ زمین حجت خدا کے بغیر ایک لمحہ باقی رہ سکے۔ اگر ایسا ہو تو زمین اپنے اہل سمیت غرق ہو جائے۔

۹ اردو کے مشہور مفسر قرآن جناب مولانا عمار علی اپنی تفسیر عمدۃ البیان جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ طبع یوسفی دہلی پر لکھتے ہیں:

اور یہ جو بعض روایت میں آیا ہے کہ حضرت علیؑ بھی معراج میں شریک تھے اور ہاتھ پردے سے باہر نکلا اور کھیر کھائی اور شیر کے منہ میں رسول خداؐ نے اپنی انگشتری دی اور زمین پر آئے تو وہ انگشتری علیؑ کے پاس دیکھی اور یہ سب غیر معتبر ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ لیکن جو کچھ رسولِ خداؐ نے آسمانوں پر دیکھا وہ حضرت علیؑ نے زمین پر دیکھا کہ حجاب مابین سے اٹھ گیا تھا۔ چنانچہ امالی میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ فرمایا میں نے رسولِ خداؐ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ خدا نے پانچ چیزیں مجھ کو دی ہیں اور پانچ چیزیں علیؑ کو بخشی ہیں۔ الخ۔

۱۰ جناب آقا شیخ عباس علی خراسانی اپنی کتاب ضیاء العین فی التوسل بالثقلین کے صفحہ ۶۷ سے صفحہ ۸۵ تک مفصل واقعات معراج لکھنے کے بعد خلاصہ بحث ان الفاظ میں درج کرتے ہیں:

مولف گوید کہ معلوم شد از احادیث معراج و فصول قبل کہ ہیچ مخلوقے پابر بساط قرب قاب قوسین غیر از اشرف کائنات و خلاصہ موجودات و باعث زندگی ہر ذی حیات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ نگزاشتہ۔ الخ

یعنی معراج کی احادیث نیز سابقہ فصول سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ آنحضرتؐ کے سوا اور کسی بھی مخلوق نے قاب قوسین کے مقام پر قدم نہیں رکھا۔

۱۱ جناب مولانا الشیخ اعجاز الحسن بدایونی اپنے رسالہ شمس الاعتقاد (صفحہ ۳۶ و ۳۷) میں تحریر فرماتے ہیں:

نبوت خاتمیہ کا ساتواں کمال حضور سید عالمؐ کی معراج جسمانی ہے۔ جس کا پایہ اتنا بلند ہے کہ آنحضرتؐ کے سوا وہاں تک کسی مخلوق کی رسائی نہیں ہوئی اور نہ آئندہ ہوگی۔ معراج مع اس کے لوازم و خصائص کے صرف جناب ختمی مرتبتؐ کو خدا نے عطا فرمائی تھی۔ یہ رتبہ مخصوصہ درگاہِ الٰہی سے آن جنابؐ کے سوا کسی کو حاصل ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔ رسول اللہؐ کو جس حسن کی اور جس حد تک معراج جسمانی ہوئی تھی، اس کا آنحضرتؐ سے مخصوص ہونا اسلام میں بدیہی ہے۔ جس کا منکر اسلام سے خارج

Scanned with CamScanner

ہے۔ حضرات ائمہ معصومینؑ کے لیے ایسی معراج کا معتقد ہونا بے دینی ہے۔ لہٰذا کمالاتِ ختم نبوت سے ان حضرات کا اتصاف بے معنی ہے۔

⑫ فاضل محترم مولانا محمد آصف محسنی صراط الحق جلد ۳ صفحہ ۱۵۴ پر آنحضرتؐ کے خصائص لکھتے ہوئے خاصہ نمبر ۷۹ یہ لکھتے ہیں: معراجه بتلك الخصوصيات۔ یعنی منجملہ آپؐ کے خصائص کے ایک معراج بھی ہے۔

ان حقائق ودقائق کے پیش نظر یہ حقیقت بالکل روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوگئی ہے کہ حضرت امیر المومنینؑ کے معراج پر تشریف لے جانے والا نظریہ بالکل علیل اور بے دلیل ہے، بلکہ ایک افسانہ سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا اور جہاں یہ واقعہ قرآن و حدیث سے ثابت نہیں، وہاں اتفاق شیعہ خیر البریہ کے بھی خلاف ہے۔ ہاں البتہ یہ مفتریاتِ فرقۂ غالیہ و مفوضہ میں سے ہے۔

اعاذنا اللہ و جمیع المومنین من شرورھم

مسئلہ معراج عقل سلیم کی روشنی میں

ارباب علم وبصیرت جانتے ہیں کہ خلاق عالم نے موجودہ عالم کو ایسے خاص نظام ونہج پر بنایا ہے کہ اس کی ہر ہر چیز علل واسباب کی آہنی زنجیروں میں جکڑی ہوئی ہے، ہاں یہ اور بات ہے کہ بعض اوقات یہ سلسلہ علل واسباب تمام امور مادیہ پر مشتمل ہوتا ہے اور بعض اوقات اس کی بعض کڑیاں غیر مادی ہوتی ہیں۔ اسی قانون کے تحت خدائے حکیم نے اس عالم کی بقاء اور بالخصوص نظام ارضی کے دوام کو اپنی حجت (نبیؐ وامامؑ) کے وجود کے ساتھ وابستہ کر دیا ہے جو کہ علت غائی ممکنات ہیں۔ اگر ایک لمحہ کے لیے بھی حجت خدا سے زمین خالی ہو جائے تو تمام نظام درہم برہم ہو کر رہ جائے اور دنیا ومافیہا ہلاک وبرباد ہو جائے۔ اصول کافی میں ایک مکمل باب اس عنوان کا ہے۔ الارض لا تخلوا من حجة اللہ۔ یعنی کبھی زمین حجت خدا سے خالی نہیں رہتی اور اس باب میں اس مضمون کی متعدد روایات موجود ہیں کہ لولا الامام لساخت الارض باھلھا۔ اگر حجت خدا موجود نہ ہو تو زمین اپنے اہل سمیت پانی میں دھنس جائے۔ (از احسن الفوائد بالاختصار صفحہ ۴۱۵)

بنابریں شب معراج جناب امیر المومنینؑ کا زمین پر موجود رہنا ضروری ہے تاکہ زمین حجت خدا سے خالی نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ اس وقت حجت خدا یا رسولِ خداؐ تھے یا حضرت علی مرتضیٰؑ۔ کیونکہ حسنینؑ شریفینؑ کی تو ہنوز ولادت ہی نہیں ہوئی تھی، بلکہ حضرت امیرؑ کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی۔ اس لیے

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کہ معراج بالاتفاق قبل از ہجرت واقع ہوئی ہے۔

چنانچہ سرکار علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں: بدانکہ اتفاق است کہ معراج پیش از ہجرت واقع شدہ۔ (حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۲۸۶) اور شہزادگان کونینؑ کی ولادت چند سال بعد از ہجرت ہوئی ہیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ جب ایک حجت خدا کرۂ ارض سے باہر تشریف لے جائے تو دوسری حجت خدا محیط ارض میں موجود ہو۔

نیز جب سابقہ بیانات میں یہ حقیقت واضح کی جاچکی ہے کہ معراج جناب رسولِ خداؐ کے خصائص میں سے ہے تو عقلی مُسلمہ ہے کہ خاصۃ الشی ما یوجد فیہ و لا یوجد فی غیرہ۔ یعنی کسی چیز کا خاصہ وہ ہوتا ہے جو اس چیز کے علاوہ جس کا خاصہ ہے کسی اور میں نہ پایا جائے۔ بنا بریں عقلاً لازم ہے کہ آنحضرتؐ کے علاوہ کسی اور ذات کی معراج کا عندیہ قائم نہ کیا جائے۔ ورنہ یہ آنحضرتؐ کا خاصہ نہیں رہے گا۔ وھذا خلف۔

شب معراج عبد و معبود میں جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیرؑ کے لہجہ میں تھی

فریقین کے بعض احادیث سے یہ مُستفاد ہوتا ہے کہ شب معراج عبد و معبود کے درمیان جو خاص گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر المومنینؑ کے لب و لہجہ میں تھی۔

چنانچہ بحار الانوار جلد ۶ صفحہ ۵۱۰ بحوالہ مناقب خوارزمی عبداللہ بن عمر سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ سے دریافت کیا گیا:

بای لغت خاطبك ربك لیلۃ المعراج؟

شب معراج خداوند عالم نے کس لہجہ میں آپ سے خطاب فرمایا؟

قال بلغۃ علی بن ابی طالبؑ۔ فرمایا اطلعت علی سرائر قلبك فلم اجد الی قلبك احب من علی بن ابی طالب فخاطبتك بلسانہ کما یطمئن قلبك۔

اے حبیب میں نے تیرے دل کی گہرائیوں پر نظر کی اور جب حضرت علیؑ سے بڑھ کر کسی اور کو تیرا محبوب نہ پایا تو میں نے ان کے لہجہ میں تجھ سے خطاب کیا تاکہ تیرا دل مُطمئن رہے۔ (کذا فی علم الیقین صفحہ ۱۱۹ نقلاً عن کشف الغمہ و کذا فی التفسیر الصافی صفحہ ۲۵۸)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

بعض شکوک و اوہام کا ازالہ

حسب سابق اس مبحث کے آخر میں بھی دوسرے فریق کے جملہ شکوک و شبہات کا ازالہ کیا جاتا ہے تاکہ اس موضوع کا کوئی بھی پہلو تشنہ تکمیل نہ رہ جائے۔ اور پوری طرح حق و حقیقت واضح و آشکار ہو جائے۔

پہلا شُبہ اور اس کا جواب:

بعض روایات میں وارد ہے (جیسا کہ اوپر مذکور ہے) کہ شب معراج حبیب و محبوب کے درمیان جو گفتگو ہوئی وہ حضرت امیر علیہ السلام کے لہجہ میں ہوئی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود آں جنابؐ بھی وہاں تشریف فرما ہوں گے۔ کیونکہ کلام کے لیے منہ کی ضرورت ہے اور منہ کے لیے سر اور سر کے لیے دھڑ وعلیٰ ہذا القیاس، اور چونکہ خدا تو جسم رکھتا نہیں لہٰذا جناب امیر علیہ السلام کا وہاں وجود ماننا پڑے گا۔ یہ محض خطابت ہے۔ جسے حقیقت سے دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں۔ اور فی الحقیقت یہ خیال باطل وزعم فاسد خدا کے متکلم ہونے کے صحیح مفہوم کے نہ سمجھنے کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔ ورنہ معمولی عقل وخرد اور ادنیٰ دینی بصیرت رکھنے والے افراد بھی جانتے ہیں کہ خدا کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ جس چیز میں چاہے حروف (جن سے کلام بنتا ہے) اور آواز پیدا کر دیتا ہے اور اسے یہ بھی اختیار ہے کہ اس کلام میں جو لہجہ چاہے خلق فرما دے۔ انہ علی کل شئ قدیر۔

علاوہ بریں یہ بات بھی محتاج بیان نہیں کہ لب ولہجہ کی نقل وحکایت سے یہ کسی طرح بھی لازم نہیں آتا ہے کہ وہ اصل شخص بھی وہاں موجود ہو۔ کسی کے لہجہ کی نقل اتارنا اور ہے اور اس شخص کا وہاں موجود ہونا چیزے دیگر۔ ان کے درمیان کوئی باہمی ربط ہی نہیں۔

دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ:

انس بن مالک والی روایت ہے:

الشیخ فی امالیہ قال اخبرنا ابوالفتح ھلال بن محمد بن جعفر الحفار قال ابن الجعابی قال حدثنا ابوعثمان سعد بن عبداللہ بن عجب الانباری قال حدثنا خلف بن درست قال حدثنا ابوالقاسم بن ھارون قال حدثنا سھل بن سفیان عن ھمام عن قتادۃ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و الہ وسلم لما عرج بی الی السماء دنوت من ربی عزو جل حتی کان بینی و بینہ قاب قوسین او ادنی فقال یا محمد من تحب من الخلق ؟ قلت

Scanned with CamScanner

یا رب علیا، قال التفت یا محمد فالتفت عن یساری فاذا علی بن ابی طالب علیہ السلام۔

(تفسیر برہان جلد۔۔۔ صفحہ ۲۴۸ کذا فی البحار جلد ۶ صفحہ ۵۱۷)

یعنی جناب شیخ طوسیؒ مذکورہ بالا سند کے ساتھ اپنی امالی میں انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جناب رسول خداؐ نے فرمایا جب میں معراج پر گیا تو اپنے پروردگار کے (مرکز جلال و جمال کے) اس قدر قریب ہوا کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ اس وقت خدا نے ارشاد فرمایا یا محمدؐ! تم کس سے محبت کرتے ہو؟ عرض کیا علیؑ سے۔ ارشاد فرمایا یا محمدؐ مڑ کر دیکھو۔ جونہی میں نے اپنے بائیں طرف مڑ کر دیکھا تو ناگاہ حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ موجود تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام قاب قوسین پر حضرت امیرؑ موجود تھے۔

اس روایت کے ساتھ تمسک کرنا بچند وجہ صحیح نہیں ہے۔

وجہ اول:

یہ خبر واحد ہے اور ہم اسی کتاب کے دیباچہ میں ثابت کر آئے ہیں کہ عقائد کے سلسلہ میں اخبار احاد پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ دوم:

جب اصول عقائد میں صحیح السند خبر واحد بھی حجت نہیں ہے تو پھر ضعیف روایت تو بطریق اولیٰ ناقابل اعتبار ہوگی جیسا کہ یہ روایت ہے۔ کیونکہ اس کے سلسلۂ سند کے کچھ راوی غیر امامی کچھ مجہول الحال ہیں اور کچھ بالکل ناصبی ہیں۔ (جیسے اس سلسلہ کی آخری کڑی انس، جس نے چوتھے مرتبہ پر بھی حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی تھی۔ نیز بروز مناشدہ حضرت علیؑ کے مطالبہ کے باوجود حدیث غدیر کی شہادت دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اور جناب امیرؑ کی دعائے بد کی وجہ سے مبروص ہو گیا تھا۔)

(شواہد النبوۃ جامی)

لہٰذا ایسی روایت تو فروع دین میں بھی شرعی حجت نہیں، چہ جائے کہ اصول عقائد میں اس پر اعتماد کیا جائے۔

وجہ سوم:

بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جب مخالف اہل بیتؑ اس فضیلت کا اعتراف کر رہے ہیں تو پھر کیوں نہ اس روایت کو قبول کیا جائے؟ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ معصومینؑ نے مخالفین سے ایسی روایت فضائل قبول کرنے کی بھی ممانعت فرمائی ہے جن کی تائید احادیث اہل بیتؑ سے نہ ہوتی ہو۔

Scanned with CamScanner

ملاحظہ ہو: بحار الانوار جلد ۷ صفحہ ۳۶۱ باب النہی عن اخذ فضائلھم من مخالفیھم۔
(رجال کشی صفحہ ۲و۳ وغیرہ)

ہم سطور بالا میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ اخبار اہل بیتؑ اس واقعہ کی نفی پر دلالت کرتے ہیں۔ بعد ازیں کیوں کر اس بے سروپا روایت کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ اگر اس نظریۂ فاسدہ کے قائلین میں جرأت ہے تو ائمہ دوازدہ گانہؑ میں سے کسی ایک امام عالی مقامؑ کا مستند اور صریح الدلالت فرمان پیش کریں، اور منہ مانگا انعام حاصل کریں۔ اور ہمیں اپنا ہم خیال بھی بنائیں۔

وجہ چہارم:

مذکورہ بالا امور سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر بالفرض اس روایت کو مذکورہ بالا روایات ائمہؑ کے ساتھ بالکل معارض بھی سمجھ لیا جائے تو بنا بر اصول تعادل و ترجیح انہی روایات کو مقدم سمجھا جائے گا۔ کیونکہ سند و شہرت روایتی کے اعتبار سے وہ زیادہ مشہور و مستند اور تعداد کے لحاظ سے کثیر التعداد ہیں۔ اور ہمارے اصول مُسلمہ میں سے ہے جو کہ ائمہ اہل بیتؑ سے ماخوذ ہیں کہ عند التعارض ترجیح انہی روایات کو دی جاتی ہے جو سنداً زیادہ مُعتبر، شہرۃً زیادہ مشہور اور عدداً زیادہ ہوں۔ (رسائل و قوانین اور کفایہ وغیرہ کتب اصول ملاحظہ ہوں۔) بنا بریں اس روایت کو قابل استناد قرار نہیں دیا جا سکتا۔

وجہ پنجم:

اصل بات یہ ہے کہ حضرت امیرؑ اس وقت زمین پر تشریف فرما تھے۔ مگر خدا نے اپنی قدرت کاملہ سے آنحضرتؐ کو یہ محسوس کرایا کہ گویا ان کو بالکل اپنے پہلو میں کھڑا پا رہے ہیں۔ چنانچہ محدث جلیل حضرت شیخ محمد بن الحسن الحر العاملیؒ نے اپنی کتاب الجواھر السنید فی الاحادیث القدسیہ صفحہ ۲۰۲ پر اسی حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

اقول یعنی انہ راہ فی الارض فان اللہ کشف الغطاء بینھما حتی تحادثا کما ورد فی غیرہ من الاحادیث۔ الخ۔

یعنی میں کہتا ہوں کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر دیکھا بایں طور کہ خدا نے درمیان سے پردے اٹھا دیے۔ یہاں تک دونوں حضرات نے باہم گفتگو بھی فرمائی۔ جیسا کہ دوسری روایات میں وارد ہے۔

وجہ ششم:

اگر ان تمام امور سے بھی چشم پوشی کر لی جائے تو بھی اس روایت پر اس عقیدہ کی دیوار

Scanned with CamScanner

استوار نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ یہ دلالت کے اعتبار سے مجمل ہے، اور افادۂ مطلب میں نص صریح نہیں ہے، کیونکہ اس میں یہ احتمال برابر جاری رہتا ہے کہ عین ممکن ہے کہ اس وقت جناب امیرؑ کی مثال وہاں حاضر کی گئی ہو، جسے آنحضرتؐ نے بادی النظر میں خود حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ سمجھا ہو۔ جیسا کہ دوسری روایات بعبارت النص اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ جن کا ایک شمہ اوپر نقل کیا جاچکا ہے۔ اور بعض روایات میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ کئی بار آنحضرتؐ نے اس شبیہ کو عین حقیقت خیال فرمایا ہے۔ چنانچہ کتاب "المجلی" صفحہ ۴۰۱ پر ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے روئداد معراج بیان کرتے ہوئے فرمایا:

لما انتهيت الى السماء الرابعة رايت شخصاً جالساً على كرسى فتاملته فاذا هو علىؑ بن ابي طالب فقلت يا اخى جبرئيل هذا اخى علىؑ بن ابي طالبؑ قد سبقنى الى هذا المكان فقال جبرئيل هذا ملك على صورة علىؑ بن ابي طالبؑ۔ الخ۔

جب میں چوتھے آسمان پر پہنچا تو میں نے ایک شخص کو کرسی پر بیٹھے ہوئے دیکھا۔ تامل کیا تو علیؑ بن ابی طالبؑ تھے۔۔ میں نے کہا بھائی جبرئیل کیا علیؑ مجھ سے پہلے اس جگہ پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے عرض کیا یہ تو ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علیؑ کی شکل و صورت پر پیدا کیا ہے۔

اسی طرح کتاب اربعین علامہ مجلسیؒ صفحہ ۷۵ پر ایک ایسی ہی حدیث کے ضمن میں آنحضرتؐ بیان کرتے ہیں:

فلما صرت تحت العرش نظرت فاذا انا بعلى بن ابي طالب واقفاً تحت عرش ربي فقلت يا على سبقتنى فقال جبرئيل يا محمدؐ من يكلمك قلت هذا اخى على بن ابي طالبؑ قال يا محمدؐ ليس هذا علياً و لكنه ملك من ملائكة الرحمن خلقه الله على صورة على بن ابي طالبؑ۔ الخ۔

یعنی جب میں عرش کے نیچے پہنچا تو دیکھا وہاں علیؑ کھڑے ہیں۔ میں نے کہا: یا علیؑ کہا آپ مجھ سے پہلے یہاں پہنچ گئے ہیں؟ جبرئیل نے کہا: کون آپ سے کلام کر رہا ہے؟ میں نے کہا: یہ میرے بھائی علیؑ ہیں۔ جبرئیل نے کہا: "یہ علیؑ نہیں بلکہ ایک فرشتہ ہے جسے خدا نے حضرت علیؑ کی صورت پر خلق فرمایا ہے"۔

جس طرح ان واقعات سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کی شبیہ کو حقیقت تصور کیا ہے یہی احتمال یہاں بھی موجود ہے، بلکہ بنابر تسلیم روایت اس کا صحیح مفہوم ہی یہی ہے

Scanned with CamScanner

جیسا کہ اس کے الفاظ اور سیاق سے ظاہر ہے۔

نوٹ: بعض حضرات نے مجمع البحرین صفحہ ۳۸۳ کے حوالہ سے شب معراج تیسرے آسمان میں نورانی ناقہ پر جناب امیر علیہ السلام کے تشریف لانے کا واقعہ لکھا ہے۔ ہمیں تو تلاش بسیار کے باوجود یہ قصہ اس کتاب میں ملا نہیں ہے، بنا بر صحت اس سے مراد بھی یہی ہے کہ آنجناب کی شبیہ ہوگی، نہ کہ اصل ذات بابرکات۔

تیسرا شبہ اور اس کا جواب:

علامہ مجلسیؒ نے کتاب "المحتضر" کے حوالہ سے بروایت عمار بن یاسرؓ آنحضرتؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے، فرمایا:

فلما اسریٰ بی الی السماء و صرت کقاب قوسین او ادنیٰ اوحی اللہ عز و جل یا محمد من احب خلقی الیک قلت یا رب انت اعلم فقال عز و جل الی ان التفت فالتفت فاذا بعلی بن ابی طالب و اقف معی و قد خرقت حجب السموات و علی واقف رافع راسہ یسمع ما یقول فخررت للہ تعالیٰ واقفاً (بحار جلد ۷ صفحہ ۳۷۷)

جب مجھے آسمان پر لے جایا گیا اور قاب قوسین او ادنیٰ کی منزل پر پہنچا تو خدا نے مجھے یہ وحی فرمائی کہ یا محمدؐ تمہیں میری مخلوق میں سے زیادہ کون محبوب ہے میں نے عرض کیا اے میرے پروردگار تو خود بہتر جانتا ہے۔ فرمایا مڑ کر دیکھ۔ جب میں نے مڑ کر دیکھا تو علیؑ بن ابی طالبؑ کو اپنے پاس کھڑا ہوا پایا۔ آسمانوں کے حجاب پھٹ چکے تھے۔ علیؑ سربلند کر کے کھڑے تھے اور خداوند عالم جو کچھ فرما رہا تھا، وہ سن رہے تھے۔ میں (یہ ماجرا دیکھ کر) وہیں کھڑے کھڑے سجدۂ خدا میں جھک گیا۔ اس روایت کا راوی بھی جناب عمار جیسا مومن ہے۔ اس سے بھی ظہور علیؑ ثابت ہے۔ اس روایت سے بھی بچند وجہ یہ مدعا حاصل نہیں ہو سکتا۔

وجہ اول:

یہ روایت مرسل ہے کیونکہ صاحب مختصر نے اسے کتاب نوادر الحکمہ سے یہ کہہ کر نقل کیا ہے کہ من نوادر الحکمۃ یرفعہ الی عمار بن یاسر۔ لہٰذا جناب عمار کے علاوہ جب تک اس روایت کے سلسلہ کی دوسری کڑیاں (دوسرے راوی) معلوم نہ ہوں کہ وہ کون اور کیسے ہیں، صرف جناب عمار کے نام سے دھوکا نہیں کھایا جا سکتا۔ اس لیے اس کے ساتھ تمسک کرنے والوں کا فرض ہے کہ پہلے اس کے راویوں کو معلوم کر کے ان کے نام منظر عام پر لائیں۔ تاکہ علم رجال کی کسوٹی پر جانچ کر اس کی صحت و

Scanned with CamScanner

سلم کو معلوم کیا جا سکے۔ جب تک ایسا نہ کیا گیا اس وقت تک اس کے ساتھ استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

وجہ دوم:

جس طرح سابقہ روایت میں حضرت شیخ صرعائیؒ کی تحقیق کی روشنی میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے جناب امیر علیہ السلام کو زمین پر کھڑے ہوئے دیکھا تھا، یہی مطلب اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے، بلکہ یہاں تو صاف لفظوں میں اس امر کی طرف کھلم کھلا اشارے موجود ہیں۔ حجاب ہٹ گئے، علیؑ سربلند کر کے کھڑے ہیں۔ کان لگا کر خدا کا ارشاد سن رہے ہیں۔ یہ سب اس بات کے قرائن داخلیہ ہیں کہ حجاب پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیرؑ زمین پر کھڑے تھے اور آنحضرت آسمان سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔ مگر یوں محسوس ہو رہا تھا کہ گویا آپ کے پاس کھڑے ہیں، اس باب میں سابقاً جو احادیث پیش کی گئی ہیں ان میں بالصراحت یہ امر مذکور ہے کہ حجابہائے آسمانی پھٹ جانے کی وجہ سے جناب امیر علیہ السلام نے زمین میں رہ کر وہ سب مناظر بچشم خود دیکھے جو آں حضرتؐ نے آسمانوں پر دیکھے تھے۔ لہٰذا اس حدیث کا بھی یہی مطلب ہے۔

وجہ سیوم:

اگر اس سے بھی صرف نظر کر لیا جائے تو پھر سابقہ حدیث کی طرح یہاں بھی یہی مفہوم مراد لیا جائے گا کہ خدا نے جناب امیر علیہ السلام کی مثال و شبیہ وہاں خلق کر کے حاضر کی، جسے بوجہ شدت مشابہت آنحضرتؐ نے اصل خیال فرمایا، جیسا کہ اس کی مکمل وضاحت سابقہ حدیث کے جواب میں کی جا چکی ہے۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب:

قرآن مجید میں آنحضرتؐ کے معراج کی غرض و غایت آیات کبریٰ دکھانا بتائی گئی ہے۔ (لنریہ من ایاتنا الکبریٰ) اور جناب امیر المومنینؑ فرماتے ہیں کہ میں خدا کی آیتِ کبریٰ ہوں۔ (اصول کافی) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے آسمانوں میں حضرت امیر المومنینؑ کو ہی دیکھا تھا۔

اس شبہ کا کئی طرح جواب دیا جا سکتا ہے۔

پہلا جواب:

یہ درست ہے کہ معراج نبوی کی غرض و غایت قرآن میں آیات کبریٰ کا دکھانا قرار دی گئی ہے، مگر اس قدر اہتمام تو اس چیز کے دکھانے کے لیے کیا جاتا ہے جو پہلے دیکھی ہوئی نہ ہو، تو کیا جناب امیر علیہ السلام سرکار رسالتؐ کے لیے پہلے اَن دیکھے تھے؟ جو اس قدر انتظام و اہتمام کر کے انھیں

Scanned with CamScanner

دکھانے کے لیے خدائے حکیم نے اپنے آخری نبی اعظم کو عالم امکان کی آخری سرحد پر بلایا؟ حالانکہ یہ حقیقت عیاں راچہ بیاں کی مصداق ہے کہ خلقت انوار وارواح سے لے کر اس ظاہری و جسمانی خلقت تک ان دونوں بزرگواروں کا ہمیشہ چولی ودامن یا جسم وروح والا گہرا تعلق رہا ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ معراج سے جناب امیرؑ کا دکھانا مقصود نہ تھا۔

دوسرا جواب:

یہ درست ہے کہ جناب امیر المومنینؑ ہوں یا دوسرے ائمہ طاہرینؑ یہ سب کے سب آیات اللہ الکبریٰ ہیں (ع وھم آیۃ دونھم کل آیۃ) مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جہاں بھی یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے مراد جناب امیر علیہ السلام ہی ہوں۔ مثلاً خداوند عالم قرآن مجید کی سورۃ نازعات ع ۳ پارہ ۳۰ میں فرماتا ہے کہ فاراہ الآیۃ الکبریٰ کہ جناب موسیٰؑ نے فرعون کو آیت کبریٰ (بہت بڑی نشانی) دکھائی تو کیا کوئی شخص یہاں یہ کہہ سکتا ہے کہ جناب موسیٰؑ نے فرعون کو حضرت امیر علیہ السلام کی زیارت کرائی تھی؟ حالانکہ وہاں بالاتفاق اس سے مراد ید بیضا اور عصا کا اژدہا بنا کر دکھانا ہے۔

تیسرا جواب:

مذہب شیعہ کے مُسلمات میں سے ہے کہ قرآن کی وہی تفسیر صحیح ہوتی ہے جو معادن وحی و تنزیل یعنی حضرات محمد وآل محمد علیہم السلام سے مروی ہو۔ دوسری کوئی بھی تفسیر بوجہ تفسیر بالرائے ہونے کے ناجائز اور ناقابل قبول ہوتی ہے۔ بنابریں ہم ببانگ دُہل کہتے ہیں کہ اس شبہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ تفسیر بالرائے ہے۔ اگر مدعیوں میں کچھ علمی سکت ہے تو پھر کسی امام کا فرمان اس کی تفسیر میں پیش کریں۔ ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین۔ اس کی صحیح تفسیر دیکھنے کے لیے تفسیر صافی، برہان، مجمع البیان وغیرہ تفاسیر کی طرف رجوع کیا جائے۔

کذلک یبین اللہ لکم
الآیات لعلکم
تعقلون

○

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

نواں باب

بعض علماء اعلام کرہم اللہ فی الاسلام سے اتہام وہابیت کے ازالہ کا بیان

یہ امر بھی عجائبات روزگار و غرائب دہر غدار میں سے ہے کہ بعض اوقات انسان کو بعض ایسے امور کی رد میں بھی زبان و قلم کو حرکت دینا پڑتی ہے جن کا بطلان اظہر من الشمس و ابین من الامس ہوتا ہے۔ چنانچہ کفار کا حضرت نوحؑ کو سفیہہ کہنا اور آنجنابؑ کا اس کی رد کرنا (قرآن کریم) مشرکین مکہ کا حضرت پیغمبر اسلامؐ کو مجنون کہنا اور آنحضرتؐ کا اس کی نفی پر دلائل قائم کرنا (احتجاج طبرسیؒ) اور مروانیوں کا حضرت امیر المومنینؑ پر قتل عثمان کا الزام لگانا اور آں جنابؑ کا بار بار اس سے اپنی برأت ظاہر فرمانا (نہج البلاغہ) وغیرہ وغیرہ اسی بات کے مختلف مظاہر جلیہ ہیں۔ بلا تشبیہ آج بعض حلقوں کی طرف سے حقیقی علماء شیعہ کثرہم اللہ فی البریہ کو وہابی کہنے کی مہم جاری ہے۔ اور وہ صرف اظہار حقیقت اور سادہ لوح مومنین کے تحفظ ایمان کی خاطر اس اتہام نافرجام کے ازالہ پر مجبور ہیں۔ والمجبور معذور (و لھم فی الانبیاء و الائمۃ اسوۃ حسنۃ) اس اجمال کی بقدر ضرورت تفصیل یہ ہے کہ ہم اسی کتاب کے مقدمہ میں یہ امر واضح کر چکے ہیں کہ اخبار و آثار سے آشکار ہوتا ہے کہ اہل اغراض فاسدہ کا ہمیشہ سے شیوہ و شعار رہا ہے کہ وہ اپنی آراء کاسدہ کی ترویج کرنے، عامۃ الناس کو حق سے باز رکھنے اور (ان کو) اہل حق سے متنفر کرنے کے لیے ان پر بڑے شد و مد سے بعض بے بنیاد الزامات و اتہامات لگاتے رہے۔ چنانچہ ان کو ساحر، کذاب، مفتری، سفیہ، ضال، شاعر اور مجنون وغیرہ القاب قبیحہ سے منسوب کرنا اس رسوائے زمانہ تحریک کی مختلف کڑیاں ہیں۔ بلا تشبیہ آج کچھ پیشہ ور مقرر و خطیب اور جاہل ذاکرین اپنے ذاتی اقتدار کے تحفظ اور اپنے مخصوص اغراضِ باطلہ کے حصول کی خاطر خدا اور حشر و نشر کے خوف سے بے خوف و خطر ہو کر بے لوث خدمت گارانِ دین مبین، یعنی حقیقی علماء عاملین اور وارثانِ و مروجان مذہب ائمہ طاہرینؑ کو وہابی وہابی کہہ کر ان کو اپنے فنکارانہ حسد و رقابت کا نشانہ بنانے، انظارِ عامہ سے ان کو گرانے، ان کی تبلیغی نقوش کو مٹانے، الغرض اس طرح ان کو بدنام کر کے عوام اہل ایمان کو حق و اہل حق سے دور رکھنے کے لیے تقریر و تحریر کے ذریعہ شب و روز

Scanned with CamScanner

اس سعی نافرجام میں مشغول اور ہر جگہ فتنہ و فساد کی آگ روشن کرنے میں منہمک ہیں۔ ؎

جہاں پر بھی جاتے ہیں یہ فتنہ پرور وہیں جا کے چنگاریاں ڈالتے ہیں

مگر وہ اس حقیقت سے غافل ہیں کہ للہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون۔ نیز وہ اپنی اس غوغہ آرائی وہرزہ سرائی سے یہ بھی چاہتے ہیں کہ وہ ان مدارس دینیہ کو جو اس گئے گزرے دور میں بھی سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام کے علوم کی نشر و اشاعت کی شمع فروزاں کیے ہوئے ہیں اور یتیمانِ آلِ محمدؐ کی جسمانی و روحانی تربیت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں، ختم کر دیں۔ کیونکہ یہ لوگ ان مدارسِ دینیہ کو اپنے مقاصد مشئومہ کی تکمیل کے راستہ میں سنگ گراں سمجھتے ہیں اور ان کو راستہ سے ہٹانا اپنا فریضہ۔ مگر وہ اس حقیقت ابدیہ سے ناواقف ہیں کہ واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون۔ ؎

چرائے رو کہ ایزد برفروزد
اگر کس پف کند ریشش بسوزد

چنانچہ بموجب من حفر بئرا لاخیہ وقع فیہ۔ یعنی چاہ کن را چاہ در پیش مشاہدہ شاہد ہے کہ ایسے لوگ خود ہر جگہ ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ لیکن بے شعوری سے مزید رسوائی دارین کے اسباب جمع کر رہے ہیں۔ مگر بفحوائ الحق یعلو و لا یعلی علیہ حق و حقیقت کا ہر جگہ بول بالا ہو رہا ہے۔ ع

میری رسوائی جو چاہی خود وہ رسوا ہو گئے

بہر حال ایسے لوگوں کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنی چاہیے کہ ؎

تو مشو مغرور بر حلمِ خدا دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

وسیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون

بہر کیف ان حالات حاضرہ کے پیش نظر اس امر کی سخت ضرورت تھی کہ ان علماء اعلام سے اس بے اصل الزام و اتہام کا ازالہ کر دیا جائے، اگرچہ اس کتاب میں اب تک جو حقائق پیش کیے گئے ہیں وہ اس اتہام کے بے بنیاد و نافرجام ثابت کرنے کے لیے کافی و وافی ہیں۔ کیونکہ جن بعض مسائل و عقائد کی آڑ لے کر پیشہ ور اہل منبر ان علماء کرام کو وہابی کہتے ہیں، ہم نے قرآن کریم، احادیث معصومینؑ، تحقیقات علماء متقدمین و متاخرین اور بے شمار عقلی و نقلی دلائل و براہین کی روشنی میں ان کا صحیح اور شیعی معتقدات سے ہونا ثابت کر دیا ہے۔ لہٰذا اگر اسی کا نام وہابیت ہے تو پھر اس کی زد سے نہ خدا محفوظ ہے نہ رسولؐ، نہ ائمہ طاہرینؑ اور نہ علماء متقدمینؒ۔ ع

Scanned with CamScanner

میرے راز داں اب یہاں اور بھی ہیں

مذہب وہابی کا بانی عبدالوہاب نجدی تو کجا اس کا دادا بلکہ اس کے آباء واجدادِ اعلیٰ بھی ہنوز پردۂ عدم سے نکل کر عرصۂ وجود میں نہیں آئے تھے (کیونکہ) عبدالوہاب یا محمد بن عبدالوہاب بارھویں صدی ہجری کے اواخر اور تیرھویں صدی کے اوائل میں گزرے ہیں۔ اور مذہب وہابیہ کا ظہور وشیوع ۱۲۶۰ھ میں ہوا ہے۔ (کما فی کشف القناع صفحہ ۱۲۷) مگر علماء اسلام کے قریباً چودہ سو سال سے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہی عقائد ونظریات تھے جو اس کتاب اور "احسن الفوائد" وغیرہ میں پیش کیے گئے ہیں۔ تاہم مزید وضاحت کی خاطر، اگرچہ بظاہر یہ وضاحت اظہار واضحات کی قسم سے ہے کیونکہ وہابی شیعہ کی من گھڑت اصطلاح بالکل مہمل وبے معنی ہے۔ شیعیت اور وہابیت باہم دو ضدیں ہیں۔ والضدان لا یجتمعان اور دو ضدیں ہرگز یکجا جمع نہیں ہوسکتیں۔ ذیل میں بعض مفارقات الشیعہ والوہابیہ ذکر کیے جاتے ہیں۔ تاکہ بعد ازیں بھی اگر کوئی شقی ازلی ان علماء شیعہ خیرالبریہ پر یہ تہمت لگائے تو اس پر حجتِ خدا تمام ہوجائے اور وہ فردائے قیامت کوئی عذر پیش نہ کرسکے۔

لیھلك من ھلك عن بینة ویحیی من حی عن بینة۔

من آنچہ شرط بلاغ است با تو میگویم
تو خواہ از سخنم پند بگیر و خواہ ملال

---

[1] **حوادث روزگار:** صبحدم طائرانِ خوش الحان پڑھتے ہیں کل من علیہا فان

سچ ہے کہ لکل شی مانع وللعلم موانع۔ سلسلۂ بیان وکلام یہاں تک پہنچا تھا کہ ہمیں یکے بعد دیگرے دو عظیم حادثوں سے دوچار ہونا پڑا، جن کی وجہ سے مسلسل کئی دن تک یہ سلسلہ معرض التوا میں پڑ گیا۔

پہلا حادثہ کبریٰ بتاریخ ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۸۶ھ بمطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز چہارشنبہ جناب والدہ ماجدہ ایک ناگہانی حادثہ (بس کے ایکسیڈنٹ) کا شکار ہوکر ہمیں دائمی داغ مفارقت دیتے ہوئے دارِ فانی سے دار جاودانی کی طرف انتقال فرما گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح ہم جو شفقت پدری سے پہلے ہی صغرسنی میں محروم ہوچکے تھے، اب مادر گرامی کے مراحم والطاف اور مشفقانہ ادعیہ جات سے بھی ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے آہ ع

اب دعائے نیم شب میں کس کو یاد آؤں گا میں

دعا ہے کہ خداوند عالم جناب والدہ مرحومہ کو حضرت سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کے جوار پرانوار میں جگہ عطا فرمائے اور ہمیں اس صدمۂ جانکاہ پر صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی وآلہ الطاہرین۔ قارئین کرام سے مرحومہ کے ایصالِ ثواب کے لیے سورۂ حمد وتوحید پڑھنے کی استدعا کی جاتی ہے۔

Scanned with CamScanner

مفارقات الشیعۃ والوہابیہ

اگر چہ یہ مفارقات بکثرت ہیں مگر ہم معمولی فروعی مفارقات کو نظر انداز کرتے ہوئے بنظر اختصار ذیل میں صرف بنیادی اور اہم صرف چودہ عدد مفارقات کا اور وہ بھی اجمالی طور پر تذکرہ کرتے ہیں۔ تاکہ قارئین کرام پر چہاردہ معصومینؑ کے ماننے اور نہ ماننے والوں کے درمیان جو نمایاں فرق ہیں وہ واضح وعیاں ہو جائیں۔

پہلا فرق عقیدہ توحید:

ارباب بصیرت جانتے ہیں کہ دین کا سنگ بنیاد عقیدۂ توحید ہے۔ کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اول الدین معرفۃ الجبار (اول بحار الانوار)

دوسرا سانحۂ عظمیٰ ہم ابھی پہلے حادثہ کبریٰ سے پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پائے تھے، اور نہ ہی ہنوز سلسلہ تحریر شروع کیا تھا کہ بارھویں دن بتاریخ ۷ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ بمطابق ۲۳ اکتوبر ۱۹۶۶ء بروز یک شنبہ دوسرا سانحۂ عظمیٰ درپیش آیا۔ یعنی قدوۃ السالکین، زبدۃ الصالحین سرکار پیر سید فضل شاہ صاحب قبلہ پوری ملت جعفریہ کو یتیم کرتے ہوئے دارِ فانی کو خیرباد کہتے ہوئے عالم بقا کی طرف سدھار گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس طرح پوری قوم بالعموم اور ہم بالخصوص ان کے ظاہری غیر محدود فیوض وبرکات سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو گئے۔ وما کان فضل هلكه هلك واحد و لكنه بنيان قوم تهدما۔ آج پوری ملت جعفریہ ان کے غم میں سوگوار اور اشکبار ہے۔ کیونکہ من سرابل الارض ثم بکی اسی بکی بعیون سرها و قلوب۔ دعا ہے کہ خداوند عالم بطفیل سرکار محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سرکار مرحوم کو اعلیٰ علیین میں بلند مقام عطا فرمائے اور قوم کو اس سانحہ عظمیٰ پر صبر جمیل واجر جزیل عطا فرمائے اور سرکار مرحوم کے نقوش قدم پر چلنے اور ان کے زرین مواعظ ونصائح پر عمل پیرا ہونے کی توفیق دے۔ آمین بحق النبی و آلہ المعصومین صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ جملہ اہل ایمان سے سرکار موصوف اعلی اللہ مقامہ کے ایصال ثواب کی خاطر سورہ حمد وتوحید پڑھنے کی اپیل کی جاتی ہے۔ ؎

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے　　سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مقام شکر ہے کہ ہر دو مرحومین کی آخری خدمات انجام دینے کی سعادت ہمیں حاصل ہوئی۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

غمزدہ احقر الدارین محمد حسین عفی عنہ

۱۶ رجب المرجب ۱۳۸۶ھ ۳۱ اکتوبر ۱۹۶۶ء

Scanned with CamScanner

ہم خداوند عالم کو جسم و جسمانیات، مکان و مکانیات سے منزہ و مبرا، ذات و صفات میں وحدہ لاشریک اور بے مثل و بے نظیر تسلیم کرتے ہیں۔ اور مخلوق والی تمام صفات نقص و عیب سے اس کے دامن ربوبیت کو پاک و صاف سمجھتے ہیں۔ مگر وہابیہ کی توحید کچھ اور ہی قسم کی ہے۔ یہ حضرات خدا کو عرش کے اوپر بتلاتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید مطبوعہ حجاز صفحہ ۳۱۳ پر لکھا ہے: ان اللہ فوق العرش۔ خدا عرش کے اوپر ہے۔ ان کا یہ فاسد عقیدہ ان کی ان بعض مجعول روایات پر مبنی ہے جن میں وارد ہے کہ: ان اللہ فوق عرشہ و عرشہ فوق سمٰوتہ و ارضہ مثل القبۃ و انہ لیئط بہ اطیط الرحل بالراکب۔ یعنی خدا عرش پر ہے اور عرش آسمانوں کے اوپر ہے۔ اور زمین مثل گنبد کے معلوم ہوتی ہے۔ عرش خدا کے (بیٹھنے) سے یوں چرچراتا ہے جیسے (نئی) زین سوار کے بیٹھنے سے چرچراتی ہے۔ (کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۵۷ طبع حیدر آباد دکن)

یہ حضرات خدا کے لیے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء و جوارح بھی ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب التوحید صفحہ ۳۱۳ میں اس سلسلہ کی بعض روایات نقل کرنے کے بعد ان سے جو نتائج اخذ کیے ہیں، ان میں سے پانچواں امر یہ لکھا ہے: الخامسۃ التصریح بذکر الیدین و ان السموات فی الید الیمنی و الارضین فی الید الاخریٰ۔ یعنی پانچواں امر یہ کہ (ان روایات میں) اس بات کی تصریح موجود ہے کہ خدا کے دونوں ہاتھ ہیں۔ آسمان اس کے داہنے ہاتھ میں ہے اور زمین بائیں ہاتھ میں۔ نیز یہ حضرات اس کے لیے چلنا پھرنا، چڑھنا، اترنا، اور ہنسنا وغیرہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ چنانچہ اس فرقہ کے عالم عظیم الشان جناب مولوی وحید الزمان مترجم صحاح ستہ اپنی کتاب انوار اللغہ طبع بنگلور میں رقمطراز ہیں: اس کا مکان عرش معلیٰ پر ہے، اور اس کی طرف اشارہ ہوسکتا ہے۔ وہ جہت فوق میں ہے۔ جہاں چاہے وہاں جاسکتا ہے۔ اوپر چڑھتا ہے اور نیچے اترتا ہے۔ کلام کرتا ہے، ہنستا ہے، تعجب کرتا ہے۔ (صفحہ ۱۵ پارہ ۱۴۔ ۱۸۔ ۲۰۔ ۲۵ صفحہ ۱۷ و ۲۱۳ و ۱۲۳ پ ۵ صفحہ ۱۰۸)

الغرض یہ فرقہ توحید توحید کی گردان تو بہت کرتا ہے مگر ان کی توحید رحمٰن کے ڈانڈے بقول شیخ احمد غزالی شیطان سے ملتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ہم بموجب نقل کفر کفر نباشد شیخ موصوف کا فتویٰ نقل کرتے ہیں: من لم یتعلم التوحید من ابلیس فھو زندیق۔ یعنی جو شخص ابلیس لعین سے توحید حاصل نہیں کرتا وہ زندیق ہے۔ (شرح نہج البلاغہ حدیدی جلد ۱ صفحہ ۵۱ طبع بیروت)

مگر ہماری توحید سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام سے ماخوذ ہے۔ وشتان ما بینھما۔ اسی طرح یہ حضرات عدالت باری تعالیٰ کے بھی قائل نہیں، بلکہ خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ کا عقیدہ رکھتے ہیں، جو

Scanned with CamScanner

ہمارے نزدیک بالکل باطل ہے اور ھم لا جبر و لا تفویض بل امر بین الامرین کے قائل ہیں۔ تفصیل کے لیے "احسن الفوائد" کی طرف رجوع کیا جائے۔

دُوسرا فرق عقیدہ رسالت:

عقیدۂ توحید کے بعد عقیدۂ نبوت کی اہمیت لاکلام ہے، ظاہر ہے کہ ہم انبیاء علیہم السلام کو تمام مخلوقِ خدا سے افضل واشرف اور ہر وہ صفت کمال جو کسی مخلوق میں پائی جاسکتی ہے اس سے ان کو متصف اور ہر انسانی نقص وعیب سے ان کے دامنِ عصمت و طہارت کو پاک مانتے ہیں۔ نیز از مہد تا لحد ان کو ہر گناہ صغیرہ و کبیرہ سے عمداً، سہواً، علماً، جہلاً اور خطاءً غرضیکہ ہر اعتبار سے ان کی رداء عصمت کو ہر گناہِ صغیرہ و کبیرہ کے داغ سے منزہ ومبرا جانتے ہیں۔ اور ان کی تعظیم وتکریم کو واجب اور عین ایمان اور ان کی ادنیٰ توہین وتذلیل کو موجب کفر وشرک تسلیم کرتے ہیں۔

نیز ہم تمام انبیاءؑ کے اس مقدس سلسلہ میں سے سرکار ختمی مرتبت ﷺ کو سید الانبیاءؑ والمرسلینؑ اور خاتم الانبیاءؑ والمرسلینؑ سمجھتے ہیں۔ الغرض ہم آنحضرتؐ کو ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

کا مصداق جانتے ہیں۔ مگر یہ لوگ آنحضرتؐ کے مقام وشان کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں، اس کے بارے میں صرف اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ رسوائے عالم نام نہاد کتاب "رنگیلا رسول" کا مواد انہی کی کتابوں سے ماخوذ ہے۔ باقی رہا مسئلہ تعظیم، تو اربابِ عقل وانصاف اس کا اندازہ ذیل کے بعض فروق سے بآسانی لگا سکتے ہیں کہ ان کے دلوں میں اس مقدس گروہ کا کس قدر احترام ہے۔

تیسرا فرق تعمیر مشاھد:

ہم انبیاءؑ ومرسلینؑ اور ائمہ طاہرینؑ کے مزاراتِ مقدسہ پر قبہ وقبور کی تعمیر کو نہ صرف جائز بلکہ کارِ ثواب سمجھتے ہیں اور ان کی تعظیم وتجلیل کو جزو ایمان جانتے ہیں۔ مگر یہ فرقہ قبر رسول اکرمؐ کے ہدم (گرانے) کو بھی واجب جانتا ہے۔

چنانچہ مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب ہدیۃ المہدی صفحہ ۲۸ پر محمد بن عبدالوہاب نجدی کا یہ فتویٰ نقل کرتے ہیں:

قال اذا شرع الناس فی تقبیل قبر من قبور الانبیاء و الصلحاء او مس او طواف حولہ فحکمہ حکم الوثن یجب ھدمہ و حفرہ و ازالتہ۔

یعنی جب لوگ کسی نبی یا عبد صالح کی قبر کو بوسہ دینا یا بطور تبرک مس کرنا یا اس کے اردگرد

Scanned with CamScanner

طواف کرنا شروع کردیں تو اس کا حکم ایک بت کا سا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا گرانا، کھودنا، اور اس کی توہین کرنا واجب ہے۔ اسی بنا پر تو نجدی حکومت آنحضرتؐ کی قبر اقدس کو صنم اکبر کہا کرتی ہے۔ اور اگر تمام عالم اسلام کے بگڑنے کا اور اس کی وجہ سے اپنے مخصوص مفادات پر زد پڑنے کا اندیشہ دامنگیر نہ ہو تو یہ لوگ جنت البقیع کے مزاراتِ مقدسہ کی طرح روضۂ رسولؐ کو بھی فوراً مسمار کر کے زمین کے ہموار کر دیں۔

محمد بن عبدالوہاب نجدی کی کتاب التوحید کی شرح قرۃ الموحدین صفحہ ۴۰ پر لکھا ہے:

والذی خاف الخلیل علیه السلام علی نفسه و بنیه وقع فیه اکثر الامة بعد القرون المفضلة فبنیت المساجد و المشاهد علی القبور و صرفت لها العبادات بانواعها و اتخذت ذلك دینا و هی اوثان اصنام کاصنام قوم نوح و اللات و العزیٰ و مناة و اصنام العرب۔

یعنی جس چیز کا حضرت خلیل الرحمٰن کو اپنے اور اپنی اولاد کے متعلق اندیشہ تھا۔ (بتوں کی پرستش) قرونِ فاضلہ (اولیٰ) کے بعد اسی امر میں اکثر امت مبتلا ہوگئی۔ چنانچہ قبور پر مساجد و مشاہد بنا دیے گئے، ان میں مختلف قسم کی عبادات ہونے لگیں اور اس امر کو دین سمجھ لیا گیا۔ یہ مشاہد و مساجد قوم نوح کے بتوں اور لات و منات اور دوسرے اصنام عرب کی طرح بت ہیں (معاذ اللہ)

حالانکہ دیگر علماء اہل سنت بھی تعمیر مشاہد اور ان کے ابقاء کو جائز سمجھتے ہیں۔

چنانچہ یہی مولوی وحید الزمان صاحب اپنی کتاب انوار اللغۃ پارہ ۲۱ صفحہ ۶ پر لکھتے ہیں:

"بعضے علماء سلف نے اکابر علماء اور اولیاء کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنانا درست رکھا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں، وہاں آرام پائیں"۔

اور آلوسی بغدادی نے اپنی تفسیر "روح المعانی" جلد ۳ پارہ ۱۰ صفحہ ۱۵۱ پر بذیل آیۃ مبارکہ انما یعمر مساجد اللہ الآیۃ لکھا ہے:

قد اباح السلف البنا علی قبور المشائخ و العلماء و المشهورین لیزورهم الناس و یستریحوا۔

یعنی علمائے سلف نے مشائخ اور مشہور علماء دین کے قبور پر گنبد وغیرہ کی تعمیر کرنے کو مباح قرار دیا ہے، تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور استراحت حاصل کریں۔

(کذا فی شرح المشکوٰۃ لملا علی القاری و مجمع بحار الانوار لمحمد طاہر الفتنی)

نیز اسی جلد کے صفحہ ۲۵۱ پر مزید لکھا ہے:

Scanned with CamScanner

فبناء القبات علی قبور العلماء و الاولیاء و الصاحاء و وضع الستر و العمامۃ و الثیاب علی قبورھم امر جائز اذا کان القصد بذلک التعظیم فی اعین العامۃ حتی لا یحتقروا صاحب ھذا القبر۔

یعنی علماء، اولیاء اور صلحاء کی قبروں پر گنبد بنانا اور عمامے اور دیگر کپڑے رکھنا ایک مباح امر ہے۔ جب کہ مقصد نظر عوام میں صاحبان قبور کی تعظیم کرنا ہو، تاکہ وہ انھیں حقیر نہ سمجھیں۔

چوتھا فرق زیارت قبور:

ہم انبیاء وائمہ دین بلکہ عام مومنین کی قبور کی زیارت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب جانتے ہیں۔ بالخصوص جناب رسول خداؐ اور ائمہ ہدیٰؑ کے قبور مقدسہ کی زیارت کو بہترین عبادت سمجھتے ہیں اور ہمارا عمل اس کا شاہد ہے کہ نفس و نفیس صرف کر کے بھی مشاہد مقدسہ کی زیارت کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ مگر یہ فرقہ اس قصد سے سفر کرنے کو جائز ہی نہیں سمجھتا۔ اور اس فعل جمیل کو بزعم خود بدعت خیال کرتا ہے اور اپنی تائید میں ایک ضعیف روایت کا سہارا لیتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: لا تشد الرحال الا الی ثلاث۔ حالانکہ اس امر کا جواز اس قدر واضح ہے کہ بموجب الحق یعلوا ولا یعلی علیہ۔

اسی فرقہ کے ایک جلیل القدر عالم نے بھی دبے لفظوں میں اس کا اعتراف کر لیا ہے۔ چنانچہ علامہ وحید الزمان اپنی کتاب انوار اللغت پارہ ۱۲ صفحہ ۳۴ پر لکھتے ہیں:

"حضرات صوفیہ اور ایک جماعت کثیر علمائے دین نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ کے قبور کے زائرین کو طرح طرح کے فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں"۔

پانچواں فرق وسیلہ و شفاعت:

ہم قضائے حاجات، عفو سیئات، دفع بلیات اور دیگر تمام دینی و دنیوی مصائب و مشکلات میں تمام انبیاء و مرسلین و عباد اللہ الصالحین کے ساتھ توسل اور ان سے طلب شفاعت کرنے کو بالعموم اور سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام کے ساتھ توسل حاصل کرنے کو بالخصوص صرف جائز ہی نہیں بلکہ ضروری جانتے ہیں۔

اسی کتاب کے پانچویں باب میں اس امر کی مکمل وضاحت کی جا چکی ہے مگر فرقہ وہابیہ بارگاہِ قدرت میں ہر قسم کے واسطہ و وسیلہ پیش کرنے اور استشفاع کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ چنانچہ محمد بن عبدالوہاب کا نبیرہ الشیخ عبدالرحمٰن اپنی کتاب التوحید کی ذیلی شرح میں صفحہ ۳۰۵ پر لکھتا ہے:

واما بعد وفاتہ فلا یجوز الاستشفاع بہ کما تقدم تقریرہ فی باب الشفاعۃ و ما قبلہ واللہ

Scanned with CamScanner

تعالیٰ نھی عن اتخاذ الشفعاء فی مواضع کثیرۃ من القرآن۔

یعنی آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ان سے شفاعت حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ اس کی تقریر سابقاً باب الشفاعہ اور اس سے پہلے گزر چکی ہے اور خدا نے قرآن میں کئی مقامات پر شفیع بنانے کی ممانعت کی ہے۔

اسی کتاب کے صفحہ ۴۲ پر لکھا ہے:

حرم اللہ اتخاذ الشفعاء و انکرہ علی من فعل ذلک اشد الانکار لکونہ ینافی الاخلاص الذی ھو اقبال القلب و الوجہ علی اللہ فی کل ما یخافہ العبد و یرجوہ و یتقرب بہ و یدین بہ و من المعلوم انہ اذا التفت للشفیع یسئالہ فقد اعرض بوجھہ و قلبہ عن اللہ تعالیٰ و ذلک ینافی الاخلاص۔ الخ

خلاصہ مطلب یہ کہ کسی کو شفیع نہیں بنانا چاہیے۔ اور ہر خوف و رجا میں براہ راست خدا کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ کیونکہ شفیع کی طرف متوجہ ہونا اخلاص کے منافی ہے۔

اور مولوی وحید الزمان صاحب نے ہدیۃ المہدی صفحہ ۲۹ پر نجدی کا یہ مشددانہ قول بھی نقل کیا ہے کہ: انہ قال من اعتقد النبی او غیرہ ولیہ و شفیعہ قھر و ابوجھل فی الشرک سواء۔ یعنی جو شخص نبی یا کسی اور شخص کو اپنا ولی و شفیع تصور کرلے وہ کفر و شرک میں ابوجہل کے برابر ہے۔ (خاک بدہن قائل) حالانکہ بارگاہِ قدرت میں بعض مقربین خدا کو وسیلہ بنانا اور ان کو واسطہ قرار دینا خود قرآن و حدیث سے ثابت ہے۔

ارشادِ رب العزت ہے:

یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ۔ (پارہ ۶ سورہ مائدہ ع ۱۰)

اے ایماندارو! خدا سے ڈرتے رہو اور اس کے (تقرب کے لیے) وسیلہ تلاش کرو۔

نیز ارشادِ رب العباد ہے:

و لو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک و استغفروا اللہ و استغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما (پارہ ۵ سورہ النساء ع ۶)

اور (اے رسولؐ) جب ان لوگوں نے نافرمانی کرکے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا، اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور اے رسول تم بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بے شک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔ (ترجمہ فرمانؒ)

Scanned with CamScanner

اس آیت سے بھی روز روشن کی طرح واضح و آشکار ہوتا ہے کہ گنہگاروں کی بخشش گناہ دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہے۔ ایک ان کی ذاتی توبہ و استغفار، دوسری سرکار رحمۃ للعالمین ﷺ کی سفارش و پکار۔

کتب سیر و تواریخ میں آنحضرتؐ کے ساتھ توسل کرنے کے کئی واقعات مذکور ہیں۔ ہم یہاں بطور نمونہ صرف ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

آپؐ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا، اپنی تکلیفیں بیان کیں، آپؐ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کروں اور اگر چاہو تو صبر کرو اور یہ تمہارے لیے اچھا ہے۔ عرض کی دعا کیجیے۔ فرمایا اچھی طرح وضو کرکے یہ دعا مانگو کہ خداوندا اپنی رحمت والے پیغمبرؐ کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کردے۔

ترمذی اور حاکم کی ایک روایت میں اسی قدر ہے۔ مگر ابن حنبل اور حاکم کی دوسری روایت میں اس کے بعد لکھا ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہوگیا۔ (سیرۃ النبیؐ مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی جلد ۳ صفحہ ۶۲۱ کذا فی سنن ابن ماجہ مترجم وحیدی جلد ۱ صفحہ ۳۶۶ و کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۹۹)

چھٹا فرق حیات انبیاء و ائمہؑ:

اگرچہ جملہ اہل ایمان حیات برزخیہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر جس طرح انبیاءؑ و ائمہؑ دیگر صفات کمالیہ میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہیں، اسی طرح ان کی حیات برزخیہ بھی دوسرے لوگوں سے بدرجہا اتم و اکمل ہے۔ اور اس عالم میں بھی ان کی شفاعت و سفارش کا وہ سلسلہ جو ان کی ظاہری عین حیات میں تھا، برابر جاری و ساری ہے۔ لیکن فرقہ وہابیہ اس بات کا منکر ہے۔ حالانکہ کتب اہل سنت میں بھی بروایت انس بن مالک آنحضرتؐ کی یہ حدیث مروی ہے کہ ان الانبیاء احیا یصلون فی قبورھم۔ یعنی انبیاءؑ زندہ ہیں، اور اپنی قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں۔

(سیرت ابن ہشام جلد ۱ صفحہ ۳۴)

ساتواں فرق یا رسول اللہ اور یا علی کہنا:

چونکہ ہم حیات انبیاء و اوصیاء کے قائل ہیں (جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا ہے) اس لیے ہم نعرۂ رسالتؐ (یا رسول اللہؐ) اور نعرۂ حیدریؑ (یا علیؑ) کو جائز سمجھتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہابی فرقہ ان حضرات کی حیات کا قائل نہیں ہے، اس لیے وہ یا رسول اللہؐ اور یا علیؑ کہنے کو جائز نہیں سمجھتا۔

چنانچہ مولوی وحید الزمان اپنی کتاب "ہدیۃ المہدی" صفحہ ۱۶ پر شرک خفی کی مثالیں پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

اودعا غیر اللہ تعالیٰ بغلبۃ الحب و الاستغراق دعاء لغویا بمعنی النداء و تنزیل الغائب منزلۃ الحاضر مثل قولھم یا رسول اللہ او یا علی او یا حیدر الکرار۔الخ۔

یعنی غلبہ محبت و استغراق میں غیر اللہ کو حرف نداء کے ذریعہ پکارنا یعنی غائب کو بمنزلہ حاضر کے تصور کرکے آواز دینا جیسے یارسول اللہؐ یاعلیؑ یاحیدر کرارؑ کہنا یہ سب شرک خفی ہے۔

حالانکہ یارسول اللہؐ یایاعلیؑ کہنے کے ناجائز ہونے پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم نہیں ہے۔ باقی رہا ان کا یہ خیال کہ: "حرف "یا" مخاطب حاضر پر بولا جاتا ہے"۔ یہ بالکل بے قاعدہ بات ہے، علم نحو کے مبتدی طلبہ بھی جانتے ہیں کہ حرف "یا" قریب وبعید ہر دو کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ (ملاحظہ ہو مغنی جلد ۲ صفحہ ۴۱ طبع مصر) لہٰذا نحوی طور پر بھی اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

آٹھواں فرق عقیدہ امامت:

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ ہم پیغمبر اسلامؐ کے بعد ان کی مسند کا صحیح وارث خلیفہ وجانشین اور اپنا ہادی دُنیا ودین حضرت امیر المومنینؑ اور ان کی اولادِ امجاد میں سے گیارہ ائمہ طاہرینؑ کو جانتے ہیں۔ اور بوجہ عصمت ان کی اطاعت مُطلقہ کو واجب اور باعث نجاتِ دارین اور مخالفت کو موجب ہلاکت جانتے ہیں۔ اور ان کے مدمقابلین کو اس منصب جلیل کا نااہل اور مقام اہل بیتؑ کا غاصب سمجھتے ہیں۔ مگر یہ فرقہ دیگر غیر اثنا عشری فرقوں کی طرح ائمہ طاہرینؑ کی خلافت وامامت کا منکر ہے۔ وہ ان معصوم ومُقدس ہستیوں سے رُوحانی رشتہ توڑ کر آلِ رسولؐ کے مخالفین سے اپنا رشتہ جوڑتا ہے۔ اور انہی لوگوں کو اپنا دینی ودنیوی ہادی وراہنما اور آنحضرتؐ کے خلفاء اور خلق کے پیشوا مانتا ہے، اور یہ امر عیاں راچہ بیان کا مصداق ہے۔ مسئلہ امامت کے تمام مباحث کو بالتفصیل دیکھنے کے خواہشمند حضرات ہماری کتاب "اثبات الامامت" کی طرف رجوع فرمائیں۔

نواں فرق عقیدہ افضلیت:

ہم نہ صرف یہ کہ ائمہ اہل بیتؑ کو تمام امت محمدیہ سے اشرف وافضل جانتے ہیں، بلکہ سرکار خاتم الانبیاءؐ کے سوا باقی عالم مخلوق تو درکنار دوسرے انبیاءؑ ومرسلینؑ اور ملائکہؑ مقربین سے بھی ان ذوات مُقدسہ کو افضل واعلیٰ سمجھتے ہیں۔ اس مطلب کے ثبوت کے لیے ہماری کتاب "احسن الفوائد" کے اوراق شاہد ہیں۔ مگر فرقہ وہابیہ دیگر جمہور اہل سنت کی طرح اپنے شیخین کو ائمہ طاہرینؑ سے افضل سمجھتا ہے اور اس نظریہ کے مخالف کو نہ صرف خطا کار بلکہ شرعی تعزیر کا سزاوار قرار دیتا ہے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ الدہلوی اپنی کتاب "ازالۃ الخفاء" صفحہ ۶۷ مقصد اول میں لکھتے ہیں:

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

"ھر کہ مرتضیٰ را تفضیل دھد بر شیخین مبتدع است و مستحق تعزیر"۔

یعنی جو شخص حضرت مرتضیٰ (علیؑ) کو شیخین (ابوبکر وعمر) پر فضیلت دیتا ہے وہ بدعتی ہے اور تعزیر کا مستحق ہے۔ مگر بایں ہمہ ہمارے کرم فرماؤں کی نظر میں شاہ ولی اللہ مسلمان عالم دین اور ان کے معتقدین داخل زمرہ مسلمین مگر ائمہ طاہرینؑ کو بجز خمتی مرتبتؐ دیگر تمام کائنات سے افضل ماننے والے قابل گردن زدنی اور بے دین ہیں۔ والی اللہ المشتکی و ھو خیر الحاکمین۔

دسواں فرق کلمہ ولایت:

یہ بات بھی محتاجِ بیان نہیں ہے کہ ہمارا کلمۂ شہادت، توحید ورسالت اور شہادت ولایت سے مرکب ہے۔ (یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہ) مگر اس فرقہ کا کلمہ دیگر عام اسلامی فرقوں کی طرح صرف شہادت توحید و رسالت پر مشتمل ہے۔ (یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) وہ شہادت ولایت کو جائز و جزو کلمہ نہیں سمجھتے۔ لیکن ہم کلمہ طیبہ کے اس حصہ کو اسلام کا جزو مکمل و متمم جانتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اکمال دین (الیوم اکملت لکم دینکم الآیہ) کے شانِ نزول سے واضح وعیاں ہے۔ (شیعی کلمہ کے ثبوت کے لیے کتاب "مودۃ القربیٰ" صفحہ ۴۸ مودہ ششم ملاحظہ ہو۔)

گیارھواں فرق تقلید شخصی:

ہم فروع دین میں صحت وقبولیت اعمال کے لیے تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو مکلف کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ ① خود مجتہد ہو ② کسی جامع الشرائط مجتہد کا مقلد ہو ③ یا پھر محتاط ہو اور موارد و مواقع احتیاط کو سمجھ کر اس پر عمل در آمد کرے۔ مگر فرقہ وہابیہ تقلید شخصی کا سخت مخالف ہے۔ اسی لیے اسے غیر مقلد گروہ کہا جاتا ہے۔ اور اس نے تقلید شخصی کی رد میں بڑی بڑی ضخیم کتب تالیف کی ہیں۔ بطورِ مثال شاہ نذیر حسین محدث دہلوی کی کتاب "معیار الحق" دیکھی جاسکتی ہے۔

بارھواں فرق بعض اسماء کا جواز:

ہم ایسے اسماء کو نہ صرف جائز بلکہ مستحسن سمجھتے ہیں جن سے انبیاء وائمہ علیہم السلام سے نسبت غلامی مترشح ہوتی ہے۔ جیسے غلام محمد، غلام علی، یا عبدالحسین (یہاں عبد بمعنی غلام ہی ہے) وغیرہ۔ مگر یہ فرقہ ایسے اسماء کو ناجائز اور موجب شرک قرار دیتا ہے۔ چنانچہ اس مذہب کے بہت بڑے مروج مولوی وحید الزمان کی کتاب "ہدیۃ المہدی" صفحہ ۱۶ پر لکھتے ہیں:

و ھناك شرك اصغر و ھی عبادۃ عن افعال شرکیۃ کالحلف بغیر اللہ عادۃ او تسمیۃ

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

الاولاد عبدالحسین او غلام علی او عبدالنبی۔ الخ

یعنی (شرک اکبر کے علاوہ) ایک شرک اصغر بھی ہے اور اس سے مراد ایسے افعال ہیں جن سے شرک لازم آتا ہے، جیسے عام عادت کے مطابق غیر اللہ کے نام کی قسم کھانا، یا اولاد کا نام عبدالحسین، غلام علی اور عبدالنبی رکھنا۔

حالانکہ اس طرح نام رکھنے میں ہرگز کسی قسم کا شرک لازم نہیں آتا۔ اسلامی نقطہ نظر سے خود بندوں میں آقا و غلام، مالک و کنیز کا سلسلہ جائز ہے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اپنے نیک بندوں یعنی غلاموں کی شادیاں کرو۔ وانکحوا الایامی منکم و الصالحین من عبادکم و امائکم (پارہ ۱۸ سورہ نور ع ۱۰) اور اپنی رانڈوں کے نکاح کردو، اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے بھی ان کے جو نیک بخت ہوں۔ (ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم)

بہرحال غلامی مصطفیٰ کو شرک کہہ کر براہِ راست غلام اللہ کہلانے والوں کو یہ حقیقت نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ ؎

خلاف پیمبر کسے راگزید که هرگز بمنزل نخواهد رسید (سعدی)

ایسے حضرات کو ہم مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں: ؎

بمصطفیٰ برساں کہ دیں همه اوست اگر باُو نرسیدی تمام بولهبی است (اقبال)

تیرھواں فرق عزاداری سید الشہداءؑ:

یہ امر عیاں را چہ بیان کا مصداق ہے کہ ہم عزاداری سرکار سید الشہدا علیہ افضل التحیۃ والثناء کو بہترین عبادت اور حیات ملی وقومی کے لیے بمنزلہ شہ رگ حیات تصور کرتے ہیں۔ اور صحیح مجالس عزا کو احیاء دین سید المرسلینؐ ونشر واشاعت تعلیمات ائمہ طاہرینؑ کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور اس کے تحفظ وبقا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کردینا عین ایمان جانتے ہیں، اور مصائب معصومینؑ پر رونے اور رلانے کو باعث نجات دارین مانتے ہیں۔ مگر فرقہ وہابیہ تمام مجالس ومراسم عزا کو بدعت محرمہ سمجھتا ہے۔ اور ان کے انسداد کو عین عبادت تصور کرتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ جلیلہ کے انسداد کے بارے میں اس کی مساعی نامشکورہ کوئی ڈھکی چھپی نہیں ہیں۔ ہر جگہ اور ہمیشہ بالعموم اور ایام محرم الحرام میں بالخصوص فتنہ سامانی اور شرانگیزی اس فرقہ کا طرہ امتیاز ہے۔ ھداھم اللہ تعالیٰ الیٰ صراط مستقیم۔

چودھواں فرق بسط الیدین:

آخر کلام میں ایک ایسے فرق کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو فروع دین میں سے ایک اہم فروعی امر

Scanned with CamScanner

یعنی نماز سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ہم نماز میں بسط الیدین (ہاتھ کھلے رکھنے) کو واجب اور قبض الیدین (ہاتھ باندھنے) کو بلا تقیہ حرام اور مبطل نماز سمجھتے ہیں۔ مگر فرقہ وہابیہ ہاتھ باندھ کر (اور وہ بھی سینہ پر) نماز پڑھنے کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور سینہ پر ہاتھ رکھ کر نماز پڑھنا اس کا مذہبی شیوہ و شعار اور اس کی پہچان کی ایک نہایت واضح و آشکار علامت ہے۔ کمالا یخفی علی اولی الابصار۔ حالانکہ جناب رسول خدا ﷺ کا کھلے ہاتھوں نماز پڑھنا خود کتب اہل سنت میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو عوارف المعارف للشہید سہروردی مطبوع برہامش احیاء العلوم غزالی جلد ۳ صفحہ ۲۰۰ طبع مصر وغیرہ۔

چہاردہ معصومین علیہم السلام کے ماننے والوں کے لیے یہ چودہ فروق کافی ووافی ہیں۔ ان واضح وروشن پورے چودہ عدد فروق کے باوجود اگر کوئی شخص پھر بھی اپنی شقاوت و بدبختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق بین، حق گو اور حق پرست علماء شیعہ خیر البریہ کو وہابی کہتا ہے تو ہم اس کا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ وھو اسرع الحاسبین ؎

قریب ہے یارو روز محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون

قُلْ يَاأَيُّهَا النَّاسُ إِنْ كُنْتُمْ فِي شَكٍّ مِنْ دِينِي
فَلَا أَعْبُدُ الَّذِينَ تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللهِ
وَلَكِنْ أَعْبُدُ اللهَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ
وَأُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ مِنَ
الْمُؤْمِنِينَ

﴿۴۳﴾

Scanned with CamScanner

دسواں باب

موجودہ دور کے اکثر مدعیان تشیع کے مفوضہ اور شیخی العقیدہ ہونے کا بیان

جب ہم بفضلہ تعالیٰ اوپر نویں باب میں شیعہ علماء اعلام سے وہابیت کے اتہام نافرجام کا دلیل وبرہان سے بطلان واضح وعیان کر کے یہ حقیقت ثابت کر چکے کہ یہ علماء شیعہ پر سراسر افتراء و بہتان ہے (وانما یفتری الکذب الذین لا یومنون) اور مبرہن کر چکے کہ شیعیت اور وہابیت ایسی دو ضدیں ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے۔ تو اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آخری باب میں ایک تلخ اور پوشیدہ حقیقت کا انکشاف کر دیں اور وہ یہ ہے کہ شیعہ علماء محققین کو مقصر اور وہابی کہنے والے پیشور مقررین اور ان کے دام تزویر میں پھنسے ہوئے (بظاہر) مومنین کی کھیپ مفوضہ اور شیخیہ کے باطل عقائد کی حامل ومروج ہے۔ یعنی وہ جن عقائد ونظریات کو آج مذہب شیعہ کے عقائد سمجھ کر اپنا رہی ہے وہ مذہب اہل بیتؑ کے عقائد نہیں، بلکہ فرقہ مفوضہ کے عقائد ہیں، جس کا سرخیل شیخ احمد احسائی ہے۔ ان عقائد کے لوگ سابقہ زمانہ میں مفوضہ کہلاتے تھے اور اب عراق وایران میں شیخیہ کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔ جن کے بارہ میں اعلام شیعہ کی یہ رائے ہے کہ المدلسون انفسھم فی الشیعۃ ولیسوا منھم۔ یعنی فریب کاری وعیاری سے انھوں نے اپنے تئیں شیعوں میں داخل کر رکھا ہے مگر وہ فی الحقیقت شیعہ نہیں ہیں، بلکہ متعدد جید علماء شیعہ تو ان کے کفر کا فتویٰ صادر فرما چکے ہیں۔ چنانچہ جناب فاضل محمد صالح برغانی صاحب "مجالس المتقین"، شیخ الفقہا شیخ جعفر کبیر، صاحب "کشف الغطا" استاذ الفقہاء شیخ محمد حسن صاحب "جواہر الکلام" فقیہہ نبیہ آقائے سید مہدی، جناب شریف العلماء حضرت آقائے دربندی وغیرہم نے شیخ احمد مذکور کی تکفیر فرمائی ہے۔ تفصیلات دیکھنے کے خواہش مند حضرات رسالہ "الشیخیۃ والبابیۃ" طبع بغداد اور "قصص العلماء تنکابنی" کی طرف رجوع کریں۔

یہ عقائد فاسدہ ہمارے ملک میں کیونکر پہنچے؟ اور ہمارے سادہ لوح عوام کیونکر ان سے متاثر

Scanned with CamScanner

ہوئے؟ اور کن طلائف الحیل سے عوام بلکہ بعض خواص کو حق و حقیقت سے دور کیا گیا۔ یہ ایک المناک اور طویل داستان ہے۔ جس کے سلسلہ کی اکثر کڑیاں نا گفتنی ہیں۔ ولیس کلما یعلم یقال۔ اجمالاً اس قدر اشارہ کیا جاتا ہے کہ آج سے قریبا پچاس ساٹھ سال قبل بعض مشہور خطباء و واعظین نے ان عقائد کی منبروں پر ترویج کی۔ اگرچہ اس وقت لاہور و لکھنؤ کے بعض مشہور ذمہ دار علماء اعلام ان عقائد کی حقیقت اور ان کی عواقب و نتائج کو اپنے نورِ بصیرت سے بھانپ گئے تھے، اور انھوں نے اپنے امکانی حدود تک جہاں سادہ لوح عوام کو اس پیش آمدہ خطرہ سے آگاہ کیا، وہاں اس کے انسداد کی کوشش بھی کی مگر اکثر غیر پرست عوام نے ان اعلام کی اس بروقت آواز حق کو درخورِ اعتنانہ سمجھا، بلکہ اپنی روش و رفتار سے اسے غیر مؤثر بنا دیا۔ پھر ان کے حین حیات اور بعد از وفات ان کے بعض افاضل تلامذہ عرصہ دراز تک تقریر و تحریر کے ذریعہ انہی نظریات کی مسلسل نشر و اشاعت کرتے رہے۔ اسی رنگ میں رنگی ہوئی بعض بڑی بڑی کتابیں بھی لکھیں، جنھیں واعظین و ذاکرین نے اور سادہ لوح عوام نے ہاتھوں ہاتھ لیا، اور دامے درہمے، سخنے ان کی ترویج و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ بلکہ عوامی رجحان دیکھ کر اکثر نام نہاد واعظین نے اس تصویر میں مزید رنگ بھرا۔ اس طرح رفتہ رفتہ یہی غلط عقائد مذہب حق کے عقائد و نظریات سمجھے جانے لگے۔ اور مذہب شیعہ کے جو اصل عقائد و نظریات تھے وہ انظارِ عامہ سے اوجھل ہو گئے۔ اور اب ع

جب اٹھ گئے بازار سے گاہک تو ہم آئے

نوبت بایں جا رسیدہ کہ بالکل نظریاتی انقلاب رونما ہو چکا ہے۔ حقیقت کو مجاز اور مجاز کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق کا نام دے دیا گیا ہے۔ ع

بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

اس سلسلہ میں اس سے زیادہ کچھ کہنے کی حالات و ظروف اجازت نہیں دیتے ع

کردم اشارتے و مکرر نمی کنم

انہی حقائق کی بنا پر معصومینؑ نے فرمایا ہے کہ جب سرکار قائم آل محمدؐ تشریف لائیں گے تو اس قدر ذہنی انقلاب آ چکا ہوگا کہ عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ امام زمانہؑ کوئی نیا دین لائے ہیں۔ (بحار الانوار جلد ۱۳ وغیرہ) آہ ؎

تھا جو نا خوب بتدریج وہی خوب ہوا
بدل ہی جاتے ہیں غلامی میں قوموں کے ضمیر

Scanned with CamScanner

فرقہ شیخیہ کے بعض عقائد فاسدہ کا بیان

اب ہم ذیل میں موجودہ دور کے بعض چیدہ چیدہ عقائد کا ثبوت شیخ احمد احسائی اور ان کے بعض تلامذہ واتباع کی کتب سے پیش کرتے ہیں، تاکہ دعویٰ کے ساتھ دلیل بھی سامنے آجائے۔ کیونکہ بموجب ارشاد رب العباد ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔ بزم عقلاء میں صرف وہی دعویٰ قابل پزیرائی وشنوائی ہوتا ہے جس کے ساتھ دلیل وبرہان موجود ہو۔

① شیخیہ اور علیحدہ نوع والا عقیدہ:

شیخ احمد احسائی اپنی کتاب شرح الزیارۃ صفحہ ۳۸۵ پر لکھتے ہیں:

وکذالك النوع فانهم يدخلون فی النوع ظاهرا والا ففی الحقيقة هم خلق آخر فوق بنی آدم۔

یعنی اسی طرح ائمہ اہل بیتؑ حسب ظاہر نوع انسانی میں داخل ہیں، ورنہ درحقیقت وہ نبی نوع انسان سے بالا ایک علیحدہ مخلوق ہیں۔ (کذا فی صفحہ ۲۸۵)

نیز اسی صفحہ پر لکھا ہے کہ:

ولباسهم صورة كثيفة من العناصر الاربعة۔

یعنی ان ذوات مقدسہ کا لباس ان کی وہ صورت کثیفہ ہے جو عناصر اربعہ سے مرکب ہے۔

اسی طرح احسائی کے تلمیذ کریم خان کرمانی اپنی کتاب فطرت سلیمہ صفحہ ۲۸۸ پر لکھتے ہیں:

ولعمری هذا المقام ليس لهم الا كثوب لبسوه للضرورة و خلعوه اذا رفعت الحاجة عنه وعادوا الى ماكانوا۔

یعنی مجھے اپنی زندگی کی قسم یہ مقام (انسانیت) ان کے لیے بمنزلہ لباس کے ہے کہ انھوں نے خاص ضرورت کے لیے اسے پہن لیا تھا اور جب ضرورت ختم ہوگئی تو اسے اتار پھینکا اور اپنی اصلی حالت کی طرف عود کر گئے (دنیا سے سدھار گئے)

اسی طرح صفحہ ۲۸۹ پر لکھا ہے:

فان هذا اللباس ليس الا كعباءة لبسوها و خلعوها۔

یعنی یہ لباس (بشریت) ان کے لیے بمنزلہ ایک عبا کے ہے، جسے وہ (کبھی) پہن لیتے ہیں اور (کبھی) اتار دیتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

ہم اس نظریۂ فاسدہ کا تار و پود پہلے باب میں دلائل و براہین کے ساتھ فضائے محیط میں بکھیر چکے ہیں۔ اس لیے یہاں اعادہ و تکرار کی ضرورت نہیں۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا مقصود ہے کہ یہ عقائد کثیفہ فرقۂ شیخیہ کی ذہنی اختراع اور پیداوار ہیں و بس۔ اور آج انہی عقائد کو حرز جان اور مدار ایمان سمجھا جا رہا ہے۔

❷ شیخیہ اور تفویض والا عقیدہ:

فرقۂ شیخیہ کے نزدیک تفویض ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی اور اس کے اتباع نے جا بجا اپنی کتب میں اس عقیدۂ فاسدہ کو بزعم خود ثابت کیا ہے اور تفویض ممنوع سے اس تفویض استقلال کو مراد لیا ہے۔ جس سے خدا کا معطل محض ہونا لازم آتا ہو۔ چنانچہ شیخ موصوف نے شرح زیارت جامعہ کے صفحہ ۲۹۳ سے لے کر صفحہ ۲۹۹ تک اس مطلب کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور سرکار علامہ مجلسی علیہ الرحمہ کے غلو و تفویض کے متعلق مفصل کلام حقیقت ترجمان پر شرح الزیارۃ کے صفحہ ۳۸۰ و ۳۸۱ پر نقد و تبصرہ کرتے ہوئے تفویض کو ثابت کرنے اور ائمہؑ کے خالق و رازق ہونے کو غلو و تفویض قرار نہ دینے کی سعی نامشکور کرتے ہوئے لکھا ہے:

ولا تکون غالیاً اذ لا تری لاحد فعلا بدون اللہ و لا مشرکاً اذ لا تری انھم فاعلون مع اللہ و لا کافراً کذالک اذ لا تریٰ انھم فاعلون بدون اللہ و لا مفوضاً اذ لا تریٰ انھم بنعم اللہ فاعلون علی الاستقلال کما یفعل الوکیل عن موکلہ۔ الخ۔

یعنی اس عقیدہ سے نہ تو تم غالی بنتے ہو، کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ کوئی شخص یہ کام اللہ کے بغیر کرتا ہے اور نہ ہی تم مشرک ہو، کیونکہ تمہارا یہ نظریہ نہیں ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ مل کر فاعل ہیں۔ اور نہ ہی کافر ہو، کیونکہ تم ان کو خدا کے سوا فاعل نہیں سمجھتے۔ اور نہ ہی تم تفویض ممنوع کے قائل ہو۔ کیونکہ تمہارا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ وہ اللہ کے احسان سے علی الاستقلال فاعل ہیں۔ (صفحہ ۳۸۰)

پھر صفحہ ۳۸۱ پر از راہ تعجب لکھتے ہیں:

و کیف ینکر ھذا و امثالہ و یقبل ما ھو اعظم فی حق الملائکۃ الذین ھم من سائر خدامھم و یحو ما تجوزہ فی الملائکۃ الذین فیھم موکل بالسحاب و تصریف الریاح و تقدیر الموت و الحیوۃ و الرزق و الخلق و غیر ذلک تجوزہ فیھم بالطریق الاولیٰ۔ الخ۔

بھلا (ائمہؑ کے خالق و رازق وغیرہ ہونے کا) کیونکر انکار کیا جاتا ہے؟ حالانکہ ایسی باتیں ملائکہ کے متعلق قبول کر لی جاتی ہیں جو کہ ائمہؑ کے خادم ہیں۔ جب تم ملائکہ کے متعلق یہ جائز سمجھتے ہو کہ ان میں سے کچھ بادل و ہوا چلاتے ہیں اور کچھ موت و حیات مقدر کرتے اور کچھ خلق و رزق کے کام

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

کرتے ہیں تو پھر بطریق اولی ائمہؑ کے حق میں کیوں ان امور کو جائز نہیں سمجھتے۔

اسی طرح شیخ موسیٰ شیخی نے کتاب احقاق الحق کے صفحہ ۲۹۲ پر تفویض کو ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:

ان التفويض الذى ورد النهى عنه فى الاخبار و حكم بكفر قائله العلماء و الاخيار هو التفويض على طريق الاستقلال لا ما ذكرنا من التفويض الصحيح و هو تصرفهم فى ملك الله سبحانه و مملكته باذنه و مشيته و ارادته و المصرح فى الآيات ايضا هو نفى الخلق و الرزق و الاحياء و الاماتة عن غير الله عز و جل المدعى للالوهية او الاستقلال او الشراكة لا مطلقاً حتى يشمل ما ذكرنا۔ الخ

یعنی وہ تفویض جس کے متعلق احادیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے اور جس کے قائل کو علماء اخیار نے کافر قرار دیا ہے، اس سے مراد تفویض استقلالی ہے، نہ وہ تفویض جس کا تذکرہ ہم نے کیا ہے۔ یعنی یہ کہ بزرگوار خدا کی مملکت میں اسی کے اذن وارادہ سے جو چاہتے ہیں تصرف کرتے ہیں۔ اسی طرح آیات میں بھی غیر خدا سے خلق رزق اور اماتت واحیاء کی جو نفی کی گئی ہے تو اس سے مقصود بھی ان امور کی اس ذات سے نفی کرنا ہے جس کے متعلق الوہیت یا استقلال یا خدا کا شریک ہونے کا دعویٰ کیا جائے۔ مطلقاً ان افعال کی غیر خدا سے نفی نہیں کی گئی، تاکہ ہماری جائز تفویض کو شامل ہو سکے۔ ہم تیسرے باب میں ان تمام خرافات کے تحقیقی و تفصیلی جوابات پیش کر چکے ہیں۔ فلا نطیل الکلام بالتکرار۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

❺ شیخیہ اور مظاہر اسماء اللہ والا عقیدہ:

مظاہر اسماء والی بحث کو بھی فلاسفہ وصوفیہ کے بعد شیخیہ فرقہ نے ہی زیادہ اہمیت وہوا دی ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی شرح الزیارۃ صفحہ ۲۸۹ پر آیت مبارکہ لله الاسماء الحسنى فادعوه بها کے ذیل میں لکھتے ہیں:

فنقول يا كريم يا رحيم يا جواد يا غفور و هكذا الى سائر اسمائه و هى هم عليهم السلام۔ الخ

یعنی تم جو کہتے ہو یا کریم، یا رحیم، یا جواد، یا غفور تا آخر اسماء خدا تو اس سے مقصود حضرات آل محمدؐ ہیں۔

نیز صفحہ ۳۸۴ پر یہی بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے: و هم معانى الفعائل یعنی ائمہ اہل بیتؑ خدا کے افعال کے معانی ہیں (یعنی خدا کے افعال کا ظہور ان سے ہوتا ہے)

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

اس امر کی مزید وضاحت اسی کتاب کے صفحہ ۲۹۲ پر موجود ہے۔ وہاں لکھا ہے:

و اما هذا السر فقد قلنا اولا انه كونهم معانيه سبحانه اى معانى اسمائه و افعاله كما تقدم و كونهم ابوابه تعالى التى منها يوتى و منها يمنع و يعطى و يفقر و يغنى و يضحك و يبكى و يقبض و يبسط و يميت و يحيى و يامر و ينهى الى غير ذلك من افاعيله۔ الخ۔

یعنی یہ راز ہم قبل ازیں بیان کر چکے ہیں کہ ائمہ اہل بیتؑ خدا کے اسماء و افعال کے معانی ہیں۔ اور یہ خدا کے وہ دروازے ہیں کہ انہی کے ذریعہ خدا تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ اور انہی کے ذریعہ سے خدا روکتا ہے اور عطا کرتا ہے اور انہی کے توسط سے فقیر اور امیر بناتا ہے، انہی سے ہنساتا اور رُلاتا ہے، انہی کے ذریعہ سے تنگی اور وسعت عطا کرتا ہے اور انہی کے ذریعہ سے مارتا و جلاتا اور انہی کے توسط سے امر و نہی وغیرہ افعال کا اظہار کرتا ہے۔

شیخ احسائی کے مشہور تلمیذ سید کاظم رشتی اپنی کتاب شرح القصیدہ صفحہ ۸ پر ظاہر و مظہر کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و لما كانت الولاية لابد لها من مظهر حامل وجب ان يكون حاملها و مظهرها اشرف المخلوقات و الموجودات۔ الخ۔

یعنی چونکہ ولایت کے لیے ایک حامل اور مظہر کا ہونا لازمی ہے تو واجب ہے کہ اس ولایت کا حامل اور اس کا مظہر اشرف المخلوقات ہو۔

اسی طرح سید کاظم موصوف کے شاگرد شیخ کریم خان اپنی کتاب فطرت سلیمہ کے ۲۵۳ پر لکھتے ہیں:

و لما كان هو صلى الله عليه و اله مظهر اسم الله الحى ربه حيوة كل حى و هو عقل الكل المدبر لجميع ما سواه۔ الخ۔

یعنی چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خدا کے اسم الحی کے مظہر ہیں اور انہی کے ذریعہ ہر زندہ کو زندگی حاصل ہے اور وہ عقل کل ہیں۔ اور تمام ماسوا اللہ کے ناظم و مدبر ہیں۔ الخ۔

ہم ان تمام لغویات کے مکمل جوابات تیسرے باب کے ذیل میں پیش کر چکے ہیں۔ وہاں رجوع کیا جائے۔

❹ شیخیہ اور علم غیب والا عقیدہ:

شیخ احمد احسائی نے جا بجا اپنی کتب میں ائمہ اہل بیتؑ کے عالم الغیب ہونے کے عقیدہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ ہاں البتہ وہ ان کو بالذات نہیں، بلکہ بتعلیم اللہ عالم الغیب جانتے ہیں۔ چنانچہ شرح

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner

الزیارۃ صفحہ ۱۲۰ پر لکھتے ہیں:

فاذا قیل لا یعلمون الغیب بمعنی من ذاتھم فھو حق (الی ان قال) و اذا قیل علمھم اللہ فھو حق۔ الخ۔

یعنی جب یہ کہا جائے کہ یہ بزرگوار بالذات علم غیب نہیں جانتے تو یہ حق ہے۔ اور جب یہ کہا جائے کہ خدا نے ان کو اس کی تعلیم دی ہے، تو یہ برحق ہے۔

(کذا افاد الشیخ موسیٰ فی الاحقاق صفحہ ۳۲۹)

علم غیب کے متعلق ہم ساتویں باب میں مکمل بحث کر چکے ہیں، قارئین کرام اس مقام کی طرف رجوع فرمائیں۔

۵ شیخیہ اور ائمہ اہل بیتؑ کا علل اربعہ ہونے کا عقیدہ:

یہ حقیقت تو مُسلّم الثبوت ہے کہ سرکار محمد و آل محمد علیہم السلام علت غائی ممکنات ہیں۔ یعنی خداوند عالم نے کائنات ان بزرگوارون کے طفیل پیدا کی ہے۔ اگر خلاق عالم ان کو پیدا نہ کرتا تو پھر عالم کی کسی بھی چیز کو خلعت وجود عطا نہ کرتا۔ اس مطلب کو ہم اس کتاب میں کئی جگہ واضح کر چکے ہیں۔ مگر فرقہ شیخیہ یہاں بھی ایک عجیب شیخی بگھارتا ہے۔ وہ اس بات کا قائل ہے کہ یہ بزرگوار کائنات کے علل اربعہ ہیں۔ یعنی عالم کی علت مادی، علت صوری، علت فاعلی اور علت غائی یہی حضرات ہیں۔ تمام اشیاء کا مادہ اور صورت بھی انہی سے ماخوذ ہے اور یہی ان کے فاعل و جاعل ہیں اور یہی سبب خلق و ایجاد ہیں۔ ملاحظہ ہو شرح الزیارۃ احسائی صفحہ ۳۸۵ و ۳۳۹ و فطرت سلیمہ صفحہ ۳۷۹ کریم خان کرمانی۔

فھم سلام اللہ علیھم الذین ھم الخلق الاول کما مر ھم العلۃ المادیۃ و الصوریۃ و الغائیۃ و الفاعلیۃ۔

یعنی یہی بزرگوار علیہم السلام مخلوق اول اور یہی عالم کی علت مادی و صوری اور علت غائی و فاعلی ہیں۔ اس کافرانہ عقیدہ کا بطلان محتاج بیان نہیں ہے۔ مزید وضاحت کے لیے تیسرے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

۶ شیخیہ اور حاضر ناظر والا عقیدہ:

ائمہ علیہم السلام کا ہر وقت ہر جگہ بجسد عنصری حاضر ہونے والا خلاف عقل و نقل عقیدہ بھی شیخیہ کی کتب سے مترشح ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ احمد احسائی نے اپنی کتاب شرح الزیارۃ کے صفحہ ۳۷۲ پر ایک بے سروپا روایت درج کی ہے کہ جنگ خندق میں جب عمرو بن عبد ود واصل جہنم ہو گیا تو کفار میں

Scanned with CamScanner

کھلبلی مچ گئی اور وہ ستو گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ نے میدانِ جنگ سے فرار کرنا شروع کیا۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے ہر گروہ کے پیچھے حضرت علیؑ کو اس کا تعاقب کرتے ہوئے دیکھا۔ حالانکہ آنجنابؑ اپنی جگہ پر کھڑے تھے۔ کیونکہ کسی بھگوڑے کا پیچھا کرنا آپ کے کرائم اخلاق کے خلاف تھا۔ اسی طرح سید کاظم رشتی نے اپنی کتاب شرح الخطبہ صفحہ ۳۰۰ پر لکھا ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام ہر شب میں بیک وقت چالیس جگہ پر موجود ہوتے تھے۔

علامہ سید مہدی قزوینی اپنی کتاب "ھدی المنصفین" جلد ۲ صفحہ ۱۶۳ طبع نجف اشرف پر اس نظریہ کی رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

و این حرف مانند حرف استادش محال ست چونکه بضرورت دین و عقل معلوم شده است که حضرت امیرؑ چهل تن و چهل نفر نیست بلکه یك نفر است و یك نفر در یك زمان یك جا محتاج است پس اگر ازاں جا رفت در زمان دیگر در جائے دیگر حاصل می شود و همچنین و این حکم ضروری هر جسمے از اجسام است۔ الخ۔

یعنی سید کاظم رشتی کا یہ کلام ان کے استاد (شیخ احسائی) کے کلام کی طرح عقلاً محال ہے۔ کیونکہ دین قویم و عقل سلیم کی رو سے بالبداہت یہ امر ثابت ہے کہ حضرت امیرؑ ایک ہی آدمی تھے نہ چالیس۔ اور ظاہر ہے کہ ایک جسم ایک وقت میں ایک ہی جگہ میں ہو سکتا ہے، جب وہاں سے منتقل ہوگا تو پھر دوسری جگہ جائے گا۔ علیٰ ہذا القیاس۔ اور یہ امر ہر جسم کے لیے بالبداہت ثابت ہے۔ بہر حال یہ عقیدہ شیخیہ کی کتب میں جا بجا ملتا ہے کہ:

تمام الاشیاء فی جمیع احوالها من الماضی و الحال و الاستقبال حاضرة لدیهم و بسمعهم و منظرهم یشاهدونها حین وجودها و صدورها من مبدئها و المستقبل عندهم عین الماضی و هو عین الحال۔ الخ۔ (کتاب احقاق صفحہ ۳۱۹)

یعنی تمام اشیاء ماضی، حال اور استقبال وغیرہ حالات میں ان کے روبرو حاضر ہیں اور وہ ہر حال میں ان کا مشاہدہ کر رہے ہیں، ان کے نزدیک مستقبل عین ماضی اور ماضی عین حال ہے۔

اس امر کی تحقیق کے لیے چھٹے باب کی طرف رجوع کیا جائے۔

● شیخیہ اور علم حضوری والا عقیدہ:

آج کل شاہد و شہید کی بحث پر بھی بہت زور دیا جاتا ہے، نیز ائمہ علیہم السلام کا علم حضوری بتایا جاتا ہے، اس فاسد عقیدہ کا سرچشمہ بھی شیخی تعلیمات ہیں۔

Scanned with CamScanner

چنانچہ شیخ موسیٰ شُخی نے احقاق الحق میں شہید و شہادت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

و هذه الشهادة لا تكون الا بحضور جميع الاشياء كليها و جزئيها سرها و علانيتها غيبها و شهودها لديهم و عندهم و عدم غفلتهم عنها آنا واحداً بل ولا لمحة واحدة فظهران علمهم بكل الاشياء باعاظ انهم شهداء عليها من قبل الله سبحانه علم حضوری میانی لا حصولی و التفاتی۔ الخ۔ (صفحہ ۳۲۱)

یعنی یہ شہادت (گواہی) اسی وقت ممکن ہو سکتی ہے کہ تمام کلی و جزئی اور ظاہری و باطنی اشیاء انؑ کے نزدیک اس طرح حاضر و موجود ہوں کہ ایک آن و لمحہ کے لیے بھی یہ ان سے غافل نہ ہوں۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ اس اعتبار سے کہ وہ شہداء خلق ہیں۔ ان کا علم من جانب اللہ حضوری ہے۔ نہ حصولی و التفاتی۔ الخ۔

ہم ساتویں باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ ائمہ علیہم السلام کے علم کو علم حضوری قرار دینا غالیہ اور مُفوضہ کا فاسد عقیدہ ہے، جو عند المحققین کفر ہے۔ صحیح عقیدہ یہ ہے کہ ان کا علم حصولی و التفاتی ہے۔ تفصیل کے لیے مقام مذکور کی طرف رجوع کیا جائے۔

❽ شیخیہ اور استمداد والا عقیدہ:

شیخ احمد احسائی نے اپنی کتاب شرح الزیارۃ صفحہ ۱۴۷ پر بعض تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور آثار کی بنا پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام نے جناب امیر علیہ السلام سے استمداد کیا اور انھوںؑ نے ان کو مشکلات و مہالک سے نجات دی۔ کیونکہ یہی مدبر امور دنیا ہیں۔ ہم چوتھے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے کہ امور تکوینیہ میں خداوند عالم کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ ہاں سرکار محمدؐ و آلِ محمد علیہم السلام سے توسل حاصل کرنا چاہیے۔ یہی طریقہ انبیاءؑ و مرسلینؑ اور عباد اللہ الصالحین ہے۔

❾ شیخیہ اور معجزہ کے فعل نبیؐ و امامؑ ہونے والا عقیدہ:

فرقہ شیخیہ نہ صرف یہ کہ وہ مُعجزہ کو فعل امام سمجھتا ہے، بلکہ شیخ احمد احسائی نے تو شرح الزیارۃ صفحہ ۳۳۹ میں یہاں تک لکھ دیا ہے کہ دوسرے تمام انبیائے ماسلفؑ کے مُعجزات بھی درحقیقت ائمہ اہل بیت علیہم السلام کے مُعجزات ہیں۔ (یعنی ان کے فاعل یہی بزرگوار ہیں)

ما ظهرت على الانبياء و الرسل و اتوا به من المعجزات كاحياء الموتى و نطق الجمادات و الحيوانات العجم و قلب الجمادات حيوانات كعصا موسىؑ وغيره ذلك فانها آياتهم

Scanned with CamScanner

وامثالھم۔

ہم پانچویں باب میں ناقابل انکار دلائل وبراہین سے ثابت کر آئے ہیں کہ اس سلسلہ میں صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے۔ ہاں من باب المجاز نبیؐ وامامؑ کی طرف اس کی نسبت درست ہے۔

⓭ شیخیہ اور فرشتوں کے حرکت و سکون کے بدست اہل بیت ہونے کا عقیدہ:

شیخ احمد احسائی نے اپنی کتب بالخصوص شرح الزیارۃ میں متعدد مقامات پر لکھا ہے کہ ملائکہ مدبرات کی حرکت اور ان کا سکون حکم اہل بیتؑ کے تابع ہے۔ ہم "احسن الفوائد" اور اس کتاب کے تیسرے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ صحیح شیعی عقیدہ یہ ہے کہ فرشتوں کی بست وکشاد اور ان کی حرکت وسکون امر الٰہی کے تابع ہے۔ وھم بامرہ یعملون۔

تلك عشرة كاملة

اگر طوالت کا خوف اور بعض دیگر موانع دامن گیر نہ ہوتے تو ہم اپنے ملک کے بعض مشہور اہل علم وقلم (جنھوں نے اس ملک میں ان عقائد کی تقریر وتحریر کے ذریعہ مسلسل نشر واشاعت کی ہے) کی کتب ورسائل سے حرف بحرف ان عقائد ونظریات میں ان کی موافقت ومطابقت ثابت کرتے مگر ؎

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی
خوف فساد خلق سے ناگفتہ رہ گئے

"اصول الشریعہ" کے خلاف جن حضرات نے قلم اٹھایا ہے، ان کی کتب میں انہی عقائد باطلہ کا اثبات دیکھا جا سکتا ہے۔ ع سکوتی بیان عندھا و کلام

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ
فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ
وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَ
مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ
بِحَفِيْظٍ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

1/09/2019
12:26 دوپہر

کمپیوٹرائزڈ خطاطی: سید محمد حسن واسطی ۲۸۲۔ جوہر کالونی سرگودھا
0307-6719282

Scanned with CamScanner

اہل ایمان کے لیے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

- **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر منصۂ شہود پر آگئی ہے جس کا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لیے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔
- **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل 10 جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباحات کے ساتھ براہ راست اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔
- **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال و عبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔
- **سعادۃ الدارین فی مقتل الحسین** زیور طبع سے آراستہ ہو کر مومنین کے لیے آگئی ہے۔
- **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار و ایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد و اصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال و عبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے ہدیہ صرف تیس روپے۔
- **اثبات الامامت** آئمہ اثنا عشری کی امامت و خلافت کے اثبات پر عقلی و نقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن
- **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔
- **تحقیقات الفریقین اور اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔
- **قوانین الشریعہ فی فقہ الجعفریہ** (دو جلد)۔
- **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرہویں جلد بہت جلد بڑی آب و تاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔
- **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان و شکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگیا ہے۔

مکتبۃ السبطین

296/9 بی، سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

Scanned with CamScanner

Scanned with CamScanner